# صَحِیفۂ کامِلہ

یعنی

## زبورِ آلِ محمدؐ

اُردو ترجمہ ـــــ مُفید حواشی
مفصل مُقدمہ ـــــ سیر حاصل تذکرہ

چند ادعیہ جو آج تک شائع نہ ہو سکیں

ترتیب۔ ترجمہ۔ حواشی

سید قائم رضا نسیم امروہوی

# صحیفۂ کاملہ

یعنی

# زبورِ آلِ محمدؐ

اُردو ترجمہ ——— مُفید حواشی،
مفصل مُقدمہ ——— سیر حاصل تذکرہ،
چند ادعیہ جو آج تک شائع نہ ہوسکیں

ترتیب ۔ ترجمہ ۔ حواشی

سید قائم رضا نسیم امروہوی

ناشرین

شیخ غلام علی اینڈ سنز، پرنٹرز، پبلشرز، پوسٹ بکس ۵۲۸

لاہور ——— حیدرآباد ——— کراچی

سلسلہ مطبوعات نمبر ۳۵۸



شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
لاہور - حیدرآباد - کراچی

طابع و ناشر شیخ نیاز احمد

مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس ۷ ہسپتال روڈ لاہور پاکستان

# فہرست مضامین صحیفۂ کاملہ

## (۱) فہرست مقدمہ

# فہرست تذکرہ علی بن الحسین علیہما السلام

# فہرست ادعیہ صحیفہ کاملہ

## چند اور دعائیں جو صحیفہ کے بعض نسخوں میں مذکور ہیں



(صحیفہ کاملہ تمام ہوا)

## ہفتے کے سات دنوں میں پڑھنے کی دعائیں

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| ۶۵ | دوشنبہ کے دن یہ دعا پڑھا کرتے تھے | ۲۷۶ |
| ۶۶ | سہ شنبہ کے دن یہ دعا پڑھا کرتے تھے | ۲۷۸ |
| ۶۷ | چہار شنبہ کے دن یہ دعا پڑھا کرتے تھے | ۲۷۹ |
| ۶۸ | پنجشنبہ کے دن یہ دعا پڑھا کرتے تھے | ۲۸۱ |
| ۶۹ | جمعہ کے دن یہ دعا پڑھا کرتے تھے | ۲۸۲ |
| ۷۰ | ہفتہ کے دن یہ دعا پڑھا کرتے تھے | ۲۸۴ |

تتمہ

## غیر مطبوعہ مناجاتیں جو ایران کے ایک قلمی نسخے سے نقل کی گئیں

| نمبر شمار | مضمون | صفحہ |
|---|---|---|
| ۷۱ | پہلی مناجات۔ توبہ کرنے والوں کی دعا | ۲۸۶ |
| ۷۲ | دوسری مناجات۔ شکوہ کرنے والوں کی دعا | ۲۸۹ |
| ۷۳ | تیسری مناجات۔ خوف خدا رکھنے والوں کی دعا | ۲۹۲ |
| ۷۴ | چوتھی مناجات۔ امیدواروں کی دعا | ۲۹۵ |
| ۷۵ | پانچویں مناجات۔ رغبت کرنے والوں کی دعا | ۲۹۸ |
| ۷۶ | چھٹی مناجات۔ شکر کرنے والوں کی دعا | ۳۰۱ |
| ۷۷ | ساتویں مناجات۔ اطاعت کرنے والوں کی دعا | ۳۰۴ |
| ۷۸ | آٹھویں مناجات۔ قربت الٰہی کا ارادہ کرنے والوں کی دعا | ۳۰۶ |
| ۷۹ | نویں مناجات۔ اطاعت کرنے والوں کی دعا | ۳۰۹ |
| ۸۰ | دسویں مناجات۔ وسیلہ تلاش کرنے والوں کی دعا | ۳۱۳ |
| ۸۱ | گیارھویں مناجات۔ احتیاج مندوں کی دعا | ۳۱۴ |
| ۸۲ | بارھویں مناجات۔ رغبت کرنے والوں کی دعا | ۳۱۷ |
| ۸۳ | تیرھویں مناجات۔ ذکر کرنے والوں کی دعا | ۳۲۰ |
| ۸۴ | چودھویں مناجات۔ پناہ میں آنے والوں کی دعا | ۳۲۲ |
| ۸۵ | پندرھویں مناجات۔ زاہدوں کی دعا | ۳۲۵ |

# مقدمۂ صحیفۂ کاملہ

# مقدمہ

## مُسلم قوم کا سرمایۂ افتخار

## مادی فتوحات ہیں یا علمی و تبلیغی کارنامے!

آج جب کہ دنیائے اسلام زندگی اور بیداری کے ایک نئے موڑ پر آچکی ہے اور مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک تمام اسلامی دنیا میں نئے سیاسی شعور، نئی قومی بیداری اور نئے دینی احیاء کی برق رفتار لہریں دوڑ رہی ہیں، اس امر کی ضرورت اور بھی شدید ہوگئی ہے کہ ملّتِ اسلامیہ کی اجتماعی زندگی کے اس یادگار مرحلے پر تاریخِ اسلام کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے اور ان تحریکوں کی نشان دہی کی جائے جو پچھلے تیرہ سو سال میں برابر روحِ اسلامی کے احیاء کا باعث ہوتی رہی ہیں۔ اور مسلمان باوجود اپنے تمام مصائب و حوادث کے، جو کہ ہر عہد میں پیش آتے رہے، انجام کار ان تمام طوفانوں کو مغلوب کرتے رہے جنھوں نے ان کے مادی وجود کی بنیادوں تک کو خطرے میں ڈال دیا تھا اور منیاء خاکم بدہن) اسلامی طاقت کے زوال کی حتمی پیش گوئیاں کرنے لگی تھی ——— اب تک تاریخ کا عام مزاج یہ رہا تھا کہ جب بھی غیروں کے، نیز بعض اپنوں کے قلم سے اسلامی عظمت و شوکت کا تذکرہ چھڑا، انھوں نے بجائے اسلام کی تاریخ بیان کرنے کے مسلمان حکمرانوں کی قصیدہ خوانی شروع کر دی۔ جنھوں نے فوجی تنظیم کی مدد سے اپنے حریفوں کو زیر کرکے وسیع ترین شہنشاہیتوں کی بنیاد ڈالی، لیکن حقیقتہً اسلامی تاریخ شاہنشاہیت اور فتوحات سے بہت بالاتر، بالکل ایک دوسری چیز ہے اور اسلام کا رجحان (نہ کہ مسلمان شہنشاہوں کا) مادی طاقت کے مظاہروں سے بالکل مختلف اور متضاد ہے اور اب یہ نیا رجحان خود بخود اُبھر رہا ہے چنانچہ تاریخ بشریات اور خصوصیت کے ساتھ عمرانیات کے مؤرخ مسلمان حکمرانوں کی مادی فتوحات پر زیادہ زور نہیں دیتے بلکہ اس متحرک، فعال اور زندہ جاوید روح کا ذکر کرتے ہیں جو ہر عہد کے اندر مسلمان قوم کو اُبھارتی اور انھیں نامساعد حالات کا مقابلہ کرنا سکھاتی رہی ہے۔ مادی فتوحات کی عمر بہت کم ہُوا کرتی ہے اور وہ سلطنتیں جو طاقت کے بل پر وجود میں آتی ہیں، خود طاقت کے ذریعہ ہی ختم کر دی جاتی ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ قوموں کی سربلندی اور عظمت کی بنیاد اس کی تلوار نہیں، ذہن ہُوا کرتا ہے۔

ہمیں تسلیم ہے کہ تاریخ اسلام میں اموی اور عباسی خلافتیں اپنے مادی استحکام، اپنی جنگی فتوحات اور اپنی ظاہری شان و شکوہ کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھیں، لیکن مسلم قوم کا سرمایۂ فخر، بغداد۔ قرطبہ اور دمشق و قاہرہ کے زرکار محلات اور شاہانہ قصر نہ تھے، بلکہ وہ علمی اور تبلیغی کارنامے تھے جو علماء الٰہی اور اولیاء اللہ نے ان شہروں میں انجام دیے اور جنھوں نے آخر کار مسلمانوں کا پایہ علمی حیثیت سے اس قدر بلند کر دیا کہ اس کا اعتراف آج غیر مسلم علماء اور مستشرقین تک کر رہے ہیں۔ خود بروکلمن کی مثال ہماری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ غزنویں،

خلجیوں، سوریوں اور مغلوں نے پاکستان اور بھارت کے وسیع ترین خطوں پر بڑے دبدبہ کے ساتھ حکومت کی۔ ان کی مادی اقبال مندی کے نشان آج بھی سرزمین کے چپے چپے پر بکھرے ہوئے ہیں لیکن کیا ان کی کشور کشائی اور جہانبانی سے خود اسلام کو کوئی دیرپا فائدہ پہنچا ؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ برکوچک پاک و ہند میں اسلام کی توسیع و نفوذ کا سبب ہمارے ظل اللہ اور شہنشاہ نہ تھے بلکہ اللہ کے وہ نیک بندے تھے جو اسلام کا پیغام اور توحید کی دعوت لے کر اس سرزمین کے چپے چپے پر پھیل گئے اور ان کی حیرت انگیز تبلیغی سرگرمیوں نے لاکھوں غیر مسلموں کو حلقہ بگوش اسلام بنا دیا۔ اگر یہ نفوس قدسیہ اپنے تبلیغی فرائض سے غافل رہتے تو بے شک کچھ عرصہ کے لیے یہاں مسلمان حکومتیں تو قائم رہ جاتیں، مگر وہ عظیم مسلم قوم وجود میں نہ آتی، جو اس برکوچک کے ہر گوشہ میں پھیلی ہوئی ہے۔ جو حال برکوچک میں مسلم قوم کے ظہور و ارتقاء اور مسلم قومیت کی تشکیل و تعمیر کا ہے، ہم ساری دنیائے اسلام کے واقعات کو اسی پر قیاس کر سکتے ہیں ہمیں یہ تاریخی نکتہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ دنیا میں اسلامی تہذیب و تمدن کی بنیاد مسلمان لشکروں اور کشور کشاؤں نے نہیں ڈالی بلکہ ان آئمہ دین اور اولیاء اللہ نے ڈالی ہے جنھوں نے یہ دیکھ کر کہ مسلم سیاست کا قوام اور خلافت اسلامیہ کا مزاج، بنی امیہ کے اقتدار سے لے کر اس وقت تک ہر دور میں روح اسلام سے نہ صرف مختلف بلکہ بعض مسائل میں متناقض تک ہو چکا ہے، اپنے آپ کو ان نام نہاد اسلامی حکومتوں کے درباروں سے الگ کر لیا اور مسجدوں کے منبروں اور اپنے زاویہ ہائے عزلت میں بیٹھ کر خالص اسلامی درس و تدریس کی شمع روشن کی، جو صدیوں تک دنیائے انسانیت کو روشن کیے رہی اور آج بھی اسی آب و تاب کے ساتھ، اگر کہیں اور نہیں تو کم از کم اسلامی کتب خانوں میں ضرور روشن ہے۔ بے شک جب تک مسلمان مشرق و مغرب میں با اختیار اور با اقتدار تھے تو وہ اس بات پر اک گونہ ناز کر سکتے تھے کہ دوسری قومیں ان کی محکوم ہیں۔ اگرچہ یہ فخر اضافی تھا، حقیقی نہ تھا، کیونکہ ایک قوم کو دوسری قوم پر محض سیاسی تسلّط اور مادی استیلاء، قوم غالب کی برتری اور مغلوب و مفتوح کی کمتری کی دلیل نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب رومنوں نے یونانیوں کو فتح کیا تو وہ اپنے علم و دست مفتوحوں سے کسی طرح بہتر و برتر نہ تھے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کی جنگجوئی اور سفاکی اپنے مفتوحین سے بڑھ کر تھی۔ یا جب ہنوں نے رومن سلطنت کو تباہ کیا ہے تو ہن حملہ آوروں کا تہذیبی اور علمی رتبہ رومنوں سے بلند نہ تھا، بلکہ وہی چیز کہ ہنوں کے ہتھیار زیادہ تیز اور ان کی فوجی طاقت زیادہ مضبوط تھی۔ بالکل یہی مثال مغل و تاتار پر صادق آتی ہے کہ جب انھوں نے چھٹی صدی ہجری میں دنیائے اسلام کو تہ و بالا کیا تو وہ خونخوار وحشیوں کی ایک فوج تھی اور اسلامی دنیا علم و تفکر کے اعلیٰ ترین مدارج پر فائز تھی۔ اس نظریہ کی روشنی میں بعض مورخوں کا مسلمانوں کی مادی فتوحات پر فخر کرنا بالکل غلط ہے البتہ ان کے لیے قابل فخر جو چیز ہے وہ اس سے بالکل جداگانہ اور مختلف ہے یعنی مسلمانوں کے علمی اور تبلیغی کارنامے!

## ٹوائن بی کی رائے

مشہور مورخ ٹوائن بی رقمطراز ہے کہ "اسلامی دنیا مسلسل چھ سو سال تک اپنے اقتدار کو مشرق و مغرب میں صرف اس لیے قائم رکھ سکی کہ وہ تاریخ کی چھ صدیوں تک برابر ثقافت کی نقیب اور تہذیب و علم کی علمبردار رہی"۔ یہاں اقتدار سے مطلب مسلم حکومتوں کا سیاسی اقتدار نہیں ہے کیونکہ خلافت بنی امیہ کے انتہائی عروج کے زمانے میں بھی دنیائے معلومہ کے بہت سے حصے ان کی سیاسی گرفت سے آزاد تھے

لیکن بایں ہمہ وہ ذہنی اور فکری طور پر مسلمانوں سے مغلوب تھے۔ تاریخ کا یہ واقعہ عجیب ہے کہ جن ممالک میں اسلام نے کبھی فاتح کی حیثیت سے قدم نہیں رکھا، وہاں بھی اسلامی عقائد اپنی روحانی برتری، اور توحید کی سادہ، دلنشین اور مؤثر تعلیم کے سبب پھیل گئے۔ آج جنوبی مشرقی ایشیا (سیام، ہند چینی، ملایا، انڈونیشیا، بورنیو اور فلپائن) اور شمال مشرقی ایشیا (چین، منچوریا اور منگولیا) وغیرہ میں مسلمانوں کی تعداد پندرہ کروڑ کے قریب ہے۔ لیکن سب کو معلوم ہے کہ دنیائے اسلام کی یہ ایک چوتھائی آبادی محض مبلغوں اور علماء کے ذریعہ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئی ہے اور اگر ہم ترکوچک کے مسلمانوں کا شمار بھی اسی زمرے میں کرلیں اور کرنا ہی پڑے گا تو آسانی کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا ذریعہ مسلمانوں کی تلوار نہ تھی، ان کی کتاب اور ان کے علوم تھے جو اپنے عہد کے تمام افکار پر غالب آگئے۔

# فلپ حتّی کی رائے

بین الاقوامی شہرت رکھنے والا شامی نژاد مورخ فلپ حتّی (مصنف تاریخ عرب) رقمطراز ہے کہ "اسلام نے اپنے علوم یعنی فقہ، تفسیر، حدیث، اسماء الرجال، کلام، فلسفہ، تصوّف، تاریخ اور طب کی شکل میں انسانیت کے لیے جو بیش بہا علمی اور تخلیقی ورثے چھوڑے ہیں، ان کی قدر و قیمت کا جب بھی اندازہ لگایا جاتا ہے تو انسان دنگ رہ جاتا ہے۔" یورپی تاریخ نگاروں نے مسلمانوں کو اب تک صرف اس روپ میں پیش کیا ہے کہ ننگی تلوار ہاتھ میں لیے کبھی ویانا اور بلغراد پر حملہ آور ہیں اور کبھی جنوبی فرانس اور مغربی اٹلی کو دھمکا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک بالعموم مغربی قومیں اسلام کے خلاف ایک لاشعوری اور شعوری استکراہ رکھتی ہیں۔ کاش کہ دنیائے مغرب کے سامنے اسلامی کشور کشاؤں کے بجائے آئمۂ اسلام کو پیش کیا جاتا۔ جنھوں نے انسانیت کے دامن کو وعظ و حکمت اور علم و دانش کے بیش بہا جواہر سے مالا مال کر دیا ہے۔

فلپ حتّی اپنے مشہور ترین مضمون "وسط ایشیا کی نشاۃ ثانیہ" میں رقمطراز ہے کہ پچھلے پانچ سو برس سے مسلمان قوم سخت ذہنی زوال، سیاسی عدم استحکام اور مادی انحطاط میں مبتلا تھی۔ اس کے بعد اس کا یکایک بیدار ہو جانا اور اپنی سابقہ عظمت کو حاصل کرنے کی زبردست تحریک شروع کر دینا یورپ کے بہت سے لوگوں کو ایک بعید از قیاس بات معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یورپ کے مفکرین اور ماہرین عمرانیات جنھیں کلیسا کی پرخلوص دعائیں حاصل تھیں، بہت قبل یہ پیشین گوئی کر چکے تھے کہ اسلام اپنی سرزمین پر مکمل شکست خوردگی سے دوچار ہے اور یہ کہ یکے بعد دیگرے تمام مشرقی قومیں اس (اسلام) کے روحانی اقتدار کے خلاف بغاوت کر دیں گی۔ لیکن بیسویں صدی نے ان پیشین گوئیوں کو غلط ثابت کر دیا ہے اور اسلام خود اپنی راکھ سے دوبارہ ابھر رہا ہے لیکن اس میں استعجاب کی کوئی بات نہیں۔ ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اسلامی علوم اور اسلامی ثقافت کی روحانی اقدار کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے، یہ حقیقت واضح تھی کہ تاریخ کے ایک خاص مرحلے پر مسلم قوم کا بیدار ہو جانا ناگزیر ہے۔

بلاشبہ وسط ایشیا کی نشاۃ ثانیہ کا سبب کوئی اور نہیں خود اسلام ہے۔ اس تمہید سے ہم کس نتیجے پر پہنچنا چاہتے ہیں؟ صرف اس پر کہ آج بھی بعض حلقے اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ اسلام کی عظمت اور اس کا شکوہ مسلمانوں کی مادی کامرانیوں اور بیکراں فتوحات کا نتیجہ تھا اور یہ کہ تاریخ اسلام کے زرّیں ادوار، دمشق و بغداد کے ایام اقبال تھے، اس سے زیادہ اسلام کی اہانت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اسے دین الٰہی اور شریعت ابدی کے بجائے چند بادشاہوں اور چند حکمرانوں کا دست پرور دہ مذہب گردانا جائے اور اسلامی عظمت کا ترجمان اور شکوہ توحید کا نغمہ "ان ظل اللّٰہی

اور ان کج کلاہوں کو قرار دیا جائے جن کا نہ سیاسی نقطۂ نظر اسلامی تھا اور نہ وہ اسلام کی فکری اور علمی کامرانیوں کے مدعی ہی تھے۔ اگر صرف غیر اقوام (مرص یکھیے) اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتیں تو ہم ہرگز ان سے تعرض نہ کرتے اور یہ سوچ کر انھیں معاف کر دیتے کہ وہ اسلام کی شان دار روحانیت اور جیتاں علمی اقدار سے واقف نہیں، لیکن اس کا کیا علاج کہ خود اسلامی مورخین کا ایک طاقت ور حلقہ اسلامی تاریخ کے حقیقی کرداروں کو پہچاننے سے قاصر ہے اور ان افراد کو اسلام کا سرمایۂ عظمت قرار دے رہا ہے جو مادہ پرستوں اور دنیاداروں کے لیے تو شاید سرمایۂ عظمت ہوں لیکن اسلام کے لیے کبھی نہیں ہو سکتے۔

## محمدؐ کی لافانی عظمت کا راز کس چیز میں پوشیدہ ہے؟

ہمیں اس عہد میں اسلام کا جائزہ اس نقطۂ نظر سے لینا چاہیئے کہ محمد عربیؐ کی لافانی عظمت کا راز ـــــ کیونکہ ہر اعتبار سے اسلام کی عظمت بانیٔ اسلام کی اپنی شخصیت سے وابستہ ہے ـــــ کس چیز میں پوشیدہ ہے؟ اس میں کہ ان کے غلاموں نے بتیس سال کی قلیل مدت میں چالیس لاکھ مربع میل میں ایک مضبوط سیاسی نظام حکمرانی قائم کر دیا یا اس میں کہ پیغمبر اسلام کے جانشینوں نے انوارِ نبوت سے مستنیر ہو کر علم و حکمت کی وہ شمعیں روشن کیں جو تاریخ کی ہر ظلمت میں انسانیت کے لیے ستارۂ نوثابت ہوئیں اور آج بھی جب کہ مسلم قومیں جو طنجہ (مراکش) سے لے کر بٹاویہ اور ٹمبکٹو سے لے کر سمرقند تک پھیلی ہوئی ہیں، صدیوں کے زوال و انحطاط کے بعد آگے بڑھنے اور اپنے علمی و عملی نقصانات کی تلافی کرنے کی کوششیں کر رہی ہیں۔ تو محمد عربیؐ کا یہ پیغامِ ہدایت ہی ان کے لیے بانگِ درا کا کام دے رہا ہے۔

یہ امر موجبِ اطمینان ہے کہ اب ساری دنیا ان عظیم الشان احسانات کو تسلیم کرنے لگی ہے جو محمدؐ و آلِ محمدؐ نے علم و ثقافت اور معرفت و روحانیت کی دنیا پر کیے ہیں۔

## چیمبران سائیکلو پیڈیا کا اعترافِ حق

"چیمبران سائیکلو پیڈیا" نے ان احسانات کا اعتراف اس طرح کیا ہے کہ اسلام کا وہ حصہ جو تغیر و تبدل سے محفوظ رہا ہے، وہ اس کی عظیم الشان روحانیت کا پیام ہے۔ قرآن کی تعلیمات ان تحریفوں سے پاک رہی ہے جو دنیا کے دوسرے الہامی صحیفوں کو پیش آئیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ محمدؐ کے روحانی جانشینوں (آئمۂ اہلِ بیتؑ) نے اسلام کے اس حصے کو گرد آلود ہونے سے بچا لیا۔

## کارلائل کی رائے

کارلائل اپنے لیکچر "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" میں کہتا ہے کہ ان کے (پیغمبر اسلامؐ کی طرف اشارہ ہے) عقل و شعور کا نور، طویل زمانوں تک دنیا کے بہت بڑے حصے پر چمکتا رہا۔ ایمان و یقین کی دولت بہت بڑی دولت ہے اور قوموں کے اندر نئی روح اور نئی زندگی ایمان و یقین ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ یہی محمدؐ تھے اور یہی عرب اور یہی ایک صدی کا زمانہ۔ مگر جب اس خاک (عرب) سے ایک شرارہ اٹھا تو دیکھو وہ آناً فاناً کس طرح

آسمان تک پہنچنے والے شعلوں میں تبدیل ہو گیا۔ یہ بات بغیر کسی تردید کے کہی جاسکتی ہے کہ مسلمان نویں صدی (مسیحی) سے تیرھویں صدی (مسیحی) تک جاہل اور گمراہ یورپ کے روشن ضمیر معلم رہے ہیں۔

## محمدؐ کے جانشینوں کی حیرت انگیز علمی فتوحات

محمد عربیؐ کے عقل و شعور اور ان کی روحانیت کا نور دکار لائل کے لفظوں میں، طویل زمانے تک صرف اس طرح دنیا کے بہت بڑے حصے پر چمکتا رہا اور آج بھی چمک رہا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ کے روحانی وارثوں یعنی آئمۂ اہل بیت نے اسلام کی مادی فتوحات کے زمانے میں اپنی حیرت انگیز علمی فتوحات کا سلسلہ برابر جاری رکھا اور عین اس زمانے میں جب کہ دنیا بھر کی مادی دولتیں مسلمانوں کے قدموں پر آپڑی تھیں اور حکمران طبقے دنیا کی کیچڑ میں گلے گلے غرق ہو چکے تھے، انھوں نے مسلم عوام کو، جو اسلامی معاشرے کی حقیقی بنیاد ہیں، روحانیت کی طرف سے غافل نہ ہونے دیا، ورنہ بہت ممکن تھا کہ دنیا کی لالچ اور بڑھتی ہوئی دنیاوی فتوحات کی حرص، پوری ملتِ اسلامیہ کو ایک ایسی مادہ پرست جماعت میں تبدیل کر دیتی، جس کے سامنے روحانی ترقی کا کوئی نصب العین نہ ہوتا۔ اس طرح اسلام بھی ایک ایسا ہی عقیدہ بے روح بن کر رہ جاتا جس کی مثال آج دوسرے الہامی مذاہب پیش کر رہے ہیں۔ آئمۂ اہل بیت نے جن حالات میں رشد و ہدایت کے فرائض انجام دیے ہیں، آج اس کا اندازہ آسان نہیں۔ جونہی اسلام اپنی ابتدائی مشکلات کے دور سے گزرا اور علامہ اقبال مرحومؒ کے لفظوں میں ؎

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریّت را زہر اندر کام ریخت

یعنی جوں ہی خلافت اور قرآن پاک میں جدائی ہوئی، یعنی خلفاء نے سنت کسریٰ اور اسوۂ قیصر کو اپنا شعار بنایا، حریت کا ظہور اپنی طبعی موت مر گیا اور اقتدار یافتہ طبقوں نے اسلامی زندگی کی جوہری اقدار کی طرف سے آنکھیں پھیرلیں۔ اس زمانے میں آئمۂ اہل بیت نے اپنے زاویہ ہائے عزلت کو روحانی تربیت کے عظیم الشان اداروں کی شکل میں تبدیل کر دیا اور انجام کار اسلام اس ناگزیر روحانی تباہی کے صدمہ سے بچ گیا جس کا خطرہ دنیا پرست حکام نے اس کے لیے پیدا کر دیا تھا، حضورؐ کے اولیا میں امیرالمومنین علی بن ابی طالب سے لے کر امام حسن عسکری (بن امام علی نقی ع) تک ہر بزرگ اپنے اپنے عہد میں اسلامی روحانیت کا محافظ اور مبلغ اور ان فیوض و برکات کو عام کرتا رہا جن کی نشر و اشاعت کے لیے جناب ختم المرسلینؐ کو دنیا میں مبعوث کیا گیا تھا۔ ان آئمۂ اہل بیت کی تمام تر تبلیغی سرگرمیوں اور روحانی مساعی کا واحد نصب العین یہ تھا کہ اللہ اور بندے کے درمیان براہ راست تعلق کو مضبوط کیا جائے۔ یہ نفوس قدسیہ اور ذوات مطہرہ علم و عقل کے نقیب اور خالص و بے میل روحانیت کے داعی تھے۔

## صحیفہ کاملہ بھی ان ہی علمی فتوحات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے

اگر ہم امیرالمومنین علیؑ بن ابی طالب کے مجموعۂ خطبات و مکتوبات یعنی "نہج البلاغہ" کے بعد امام زین العابدینؑ کے مجموعہ ادعیہ "صحیفہ کاملہ" کا، تاریخ میں اس کی دل کشی کے پیش نظر زبور آل محمد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ــــ مطالعہ کریں تو آسانی سے سمجھ جائیں گے کہ یہ بھی انھیں علمی فتوحات

کے سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے جو آئمہ اہل بیت گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر اسلام کے لیے قلوب عالم کو مسخر کرنے کی غرض سے انجام دے رہے تھے۔ اور یہ کہ محمد عربیؐ کے یہ روحانی جانشین اور دین قیّم کے یہ لاثانی مبلغ کس طرح وہ خدمات بجا لا رہے تھے جن کی انجام دہی میں خود حضور ختمی مرتبت کی عمر شریف بسر ہوئی تھی۔

زیر نگاہ مجموعہ ــــ صحیفہ کاملہ ــــ جس کے ادنیٰ تعارف کے لیے ناظرین کو زحمت دی جا رہی ہے جناب امام زین العابدینؑ کی دعاؤں اور مناجاتوں کا مجموعہ ہے اور جس طرح ــــ نہج البلاغہ ــــ قرآن پاک کے بعد ملّت اسلامیہ کی روحانی تطہیر اور عقلی تنویر کا ذریعہ رہی ہے، بالکل اسی طرح "صحیفہ کاملہ" بھی صدیوں سے عرفان الٰہی، معرفت بشر، تزکیۂ نفس، تعلق باللہ اور تلقین و تعلیم اخلاق کا ایک مہتم بالشان وسیلہ ثابت ہوا ہے۔ اس موقع پر ہم پھر اپنے قارئین کی توجہ اس مقالے کی ابتدائی سطور کی جانب مبذول کرانے کی کوشش کریں گے، جہاں ہم نے اس فکری اور روحانی بیداری کا ذکر کیا ہے، جو آج تمام دنیائے اسلام میں اِدھر سے اُدھر تک نظر آ رہی ہے۔ یہی وہ موقع ہے کہ تفکر فی القرآن کے بعد ہم زیادہ سرگرمی اور جوش کے ساتھ صحیفہ کاملہ کو اپنا موضوع فکر اور مرکز مطالعہ بنائیں۔ تاکہ ملّت اسلامیہ کی حالیہ بیداری صحیح اسلامی نظریات کی آئینہ دار بن سکے۔

# صحیفہ کاملہ کی عظمت کے مبادی و مقدمات

صحیفہ کاملہ کی عظمت اور اہمیت کو ذہن نشین کرنے کے لیے ہمیں پہلے چند باتوں کے جاننے کی ضرورت ہے مثلاً یہ کہ رموز معرفت، عبد و معبود کے بے واسطہ تعلق، صفات باری تعالیٰ اور الٰہیات کے اسرار و غوامض۔ معاد اور حشر و نشر کی غرض و غایت اور اسلامی اخلاق کی تعلیم تلقین سے متعلق جو کچھ ان دعاؤں میں کہا گیا ہے (اور جس کا ہم بعد میں تفصیل سے ذکر کریں گے) اسے دعاؤں کی صورت میں کیوں کہا گیا اور براہ راست مسائل کی صورت میں کیوں نہیں پیش کیا گیا۔ یا یہ کہ وہ عام اسلامی تعلیمات ہیں یا محض وہی باتیں ہیں، جن کی اس وقت امّت کو ضرورت تھی۔ یا یہ کہ یہ سب باتیں، جو وقت کے اقتضاء اور زمانے کی ضرورت کے عین مطابق ہیں، اتفاقیہ طور پر اس طرح ادا ہو گئی ہیں یا واقعی ان کے کہنے والے نے جان بوجھ کر اور سوچ سمجھ کر تعلیم امّت کے ارادے اور خیال سے یہ سب کچھ کیا ہے ــــ یا یہ کہ قائل کے یہ بلند مرتبہ نظریات اور پختگی عقائد پر مشتمل خیالات محض تصنیف اور انشاء نویسی تک محدود ہیں یا اس کی زندگی اور عام سیرت کا رجحان بھی ان تمام مسائل کی جانب رہا ہے۔ اور اس لیے یہ سب باتیں اس کے دل کی گہرائیوں اور دماغ کی پہنائیوں سے نکلی ہیں اور ان میں سوائے احقاق حق اور ابطال باطل کے کوئی اور سیاسی یا ملکی جذبہ کارفرما نہیں رہا ہے ــــ یا یہ کہ وہ زمانہ جس میں امام نے یہ خیالات و عقائد دعاؤں کے ذریعہ نشر کیے، واقعی اسلامی عقائد کے لیے ایسا ہی پر آشوب تھا کہ اس وقت ان کے عام کرنے کی ضرورت تھی ــــ یا یہ کہ جس زمانے میں ان ادعیہ کے ذریعہ تبلیغ حق کی خدمت انجام دی گئی، اس وقت اور اس کے بعد بھی کیا درحقیقت اور نفس الامر میں بھی یہ خدمت انجام پا سکی یا محض امام نے اپنا فرض ادا کر دیا اور لوگوں پر ان دعاؤں کا کوئی اثر مترتب نہ ہوا ــــ اور ان سب پہلوؤں کا جائزہ لینے کے بعد ہی ہم صحیح نتیجہ نکال سکیں گے کہ ان دعاؤں کو اسلام کے نشوونما اور احیاء کی تاریخ میں کیا درجہ حاصل ہے؟ اس سلسلے میں ہمیں یہ بھی دیکھنا پڑے گا کہ امام کو امّت محمدیہ میں ظاہری اقتدار حاصل نہ ہونے کے

باوجود، وہ روحانی تاثیر اور نفوذ بھی حاصل تھا یا نہیں جس کے بعد یہ یقین کیا جا سکے کہ اس عہد کے مسلمان ان دعاؤں کے مضامین سے متاثر اور مستفیض ہوتے تھے اور جب ہم ان تمام مراحل کو طے کر چکیں گے تو یہ بات خود بخود واضح ہو جائے گی کہ صحیفہ کاملہ کو قرآن پاک، احادیث نبوی اور نہج البلاغہ کے بعد اسلام و اسلامیات میں کس قدر عظمت حاصل ہے۔

جہاں تک امام زین العابدین کے سوانح حیات کا تعلق ہے، انھیں ہم مستقل ایک باب میں پیش کریں گے، مگر تذکرہ زیر بحث میں بھی ضمناً آپ کی حیات کا صرف وہ پہلو اجاگر کرنا ضروری ہو گا جس کا تعلق مذکورہ بالا گفتگو کے کسی ... براہ راست ہے ـــــــ ذیل میں ان ہی تمام چیزوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند مباحث تلمبند کیے جاتے ہیں، جن میں جابجا ان مسائل پر ... ڈالی جائے گی اور جن کی ترتیب اس طرح پر ہو گی کہ واقعات کی کڑی سے کڑی ملتی جائے اور آخر میں قارئین کرام کو بے روک ٹوک مذکورہ بالا حقائق کے انکشاف و اظہار تک پہنچائے۔

# صحیفہ کا تاریخی پس منظر

اس سلسلے میں ہم پہلے اس تاریخی پس منظر کا ذکر کریں گے جس کو پیش نظر رکھے بغیر ہم امام زین العابدین کی روحانی جد و جہد اور تبلیغی مساعی کو، جو صحیفہ کے ذریعہ انجام دی گئیں، پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔

## اموی اقتدار کا عہد عروج

امام کا وجود ایک ایسے زمانے سے شروع ہوا تھا جب کہ اموی خلافت اپنے پورے عروج پر تھی اور کوئی خیال بھی نہ کر سکتا تھا کہ دمشق کی عظمت کو اس قدر جلد اور ایسا مکمل زوال نصیب ہو گا کہ اموی خلفاء پر کوئی رو... والا بھی باقی نہ رہے گا ـــــــ تاریخ اسلام میں ملوکیت کا یہ سب سے بڑا ادارہ اس وقت وجود میں آیا تھا، جب مرکز خلافت کوفے سے دمشق کی طرف منتقل ہوا تھا۔ شام کا علاقہ حضور سرور کائنات کے وصال کے بعد مسلمانوں کے زیر اثر آیا تھا۔ جب امیر معاویہ نے شمالی عرب کے اس خوب ... منطقے کو اپنی حکومت کا مرکز اقتدار بنایا تو وہاں قدرتی طور پر اسلامی رجحانات بہت کمزور تھے کیونکہ شام میں مسلمانوں کی آبادی بہت کم تھی اور وہاں کے ... میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنھیں حضورؐ کے فیض صحبت سے براہ راست مستفیض ہونے کا موقع نہ ملا تھا۔ پھر شام میں صابئین، نصاریٰ اور یہود کی بہت بڑی ... آباد تھی۔ ان حقائق سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ شام کی سرزمین کے لیے اسلام اور اس کا پیغام ایک اجنبی درآمد کردہ پودے کی حیثیت رکھتا تھا جس نے اس سرزمین میں مضبوطی سے جڑ نہ پکڑی تھی۔ اسلام سے اس ذہنی بیگانگی اور فکری اجنبیت پر طرہ یہ ہوا کہ وہاں مسلمانوں نے ایک ایسا نظام حکمرانی قائم کیا جس کی روح کردار اور شعار قرآنی اور اسلامی کے بجائے، بازنطینی اور ایرانی تھی ـــــــ یعنی وہی ایک فرد واحد کی مطلق العنانی اور اس کے غیر محدود اختیارات کا تصور ـــــــ دمشق کی حکومت، ملت اسلامیہ کے رجحانات سے کوئی دلچسپی نہ رکھتی تھی اور نہ اُسے اسلامی اقدار کی ہی چنداں پروا تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ملت اسلامیہ پر یزید جیسے فاسق و فاجر شخص کو مسلط کر دیا گیا اور جب قبۃ الاسلام مکہ اور دار السلام مدینہ کے باشندوں نے اس زبردستی کے خلاف احتجاج کیا تو یزید کی فوجوں نے مکہ اور مدینے والوں کو نہایت بیدردی کے ساتھ تاراج کر ڈالا۔

اسی سلسلے میں (اس سے کچھ قبل) حسینؑ بن علی اور ان کے بہتر رفقاء پر جو کچھ گزری اور ان کے بعد بنی زادیوں اور بنی زادوں کو جن میں امام زین العابدین بھی شامل تھے جس بہیمیت کے ساتھ تشہیر اور مبتلائے قید و بند کیا گیا، وہ اسلام کی تاریخ کا ایک ایسا خونچکاں باب ہے جو ہمیشہ انسانیت کو عبرت و بصیرت کے سبق دیتا رہے گا۔ یزید کے بعد (ربیع الاول ۶۴ھ) امرائے شام نے جانشینی کے قاعدے کے مطابق اس کے بیٹے معاویہ (بن یزید بن معاویہ بن ابوسفیان) کو تخت پر بٹھلایا۔ ملّتِ اسلامیہ کی زمام کار ہاتھ میں آنے کے چالیس روز بعد معاویہ اس عذر پر خلافت کے منصب سے دست بردار ہو گیا کہ وہ اس عہدہ عظیم اور منصب کبیر کے فرائض ادا کرنے کی اہلیت و صلاحیت نہیں رکھتا۔ یزید کے بیٹے معاویہ کا ان الفاظ کے ساتھ اقتدارِ خلافت سے دست بردار ہو جانا اپنے پیش روؤں پر ایسا بھرپور طنز ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ درحقیقت معاویہ نے پورے خاندان بنی امیہ کے کردار کو اپنے اس عمل سے ناقابل تلافی طور پر بے نقاب اور برہنہ کر دیا ہے۔ معاویہ بن یزید کے بعد مروان بن الحکم کو خلافت اسلامیہ کا مقتدر اعلیٰ بنایا گیا۔ مروان کے بعد عبدالملک سریر آرائے خلافت ہوا۔ عبدالملک کے بعد ولید نے خلافت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی اور اسی کے عہد میں امام زین العابدین کی شہادت (زہر سے، جیسا کہ سوانح میں مذکور ہو گا) واقع ہوئی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ امام نے چھ اموی حکمرانوں کے دورِ حکومت کا تجربہ کیا۔ یہ زمانہ اموی اقتدار کے منتہائے عروج کا زمانہ تھا اور بعض مورخین اسلامی نے، عہد ہارون الرشید و مامون الرشید کی طرح اموی خلافت کے اس دور کو بھی تاریخ اسلام کا شاندار ترین دور قرار دیا ہے سبحان اللہ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

# اموی دور کا ذہنی اور اخلاقی ماحول

ہم طول طویل تاریخی مباحث میں الجھے بغیر اس ذہنی اور اخلاقی ماحول کا سرسری جائزہ لینا چاہتے ہیں جو اموی خلافت نے دیدہ و دانستہ دنیائے اسلام میں پیدا کر دیا تھا کیونکہ صرف اسی طرح ہم ان عظیم روحانی فیوض کا جائزہ لے سکتے ہیں جو اس عہد ظلمت میں امام زین العابدین کی ذات والاصفات سے جاری ہوئے اور جنھوں نے کفر و زندقہ، فسق و فجور، لہو و لعب اور بے دینی اور بے ضمیری کے اس تاریک ترین عہد میں بھی مسلمانوں کو ہدایت کی صحیح روشنی بہم پہنچائی اور اس طرح محمدؐ کے گھرانے کے اس تنہا اور دنیاوی نقطہ نظر سے بے وسیلہ فرد نے ساری ملتِ اسلامیہ کو گمراہی سے بچا لیا۔

آج شاید صحیح طور پر اندازہ بھی نہ لگایا جا سکے کہ بنی امیہ کے سیاسی اقتدار کی شکل میں کیسا عظیم خطرہ مسلمانوں کو لاحق ہو گیا تھا۔ ایک اور مشکل تھی۔ اسلامی نقطہ نظر سے "خلافت" دراصل ایک روحانی ادارہ تھا جس میں سیاست کو محض ضمنی حیثیت حاصل تھی۔ کیونکہ خلفاء نیابت رسولؐ کے ادعا کے ساتھ مسند خلافت پر جلوہ گر ہوتے تھے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان اموی نائبین رسولؐ (بخیال خود) کا نصب العین حیات اور طرز حکمرانی کیا تھا۔ بہتر ہے کہ اس سلسلے کو یزید سے شروع کیا جائے، جسے اس کے باپ امیر معاویہ نے مسلمانوں کے سر پر مسلط کر دیا تھا۔ یزید جب ۶۰ھ میں دنیائے اسلام کا سیاسی اور (ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ) روحانی حکمران قرار پایا، اس شخص کے اخلاق شخصی کے متعلق

صرف یہ کہہ دینا کافی ہے کہ تاریخ نے آج یزید کے لفظ کو لغت میں فسق و فجور، بے دینی، کفر و الحاد، عیاشی و شراب نوشی اور طغیان و باطل کا ایک استعارہ بنا دیا ہے بلکہ بعض اوقات اس سے بھی بڑھ کر بقول جوش ملیح آبادی ع

نامِ یزید داخلِ دُشنام ہو گیا

—— اُس کی قلیل مُدّت حکمرانی کے نمایاں واقعات حسب ذیل ہیں:۔

یزید کے برسرِ اقتدار آنے کے چھ ماہ بعد یزیدی فوجوں نے، خلیفہ (یزید) کے حکم سے رسُول اللہؐ کے نواسے حسینؑ بن علیؑ کو مع ان کے رفقاء و اعزہ کے، عدیم المثال ظلم و سفاکی کے ساتھ میدانِ کربلا میں صرف اس لیے شہید کر ڈالا کہ حسینؑ، یزید کو غاصب حکمران سمجھتے اور اس کی بیعت سے منکر تھے۔ واقعات کربلا اس قدر مشہور ہیں کہ ان کے اعادے کی حاجت نہیں۔

ذی الحجہ ۶۳؁ھ میں یزید نے ایک تادیبی مہم مسلم بن عقبہ کے زیرِ قیادت اہلِ مدینہ کی سزادہی کے لیے بھیجی۔ کیونکہ اہلِ مدینہ نے یزید کی کھلی ہوئی غیر اسلامی حرکات سے بیزاری کا اعلان کر دیا تھا۔ شامی فوجوں نے رسُول اللہؐ کے اس محبوب شہر کو بزور فتح کر کے دس ہزار افراد کو جن میں سات سو حفاظ قرآن اور بے شمار صحابہ و تابعین تھے ذبح کر ڈالا اور آخر تین روز کے قتل و غارت کے بعد بقیۃ السیف افراد سے، اس بات پر زبردستی بیعت لے کر ان کی جان بخشی کی گئی کہ ہم یزید کے غلام ہیں اور اسے حق ہے کہ چاہے ہمیں بیچ ڈالے یا آزاد کر دے۔

آہ بدنصیب اہلِ مدینہ کی بے بسی۔ ع

زہر دیں اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہو گا

واقعہ حرّہ[۵] (نہب و غارت مدینہ) کے تین ماہ بعد ربیع الاول ۶۴؁ھ میں یزید اپنے بدترین انجام سے دوچار ہو گیا۔ تاہم مکّہ کی تباہی اور تاراجی کی جنگ اسی کے زمانے میں، اسی کے حکم سے شروع ہو گئی تھی۔ یزید کے بعد اس کے بیٹے معاویہ نے جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے، خود اپنے آپ کو معزول کر لیا۔ معاویہ کے بعد زمانے کی بوالعجبی ملاحظہ ہو کہ امر خلافت کے لیے مروان بن حکم کا انتخاب کیا گیا۔ یہ وہی مروان تھا جس کے باپ حکم کو سرکارِ دو عالم نے اس کی منافقانہ سرگرمیوں کی بنا پر، مع اس کے خاندان کے طائف کی طرف جلا وطن کر دیا تھا۔ خلیفہ اوّل اور خلیفہ دوم نے اس خاندان کو طائف سے بھی سیکڑوں میل دُور یمن میں دھکیل دیا کیونکہ اسلام کے خلاف ان لوگوں کی تخریبی حرکات اور سازشیں ان دونوں بزرگوں کے عہد میں بھی برابر جاری رہیں۔ البتہ خلیفہ سوم نے مروان کو مدینہ بُلا کر مشیر خلافت قرار دیا مگر عالم اسلامی نے اس بات کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا تھا چنانچہ خلیفہ سوم پر جو الزامات لگائے گئے تھے، اُن میں سرفہرست یہی الزام تھا کہ انھوں نے مروان بن حکم جیسے شخص کو اپنا مشیر بنایا ہے —— مروان جیسا شخص جو پوری ملّتِ اسلامیہ کا معتوب اور مبغوض تھا، سوچ بھی نہ سکتا تھا کہ وہ کبھی دنیائے اسلام کا روحانی پیشوا منتخب ہو سکتا ہے۔ لیکن جس دَور میں یزید جیسا بدعمل اور دشمن اسلام فرد، ادارہ خلافتِ اسلامیہ کا نگران و مقتدر قرار پا سکتا ہے تو مروان کیوں نہیں! لیکن مروان بہت کم عرصے لذائذ خلافت سے بہرہ در ہو سکا اور رمضان المبارک ۶۵؁ھ میں عبدالملک

---

۵ ؎ حرّہ بفتح حا۔ ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ کے مشرقی کوہستانی علاقے میں مسجد نبوی سے ایک میل کے فاصلے پر واقع ہے، وہاں اہلِ مدینہ اور لشکر یزید کے مابین سخت معرکہ ہوا تھا

اس کا جانشین مقرر کیا گیا۔

صاحب تاریخ الخلفاء لکھتے ہیں کہ عہدۂ خلافت کے حصول سے قبل عبدالملک کی دینداری کے بہت چرچے تھے۔ جب اس کو مژدۂ خلافت سنایا گیا تو وہ قرآن پاک کی تلاوت میں مصروف تھا۔ یہ مژدہ سن کر اس نے قرآن پاک کو مخاطب کر کے کہا: هٰذَا اٰخِرُ الْعَهْدِ بِكَ ——— یعنی یہ میری تجھ سے آخری ملاقات تھی۔ تو جس کی خلافت کا آغاز قرآن سے اس واضح جدائی علیحدگی کے ساتھ ہوا ہو ظاہر ہے کہ اس کا نظریہ اور نصب العین کیا ہوگا! عبدالملک نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد لوگوں کے سامنے جو خطبہ پڑھا اس کے چند کلمات یہ تھے:۔

"نہ میں عثمان کی طرح کمزور ہوں۔ نہ معاویہ کی طرح چرب زبان۔ نہ مجھے تباہ شدہ یزید پر قیاس کرنا۔ میرے پاس تمھاری کمزوریوں کے دور کرنے کا ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے تلوار۔ خبردار! اب کبھی میرے سامنے تقویٰ اور پرہیزگاری کا ذکر نہ کرنا۔"

سبحان اللہ! اسلامی خلیفہ کی پہلی تقریر کس قدر بصیرت افروز ہے!

عبدالملک بن مروان کا شمار بنی امیہ کے طاقت ور ترین خلفاء میں ہوتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ استبداد و مطلق العنانی میں وہ اپنے تمام پیش روؤں کا پیش رو تھا۔ اس نے حکم دے دیا تھا کہ کوئی شخص اس کے سامنے گفتگو نہ کرے۔ عبدالملک نے دنیائے اسلام میں کس قسم کا نظام حکومت قائم کیا تھا، اس کا اندازہ ان عمال سے ہو سکتا ہے جو اطراف مملکت میں اس کے احکام کی تعمیل پر مامور تھے۔ ان میں سب سے نامور شخص حجاج بن یوسف ثقفی تھا جس نے اپنی مدت حکومت میں اتنے مسلمانوں کو قتل کیا کہ صدہا خونریز لڑائیوں میں بھی ہلاک نہ ہوئے تھے۔ یعنی اس کے مقتولین کی تعداد چھ لاکھ تک بتائی گئی ہے۔ اگر اتنے نہ ہوں گے تو بہرحال اتنے ضرور تھے کہ اس کو چھ لاکھ کا قاتل کہے جانے پر مورخین نے اظہار استعجاب و حیرت تک نہیں کیا۔ یہ حجاج ہی تھا جس نے امیر شام کے حکم سے مدینہ اور مکہ پر حملہ کر کے ہولناک خونریزی کی اور حرمین کے خلاف جو مہم یزید بن معاویہ کے آخری عہد میں شروع ہوئی تھی اس کو اختتام تک پہنچایا۔ مکہ و مدینہ کو تباہ و برباد اور صحابہ و تابعین کو ذلیل و خوار کرنے کے بعد، حجاج قہر خدا کی طرح عراق پر نازل ہوا اور مسجد کوفہ میں پہلے ہی خطبہ میں لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:۔

اِنّی لا نظر الی الدماء بین العمائم واللحیٰ وانی لاری رؤسا قد اینعت وقد حان قطافها

——— یعنی میں عماموں اور داڑھیوں کے درمیان خون بہتا ہوا دیکھ رہا ہوں اور مجھے نظر آ رہا ہے کہ سروں کی کھیتیاں پک کر تیار ہو گئی ہیں اور اب کھیتیوں کے کٹنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔

حجاج کوفہ کو مغلوب کرنے کے بعد بصرہ پہنچا اور عین جمعہ کے روز مسجد بصرہ میں نمازیوں کا قتل عام کرایا اور یہ سب کچھ صرف اس لیے کیا کہ عراق پر عبدالملک کی خلافت کا تسلط قائم ہو جائے۔ عمر بن عبدالعزیز اس عہد کو یاد کر کے کہا کرتے تھے کہ

"حجاج عراق میں۔ ولید شام میں۔ قرہ مصر میں۔ عثمان مدینہ میں۔ خالد مکہ میں۔ الٰہی دنیا ظلم سے لبریز ہو گئی ہے!"

جب حجاج کی موت کی خبر عمر بن عبدالعزیز کو پہنچی تو وہ مصلے پر گر پڑے اور بے اختیار سجدہ شکر ادا کرنے لگے۔ حضرت حسن بصری کی رائے

حجاج کے متعلق یہ تھی کہ وہ خدا کے نازل کردہ عذابوں میں سے ایک عذابِ شدید ہے۔

عبدالملک کا جانشین ولید ہوا جس کے بارے میں مشہور مؤرخ مسعودی کی رائے یہ ہے کہ

كان جبارًا عنيدًا ظلومًا غشومًا

یعنی ولید سخت جابر، عداوت پسند، گمراہ اور ستم گر تھا۔ یہ ولید ہی تھا جس نے فاتح سندھ محمد بن قاسم کو بغیر کسی جواز کے قتل کر ڈالا اور اس بنا پر کو چک میں مسلمان لشکروں کی پیش قدمی تین سو سال کے لیے رک گئی۔

یہ تھا وہ تاریک زمانہ جس میں واقعہ کربلا کے بعد امام زین العابدین نے دین کی شمع ہدایت کو محراب عبادت میں دعاؤں کے ذریعہ روشن کیا اور انتہائی ناسازگار حالات کے باوجود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اس وظیفہ کی ادائیگی میں مصروف رہے جو قدرت نے ان کے سپرد کیا تھا۔

خاندان بنی امیہ کے جن حکمرانوں کی لادینی اور ملوکیت کے چند کارناموں کی طرف سطور بالا میں چند اشارات کیے گئے ان کا نہ صرف اپنا کردار غیر اسلامی تھا بلکہ انھوں نے کفر و زندقہ کا ایک عجیب و غریب ماحول دنیائے اسلام میں پیدا کر دیا تھا کہ حق کی تبلیغ تو درکنار حق پر قائم رہنا سخت مشکل ہو گیا تھا۔ یوں تو رسول اللہؐ کے وصال کے بعد ہی دین و دنیا میں کش مکش شروع ہو گئی تھی اور منافقین نے اسلام میں رخنے پیدا کرنا شروع کر دیے تھے، لیکن جوں جوں رسول اللہؐ کے وصال کو زمانہ گزرتا اور مسلم معاشرہ کا مفاد پرست عنصر طاقت ور ہوتا چلا گیا، اسلامی اقدار زندگی بھی یکے بعد دیگرے ختم ہوتی چلی گئیں۔ عوام ہمیشہ سے اپنے اقتدار یافتہ طبقوں کی ذہنی اور معاشرتی تقلید کرتے چلے آئے ہیں۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ "الناس علیٰ دین ملوکہم" یعنی لوگ اپنے حکمرانوں کے پسندیدہ راستوں کو اختیار کرتے ہیں۔ یہ محض کہاوت نہیں بلکہ ایک تاریخی صداقت بھی ہے، جسے پیش نظر رکھے بغیر ہم کسی معاشرے کے مزاج و کردار کا تعین نہیں کر سکتے۔ خلفائے بنی امیہ کے زمانے میں جو معاشرہ وجود میں آیا تھا اور آ رہا تھا، وہ اعمال اور نظریات دونوں کے اعتبار سے غیر اسلامی اور غیر قرآنی تھا۔ ان خلفاء کی یہ کوشش تھی کہ مسلمان ذہنی طور پر اسلام سے بعید تر ہوتے چلے جائیں تاکہ نظام حکومت کے خلاف ان میں اخلاقی قوت مدافعت باقی نہ رہے۔ یزید ہو یا مروان، عبدالملک ہو یا ولید، یہ چاروں حکمران ایک ہی حکمت عملی پر گامزن تھے اور وہ یہ کہ لوگوں کے دلوں سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کی روحانی عظمت کو کم کیا جائے کیونکہ صرف اسی طرح وہ اسلام کی قوت کو ضعیف کر سکتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ خود پیغمبرِ اسلام کی نسبت، جن کے نام پر وہ حکومت کرتے تھے، خلفائے بنی امیہ کا مجموعی رویہ سخت گستاخانہ تھا۔ جہاں تک یزید کا تعلق ہے تو وہ سرے سے وحی و رسالت ہی کا منکر تھا۔ چنانچہ اس کا مشہور شعر ہے ؎

لعبت ہاشم بالملک فلا خبر جاء ولا وحی نزل

(طبری)

یعنی بنی ہاشم در رسالتمآبؐ نے سلطنت کا ایک کھیل کھیلا تھا۔ نہ ان کے پاس کوئی وحی آئی نہ کوئی فرشتہ اترا۔

یزید اگرچہ بظاہر مسلمان تھا مگر اس کے دل کی گہرائیوں میں کفر و نفاق کی جڑیں جمی ہوئی تھیں۔ چنانچہ ہمارے اس خیال کو علامہ طبری کے نقل کیے ہوئے ان کلمات سے بھی تقویت ہوتی ہے جو یزید نے امام حسینؑ (نواسۂ رسول) کا سر بریدہ اپنے دربار عام میں منگوا کر علی الاعلان کہے تھے۔ یزید ایک چوب خشک ہاتھ میں لیے ہوئے جگر گوشۂ رسولؐ کے لب ہائے مبارک سے گستاخی کر رہا تھا اور کہتا تھا:

"یَوْمٌ بِیَوْمِ بَدْرٍ"

—— یعنی آج کا دن روزِ جنگ بدر کا بدلہ ہے۔ کاش شیوخ بنی امیہ جو روزِ بدر ہاشمیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے اس وقت موجود ہوتے اور دیکھتے کہ میں نے ان کے قاتلوں کی اولاد کو تہ تیغ کرکے ان سے کیسی اچھی طرح بدلہ لیا ہے۔

عداوت آلِ رسول اور اسلام دشمنی کے ان مظاہروں کے علاوہ تخت گاہ خلافت میں کھلم کھلا شراب کا دور چلتا تھا۔ برہنہ اور بعض مورخین کی تحقیق کے مطابق کم از کم نیم برہنہ لڑکیاں رقص و سرود سے حاضرین دربار کا دل بہلاتی تھیں اور انھیں منافی اسلام، بلکہ منافی اخلاقی چھیڑ چھاڑ کا مرکز بنایا جاتا تھا —— اور عامۃ الناس، روحانی قیادت کے مدعی کی بارگاہ میں یہ افعال شنیعہ دیکھتے تھے تو وہ بھی ان کے ارتکاب میں مجبور ہوتے جاتے تھے۔ اکثر ان بدکرداریوں کے موقع پر غیر مذاہب کے اشخاص اور غیر ملکوں کے سفیروں کی دربار خلافت میں موجودگی اسلام کے بدنام ہونے کا ایک مؤثر ذریعہ بنی ہوئی تھی اور یہی وجہ ہے کہ اکثر مورخین نے اسلام کو (نعوذ باللہ) سفاکیت، بربریت اور بداخلاقی کا نقیب تصوّر کرلیا ہے۔ زنا کے ساتھ اس کا لازمہ یعنی حوّا کی بیٹیوں پر دست درازی کا مشغلہ بھی بے روک ٹوک جاری تھا۔

## اموی دور کے غیر اسلامی کارنامے

ان شخصی بداخلاقیوں کے علاوہ، اسلام کا اصلی رنگ روپ اور اس کے احکام کے خدوخال تبدیل کردینے کی جو کوششیں اموی عہد خلافت میں کی جارہی تھیں وہ ان بدکرداریوں سے بھی زیادہ خطرناک اور مہلک تھیں، چونکہ دمشق کے اسلامی خلیفہ، یعنی حکمران اس دعوے کے ساتھ برسرِ اقتدار آئے تھے کہ ہم نہ صرف سیاسی طور پر پیغمبر اسلام کے جانشین ہیں بلکہ ان کی روحانی وراثت بھی ہمیں کو پہنچی ہے، اس لیے وہ ابتدا ہی سے اس بات پر مُصر تھے کہ اسلامی تعلیمات کی تاویل و توجیہ اور ہدایات قرآنی کی تفسیر و توضیح کا اختیار صرف ان ہی کو حاصل ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی سندِ اقتدار کا جواز اور ان کے اختیارات حکمرانی کی سند اسلام اور صرف اسلام ہے اور یہ کہ انھیں صرف اسی وقت مسلمانوں پر نفاذ امر کا حق حاصل ہوسکتا ہے جب کہ ملت انھیں اپنا روحانی مقتدا بھی تسلیم کرلے۔ اس لیے خلافت اموی کی پوری کوشش یہ تھی کہ اسلام کو اپنے اسی نقطۂ نظر سے پیش کیا جائے جس پر وہ خود آسانی سے عمل پیرا ہوسکیں اور جس میں ان کا ذاتی مفاد ہو۔ چنانچہ ان حکمرانوں نے دیدہ و دانستہ اپنے عہد میں ایسی فکری تحریکوں کو آگے بڑھایا، نیز ایسے فقہاء، ارباب تفسیر، علماء اور محدثین کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا جن کی تعلیمات اور جن کے نظریات اموی نظریہ خلافت اور اموی مطلق العنانی کے لیے وجہ جواز بن سکیں —— تفصیل کا محل نہیں ورنہ تاریخ طبری اور تاریخ الخلفاء کی طرح اس مقالہ میں بھی دکھایا جاتا کہ کس طرح بنی امیہ کے عہد حکمرانی میں احادیث و روایات کا ایک عظیم الشان ذخیرہ گڑھا گیا اور پھر کس مسلسل کاوش اور کوشش سے ان غلط روایات اور مصنوعی احادیث کو دنیائے اسلام میں پھیلایا گیا —— شامی حکمرانوں کی زیر سرپرستی، اسلامی ضابطہ اخلاق، اسلامی اقدار معاشرت، اسلامی طرز زندگی اور قرآنی تعلیمات کے برعکس ایک نیا ضابطہ اخلاق، ایک نیا معاشرتی قانون اور ایک نئے اسلوب حیات کو رائج کیا گیا جس نے صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں کے روزمرّہ کے اعمال و نظریات کو متاثر کیا، بلکہ ان کے بنیادی عقائد مثلاً نظریہ توحید و رسالت اور عقیدہ حشر و نشر تک کی بنیادوں کو لرزا دیا۔

# عقیدۂ مرجیہ

مثال کے طور پر ہم بنی امیہ کے عہد میں عقیدۂ مرجیہ کو پرورش پاتے دیکھتے ہیں جس کی روح یہ ہے کہ ایک شخص کتنا ہی بداعمال کیوں نہ ہو، ایمان کے درجہ اعلیٰ پر فائز ہو سکتا ہے۔ اس عقیدہ کی سرکاری طور پر بہت افزائی کی گئی اور اپنے بعض ممتاز اور نامور علماء کے ذریعہ دنیائے اسلام میں اچھی طرح نشر کیا گیا۔ کیوں ؟ صرف اس لیے کہ بنی امیہ کے فاسق و فاجر حکمرانوں مثلاً یزید، ولید و مروان کے افعال شنیعہ کے وزن کو کم کیا جائے کیونکہ جب اعمال صالح ایمان و حسن اعتقاد کی شرط ہی نہ رہے تو ہم کسی فاسق و فاجر اور کسی جابر و قاتل کی عصیاں کوشیوں کو بھی اس کے خلاف بطور ثبوت پیش نہیں کر سکتے۔ کیا خبر کہ اس کے منکرات و فحشیات درگاہ الٰہی میں مقبول ہوں (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اور وہ حشر کے روز "مومن کامل" نکلے۔ سبحان اللہ! بقول غالب ع

ہے دلِ پوشیدہ اور کافر کھلا

# منکرین عدالت

یا یہ عقیدہ کہ باری تعالیٰ عز اسمہ کے لیے عدل ضروری نہیں۔ بنی امیہ نے دانستہ طور پر اپنے سیاسی مقصد کے لیے ملتِ اسلامیہ میں اس غیر اسلامی عقیدے کی اشاعت کی انتھک کوشش کی اور خدا کو صرف اس لیے (نعوذ باللہ) ظالم ثابت کرنا چاہا کہ خود ان خود ساختہ ظل اللّٰہوں اور برخود غلط نائبین رسول کے بیجا مظالم پر پردہ پڑ جائے اور ان کوششوں کا جو وقتی اور ناپائدار خود غرضانہ مفاد کے تحت کی گئی تھیں یہ نتیجہ نکلا کہ سچ مچ اسلام میں ایک ایسا فرقہ پیدا ہو گیا جو خدائے تعالیٰ کے عدل و انصاف پر عقیدہ نہیں رکھتا۔

# اسلام کو مسخ کرنے کی دوسری تحریکیں

حقیقت یہ ہے کہ بعد کو دنیائے اسلام میں جتنے مستقل فکری مذاہب مثلاً اشاعرہ اور جبریہ وغیرہ کی بنیاد پڑی، ان سب کی تخم ریزی اسی عہد میں ہوئی تھی۔ عقائد الوہیت کی طرح رسالت و خلافت کے متعلق بھی غیر قرآنی نظریات اور غیر اسلامی افکار و عقائد کو اس عہد میں فروغ دیا گیا اور چونکہ اموی خلفاء کو بطور خاص قرآن پاک، آئمۂ اہل بیت اور خاندان رسالت کے اثر و اقتدار کو کم کرنا منظور تھا، اس لیے انھوں نے ذات باری، صفات الٰہی، مقصد رسالت، بعثت، نظریہ خلافت، نظریۂ عصمت اور دوسرے اسلامی عقائد کے خلاف ایک ہمہ گیر اور زبردست ذہنی اور فکری تحریک شروع کی اور انھیں اپنے عہد اقتدار میں، قاضیوں اور مفتیوں کا ایک ایسا دنیا طلب اور جاہ پسند طبقہ بھی میسر آ گیا جس نے نواسۂ رسول کے قتل تک کا فتویٰ دے دیا اور جو اسلام کے متعلق اہل بیت رسالت کے بجائے اموبت کے عقیدے کو تسلیم کرتا اور منبر و محراب میں اسی کی اشاعت کو اپنا فرض عین سمجھتا تھا۔

بنی امیہ نے ان سب ذہنیوں کے علاوہ جن کا انھوں نے برسر منبر علی مرتضیٰ پر تبرا کرنے، حرمین شریفین کی بے حرمتی کرنے ... [illegible]

اور خاندانِ رسالت کو تلوار کے گھاٹ اتار دینے اور نبی زادیوں کو تشہیر کرنے کے سلسلے میں ثبوت دیا تھا، ایک انتہائی شدید اور ناقابلِ معافی جرم یہ کیا کہ انھوں نے اسلام کے نام پر برسرِ اقتدار آکر خود اسلامی روح کو ہلاک کرنے اور قرآنی عقائد کو صابئیت، نسطوری عیسائیت، افلاطونیت جدیدہ (جس کا سرچشمہ اسکندریہ کے فلسفیانہ مدارس تھے) اسرائیلیات، مانویت[1] اور مزدکیت سے مخلوط مشترک کردہ ایک اسلام ایجاد کرنے کی کوشش کی جس کا کم سے کم داعی اسلامؐ کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہ تھا۔ دین و ملت کے اجتماعی اور دوامی نقصان کے اعتبار سے یہ ان کا ایک ایسا عظیم گناہ تھا جس سے وہ لوگ بھی درگزر نہیں کرسکتے جو اہلِ بیت پر بنی امیہ کے مظالم کو اس لیے زیادہ اہمیت نہیں دیتے کہ خود انھیں اہلِ بیت سے کوئی خاص عقیدت نہیں ہے۔ یا جو ان کی شخصی بداخلاقیوں کو یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ بھول چوک انسان ہی سے ہوا کرتی ہے۔

## تبلیغ و ہدایت پر گوناگوں پابندیاں

ان واقعات و حالات کو جاننے کے بعد اس بات سے کون انکار کرسکتا ہے کہ درحقیقت اسلام کے لیے یہ ایسا نازک وقت آگیا تھا جب کہ احکامِ الٰہی کی عظمت اور رسولِ کریمؐ کی ریاضت و محنت کو فساد و ضیاع سے بچانے کے لیے ان اہل اللہ کے دل تڑپ تڑپ جاتے ہوں گے جو شریعتِ الٰہیہ کی حرمت اور قدر و منزلت کا علم اور احساس رکھتے تھے اور جنھیں اس بات کا اندازہ تھا کہ اگر اس وقت تبلیغِ حق اور ہدایتِ صراطِ مستقیم سے غفلت برتی گئی اور اس تحریف و انقلاب سے غضِ بصر کیا گیا جو اموی خلفاء کے ہاتھوں ظہور پذیر ہو رہا ہے تو اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لیے موت کی آغوش میں سو جائے گا، اور دینِ محمدؐ کے نام سے ایک ایسا نیا دین رائج ہوگا جو ہرگز بنی نوعِ انسان کی مادی و روحانی فلاح و بہبود کا ذمہ دار نہیں ٹھہر سکتا۔ اگرچہ وقت کا تقاضا یہ تھا کہ فی الفور کوئی ایسی درس گاہ وجود میں آجائے جس میں صحیح اسلامی نظریات تعلیم دیے جائیں اور پھر اس درس گاہ کے تعلیم یافتہ مبلغ تمام ممالکِ اسلامیہ میں جاکر لوگوں کے بگڑے ہوئے اعتقادات کی اصلاح کریں اور وہ عقائد نشر کریں، جنھیں قرآن پاک اور حدیثِ نبوی کی تائید حاصل ہے لیکن بنی امیہ کے جبر و تشدد اور نہایت درجہ سخت گیری کے ساتھ آلِ رسولؐ اور صحابۂ کرام کی زبان بندی کے باعث ان تمام باتوں میں سے ایک بھی ممکن نہ تھی۔ کیونکہ محض اتنے سے جرم میں لوگوں کی گردنیں اڑا دی جاتی تھیں کہ وہ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے بارے میں حق بات اپنی زبان سے نکالتے تھے۔ بنی ہاشم اور رسول زادوں سے یا تو گوشہ گیری کا عہد و پیمان لے لیا جاتا تھا ورنہ انھیں شہید کر دیا جاتا تھا۔ محمدؐ کی اولاد اور ان کے سچے جاں نثاروں کی نقل و حرکت کی سخت دیکھ بھال کی جاتی تھی۔ ان کی نگرانی کے لیے قدم قدم پر جاسوس متعین تھے۔ لوگوں کو ان کے شریعت کدہ میں آمد و رفت سے تہدید و تخویف اور جور و استبداد کے ذریعہ روکا جاتا تھا اور کبھی وہ گھر سے نکل کر ناناؐ کے روضہ یا جنۃ البقیع کے مقبرے تک جاتے یا اور کسی کام سے گھر کے باہر آتے اور اس دوران میں کسی راہ گیر

---

[1] ایران کی دو فکری تحریکیں جو مذہب کے نام پر برسرِ اقتدار آئیں اور جنھوں نے حدودِ ایران سے نکل کر شام و فلسطین تک اپنے ذہنی اثرات پھیلائے۔ ظہورِ اسلام کے وقت نسطوریت کی طرح یہ دونوں مذاہب بھی نشو و نما کی منزل میں تھے۔

سے باہیں کرنے لگتے تو پرچہ نویس اسی وقت ان کی تمام گفتگو قلمبند کر کے مقررہ وسائل سے بارگاہ خلافت میں بھیج دیتے۔ غرضیکہ ان پابندیوں میں یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ رسول مدنی ؐ کی تعلیمات امت کے سامنے پیش کی جائیں اور سرگرمی کے ساتھ تلقین وہدایت کا فرض انجام دیا جائے۔

## پابندیوں میں امام زین العابدین کا ادائے فرض

ایسے پُرجور اور تاریک زمانے میں تلقین حق اور رشد وارشاد کے لیے راہیں پیدا کرنا صرف ان ہی اولیاء کا کام تھا جو براہ راست الہام کے ذریعہ ہدایت یافتہ تھے اور بھٹکتی ہوئی دنیا کے راستے میں عرفان حقیقت کا چراغ جلانے اور مردہ روحانیت کے زندہ کرتے رہنے کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ یہ حضرت زین العابدین علی بن الحسین ہی کا منصب تھا کہ وہ ان تمام زنجیروں میں جکڑے ہونے کے باوجود اپنے نانا کی تعلیمات امت تک پہنچانے کا فریضہ ڈھکے چھپے نہیں، بلکہ علی الاعلان اور ڈنکے کی چوٹ اس خوش اسلوبی سے ادا کر گئے کہ نہ حکومت اپنی ہزار گونہ دیکھ بھال کے باوجود اُس وقت یہ محسوس کر سکی کہ آپ کیا اہم خدمت انجام دے رہے ہیں اور نہ کوئی تعزیری قانون آپ کے اقدام عمل پر روک ٹوک کر سکا۔ —— صحیفۂ کاملہ امام ہمام کی ان ہی تعلیمات کا مجموعہ ہے جو آپ نے دعاؤں میں پیش کی ہیں اور جنھوں نے اُس وقت بھی اصلاح نفوس وتلقین اخلاق کا فرض انجام دیا اور وہ وقت گزرنے کے بعد آج بھی، بلکہ رہتی دنیا تک تعلیمات الٰہیہ سے مستفیض ہونے کا موقع انسانوں کے لیے بہم پہنچاتی رہیں گی۔

## امام کے نجی حالات اور سیرت سے ان کی تبلیغی مہم کا تطابق

امام زین العابدین کی یہی وہ خدمات ہیں جن کا ان مورخین نے بھی قدم قدم پر اعتراف کیا ہے جو آپ کو امام کی حیثیت سے نہیں بلکہ محض ایک عابد وزاہد اور ولی اللہ کے اعتبار سے تسلیم کرتے ہیں اور یہی وہ منزل ہے جہاں پہنچ کر ہر شخص کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ امام زین العابدین نے صحیفۂ کاملہ کی دعاؤں کے ذریعہ جو گراں قدر تعلیمات کے دریا بہائے وہ تمام تر خدمت اور خلوص پر مبنی اور اعلائے کلمۃ اللہ اور ادائے فرائض دینی کی غرض سے تھے اور اسی کی نہیں دنیا پرستی اور حصول اقتدار کا کوئی محرک کارفرما نہیں تھا جس کا ثبوت آپ کی نجی زندگی میں آپ کے زہد وتقویٰ، ایثار وقناعت، عجز وانکسار، بندگان الٰہی کی (بلا امتیاز دوست دشمن) بے لوث خدمت، چھپ چھپ کر مسکینوں اور احتیاج مندوں کی حاجت برآری، ضبط وتحمل اور ملتے ہوئے اقتدار کو ٹھکرا دینے کے واقعات سے ملتا ہے اور یہیں سے یہ نظر آتا ہے کہ آپ کی دعائیں جن مبلغانہ مطالب پر مشتمل ہیں، وہ محض رسمی وعظ وتبلیغ نہیں بلکہ ایک عالم باعمل کے دل کی پکاریں ہیں اور یہی وجہ ہے کہ آج بھی ان میں اتنی تاثیر ہے کہ خلوت میں مصلّے پر بیٹھ کر پڑھنے والے انسان کا دل لرزنے لگتا ہے اور سننے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اس مقام پر ہم آپ کی زندگی کے چند تاریخی حقائق کا اعادہ، ان لوگوں کی زبان سے مناسب اور ضروری خیال کرتے ہیں، جن کی تحقیق وتنقیح مسائل کو تمام دنیا کے مورخین ہمیشہ بڑی وقعت اور اطمینان واعتماد کی نگاہوں سے دیکھتے رہے ہیں اور جن میں اکثر وبیشتر ایسے ہیں جو آپ کو چوتھا امام اور حضرت ختمی مرتبت کا چوتھا خلیفہ نہیں مانتے بلکہ ایک برگزیدہ خدا رسیدہ بزرگ کی حیثیت سے آپ کے معترف ہیں

جو ریاضتِ نفس کی بدولت کشف و الہام کے درجہ پر فائز تھا۔

علامہ طبرسی اور دیگر تمام مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ حضرت زین العابدین کی عبادت کا یہ عالم تھا کہ آپ دن رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے تھے اور فرمایا کرتے تھے :

"انی لاحب ان ادوم علی العمل و ان قل"

یعنی میں عمل خیر کی مداومت (پابندی) کو پسند کرتا ہوں چاہے وہ عمل قلیل ہی کیوں نہ ہو!

کتب سیرت میں آپ کی خشیت الٰہی، تضرع اور عبادت کے ایک نہیں، بے شمار واقعات قلم بند کیے گئے ہیں۔ اصمعی کا بیان ہے :

میں ایک روز شب میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ میں نے ایک نوجوان کو دیکھا جو خانہ کعبہ کا پردہ تھامے ہوئے نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ جناب الٰہی میں دعا کر رہا تھا :۔

"الٰہی آنکھیں نیند میں ڈوبی ہوئی ہیں اور ستارے آسمان کی بلندیوں پر چمک رہے ہیں۔ تو حی و قیوم ہے۔ بادشاہوں نے اپنے دروازے بند کر لیے اور چوکیدار اپنے محلوں پر تعینات کر دیے۔ مگر الٰہی تیرا دروازہ مانگنے والوں کے لیے کھلا ہوا ہے۔ میں تیرے حضور میں حاضر ہوں کہ تو مجھ پر رحم و کرم کی نظر ڈالے۔"

اصمعی کہتے ہیں میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو وہ علی بن الحسین تھے۔

حماد حبیب کوفی کہتے ہیں کہ ایک دن میں موسم سرما میں نصف شب گزرنے کے بعد ضرورت سے اٹھا۔ سردی سے تھرتھراتا کانپتا صحن خانہ میں آیا تو امام زین العابدین کی آواز سنی۔ گریہ گلوگیر تھا۔ آپ رو رو کر دعا فرما رہے تھے ــــــــ

"اے وہ معبود کہ تمام مخلوقات پر غالب ہے۔ میرے دل کو اپنی طرف متوجہ رہنے کی مسرت عطا کر اور میرا شمار اپنی اطاعت کرنے والوں میں فرما۔"

حماد کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں صبح تک امام کی دردناک آواز سنتا رہا۔ پچھلے پہر جب دوبارہ صحن میں آیا، تو اس وقت امام کی زبان پر دعا کے یہ کلمات جاری تھے :

"الٰہی گمراہوں نے تیرا ارادہ کیا تو تجھے راہ دکھانے والا پایا۔ ڈرے ہوؤں نے تیرا قصد کیا تو تجھے مہربان پایا۔ عبادت گزاروں نے تجھے جائے پناہ قرار دیا تو انھیں تو نے پناہ دی اور جس کسی نے تیرے سوا دوسرے کی راہ میں زحمت اٹھائی اسے راحت کہاں ؛ اور جو دوسروں کی طرف رجوع ہوا اس کے لیے مسرت کیسی، کیونکہ وہ سب (دوسرے) بھی تیرے ہی عطا کیے ہوئے وسائل کے محتاج ہیں۔"

ان واقعات کو جاننے کے بعد امام کی معرفت الٰہی، خوف خدا، زہد و ریاضت اور دعا و عبادت کے اعلیٰ درجے پر فائز ہونے سے ان کار نہیں کیا جا سکتا ہے!

علامہ بیہقی شعب الایمان میں رقمطراز ہیں:۔

"ایک دفعہ امام زین العابدین اجنبی لوگوں کے ساتھ سفر کر رہے تھے اور اسباب سفر کی قلت کے باعث زحمت میں مبتلا تھے۔ ایک شخص نے آپ کو پہچان لیا اور حیرت سے پوچھا کہ آپ نے ان لوگوں سے اپنا تعارف کیوں نہ کرا دیا کہ یہ حضور کو پہچان لیتے تو ہر طرح کی خدمت کرتے۔ حضرت نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ با این سفر ان لوگوں کے وسائل بھی محدود ہیں۔ ایسی صورت میں یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ میں اپنے آرام کے لیے ان کے کسی زحمت میں مبتلا ہونے کا ذریعہ بن جاؤں۔"

بجا یہ واقعہ اس بات کا یقین کر لینے کے لیے کافی نہیں ہے کہ امام کے دل میں عالم انسانیت کا کتنا گہرا اور بے پایاں درد اور احساس تھا۔ ورنہ عام حالات میں یہ بات بڑی مشکل، بلکہ عادۃً تو بالکل ہی ناممکن ہے کہ انسان یہ یقین رکھنے کے باوجود کہ محض اپنے تعارف میں ذرا سی زبان ہلا دینے سے اس کی اپنی تمام مشکلات حل ہو جائیں گی، صرف اس خیال سے خاموش رہے اور تعارف نہ کرائے کہ کہیں دوسرے بندگان الٰہی بعد کو ان ہی زحمتوں میں مبتلا نہ ہو جائیں جن سے اس وقت وہ خود دوچار ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کے جذبہ غیرت و مروت کو پرکھا ہوتا ہے اور اس بات کا اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس کا دامن ہر قسم کی خودغرضی اور مطلب پرستی سے پاک و صاف اور اخلاق حمیدہ کی دولت سے مالا مال اور لبریز ہو رہا ہے۔

صاحب ناسخ التواریخ نے غلاموں کے ساتھ آپ کے حسن اخلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

امام زین العابدین غلاموں کے ساتھ پدرانہ سلوک کرتے۔ گھر کے کام کاج میں ان کا ہاتھ بٹاتے۔ انہیں اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ ایک روز آپ نے کسی غلام کو آواز دی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوبارہ پکارا تب بھی خاموش رہا۔ تیسری مرتبہ پکارنے پر حاضر ہوا۔ حضرت نے سبب پوچھا تو غلام نے احساس ندامت کے ساتھ سر جھکا کر کہا کہ اے ابو محمد! آپ کی شفقت اور حلم سے مجھے امید تھی کہ آپ ناراض نہیں ہوں گے۔ میں اس وقت تھک کر لیٹ گیا تھا۔ آپ نے یہ سن کر غلام کو آرام کرنے کا حکم دیا اور خود اس کام میں مشغول ہو گئے جس کی انجام دہی کے لیے اسے بلایا تھا۔

حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الابرار میں لکھا ہے:۔

امام زین العابدین غلاموں اور کنیزوں کے بارے میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کو شفقت اور محبت سے پیش آنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ آپ کا قول تھا کہ یہ بھی ہماری طرح خدائے تعالیٰ کے بندے ہیں اور روز قیامت جب بارگاہ داور محشر میں پیشی ہوگی تو ان کی اور ہماری منزل میں کسی قسم کا امتیاز نہیں برتا جائے گا۔ بلکہ ہم سے زیادہ محاسبہ ہوگا کیونکہ ہماری ذمہ داریاں ان سے زیادہ ہیں۔

امام زین العابدین کے اس قول کا آپ کی دعاؤں سے مقابلہ کیجئے تو محسوس کریں گے کہ دعا کے دوران جہاں جہاں امام نے اپنے

آپ کو معبود کے سامنے ایک عبد خاکسار و گنہگار کی حیثیت سے پیش کیا ہے وہاں ایک ایک لفظ سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ ایک عبد ذلیل اپنے آقا کے جلیل کی خدمت میں حاضر ہے۔ جہاں اس جیسے ہزاروں، لاکھوں انسان (جن میں احرار بھی ہیں اور غلام بھی) اور بھی موجود ہیں مگر وہ اپنے آپ کو زیادہ محاسبہ کا سزاوار سمجھ رہا ہے۔

صاحب حلیۃ الابرار اپنی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ

امام زین العابدین اُمتِ محمدیہ کے ساتھ وہی رسول کریم جیسی بزرگانہ شفقت اور اسی طرح مسلمانوں کی سرپرستی فرماتے تھے۔ اگرچہ اس میں آپ کو اور آپ کے متعلقین کو بارہا سخت تکالیف جھیلنا پڑیں مگر آپ نے اپنے اس فریضہ سے کبھی غفلت نہیں برتی۔ چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ شب میں روٹیوں کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لاد کر نکلتے اور فقراء و مساکین کے درمیان تقسیم کر دیتے۔ یہ راز آپ کی زندگی میں لوگوں کو معلوم نہ ہو سکا، مگر جب آپ کی وفات کے بعد آپ کو غسل دیا گیا تو پشت پر بوجھ لادنے کا ایک سیاہ نشان نظر آیا۔ اس وقت آپ کے صاحبزادے امام محمد باقر نے بتایا کہ یہ کیسا نشان ہے۔ اس بات کی تصدیق اس طرح بھی ہو گئی کہ آپ کی وفات کے بعد اس خفیہ خیرات کا سلسلہ جاری نہ رہا۔

علامہ طبری اس موضوع سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

امام زین العابدین سال میں دو مرتبہ اپنے گھر کا تمام مال و اسباب مستحقین کو تقسیم کر دیا کرتے تھے۔

ان واقعات کے بعد بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص اپنے نانا کے نام لیواؤں کا فقر و فاقہ تک برداشت نہیں کر سکتا تھا اور جو ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کر کے اس کے معاوضہ کی امید رکھنا تو در کنار، اپنا نام تک ظاہر کرنا نہیں چاہتا تھا اور خدمت "محض خدمت خلق" کی غرض سے بجا لاتا تھا، کیونکہ اس کے پہلو میں ایک حساس اور انسانی درد کی آنچ سے پگھل جانے والا دل تھا، کیا اس کا دل اس تصور سے بے چین نہیں ہو جاتا ہوگا کہ اس کے نانا کی اُمت کو گمراہی میں ڈال کر جہنم کا ایندھن بنانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں اور کیا یہ ممکن تھا کہ وہ اُمت کی اصلاح پر قادر ہونے کے باوجود اصلاح حال سے روگردانی کر لیتا ـــــــ امام کی سیرت مبارکہ کا یہی وہ پہلو ہے جس سے یقین ہوتا ہے کہ آپ کی دعاؤں میں کلمہ گریوں کی اصلاح کے جو نکتے مضمر ہیں وہ کوئی غیر ارادی اور اتفاقی باتیں نہیں، بلکہ یہ ایسی تعلیمات ہیں جو محض تعلیم و تلقین اور ارادۃً طریق کی غرض سے آپ نے ارادۃً ارشاد فرمائی ہیں ـــــ نیز ان دعاؤں کی کثرت اور ان میں تعلیمی پہلوؤں کی بہتات سے یہ بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ آپ کے زمانہ حیات میں جتنا جتنا اُمت کو گمراہ کیا جاتا رہا، اتنی بلکہ اس سے بھی بیش آپ انھیں راہِ حق دکھانے کی کوشش کرتے رہے۔

علامہ طبری نے امام زین العابدینؑ کی سیرت پر تبصرہ کے دوران آپ کی سیر چشمی اور چشم پوشی کے دو واقعات لکھے ہیں جن سے اُن کے نزدیک امام کے محاسن مذکورہ بالا اخلاق شخصی پر روشنی پڑتی ہے۔ مگر ہمارے خیال سے یہ واقعات ایک اور احساس پر مبنی ہیں جو ہمارے موضوع بحث سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ اول دونوں واقعات سُنیے۔ اس کے بعد ہم اپنا نظریہ پیش کریں گے۔ علامہ لکھتے ہیں:۔

"اسامہ بن زید جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو امام زین العابدین ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ پوچھا۔ اسامہ کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا۔ صرف اس بات کی فکر ہے کہ پندرہ ہزار دینار کے قرضہ کا بوجھ گردن پر لیے جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ فکر نہ کرو تمھارا یہ قرض ہم ادا کر دیں گے۔ چنانچہ اسامہ کے انتقال کے بعد امام نے یہ رقم ادا کر دی۔"

"والی مدینہ ہشام بن اسمٰعیل ہمیشہ آپ کے درپئے آزار رہتا تھا۔ امام کی تذلیل واہانت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرتا۔ حضرت کے متعلق جھوٹی خبریں مشہور کرتا اور عوام الناس کو برانگیختہ کرتا۔ اتفاق ایسا پڑا کہ اسے حکومت نے ایالت مدینہ سے معزول کر دیا اور حکم دیا کہ اشراف مدینہ کے سامنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرے۔ ہشام کو سخت اندیشہ ہوا کہ علی بن الحسین اس سے سخت باز پرس کریں گے۔ لیکن حضرت نے اس سے گفتگو کے بعد فرمایا کہ تم نے بیت المال کی رقم میں جو تصرف کیا ہے اتنا روپیہ میرے پاس موجود ہے، وہ لے لو اور خزانے میں جمع کر دو۔ تاکہ مرنے کے بعد ایک ایسا بوجھ لے کر دنیا سے نہ اٹھو جسے خدائے تعالےٰ معاف نہیں کرے گا۔"

ہم ان دو واقعات کے سلسلے میں علامہ طبری کے اس نظریہ سے متفق ہیں کہ ان سے امام کی سیر چشمی اور عفو و درگزر کا پتہ چلتا ہے۔ مگر ان رقوم کے ادا کرنے میں امام کا جو احساس دل کی گہرائیوں میں کارفرما ہے وہ اس سے بالاتر ہے اور وہ یہ کہ امام جانتے تھے کہ قرضہ کا بار ہو یا بیت المال کی رقم، یہ دونوں ہی ایسے حق العباد ہیں جن کی ادائیگی کے بغیر عاقبت بخیر نہیں ہو سکتی۔ آپ یہ بھی محسوس کرتے تھے کہ اُمّتِ محمدیہ کی اصلاح حال آپ کا منصب ہے۔ نیز یہ کہ دین و شریعت کی راہ میں اصلاح کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ محض راستہ بتا دیا جائے۔ اب چاہے کوئی جنّت میں جائے یا دوزخ میں۔ بلکہ دینی مصلح سے جہاں تک ممکن ہو سکتا ہے وہ انسان کو نیک انجام تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس لیے جیسے ہی امام کو یہ دونوں اشخاص حق العباد کے مطالبات میں جکڑے ہوئے نظر آئے اور اس بوجھ سے ان کے عہدہ برآ ہونے کی راہیں مسدود دکھائی دیں تو امت کے سرپرست کا دل ان کے انجام کے خیال سے مضطرب ہو گیا اور چونکہ آپ ایسی ذمہ داریوں سے انھیں نجات دلا دینے پر قدرت رکھتے تھے اس لیے فوراً یہ ذمہ داری اپنے اوپر لے لی تاکہ ان کا انجام معاملات معلومہ میں بخیر ہو جائے اور آپ مصلح کا فریضہ بجا طور پر ادا کر دیں۔

دوسرے واقعہ سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ امام کی وہ کوششیں جو آپ اصلاحِ اُمّت کے لیے فرما رہے تھے، دوستوں ہی تک محدود نہیں تھیں بلکہ ان سے آپ کا دوست و دشمن ہر ایک یکساں طور پر مستفیض ہوتا تھا ——— نیز ان دونوں واقعات سے ضمناً یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ آپ کا سلوک خالصتہً لوجہ اللہ تھا اور اس سے دنیا کی کوئی غرض وابستہ نہ تھی۔ کیونکہ اسامہ کا قرض آپ نے ان کے مرنے کے بعد اور ہشام کے واجبات اس کی معزولی کے بعد، جبکہ وہ خود دوسروں کا محتاج تھا، اپنے ذمہ لیے اور ادا فرمائے۔

امام زین العابدین کی ذات دوست دشمن دونوں کے لیے سبب رحمت تھی۔ تاریخ یعقوبی۔ ابو الفداء اور صواعق محرقہ نے بالاتفاق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب ۶۳ھ میں یزید کی فوجوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تو اس وقت خاندان بنی امیہ کے جو افراد مقیم تھے انھیں اپنی سلامتی کی طرف سے سخت خطرہ پیدا ہو گیا۔ آخر مروان بن حکم جو ان کا سردار تھا، حضرت امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور پناہ طلب کی۔

محوظ رہے کہ ابھی واقعہ کربلا کو صرف دو سال گزرے تھے۔ بنی امیہ کی تلواروں سے اب تک حسینؑ اور انصار حسینؑ کا خون ٹپک رہا تھا۔ امام زین العابدینؑ کے پیروں اور گردن میں اب تک طوق و زنجیر کے نشان باقی تھے۔ لیکن اللہ اکبر امام کی عالی ظرفی کہ آپ نے مروان اور اس کے قبیلے کو اپنی پناہ میں لے لیا اور اس کی بیوی عائشہ کو اپنے حرم محترم کے ساتھ ٹھہرایا اور بنی امیہ کے چار سو افراد کی جن میں بوڑھے، بچے اور عورتیں سب شامل تھیں، اس وقت تک مہمانی اور خبرگیری کی جب تک وہ مدینہ سے حفاظت کے ساتھ نکل گئے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ انسانی تاریخ میں کسی شخص نے اپنے باپ، بھائیوں اور دوستوں کے اور خود اپنے ایسے جانی دشمنوں کی اس اخلاص و ہمدردی کے ساتھ حمایت کی ہو خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ اس طرح خود اپنے لیے خطرات پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔

اب اس واقعہ کا امام زین العابدین کی ادعیہ سے تطابق کیجیے تو ماننا پڑے گا کہ یہ دعائیں سراپا آپ کے ضمیر اور دل کی آئینہ دار ہیں اور جس طرح آپ نے اپنی زندگی میں دشمنوں تک کو اپنی مصلحانہ اور پدرانہ شفقتوں سے محروم نہیں رکھا اسی طرح ان دعاؤں میں بھی ہر جگہ ہر کلمہ گو کے لیے دعائے خیر کی ہے اور خصوصیت کے ساتھ ایک دعا تو شروع سے آخر تک محض ان اہل ثغور (سرحد والے مسلمانوں) کے حق میں ہے جو آپ کے خاندانی دشمن تھے اور جو "دعاؤہ علیہ السلام لاھل الثغور" (آں حضرتؑ کی دعا اہل ثغور کے لیے) کے عنوان سے "صحیفۂ کاملہ" میں موجود ہے۔ یہ دعا کافی طولانی ہے اور اس کے پُر تاثیر الفاظ بتاتے ہیں کہ بڑے رجوع قلب کے ساتھ آپ کی زبان سے ادا ہوئی ہے اور اس کو پڑھنے کے بعد کون یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ کے دل میں ان مسلمانوں کا درد نہیں تھا جو آپ کو جانتے تھے مگر نہیں مانتے تھے۔

ان تمام واقعات کے دوہرانے سے ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ اس مقام پر امام زین العابدینؑ کی سیرت بیان کی جائے بلکہ مرکزی نقطۂ نگاہ جس کی طرف سابق میں اشارہ کیا جا چکا ہے محض اسی قدر ہے کہ امام نے اپنی دعاؤں کے ذریعہ جو گراں قدر تعلیمات کے جواہرات لٹائے ہیں وہ ایک پُر درد دل سے نکلی ہوئی ناصحانہ اور مصلحانہ باتیں ہیں، جو آپ نے امت کو عقائد اور اعمال حسنہ کے اعتبار سے تباہ اور اسلام کے نظریات کو پامال ہوتے دیکھ کر ارشاد فرمائی ہیں اور اس کے علاوہ ان کی تہ میں کوئی سیاسی اور مادی غرض یا حصول عزت و جاہ و جلال کی تمنا پوشیدہ نہیں ہے جیسا کہ آپ کی زندگی کے بعض واقعات سے بھی اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔ جن میں دو واقعات خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

(۱) جب ۶۳ھ میں وقتی طور پر مدینہ میں یزید کی حکومت ختم ہو گئی تو سوال پیدا ہوا کہ اب عنانِ اقتدار کس کے حوالے کیا جائے۔ قدرتاً سب کی نظریں امام زین العابدین کی ذات گرامی کی جانب اٹھ گئیں، جو علم و فضیلت، استعداد و صلاحیت، اور اپنے مسلّمہ تقدس و اتقا کی بنا پر اس کا حق رکھتے تھے کہ مسلمان اپنے دینی و دنیاوی امور میں ان سے رہنمائی حاصل کریں۔ چنانچہ مدینہ کے انقلاب پسندوں کا ایک وفد منذر بن زبیر اور عبداللہ بن حنظلہ کی سرکردگی میں جناب امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ حضور منصب خلافت کو سنبھال لیں۔ کیونکہ ہم نے یزید کی بیعت توڑ دی ہے اور اب مدینہ میں اس کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا ہے ـــــ یہ منذر بن زبیر اور عبداللہ بن حنظلہ اس وفد کے ارکان تھے جو اہل مدینہ نے اس غرض سے دمشق بھیجا تھا کہ یزید کے فسق و فجور اور ظلم و عدوان کے جو واقعات مشہور ہیں ان کی تحقیقات کی جائے[1]۔

---

[1] تعجب ہے کہ کربلا کے حادثۂ عظمیٰ کے بعد بھی اہل مدینہ کو یزید کے کردار کے بارے میں حسن ظن باقی تھا کہ تحقیق حالات کے لیے ایک وفد دمشق بھیجنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔

ارکان وفد مدینہ سے دمشق پہنچے اور انھوں نے بر سر موقع تمام حالات دیکھے اور مدینہ میں واپس کر بیان کیا کہ یزید کے بارے میں جو کچھ مشہور ہے، وہ اس سے بھی زیادہ بدکردار، اسلام دشمن اور زندقہ و الحاد کا خوگر ہے۔ وفد کے یہ بیانات سُن کر اہلِ مدینہ نے خروج کیا اور یزید کے حاکم کو شہر سے نکال دیا۔ بہرحال جب منذر اور عبداللہ کی درخواست امام زین العابدین نے سُنی تو فرمایا:

"میں نے اپنی آنکھوں سے اپنے پدر بزرگوار اور اعزہ و انصار کو خاک و خون میں تڑپتے دیکھا ہے۔ میں اپنے اہلِ حرم کے ساتھ کوفہ و دمشق کے کوچہ و بازار میں پابہ زنجیر پھرایا گیا ہوں۔ میں نے آپ کی گفتگو سُنی۔ میرا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کو مدینے میں میرا قیام گوارا نہیں ہے تو میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ کہیں اور چلا جاؤں۔"

امام کے اس حقیقت پسندانہ جواب نے اہلِ وفد کو مایوس کر دیا اور وہ اپنا سا منہ لے کر رہ گئے ——— اور امام اس کشاکش سے الگ رہنے کے خیال سے مع اپنے اہل بیت و رفقاء کے مدینے سے چار روز کی مسافت کے فاصلے پر ینبع چلے گئے۔[1]

(۲) ادھر مدینہ تباہ کیا جا رہا تھا اور ادھر یزیدی فوجوں نے مسلم بن عقبہ اور حصین بن نمیر کی سرکردگی میں مکّہ پر چڑھائی کر دی تھی، خانہ کعبہ پر منجنیقوں سے آگ برسائی جا رہی تھی اور حرم بیت اللہ کے پردے جل رہے تھے۔ اتنے میں خبر آئی کہ یزید نے انتقال کیا۔ محاصرہ ختم ہوا۔ حصین بن نمیر اپنی فوجوں کے ساتھ دمشق کو واپس چلا۔ راستے میں اس کی ملاقات امام زین العابدین سے ہوگئی۔ حصین بن نمیر نے آپ سے درخواست کی کہ یزید کے مرنے سے مسلمان بغیر کسی خلیفہ کے رہ گئے ہیں لہٰذا آپ کہ اس کے مستحق ہیں، منصب خلافت کو قبول فرمائیں۔ لیکن امام ایک ادائے بے نیازی کے ساتھ آگے بڑھ گئے اور اس پیش کش کا کوئی جواب نہ دیا۔ حصین بن نمیر دنگ رہ گیا اور کہنے لگا کہ

"بنی ہاشم سے زیادہ سیر چشم اور اولوالعزم کون ہو سکتا ہے کہ خلافت کی عظیم ترین پیش کش کو اس حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔"

امام زین العابدین کی سیرت مبارکہ کے ان چند واقعات سے باخبر ہونے کے بعد کوئی انصاف پسند مورخ یہ نہیں کہہ سکتا کہ آپ ان معارف کے حامل اور ان محاسن اور فضائل سے آراستہ و پیراستہ نہیں تھے جو انبیاء و مرسلین اور اولیاء اللہ سے مختص ہوتے ہیں اور جبکہ (آپ کے زمانے کا گمراہ کن ماحول بے نقاب ہونے کے بعد) یہ بات بھی مسلّم و متفق ہوگئی تو پھر اب اس موضوع پر مزید کسی بحث کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ امام نے اپنی ادعیہ میں جو کچھ کہا ہے وہ نہ محض الفاظ کا مجموعہ ہے جس سے فصاحت و بلاغت کا مظاہرہ مقصود ہے، نہ اس سے کوئی دنیاوی عزت یا اقتدار حاصل ہونے کی غرض وابستہ ہے بلکہ یہ ادعیہ اس درد کا نتیجہ ہیں جو آپ بھٹکتی ہوئی اُمّت کی اصلاح کے لیے اپنے دل میں رکھتے تھے۔ اور جس کی تسکین کے لیے، ان موانع کے باعث جو کہ مذکور ہوئے درس و تدریس اور منابرِ وعظ و تبلیغ کا موقع نہ تھا۔ نیز انکار منصب خلافت اور سیاسی ہنگاموں سے کنارہ کشی کے واقعات سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ آپ وقت کے اقتضاء کو اور دنیا پرستی میں آلودہ خلافت کے انجام کو اسی طرح سمجھتے تھے جس طرح اسے سمجھنے کا حق ہے۔ نیز سابقہ مباحث سے یہ بھی واضح ہو گیا ہے کہ آپ ان تمام تحریکوں سے بھی پوری طرح باخبر تھے جو اسلام کو مسخ کرنے اور

---

[1] مدینہ سے چلتے وقت آپ کے ساتھ مروان بن حکم کا کنبہ بھی تھا جسے آپ نے اپنی پناہ میں لے لیا تھا۔

اہل اللہ کا نام و نشان مٹا دینے اور رہے سہے دین داروں کا اثر زائل کر دینے کے لیے اس عہد میں مختلف حلقوں سے ظہور پذیر ہو رہی تھیں۔ آپ یہ بھی سمجھ چکے تھے کہ لوگوں کے ضمیر کی آواز کو مسلسل دبایا جا رہا ہے اور تلوار کا خوف ان کے دلوں میں اس قدر بٹھا دیا گیا ہے کہ اظہارِ حق کی جرأت جو مسلمان کا خاصہ ہے، بالکل مفقود و معدوم ہو جانے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ اسلام کو پیش آنے والے ان یقینی خطرات کو روکنے کا اس وقت بس ایک ہی راستہ تھا اور وہ یہ کہ مسلمانوں کی اس روح کو مردہ ہونے سے بچا لیا جائے جو حق سے محبت اور باطل سے نفرت کا سرچشمہ ہوتی ہے اور جو تقریباً ہر سچے مسلمان میں پائی جاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ وہ وقتی اسباب سے دب کر رہ جائے، لیکن جب بھی اس کے دل میں خوفِ الٰہی کا احساس ابھر جائے گا، پھر یکایک حرکت میں آ جائے گی اور اس کے بعد آسانی کے ساتھ اپنے فرائض سے غافل نہیں ہو گی ـــ یہی وہ کام تھا جو امام زین العابدین کی ان دعاؤں نے انجام دیا جو "صحیفۂ کاملہ" کی صورت میں آج بھی امت کی رہنمائی اور احیائے کلمۃ اللہ کا فرض انجام دے رہی ہیں اور حق یہ ہے کہ اگر اس وقت[1] ان دعاؤں کی پُرسوز گونج مسلمانوں کے کانوں تک نہ پہنچائی جاتی تو بنی امیہ نے ان کے ضمیر، دل، دماغ، احساس اور غیرت کو نیم مردہ تو بنا ہی چھوڑا تھا، جو کچھ رہی سہی جان باقی تھی، جیسی نزع کے عالم میں ہوتی ہے وہ بھی چند روز میں ختم ہو جاتی اور رسولِ عربی کا اسلام ہمیشہ کے لیے دفن کر دیا جاتا اور اس کے بجائے دوسرا اسلام دنیا میں رائج ہوتا۔

## امویوں کا سب سے بڑا حربہ بھی ناکام رہا

### امام زین العابدین کے نفسِ مطمئن کی بے پناہ طاقت کے مظاہرات

انسان کے عمل کی قدر و منزلت اور خلوص و صدقِ نیت کی عظمت، جانچنے کے موقع پر، اُن موانع کو بھی دیکھا جاتا ہے، جو اس کی راہ میں حائل تھے اور جنھیں دور کر کے یا ان پر عبور کر کے اس نے کوئی کارنامہ انجام دیا ہے۔ جیسا کہ ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ امام زین العابدین کی تعلیم و تلقینِ اُمت کے راستے میں اموی حکمرانوں نے، وعظ و تبلیغ اور رشد و ہدایت کے اس سرچشمے کو بند کرنے کے لیے تمام وہ ممکن رکاوٹیں پیدا کر دی تھیں، جو وہ اپنی بشری طاقت اور امکانی وسائل کے بقدر کر سکتے تھے۔ لیکن یہ امام زین العابدین ہی تھے جن کے الہامی تدبّر کے سامنے تمام وہ پہاڑ جو آپ کی راہ میں کھڑے کر دیے گئے تھے، ذرہ بے مقدار سے بھی کم وقعت بن کر رہ گئے اور آپ ہزارہا پابندیوں میں بھی بڑی آزادی کے ساتھ اپنے فریضۂ تبلیغ کو انجام دیتے رہے اور اموی مادہ پرستوں کو احساس تک نہ ہو سکا کہ آپ کس کس طرح روحانیت کے احیاء اور ضمیرِ حق میں از سرِ نو روح پھونکنے کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

اِسے معجزہ کہا جائے یا امام زین العابدین کے نفسِ مطمئن کی بے پناہ طاقت کہ آپ کے مقابلے میں بنی امیہ کا وہ سب سے بڑا حربہ بھی ناکام رہا جو انسان کو اس کے فرض سے باز رکھنے کے لیے اکسیرِ اعظم کا حکم رکھتا ہے ـــ یعنی یہ کہ مدِ مقابل کو ایسے حالات میں مبتلا کیا جائے

---

[1] جیسا کہ حرمین شریفین پر مسلم فوجوں کے حملہ کرنے اور دوسرے مسلمانوں کے اس حملے کو برداشت کر لینے سے ظاہر ہے کہ غیرتِ اسلامی مفقود ہو چکی تھی۔

جو قدرتی طور پر اس کے دل میں افسردگی اور اضمحلال پیدا کر دیں اور اس میں کمتری کا احساس اس درجہ بیدار ہو جائے کہ پھر اس میں خود ہی اقدام عمل کی جرأت باقی نہ رہے۔ امام زین العابدین پر یہ کیفیت طاری کرنے کے لیے بنی امیہ نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی چنانچہ شہادت امام حسینؑ کے بعد کربلا سے شام تک آپ کو قدم قدم پر جن سے دوچار ہونا پڑا، ان سب میں آپ کو غرض و غایت کے تحت دانستہ طور پر مبتلا کیا گیا تھا۔ ہم اس مقام پر کربلا کے دردناک واقعات بیان کرنا نہیں چاہتے مگر ان واقعات کا صرف وہ پہلو دوہرا دینا ضروری سمجھتے ہیں جس کے بعد اگر کوئی ایسا ویسا انسان ہوتا تو پھر وعظ و تبلیغ اور ہدایت و حفاظت حق کا کبھی بھول کر نام نہ لیتا اور تمام مسائل سے کنارہ کش ہو کر ہمیشہ کے لیے گوشہ گیر ہو جاتا یا پھر خودکشی کر لیتا۔ مگر اللہ رے امام زین العابدین کی ارادی طاقت! جس نے حکومت کے ان مؤثر حربوں کا جو ادھر سے پے در پے اور مسلسل استعمال کیے جاتے رہے۔ ہر بار منہ موڑ دیا اور اپنے اس فریضہ سے جو نانا کے دین کی حفاظت و اشاعت کے سلسلے میں ان پر عائد ہوتا تھا، ایک دم بھی غافل نہ ہوئے۔ بلکہ بعض اوقات پر تو عین اس وقت بھی جبکہ آپ چاروں طرف سے ان مصائب میں گھرے ہوئے تھے نہایت دلیری اور احساس برتری کے ساتھ اپنے فریضہ تلقین و تبلیغ کو ادا فرمایا۔

ان ہی واقعات کے بیان میں ضمناً وہ شبہات بھی دور ہو جائیں گے، جو بعض کم نظر مورخین کے اس تبصرہ سے پیدا ہو گئے ہیں جو انھوں نے امام کے حلم و تحمل پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے —— ان لوگوں نے کہا ہے کہ امام زین العابدین نے اپنی زندگی میں جس حلم سے کام لیا کہ لوگ ان کے منہ پر سب و شتم کرتے اور وہ اس کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے، یہ سب اس لیے تھا کہ (نعوذ باللہ) ان میں اخلاقی جرأت نہیں تھی اور وہ ایک کمزور دل کے انسان تھے —— کاش یہ لوگ امام کی اس جرأت اور حوصلہ پر بھی ایک نظر ڈال لیتے جو آپ نے بازار کوفہ و شام میں جبکہ آپ مسلح دشمنوں اور کینہ پرور تماشائیوں کے ہجوم میں گھرے ہوئے تھے، نیز ابن زیاد اور یزید جیسے جابر حکمرانوں کے درباروں میں، جن کے لیے قتل انسان ایک تفریحی مشغلہ تھا، دکھا اور ثابت کر دیا کہ زین العابدین کو لوہے میں جکڑ کر بھی اس کی زبان حق گوئی سے نہیں روکا جا سکتا —— دراصل ان لوگوں کو امام کے متعلق یہ اشتباہ صرف اس لیے پیدا ہوا ہے کہ وہ اسلامی سیاست اور اس بصیرت سے محروم ہیں جو دینی امور کی کنہ حقیقت جاننے کے لیے درکار ہے۔ امام زین العابدین کے حلم کا حقیقی اور اصلی راز یہ تھا کہ آپ کے نزدیک خود اپنا مادی وجود اور اس کا مفاد، اسلامی مفادات کے بالمقابل کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ بلکہ آپ ہر مسئلہ کو دین و شریعت کے زاویۂ نگاہ سے دیکھتے تھے اور صرف وہی کام کرتے تھے جس میں اسلام کا کوئی فائدہ مضمر ہوتا تھا۔ ظاہر ہے کہ آپ ایک ایسے زمانے میں زندگی بسر کر رہے تھے جب کہ حکومت اور اس کے نمایندے اس بات کی تاک میں لگے رہتے تھے کہ فتنہ و فساد برپا کر کے بنی ہاشم اور ان کے معتقدین کو تلوار کے گھاٹ اتار دینے اور اس طرح صحیح تعلیمات اسلامیہ کا نام و نشان مٹا دینے کے لیے کوئی معمولی بہانہ اور ادنےٰ جواز پیدا ہو جائے۔ جس کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ لوگ اور ان کے گماشتے موقع بے موقع امام کو سب و شتم کرتے تھے تاکہ آپ برہم ہو جائیں اور جیسے ہی کوئی جوابی کارروائی کریں، بس وہیں سے قتل عام کا سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ ایسے موقع پر بندگانِ الٰہی کو خونریزی سے بچانے کا ایک ہی ذریعہ تھا اور وہ یہ کہ امام حلم و صبر سے کام لیں اور خلق اللہ کو اس ہلاکت سے بچائیں جو اُن کی برہمی سے چشم زدن میں وقوع پذیر ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ظاہری عزت نفس پر بقائے اسلام کے مقصد کو ہمیشہ ترجیح دی ورنہ جہاں تک آپ کی جرأت اور دلیری کا تعلق

ہے اس کے مظاہرے سے آپ کی زندگی کا ورق سادہ نہیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل واقعات میں جا بجا ایسے مواقع آئیں گے جہاں یہ زنجیروں میں جکڑا ہوا شیر علی مرتضیٰ کے ہمہمے کے ساتھ گونجتا ہوا اور محمد مصطفیٰ کے دبدبے کے ساتھ مصائب کے پہاڑوں سے ٹکراتا ہوا نظر آئے گا۔ جہاں اس کی استقامت پامردی اور قوت برداشت دیکھ کر دنیا کے مورخ انگشت بدنداں ہوں گے۔

علامہ طبری، کامل ابن اثیر اور دیگر مورخین کا بیان ہے کہ جس وقت روز عاشورا کربلا میں امام حسینؑ کی شہادت واقع ہوئی، تو امام زین العابدینؑ کئی روز سے بستر علالت پر بے ہوش پڑے ہوئے تھے اور بخار کی اس قدر شدت تھی کہ آپ کے جسم مبارک کو ہاتھ لگانے سے پہلے دور ہی سے لپٹیں محسوس ہونے لگتی تھیں۔ جب یزید کی فوجوں نے بنی زادیوں کے خیمے میں آگ لگائی اور علیؑ کی بیٹی (جناب زینب خاتون) نے آپ کو شانہ ہلا کر غش سے چونکایا اور واقعات سے مطلع کیا اور امام زین العابدینؑ کو معلوم ہوا کہ اب بی بیوں اور بچیوں کا سوائے ان کے کوئی سرپرست باقی نہیں رہا ہے تو اسی وقت آپ کے تیور بالکل بدل گئے۔ چنانچہ آپ اپنی ذمہ داریوں کے پیش نظر بخار کی حدت، اور مرض کی شدت کے باوجود اٹھ کھڑے ہوئے اور قوت ارادی سے بیماری اور ضعف کو ذمہ داریاں پوری کرنے کی حد تک مغلوب کر لیا ــــــــ یہ وہ منزل تھی جس سے ایک کمزور دل کا انسان عہدہ برآ نہیں ہو سکتا ــــــــ اتنے میں شام کی فوجوں نے شمر ذی الجوشن کے اشارے سے آپ کو گرفتار کر لیا۔ پاؤں میں دوہری بیڑیاں، گلے میں خاردار طوق اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ رات کو اسی جنگل میں قیام کیا۔ دوسرے دن سپاہِ شام نے عورتوں اور بچوں کو بے کجاوہ اونٹوں پر بٹھایا اور ان کی مہار امام زین العابدینؑ کے ہاتھوں میں دے کر آپ کو آگے آگے پیادہ پا چلنے کا حکم دیا۔ امام زین العابدینؑ نے اسی مرض کے عالم میں تمازت آفتاب اور بھڑکتی ہوئی ریت سے جنگ کرتے ہوئے کربلا سے کوفہ تک ننگے پاؤں سفر کیا۔ اس وقت کوفہ کو بطور خاص سجایا گیا تھا اور منادی کرا دی گئی تھی کہ سب لوگ قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لیے بازار میں جمع ہو جائیں۔ جب امام زین العابدینؑ کوفہ کے بھرے بازار میں پہنچے تو آپ نے مرض کی شدت کے باوجود، نہایت شاندار اور پُر وقار لہجے میں اہلِ کوفہ کو مخاطب کر کے کہا:

"مجھے پہچانو! میں علی ابن ابی طالب کے فرزند حسینؑ کا بیٹا ہوں۔ میں اس مظلوم کا بیٹا ہوں جسے تم نے مہمان بلا کر بغیر کسی قصور کے ذبح کر ڈالا۔ تم نے پشت گردن سے (یعنی سجدے کی حالت میں) اسے شہید کیا۔ بتاؤ کہ قیامت کے دن تم کس منہ سے میرے جد بزرگوار محمد مصطفیٰ کے سامنے جاؤ گے جب کہ وہ تم سے قتل حسینؑ کے بارے میں تمہارا عذر پوچھیں گے۔"

امام کی یہ دل ہلا دینے والی اور مدلل تقریر سن کر بعض لوگوں نے انتہائی ندامت کے لہجے میں کہا:

"یا ابن رسول اللہ! ہم آپ کا حق پہچانتے ہیں، ہمیں حکم دیجئے۔"

امام زین العابدینؑ نے فرمایا:

"سبحان اللہ! کیا دھوکہ دیا جا رہا ہے! لوگو کیا تمہیں یہ جاننے کے لیے تمہارا وہ سلوک کافی نہیں ہے جو تم نے حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کے ساتھ کیا ہے!"

امام کی اس گفتگو اور سوال و جواب سے یہ بات صاف سمجھ میں آ رہی ہے کہ آپ جب مجمع عام کے سامنے لائے گئے جس میں بعض ایسے

لوگ بھی ضرور موجود ہوں گے جن کا ضمیر تو ابھی بالکل مردہ نہیں ہوا تھا مگر حکومت کی تہدید و تعزیر کے باعث زبان سے کچھ کہنے کی جرأت نہیں رکھتے تھے، تو آپ نے بڑی دلیری کے ساتھ بغیر کسی خوف اور اندیشہ کے اُن کے جذبہ حق گوئی کو اپنے سوال کے ذریعہ زندہ کر دیا اور جب ان کے اس جواب سے کہ "ہمیں حکم دیجئے" یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا کہ کہیں فساد برپا نہ ہو جائے تو آپ نے فوراً اس خیال کے تحت بات کا رخ بدل دیا کہ اگر اس وقت خونریزی شروع ہوئی، جبکہ دمشق کے چیدہ لشکری بھی کوفہ میں موجود ہیں، تو سوائے اس کے کہ چند مٹھی بھر حق پسندوں کا خون بہ جائے گا اور کوئی مفید اسلامی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔

غرض کہ اہل بیت کا لُٹا ہوا قافلہ ابن زیاد کے دربار میں داخل ہوا۔ جہاں امیر کوفہ، جناب زینب سے ایک تلخ و تند تقریر کے بعد امام زین العابدین سے مخاطب ہوا:

لڑکے تیرا کیا نام ہے ؟

علی بن الحسین۔ امام نے جواب دیا۔

ابن زیاد نے چیخ کر پوچھا۔ کیا علی بن الحسین کو خدا نے قتل نہیں کر ڈالا ؟

امام نے فرمایا کہ میرے ایک بھائی کا نام علی بن الحسین تھا جنھیں لوگوں نے قتل کر دیا۔

ابن زیاد نے گرج کر کہا :

لوگوں نے نہیں — خدا نے — خدا نے تیرے بھائی کو قتل کیا ہے۔

یہ سُن کر امام زین العابدین نے ایک آیت کی تلاوت فرمائی اور کلام الٰہی سے اس کے دعوے کو رد کر دیا۔

اگر امام میں اخلاقی جرأت نہ ہوتی اور آپ نعوذ باللہ بزدل ہوتے تو بھرے بھرے دربار میں ابن زیاد سے یہ بحث و مباحثہ نہ کرتے لیکن چونکہ آپ کو معلوم تھا کہ ابن زیاد اس وقت ہزاروں مسلمانوں کی موجودگی میں ایک غلط اور بالکل غلط نظریہ اسلام کی طرف منسوب کر رہا ہے اور اگر اپنی جان بچانے کے لیے اس نقطۂ نظر پر خاموشی اختیار کی گئی تو اصل مقصد فوت ہو جائے گا یعنی لوگ ایک ایسے عقیدے کو اسلام کا عقیدہ خیال کرنے لگیں گے جو سراسر باطل اور نظریہ معاد و حساب و کتاب کے منافی اور عدالت باری تعالےٰ کے لیے سخت توہین آمیز ہے۔ اس لیے آپ نے اپنی جان کی کوئی پروا نہ کی اور ابن زیاد کو دو بدو جواب دیتے رہے۔

ابن زیاد جیسے سفاک کو ان باتوں کی تاب کہاں ! اُس نے چیخ کر کہا :

خدا تجھے مار ڈالے، تو بھی ان ہی میں سے ایک ہے۔

یہ کہہ کر اس نے امام زین العابدین کے قتل کا حکم دے دیا۔ جناب زینب یہ ماجرا دیکھ کر تڑپ اٹھیں اور سنگدل امیر کوفہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں :

مَیں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں۔ اگر تو اس لڑکے کو قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو پہلے مجھے ذبح کرا دے۔

امام قتل کا حکم سن کر آگے بڑھے اور ابن زیاد سے فرمایا :

"اگر تجھ میں اسلامی حمیت وغیرت کا کوئی شائبہ بھی باقی ہے تو میرے بعد ان بے سہارا عورتوں اور بچوں پر کسی ایسے شخص کو نگران مقرر کرنا جو اسلامی معاشرت کے آداب سے واقف ہو۔"

ابن زیاد نے یہ سن کر گردن جھکا لی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر بولا:

"خون کا رشتہ بھی عجیب چیز ہے! واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ عورت اس لڑکے سے پہلے قتل ہو جانا چاہتی ہے۔"

اس کے بعد ابن زیاد سرہائے شہداء کی طرف متوجہ ہو گیا اور امام حسینؓ کے سر بریدہ سے چھڑی کے ساتھ بے ادبی کرنے لگا[1]۔ زید بن ارقم صحابی رسولؐ نے چیخ کر اس بے ادب سے کہا کہ

ارے کیا گستاخی کرتا ہے! میں نے واللہ دیکھا ہے کہ رسول اللہؐ حسین کے ہونٹ چوم رہے تھے۔

صحابی رسولؐ کی اس جرأت پر ابن زیاد کو غصہ آیا اور درشت لہجے میں کہا:

خدا تیری آنکھوں کو رلائے! واللہ اگر تو سٹھیا گیا نہ ہوتا تو ابھی گردن مارنے کا حکم دے دیتا۔

یہ سن کر زید بن ارقم امیر کوفہ کے دربار سے اٹھ کر چلے گئے اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے:

"اے اہلِ کوفہ! تم غلام ہو گئے۔ تم نے فاطمہؓ کے بجائے مرجانہ (کنیز)[2] کے بیٹے کو اپنا حاکم بنایا، جو تمہارے نیک لوگوں کو قتل کرتا ہے اور بدمعاشوں کو زندہ رکھتا ہے۔ تم نے ذلت قبول کر لی۔ خدا انھیں ہلاک کرے جنھوں نے چند سکّوں کے عوض اپنا ایمان بیچ ڈالا ہے۔"

ان فقروں میں دو فقرے خاص طور پر قابل غور ہیں (۱) اے اہلِ کوفہ! تم غلام ہو گئے (۲) تم نے ذلت قبول کر لی۔ ان دونوں باتوں سے بنی امیہ کے عہدِ حکومت کے عام حالات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مشہور مورّخ طبری نے اس واقعہ کی تشریح کے بعد "زید بن ارقم" کے بجائے "انس بن مالک" کا نام لکھا ہے کہ اصحابِ رسولؐ میں اُن کا درجہ بھی محتاجِ تعارف نہیں۔

کم و بیش دو ہفتہ کوفہ میں اہلِ بیت کو قید رکھنے کے بعد ابن زیاد نے سرہائے شہداء کو زجر بن قیس اور طارق بن ظبیان کی نگرانی میں اور اسراء اہل بیت کو شمر ذی الجوشن کی سالاری میں دمشق روانہ کر دیا۔ کوفہ سے دمشق کی مسافت پانچ سو میل ہے۔ یزیدی لشکر شہیدوں کے سروں اور کربلا کے قیدیوں کو شاہراہ عام سے شام لے گیا تاکہ عراق اور شام کے لوگ بنی فاطمہ کی ذلت و خواری کو دیکھیں اور اموی طاقت کا

---

[1] حالانکہ یہ کوئی جرأت نہ تھی۔ ان بزرگ میں اگر جرأت اخلاق اور دینی غیرت وحمیت کا کوئی شائبہ اور حرارت ایمانی کی کوئی چنگاری بھی باقی ہوتی تو حسینؓ کے سر بریدہ اور ان کے اہل بیت کی گرفتاری کے مناظر دیکھنے کو زندہ ہی نہ رہتے اور کربلا میں جا کر دوسرے صحابیوں کی طرح جام شہادت نوش کرتے۔

[2] ابن زیاد کی ماں کا نام۔

سکے ان کے مطلوب پر پہنچ جائے۔ کوفہ سے چل کر یہ لوگ تکریت (شمالی عراق) پہنچے تو وہاں سے نوے میل کے فاصلے پر ہے۔ تکریت میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی ملی جلی آبادی تھی۔ وہ دونوں قومیں شہیدوں اور قیدیوں کے حالات سے باخبر ہو کر محض انسانی ہمدردی میں لشکر یزید سے لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گئیں۔ شامی سپاہ مقابلہ کرنے کی سکت نہ رکھتی تھی۔ چنانچہ تکریت سے کترا کر نکل گئی اور وادی نخلہ اور منزل لحیل کو طے کر کے موصل پہنچی جو کوفہ سے تین سو میل کے فاصلے پر ہے۔ موصل میں پہلے ہی شورش برپا ہو چکی تھی، چنانچہ کوفیوں اور شامیوں نے وہاں بھی ٹھہرنا مناسب خیال نہ کیا اور تل عفر اور سنجار ہوتا ہوا یہ قافلہ نصیبین پہنچا۔ جہاں کا حاکم منصور بن الیاس تھا۔ وہاں سے یہ لوگ عین الورد ہوتے ہوئے شہر دعوات میں داخل ہوئے۔ اس وقت ایک منادی اسراء کے آگے آگے یہ اعلان کرتا ہوا چل رہا تھا:

"یہ ایک ایسے شخص کا سر ہے جس نے یزید بن معاویہ پر خروج کیا تھا۔"

وہاں سے یہ قافلہ رقہ پہنچا۔ راستے میں جناب سکینہ بنت الحسین اونٹ سے گر گئیں اور کسی کو پتہ نہ چلا۔ جب شمر کو معلوم ہوا تو وہ امام زین العابدین کو تازیانے مارتا اور کھینچتا ہوا ان کی تلاش میں لے چلا۔ کچھ دور چل کر جناب سکینہ مل گئیں جو تنہائی کے عالم میں بھٹکتی اور روتی پھرتی تھیں۔ رقہ کے بعد قلعہ جو سق پھر منزل لبشتر پھر عقیلان اور پھر حلب کی منزلیں آئیں۔ حلب سے کوہ جوشن ہوتی ہوئی سپاہ یزید سرہائے شہداء اور اسرائے کربلا کے ساتھ قنسرین اور پھر معرۃ النعمان پہنچی اور بعد ازاں حمص سے گزر کر قصبہ شیرز میں قیام کیا۔ قلعہ کفر طاب کے لوگ مزاحمت پر آمادہ تھے اس لیے شامی اور کوفی سیبور ہو کر دیر راہب کی طرف نکل گئے اور آخر مقامی آبادیوں کی زبردست لعنت و ملامت کی بوچھار سے گزرتے ہوئے یکم ربیع الاول ۶۱ھ کو یہ لوگ دمشق پہنچے اور باب جیرون سے شہر میں داخل ہوئے۔

یہ تمام منازل کہ جو کوفہ سے شام تک اسرائے اہل بیت کو طے کرائیں، اس مقام پر ان کے تذکرہ سے صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ بنی امیہ کے حکم سے امام زین العابدین کو مقید اور سربرہنہ ماں بہنوں کے ساتھ محض اس لیے تشہیر کیا جا رہا تھا کہ ذلتیں سہتے سہتے اور صعوبتیں جھیلتے جھیلتے ان کا ضمیر مردہ اور دل بالکل افسردہ ہو جائے تاکہ پھر ان کی زبان سے یزید کی خلافت کا اعتراف کرایا جا سکے اور اس طرح اس کے خلیفہ برحق ہونے کی سند پر ایک ایسی مہر لگ جائے جس کے بعد کسی دوسری توثیق کی حاجت باقی نہ رہتی۔

غرض کہ داخلہ دمشق کے وقت امام زین العابدین اسیران اہل بیت کے ناقے کی مہار پکڑے آگے آگے چل رہے تھے۔ یہاں ایک بوڑھے نے آپ کو مخاطب کر کے کہا:

خدا کا شکر ہے جس نے تمہارے بزرگوں کو ہلاک اور اُمت کو شر و فساد سے پاک کیا۔

امام نے ملائمت سے پوچھا۔

اے شیخ! تم نے قرآن پڑھا ہے؟

بوڑھے نے کہا۔ ہاں! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔

امام نے پوچھا:

تو پھر قرآن میں آیہ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ (کہہ دو اے رسول! کہ میں اس رسالت کا بجز ان کے

کوئی اور اجر نہیں چاہتا کہ میرے اہل بیت سے محبت کی جائے، تو ضرور تیری نظر سے گزری ہوگی؟

بڈھے نے کہا۔ بے شک یہ آیت میری نظر سے گزری ہے۔

اس پر حضرت نے فرمایا:

تو یقین کر کہ وہ اہل بیت ہم ہی ہیں اور یہ آیت ہماری ہی شان میں نازل ہوئی ہے۔ ہم ہی آیۂ تطہیر کے بھی ممدوح ہیں۔ یہ دیکھ نیزے پر میرے باپ حسینؑ کا سر ہے جو علی و فاطمہ کے لختِ جگر اور رسولؐ کے نورِ نظر تھے۔

یہ سن کر بوڑھے نے سر جھکا لیا اور امام آگے بڑھ گئے۔

یہ اور بات ہے کہ اس ہنگامہ میں یکایک اس بوڑھے کو اور دوسرے سننے والوں کو بھی فوج یزید کے خلاف آواز بلند کرنے کی جرأت نہ ہو سکی، لیکن کیا ان کلمات سے جو امام نے فرمائے بوڑھے کے ضمیر نے شرمندگی کا احساس نہیں کیا؟ ضرور کیا۔ اور یہی وہ مقصد تھا جس کے لیے امام زین العابدین اس مہم کے دوران ہر محل اور ہر مقام پر، تمام مجبوریوں اور پابندیوں کی قید توڑ کر بڑی دلیری اور جرأت سے کام لیتے چلے گئے اور یہ آپ کے ان ہی منتشر اور بکھرے ہوئے کلمات کی تاثیر تھی کہ بہت جلد دنیا یزید سے متنفر ہوگئی اور حسینیت (یعنی صحیح اسلام) کو ایسی پائداری مل گئی کہ نہ صرف چند انسانوں کو بلکہ اسلام کی تاریخ کو ڈنکے کی چوٹ یہ اعتراف کرنا پڑا:

حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

یقین جانیے کہ اگر ان تماشائیوں کے مجمعوں میں زین العابدین کے یہ کلمات نہ گونجتے رہتے تو حسینؑ کی شہادتِ عظمیٰ ایک باغی کی موت بن کر رہ جاتی اور یزید کو اسلام کے فاتح اعظم کا لقب مل جاتا اور پھر وہی اسلام رواج پاتا جس کی یزید کے دور میں تشکیل کی جا رہی تھی۔

غرض اہل بیت کا برباد شدہ قافلہ دمشق کے خلیفۂ اسلام کے دربار میں کس طرح داخل ہوا؟ یزید نے اس موقع پر کس قسم کے اشعار پڑھے؟ وحی و نبوت کا کس طرح مذاق اڑایا؟ بنی امیہ کے مقتولین بدر کا، خاندانِ رسالت سے انتقام لینے پر کیسی کیسی خوشیوں کا اظہار کیا؟ یہ سب باتیں ہمارے موضوع سے باہر ہیں، ان کی تفصیل طبری، یعقوبی اور دوسری اسلامی تواریخ میں پڑھیے ہمیں تو ان واقعات کو اجمالاً پیش کرنا ہے جن کا تعلق امام زین العابدین کی اخلاقی جرأت سے ہے۔

یزید نے اظہار فخر کے بعد علی بن الحسین سے جو پابہ زنجیر اس کے سامنے کھڑے تھے، مخاطب ہو کر کہا:

علی بن الحسین! تم نے دیکھا کیا ہوا؟ حسین نے قطع رحم کیا۔ میری بات نہ مانی جس کا یہ انجام ہوا۔

امام نے ایک آہ سرد کھینچی اور جواب میں قرآن پاک کی ایک آیت پڑھ کر خاموش ہو گئے۔

یزید بغلیں جھانکنے لگا اور اپنے بیٹے خالد سے کہا کہ جواب دو۔ مگر وہ بھی سوائے سکوت کے کچھ نہ کہہ سکا۔

حاضرین دربار ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ یزید نے بدلتے ہوئے رنگ محفل کو تاڑ لیا اور بات ٹالنے کے لیے دوسرا ذکر چھیڑ دیا۔ بات تو آئی گئی ہوگئی مگر سننے والے مجمع پر اس کا جو اثر پڑا اور ان کے دل و ضمیر میں اس سے جو ہیجان پیدا ہوا اور جو ایک دوسرے کا منہ تکنے کی صورت میں اسی وقت ظاہر ہوگیا اس سے بہر حال یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ضمیر مردہ اور قلوب افسردہ میں از سرِ نو تازہ روح پھونکنے کی مہم جو اس ہجوم مصائب

کے دَور میں امام زین العابدین انجام دے رہے تھے اس موقع پر بھی کامیاب رہی۔

مصری مورخ علامہ محمد عبدالمطلبی اپنی تاریخ "اخبار الاول" میں لکھتے ہیں کہ اسی دوران قید و بند میں ایک روز یزید نے شرفائے دمشق اور دیگر ممالک کے سفراء کی موجودگی میں امام زین العابدین کو پابہ زنجیر تذلیل و تحقیر کے ارادے سے اپنے دربار میں طلب کیا۔ امام زین العابدین نے چاروں طرف نظر ڈالی اور دونوں ہاتھوں سے زنجیریں سنبھال کر کھڑے ہو گئے اور احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے نہایت پُر رعب و جلال لہجہ میں خطبہ شروع فرما دیا:

"لوگو! جس نے مجھے پہچان لیا، پہچان لیا اور جس نے نہیں پہچانا، وہ پہچان لے کہ میں مکّہ کا فرزند اور زمزم و صفا کا لال ہوں اور اس کی یادگار ہوں جس نے سنگِ اسود کو چادر میں رکھ کر اور اس کے کونے کو پکڑ کر اٹھایا تھا میں اس کا نورِ چشم ہوں جو شبِ معراج براق پر سوار ہو کر مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک گیا تھا میں محمد مصطفےٰ کا بیٹا علیؑ مرتضیٰ کا وارث اور فاطمہؑ زہرا کا پارۂ جگر ہوں۔"

امام کا خطبہ یہیں تک پہنچا تھا کہ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ قریب تھا کہ نیا ہنگامہ برپا ہو جائے۔ مگر یزید نے موقع کی نزاکت دیکھ کر مؤذن کو اشارہ کیا۔ اس نے بہ آوازِ بلند اذان دینا شروع کر دی۔ جب مؤذن اس مقام پر پہنچا۔

"اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

تو امام نے یزید سے پوچھا:

اے یزید! یہ محمدؐ تیرے جد تھے یا میرے؟

یزید نے کہا کہ بے شک وہ آپ ہی کے جد تھے۔

امام نے سوال کیا کہ پھر تو نے میرے باپ کو جو اسی محمدؐ کے نواسے تھے کیوں شہید کیا؟

یزید اس پر لاجواب ہوا اور محفل میں کہرام مچ گیا۔ تاریخ کامل، جذب القلوب اور یعقوبی کا بیان ہے کہ امام زین العابدین نے اذان ختم ہوتے ہی حمد و صلوٰۃ کے بعد حادثہ کربلا کا اس طرح ذکر کیا کہ لوگ بے اختیار رونے لگے۔ پھر آپ نے فرمایا:۔

"لوگو میں خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ اس نے ہم اہل بیت کو مصائب میں مبتلا کر کے ہمارا امتحان لیا اور دوبارہ شکر ہے کہ ہم اس امتحان میں پورے اترے اور عدل و تقویٰ کے نشان کو سربلند کیے رہے۔ جب کہ ہمارے دشمن گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں۔"

اس واقعہ کے بعد کون اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرے گا کہ امام زین العابدین حد درجہ موقع شناس، اقتضائے محل و مقام کے پہچاننے والے، ضرورت کے عین مطابق گفتگو کرنے والے، وقت کے نباض اور نفسیات کے ماہر انسان[۱] تھے اور جب آپ کا قید و بند کی حالت میں

---

[۱] جیسا کہ ہر امام ان ہی اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔

(جبکہ دل و دماغ تکدر و انقباض کے باعث علی العموم ماؤف ہوجاتے ہیں) یہ عالم تھا تو ظاہر ہے کہ رہائی کے بعد جب آپ گھر کے اندر مصلّے پر بیٹھ کر دعائیں پڑھا کرتے تھے اور ان دعاؤں میں تعلیماتِ اسلامیہ کے بے شمار نکتے مضمر ہوتے تھے تو یقیناً یہ سب نکتے بھی وقت کی ضرورت کے عین مطابق ہونا چاہئیں۔ یعنی جس طرح آپ مثلاً اپنی زندگی کے اس دور میں جب کہ حکومت کی جانب سے مسلمانوں کے احساس و ضمیر کو ناکارہ بنا دینے کی کوششیں کی جا رہی تھیں، اپنی ہر گفتگو کے دوران بھٹکے ہوئے انسانوں کے دل و ضمیر اور روح کو جھنجھوڑ کر ان میں ایک نئی روح پھونکتے رہے اور جس طرح آپ نے آلِ محمدؐ کے فضائل دلنشین طریقے سے یاد دلا کر اس تحریک کے خلاف جہاد کیا جو دنیا کو علی اور اولادِ علی سے متنفر کرنے کے لیے بنی امیہ کی طرف سے چلائی جا رہی تھی، اسی طرح آپ کی ادعیہ بھی تمام تر ان مسائل کی تعلیمات پر مشتمل ہیں جن کی اس وقت —— عقیدہ مرجیہ، انکارِ عدالت، نظریات ایران و یونان کی مسلمانوں میں اشاعت و تبلیغ، آمریت اور شہنشاہیت کے رجحان، اور ایسے ہی دوسرے گمراہ کن مسئلوں —— کے پیشِ نظر ضرورت تھی۔ اور آج جب کہ ہم تاریخ کی ورق گردانی کے دوران ایک طرف یہ دیکھتے ہیں کہ اموی حکمرانوں نے ان مبنی بر اضلال تحریکوں کی اشاعت کے لیے اپنے کل خزانوں کے منہ کھول دیے تھے اور شخصی طور سے اس خاندان کا ہر فرد ان تحریکات کا بار آور بنانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا اور دوسری جانب ان ملحدانہ اور غیر اسلامی عقائد و خیالات کے خلاف سوائے ایک مخفی اور کمزور اللسان کی خاموش تبلیغ و تلقین کے (جس کے رخسارے خوفِ الٰہی میں روتے روتے گھل گئے ہیں) کسی اور حلقے سے کوئی خاص قدم اٹھتا ہوا نہیں دکھائی دیتا، تو پھر ہمیں نہ صرف عقیدت مندی کے طور پر بلکہ تاریخی حقائق کی رو سے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ امام زین العابدین نے "صحیفۂ کاملہ" کی دعاؤں کے ذریعہ وہ عظیم الشان دینی خدمت انجام دی ہے جسے اسلام کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔

اس دور کی تاریخ کا یہ پہلو بھی ناقابلِ فراموش ہے کہ اگرچہ یزید نے کربلا میں آلِ محمدؐ کا خاتمہ کر کے پورے وثوق کے ساتھ یہ یقین کر لیا تھا کہ اب محمدؐ کے اسلام کو مسخ کر کے بنی امیہ کا اسلام رائج کرنے میں کوئی خاص رکاوٹ باقی نہیں رہی ہے مگر امام زین العابدین نے اہلِ حرم کی تشہیر کے دوران، ہر موقع اور مقام پر برمحل تبلیغی خطبات دے کر بہت جلد کل دنیائے اسلام میں یزید کے خلاف نفرت کی ایک ایسی لہر دوڑا دی جس سے یزید کو اس سانحۂ عظمیٰ سے چند ہی ماہ کے بعد یہ اندیشہ پیدا ہو گیا کہ بغاوت کا خوف ناک جوالا مکھی عنقریب بھڑک اٹھے گا (یزید کا یہی وہ اندیشہ ہے جسے بعض مورخین نے اس کی ندامت سے تعبیر کر دیا ہے) لہٰذا اس نے مصلحتِ وقت کے پیشِ نظر بہت جلد اہلِ بیت کی رہائی کا حکم سنا دیا۔

صاحب مقاتل الطالبین لکھتے ہیں کہ جب امام زین العابدین قید سے رہا ہو کر مدینہ پہنچے اور آپ کی آمد کا حال سن کر مدینہ والوں کی ایک جماعت سر و پا برہنہ مضافاتِ مدینہ میں آپ کے استقبال کے لیے حاضر ہوئی، تو آپ نے ان لوگوں کے غم و غصہ کو دیکھ کر، رسول مدنی کی شان سے ایک نہایت پُرسکون خطبہ دیا اور فرمایا :-

ایہا الناس! ہم اس خدا کی حمد بجا لاتے ہیں جس نے ہمیں ایسے شدید امتحان میں مبتلا ہونے کا اہل سمجھا۔

ایہا الناس! ہم وہی ہیں جن کی عزت و حرمت کی تاکید رسول اللہؐ نے فرمائی تھی۔ مگر افسوس! جوانانِ جنّت کے سردار "حسین بن علیؑ" کو ذبح کر ڈالا گیا۔ ہماری عورتوں کو برہنہ سر کوچہ و بازار میں پھرایا گیا ——

مگر ہم نہ کسی کی شکایت کرتے ہیں، نہ کسی سے نصرت کے طالب ہیں۔ خدا ہی محافظ و ناصر ہے۔ ہمارا بدلہ وہی لے گا اور ہم اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر چکے۔"

انصاف سے کہیے! کیا امام زین العابدین کے ان کلمات سے آپ کے انتہائی تدبر اور حد درجہ محل شناسی کا پتہ نہیں چلتا؟ آپ دیکھ رہے تھے کہ اہل مدینہ ان مظالم کی وجہ سے جو یزیدنے آلِ رسولؐ پر کیے ہیں سخت بے چین ہو کر دوڑے ہیں اور اگر اس وقت ان کے اشتعال کو ذرا سی بھی ہوا دی گئی تو غیظ و غضب کا یہ آتش فشاں یکایک پھوٹ پڑے گا اور پھر انتقام حسینؑ کے نام پر ضرور ایک مہلک خونریزی واقع ہو گی جس کا نتیجہ اہل مدینہ کی تباہی کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ اس لیے آپ نے پہلے ہی سے یہ فرما دیا کہ

"ہمارا بدلہ وہی لے گا اور ہم اپنا معاملہ اسی کے سپرد کر چکے ہیں۔"

ہم نے سطور بالا میں جن حوادث کا خاکہ بالاجمال پیش کیا ہے کیا انھیں سن کر دن شخص اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ یہ سب مظالم نبی زادوں اور نبی زادیوں پر اس لیے کیے جا رہے تھے کہ دنیا کی نگاہوں میں خاندان رسولؐ بالکل بے وقعت ہو کر رہ جائے۔ لوگ خوف زدہ ہو کر ان سے ملنا جلنا اور ان کی بات سننا چھوڑ دیں۔ مصائب جھیلتے جھیلتے اور ذلتیں سہتے سہتے خود ان کی ہمتیں بھی اتنی پست ہو جائیں کہ ان میں حق گوئی کی جرأت باقی نہ رہے اور ان کا ضمیر مُردہ اور احساسِ حق افسردہ ہو جائے اور اس طرح بنی امیہ کو دین و دینیات میں من مانی تحریف کرنے اور خلافت محمدیہ کے نام پر دنیا کو غلام بنانے کا بے روک ٹوک موقع ملنے لگے۔ پھر وہ جس چیز کو اسلام کہہ دیں وہ دین محمدیؐ بن جائے اور جس بات کو جھٹلا دیں اسے سچ ثابت کرنے کی کوئی ہمت نہ کر سکے۔ مگر یہ امام زین العابدین کی جرأت حق اور جذبہ حقانیت تھا کہ آپ جگہ جگہ موقع نکال کر اپنے دشمنوں کی زبان سے اپنے فضائل کا اعتراف اور حق کا انکشاف کراتے رہے۔ جس سے مسلمانوں کو بے ضمیر بنا کر بنی امیہ کے سانچے میں ڈھال لینے کی تحریک بھی بُری طرح ناکام ہو کر رہ گئی اور آپ کے گھرانے کا جو وقار عہد رسالت سے لوگوں کی نظروں میں قائم ہو چکا تھا، اس کی بنیادیں بھی متزلزل کیے جانے کے باوجود نہ گر سکیں۔

## امام زین العابدین کا اثر و نفوذ

صحیفہ کاملہ کی علمی و تبلیغی اہمیت نمایاں کرنے کے لیے مبادی کے طور پر جتنی چیزیں پیش کرنا ضروری تھیں، گزشتہ مباحث میں تقریباً وہ تمام باتیں، اگر شرح و بسط کے ساتھ نہیں تو بالاجمال قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر دی گئیں۔ اب ہم اس موضوع کے آخری نکتہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جو ترتیب مقدمہ کے اعتبار سے مؤخر مگر حصول مقصد کی منزل میں سب سے مقدم ہے اور وہ یہ کہ جو کچھ امام نے اپنی دعاؤں میں تعلیم و تلقین کے زاویہ نگاہ سے ارشاد فرمایا تھا، اسے لوگوں نے متعلمانہ توجہ سے سنا اور اس سے وہ سبق حاصل کیا جو امام دینا چاہتے تھے یا ایسا نہیں ہوا!

جیسا کہ ہم کسی مقام پر اشارہ کر آئے ہیں کہ تعلیمات سے مستفیض ہونے کے لیے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ معلم کو اپنے متعلمین کے قلوب میں پورا پورا اثر و نفوذ حاصل ہونا چاہیئے۔ بغیر اس کے کوئی تعلیم مؤثر و کارگر نہیں ہو سکتی۔ اثر و نفوذ کا ایک ذریعہ تو یہ ہوتا ہے کہ

معلّم کو ایسا مادی اقتدار حاصل ہو جس کے رعب و دبدبہ کی بناء پر متعلم کو اس کی جانب متوجہ ہونا پڑے۔ دوسرا ذریعہ یہ ہے کہ معلّم کے علم و فضل اور روحانی جذب و کشش کے باعث لوگوں کے دل خود بخود اس کی طرف مائل ہوں یعنی وہ روحانی اقتدار کے مرتبہ پر فائز ہو۔ ظاہر ہے کہ امام زین العابدین کو مادی طور پر امت محمدی میں کوئی اقتدار حاصل نہیں تھا لیکن جہاں تک روحانی اقتدار اور علم و فضل کی بناء پر اثر و نفوذ کا تعلق ہے، اس کے اعتبار سے آپ کے زمانے کا کوئی دوسرا شخص آپ کا مدمقابل نہیں ٹھہرتا جس کا ایک کھلا ہوا ثبوت تو یہی ہے کہ آپ پر امویوں کی جانب سے جو مظالم ڈھائے گئے ان کی محرک صرف اسی روحانی اقتدار کو چھیننے کی خواہش تھی، ورنہ دنیاوی طاقت کے اعتبار سے امام کے پاس نہ کوئی فوج تھی، نہ رضاکاروں کے دستے اور نہ مال و دولت جس سے بنی امیہ خوف زدہ ہوتے اور حفظ ماتقدم کے طور پر آپ کی طاقت کو کمزور کرنے کے لیے آپ پر یہ تمام ظلم و ستم کرتے جن کا تذکرہ سابق میں کیا جا چکا ہے۔

اگرچہ اس واضح اور نمایاں حقیقت کے بعد اس موضوع پر گفتگو کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی، تاہم مزید توثیق کے لیے اسلام کی چند مستند ہستیوں کے اقوال جو مورخین نے امام زین العابدین کی شخصیت پر روشنی ڈالنے کے ضمن میں بیان کیے ہیں، پیش کیے جاتے ہیں۔ جن سے اس بحث کو کافی تقویت پہنچے گی۔

کامل ابن اثیر نے لکھا ہے:

"امام زین العابدین کے مؤثر ترین کردار، ان کی بے پناہ روحانی کشش، سادہ زندگی، علم و فضل اور ان کی سیرت طیبہ نے اس عہد کے معاشرے کا ان کو ذہنی اور روحانی مقتدا بنا دیا تھا اور اپنے پرائے سبھی ان کو عزیز و محبوب رکھتے تھے۔"

سعید بن کلثوم نے حضرت کی نسبت امام جعفر صادق کا یہ قول نقل کیا ہے:

"علم فقہ اور فضیلت میں امام زین العابدین سے بڑھ کر کوئی حضرت علیؑ سے مشابہ نہ تھا۔"

مشہور اموی خلیفہ، عمر بن عبدالعزیز حضرت کو اشرف الناس (سب لوگوں سے بہتر) کہا کرتے تھے۔

معمر زہری کا قول ہے:

"رسول اللہ کے گھرانے میں، میں نے امام زین العابدین سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔"

عبداللہ بن ابی حازم نے اپنے باپ کے حسب ذیل کلمات نقل کیے ہیں:

"میں نے کسی ہاشمی کو علی بن الحسین سے علم و عمل، تفقہ فی الدین، تدبر فی القرآن، اصابت رائے، تواضع اور خشوع و خضوع میں بڑھ کر نہیں دیکھا۔"

عبداللہ بن عباس آپ کو از راہ محبت "حبیب بن حبیب" کہا کرتے تھے۔

سعید بن مسیب حضرت کو سید الساجدین کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔

مدینہ کا گروہ تابعین آپ کو بہ اتفاق آراء اپنے عہد کا سب سے بڑا عابد و زاہد اور صالح و عارف خیال کرتا تھا۔

سفیان بن عینیہ سے زہری نے بیان کیا کہ امام زین العابدین اپنے زمانے میں سب سے بہتر و افضل تھے۔ ان سے بکثرت علوم شائع ہوئے اور انھوں نے ہزاروں انسانوں کی ہدایت و رہنمائی فرمائی اور انھیں اسلامی زندگی کا نمونہ بنا دیا۔

ظاہر ہے کہ یہ سب علوم جن کی اشاعت امام زین العابدین نے فرمائی، آپ نے ان دعاؤں ہی میں بیان کیے ہیں جو صحیفہ کاملہ کی صورت میں ہم تک پہنچی ہیں۔ اس طرح یہ ہزاروں انسانوں کی ہدایت بھی، جس کا سفیان بن عینیہ نے تذکرہ کیا اسی صحیفہ کی دعاؤں سے ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ نہ امام کی کسی اور تصنیف کا ارباب تاریخ نے ذکر کیا ہے اور نہ آپ کو عوام کے خطاب کرنے کے مواقع میسر آئے تھے، جہاں ہدایت کا فریضہ انجام دیتے۔

سفیان کے قول سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی کہ صحیفہ کاملہ صرف ایک دعاؤں کا مجموعہ نہیں جو خدائے تعالےٰ سے اپنی حاجت طلب کرنے، یا مغفرت چاہنے یا اور کسی دنیاوی یا دینی مطلب کے لیے کی جاتی ہیں، بلکہ وہ علوم و معارف اسلامیہ کا عظیم الشان مجموعہ اور ہدایت و ارشاد کا نادر تحفہ ہے جس سے پہلے یا جس کے بعد اسلام کی تاریخ نے ایسا کوئی اور علمی شاہکار پیش نہیں کیا۔

مذکورہ بالا علمائے اسلام کے بیانات کے بعد اس بات میں اب کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ دنیاوی اقتدار سے محروم ہونے کے باوجود امام زین العابدین کو امت محمدیہ کے قلوب میں پورا پورا دخل اور اثر و رسوخ حاصل تھا۔ مگر نہیں! ابھی اس کی ایک منزل اور بھی باقی رہ گئی اور وہ یہ کہ امام کا یہ روحانی اقتدار جب خلفائے بنی امیہ کے مادی اقتدار سے دوچار ہوتا تھا اور اس وقت لوگ خلافت کی تشدد آمیز باز پرس کے خطرے سے محفوظ ہوتے تھے، تو ان کا دل اپنے مادی حکمرانوں کی طرف جھکتا تھا یا اس روحانی پیشوا کی جانب؟ اس کا اندازہ ایک خاص واقعہ سے ہو سکتا ہے جو حیرت انگیز بھی ہے اور بصیرت افروز بھی ــــ بنی امیہ کے مطلق العنان حکمرانوں کا عوام پر کس قدر رعب غالب تھا؟ سب اس سے واقف ہیں۔ با ایں ہمہ امام زین العابدین کی عظمت اور ان کے روحانی اقتدار کے مقابل، ان جابر و خونخوار بادشاہوں کی ہیبت جن کا صرف ایک لفظ لوگوں کی زندگی اور موت کا فیصلہ کر دیتا تھا ــــ مقتدر سے مقتدر شخصیت بھی پس پشت ڈال دی جاتی تھی۔ ہوا یہ کہ ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک (عہد شہزادگی میں) حج کے موقع پر طواف خانہ کعبہ اور حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے حرم میں آیا، مگر لوگوں کی بھیڑ نے اسے حجر اسود تک نہ پہنچنے دیا۔ ناچار ہشام کے لیے ایک گوشہ میں منبر رکھ دیا گیا اور وہ وہاں بیٹھ کر کثرت حجاج کا نظارہ دیکھنے لگا۔ اتنے میں جناب امام استلام حجر اسود کے لیے تشریف لائے۔ آپ کو دیکھ کر لوگوں کی کائی سی پھٹ گئی اور حضرت نے بفراغت شعائر طواف و استلام ادا کیے۔ یہ دیکھ کر ہشام کے ایک مصاحب نے جو شام سے اس کے ہمراہ آیا تھا، اس سے دریافت کیا کہ یہ کون بزرگ ہیں جن کی ہیبت سے تمام لوگ ادھر ادھر ہٹ گئے؟ ہشام نے اس خیال سے کہ کہیں اہل شام ان کے معتقد نہ ہو جائیں اور ہم کو ان سے کمتر سمجھنے لگیں، حقارت سے کہا کہ میں واقف نہیں۔ عرب کا فصیح البیان شاعر فرزدق، جسے بنی امیہ کے دربار سے مستقل وظیفہ ملتا تھا اس موقع پر موجود تھا۔ ہشام کا یہ تجاہل عارفانہ دیکھ کر فرزدق سے ضبط نہ ہو سکا اور اس نے شامی کو مخاطب کر کے کہا: اس سے کیا پوچھتا ہے۔ ہم سے سوال کر۔ ہم ان کو خوب جانتے ہیں۔ یہ کہہ کر ایک قصیدہ فی البدیہہ پڑھا، جو آج تک ادبیات عرب میں اپنی برجستگی، زور بیان اور جزالت کے لیے مشہور ہے پڑھنا شروع کر دیا، جو مع ترجمہ منظوم (بطور مسدس) ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

# قصیدہ فرزدق

## مع ترجمہ منظوم

(نوٹ: اصل قصیدہ اور اس کے ترجمہ منظوم سے پہلے وہ تین بند لکھے جاتے ہیں جن میں واقعہ مذکورہ نظم کیا گیا ہے اور جو ترجمہ منظوم سے تمہیدی ربط رکھتے ہیں)

اپنے بیگانے ہیں سب قدر شناسِ مولا — آج تک حج ہشام اس کا ہے شاہد گویا
سنگ اسود کے جو بوسے کو وہ دل سنگ بڑھا — تھی وہاں کثرتِ مردم سے نہ تل دھرنے کی جا

لاکھ کوشاں تھے خُدم پر نہ جگہ پاتا تھا
شاہ قدموں میں فقیروں کے رگڑا جاتا تھا

ناگہاں دُور سے اک بندۂ اللہ بڑھا — بر میں کہنہ تھی عبادت مبارک میں عصا
چار سُو اُس کے رُخِ پاک کی پھیلی جو ضیا — ابر مجمع کا ہٹا۔ راہ کھلی۔ نور گھٹا

جس نے دیکھا یہی سمجھا مرا دل جاتا ہے
ایک سے ایک نے پوچھا کہ یہ کون آتا ہے

دشمن آلِ نبیؐ تھا جو ہشام خود سر — بن گیا جان کے انجان عدوئے حیدر
مشتعل بغض کے شعلوں سے جو اس کا تھا جگر — دے دیے چھینٹے فرزدق نے قصیدہ پڑھ کر

تھا یہ مطلب کہ خدم سے نہ حشم سے پوچھو
تم بصیرت سے ہو محروم تو ہم سے پوچھو

---

هٰذَا الَّذِیْ تَعْرِفُ الْبَطْحَآءُ وَطْاَتَهٗ[1] — یہ وہ ہے جس کی طریقت سے ہے واقف بطحا
وَالْبَیْتُ[2] یَعْرِفُهٗ وَالْحِلُّ وَالْحَرَمُ — حرم و کعبہ ہیں عارف تو شناسا دنیا
هٰذَا ابْنُ خَیْرِ عِبَادِ اللّٰهِ کُلِّهِمِ — تھا جو سب خلق سے بہتر یہ پسر ہے اس کا
هٰذَا التَّقِیُّ النَّقِیُّ الطَّاهِرُ الْعَلَمُ — پاک بھی صاف بھی مشہور بھی اہلِ تقویٰ

---

[1] وَطْاَتَهٗ یعنی اس کا نشان قدم۔ طریقت۔

[2] البیت کعبۃ اللہ۔ الحرم کعبہ کے اردگرد بارہ میل کا دائرہ جس میں شکار وغیرہ حرام ہے۔ الحل حرم کے آس پاس کل دنیا۔

هٰذَا الَّذِیْ اَحْمَدُ الْمُخْتَارُ وَالِدُہٗ
صَلَّی الْاِلٰہُ عَلَیْہِ[1] مَا جَرَی[2] الْقَلَمُ
هٰذَا عَلِیٌّ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَالِدُہٗ
اَمْسَتْ بِنُوْرِ هُدَاہُ تَهْتَدِی الْاُمَمُ
هٰذَا الَّذِیْ عَمُّہُ الطَّیَّارُ جَعْفَرُ وَالْ[3]
مَقْتُوْلُ حَمْزَۃُ لَیْثٌ حُبُّہٗ قَسَمُ[4]
هٰذَا ابْنُ سَیِّدَۃِ النِّسْوَانِ فَاطِمَۃٍ
وَابْنُ الْعَلِیِّ الَّذِیْ فِیْ سَیْفِہٖ سَقَمُ

یہ نشانی بندا احمد مختار کی ہے
صلوات اس پہ سدا خالق غفار کی ہے
یہ علی وہ ہے کہ جد جس کے رسولِ اکرم
رہ یاب اس کے ہیں انوارِ ہدایت سے امم
حمزہ و جعفر طیار شہید و ضیغم
ہیں اسی کے تو چچا ان کی محبت کی قسم
دل زہرا جگر ابن ابی طالب ہے
جن کی شمشیر دو دم موت پہ بھی غالب ہے

---

وَلَیْسَ قَوْلُکَ مَنْ هٰذَا بِضَائِرِہٖ
اَلْعُرْبُ تَعْرِفُ مَنْ اَنْکَرْتَ وَالْعَجَمُ
لَوْ یَعْلَمُ الرُّکْنُ مَنْ جَآءَ یَلْثِمُہٗ
لَخَرَّ یَلْثِمُ مِنْہُ مَا وَطَی[5] الْقَدَمُ
یَکَادُ یُمْسِکُہٗ عِرْفَانَ رَاحَتِہٖ
رُکْنُ الْحَطِیْمِ اِذَا مَا جَآءَ یَسْتَلِمُ

کیا مضر ہے ترا کہنا کہ یہ ہے کون بشر
تو نہ پہچانے مگر جانتی ہے دنیا بھر
بوسہ دینے کو وہ آیا ہے جو ہو جائے خبر
چوم لے نقش قدم پاؤں پہ اسود گر کر
کچھ نہیں دور کہ وہ اس کے جو پاس آئے گا
دیکھ کر دست مبارک پہ لپٹ جائے گا

---

یَنْشَقُّ نُوْرُ الْهُدٰی عَنْ صُبْحِ غُرَّتِہٖ
کَالشَّمْسِ یَنْجَابُ عَنْ اِشْرَاقِهَا الظُّلَمُ

ہے ہدایت کی چمک صبح جبیں سے پیدا
ظلمتیں کھوتی ہے سورج کی طرح جس کی ضیا

---

[1] عَلَیْہِ یعنی اس پر۔ اکثر مفسرین قصیدہ نے کہا ہے کہ یہ ضمیر امام زین العابدین کے لیے لائی گئی ہے۔ لیکن بعضوں کا خیال ہے کہ یہ ضمیر احمد کی طرف پھرتی ہے ایسی صورت میں ترجمہ منظوم یہ ہو گا۔ جن پہ صلوات سدا خالق غفار کی ہے ؁

[2] جب تک قلم (لوح پر) چلتا رہے یعنی ہمیشہ اور سدا ؁

[3] اصل میں پورا لفظ وَالْمَقْتُوْلُ ہے۔ وزن شعر کی وجہ سے وَالْ (جس میں الف نہیں پڑھا جائے گا اور واؤ کو لام سے ملایا جائے گا) پہلے مصرع میں اور مَقْتُوْلُ دوسرے مصرع کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ زبان عرب میں شعر کا وزن قائم رکھنے کے لیے یہ کوئی عیب نہیں ہے ؁

[4] فتوح ابن اعثم کوفی میں لکھا ہے کہ فرزدق نے یہ شعر امام حسینؑ کی شان میں کہا تھا، جو اس مقام پر ان کے فرزند کے قصیدے میں بھی شامل کر دیا ہے ؁

[5] وہ چیز جسے پاؤں نے کچلا ہے یعنی وہ زمین جس پر پاؤں رکھا ہے۔ مراد نقش قدم ؁

مُنْشَقَّةٌ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ نَبْعَتُہٗ
طَابَتْ عَنَاصِرُہٗ وَالْخِیَمُ وَ الشِّیَمُ
ھٰذَا ابْنُ فَاطِمَةٍ اِنْ کُنْتَ جَاھِلَهٗ
بِجَدِّہٖ اَنْبِیَآءُ اللهِ قَدْ خُتِمُوْا

اصل میں آپ کے شجرے کی رسولؐ دوسرا
نیک خو، نیک سیر، پاک نسب، اصل علیٰ
ابن زہراؑ ہیں، جو تو نے نہیں پہچانا ہے
ان کا نانا ہے جسے ختم رسل مانا ہے

---

اِذَا رَأَتْهُ قُرَیْشٌ قَالَ قَائِلُھَا
اِلٰی مَکَارِمِ ھٰذَا یَنْتَھِی الْکَرَمُ
حَمَّالُ اَثْقَالِ اَقْوَامٍ اِذَا فُدِحُوْا
حُلْوُ الشَّمَائِلِ تَحْلُوْا عِنْدَہُ النِّعَمُ
اِنْ قَالَ. قَالَ بِمَا یَھْوِی جَمِیْعُھُمْ[1]
وَاِنْ تَکَلَّمَ یَوْمًا زَانَهُ الْکَلِمُ

کہتے ہیں سب قرشی دیکھ کے ان کو یہ بات
منتہائے کرم و فضل انہی کی ہیں صفات
حامل بارِ مصیبت زدگاں، ان کی ذات
نعمتیں ان کی مزیدار تو شیریں عادات
سب سنیں کان لگا کر وہ سخن ہے ان کا
پھول ہی جھڑتے ہیں جس سے وہ دہن ہے ان کا

---

اَللهُ شَرَّفَهٗ قِدْمًا وَ فَضَّلَهٗ
جَرٰی بِذَالِکَ فِیْ لَوْحِهِ الْقَلَمُ
فِیْ کَفِّهٖ خَیْزُرَانٌ رِیْحُهٗ عَبِقٌ
مِنْ کَفِّ اَرْوَعَ[2] فِیْ عِرْنِیْنِهٖ[3] شَمَمُ
مَنْ جَدُّہٗ دَانَ فَضْلُ الْاَنْبِیَاءِ لَهٗ
وَفَضْلُ اُمَّتِهٖ دَانَتْ لَهُ الْاُمَمُ

ازلی فضل و شرف حق نے کیا ان کو عطا
لوحِ محفوظ میں صاف ہے یہ فرمانِ قضا
جس کی چھلی ہے مہک ہاتھ میں ایسا ہے عصا
ناک اونچی ہے حیا داروں میں۔ صورت زیبا
ان کا نانا ہے رسولانِ سلف میں اولیٰ
جن کی امت بھی ہے اوروں سے شرف یاب ولی

---

[1] بعض نسخوں میں "یَحْوِی" حائے حطی سے لکھا ہوا ہے۔ ایسی صورت میں جَمِیْعُهُمْ۔ یَحْوِی کا مفعول ہوگا اور ھُمْ اجداد ہوں گے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے اور ترجمہ منظوم کے اس بند کا پانچواں مصرع یہ ہوگا۔ ع

حاویِ مقصد اسلاف۔ سخن ہے ان کا

[2] اَرْوَعَ حسن یا بہادری وغیرہ سے تعجب میں ڈالنے والا۔ ہوشیار۔ ذکی (المنجد) اس جگہ سیاق و سباق کے اعتبار سے حسین مراد ہے۔ جس کا ترجمہ نظم میں "صورتِ زیبا" کیا گیا ہے۔

[3] عِرْنِیْن کے لغوی معنی ہیں ناک کا وہ حصہ جو سخت ہوتا ہے۔ شمم کے معنی بلندی۔ یعنی ناک کی بناوٹ کا انداز جس سے منتظرانہ صلاحیت اور سرداری کا انداز مترشح ہو۔ فِی عِرْنِیْنِهٖ شَمَمٌ عرب کا محاورہ ہے جو ایسے سردار کے لیے بولا جاتا ہے جو بہت غیور ہو۔

كِلْتَا يَدَيْهِ غِيَاثٌ عَمَّ نَفْعُهُمَا
يَسْتَوْكِفَانِ وَلَا يَعْرُوْهُمَا عَدَمُ
سَهْلُ الْخَلِيْقَةِ لَا تُخْشٰى بَوَادِرُهٗ
يَزِيْنُهُ الْخَصْلَتَانِ الْحِلْمُ وَالْكَرَمُ
اَللَّيْثُ اَهْوَنُ مِنْهُ حِيْنَ يُغْضِبُهٗ
وَالْمَوْتُ اَيْسَرُ مِنْهُ حِيْنَ يُهْتَضَمُ

کام جن کا ہے عطا، ہاتھ ہیں وہ ابر کرم
نقص ذرہ نہیں، گو صرف سخا ہیں پیہم
نیک خو وہ ہیں کہ غصّہ کا نہیں ڈر ہر دم
کیوں نہ ہو، ان کی ہیں زینت کرم و حلم بہم
گر کبھی غیظ میں اعدا کی جفا لاتی ہے
شیر تو چیز ہے کیا، موت بھی تھرّاتی ہے

---

اَیُّ الْخَلَائِقِ لَيْسَتْ فِيْ رِقَابِهِمِ
لِاَوَّلِيَّةِ هٰذَا اَوْ لَهٗ نِعَمُ
لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ مَيْمُوْنًا نَقِيْبَتُهٗ
رَحْبُ الْفِنَاءِ اَرِيْبٌ حِيْنَ يَعْتَزِمُ
يَنْمُوْا اِلٰى ذُرْوَةِ الْعِزِّ الَّتِيْ قَصُرَتْ
عَنْ نَيْلِهَا عَرَبُ الْاِسْلَامِ وَالْعَجَمُ

کس کی گردن پہ نہیں بار ربیانِ خلقت
ان کے اسلاف کی یا خاص انہی کی نعمت
کیوں نہ وعدے کے ہوں سچے کہ ہیں عالی طینت
عزم میں حزم ہے شامل تو سخا میں وسعت
نقطۂ اوج جو اس اہل حشم نے پایا
دین حق میں نہ عرب نے نہ عجم نے پایا

---

مِنْ مَعْشَرٍ حُبُّهُمْ دِيْنٌ وَبُغْضُهُمْ
كُفْرٌ وَقُرْبُهُمْ مَنْجًى وَمُعْتَصَمُ
هُمُ الْغُيُوْثُ اِذَا مَا اَزْمَةٌ اَزَمَتْ
وَاللَّيْثُ لَيْثُ الشَّرٰى وَالْبَاْسُ مُحْتَدَمُ
اِنْ عُدَّ اَهْلُ التُّقٰى كَانُوْا اَئِمَّتَهُمْ
اَوْ قِيْلَ مَنْ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ قِيْلَ هُمُ

کفر و دیں ان کے گھرانے کا عناد اور ولا
معفرت قرب ہیں جن کے ہے وہ ایسے ملجا
جب پڑے قحط تو ہیں فیض کے بادل گویا
جب پڑے رن تو وہی رن میں ہیں شیر ہیجا
اہل تقوےٰ کا ہو مذکور تو وہ اولیٰ ہیں
بہتر از خلق کو پوچھو تو وہی مولیٰ ہیں

---

مُقَدَّمٌ بَعْدَ ذِكْرِ اللّٰهِ ذِكْرُهُمُ
فِيْ كُلِّ بَدْءٍ وَمَخْتُوْمٌ بِهِ الْكَلِمُ
يُسْتَدْفَعُ الضُّرُّ وَالْبَلْوٰى بِحُبِّهِمِ
وَيُسْتَرَقُّ بِهِ الْاِحْسَانُ وَالنِّعَمُ

سب سے ماقبل ہیں مابعدِ خدا ان کا نام
ہر سخن کا وہی آغاز وہی ہیں انجام
ان کی الفت سبب دفع ہموم و آلام
نعمتیں حُبّ کی کنیزیں ہیں تو احساں ہے غلام

---

له یہ تازہ ترجمہ، جس کا مرجع اوپر کے مصرع میں حُب ہے۔

لَا يَسْتَطِيعُ جَوَادٌ بُعْدَ غَايَتِهِمْ
وَلَا يُدَانِيهِمْ قَوْمٌ وَإِنْ كَرُمُوا

کس میں ہمت ہے سخاوت جو دکھائے ان کی
لاکھ فیاض ہے حد کو نہ پائے ان کی

---

لَا يَنْقُصُ الْعُسْرُ بَسْطًا مِنْ أَكُفِّهِمْ
سِيَّانِ ذٰلِكَ إِنْ أَثْرَوْا وَإِنْ عَدِمُوا
بُيُوتُهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ يُسْتَضَاءُ بِهَا
فِي النَّائِبَاتِ وَعِنْدَ الْحُكْمِ إِنْ حَكَمُوا
مَوَاطِنٌ قَدْ عَلَتْ فِي كُلِّ نَائِبَةٍ
عَلَى الصِّحَابَةِ لَمْ أَكْتُمْ وَإِنْ كَتَمُوا

دستِ فیاض کو ہوتا نہیں عسرت سے زوال
پاس ہو یا کہ نہ ہو مال برابر ہے مآل
ہے وہ مابین قریش ان کے مکانوں کا جمال
جو مصائب میں سہارا ہے مسائل میں مثال
خود صحابہ بھی طلب گار مدد رہتے ہیں
وہ چھپاتے ہیں۔ چھپایا کریں۔ ہم کہتے ہیں

---

يُغْضِي حَيَاءً وَيُغْضٰى مِنْ مَهَابَتِهٖ
فَمَا يُكَلَّمُ إِلَّا حِينَ يَبْتَسِمُ
مَا قَالَ لَا قَطُّ إِلَّا فِي تَشَهُّدِهٖ
لَوْ لَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهُ نَعَمُ
عَمَّ الْبَرِيَّةَ بِالْإِحْسَانِ وَانْقَشَعَتْ
عَنْهَا الْعِنَايَةُ وَالْإِمْلَاقُ وَالْعَدَمُ

رعب وہ چشم حیا ہیں کہ جھکے چشم جہاں
مسکرائیں جو نہ یہ لب ہے سخن کا امکاں
آشنا لا[1] سے ہوئی حرف تشہد[2] میں زباں
یہ نہ ہوتا تو "نہیں" آپ کی ہو جاتی "ہاں"
عام احسان جو ان کا ہے جمہور ہوا
غم مٹا۔ فقر اٹھا۔ رنج و الم دور ہوا

---

أَبَاتُهُ مِنْ قُرَيْشٍ فِي أَرُومَتِهَا
مُحَمَّدٌ وَعَلِيٌّ بَعْدَهٗ عَلَمُ
بَدْرٌ لَهٗ شَاهِدٌ وَالشِّعْبُ مِنْ أُحُدٍ
وَالْخَنْدَقَانِ وَيَوْمَ الْفَتْحِ إِنْ عَلِمُوا
مَنْ يَعْرِفِ اللّٰهَ يَعْرِفْ أَوَّلِيَّةَ ذَا
فَالدِّينُ مِنْ بَيْتِ هٰذَا نَالَهُ الْأُمَمُ

قرشی نسل سے ہیں آپ کے آبائے کرام
اک نبی ایک علی، جو کہ ہے بعد ان کے امام
جس کی توقیر پہ شاہد ہیں، جو سوچیں خود کام
خندق و بدر و احد اور شکست اصنام
آپ کو جانا ہے مولیٰ عرفائے رب نے
پایا ہے دین خدا گھر سے انہی کے سب نے

---

[1] جس کے معنی ہیں "نہیں"۔
[2] یعنی لا الٰہ الا اللہ۔

## تتمۂ ترجمہ اردو

بس نسیم چمنستانِ رسُولِ اکرمؐ آج مولا سے ملا تجھ کو فرزدق کا حشم
سناہ سے بارہ ہزار اس نے جو پائے تھے درم تیری محنت کا صلہ۔ بارہ اماموں کا کرم
دمبدم تو جو شہ دیں کی ثنا پڑھتا ہے
لطف یہ ہے کہ خدا صلِّ علیٰ پڑھتا ہے

---

# صحیفۂ کاملہ کے مطالعے کا زاویۂ نگاہ

ہم ان حوادث کا مجملاً خاکہ پیش کر چکے ہیں جو خلافت امویہ کے زمانے میں تواتر و تسلسل کے ساتھ پیش آئے اور جنھوں نے اسلام کے عظیم الشان روحانی، مادی، فکری اور سیاسی نظام کو قیصریت اور کسرائیت کی قسم کا ایک نیا نظام بنا دیا۔ بنی امیہ کے اس مادی اور سیاسی غلبہ و استیلاء کے خلاف سب سے بڑی اور سب سے زیادہ کامیاب جد و جہد وہ تھی جو میدان کربلا میں حسین بن علی بن ابی طالب کی زیر قیادت سرانجام پائی۔ کربلا کے جہاد نے بنی امیہ کے غیر اسلامی اور مستبدانہ کردار کو اس تفصیل کے ساتھ برہنہ کر دیا کہ اب اس کی ستر پوشی مصنوعی تاریخ کے ہزاروں اوراق بھی نہیں کر سکتے۔ اس جہاد کا مرکزی نصب العین تھا، مادی طاقت کا مقابلہ روحانی استقامت۔ ظلم کا مقابلہ صبر اور استبداد کا مقابلہ قربانی کے غیر مفتوح ہتیاروں سے کر کے دنیائے اسلام کے ذہن و ضمیر کو بیدار کرنا ــــ! یہ جہاد اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب رہا اور حسینیت (حقیقی اسلام) نے یزیدیت (مصنوعی اسلام) کو ایسی لازوال شکست دی جس کی مثال اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔

یزید نے اسلام کو (جس کے داعی مطلق حسین تھے) لوہے کے ہتیاروں سے تباہ کرنا چاہا۔ مگر اس غلطی نے خود اسی کو تباہ کر دیا۔ یزید کے جانشینوں نے اس تجربہ کے بعد اسلام کے خلاف دوسرے حربے استعمال کیے۔ یہ حربے لوہے اور آگ کے بنے ہوئے نہ تھے۔ تحریف و توجیہہ کے اسلحے تھے فلسفہ و منطق کے ہتیار تھے اور من گھڑت نظریات و افکار کے لشکر تھے۔ یزید کے جانشین ان ہتیاروں اور ان لشکروں کے ساتھ اسلامی عقائد کے قلب پر

---

ؔلہ امام زین العابدین نے فرزدق کو اس قصیدے کے انعام میں بارہ ہزار درم عطا فرمائے تھے جس کی صورت یہ تھی کہ ہشام اس قصیدہ کو سن کر غضبناک ہُوا اور فرزدق کو قید کر دیا اور اس کا وظیفہ (بارہ ہزار درم) جو اسے دربارِ شاہی سے ملتا تھا، بند کر دیا۔ جب امام زین العابدین نے یہ خبر سنی تو فرزدق کو بارہ ہزار درہم بھجوائے۔ فرزدق نے یہ رقم واپس کر دی اور کہلا بھیجا کہ اے فرزندِ رسُولؐ مَیں نے جو کچھ کہا وہ محض خوشنودیٔ خدا اور رسول کے لیے کہا تھا مَیں اس کا کوئی صلہ نہیں لوں گا۔ امام نے دوبارہ وہ رقم اس کے پاس بھجوائی اور فرمایا کہ ہم تیرے خلوص اور عقیدت مندی کے معترف ہیں۔ تیرا عمل خیر بارگاہِ ایزدی میں مقبول ہُوا۔ اگر تو جانتا ہے کہ ہم اہلبیتِ رسول کسی کو کچھ دے کر واپس نہیں لیتے۔ مَیں تجھے حکم دیتا ہوں کہ یہ رقم قبول کر۔ جس کے بعد فرزدق نے امام کا یہ ہدیہ قبول کر لیا۔

حملہ آور ہوئے اور حسب معمول ان کا مقابلہ حسین کے جانشین علی زین العابدین نے تعلیم و تبلیغ، سیرت و کردار، اور عقائد صحیحہ و تعلیمات قرآنیہ کے شکست ناپذیر ہتھیاروں سے کیا اور بنی امیہ کی اس ملحدانہ یلغار کو صحیفہ کاملہ جیسی عہد آفریں کتاب اور مقدس صحیفہ کے ذریعہ ناکام بنا دیا۔

جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے، کربلا کے حادثہ فاجعہ نے تمام کے مستبد حکمرانوں کو یاد کرا دیا تھا کہ اہل بیت محمدؐ اور ان کے مقدس نصب العین کو مادی طاقت سے نہیں کچلا جا سکتا۔ وہ دیکھ چکے تھے کہ خاندان رسالت کی انتہائی تحقیر و تذلیل کی کوششیں، الٹی بنی امیہ کی تحقیر و تذلیل اور آل رسولؐ کے روحانی مراتب اور اخلاقی اثر و اقتدار میں اضافے کا سبب بن گئیں۔ اس لیے انھیں کربلا کے بعد ایک اور کربلا برپا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ گو پیروان محمدؐ اور آل محمدؐ کے قتل و غارت کا سلسلہ جاری رہا۔ تاہم دمشق کے مطلق العنان اور خونخوار فرماں روا حسین کے گھرانے کے بقیۃ الضعیف افراد سے، جن کے قافلہ سالار علی بن الحسین زین العابدین (الملقب بہ سید سجاد) تھے، براہ راست الجھنے اور خواہ مخواہ تعرض کرنے سے بچتے رہے۔ چنانچہ تاریخ کا یہ عجیب واقعہ ہے کہ حسینؑ کے بعد پھر آئمہ اہل بیت میں کسی سے دمشق اور اس کے بعد بغداد کے فرمانرواؤں نے بیعت کا مطالبہ نہیں کیا۔ کیونکہ انھیں بخوبی علم تھا کہ ہر مطالبہ بیعت کے ساتھ ایک نئی کربلا کا وقوع پذیر ہونا ضروری ہے۔ اس لیے اسلام نیز قرآن اور اہل بیت کے خلاف ان کی پالیسی میں واضح تبدیلی رونما ہو گئی۔ یعنی حیل و فریب، تحریف و تدلیس اور غلط تعبیرات کے ذریعہ ایسی فضا پیدا کر دی جائے کہ عترت رسولؐ اور کتاب اللہ دونوں کی وقعت خود بخود کم ہو جائے اور اسلام کے نام نئے ایک نئے اسلام اور قرآن کے نام سے ایک نئے قرآن کا سکہ دنیائے اسلام میں چلنے لگے۔ اس تدلیس کا پردہ چاک کرنے اور اسلامی عقائد کو ان کے صحیح رنگ میں پیش کرنے کے لیے اپنی روایات کے مطابق، محمد عربیؐ کا روحانی جانشین میدان میں آ گیا۔ مگر اس انداز سے آیا جسے اس کے حریف محسوس تک نہ کر سکے۔ اس نے مصلے پر بیٹھ کر نماز ادا کی اور فریضہ سے فراغت کے بعد بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ نہایت دلگداز لہجے میں اپنے مالک سے دعائیں مانگنا شروع کیں اور ان دعاؤں میں وہ سب کچھ کہہ دیا جس کی اسے احیائے اسلام و تزکیہ نفس و ضمیر کے لیے امت رسول کو تعلیم دینا تھی۔ سمجھنے والے سمجھے اور ان کے عقائد پر جلا ہوتی چلی گئی اور بنی امیہ کو پتہ بھی نہ چلا کہ کس وقت اور کس نے ان کے تمام دینیاوی حربوں کو ناکام بنا دیا۔

امام زین العابدین کی سیرت و کردار، تقوےٰ، زہد و ورع، رحم و ایثار اور علم و معرفت کی چند جھلکیاں اس سے قبل دکھائی جا چکی ہیں۔ محمدی سیرت اور علوی کردار کے یہی وہ مبارک عکس تھے، جنھوں نے علی بن الحسین کو دنیائے اسلام کا محبوب بنا دیا تھا اور جب بھی کسی کو "انسانیت مطلقہ" اور "بشریت کاملہ" کے دیدار کی ضرورت ہوتی، اس کی نظریں بے ساختہ مدینہ کے بوریا نشین علی بن الحسین کی طرف اٹھ جاتیں۔ حضرت دیکھ رہے تھے کہ فسق و فجور کی آندھیاں ہر طرف چل رہی ہیں۔ تہدید و تحریص یعنی لوہے اور سونے سے لوگوں کے ضمیر تبدیل کیے جا رہے ہیں۔ قرآن مجید کی غلط تاویل عام ہو گئی ہے۔ دنیاوی اغراض کے لیے وضع احادیث کا کام پورے زور شور سے جاری ہے۔ عقیدہ توحید الٰہی کو مسخ کیا جا رہا ہے۔ صفات باری تعالےٰ میں چناں چنیں کی بحثیں شروع کر دی گئی ہیں۔ غیر اسلامی عقائد پر اسلامی عقائد کا لیبل چسپاں کر کے مسلمانوں کے ایمان و اعتقاد کی بنیادوں کو کھوکھلا کیا جا رہا ہے۔ حضرت قدرت کی طرف سے اسلام کی حفاظت پر مامور تھے۔ چنانچہ آپ نے اپنی دعاؤں میں باطل عقائد کے خلاف پوری طاقت سے جہاد کیا اور یہ دعائیں اپنے پاس آنے جانے والوں کو اور ان کے ذریعہ دوسرے ہزارہا انسانوں کو تعلیم دیں۔ اس طرح "قیاس و اجتہاد" اور "تحریف و تدلیس" کے اس طاغوتی دور میں حقیقی عقیدہ توحید، حقیقی عقیدہ رسالت، حقیقی عقیدہ

خلافت اور حقیقی عقیدۂ حشر ونشر کے پرچم کو سربلند رکھا ـــــــ اگر ہم اس زاویۂ نظر سے صحیفہ کاملہ کا مطالعہ کریں تو ہم پر اس کی اصلی عظمت اور قرار واقعی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

صحیفہ کاملہ، سید سجاد کی ان دعاؤں اور مناجاتوں کا مجموعہ ہے جن کے ذریعہ آپ نے عظمت توحید۔ ذات الٰہی کی بے مثال جبروت۔ تفکر فی الکائنات خشیت الٰہی۔ فرائض عبدیت۔ تطہیر اخلاق۔ تزکیہ روح۔ تصفیہ باطن اور تشکیل سیرت کے بے مثال نکتے نوع انسانی اور ملت اسلام کے سامنے پیش کیے اور مسلمانوں کو وہ بھولا بسرا سبق یاد دلایا جو انھیں کلام اللہ نے دیا تھا۔

صحیفہ کاملہ، وہ پہلی آواز ہے، جو بنی امیہ کے عہد تلبیس اور عصر تحریف و تدلیس میں حقانیت اسلام کے اثبات کے لیے ایک گوشہ عزلت سے بلند ہوئی اور اس زور و شور سے کہ پہلی اور دوسری صدی کا احاطہ کرتی ہوئی یہ آواز حق آج تک لاکھوں روحوں کی نجات و تطہیر کا سبب بنی ہوئی ہے۔ ان ادعیہ کی روحانی اہمیت سے قطع نظر ـــ جن کا احاطہ سوائے اَلرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ کے کوئی نہیں کر سکتا ـــ صحیفہ کاملہ کو ایک تاریخی، تبلیغی اور تعلیمی اہمیت بھی حاصل ہے۔ حضرت کی یہ معمولہ دعائیں اور وظائف ـــ توحید و رسالت اور ایمان و اعمال کے متعلق اس صحیح قرآنی نقطۂ نظر کی نشان دہی کرتے ہیں، جسے بنی امیہ کے خلفاء اور ان خلفاء کے دامن عاطفت میں پلنے والے فقہاء و متکلمین نے تباہ کر دینا چاہا تھا۔

جیسا کہ معلوم ہے، واقعہ شہادت عظمیٰ کے بعد امام زین العابدین، وقت کی تمام سیاسی چپقلشوں اور زبیر و مروان کی تمام مکمل کشمکشوں سے یکسو ہو کر ایک گوشۂ عافیت اور زاویہ عزلت میں جا بیٹھے تھے۔ تاکہ ارشاد و ہدایت اور علم و معرفت کی اس شمع کو روشن رکھ سکیں، جس کی ماموریت صرف محمدؐ اور آل محمدؐ پر عائد ہوتی تھی۔ سیاسی انقلاب برپا کرنا، لاکھوں مسلمانوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دینا، مدینہ منورہ میں قتل عام کر کے صحابہ رسولؐ کا نام و نشان مٹا دینا، خانہ کعبہ کو آگ اور پتھر برسا کر اس گھر کو جو خدائے تعالیٰ کی طرف منسوب ہے ملیامیٹ کرنے کی کوشش کرنا، تلوار کے ذریعہ حدود مملکت کی توسیع، باز نطینی اور ایرانی تہذیب اختیار کر کے اسلامی معاشرے کی توہین و تخریب، تفسیر بالرائے کے ذریعہ قرآن مجید کی روشن تعلیمات کو مسخ کرنے کی حماقت، جعلی احادیث اور موضوعی روایات کے ذخیرے اکٹھا کر کے اپنے باطل دعاوی کی دلیلیں مہیا کرنا اور بے بنیاد قیاس و اجتہاد کو رواج دے کر احکام شریعت کی من مانی تاویلیں کر لینا، یہ تھیں اس عہد کی نمایاں خصوصیات ـــ حضرت ان سب حوادث و مصائب کا مطالعہ فرما رہے تھے اور جس شدت کے ساتھ باطل کی وسعت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا، اسی ولولہ اور جوش کے ساتھ تعلیم و تبلیغ کے دائرے اور طریقے بھی وسعت پذیر ہوتے چلے جاتے تھے۔ اپنی حیات طیبہ کے آخری لمحے تک سید سجاد درس قرآن۔ تفقہ فی الدین۔ اشاعت احادیث صحیحہ پند و موعظت۔ (لہٰذا) تبشیر۔ تعلیم و تطہیر اور تدریس و تبلیغ میں مصروف رہے۔ آپ کا آستانہ، علم حاصل کرنے والوں کے لیے منزل آخر اور آپ کی مجلس تشنگان معرفت کے لیے چشمہ فیض کا حکم رکھتی تھی۔ حضرت کی دعائیں اور مناجاتیں حضرت کی جملہ تعلیمات پر حاوی ہیں۔ یہ اس تعلق کو ظاہر کرتی ہیں جو خدا اور بندے کے درمیان ہونا چاہیئے اور اسی تعلق کا فقدان اس عہد طغیان و طاغوت کا سب سے زیادہ شرمناک کارنامہ تھا۔

ہم صحیفہ کاملہ کی تبلیغی اہمیت کو اس وقت تک پوری طرح نہیں سمجھ سکتے، جب تک اس ماحول کو پیش نظر نہ رکھیں جس میں حمد و سپاس اور تضرع و زاری کے یہ سرمدی نغمے بلند کیے گئے تھے۔ حضرت نے اس پر آشوب زمانے میں جب کہ دنیا اور نام نہاد دین کی تمام طاقتیں،

باطل کو حق اور حق کو باطل بنا دینے پر تلی ہوئی تھیں۔ احقاق حق کے کسی پہلو کو نظر انداز نہیں کیا اور کمال عزیمت و استقلال سے اثبات حق اور رد باطل میں کوشاں رہے۔ لیکن ان تمام ذرائع میں سب سے مؤثر، دل نشین، نادر طریقہ وہ تھا، جو امام ہمام نے اپنی دعاؤں اور وظیفوں میں اختیار کیا ہے۔ براہ راست پند و موعظت سے زیادہ مؤثر طریقہ یہ ہے کہ بالواسطہ امر معروف، نہی منکر اور تصحیح عقائد کی کوشش کی جائے۔ سید سجاد نے ضرورت وقت کے لحاظ سے دونوں طریقے اختیار کیے اور بلاشبہ تصرف ولایت اور رسوخ فی العلم کے جلوے دونوں جگہ نظر آتے ہیں۔ بااین ہمہ آپ کی دعاؤں کو احیائے اسلام کے ان مقاصد میں جو بیان کیے جا چکے ہیں، جس قدر تاثیر اور جو رسوخ حاصل ہے وہ آپ ہی اپنی مثال ہے۔ ہم ذیل میں ان دعاؤں کے اقتباسات کے ساتھ سید سجاد کی تعلیمات کے وہ پہلو پیش کرتے ہیں، جنھوں نے صحیفہ کاملہ کو اسلام کے علوم و معارف کی تاریخ میں عملی و نظری لحاظ سے غیر فانی اہمیت بخش دی ہے۔

# صحیفہ کاملہ کے تعلیمی و تبلیغی پہلو

## وحدت مطلقہ اور تعلق باللہ

صحیفہ کاملہ کی دعاؤں میں امام زین العابدین نے سب سے پہلے اور سب سے زیادہ جس نظریہ کی تبلیغ و تلقین پر زور دیا ہے وہ توحید اور تعلق باللہ کے مسائل ہیں۔ جو آج کے راسخ العقیدہ مسلمانوں کو دیکھنے میں اسلامیات کے معمولی مسئلے معلوم ہوتے ہیں، مگر اموی عہد حکومت میں سب سے زیادہ قوت اسی پر صرف کی جا رہی تھی کہ وحدت مطلقہ، جو اسلام کے قصر عقائد کی سب سے پہلی اینٹ ہے، اس میں رخنے ڈالے جائیں اور مسلمانوں کے دلوں میں یہ بات بٹھا دی جائے کہ وہ خدائے تعالےٰ تک محض اپنے خلیفہ وقت ہی کے توسط سے پہنچ سکتے ہیں اور اس کی وساطت کے بغیر، تقرب الٰہی حاصل نہیں کر سکتے۔ شاید توحید کے مسئلے کو مسخ کرنے اور اس کے ساتھ ہی تعلق باللہ کا وسیلہ خلیفہ کو قرار دینے کی تہہ میں یہ اغراض پوشیدہ ہوں کہ جب مسلمان ان جدید عقائد میں پختہ ہو جائیں تو ان سے مثلاً یہ کہہ کر خلیفہ وقت کی پرستش کرا دی جائے کہ نعوذ باللہ خدائے تعالیٰ خلیفہ کے جسم میں حلول کر گیا ہے، وغیرہ۔ بہرحال چونکہ یہ اس وقت کے اہم ترین مسائل تھے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے متعلق امام کی تعلیمات کو پیش کرنے سے پہلے ان مسئلوں پر کچھ مزید روشنی ڈالی جائے تاکہ اس کے بعد کلمات دعا کی قدر و منزلت اور عظمت و جلالت پوری طرح واضح ہو سکے۔

اسلام دوسرے مذاہب عالم کی طرح کسی جامد عقیدہ حیات اور مردہ طرز فکر کا نام نہیں بلکہ یہ ایک زندہ، واقع اور متحرک مادی و روحانی حقیقت ہے جسے انسان کی روزمرہ کی زندگی میں رواں دواں ہونا چاہیئے۔ دنیا کے دوسرے مذاہب میں خدا اور بندے کے درمیان کسی قسم کے راست اور بے واسطہ تعلق پر زور نہیں دیا گیا۔ بلکہ چند معاشرتی اصول اور سماجی و اخلاقی نظریوں کے اعادے پر اکتفا کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر ہم چین کے عظیم ترین

مذاہب کنفیوشیت اور تاؤمت کا ذکر کرتے ہیں۔ آج بھی چین میں کنفیوشیت مذاہب کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے متجاوز ہے۔ حکیم کنفیوشس کا مذہب ایک بہتر اور صالح تر نظام حکومت کے قیام پر زور دیتا ہے اور بس — اس کا مقصد افراد کی انفرادی روحانی تطہیر اور اخوت پر مبنی اجتماعی تعمیر ہرگز نہیں ہے۔ صرف ایک منصفانہ معاشرے کی شیرازہ بندی ہے۔ کنفیوشیت میں اول تو خدا کا کوئی تصور ہی موجود نہیں اور اگر ہے تو اس قدر تہہ در تہہ کہ نظر نہیں آتا۔ رہا تاؤمت (ٹاؤازم) تو وہ صرف بزرگوں کی ارواح کی پرستش کا نام ہے۔ عقیدہ باری تعالیٰ یہاں بھی غائب ہے۔ چین سے جب ہم برِ کوچک پاک و ہند کی حدود میں قدم رکھ کر، قدیم مذاہب و عقائد کا جائزہ لیتے ہیں تو بدھ مت، برہمنیت (ہندو مت) اور جین مت سے دوچار ہوتے ہیں۔ بدھ مت اور جین مت قادرِ مطلق اور خالقِ کائنات کے تصور سے تہی دامن ہے۔ مہاتما بدھ کی جو تعلیمات طویل صدیوں کے دبیز پردوں سے چھن چھن کر ہم تک پہنچی ہیں ان میں انسان کی انفرادی نجات (نروان) پر زور دیا گیا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے چند اخلاقی ضوابط کی نشان دہی کردی گئی ہے۔ یہی حال جین مت کا ہے کہ یہ مذہب بھی خدا اور بندے کے درمیان براہ راست تعلق کے رشتے سے محروم ہے۔ جہاں تک برہمنیت کا تعلق ہے تو ہندو مذہب کے ماننے والوں کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ منو دھرم کے اصول پر سماج کی طبقاتی تقسیم اور برہمنیت کی روحانی عظمت پر ایمان لے آئیں۔ ہندو مت نے تعلق باللہ اور عرفانِ الٰہی (اگر بصد ہزار محالاتِ عقل یہ فرض کرلیا جائے کہ ہندو مت میں خدا اور بندے کے بے واسطہ تعلق کا کہیں شائبہ بھی موجود ہے) کی فضیلت صرف برہمنوں کے لیے مخصوص کردی ہے۔ ہندو سماج میں علم و عقل کے واحد اجارہ دار وہی اور صرف وہی ہیں۔ معاشرے کے دوسرے طبقات کو یا جنگی خدمات کا اہل (چھتری) تسلیم کیا گیا ہے یا تاجر (ویش) اور یا پھر انسانیت کا مظلوم ترین طبقہ یعنی اچھوت (شودر) اللہ اللہ خیر سلا۔ جہاں تک سامی مذاہب کا تعلق ہے تو احبار اور پادریوں نے دینِ حنیف ابراہیمی اور شریعت موسیٰؑ و عیسیٰ کو تحریف و تدلیس اور قطع و برید سے اس قدر مسخ کردیا ہے کہ اب ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کی خالص اور بے میل تعلیمِ توحید کے سرچشمۂ صافی تک پہنچنے کے لیے قرآن کی طرف رجوع کرنا پڑتی ہے۔ بنی اسرائیل ابتداءً ایک توحید پرست قوم تھے۔ لیکن ان کے احبار اور علماء نے انھیں راہِ راست سے بھٹکا دیا۔ موسائیت کے بعد مسیحیت کی منزل آتی ہے تو دینِ مسیحی کے علماء اور اربابِ کلیسا نے عقیدۂ تثلیث کو عیسائیت کا سنگِ بنیاد بنا کر اپنے الہامی عقائد کو اصنام پرستی اور شرک میں تبدیل کردیا ہے۔ یہی حال زردشتیت، مانویت اور مزدکیت کا ہے کہ ان سب کا چہرہ تحریف و تاویل سے مسخ کردیا گیا ہے اور ان میں کوئی مذہب ایسا نہیں جو انسان کی رہ نمائی شاہراہِ توحید کی طرف کرسکے — اسلام کے ساتھ بھی محرفین اور منافقین کے ہاتھوں اموی دور میں یہی سانحہ گزرتا لیکن امام زین العابدین کی تعلیمات نے بدترین ناسا عد حالات میں بھی توحیدِ الٰہی اور تعلق باللہ کی شمع کو روشن رکھا اور بحمد اللہ آج بھی صحیفۂ سجادیہ جیسے عرفان آموز صحیفہ کے ذریعہ ہم توحید کے چہرۂ روشن کی ہر وقت زیارت کرسکتے ہیں۔ اسلام، خدا اور بندے کے درمیان براہ راست رابطہ کا قائل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:-

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ؎۱ تم مجھے پکارو۔ میں جواب دوں گا!

اسلام کی اس تعلیم نے پاپائی اور برہمنی نظام کی بنیادوں ہی کو ڈھا دیا ہے۔ ہمیں خدا تک پہنچنے کے لیے کسی برہمن اور کسی اُسقف اور کسی کاہن کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ہمارا خدا فرماتا ہے:

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْکُمْ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ؎ ہم تم سے ... شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں

جب ہم اسے صدق دل سے پکارتے ہیں۔ وہ ہماری فریاد سنتا ہے اور ہم براہ راست اس کے فضل و برکت سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ حقیقۃً کامل کی روح تعلق باللہ کا یہی انقلاب انگیز عقیدہ ہے اور اس عقیدے کا ماخذ کتاب الٰہی ہے۔ بنی امیہ کے خلفاء اور ان کے حواریین کی کوشش یہ تھی کہ امت اسلامیہ توحید و تعلق الٰہی کے اس عقیدے سے ہمیشہ طور پر بے تعلق ہوجائے اور مسلمان قادر مطلق کے بجائے ظل اللّٰہوں اور خداوندوں پر اپنی فلاح دین و دنیا کے لیے تکیہ کرکے بیٹھ جائیں۔ تاکہ ملت اسلامیہ میں عبدیت، فدویت، عزیمت، صبر و ایثار اور خشیت الٰہی کی روح کمزور ہوجائے اور وہ بھی عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح اپنے اصل مذہب سے بیگانہ ہوجائیں۔ لیکن امام زین العابدین نے علماء دنیا پرست اور خلفائے اقتدار طلب کی ان تمام کوششوں کو اس طرح ناکام بنادیا کہ آج ہزار پردوں میں بھی اسلام کا یہ غیر فانی عقیدہ، ماہ نیم ماہ اور مہر نیم روز کی طرح چمک رہا ہے۔ اس سلسلے میں سید سجادؑ کی وہ دعائیں اور مناجاتیں پڑھنے کے قابل ہیں جو آپ نے بارگاہ الٰہی میں اس تضرع و نیاز کے ساتھ کی ہیں کہ روح انسانی میں تلاطم برپا ہوجاتا ہے۔ ان دعاؤں میں توحید کی کنہ حقیقت اور تعلق باللہ کے ساتھ ذات باری کی بے نیازی، انسانیت کی ہیچ کاری، خشیت الٰہی کی کیفیت اور تعلق باللہ کے رشتے کو اس قوت و تاثیر کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ صرف الہامی کتابوں میں اس کی مثال ملتی ہے۔

اسلام کا خدا جسم و جسمانیات سے منزہ اور قدرت مطلقہ اور خیر محض کا کامل ترین نمونہ ہے۔ یہاں نہ ذات و صفات میں دوئی پائی جاتی ہے۔ نہ احکام و اختیار میں ثنویت۔ بعض منافق مسلمانوں نے امام کے عہد میں تجسیم الٰہی اور شرک فی التوحید کے سلسلے میں بڑھ چڑھ کر قدم مارے ہیں اور وہ اسی عہد کے ننگ اسلام عقائد ہیں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ جل شانہ اور یہوآہ (یہودیوں کے خدا) میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔ لیکن صحیفۂ سجادیہ میں ذات باری تعالیٰ کے قدرت و کمال اور توحید و جمال کا وہی مصفیٰ و منزہ تصور پیش کیا گیا ہے جو اسلام کے شایان شان ہے۔ فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْاَوَّلِ بِلَا اَوَّلٍ كَانَ قَبْلَهٗ وَ الْاٰخِرِ بِلَا اٰخِرٍ يَكُوْنُ بَعْدَهٗ ؕ | جس جس پہلو سے تعریف ممکن ہے اس کا سزاوار وہ معبود ہے جو سب سے اول ہے بغیر کسی اول کے، جو اس سے پہلے ہو اور سب سے آخر ہے بغیر کسی آخر کے جو اس کے بعد ہو۔ |

ان مختصر فقروں میں امام ہمام نے توحید باری تعالیٰ کے ان اہم ترین خصوصیات کو کس قدر اختصار اور جامعیت کے ساتھ سمو دیا ہے جو وحدت مطلقہ کی روح اور اساس کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یعنی یہ کہ ذات باری تعالیٰ پر زمانہ، مکان، کیفیت اور مقدار غرض کسی بھی مادی یا ذہنی چیز کو تقدم یا تاخر حاصل نہیں۔ نیز یہ کہ اسے اول و آخر صرف اس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے کہ وہ موجودات و کائنات کے وجود سے پہلے بھی تھا، وہ ان کی فنا کے بعد بھی ہوگا۔ بجائے خود نہ اول ہے اور نہ آخر کیونکہ اول و آخر کا انتساب اس معنی سے ہوسکتا ہے جو کم سے کم وقت اور زمانے کے حدود میں ہو۔ لہٰذا باری تعالیٰ کی جانب اولیت و آخریت کی نسبت مخلوق کے اعتبار سے کی جاسکتی ہے۔ اپنی ذات کے اعتبار سے نہ وہ اول ہے نہ آخر۔ بلکہ ازلی و ابدی ہے —— دعا کے مذکورہ بالا فقروں میں یہ مفہوم بِلَا اَوَّلٍ كَانَ قَبْلَهٗ اور بِلَا اٰخِرٍ كَانَ بَعْدَهٗ کے فقروں سے پیدا ہوا ہے۔

اسی دعا میں مذکورہ کلمات کے فوراً بعد ارشاد ہوتا ہے:

| | |
|---|---|
| اَلَّذِيْ قَصُرَتْ عَنْ رُؤْيَتِهٖ اَبْصَارُ | وہ ایسا ہے جس کے دیدار سے دیکھنے والوں کی نگاہیں قاصر |

| | |
|---|---|
| اَلنّٰاظِرِیْنَ وَ عَجَزَتْ عَنْ نَعْتِهٖ اَوْهَامُ الْوَاصِفِیْنَ ۔ | ہیں اور اس کے اوصاف بیان کرنے سے ثنا و توصیف کرنے والوں کا تخیل قاصر ہے ۔ |

ان کلمات پر غور کیجیے ۔ جب یہ کہا کہ نگاہیں اسے نہیں دیکھ سکتیں تو اس کی ذات سے جسم و جسمانیات اور تعدد کی نفی ہو گئی ۔ تاہم وحدت مطلقہ محقق ہونے میں یہ کمی رہ گئی کہ شاید وہ کوئی ایسا جزو لا یتجزی (ایٹم) ہی ہو جسے نگاہیں تو نہ دیکھ سکیں مگر ذہن و خیال اس کو مادیت کی حد سے خارج کرنے پر تیار نہ ہو اور اس طرح اس میں تعدد کا شائبہ پیدا ہو جائے اس لیے بعد میں یہ بھی ارشاد فرما دیا کہ اس تک خیال بھی نہیں پہنچ سکتا ——— اس کے بعد اسی دعا میں فرمایا :۔

| | |
|---|---|
| اِبْتَدَعَ بِقُدْرَتِهٖ الْخَلْقَ اِبْتِدَاعًا وَاخْتَرَعَ عَلٰی مَشِيَّتِهٖ اخْتِرَاعًا | اپنی قدرت سے مخلوق کو ایجاد کر کے وجود میں لایا اور انھیں اپنی مرضی سے ہستی کے سانچے میں ڈھالا ۔ |

ان فقروں میں تقریباً ایک ہی معنی کے دو الفاظ استعمال کیے ہیں (۱) ابتداع جس کے معنی ہیں بغیر کسی خاکہ اور مادہ کے خود سے ایجاد کر کے وجود میں لانا (۲) اختراع جس کے معنی ہیں گڑھنا اور سانچہ میں ڈھالنا ۔ اس جگہ ان دونوں کلمات سے یہ مفہوم واضح کر دیا کہ اوّل اس نے کائنات کا مادہ اور خاکہ ایجاد کیا ۔ پھر وہی وجود میں لایا اور اسی نے اپنی مشیت سے جس کو جیسا بنانا چاہا بنا دیا ۔ تو اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جتنے عناصر اور اجرام فلکی اور اجسام ارضی ہیں وہ سب مع اپنے تمام گرد و پیش کے اسی نے ایجاد اور خلق کیے ہیں ۔ ایسی صورت میں اس کے علاوہ کسی دوسرے کو خالق گرداننا اور اس کی پرستش کرنا درست نہیں ۔ اس بیان سے توحید مطلق کی مزید تاکید و تائید ہو گئی ۔ پھر بِقُدْرَتِهٖ اور عَلٰی مَشِيَّتِهٖ سے یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہ ایجاد و اختراع کسی دوسرے کی قدرت یا مرضی سے نہیں کیا جس سے شریک باری کی نفی ہو گئی ۔

پھر آگے چل کر فرمایا :

| | |
|---|---|
| اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی مَا عَرَّفَنَا مِنْ نَفْسِهٖ وَاَلْهَمَنَا مِنْ شُكْرِهٖ وَ حَمْدِهٖ | وہ معبود تمام تعریفوں کا مستحق ہے جس نے ہمیں اپنی معرفت کرائی اور اپنے شکر و حمد کا طریقہ ہمارے دلوں میں ڈالا ۔ |

ان کلمات میں اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ خدائے تعالیٰ سے بندے کا تعلق براہ راست ہے ۔

پھر فرمایا :

| | |
|---|---|
| حَمْدًا يَرْتَفِعُ بِنَا اِلٰی اَعْلٰی عِلِّيِّيْنَ فِيْ كِتَابٍ مَرْقُوْمٍ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۞ | ایسی تعریف جو ہمارے پاس سے اعلیٰ علیین کی طرف بلند ہوتی ہے (ایسا اعلیٰ علیین) جو لوح محفوظ میں موجود ہے اور جسے مقربین الٰہی ہی پائیں گے ۔ |

ان الفاظ سے بھی یہ ظاہر ہو گیا کہ خدا اور بندے کا تعلق براہ راست ہے ۔

اس کے بعد راست تعلق کے مزید اثبات و ایضاح کے لیے فرمایا :۔

| | |
|---|---|
| حَمْدًا نُزَاحِمُ بِهٖ مَلٰٓئِكَتَهُ الْمُقَرَّبِيْنَ وَنُضَامُّ بِهٖ اَنْبِيَآءَهُ الْمُرْسَلِيْنَ فِيْ دَارِ الْمُقَامَةِ | ایسی حمد کہ مقابلہ کریں ہم جس کی بدولت خدائے تعالیٰ کے ملائکۂ مقربین کا اور مل جائیں اس کی بدولت انبیائے مرسلین سے اس |

الَّتِیْ لَا تَزُوْلُ ۝ | قیام کے گھر میں جو ہمیشہ باقی رہے گا۔

ان فقروں سے یہ بات نمایاں ہوگئی کہ بندے کو یا اس کی حمد کو خدا تک پہنچانے کا ذریعہ نہ ملائکہ ہیں اور نہ انبیائے مرسلین۔ بلکہ ایک براہ راست تعلق ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ الفاظ بنی امیہ کے اس پروپگنڈے کو بے اثر بنانے میں کتنا بڑا دخل درسوخ رکھتے ہیں جو امام کے زمانے میں اس امر کے متعلق کیا جا رہا تھا کہ مسلمان بغیر خلیفۂ وقت کے خدا تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔

غرض کہ یہ دعا اور بہت سی دوسری دعائیں وحدت مطلقہ اور تعلق باللہ کے مسائل کی توضیح و تصریح سے پُر ہیں۔

جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ اس دعا میں مذکورہ بالا موضوعوں کے ساتھ ساتھ اور کئی تعلیمات ہیں مثلاً:

لَا یَمْلِکُوْنَ تَاخِیْرًا عَمَّا قَدَّمَهُمْ اِلَیْهِ وَ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ تَقَدُّمًا اِلٰی مَا اَخَّرَهُمْ عَنْهُ وَ جَعَلَ لِکُلِّ رُوْحٍ مِّنْهُمْ قُوْتًا مَعْلُوْمًا مَقْسُوْمًا مِنْ رِزْقِهٖ لَا یَنْقُصُ مَنْ زَادَهٗ نَاقِصٌ وَ لَا یَزِیْدُ مَنْ نَقَصَ مِنْهُمْ زَائِدٌ ثُمَّ ضَرَبَ لَهٗ فِی الْحَیٰوةِ اَجَلًا مَوْقُوْتًا وَ نَصَبَ لَهٗ اَمَدًا مَحْدُوْدًا یَتَخَطَّأُ اِلَیْهِ بِاَیَّامِ عُمُرِهٖ وَ یَرْهَقُهٗ بِاَعْوَامِ دَهْرِهٖ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَقْصٰی اَثَرِهٖ وَ اسْتَوْعَبَ حِسَابَ عُمُرِهٖ قَبَضَهٗ اِلٰی مَا نَدَبَهٗ اِلَیْهِ مِنْ مَوْفُوْرِ ثَوَابِهٖ اَوْ مَحْذُوْرِ عِقَابِهٖ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَاءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ یَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی عَدْلًا مِّنْهُ ؕ

(اب وہ) اس بات پر قدرت نہیں رکھتے کہ جس (فطرت) کی طرف انھیں بڑھایا ہے اس سے پیچھے ہٹ جائیں اور نہ اس بات پر قادر ہیں کہ جس (فطرت) سے انھیں ہٹایا ہے اس کی طرف بڑھ سکیں۔ اور ان میں ہر روح کو اپنے رزق سے تقسیم کر کے ایک مقررہ اور معلوم غذا دے دی۔ اب وہ غذا جسے زیادہ دی ہے اسے کوئی کم کرنے والا کم نہیں کر سکتا اور جسے کم دی ہے اسے کوئی بڑھانے والا بڑھا نہیں سکتا پھر اس کے لیے زندگی کی ایک مدت معین کی جس کا وقت مقرر کر دیا اور اس کے لیے ایک حد قائم کر دی کہ اپنی زندگی کے دنوں کے ذریعہ وہ اس کی طرف چلتا رہتا ہے اور اپنے زمانہ حیات کے سالوں میں اس سے ملحق ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی مدت کی انتہا تک پہنچتا ہے اور اپنی عمر کا حساب پورا کر لیتا ہے تو خدائے تعالیٰ اسے اپنے اس وافر ثواب یا ڈرائے ہوئے عذاب کی طرف کھینچ لیتا ہے جس کی جانب اسے بلایا ہے تاکہ جن لوگوں نے بُرے کام کیے ہیں، انھیں ان کے کیے کی سزا دے اور جنھوں نے اچھے کام کیے ہیں انھیں اس کام کا اجر عطا کرے اپنے عدل و انصاف کی بناء پر۔

ان مختصر جملوں کی بلاغت پر غور کیجیے۔ قبل از پیدائش انسانی وجود جن منزلوں سے گزرتا ہے، ان کے متعلق کسی نے کبھی یہ ادعا نہیں کیا کہ یہ سب باتیں خود انسان کے اپنے اختیار میں ہیں اس لیے امام نے اس مدت سے کوئی تعرض نہیں کیا البتہ بعد از پیدائش سے لے کر موت تک، اکثر لوگ (مثلاً دہریئے) یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارا رزق اور سب کچھ خود ہمارے ہاتھ میں ہے اور اس اعتقاد کی بناء پر حرص دنیا، حق پوشی اور بہت سی

دوسری بری راہیں اختیار کر لیتے ہیں کیونکہ انھیں حشر و نشر کا قائل نہ ہونے کی بناء پر کسی قسم کا خوف انجام نہیں ہوتا۔ اس لیے امام نے اس غلط عقیدہ کی اصلاح کے لیے ان کلمات میں انسان کی ہیچ کاری پر روشنی ڈال دی اور وضاحت فرمادی کہ یہ سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے۔ لیکن ہو سکتا تھا کہ امام کے ان الفاظ سے کوئی شخص یہ نتیجہ نکال لیتا کہ انسان فاعل مجبور ہے اس لیے آپ نے آخر کے فقروں میں اس بات کی صراحت کردی کہ اعمال خود انسان کے اپنے اختیار میں ہیں (چنانچہ فرمایا کہ "جن لوگوں نے برے کام کیے ہیں انھیں ان کے کیے کی سزا دے (الخ) اور یہیں سے عدل باری تعالے نیز حشر و نشر کے مسائل بھی صاف ہو گئے جن کے خلاف امام کے زمانے میں بڑے زور شور سے تحریک چلائی جا رہی تھی۔

پھر اسی دعا میں آگے چل کر اس مسئلہ کو دوسرے الفاظ میں اس طرح تعلیم دیا ہے:

| | |
|---|---|
| يَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ | اس روز جب کہ ہر شخص کو اس کے کردار کا بدلہ دیا جائے گا اور کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔ |

اسی دعا میں ایک اور مقام پر حمد باری تعالیٰ کے نیک عواقب بتاتے ہوئے ضمناً ایسے الفاظ بھی فرما دیے جن سے انسان کا ذہن عذاب الٰہی کی طرف بھی منتقل ہو جائے تاکہ اعمال صالحہ بجا لانے میں اشتیاقِ اجر کے ساتھ، عذاب کا خوف بھی ممد و معاون ہو جائے۔ فرماتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| حَمْدًا تَقَرُّ بِهٖ عُيُوْنُنَا اِذَا بَرِقَتِ الْاَبْصَارُ وَ تَبْيَضُّ بِهٖ وُجُوْهُنَا اِذَا اسْوَدَّتِ الْاَبْشَارُ حَمْدًا نُعْتَقُ بِهٖ مِنْ اَلِيْمِ نَارِ اللّٰهِ اِلٰى كَرِيْمِ جِوَارِ اللّٰهِ ۝ | ایسی حمد جس سے ہماری آنکھیں اس وقت ٹھنڈی ہوں جبکہ دوسروں کی نگاہیں خیرہ ہو جاتی ہوں اور جس کے باعث ہمارے چہرے روشن ہو جائیں جبکہ گنہگاروں کے منہ سیاہ ہو رہے ہوں۔ ایسی تعریف جس کی بدولت ہم آزاد کر دیے جائیں خدائے تعالےٰ کی دردناک آگ سے (بچ کر) اس کی مبارک ہمسائیگی کی طرف۔ |

انسان کی فطرت اور نفسیات کا اصول ہے کہ وہ کسی کام میں یا تو اس وقت دلچسپی لیتا ہے جب کہ اس میں اس کا کوئی ایسا فائدہ ہو جسے وہ بھی اپنا فائدہ سمجھے یا پھر وہ اس کام کو انجام دینے میں اپنی کوشش صرف کرتا ہے جس کے ترک میں اسے اپنے کسی حاصل شدہ مفاد کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ انسان کی یہ فطرت دنیاوی اور دینی معاملات میں پوری طرح کارفرما ہے اور ایسے ہی انسانوں کی کثرت ہے جو نفع حاصل کرنے کے لیے اقدام عمل کے عادی ہیں۔ امام نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی دعا میں حسب ذیل الفاظ بھی ارشاد فرمائے:-

| | |
|---|---|
| اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ رَكَّبَ فِيْنَا اٰلَاتِ الْبَسْطِ وَجَعَلَ لَنَا اَدَوَاتِ الْقَبْضِ وَ مَتَّعَنَا بِاَرْوَاحِ الْحَيٰوةِ وَ اَثْبَتَ فِيْنَا جَوَارِحَ الْاَعْمَالِ وَغَذَّانَا بِطَيِّبَاتِ الرِّزْقِ وَ اَغْنَانَا بِفَضْلِهٖ وَ اَقْنَانَا بِمَنِّهٖ ۝ | تمام تعریفیں اس معبود کے لیے ہیں جس نے ہماری ترکیب جسمانی میں کھولنے کی قوتیں شامل کیں اور پکڑنے کی طاقتیں عنایت فرمائیں اور اس طرح ہمیں زندگی کی راحتوں سے بہرہ مند فرمایا اور ہمارے جسم میں کام انجام دینے کے لیے اعضا بنائے اور پاکیزہ ترین روزی سے ہماری پرورش کی اور ہمیں اپنے فضل سے غنی کر دیا اور ہمیں اپنے احسان کا سرمایہ مرحمت کیا۔ |

ملحوظ رہے کہ یہ پہلے ہی فرمایا جاچکا ہے کہ پیدائش سے لے کر موت تک انسان کی جملہ باتیں از بجز اعمال۔ کہ خدا نے اپنے قبضہ قدرت میں رکھی ہیں۔ جس کے بعد یہ امکان واضح ہے کہ وہ جب چاہے کوئی بھی قوت یا نعمت سلب کر سکتا ہے۔ ایسی صورت میں مذکورہ بالا کلمات، اعمال صالحہ بجالانے کے لیے کتنے زیادہ محرک ہو سکتے ہیں، اسے ہر شخص بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

" پاکیزہ ترین روزی سے ہماری پرورش کر"۔ ان الفاظ سے کسب حلال کی طرف توجہ مبذول کرادی جو اس مقام پر الکنایۃ ابلغ من التصریح کا حکم رکھتا ہے۔

توحید اور تعلق باللہ سے متعلق یہ امام کی ایک دعا سے تعلیمات کے چند پہلو اقتباس کیے گئے ہیں جو سمندر کے سامنے قطرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے۔ تو اب اسی سے اندازہ کر لیا جائے کہ سینتالیس دعاؤں میں کس قدر مطالب ہوں گے۔

توحید اور صفات باری تعالیٰ کے موضوع پر خاص وہ دعا جس میں امام نے علوم و معارف کے دریا بہا دیے ہیں، وہ ہے جسے آپ یوم عرفہ پڑھا کرتے تھے اور جو زیر نظر صحیفہ کے صفحہ ۲۰۵ سے شروع ہوتی ہے۔

# تفکر فی الانفس والآفاق

قرآن مجید نے صانع حقیقی کے اثبات وجود اور معبود مطلق کے اظہار قدرت کے لیے ایک خاص پیرایہ بیان اختیار کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ خدا کے وجود کو سمجھانے اور قدرت الٰہی کو منوانے کے لیے اس سے بہتر، جامع تر اور دل نشین تر پیرایہ بیان اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ فطرت انسان کی اندرونی آواز ہے جو نہ دبائی جاسکتی ہے اور نہ جسے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ وہ پیرایہ بیان کیا ہے؟ انفس و آفاق میں تفکر، یعنی مطالعہ کائنات جیسا کہ شیخ سعدی کہتے ہیں :

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

بیطے ہے کہ خدائے تعالےٰ کبھی محض منطقی اور فلسفیانہ دلیلوں سے سمجھ میں نہیں آسکتا کیوں کہ ان دونوں علوم کی رسائی مادیات تک ہے اور خدائے تعالےٰ کی ذات 'مادہ' سے بالاتر ہے۔ تجربہ یہ ہے کہ منطق شک کو اور فلسفہ عدم ایقان کو جنم دیتا ہے۔ جہاں تک روحانی سکون و اطمینان کا تعلق ہے تو وہ نہ کبھی تفلسف سے پیدا ہوتا ہے نہ استدلال سے۔ مولانا روم نے کیا خوب فرمایا ہے ع

پائے استدلالیاں چوبیں بود

قرآن پاک نے بتایا ہے کہ عرفان الٰہی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے یعنی کائنات کے رنگارنگ پہلوؤں پر غور کرو۔ ذرّے ذرّے کو پرکھو۔ پتے پتے کو جانچو۔ قطرے قطرے کو تولو۔ چپے چپے کو چھانو۔ خود تمھاری "عقل" (فلسفہ زدہ عقل نہیں) پکار اٹھے گی کہ یہ کارخانہ "بخت و اتفاق" سے وجود میں نہیں آگیا۔ یاد رکھیے کہ قرآن کی یہ آواز ہی انسانی فطرت کی آواز ہے۔ یہ ہماری اپنی جبلت ہے کہ ہم صنعت سے صانع، قدرت سے "قادر"، رحمت سے رحیم، کرم سے کریم، رزق سے رازق اور خلق سے خالق کا پتہ چلائیں۔ اثبات وجود الٰہی اور عرفان قدرت سرمدی کا اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ ہی نہیں۔ اس سنت الٰہیہ کی تاسی کرتے ہوئے صحیفہ کاملہ میں بھی امام نے عرفان باری تعالیٰ کی تعلیمات میں ہی فطری اور وجدانی طریق کار اختیار کیا ہے

اور اس کی بے شمار مثالیں صحیفہ کی دعاؤں میں ملتی ہیں جن میں سے چند فقرے پیش کیے جاتے ہیں :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ اللَّیْلَ وَ النَّهَارَ بِقُوَّتِهٖ وَ مَیَّزَ بَیْنَهُمَا بِقُدْرَتِهٖ وَ جَعَلَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا حَدًّا مَحْدُوْدًا وَ اَمَدًا مَمْدُوْدًا یُوْلِجُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِیْ صَاحِبِهٖ وَ یُوْلِجُ صَاحِبَهٗ فِیْهِ بِتَقْدِیْرٍ مِنْهُ لِلْعِبَادِ فِیْمَا یَغْذُوْهُمْ بِهٖ وَ یُنْشِئُهُمْ عَلَیْهِ فَخَلَقَ لَهُمُ اللَّیْلَ لِیَسْكُنُوْا فِیْهِ مِنْ حَرَكَاتِ التَّعَبِ وَ نَهَضَاتِ النَّصَبِ وَ جَعَلَهٗ لِبَاسًا لِیَلْبَسُوْا مِنْ رَاحَتِهٖ وَ مَنَامِهٖ فَیَكُوْنَ ذٰلِكَ لَهُمْ جَمَامًا وَ قُوَّةً [1]

وہی معبود تمام تعریفوں کا سزاوار ہے جس نے رات اور دن کو اپنی قوت سے خلق کیا اور ان دونوں میں اپنی قدرت سے فرق پیدا کر دیا اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک معین حد اور ایک مقررہ مدت قرار دی۔ وہ اپنے بنائے ہوئے اصول کے تحت ان میں سے ہر ایک کو دوسرے میں داخل کرتا اور دوسرے کو پہلے میں سمو دیتا ہے بندوں کے فائدے کے لیے (ایسا ہوا) کہ بندوں کو اسی کے مطابق غذا دیتا ہے اور اسی کی بناء پر نشوونما دیتا ہے۔ پس اس نے ان کے لیے رات اس غرض سے پیدا کی ہے کہ اس میں تھکن کے بوجھ اور تکلیف دہ نقل و حرکت سے (سکون پاکر) آرام سے رہیں اور (گویا) اسے (رات کو) ایک لباس بنایا ہے تاکہ وہ اس کی راحت اور نیند کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں پھر یہ بات ان کے لیے آرام اور قوت کا ذریعہ ہو۔

پھر اسی دعا میں آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں :-

فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰی مَا فَلَقْتَ لَنَا مِنَ الْاِصْبَاحِ وَ مَتَّعْتَنَا بِهٖ مِنْ ضَوْءِ النَّهَارِ وَ بَصَّرْتَنَا بِهٖ مِنْ مَطَالِبِ الْاَقْوَاتِ وَ وَقَیْتَنَا مِنْ طَوَارِقِ الْاٰفَاتِ ۔

پس تو ہی مستحق حمد ہے اس بات پر کہ تو نے ہمارے لیے صبح کو روشن کیا اور اس صبح کے ذریعہ ہمیں دن کی روشنی سے فائدہ بخشا۔ اور اس کے ذریعہ ہمیں کسب رزق کے مقامات دکھائے اور آنے والی آفتوں سے بچایا۔

ایک اور جگہ ہلال سے مخاطب ہوتے ہوئے فرماتے ہیں :-

اَیُّهَا الْخَلْقُ الْمُطِیْعُ الدَّائِبُ السَّرِیْعُ الْمُتَرَدِّدُ فِیْ مَنَازِلِ التَّقْدِیْرِ الْمُتَصَرِّفُ فِیْ فَلَكِ التَّدْبِیْرِ اٰمَنْتُ بِمَنْ نَوَّرَ بِكَ الظُّلَمَ وَ اَوْضَحَ بِكَ الْبُهَمَ ؕ

اے ایسی مخلوق جو (خدا کے لئے) تو کے مقرر کردہ نظام کی فرمانبردار ہے، جو (خدائی) مقدر و معین کی ہوئی منزلوں میں شفقت جھیلتی ہوئی تیزی کے ساتھ آتی جاتی (اور دوڑتی) رہتی ہے اور نظام مخصوص کے دائرے میں گھومتی ہے۔ میں اس (خدا) پر ایمان لایا جس نے تیرے ذریعہ سے تاریکیوں کو روشن کیا اور مشتبہ مقامات کو تیرے ذریعہ سے نمایاں کر دیا۔

پھر ارشاد کرتے ہیں :-

---

[1] عند الصباح والمساء۔

وَ امْتِهَانَكَ بِالزِّيَادَةِ وَ النُّقْصَانِ وَ الطُّلُوعِ وَ الْأُفُولِ وَالْإِنَارَةِ وَ الْكُسُوفِ

اور بڑھنے گھٹنے، نکلنے ڈوبنے، روشن ہونے اور گہن لگنے سے تیرے عجز کو ظاہر کیا۔

ایک اور مقام پر برق و سحاب کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَيْنِ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِكَ وَ هٰذَيْنِ عَوْنَانِ مِنْ اَعْوَانِكَ يَبْتَدِرَانِ طَاعَتَكَ بِرَحْمَةٍ نَافِعَةٍ اَوْ نَقِمَةٍ ضَارَّةٍ

اے میرے معبود! یہ دونوں (برق و سحاب) تیری نشانیوں میں سے دو نشانیاں اور تیرے بنائے ہوئے مددگاروں میں سے دو مددگار ہیں جو تیری کے ساتھ تیری اطاعت کی طرف جھپٹتے ہیں (کبھی) نفع پہنچانے والی رحمت سے یا (کبھی) نقصان دینے والی سزا سے۔

حصول معرفت کے درس میں یہ سب وہی چیزیں ہیں اور وہی انداز جو کلام پاک میں عرفان الٰہی کی تعلیم کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ بقرہ میں ایک مقام پر آیا ہے (ترجمہ)

"بے شک آسمانوں اور زمینوں کی خلقت میں اور رات دن کے ادلتے بدلتے رہنے میں، اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں دوڑتی پھرتی ہیں، جن سے انسانوں کو نفع پہنچتا ہے، ضرور ان لوگوں کے لیے نشانیاں موجود ہیں، جو عقل رکھتے ہیں۔"

## صفات باری تعالےٰ

اشارہ کیا جا چکا ہے کہ بنی امیہ نے اسلام کے امہات عقائد میں فساد پیدا کرنے اور مسلمانوں کے "فساد عقائد" سے فائدہ اٹھا کر اپنے تعوّد لادینی کو غالب کرنے کے لیے اپنے زرخرید علماء و محدثین کے ذریعہ طرح طرح کی نظریاتی بدعات کو رواج دیا تھا۔ مثلاً ان ہی بدعات میں یہ عقیدہ بھی تھا کہ خدا عرش پر صعود و ہبوط کرتا ہے یا یہ کہ خدا کے لیے عدل و انصاف ضروری نہیں ہے۔ یعنی بدترین فساق و فجار اور فاسق العقیدہ لوگوں کو اعلیٰ علیین میں جگہ دینا اور راسخ العقیدہ نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کو لقمہ جہنم اور طعمہ عذاب بنا دینا اس کے اختیار میں ہے اور وہ اپنے ان اختیارات کو استعمال کرتا ہے اور استعمال کرے گا۔ اس عقیدے کو فاسد کرنے کا روحانی احساس کچھ بھی کیوں نہ ہو لیکن ظاہراً اور عملاً خدا کو ظالم تصور کرنے کا ایک کھلا ہوا نفسیاتی اثر مسلمانوں پر یہ ہو سکتا تھا (اور ہوا بھی) کہ جب خداوند قدوس اپنی مخلوق اور اپنے بندوں پر ظلم کرتا ہے، تو آخر "خداوندان مجازی" کے ظلم و عدوان پر کیوں اعتراض کیا جائے اور اگر یہ، اخیار و ابرار کو قتل کرتے ہیں اور اشرار و فجار پر شاہی الطاف و کرم کی بارشیں ہوتی ہیں تو ان (بخیال خود) اولی الامر کی تکذیب کیوں کی جائے اور آخر کس لیے انھیں ہدف طعن و تعریض بنایا جائے۔ امام زین العابدینؑ حکومت وقت کی ان نظریاتی تدلیس کاریوں اور سیاسی چال بازیوں کو بخوبی سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے مسلمانوں کو اس گمراہی کے طوفان سے بچانے کے لیے حسب معمول جہاد باللسان میں کوتاہی نہیں کی اور صفات باری تعالےٰ، خصوصاً عدالت کے اثبات میں نہایت مدلل اور مؤثر انداز میں تبلیغ و تلقین فرماتے رہے۔ جیسا کہ اس مسئلے کی تعلیمات کے بعض نمونے سابق میں آپ کی دعاؤں سے اقتباس کر کے پیش کیے جا چکے ہیں۔

جہاں تک دیگر صفات الٰہیہ کا تعلق ہے، امام کے دور میں ان کے مسخ کیے جانے کی کوششیں بھی برابر کی جاتی رہیں جن سے اموی عہد حکومت کے ماحول پر روشنی ڈالنے کے ضمن میں بحث کی جا چکی ہے۔ تاہم اس مقام پر اتنا اشارہ ضروری ہے کہ بنی امیہ اپنی حکومت کی استواری کے لیے یہ چاہتے تھے کہ عوام کے عقائد فاسدہ سے اس طرح ٹکر لیں جس طرح رسول کریمؐ نے تبلیغ حق میں ان کا مقابلہ کیا تھا۔ کیوں کہ بنی امیہ کے پاس ان طاقتوں میں سے ایک بھی نہ تھی اس لیے عوام کے عقائد سے ٹکرا کر انھیں اپنی ناکامی کا یقین تھا۔ چنانچہ انھوں نے عوام کی ذہنیت بدلنے کی جدوجہد کے بجائے اسلام کے نظریات بدلنا آسان سمجھا اور سب سے پہلے اسلام کے پیش کیے ہوئے خدا کی توحید اور صفات میں تحریف کر کے اسے اپنے گرد و پیش یا شام کے یہود و نصاریٰ و کفار و مشرکین کے خداؤں کی مثل بنا دیا تاکہ ان کے دائرہ حکومت کے عوام، جو کہ نوے فی صد مذکورہ مذاہب سے تعلق رکھتے تھے، ان کی مسلک عقیدت میں آسانی سے شامل ہو جائیں۔

امام نے کفر و زندقہ کے ان بڑھتے ہوئے طوفانوں کا مقابلہ ان زندہ جاوید تعلیمات سے کیا جو صحیفہ کی صورت میں ہم تک پہنچی ہیں۔ آپ نے ان دعاؤں میں جا بجا خدائے عز و جل کے اوصاف کی تصویریں ایسے مؤثر الفاظ میں کھینچی ہیں جنھیں پڑھ کر عظمت الوہیت اور جلالت قدس کی اہمیت سے دل لرزنے لگتا ہے۔

ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

تَجَلّٰی لِلْقُلُوْبِ بِالْعَظَمَةِ وَ احْتَجَبَ عَنِ الْاَبْصَارِ بِالْعِزَّةِ وَ اقْتَدَرَ عَلَی الْاَشْیَآءِ بِالْقُدْرَةِ فَلَا الْاَبْصَارُ تَثْبُتُ لِرُؤْیَتِهٖ وَ لَا الْاَوْهَامُ تَبْلُغُ كُنْهَ عَظَمَتِهٖ

اس کی عظمت دلوں پر روشن ہے اور اپنی طاقت اور اقتدار کے ساتھ نگاہوں سے پوشیدہ ہے اور اپنی قدرت سے تمام چیزوں پر قادر ہے پس نہ اسے دیکھنے کے لیے آنکھیں کام دیتی ہیں اور نہ خیالات اس کی بزرگی کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔

خَالِقٌ لَا نَظِیْرَ لَهٗ وَ اَحَدٌ لَا نِدَّ لَهٗ وَ وَاحِدٌ لَا ضِدَّ لَهٗ وَ صَمَدٌ لَا كُفْوَ لَهٗ وَ اِلٰهٌ لَا ثَانِیَ مَعَهٗ وَ فَاطِرٌ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَ رَازِقٌ لَا مُعِیْنَ لَهٗ وَ الْاَوَّلُ بِلَا زَوَالٍ وَ الدَّآئِمُ بِلَا فَنَآءٍ وَ الْقَآئِمُ بِلَا عَنَآءٍ وَ الْمُؤْمِنُ بِلَا نِهَایَةٍ۔ وَ الْمُبْدِئُ بِلَا اَمَدٍ

وہ ایسا خالق ہے جس کا کوئی نظیر نہیں اور ایسا یگانہ ہے جس کا کوئی مثل نہیں اور ایسا یکتا ہے جس کا کوئی مقابل نہیں اور ایسا بے نیاز ہے جس کا کوئی ہمسر نہیں اور ایسا معبود ہے جس کا کوئی ثانی نہیں اور ایسا موجد ہے جس کا کوئی شریک[1] نہیں۔ ایسا روزی دینے والا ہے جسے کسی سے مدد لینے کی ضرورت نہیں اور ایسا اول ہے جو بے زوال ہے اور ایسا ہمیشہ رہنے والا ہے جسے کبھی فنا نہیں اور ایسا قائم بالذات ہے جو کسی کا مطیع و محتاج نہیں اور ایسا امان دینے

[1] نہ انسان نہ مادہ نہ زمانہ نہ مکان نہ علت غائی غرض کہ اس کی ایجاد خلق میں کسی کی شرکت نہیں۔

وَالصَّانِعُ بِلَا اَحَدٍ وَالرَّبُّ بِلَا شَرِيْكٍ وَالْفَاطِرُ بِلَا كُلْفَةٍ وَالْفَعَّالُ بِلَا عَجْزٍ لَيْسَ لَهٗ حَدٌّ فِيْ مَكَانٍ وَلَا غَايَةٌ فِيْ زَمَانٍ لَمْ يَزَلْ وَلَا يَزُوْلُ وَلَنْ يَزَالَ كَذٰلِكَ اَبَدًا هُوَ الْاِلٰهُ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ الدَّائِمُ الْقَدِيْمُ الْقَادِرُ الْحَكِيْمُ

دینے والا ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور ایسا خالق ہے جس کی مدت خلق[1] کی کوئی انتہا نہیں اور ایسا صانع ہے جس نے کسی سے مدد نہیں لی اور ایسا پالنے والا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور بے تکان ایجاد کرنے والا ہے اور بغیر عجز کے بہت کام کرنے والا ہے۔ نہ کسی مکان میں محدود ہے اور نہ کوئی زمانہ اس کی انتہا ہے۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور ضرور ہمیشہ رہے گا۔ اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ۔ وہی ایسا معبود ہے جو سدا زندہ ہے۔ کاموں کی اصلاح کرنے والا ہے۔ ہمیشہ ہے۔ قدیم ہے۔ قادر ہے اور حکمت والا ہے۔

※

اسلام و اسلامیات کے ماہرین اور فلسفہ الہیات کے ماہرین انصاف سے بتائیں کہ صفات باری تعالیٰ اور توحید سے متعلق آیات قرآنی کی تفسیر و تشریح کے لیے کیا اس سے بہتر الفاظ مل سکتے ہیں؟

# رسالت و امامت کی قدر و منزلت

جس طرح خلفائے بنی امیہ نے توحید کے چشمہ صافی کو اپنے مذہبی عقائد سے گدلا کر دیا تھا، اسی طرح رسالت و امامت کے قرآنی عقائد کی بھی "خاکم بدہن" مٹی پلید کر دی گئی تھی۔ اموی نسل کو رسول ہاشمی سے یوں بھی کوئی ذہنی مناسبت نہ تھی اور جب دنیاوی اغراض کا سوال پیدا ہوا اور امیر معاویہ نے اپنے کو حضرت علی بن ابی طالب کا مدِمقابل تصور کر کے اسلام کے روحانی اقتدار کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، تو حکومت دمشق کا صرف ایک ہی نصب العین قرار دیا اور وہ یہ کہ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کے دونوں مصداق کتاب اللہ اور عترت، میں کتاب اللہ تو ان کا من مانی تفسیروں کا ہدف بن کر رہ جائے۔ رہی عترت تو اس کے روحانی اقتدار اور منصب خلافت کے خلاف بجبر و اکراہ رائے عامہ تیار کر دی جائے۔ چنانچہ دمشق کے حلقہ اثر کی تمام مساجد میں "سبِّ علی" کی جو بدعت شروع کی گئی تھی، اور جس کا سلسلہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک جاری رہا، اس کا مطلب و مفہوم یہی تھا کہ "خاندان بنی ہاشم" اور عترت رسول کے مراتب خداداد کو لوگوں کی نظر سے گرا یا جائے۔ امیر معاویہ نے بنی ہاشم کے خلاف "تیغ زبان" سے جو جہاد شروع کیا تھا، ان کے جانشین یزید نے اپنے پیش رو کے مضمرات قلب و ضمیر کا نام نہاد پردہ ہٹا کر تیغ زبان کے بجائے زبان تیغ سے کام لیا اور میدان کربلا میں عترت رسول کے ساتھ وہ بہیمانہ سلوک کیا جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ یزید کے وقت میں اور اس کے بعد بھی، بنی ہاشم کے خلاف بنی امیہ کی صرف تلواریں ہی علم نہ تھیں بلکہ دماغی تحریکیں بھی چل رہی تھیں جن کے ذریعہ رسولؐ و آلِ رسولؐ کے محاسن اخلاق اور فضائل و مناقب کو صفحہ ہستی سے مٹا کر اپنے لیے وہی منزلت پیدا کرنے کا خواب دیکھا جا

---

[1] یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کب سے خلق کرتا رہا ہے اور کب تک خلق کرتا رہے گا۔

فِیْٓ اَعْدَائِکَ وَ اسْتَتَمَّ لَهٗ مَا دَبَّرَ فِیْٓ اَوْلِیَآئِکَ فَنَهَدَ اِلَیْهِمْ مُسْتَفْتِحًا بِعَوْنِكَ مُتَقَوِّیًا عَلٰی ضَعْفِهٖ بِنَصْرِكَ فَغَزَاهُمْ فِیْ عُقْرِ دِیَارِهِمْ وَ هَجَمَ عَلَیْهِمْ فِیْ بُحْبُوْحَةِ قَرَارِهِمْ حَتّٰی ظَهَرَ اَمْرُكَ وَ عَلَتْ كَلِمَتُكَ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ :-

نے تیرے دشمنوں کے بارے میں کیا تھا صحیح طور پر انجام تک پہنچ گیا اور ان کی وہ تدبیر جو انھوں نے تیرے دوستوں کے حق میں کی تھی مکمل ہو گئی تو اس وقت وہ ان (کفارِ مکہ) کی طرف تیری مدد سے فتح طلب کرتے ہوئے اور تیری نصرت سے اپنے ضعف اور قدرت پر قابو پاتے ہوئے چلے۔ پھر انھوں نے ان (کفار) سے ان کے مکانوں میں جنگ کی اور ان ہی کی منزل اور مقام میں ان پر حملہ آور ہوئے یہاں تک کہ تیرا امر ظاہر ہوا اور تیرا کلمہ بلند ہو گیا، اگرچہ مشرکین نے اسے ناپسند کیا

مذکورہ بالا الفاظ میں حضرت محمد مصطفیٰ کی فضیلت کے ساتھ ساتھ حضورؐ کے ان کارناموں پر بھی ایک ہلکی سی روشنی ڈال دی جن کی بناء پر وہ بارگاہ ایزدی میں اس اعزاز و احترام کے مستحق ہوئے تاکہ دنیا کے سامنے اگر کوئی اور شخص اسی طرح کے اپنے فضائل بیان کرے تو لوگوں کو یہ سوچنے کا موقع مل سکے کہ اس کے ادعا کی پشت پر کچھ کارنامے بھی ہیں یا نہیں جن کی بدولت اسے بھی حضرتؐ کی طرح اعزاز کا مستحق سمجھا جا سکتا ہے۔

ایک اور دعا میں آلِ محمدؐ کی فضیلت کا ان الفاظ میں تذکرہ فرمایا ہے۔

جَعَلَهُمْ وَرَثَةَ الْاَنْبِیَآءِ وَ خَتَمَ بِهِمُ الْاَوْصِیَآءَ وَ الْاَئِمَّةَ وَ عَلَّمَهُمْ عِلْمَ مَا كَانَ وَ مَا بَقِیَ -

(وہ معبود جس نے آلِ محمدؐ کو انبیاء کا وارث بنایا اور ان کی ہستیوں پر اولیاء اور اماموں کا سلسلہ ختم کر دیا اور انھیں ماضی و حال و مستقبل کا علم عنایت فرما دیا۔

ظاہر ہے کہ حقیقی فضیلت علم کی بناء پر ہوا کرتی ہے۔ دولت اور جاہ و اقتدار سے افضلیت و اشرفیت خاص نہیں ہوتی اس لیے آلِ محمدؐ کے فضائل میں وہ خاتمہ کی بات امام نے ارشاد فرما دی جس پر کسی بات کو ترجیح نہیں ہو سکتی۔

# انابت و استغفار

سرکشی، عدوان، اور حق ناشناسی کے اس دور میں، جب کہ لوگوں کے دل پتھر ہو گئے تھے اور جابر سلاطین علی الاعلان "انا ربکم الاعلیٰ" کے فرعونی اور طاغوتی نعرے بلند کر رہے تھے، امام زین العابدین کی ایک بڑی کوشش یہ تھی کہ مسلمانوں کے دل میں سوز و گداز، رافت و رقت، خضوع و خشوع اور انابت و استغفار کی کیفیت برقرار رکھی جائے اور پیدا کی جائے۔ آپ دعاؤں کے ذریعہ اپنی عملی مثال پیش کر کے بندگانِ خدا کو روحانیت و اتقاء کے راستے پر چلانے کی خاموش تحریک کرتے تھے۔ امام کی یہ دعائیں سوز عبدیت، گداز بندگی، کرب عبادت، کیفیت اتقاء اور روح تقوے سے بھرپور ہیں۔

انسان کے دل و دماغ میں انابت و استغفار کی مطلوبہ کیفیت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں ایک ایسا نفسیاتی احساس بیدار کیا جائے کہ وہ معروف کو معروف اور منکر کو منکر سمجھنے لگے۔ انسان خطا و نسیان کا پیکر اور کتاب الٰہی کی اصطلاح میں ظلوم و جہول واقع ہوا ہے۔

والا وہ نفوس کہ عصمت و عفت سے آراستہ ہیں اور ان سے ان کی جد وجہد کے اجر میں ہر قسم کے رجس و گندگی کو دور رکھنے کا قدرت خود ارادہ کر چکی ہے) بعض اوقات بلکہ اکثر و بیشتر نفس امارہ انسان کا اس طرح اغوا کرتا ہے کہ وہ خیر و شر کی تمیز اور نور و ظلمت کے امتیاز تک سے بے بہرہ ہو جاتا ہے۔ تمام معاصی کا سرچشمہ یہی ہے کہ انسان معاصی و منکرات کے احساس و اعتراف کی صلاحیتوں سے محروم ہو جائے۔ زیر بحث عہد میں عوام و خواص کی ذہنی کیفیت اور عملی شعار یہی تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ جب کہ نام نہاد خلفاء تخت خلافت پر بیٹھ کر علانیہ شراب پیتے تھے۔ لونڈیوں کو آزاد کرانے کی نیت سے خریدنے کے بجائے تمتع کے لیے حاصل کرتے تھے۔ نشہ شراب میں جمعہ کی نماز بدھ کو پڑھا دی جاتی تھی اور ان کی محفلیں لہو و لعب کی بازی گاہ اور فسق و فجور کا گہوارہ بن گئی تھیں۔ ایسے تاریک زمانے میں اگر عوام بھی ان ہی مشاغل میں غرق ہو گئے، تو ہرگز جائے تعجب نہیں۔ امام زین العابدین نے اس فسادِ اخلاق کو محسوس کیا اور لوگوں کو ارتکاب معاصی پر دلیر پا کر انابت و استغفار کے نئے نئے راستے دکھائے اور یہ بھی بتا دیا کہ اگر وہ سراپا گناہوں میں ڈوب چکے ہیں اور ان کے نامہ اعمال کا ہر گوشہ سیاہ ہے، اب بھی خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ بس خلوص دل سے ایک بار معبود حقیقی سے عفو طلبی کی راہ میں گامزن ہو جائیں، جس کا ارشاد ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ (اللہ کی مہربانی سے مایوس نہ ہو) تو چشم زدن میں ان کے سارے گناہ معاف ہو کر بالکل پاک و صاف اور مقرب بارگاہ الٰہی بن سکتے ہیں۔ اس مطلب کو ذہن نشین کرنے کے لیے آپ بڑے محتاط نفسیاتی طریقہ سے درجہ بدرجہ اور زینہ بزینہ چلے ہیں۔ چنانچہ انابت و استغفار کے اصول تعلیم کرنے کے لیے اول بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں:۔

فَهَلْ يَنْفَعُنِيْ يَا اِلٰهِیْ اِقْرَارِیْ عِنْدَكَ بِسُوْءِ مَا اكْتَسَبْتُ وَهَلْ يُنْجِيْنِيْ مِنْكَ اعْتِرَافِیْ لَكَ بِقَبِيْحِ مَا ارْتَكَبْتُ اَمْ اَوْجَبْتَ لِیْ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا سُخْطَكَ اَمْ لَزِمَنِیْ فِیْ وَقْتِ دُعَائِیْ مَقْتُكَ سُبْحَانَكَ لَا اَيْئَسُ مِنْكَ وَ قَدْ فَتَحْتَ لِیْ بَابَ التَّوْبَةِ اِلَيْكَ۔

اے میرے معبود! کیا تیرے سامنے میرا ان برے کاموں کا اقرار کرنا جو میں نے کیے ہیں مجھے نفع دے سکتا ہے؟ اور کیا تیری بارگاہ میں میرا اس فعل بد کا اعتراف جس کا میں مرتکب ہوا ہوں تجھ سے (تیرے عذاب سے) مجھے بچا سکتا ہے؟ کیا تو نے اس مقام پر میرے لیے اپنا عذاب ضروری کر دیا ہے یا پکارنے کے وقت تیری ناراضی مجھ پر لازم ہو گئی ہے (نہیں) تو اس سے بالاتر ہے۔ میں تجھ سے مایوس نہیں ہو سکتا جبکہ تو نے میرے لیے اپنی طرف توبہ (اور رجوع) کرنے کا دروازہ کھول دیا ہے۔

پھر آگے چل کر کہتے ہیں:۔

مَا اَنَا بِاَعْصٰى مَنْ عَصَاكَ فَغَفَرْتَ لَهٗ وَ مَا اَنَا بِاَلْوَمِ مَنِ اعْتَذَرَ اِلَيْكَ فَقَبِلْتَ مِنْهُ وَ مَا اَنَا بِاَظْلَمِ مَنْ تَابَ اِلَيْكَ فَعُدْتَ عَلَيْهِ۔

(اے میرے پالنے والے) میں ان سب سے بڑا گنہگار نہیں ہوں جنھیں تو نے بخش دیا اور نہ ان سب سے زیادہ قابل ملامت ہوں جنھوں نے تجھ سے عذر کیا تو تو نے اسے قبول کر لیا اور نہ ان سب سے زیادہ ظالم ہوں جنھوں نے تجھ سے توبہ کی اور تو نے توبہ قبول کر لی۔

پھر کہتے ہیں:۔

اَتُوْبُ اِلَيْكَ فِیْ مَقَامِیْ هٰذَا تَوْبَةَ نَادِمٍ عَلٰى مَا فَرَطَ مِنْهُ مُشْفِقٍ مِمَّا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ

میں اپنی اسی جگہ سے تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، اس شخص کی سی توبہ جو اپنے پہلے کیے گناہوں پر نادم ہو اور گناہوں کے تصور سے ڈرتا ہو جن کا وہ مجموعہ بن گیا ہے اور جو اس کام سے جس میں وہ پڑ گیا ہے خلوص کے ساتھ شرمندہ ہو۔ اور جو اس بات کو جانتا

خَالِصِ الْحَيَاءِ مِمَّا وَقَعَ فِيْهِ عَالِمٍ بِاَنَّ ...... اَحَبَّ عِبَادِكَ اِلَيْكَ مَنْ تَرَكَ الْاِسْتِكْبَارَ عَلَيْكَ وَجَانَبَ الْاِصْرَارَ وَلَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ وَاَنَا اَبْرَءُ اِلَيْكَ مِنْ اَنْ اَسْتَكْبِرَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُصِرَّ وَ اَسْتَغْفِرُكَ بِمَا قَصَّرْتُ فِيْهِ وَ اَسْتَعِيْنُ بِكَ عَلٰى مَا عَجَزْتُ عَنْهُ ؕ

ہو کر ..... تیرے نزدیک تیرا سب سے پیارا بندہ وہ ہے جس نے تیرے سامنے تکبر کرنا چھوڑا اور (گناہ پر) اصرار سے پرہیز کیا اور معافی مانگنے کو لازم کر لیا اور میں تیرے سامنے تکبر نہیں کرتا اور اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ اصرار کروں اور جو کوتاہیاں میں نے کی ہیں ان کی معافی چاہتا ہوں اور جس بات سے میں عاجز ہوں اس میں تیری مدد کا طالب ہوں۔

طلب مغفرت اور توبہ کا یہ ایسا تدریجی اور نفسیاتی انداز ہے جس میں اول گنا ہگار کی وہ مایوسی دور ہوتی ہے جو رات دن گناہوں میں ملوث رہنے کے بعد کثرت معاصی کے تصور سے پیدا ہو جایا کرتی ہے ـــــ پھر اپنے سے بڑے گنہگاروں کی مغفرت کے نمونے اس کے سامنے آتے ہیں جن سے اس کی امید مغفرت کو مزید سہارا ملتا ہے ـــــ اس کے بعد دل میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ جب قبول توبہ کے امکانات قوی ہیں تو پھر ایک بار خلوص سے خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جانا ہی چاہیئے ـــــ اور سب سے بعد میں اسے گناہوں کی معافی کے تین اصول معلوم ہو جاتے ہیں، جن پر عمل کر کے وہ ہر وقت اپنا بڑے سے بڑا گناہ معاف کرا سکتا ہے:۔

۱۔ خدائے تعالیٰ کی کبریائی کے سامنے عجز و نیاز سے سر جھکا دے۔

۲۔ دوبارہ اس گناہ کا مرتکب نہ ہو۔

۳۔ اور بصد ندامت اپنے قصور کی معافی چاہتا رہے۔

استغفار اور طلب توبہ کے متعلق یہ ایک دعا تھی، جس کے چند جملے پیش کیے گئے ـــــ صحیفہ کاملہ میں اس موضوع پر امام کی متعدد دعائیں ہیں اور اتنی مؤثر اور مفید ہیں جنھیں پڑھنے کے بعد جامعۂ ازہر مصر کے فیلسوف اعظم علامہ طنطاوی جوہری اپنے ایک مضمون[1] میں لکھتے ہیں:۔

"(ترجمہ) اس میں بہترین مواعظ مضمر ہیں، جن سے شیعہ سنی سب ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس طرح کی دعاؤں کو حقیقتہً تعلیمی سبق سمجھنا چاہیئے۔ جو موعظہ و ہدایت کی خاطر مسلمانوں کے سامنے پیش کیے گئے ہیں ورنہ درحقیقت یہ مقدس ذاتیں ہرگز گناہوں سے آلودہ نہ تھیں لیکن چونکہ بارگاہ الٰہی میں تقرب زیادہ تھا اس لیے انھیں خدا کا خوف بھی سخت تھا اور چونکہ وہ مسلمانوں کے لیے ایک پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے اس لیے انھوں نے مسلمانوں کے لیے مثال پیش کی اور یہی وہ طریقہ ہے جو دنیا کی ہدایت کے لیے بہترین کامیاب ہو سکتا ہے۔"

---

[1] ادعیۃ علی زین العابدین وما ذا یستفید منہا المسلمون یعنی امام زین العابدین کی دعائیں اور ان کے فوائد جن سے مسلمان مستفیض ہو سکتے ہیں۔

# تہذیب نفس و تزکیہ اخلاق

دعا اور مناجات کے سبب خدا اور بندے کے درمیان جو ایک براہ راست قسم کا تعلق پیدا ہوتا ہے یا ہر دعا کے بعد انسانی ذہن میں جو ایک طرح خاص کی نفسیاتی کیفیت رونما ہوتی ہے وہ علمائے نفسیات کے نزدیک انسان کی تہذیب[1] اور تزکیہ اخلاق کے سلسلے میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ صلوٰۃ اور دعا کے وقت۔ اگر ان کی غرض نفاق و ریا کاری اور نمائش زہد و اتقا نہ ہو تو انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ معبود حقیقی کے حضور میں حاضر ہے۔ ایک ایک کر کے اپنی نفسی خامیاں اور روحانی ناتمامیاں اس کی نگاہوں کے سامنے آتی ہیں اور وہ محسوس کرتا ہے کہ نفس امارہ نے ذہن و دماغ کی اقلیم پر کہاں کہاں یلغار کی ہے۔ اسے اندازہ ہوتا ہے کہ مراحل عبدیت میں وہ کس قدر پست ہے اور یہ احساس و اندازہ ہی اس کے نفس میں داعیۂ تہذیب اور اس کی روح میں میلان اصلاح پیدا کرتا ہے ـــ صحیفہ کاملہ کی دعاؤں کی مداومت و مزاولت سے انسان ان روحانی بلندیوں اور تطہیر نفس کی ان منزلوں پر پہنچ سکتا ہے کہ ہم تخمین و قیاس کی کمند ڈال کر بھی کنگرۂ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ مثلاً ذیل کی دعا کے معانی و مفاہیم پر غور کیجیے اور اپنی بساط کے مطابق ان لطائف روحانی تک پہنچنے کی سعی فرمائیے جو حرف حرف، و نقطے نقطے میں مضمر ہیں اور اندازہ کیجیے کہ ایک دعا میں کس قدر اختصار کے ساتھ امام نے انسانوں کو (۲۳) ایسے اخلاقی نکتوں کی تعلیم دی ہے، جن سے اُسے اپنی زندگی میں قدم قدم پر سابقہ پڑتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَيَجَانِ الْحِرْصِ وَ سَوْرَةِ الْغَضَبِ وَ غَلَبَةِ الْحَسَدِ وَ ضَعْفِ الصَّبْرِ وَ قِلَّةِ الْقَنَاعَةِ وَ شَكَاسَةِ الْخُلُقِ وَ إِلْحَاحِ الشَّهْوَةِ وَ مَلَكَةِ الْحَمِيَّةِ وَ مُتَابَعَةِ الْهَوَى وَ مُخَالَفَةِ الْهُدَى وَ سِنَةِ الْغَفْلَةِ وَ تَعَاطِي الْكُلْفَةِ وَ إِيثَارِ الْبَاطِلِ عَلَى الْحَقِّ وَ الْإِصْرَارِ عَلَى

اے اللہ! میں بے شک تجھ سے پناہ مانگتا ہوں لالچ کے برانگیختہ ہونے سے اور غصّہ کے بھڑک اٹھنے سے اور حسد کے غالب ہونے سے اور صبر کے سست پڑ جانے سے اور قناعت کی کمی سے اور کج خلقی سے اور خواہش نفس کی ضد اور ہٹ سے اور حمیت کے حکمراں[2] ہو جانے سے اور نفسانی خواہش کی پیروی سے اور راہ راست کی مخالفت سے اور غفلت کی اونگھ[3] سے اور اپنے آپ کو بلاوجہ تکلیف میں مبتلا کرنے سے اور باطل

---

۱ یعنی برائیوں سے پاک ہو کر نیکیوں سے آراستہ ہونا۔

۲ حمیت اگر اعتدال کے ساتھ ہو تو ایک اچھی صفت ہے لیکن جب وہ دلوں پر حکمراں ہو جائے اور آدمی کو اتنا غیرت مند بنا دے کہ بات بات پر اس کی ناک کٹ جاتی ہو اور معمولی چیز پر کٹ مرنے کے لیے تیار ہو جیسا کہ عرب کے اکثر قبیلے اس وقت ایسی ہی باتوں کے عادی ہیں، تو ایسی حمیت سخت مذموم اور گناہ کبیرہ ہے۔

۳ جس میں سستی اور کاہلی اور ضروری امور سے تغافل سب کچھ آجاتا ہے۔

لِمَأْثَمٍ وَ سَبْغَاءِ الْمَعْصِيَةِ وَاسْتِكْبَارِ
الطَّاعَةِ وَ مُبَاهَاتِ الْمُكْثِرِيْنَ وَ الْاِزْرَاءِ
بِالْمُقِلِّيْنَ وَ سُوْءِ الْوِلَايَةِ لِمَنْ تَحْتَ اَيْدِيْنَا
وَ تَرْكِ الشُّكْرِ لِمَنِ اصْطَنَعَ الْعَارِفَةَ عِنْدَنَا
اَوْ اَنْ نَعْضُدَ ظَالِمًا اَوْ نَخْذُلَ مَلْهُوْفًا اَوْ
نَرُوْمَ مَا لَيْسَ لَنَا بِحَقٍّ اَوْ نَقُوْلَ فِي الْعِلْمِ
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ نَعُوْذُ بِكَ اَنْ نَنْطَوِيَ عَلٰى
غِشِّ اَحَدٍ وَ اَنْ نُعْجَبَ بِاَعْمَالِنَا وَ نَمُدَّ فِيْ
اٰمَالِنَا وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ سُوْءِ السَّرِيْرَةِ وَاحْتِقَارِ
الصَّغِيْرَةِ وَ اَنْ يَسْتَحْوِذَ عَلَيْنَا الشَّيْطَانُ اَوْ
يَنْكُبَنَا الزَّمَانُ اَوْ يَتَهَضَّمَنَا السُّلْطَانُ وَ
نَعُوْذُ بِكَ مِنْ تَنَاوُلِ الْاِسْرَافِ وَ مِنْ
فُقْدَانِ الْكَفَافِ وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَمَاتَةِ
الْاَعْدَآءِ وَ مِنَ الْفَقْرِ اِلَى الْاَكْفَاءِ وَ مِنْ
مَعِيْشَةٍ فِيْ شِدَّةٍ وَ مِيْتَةٍ عَلٰى غَيْرِ عُدَّةٍ
وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْحَسْرَةِ الْعُظْمٰى وَالْمُصِيْبَةِ
الْكُبْرٰى وَ اَشْقَى الشَّقَآءِ وَ سُوْءِ الْمَاٰبِ وَ
حِرْمَانِ الثَّوَابِ وَ حُلُوْلِ الْعِقَابِ ٥

کو حق پر ترجیح دینے سے اور گناہوں پر اصرار کرنے سے اور گناہ کو ہلکی
بات سمجھنے سے اور اپنی عبادت کو بڑا سمجھنے سے اور دولتمندوں کے
افتخار سے اور غریبوں کو چھوٹا خیال کرنے سے اور ماتحت پر بری
طرح حکومت جتانے سے اور اپنے محسن کا شکریہ ادا نہ کرنے سے اور
اس بات سے کہ ہم ظالم کی مدد کریں۔ یا کسی بے یار و مددگار کو چھوڑ دیں۔
یا ایسی بات کا قصد کریں جو ہمارے لیے درست اور موزوں نہیں ہے۔
یا جاہل ہوتے ہوئے کسی علمی مسئلے میں دخل دیں اور پناہ مانگتے ہیں ہم
تجھ سے کہ ہم کسی شخص کی برائی کا خیال دل میں چھپائے رکھیں اور اپنے
اعمال پر غرور کریں اور اپنی امیدوں کو طول دیں اور پناہ مانگتے ہیں ہم
تجھ سے بری عادت سے اور گناہ صغیرہ کو حقیر سمجھنے سے اور اس
بات سے کہ ہم پر شیطان تسلط جمائے یا زمانہ ہمیں نکبت و افلاس
میں مبتلا کرے، یا ہم پر بادشاہ ظلم کرے اور پناہ مانگتے ہیں ہم تجھ سے
فضول خرچی میں پڑنے سے اور بقدر کفایت روزی میسر نہ آنے سے اور
پناہ مانگتے ہیں ہم تجھ سے دشمنوں کی ملامت سے اور اپنے ہمسروں
کی جانب محتاج ہونے سے اور سختی میں بسر کرنے سے اور بغیر زاد راہ
آخرت مر جانے سے اور پناہ مانگتے ہیں ہم تجھ سے بڑی حسرت[1] اور
بڑی مصیبت سے اور سخت ترین بدنصیبی سے اور برے انجام سے
اور ثواب سے محروم رہ جانے اور عذاب کے نازل ہونے سے۔

دیکھیے اس مختصر سی دعا میں اول امام نے لوگوں کو اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ (۱) حرص (۲) اشتغال (۳) حسد (۴) بے صبری (۵) قانع نہ ہونا (۶) کج خلقی (۷) خواہشوں میں مبتلا رہنا (۸) بے موقع اور بے محل حمیت جتانا (۹) نفس کے کہنے پر عمل کرنا (۱۰) سیدھی اور سچی بات کی بلا وجہ مخالفت (۱۱) غفلت اور سستی (۱۲) بے وجہ اپنے کو مشقت میں ڈالنا (۱۳) غلط کو صحیح سے بڑھانا (۱۴) غلطی کرنا اور پھر اس پر مُصر ہونا (۱۵) گناہ کو ہلکا سمجھنا (۱۶) عبادت پر ناز کرنا (۱۷) دولت پر فخر کرنا (۱۸) غریبوں کو حقیر سمجھنا (۱۹) ماتحتوں پر حکومت جتانا۔

---

[1] قیامت کا وہ وقت مراد ہے جبکہ وہاں بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو اپنے اعمال کو بہت بڑا سمجھتے ہوں گے مگر انھیں کچھ بھی اجر نہ ملے گا اور الٹا عذاب نازل ہوگا۔ کیونکہ ان کے سب اعمال دنیا میں ریاکاری پر مبنی تھے۔

(۲۰) محسن کا احسان مند نہ ہونا (۲۱) ظالم کی امداد کرنا (۲۲) بے کس کی مدد نہ کرنا (۲۳) ایسی باتوں میں پڑنا جو شایان شان نہ ہوں (۲۴) غیر موزوں کام کا ارادہ کرنا (۲۵) جو بات معلوم نہ ہو اس میں اپنی معلومات جتانے کے لیے دخل دینا (۲۶) کینہ دل میں چھپائے رکھنا (۲۷) اپنے اچھے کاموں پر گھمنڈ کرنا (۲۸) امیدوں کو طول دینا (۲۹) بری عادتیں اختیار کرنا (۳۰) چھوٹے سے گناہ کو سبک سمجھنا (۳۱) شیطان کے اشاروں پر ناچنا (۳۲) بادشاہ یا حکمران کے لیے لوگوں کو ستانا (۳۳) اور فضول خرچی کرنا، یہ سب بہت برے کام ہیں اتنے برے کہ ان سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیئے۔

پھر اس کے بعد دعا کے آخر میں ایسے کلمات ارشاد کیے ہیں جن سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ اگر کوئی ان میں مبتلا ہو، تو اس کا انجام یہ ہوگا کہ دنیا میں اس پر دشمن ہنسیں گے اور دوستوں کے سامنے اسے ہاتھ پھیلانا پڑے گا ـــــ اور آخرت میں وہ ثواب سے محروم رہے گا اور عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔

امام کی اخلاقی تعلیمات اسی ایک دعا تک محدود نہیں بلکہ صحیفہ کاملہ میں جا بجا آپ نے اخلاق شخصی اور اخلاق اجتماعی کے مختلف مسائل پر اس قدر ہدایات فرمائی ہیں کہ اگر انسان خلوص کے ساتھ محض ان ہی پر عمل کرے تو محاسن اخلاق کا مجسمہ اور انسان کامل بن سکتا ہے۔

ایک دعا میں فرماتے ہیں :-

مَتٰی وَقَفْنَا بَیْنَ نَقْصَیْنِ فِیْ دِیْنٍ اَوْ دُنْیَا فَاَوْقِعِ النَّقْصَ بِاَسْرَعِهِمَا فَنَآءً وَ اجْعَلِ التَّوْبَةَ فِیْ اَطْوَلِهِمَا بَقَآءً ؕ

(اے معبود) جبکہ ہم دین یا دنیا کے کسی معاملے میں دو نقصانوں کے درمیان کشاکش میں پڑ جائیں تو جو ان میں جلدی فنا ہونے والا ہو اس کو نقصان سے متاثر کر اور جو دیر تک باقی رہنے والا ہو اس میں توبہ کو قرار دے۔

کس قدر واضح اور دل نشین طریقہ سے اخلاقیات اسلامی کے اس مسئلے پر روشنی ڈالی ہے کہ جب انسان کے سامنے دو راستے ہوں، جن میں سے ہر ایک برا ہو اور وہ ان دونوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے پر مجبور ہو تو اس راستے کو اختیار کرے جس میں کم برائی ہے تاکہ بڑی برائی سے بچ جائے۔ مثلاً ایک طرف کسی مومن کی جان جاتی ہو اور دوسری طرف غلط گوئی میں مبتلا ہونا پڑتا ہو تو غلط گوئی کو اختیار کر لیا جائے تاکہ مرد مومن کی جان بچ جائے۔

تخریب پسندوں اور جرائم پیشہ لوگوں کی اصلاح کا مسئلہ ہمیشہ سے بہت اہم رہا ہے اور اب کہیں بیسویں صدی میں جا کر اس کے صحیح اور مؤثر اصول لوگوں کو معلوم ہو سکے ہیں۔ لیکن امام نے تیرہ سو برس پہلے جو اصول بتا دیا ہے، آج دنیا کو پھر کر وہی راستہ اختیار کرنا پڑا ہے اور اس کے علاوہ اس سے بہتر دوسرا ذریعہ اصلاح نہیں نکالا جا سکا ـــ چنانچہ ایک دعا میں ظالم دشمن کے حق میں دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

وَاجْعَلْ لَهٗ شُغْلًا فِیْمَا یَلِیْهِ

(الٰہی) اُسے ایسے کام میں لگا دے جو اس سے قریب ہے۔

دیکھنے میں ایک چھوٹا سا جملہ ہے مگر کتنے عظیم کردار کی تعلیم پر مشتمل ہے۔ دشمن کے شر سے بچنے کے لیے، جب بھی کوئی شخص قدم اٹھائے گا تو زیادہ سے زیادہ عالی ظرفی یہ دکھائے گا کہ اس کو ہلاک اور تباہ کرنے کی بجائے اس کے شر سے اپنے تحفظ کی تدابیر پر اکتفا کرے گا۔ مگر امام ہمام اس موقع پر یہ تعلیم دیتے ہیں کہ دشمن کو ایسے کام میں لگا دیا جائے جسے وہ آسانی سے کر سکے تاکہ اس کو ظلم و ستم کا موقع ہی نہ ملے

اور کام بن ٹھن جانے کے بعد اس کی اصلاح حال ہو جائے ــــــ یہ ہے ان ملکوتی ذہنوں کی رسائی اور نفوس قدسیہ کا اخلاق۔ وہ ان کی تعلیم جو بندگان خدا کی فلاح و بہبود پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مامور ہوتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَ اَبْدِلْنِیْ مِنْ بِغْضَةِ اَهْلِ الشَّنَاٰنِ الْمَحَبَّةَ وَ مِنْ حَسَدِ اَهْلِ الْبَغْیِ الْمَوَدَّةَ | (الٰہی) مجھے ایسی توفیق دے کہ بغض رکھنے والوں کے کینے کا بدلہ محبت سے دوں اور باغیوں کے حسد کے عوض ان سے دوستی کا برتاؤ کروں۔ |

اسی سلسلے میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| وَ اَنْ نُّرَاجِعَ مَنْ هَاجَرَنَا وَ اَنْ نُّسَالِمَ مَنْ عَادَانَا۔ | (الٰہی) ہمیں اس بات کی توفیق دے کہ جس نے ہمیں چھوڑ دیا ہے اسے ہم اپنا سکیں اور جو ہمیں دشمن رکھتا ہے اسے صلح کر کے دوست بنا سکیں۔ |

اگر سوسائٹی کے کل افراد امام ہمام کی اسی ایک ہدایت پر عمل پیرا ہو جائیں تو اس سے مجموعی طور پر کتنے معاشرتی، سیاسی اور اقتصادی فوائد قوم و ملت کو پہنچیں گے۔

# تعلیم اقتصادیات

اقتصادی ترقی اور خوش حالی افراد و قوم کی زندگی میں جو اہمیت رکھتی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایک مصلح جو انسانوں کی اصلاح پر مامور ہے وہ اگر ان کی معاشی حالت درست کرنے کی جانب توجہ مبذول نہیں کرتا تو وہ لوگوں کے ایمان و ایقان کو استوار کرنے میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ افلاس اور شکستہ حالی سے مجبور ہو کر انسان کا گمراہی میں مبتلا ہو جانا، ایک ایسی فطرت ہے جسے تاریخ عالم میں معاشی اصلاح کے علاوہ کسی اور ترکیب سے آج تک نہیں بدلا جا سکتا ــــــ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اس نکتہ کو پہلے ہی دن محسوس کیا اور ارتقائے روحانیت کے ساتھ مادی ترقی و اصلاح کی ضمانت بھی اپنے ذمہ لے لی ــــــ اسلام کا یہی وہ خاص وصف ہے جو اسے دیگر مذاہب عالم سے ممتاز کرتا ہے۔ امام نے اپنی تعلیمات میں اس پہلو پر خصوصی طور سے زور دیا ہے اور مسلمانوں کو بار بار سمجھایا ہے کہ وہ اپنے معاشیات کو قابو سے باہر نہ ہونے دیں اور اس کے لیے قدرت کے مقرر کیے ہوئے اصولوں پر عمل کریں۔

ایک جگہ دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| وَ مَتِّعْنِیْ بِالْاِقْتِصَادِ | (الٰہی) مجھے میانہ روی سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ |

چھوٹا سا فقرہ ہے جو کل معاملات میں اور خصوصاً اقتصادیات میں اعلیٰ تعلیمات کا نچوڑ ہے جس میں معاشی اصلاح کا ایسا بہترین اصول یعنی "میانہ روی" کی تعلیم دی گئی ہے جس سے بہتر طریقہ آج تک تحقیق نہیں ہو سکا۔

اس کے بعد ارشاد ہوا ہے :۔

وَصُنْ وَجْهِیْ بِالْیَسَارِ

(الٰہی) مجھے کام کرنے کی ہمت دے کر میری آبرو بچا۔

میانہ روی کی تلقین کے بعد مسلمانوں کو کام کرنے کی ترغیب اور بیکاری سے بچنے کی ہدایت کتنے مؤثر انداز میں فرمائی ہے جس سے یہ پہلو خود بخود نکلتا ہے کہ بیکاری اور بے روزگاری مردِ مومن کے لیے بے آبروئی کا باعث ہے۔ اس لیے مومن کا طریقہ یہی ہے جو کاروبار سے کسبِ معاش کرتا رہے۔

ایک اور مقام پر اقتصادیات کو ناہموار رکھنے کے لیے قرض سے بچنے اور ایک مقررہ موازنہ (بجٹ) کے تحت آمد و خرچ کا انضباط کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے۔

اَعُوْذُ بِكَ يَا رَبِّ مِنْ هَمِّ الدَّيْنِ وَ فِكْرِهٖ وَ شُغْلِ الدَّيْنِ وَ سَهَرِهٖ۔

اے معبود! میں قرض کی فکر اور اس کے سوچ سے اور قرض کی مصروفیت اور اس کی بیداری سے پناہ مانگتا ہوں۔

ان الفاظ کا صریح مفہوم یہ ہے، جسے ہر شخص بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ قرض کی فکر انسان کے لیے ایک ایسا سخت حادثہ ہے جس سے اسے دیگر حوادث روزگار کی طرح خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگنا چاہیے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جب انسان اپنی ضرورتوں میں قرض لینے کا عہد کرے گا تو پھر مجبوراً اسے اپنی بہت سی غیر ضروری خواہشیں روکنا پڑیں گی اور وہ کتنی ہی رسموں اور دوسرے غیر ضروری مصارف میں مبتلا ہو جانے سے بچ جائے گا جس کے بعد اس میں صبر و ضبط اور قناعت نیز بری رسموں کے خلاف جدوجہد کی اخلاقی جرأت پیدا ہو گی اور ان سب باتوں کا نتیجہ، معاشرتی اصلاح، استغنا اور فارغ البالی کی صورت میں نمودار ہونا ایک لازمی اور معمولی بات ہے۔

پھر اسی سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے :۔

اُحْجُبْنِیْ عَنِ السَّرَفِ وَ الْاِزْدِيَادِ وَ قَوِّمْنِیْ بِالْبَذْلِ وَ الْاِقْتِصَادِ وَ عَلِّمْنِیْ حُسْنَ التَّقْدِيْرِ وَ اقْبِضْنِیْ بِلُطْفِكَ مِنَ التَّبْذِيْرِ وَ اَجْرِ مِنْ اَسْبَابِ الْحَلَالِ اَرْزَاقِیْ وَ وَجِّهْ فِیْ اَبْوَابِ الْبِرِّ اِنْفَاقِیْ۔

(اے معبود) مجھ کو فضول خرچی اور زیادتی معارف سے باز رکھ اور مجھے صحیح طریقے پر خرچ کرنے اور میانہ روی اختیار کرنے کے ذریعہ راہ راست پر لا اور مجھے اچھا موازنہ (بجٹ) مقرر کرنے کی تعلیم دے اور اپنی عنایت سے مجھے فضول خرچی کرنے سے روک اور میری روزی حلال ذریعوں سے اور میرا خرچ نیک باتوں سے جاری رکھ۔

سبحان اللہ! انسان کی معاشی اصلاح کے لیے چند فقروں میں کتنے جامع، مختصر اور بنیادی اصول تعلیم دیے ہیں ــــــ روزی کماؤ اور حلال وسائل سے کماؤ۔ پھر بجٹ بناؤ جس میں معارف کو وسیع نہ کرو۔ میانہ روی پر عمل پیرا ہو۔ ضروریات اور جائز کاموں میں صرف کرو اور فضول خرچی سے دور رہو ــــــ یہی وہ چند بنیادی اصول ہیں جن کو پھیلا کر آج اقتصادیات پر بڑی بڑی کتابیں مرتب کی جا رہی ہیں۔

---

# اتحاد بین المسلمین اور اس کے توابع

## تنظیم ——— اور یقین

اتحاد بین المسلمین کے فوائد اور اس بات کی اہمیت ذہن نشین کرانے کے لیے کہ تمام مسلمین کو چاہیے وہ کسی بھی فرقے اور گروہ سے تعلق رکھتے ہوں ایک دل اور یک جہتی سے غیر مسلمین کی سازشوں کو ناکام بنانا چاہیے، ایک طویل دعا میں اہل ثغور (سرحد والے مسلمین) کی فلاح و بہبود اور حملہ کفار سے ان کے تحفظ کے لیے بارگاہ الٰہی میں رو رو کر التجا کی ہے۔ حالانکہ اہل ثغور ایسے مسلمان تھے جو نظریاتی طور پہ امامؑ اور ان کے آباؤ اجداد سے مخالفت اور عناد رکھتے تھے۔ بااین ہمہ ان لوگوں کے لیے آپ کے دعا فرمانے سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کے ہر فرقے کا یہ دینی اور اسلامی فریضہ ہے کہ وہ اسلامی اجتماعیت کے مفاد میں متحد و متفق ہو کر رہیں اور ادھر ادھر کے سب ذرے سمٹ کر ایک کوہ گراں کی استقامت حاصل کریں جسے کوئی طاقت اپنی جگہ سے جنبش نہ دے سکے۔

اس دعا میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

وَ اَيُّمَا مُسْلِمٍ خَلَفَ غَازِيًا اَوْ مُرَابِطًا فِيْ دَارِهٖ اَوْ تَعَهَّدَ خَالِفِيْهِ فِيْ غَيْبَتِهٖ اَوْ اَعَانَهٗ بِطَائِفَةٍ مِّنْ مَّالِهٖ اَوْ اَمَدَّهٗ بِعِتَادٍ اَوْ شَحَذَهٗ عَلٰى جِهَادٍ اَوْ اَتْبَعَهٗ فِيْ وَجْهِهٖ دَعْوَةً اَوْ رَعٰى مِنْ وَّرَائِهٖ حُرْمَةً فَاَجْرِ لَهٗ مِثْلَ اَجْرِهٖ وَزْنًا بِوَزْنٍ وَ مِثْلًا بِمِثْلٍ وَ عَوِّضْهُ مِنْ فِعْلِهٖ عِوَضًا حَاضِرًا يَتَعَجَّلُ بِهٖ نَفْعَ مَا قَدَّمَ وَ سُرُوْرَ مَا اَتٰى بِهٖ اِلٰى اَنْ يَّنْتَهِيَ بِهِ الْوَقْتُ اِلٰى مَا اَجْرَيْتَ لَهٗ مِنْ فَضْلِكَ وَ اَعْدَدْتَ لَهٗ مِنْ كَرَامَتِكَ۔

(الٰہی) جو کوئی مسلمان کسی غازی کا یا دشمن کی سرحد پر پڑاؤ ڈالنے والے مسلم کا اس کے گھر میں قائم مقام ہو یا اس کے اہل و عیال کی کفالت کرے یا اسے جہاد پر ابھارے یا اس کے پیچھے اس کے حق میں دعا کرے یا اس کی عدم موجودگی میں اس کی حرمت کی حفاظت کرے تو اسے بھی، اس غازی کے برابر ثواب دے، ہر طرح برابر اور ویسے کا ویسا اور اسے اس کے اس عمل کا فوری طور پر عوض دے، تاکہ وہ اپنے بھیجے کام کا نفع جلد پائے اور اپنے عمل کی خوشی جلد اسے نصیب ہو۔ یہاں تک کہ وقت اس کو اس بزرگی اور فضیلت تک پہنچا دے جو تو نے اس کے لیے جاری کی ہے اور جسے تو نے اس کے لیے مہیا فرمایا ہے۔

دعا کے ان الفاظ سے یہ مسئلہ صاف طور پر محقق اور ثابت ہو گیا کہ خصوصاً ایسے مواقع پر جب کہ کفار کا مقابلہ ہو، ہر مسلمان کو چاہیے وہ کسی بھی فرقے سے متعلق ہو اور رہتا ہو، وہ دنیا کے کسی بھی گوشے میں رہتا ہو، اپنی داخلی اور خارجی پالیسی یہی مقرر کرنا چاہیے کہ وہ دامے درمے قدمے اور سخنے ہر طرح سے گروہ مسلمین کو مدد پہنچائے اور اگر بالفرض عملاً کوئی امداد نہ کر سکتا ہو، تو اپنی مخلصانہ دلی ہمدردیوں سے مسلمانوں کو محروم نہ رکھے۔

اسی دعا میں تنظیم کی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد کیا ہے:

اَلِّفْ جَمْعَهُمْ وَ دَبِّرْ اَمْرَهُمْ

(الٰہی) ان کی جماعت کو ایک دوسرے سے منظم و مربوط رکھ اور ان کے کام کو اجتماعی تدبیر کے ساتھ چلا۔

جماعت کے افراد میں ارتباط و نظم اور اجتماعی تدبیر کا دوسرا نام تنظیم ہے۔

اس کے بعد بارگاہِ احدیت میں عرض کرتے ہیں:-

وَ قَوِّ بِذٰلِكَ مِحَالَ اَهْلِ الْاِسْلَامِ وَ حَصِّنْ بِهٖ دِيَارَهُمْ وَ ثَمِّرْ بِهٖ اَمْوَالَهُمْ وَ فَرِّغْهُمْ عَنْ مُحَارَبَتِهِمْ لِلْخَلْوَةِ بِكَ حَتّٰى لَا يُعْبَدَ فِیْ بِقَاعِ الْاَرْضِ غَيْرُكَ ط

(الٰہی) اس (مذکورہ بالا تنظیم) کے ذریعہ مسلمانوں کے مفادات کو مضبوط کر اور اس کے ذریعہ ان کے شہروں (حکومت) کو محفوظ رکھ اور اس سے ان کے مالوں کو بڑھا اور انھیں آپس کے جھگڑوں سے بچا کر اپنے ساتھ تخلیہ کرنے کے لیے فارغ کر دے تاکہ زمین کے تمام حصوں میں سوائے تیرے کسی کی بندگی نہ کی جائے۔

دعا کے اس جزو سے واضح ہو گیا کہ یہ اتحاد و تنظیم ہی ہیں جن کی بدولت مسلمانوں کو دنیا میں بہت سے فوری ـــ مگر دیرپا اور دور رس فوائد حاصل ہوتے ہیں یعنی

اجتماعی مفادات کی تقویت اور استحکام

حکومت اور باشندوں کا تحفظ

اور ـــــ مال و دولت کی ترقی

ـــــ اس کے بعد ایک بار پھر امام نے مذکورہ بالا دعا میں باہمی نزاعات کی مذمت کر کے اتحاد کی اہمیت پر زور دیا ہے اور آخر میں ان تمام اجتماعی کوششوں کا نتیجہ بھی ان لفظوں میں ظاہر فرما دیا ہے کہ جب مسلمانوں میں ایسا اتحاد اور ایسی تنظیم ہو جائے گی تو پھر کل روئے زمین پر وہی حکمران ہوں گے۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا ہے:

وَاجْعَلْ يَقِيْنِیْ اَفْضَلَ الْيَقِيْنِ ط

(الٰہی) میرے یقین اور اعتقاد کو سب سے افضل یقین اور اعتقاد بنا دے۔

"افضل یقین" کی منزل تقریباً وہی بلکہ اس سے بھی بالاتر ہے، جسے آج ہم "یقین محکم" کے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

# سیاسی بصیرت

قبل اس کے کہ اس موضوع پر قلم اٹھایا جائے یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ دنیاوی سیاست اور دینی سیاست میں بنیادی طور پر زمین و آسمان کا فرق ہے۔

دنیاوی سیاست کی دوڑ اور رسائی موجودہ اقتدار اور زیادہ سے زیادہ موجودہ ملک و قوم کے مادی حقوق اور مفادات تک محدود ہوتی ہے۔ چاہے وہ صداقت اور انصاف سے حاصل ہوں یا تصنع اور ظلم سے —— مگر اس کے برخلاف دینی سیاست، وقتی اقتدار اور حالیہ اشخاص یا جماعت تک محدود نہیں ہوتی، اس کا دائرۂ عمل روز قیامت، بلکہ ابد الآباد تک کے ان مادی اور روحانی مفادات تک وسیع ہوتا ہے جن سے اشخاص بھی مستفیض ہوتے ہیں اور جماعت بھی۔ نیز وہ اصول بھی نیک نام ہوتا ہے جس کے تحت یہ مفادات حاصل ہوئے ہیں —— اور پھر یہ سیاست اپنی تمام تر جد وجہد کے دوران کوئی ایک ایسا اقدام بھی گوارا نہیں کرتی جو صداقت اور انصاف کے منافی اور کذب و باطل یا ظلم و جور پر مبنی ہو۔

مذکورہ بالا نصب العینی اختلاف کی بناء پر دینی سیاست صرف ان ہی اقدامات کی محرک ہوتی ہے جن کے باعث "اسلام" اور اس کے "نظریات" مستحکم و استوار ہوں چاہے دنیا کی نگاہ میں ان اقدامات کا اشخاص اور ان کے اقتدار پر کیسا ہی اچھا یا برا اثر پڑے —— مثال کے طور پر "صلح حدیبیہ" کو دنیاوی سیاست کے پیش نظر مورخین نے اسلام اور رسولؐ اسلام کی کمزوری ؒ سے تعبیر کیا ہے۔ مگر دینی اعتبار سے اس (ظاہرا) کمزوری نے اسلام کو اقوام عالم میں قیامت تک کے لیے، اُس کے اِس سنہرے اصول کی بناء پر سرخرو بنا یا کہ کل مذاہب عالم میں یہی وہ مذہب ہے جو اپنے بدترین دشمنوں کی جانب بھی، جو کہ ایک عرصہ تک ایذاؤں پر ایذائیں پہنچاتے رہے ہیں، منتقمانہ جذبہ کے تحت نظر نہیں اٹھاتا بلکہ ان کی مغلوبیت کا یقین حاصل کر لینے کے باوجود اول صلح اور رواداری کا ہاتھ بڑھاتا ہے اور پھر جب تک وہ اپنے معاہدے پر قائم رہیں، اس مصالحانہ عہد و پیمان سے منحرف نہیں ہوتا —— ظاہر ہے کہ اسلام کے حق میں اس کی مقبولیت عام کے اعتبار سے جس قدر مفید یہ شہرت ہو سکتی ہے، اتنی افادیت اس وقت (صلح حدیبیہ کے وقت) مکہ پر چڑھائی کر کے اس کے فتح کر لینے میں (جو کہ بعد میں بھی فتح کیا جا سکتا تھا اور ہو گیا) نہیں ہو سکتی تھی —— اور اگر ایسا ہو جاتا تو یقیناً رسولؐ اسلام کے دامن پر ہمیشہ کے لیے یہ دھبّا آ جاتا کہ انھوں نے کفار مکہ کو اصلاح حال کے لیے ایک موقع بھی نہیں دیا، حالانکہ وہ جس دین کے علم بردار تھے، اس کا خدا انسانوں کو ان کے گناہوں سے تائب ہو جانے کا بار بار موقع دینا پسند کرتا ہے۔

یا مثلاً شہادت کربلا دنیاوی سیاست کے اعتبار سے نواسۂ رسول کی قربانی کو شکست سے تعبیر کرتی ہے۔ مگر اسلام اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کو اس شہادت عظمیٰ سے جو تقویت پہنچی ہے اور جس کا اعتراف ع

حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

کے زندۂ جاوید الفاظ میں بارہا کہا گیا ہے، اس کے پیشِ نظر امام حسینؑ کی شہادت اور قربانی، آپ کی وہ عدیم المثال سیاست ہے، جسے دنیادی سیاست پوری طرح سمجھنے کی بھی صلاحیت اور اہلیت نہیں رکھتی۔

امام زین العابدینؑ کی سیاسی بصیرت میں بھی اسی دینی سیاست کا پرتو نظر آتا ہے جو رسولؐ اسلام کی تعلیمات سے پیدا ہوئی تھی اور جسے سطحی نگاہوں سے نہیں پرکھا جاسکتا۔ آپ کے نزدیک سیاست کا مقتضا یہ نہیں تھا کہ جو لوگ آپ کو ایذا پہنچائیں یا رسوا کریں، آپ بھی ان کے مقابلہ پر آکر دو بدو جواب دینے کے لیے تیار ہو جائیں، بلکہ آپ کی نگاہ میں ـــــ اس ماحول میں گھر جانے کے بعد جو کربلا کے خونین حوادث نے پیدا کر دیا تھا ـــــ ضرورت صرف اس بات کی تھی کہ ذاتی طور پر آپ کو چاہے کتنی ہی صعوبتوں سے دوچار ہونا پڑے اور چاہے کتنی ہی دنیاوی ذلتیں برداشت کرنا پڑ جائیں، مگر کوئی ایسا فتنہ نہ اٹھ کھڑا ہو جو مظالم بنی امیہ کی زد سے بچے ہوئے مخلصوں کا بھی خاتمہ کر دے اور جس کے بعد رسولؐ کی تعلیمات اور نظریات سیلِ فنا کی رَو میں بہہ کر ختم ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی "حلم" کے ایسے دردناک واقعات سے بھری پڑی ہے جنھیں بسا اوقات سطح بینوں نے بزدلی اور کمزوری سے تعبیر کر دیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ حلم آپ کی سیاسی بصیرت کا ایک معجزہ تھا جو آپ میں رسولِ مدنی کے ارشادات پر عمل اور 'رسوخ فی العلم' کی بدولت پیدا ہوئی تھی۔ ہو سکتا تھا کہ ایک بار جب ایک بدکردار نے آپ کو سرِ بازار سب و شتم کیا تھا اور وہ تنہا تھا اور آپ کے ساتھ کئی جاں نثار موجود تھے، آپ شیر کی طرح بپھر جاتے اور ساتھیوں کو انتقام لینے کا حکم دے دیتے اور وہ لوگ اس مردودِ ازلی کی بوٹی بوٹی کر دیتے۔ مگر اس کے نتائج (جن کی جانب ہم آگے چل کر اشارہ کریں گے) اسلام کے لیے کتنے عظیم فتنہ کی صورت میں نمودار ہوتے، اس تک معترضین کی عام نگاہیں نہیں پہنچ سکتیں۔ اس مقام پر آپ کا حلم چاہے ظاہرا کتنا ہی محلِ اعتراض ٹھہرا ہو، مگر حقیقتۃً بقائے اسلام کے لیے یہ حلم ہی دور رس اور دیرپا مفادات کا حامل تھا ـــ اسلامی اور دینی سیاست اپنے کردار کو ایسے ہی سانچے میں ڈھال لینے کا نام ہے، جس میں انسان ذاتیات کے احساس سے بالکل بالاتر ہو کر اسلام اور صرف اسلام کے مفاد پر نظر رکھے۔

مذکورہ بالا زاویۂ نگاہ سے امام زین العابدینؑ کی زندگی، آئمہ اہل بیتؑ میں سب سے زیادہ ان سیاسی بصیرتوں کا مظہر ہے، جن کا رسالتمآب نے اپنی تبلیغ اسلام کے ابتدائی دور میں مظاہرہ فرمایا تھا۔ اگرچہ مورخین نے اب تک امام زین العابدینؑ کو کل دنیائے اسلام کا سب سے بڑا حلیم و ضابطہ اور سب سے زیادہ "عابد و زاہد" انسان کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ مگر ہم ان اوصاف سے کہیں زیادہ آپ کو رسالتمآب کی سیاست کا اعلیٰ ترین مظہر سمجھتے ہیں، جس کا اس زمانے کے تاریخی حقائق اور واقعات سے پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔

امام زین العابدینؑ کی سیاسی بصیرت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان محرکات کو ایک بار پھر دہرایا جائے جو آپ کے مخصوص سیاسی طرزِ عمل کا باعث تھے اور خلفائے بنی امیہ کے ان اخلاقی مفاسد اور ان کی غیر اسلامی سیاست کے نتائج اور مضرات کی طرف اشارہ کیا جائے جنھیں امام زین العابدینؑ کی سیاست نے بغیر کسی جنگ و جدل کے ایسی شکست فاش دے دی کہ آج روئے زمین پر بنی امیہ کا کوئی نام لیوا تک نظر نہیں آتا۔ تاریخ کے جن علماء نے ان مباحث پر قلم اٹھایا ہے، انھوں نے عموماً واقعات سے منطقی نتائج نکالنے کی کوشش نہیں کی۔ مثلاً علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی مشہور و معروف تاریخ الخلفاء میں، یزید۔ مروان۔ عبدالملک۔ ہشام۔ سلیمان اور ولید کے بدترین اخلاقی کردار کی طرف بعض تفصیلی اور بعض اجمالی اشارات کیے ہیں لیکن ان کا لہجہ اس قدر معذرت خواہانہ اور نیازمندانہ ہے کہ وہ اس

سبب اخلاقی انحطاط اور ہولناک دینی زوال کی تصویر پیش کرنے سے قاصر رہے جو اموی عہد حکومت کی خصوصیت تھی ـــــ بہرحال اگر اب تک اس تاریخی فرض کو ادا نہیں کیا گیا تو اب بھی وقت ہے کہ اسلامی مورخین اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں۔ لیکن اس تاریخی بحث کی گرہ کشائی کے لیے ضروری ہے کہ امام زین العابدین کی سیرت اور سیاست کو، جو صحیفہ کاملہ کے مطالعہ سے واضح ہوتی ہے، پیش نظر رکھا جائے ـــــ ہم گزشتہ صفحات میں مختلف مقامات پر ان روحانی تحریکوں کا ذکر کر چکے ہیں، جن کا سرچشمہ سید سجاد کی ذات تھی۔ انھوں نے روحانی تباہی، اخلاقی پستی، دینی بے حسی اور ضمیر فروشی و دنیا طلبی کے اس مکروہ ترین دور میں کس طرح اسلام، قرآن، توحید اور روحانیت کی حقیقی اقدار کو زندہ رکھا اور کس عزم و استقلال کے ساتھ محمدؐ و آل محمدؐ کی تعلیمات کی اشاعت فرماتے رہے۔ مجملاً اس بارے میں کچھ عرض کیا جا چکا ہے۔ لیکن امام کی سیرت طیبہ کا سب سے بڑا پہلو آپ کی سیاست ہے جس کو اس سلسلے میں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے!

تاریخی شعور کے فقدان اور سیرت محمدؐ و آل محمدؐ کے عدم استقصاء اور سیاست اہل بیت سے عدم واقفیت کے باعث، یہ بھی غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے کہ واقعۂ کربلا کے بعد امام زین العابدین اور ان کے جانشین زاویہ نشینی اور دنیا سے بے تعلقی پر قانع ہو گئے تھے جس کے سبب اصلاح و ارشاد کی روحانی تحریک بہت محدود اور سست ہو کر رہ گئی تھی۔ بے شک عامۃ الناس کا یہ گمان اس حد تک ضرور درست ہے کہ حسین اور ان کے انصار کی دردناک شہادت۔ اہل بیت کی اسیری اور خلفائے بنی امیہ کے سیاسی اقتدار میں عترت رسولؐ پر طرح طرح کی پابندیوں کے باعث امام زین العابدین نے دنیا کی عام نگاہوں سے کنارہ کش ہو جانا ہی قرین مصلحت سمجھا تھا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ ہجوم آلام و مصائب نے حسین بن علی کے اس صاحب عزیمت فرزند اور سفینۂ آل محمدؐ کے اس بلند نظر اور متوکل علی اللہ ناخدا کی ہمت کو پست اور عزم و استقلال کو متزلزل کر دیا تھا، بلکہ اس کے برخلاف واقعہ یہ ہے کہ کربلا کے حادثۂ کبریٰ کے بعد جس پیغمبرانہ عزیمت، روحانی استقامت اور الٰہی سیاست کے ساتھ امام نے اپنے خانوادۂ مقدس کی (اور بالفاظ دیگر اسلام کی) روحانی تحریکات اور تعلیمات کو جاری رکھا اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور ایک باشعور انسان اس نتیجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اگر شہادت حسین کے بعد علی بن الحسین یہ سیاسی رویہ اختیار نہ کرتے تو ممکن تھا کہ رسولؐ کے نواسے کی بے مثال قربانی سے جو روحانی نتائج مرتب ہونے جاتے تھے، ان میں تاخیر واقع ہو جاتی۔ ـــــ لیکن سید سجاد کی روحانی بصیرت، اخلاقی تنظیم اور روح پرور سیاست نے اس مشن کو زندہ رکھا جس کی تاسیس و ترویج میں رسولؐ اسلام نے ہر قسم کے مصائب جھیلے تھے اور جس کے احیائے ثانیہ کے لیے آپ کے پدر بزرگوار نے وادی نینوا میں ہولناک قربانیاں پیش کی تھیں۔

صحیفہ کاملہ کے مطالعہ و تفحص سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ امام زین العابدین نے بنی امیہ کے سیاسی اقتدار کے بدترین دور میں اصلاح امت اور قیام دین کے لیے کیسا نادر نفسیاتی طریقۂ تبلیغ و تعلیم اختیار کیا تھا! اس سے قبل احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے میدان جنگ میں وہ سب کچھ کیا جا چکا تھا جو شہیدان حق سے ممکن تھا اور جس کے لیے وہ مامور کیے گئے تھے۔ ان کی قربانیوں اور حق کوشیوں نے دنیائے اسلام کی رائے عامہ کو بیدار کر دیا تھا اور کم سے کم یزیدیت کے لیے دنیا میں منہ چھپانے کی کوئی جگہ باقی نہیں رہی تھی۔ امام زین العابدین نے ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے قیام حق کے لیے وہ طریقے اختیار کیے جو اس عہد میں نہ صرف مصالح وقت کے لحاظ سے حد درجہ مناسب بلکہ اصلاح و ارشاد امت کے سلسلے میں بڑے دیرپا اور دوررس اثرات رکھتے تھے۔ جب ہم امام موصوف کی زندگی کے اس پہلو کا جائزہ لیتے ہیں تو ان کی

اعلیٰ سیاسی بصیرت۔ بے نظیر نفسیاتی طریق تعلیم اور روحانی تطہیر کی ہمہ گیر سیاست پر ایمان لانا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں سید سجاد کی دعائیں قدم قدم پر ہماری رہ نمائی کرتی ہیں۔

امام زین العابدین کے سیاسی تدبر کا یہ پہلو اپنا جواب نہیں رکھتا کہ فراعنۂ بنی امیہ کے عہد ظلم و جور میں جب کہ آپ کا اور آپ کے مخصوص کا وجود حکومت کی نگاہ میں ہر وقت اس لیے کھٹکتا رہتا تھا کہ کہیں یہ لوگ اچانک شہدائے کربلا کا انتقام لینے کے لیے نہ اٹھ کھڑے ہوں، ہم شکل متضاد قسم کے فرائض اور ذمہ داریوں سے بڑی کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے۔۔۔۔ اس وقت ایک طرف تو آپ کا سب سے بڑا اور اہم فریضہ یہ تھا کہ خود اپنے آپ کو اور ان مٹھی بھر حق پرستوں کو جو اس جبر و تشدد کے دور میں بنی امیہ کی تلواروں کے سایہ میں رہنے کے باوجود حق گوئی پر قائم تھے، قتل و خون سے محفوظ رکھیں تاکہ وہ سینے جو صحیح اسلامی نظریات کے حامل ہیں خاک میں مل جانے سے بچے رہیں اور تبلیغ و تلقین حق کے امکانات اور امیدیں منقطع نہ ہو جائیں ۔۔۔ اور دوسری طرف ان تعلیمات و نظریات کی عام اشاعت بھی آپ ہی کے ذمہ تھی جس سے بنی امیہ کی غلط اور فاسد تحریکات کا قلع قمع ہوتا رہے اور امت محمدیہ گمراہی کے عمیق غار میں نہ گرنے پائے ۔۔۔ امام ان دو نوں دشوار گزار منزلوں سے نہایت سلامت روی کے ساتھ گزرے اور کبھی ایسا موقع نہ آنے دیا جس سے حکومت آپ کو مجرم اور باغی قرار دینے میں کامیاب ہو جائے۔

ان حالات کا بڑا نازک رخ یہ تھا کہ آپ سیرت محمدیہ اور سیاست الٰہیہ کے پابند ہونے کی بناء پر حق گوئی کا دامن چھوڑ کر ایک لمحہ کے لیے بھی حکومت وقت کی مداہنت نہیں فرما سکتے تھے۔ چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ آپ نے اپنی زندگی کے کسی حصے میں اپنے زمانے کی حکومت جور سے تعاون کا اعلان نہیں کیا۔ مگر اپنے خاندانی علوم و ارشادات کی اشاعت اور فرائض زہد و تقویٰ کی ادائگی سے ایک ساعت کے لیے بھی غافل نہ ہوئے اور دعاؤں کے پردے میں شریعت الٰہیہ کی ایسی خاموش تبلیغ کرتے رہے جسے دیکھ کر حکومت وقت یہ محسوس تک نہ کر سکی کہ یہ اس کے مقاصد و نظریات کے خلاف کوئی کارگر جد و جہد کی جارہی ہے۔ گویا امام کے ان دعائیہ کلمات نے بنی امیہ کے داناؤں کو اندھا کر دینے میں بالکل وہی اعجاز دکھایا جو ان چند کنکریوں نے دکھایا تھا جو حضورؐ نے شب ہجرت بیت الشرف سے باہر تشریف لا کر ان کفار مکہ کی طرف پھینک دی تھیں جو ننگی تلواریں لیے ہوئے کھڑے تھے اور ان کے اثر سے وہ آنحضرتؐ کو گھر سے باہر نکل کر جاتے ہوئے نہ دیکھ سکے تھے۔

بایں ہمہ بجائے خود بنی امیہ کی پوری کوشش یہی تھی کہ وہ کربلا کے ادھورے کام کی تکمیل ۔۔۔ یعنی نسل علی و فاطمہ کا خاتمہ ۔۔۔ کر دیں تاکہ پھر ان کے باطل اقتدار سے ٹکرانے والی کوئی امکانی طاقت دنیا میں باقی نہ رہے۔ چنانچہ یہ قسی القلب حکمراں امام زین العابدین اور آپ کے اعزہ و انصار کو قتل کرنے کے لیے ہمیشہ کسی نہ کسی بہانے کی تلاش میں رہتے تھے۔ امام زین العابدین کو حالات کی نزاکت کا بخوبی اندازہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ علی و فاطمہ کی بقائے نسل اور تعلیمات محمدیہ کے استقرار کے لیے ان کی اپنی سلامتی کتنی ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے مادی تصادم کے بجائے ۔۔۔ جس کا نتیجہ بنی امیہ کی عین مرضی کے مطابق نکلتا یعنی بیت الشرف رسالت کی یہ شمع ہدایت بھی بجھ جاتی ۔۔۔ محض روحانی جہاد کیا اور نہایت درجہ ایمانی فراست و احتیاط اور دینی عزم و استقلال کے ساتھ اپنی تبلیغی مہم جاری رکھی۔ چنانچہ بنی امیہ کے جابر حکمراں روحانی اقتدار کے میدان میں ایک لمحہ بھی آپ کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ اور اگرچہ وہ اپنی زبان سے ہر قسم کی قیادت و امامت کا دعویٰ کرتے رہے۔ مگر امت میں کسی ایک فرد نے بھی ان کے روحانی اقتدار کو کبھی اعتراف نہ کیا۔ جیسا کہ ہشام بن عبدالملک کے واقعۂ حج

میں اس موضوع پر روشنی ڈالی جا چکی ہے)۔

امام کی سیاسی بصیرت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے بنی امیہ کے عہد میں خود بنی امیہ کے خلاف صحیح اسلامی اخلاق اور روحانی اصلاح کی تحریک جاری رکھی اور وقت کے نازک مزاج، مغرور اور حیلہ طلب حکمران ان پر کسی مخالف سازش کا الزام نہ لگا سکے۔ یہ امام زین العابدین کی مذکورہ بالا سیاست ہی کی بے پناہ طاقت تھی جس نے چند روز میں کل دنیائے اسلام کے قلوب کو بنی امیہ سے متنفر کر دیا اور بہت زیادہ زمانہ نہ گزرا تھا کہ یہ نفرت پوری طرح رنگ لائی اور بنی عباس کے مدعیان خلافت نے اس خاندان کا اس طرح نام و نشان مٹا دیا کہ شاید ہی تاریخ میں کسی فاتح جماعت نے کسی مفتوح خاندان کے ساتھ ایسا منتقمانہ اور کینہ توزانہ سلوک روا رکھا ہو۔ بنی عباس نے چن چن کر نہ صرف مروان بن الحکم کی اولاد اور دوسرے اموی افراد کا خاتمہ کیا، جن کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچی، بلکہ دمشق کے حکمرانوں کی ہڈیاں تک قبروں سے نکال کر جلا ڈالیں۔[1] آج دنیائے اسلام میں کہیں نہ کہیں ہر عرب قبیلے کے باقیات موجود ہیں، البتہ ابوسفیان اور مروان کی نسلیں ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتیں ـــــ

لیکن سید سجاد کی نسل موسم بہار کے شاداب پودوں کی طرح پھلی پھولی۔ دمشق جس خاندان کو فنا کرنے کے درپے تھے، اس نے دنیائے اسلام کے چپہ چپہ میں اپنی عظمت کے سکے جما دیئے ـــ آج امام زین العابدین کی مقدس نسل کی طرح ان کی بے مثل تعلیمات بھی اپنی اصلی شکل و صورت میں موجود ہیں اور تحریف و قیاس کی کوئی قینچی ان تعلیمات کے اصولی اور بنیادی نکتوں میں قطع و برید نہیں کر سکی ہے ـــ یہ ہے امام زین العابدین کی سیاسی بصیرت اور ان کے وضع کردہ طرز تعلیم و تبلیغ کا معجزہ۔ کہ ضلالت و عصیان کے طوفان آئے اور گزر گئے لیکن آپ کے سفینۂ ارشاد و ہدایت کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ ورنہ دشمنوں نے تو کربلا کے میدان میں نہ صرف حسین اور ان کے اعزہ و انصار کا بلکہ اپنے خیال سے دین محمدیہ اور شریعت الٰہیہ ہی کا خاتمہ کر دیا تھا۔

ـــــــــــــــــــ

[1] یہ یقیناً قدرت کا وہ انتقام تھا جو وہ اس فاسق و فاجر خاندان سے لینا چاہتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ بنی امیہ پر عذاب الٰہی سفاح، منصور اور ابومسلم خراسانی کی شکل میں نازل ہوا اور [illegible] ازلی وعید پوری ہو گئی جو سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون کے الفاظ میں زبان وحی نے ادا کی تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ مروان الحمار کی شکست کے بعد دنیائے اسلام میں جہاں جہاں خاندان بنی امیہ کے افراد پائے گئے، یا فاتح فوجوں کے سپاہیوں نے ان کا خاتمہ کر ڈالا اور یا مقامی آبادی نے ان کی سابقہ حرکات کے پیش نظر ان کا نام و نشان مٹا دیا بلکہ انتقام غیبی کی ہمہ گیری دیکھیے کہ عباسیوں کے دست ظلم سے بچنے کے لیے بنی امیہ کے بقیۃ السیف افراد نے اسپین (اندلس) میں پناہ لی تھی۔ وہاں پھر انھیں قدرت نے تلافی مافات کا موقع دیا۔ ایک مرتبہ پھر اموی اقتدار دنیا کے اس گوشے میں پوری شان و شوکت کے ساتھ نظر آنے لگا۔ مگر چونکہ سیرتیں مسخ ہو چکی تھیں لہٰذا یہ معذب جماعت پھر عذاب میں مبتلا ہوئی اور اسپین کے مسلم اقتدار کی یہ شمع بھی عیسائیوں کے ہاتھوں بجھ گئی۔ اس واقعہ کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اسپین کے اموی خاندان کی تباہی کے طوفان میں وہاں کے لاکھوں مسلمان بھی غرق ہو گئے یہ ان ہی کے رنگ میں ڈوب چکے تھے۔ اور اس طرح آج دنیا بھر میں اس نسل کا کوئی نام لیوا بھی باقی نہیں رہا۔

یہ ہے امام زین العابدینؑ کی ازلی و ابدی سیاست الٰہیہ کا ایک پہلو ـــــ جس سے بیک وقت چھ اہم دینی و دنیوی مقاصد اثر پذیر ہوئے یعنی

- اسلام کی صحیح تعلیمات دنیا تک پہنچانا۔
- بنی امیہ کے مخالف اسلام نظریات کا قلع قمع کرنا۔
- حال و مستقبل میں اس اہم فریضہ کی انجام دہی کے لیے اپنی اور اپنے مخلصوں کی ہستی کو بہانہ جو حکومت کی تلوار کی دھار سے بچائے رکھنا۔
- مگر اس مقصد کے لیے کسی بھی حال میں، حتیٰ کہ جان بچانے کے لیے بھی، بنی امیہ کی حکومت جور سے مداہنت کے ساتھ پیش نہ آنا اور ہمیشہ ان کی خلاف اسلام تحریکوں میں عدم تعاون کے اصول پر قائم رہنا۔
- اپنے مخلصانہ اور مبنی بر حقانیت طرز عمل سے رائے عامہ کو بنی امیہ کے خلاف ہموار کرنا اور عوام کے دلوں میں اسلام اور سچے مسلمانوں کی عظمت اور محبت پیدا کرنا۔
- اور ان تمام منزلوں میں کسی بھی قدم پر کسی سطحی سیاسی مفاد کے لیے صداقت اور انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

لیکن آپ کی سیاسی جدوجہد محض ان ہی چند باتوں تک محدود نہیں تھی بلکہ ضرورت وقت اور تقاضائے حالات کے پیش نظر کچھ اور بھی اہم ترین فریضے انجام دینا تھے۔ مثلاً یہ کہ ضلالت کی امڈتی ہوئی آندھیوں اور گمراہی کے مچلتے ہوئے طوفانوں کی رو میں یہ بات کچھ بعید نہ تھی کہ بہت سے وہ نیک بندے بھی غیر ارادی اور لاشعوری طور پر تحریکات باطلہ سے متاثر ہو جائیں جن کا ضمیر ابھی احساس حق کی راہ میں مردہ اور جن کا نفس ارتکاب معاصی پر جسور نہیں ہوا تھا ـــــ جیسا کہ بار بار کہا جا چکا ہے کہ اس دور میں یہ کسی طرح بھی ممکن نہ تھا کہ امام یا کوئی اور شخص علانیہ طور پر تبلیغ حق کا بیڑا اٹھائے اور حکومت کی تلوار سے بچا رہے ـــــ اس لیے یہ مقصد بھی کسی ایسے سیاسی اقدام ہی سے حصول پذیر ہو سکتا تھا جسے عام دنیا پرست نگاہیں محسوس نہ کر سکیں۔ چنانچہ امام کی سیاسی بصیرت نے اس کے لیے بھی بہترین راہ نکال لی ـــــ یہ وہی راہ تھی جسے آج تیرہ سو برس کے بعد مسلمانوں نے اپنانا شروع کیا ہے مگر ابھی پوری طرح نہیں اپنا سکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ سالانہ قومی تقریبات کے موقع پر ملکوں ملکوں کے زعماء نے اپنے سیاسی بیانات کے دوران یہ کہنا شروع کیا ہے کہ آج کی مبارک تقریب میں ہمیں اپنے گزشتہ سال کے اعمال کا جائزہ لینا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ ہمیں کیا کیا کرنا تھا جو نہ کر سکے اور کیا کیا نہ کرنا تھا جو کر گزرے۔ اس جائزہ اعمال کا سیاسی فائدہ اس چودھویں صدی ہجری میں اتنا اہم سمجھا گیا ہے کہ سال کے سال نہ صرف ہماری قوم بلکہ کل اقوام عالم کی عظیم شخصیتیں، اپنے خواص و عوام کو جائزہ اعمال کی تلقین و ہدایت کرتی ہیں اور اس کے خاطر خواہ نتائج بھی بیداری اور ارتقاء کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں ـــــ امام زین العابدینؑ نے یہی طریقہ مسلمانوں کو تیرہ سو برس پہلے تعلیم دیا تھا اور یہی آپ کا وہ انقلاب انگیز سیاسی حربہ تھا جس کے موثر اور کامیاب ہونے کے آثار آج ہمیں بنی امیہ کے وضع کردہ نظریات کے خاک میں مل جانے اور صحیح اسلامی اصول کے کل عالم پر چھا جانے کی صورت میں نظر آتے ہیں۔

محاسبہ نفس کے فوائد کی اہمیت کا اندازہ ہم قدم قدم پر اپنی روزمرہ کی زندگی میں کر سکتے ہیں ـــــ ایک تاجر اگر ہر روز تمام کاروبار سے فراغت کے بعد جب بستر پر سونے کے لیے لیٹے اور وہ اپنے نفس سے محاسبہ کرے کہ آج اس نے کس کس گاہک سے زیادہ نفع وصول کیا اور کیا کیا چیز محض نفع اندوزی کے خیال سے کسی ضرورت مند گاہک سے چھپا رکھی (وغیرہ وغیرہ) اور اس طرح اس نے خدا اور رسولؐ کے احکام اور

انسانیت کے اصول کی خلاف ورزی کی تو یقیناً ایک نہ ایک وقت اس کا ضمیر اسے اس کے طریق پر مذمت کرے گا اور آج نہیں تو کل اُسے اپنے رویّہ میں تبدیلی کرنے پر مجبور کر دے گا اور اس طرح ایک بہت بڑے سلسلہ جرائم کا خاتمہ ہو جائے گا ــــــ ایک مزدور یا ملازم اگر روزانہ سوتے وقت اپنے نفس سے یہ سوال کرے کہ اس نے اپنے اوقات کار کا کس قدر حصّہ آج بے کاری اور سستی میں گزارا ہے اور اس کام کو پوری طرح انجام نہیں دیا ہے جس کی اس نے اُجرت وصول کی ہے اور اس طرح وصول کیے ہوئے پیسے کا استعمال اس کے لیے جائز نہیں ہے تو یقیناً ایک وقت ایسا آجائے گا کہ اُسے اس کا نفس پوری محنت اور توجہ سے کام کرنے پر مجبور کر دے گا اور اس طرح وہ بہت بڑی بد دیانتی کے پنجہ سے چھوٹ جائے گا ــــــ ایک کارخانہ دار اگر اپنے دن بھر کے کاموں کا جائزہ لے اور تھوڑی دیر کے لیے یہ سوچے کہ اُس نے آج کس مزدور پر بے جا سختی کی ہے جو اسے نہیں کرنا چاہیے تھی اور کس اجیر کو اس کا جائز حق نہیں پہنچایا ہے جو کہ اسے پہنچا دینا چاہیے تھا، تو یقیناً ایک نہ ایک وقت اس کی فطرتِ انصاف پسندی اُبھر کر رہے گی اور اس کے نتیجے میں مزدوروں اور کارخانہ داروں کے بہت سے اختلافات ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے ــــــ ایک حاکم بااختیار اگر رات کے اندھیرے میں تصوّر کی شمع لے کر اپنے دفتر کے فائلوں کو ٹٹولے اور اپنے نفس سے یہ سوال کرے کہ جس کام پر وہ مامور ہے اور جس کا معاوضہ اسے ماہ بماہ حکومت کی جانب سے دیا جاتا ہے، اس کی انجام دہی کے لیے اس نے جو رقم کسی ضرورت مند سے حاصل کر لی ہے اس کا حصول اس کے لیے اخلاقاً، شرعاً، قانوناً کسی بھی صورت سے جائز نہیں تھا اور جس بندۂ خدا کا کام اس نے محض اس وجہ سے انجام نہیں دیا کہ وہ بے چارہ اسے مطلوبہ نذرانہ دینے پر قدرت نہیں رکھتا تھا اور اس طرح اس نے ایک انسان کو اس کے جائز حق سے محروم کر دیا ہے تو یقیناً کسی نہ کسی وقت اس کی رگِ انسانیت پھڑک اٹھے گی اور وہ رشوت ستانی اور جنبہ داری کے مہلک امراض سے نجات حاصل کرے گا۔

غرض کہ یہ محاسبہ نفس ہی ہے جو کہ بُرائیوں کی بیخ کنی اور اچھائیوں کی تخلیق کرتا ہے ــــــ یہی وجہ ہے کہ نفسیات جدیدہ اور علم الاخلاق کے علماء کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ اگر افراد میں جائزہ نفس کا داعیہ پیدا کر دیا جائے تو پھر ان کی روحانی اصلاح اور اخلاقی بحالی بہت آسان ہو جاتی ہے۔ اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود اپنے پر تجربہ کر کے دیکھیے۔ اگر آپ اپنے نفس کی گھات میں لگے رہیں۔ اپنی کمزوریوں کا جائزہ لیتے رہیں۔ اپنی خام کاریوں اور غلط اندیشیوں سے متنبہ ہوتے رہیں تو آپ اپنے فاسد نفس سے آگاہ ہو کر رفتہ رفتہ اور خود بخود اپنی اصلاحِ ذات پر آمادہ ہو جائیں گے پھر آپ کو کوئی طاقت ارتکاب شر پر نہیں ابھار سکتی اور نہ آپ اپنے ضمیر و ایقان کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں ــــــ اموی خلافت کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ لوگ محاسبہ نفس سے غافل رہیں اور ایک ایسی قوم وجود میں آئے جس کا نہ کوئی ضمیر ہو نہ ایمان، جو ہر شر کو خیر اور ہر خیر کو شر قبول کر لینے پر بخوشی آمادہ ہو۔ کیونکہ صرف اسی طرح بنی امیہ کے باطل دعادی اور ان کے غیر اسلامی اقتدار کو قبول اور انھیں نائب رسول سمجھ کر مُطاع و مولا تسلیم کیا جا سکتا تھا ــــــ امت میں محاسبہ نفس کا داعیہ اور امتیازِ خیر و شر کا رجحان پیدا کرنے کے لیے، جو عظیم اور بے مثال کوشش امام زین العابدین نے صحیفۂ کاملہ کی دعاؤں میں کی ہے، یہ اسی کا ادنےٰ اثر تھا کہ خود یزید بن معاویہ کے ولی عہد معاویہ بن یزید نے محاسبۂ نفس کے دوران اپنے ضمیر کی ملامت اور بعض ذہن سے مجبور ہو کر خلع خلافت کا اعلان کر دیا۔ سیاست عابدیہ کی اس سے زیادہ کامیابی اور کیا ہو سکتی تھی کہ ان کے پدر بزرگوار کے قاتل کا بیٹا ضمیر کی مار سے مجبور ہو کر اتنی بڑی سلطنت سے دست بردار ہو جائے اور برسرِ منبر اپنے باپ دادا کی باطل پرستیوں اور آلِ محمدؐ کی حق کوشیوں کا اعتراف و اظہار کرے۔

امام زین العابدین جب شہادت حسینؑ کے بعد منصب ارشاد و ہدایت کے ذمہ دار ٹھہرے، تو یہ ایسا تاریک وقت تھا جس میں مسلمانوں کے ضمیر بالکل مردہ ہو چکے تھے اور محاسبہ نفس کے جوہر سے تقریباً بالکل محروم ہو گئے تھے۔ حضرت نے صحیفہ کاملہ کی دعاؤں میں اس تحریک کو بیدار کر کے، امت کے ضمیر کو جگانے اور امتیاز خیر و شر کے جوہر کو نکھارنے میں اپنی تمام قوت صرف کر دی۔ آپ نے آل محمد کے اصول اور ان کی غیر فانی سیاست کے مطابق اس سلسلے میں بڑے خلوص کے ساتھ اپنی عملی مثال پیش کی۔ صحیفہ کاملہ کی کتنی دعائیں ایسی ہیں جن میں امام نے خدا کے ایک عبادت گزار بندے کی حیثیت سے اپنے نفس کا محاسبہ اور اپنے ضمیر کا جائزہ لیا ہے اور اس طرح مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ ہر روز واجبات و نوافل سے فراغت کے بعد اس اسوۂ حسنہ کی تقلید و تاسی کو اپنا شعار بنائیں۔ امام زین العابدین نے ان مناجاتوں میں ان فرائض کا ذکر فرمایا ہے، جو انسان پر بہ حیثیت ایک عبد کے عائد ہوتے ہیں اور پھر ایک ایک کر کے نفس انسانی کی کمزوریوں کو گنایا ہے۔ ارشاد و ہدایت کا یہ وہ جدید ترین طریقہ ہے جس پر آج کل ترقی یافتہ ممالک میں عمل ہو رہا ہے۔ جس شخص میں اعتراف نقائص کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے، پھر اس کا گمراہ ہونا تقریباً ناممکن ہے۔ کیوں کہ انسان اپنی غلط کاریوں کا اعتراف ہی اس وقت کرتا ہے جب وہ انھیں غلط کاری تسلیم کر لیتا ہے۔ آپ صحیفہ کاملہ کی ادعیہ کو اس نقطۂ نظر سے پڑھیں تو آپ کو ان دعاؤں، ان مناجاتوں اور ان فریادوں کی سیاسی اہمیت و عظمت کا اندازہ ہو گا۔ تاریخ گواہ ہے کہ پہلی صدی دوسری صدی ہجری کے عہد ظلمت میں، سید سجاد نے اپنی پرسوز دعاؤں کے ذریعہ وہ چراغ روشن کیا تھا، جو نہ صرف ان تاریک صدیوں میں روشن رہا بلکہ ہر عہد اور زمانے میں سعید روحوں کی رہنمائی۔ باطل سے حق، شر سے خیر اور ظلمت سے نور کی طرف کرتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عہد استبداد میں، جس کے خد و خال آپ دیکھ چکے ہیں، نہ صرف تبلیغ حق کا بلکہ حق پرستوں کے ضمیر کو زندہ رکھنے اور منصف مزاج ارباب باطل کے احساس کو جھنجھوڑ کر قبول حق کے لیے ان کے دلوں کو نرم کرنے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ ہی نہ تھا۔

اسلام کی صحیح تعلیمات کے خلاف بنی امیہ کے معاندانہ طرز عمل کے پیش نظر سب سے مشکل فرض جو امام زین العابدین پر اس دور ظلم و جور میں عائد ہوتا تھا، وہ مسلمانوں کی مجاہدانہ روح برقرار رکھنے اور فنون جنگ میں ان کی تربیت کا سوال تھا۔ یہ مسئلہ جتنا کہ ضروری اور اہم تھا، اتنا ہی ناممکن العمل بھی تھا۔ کیوں کہ مروانی حکومت کا دور بنی ہاشم کے لیے مادی جہاد کے نقطۂ نگاہ سے (جیسا کہ وضاحت کی جا چکی ہے) کسی طرح سازگار نہ تھا۔ لیکن تمام تر مجبوریوں اور پابندیوں کے باوجود امام اپنے فرائض کو پس پشت نہیں ڈال سکتے تھے، جو دفاع و جہاد کے نتیجہ کے سلسلے میں آپ کے ذمہ تھے۔ چونکہ شریعت اسلامی کا نظریہ اس کا مقتضی تھا کہ جہاد درپیش ہو یا نہ ہو، مگر مجاہدین کی دفاعی اسپرٹ اور ان کی مجاہدانہ روح کو بہر صورت برقرار رکھا جائے۔ تاکہ دشمن انھیں غافل پا کر حملہ نہ کر بیٹھے اور یہ بھی کہ جب موقع آئے تو وہ حریف پر بھرپور ضرب لگا سکیں۔

سیاست کے ماہرین غور کریں اور بتائیں کہ ایک مٹھی بھر انسانوں کی جمعیت جو چاروں طرف سے ظالم و جابر ماحول میں پھنسی ہوئی ہو — جس کا قائد و رہبر اپنے گھر کے بچہ بچہ کو خاک و خون میں لوٹتے ہوئے دیکھ چکا ہو — اور خود اپنی ماں بہنوں سمیت بازاروں اور درباروں میں تشہیر کیا جا چکا ہو اور پھر ان سب سنگلاخ منزلوں کو ضبط و تحمل کے ساتھ طے کرنے کے بعد ان ہی سنگ دل قسائیوں کے نرغہ میں گھرا ہوا ہو، تو کیا اس مجبور اور بے بس انسان کے لیے اس بات کا کوئی امکان ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کو ان پیچ در پیچ چالوں سے بچنے کی تدابیر بتائے جو دشمن میدان جنگ میں اپنے حریفوں کو پچھاڑنے کے لیے کیا کرتے ہیں؟ اور کیا وہ اپنے دوستوں کو فوج مخالف کے مقابلے پر جم کر لڑنے کی

تلقین و ہدایت کرسکتا ہے؟ — اور کیا انھیں جنگ کے نشیب و فراز سے آگاہ کرکے حریف کو پست کرنے اور خود فتح یاب ہونے کے اصول و فنون کی تربیت دے سکتا ہے؟ — ہرگز نہیں! یہی وہ مقام ہے جہاں دنیاوی سیاست کے ماہرین کی عقلیں سوائے اس کے کہ حیرت زدہ اور مایوس ہو کر رہ جائیں، کوئی مؤثر اور ٹھوس قدم نہیں اٹھاسکتیں۔

امام زین العابدین کی سیاست کا صحیح مرتبہ، اسی منزل میں پہنچ کر نظر آتا ہے۔ جہاں متعصب سے متعصب دشمن کو بھی یہ دیکھ کر آپ کی سیاسی بصیرت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان نامساعد حالات میں بھی آپ نہیۂ جہاد کی طرف سے ایک لمحہ کے لیے غافل نہیں ہوئے اور بالآخر توفیق ایزدی سے ایک ایسا موقع نکل آیا جس میں آپ نے اپنے دوستوں کو (اور قیامت تک کے مسلمانوں کو) میدان جنگ سے متعلق وہ تمام اصول تعلیم دے دیے جن پر فتح و شکست کا انحصار ہوتا ہے چنانچہ ہمیں صحیفۂ کاملہ میں آپ کی ایک دعا نظر آتی ہے جس میں آپ نے اپنے معبود سے، کفار کے نرغہ میں گھرے ہوئے سرحد کے مسلمانوں کی کامیابی کے لیے التجا کی ہے اور اس التجا کے دوران عرض کیا ہے کہ:

"— اے پالنے والے! تو اہل سرحد کو حملہ کفار کے دفاع کے لیے ایسا ایسا کرنے کی ہمت دے — اور میدان جنگ میں اپنے حملہ کو مؤثر بنانے کے لیے یہ یہ تدابیر ان کے دلوں میں ڈال دے — اور دشمن کو منتشر کرنے کے لیے انھیں اس اس طریقہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عنایت کر — اور دشمن کے حملہ کو بے اثر اور ناکام قرار دینے کے لیے انھیں ایسا ایسا کرنے کی ہدایت فرما۔"

اس دعا کے مطالعہ سے دفاع و جہاد کے جو اصول مرتب ہوتے ہیں اور دشمنان اسلام سے حرب و ضرب کا جو ولولہ اور جذبہ ابھرتا ہے اور مجاہدین کے ساتھ قائدین کو جو دلی ہمدردی پیدا ہوتی ہے، اس سے نہ صرف اس دور کے مسلمانوں کی جنگی صلاحیتوں کا احیاء ہوا بلکہ بعد میں آنے والے مسلمانوں کے لیے بھی طرز جہاد کا ایک دوامی خاکہ تیار ہوگیا جس کی اساس پر وہ حسب ضرورت بڑی بڑی لڑائیوں کا پروگرام بنا سکتے ہیں۔

ذیل میں اس دعا کے چند فقرے درج کیے جاتے ہیں، جنھیں آج بھی، جب کہ اسلحہ اور میدان کا طریقہ بالکل تبدیل ہوچکا ہے، جنگ و جدل کے موقع پر بنیادی اصول کی حیثیت حاصل ہے۔

امام اپنے معبود سے دعا کرتے ہوئے مسلمانانِ سرحد کے حق میں التجا کرتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| ★ اشحذ اسلحتهم | (اے معبود) ان کے ہتھیار تیز کر |
| ★ الّف جمعهم | ان کے گروہ میں ایک کو دوسرے کی الفت دے |
| ★ واتر بين ميرهم | ان کی رسد پے در پے پہنچا |
| ★ اعنهم بالصبر | صبر و سکون سے جنگ کرنے میں ان کی مدد کر |
| ★ الطف لهم في المكر | ان کے فائدے کے لیے لطیف تدبیر کر (یعنی انھیں اس بات کا شعور دے کہ وہ دشمن کی مکاریوں کا جواب لطیف تدابیر سے دیں) |

———

★ علمهم ما لا يعلمون و بصّرهم ما لا يبصرون

جو کچھ وہ نہیں جانتے وہ انھیں بتا اور جو کچھ انھوں نے نہیں دیکھا وہ انھیں دکھائے (یعنی دشمن کے لشکر۔ اسلحہ۔ پڑاؤ۔ کمین گاہ۔ کمک۔ رسد اور میدان کارزار سے متعلق تمام باتوں کا علم انھیں عنایت کر اور ان میں سے جو چیز انھوں نے نہیں دیکھی وہ انھیں دکھائے)

یہ کلمات امام نے میدان میں پہنچنے سے پہلے کی تیاری جنگ کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں۔ جن سے معمولی عقل اور سمجھ کا انسان بھی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ میدانِ جنگ سے پہلے مجاہدوں کو حسب ذیل تیاری کرنا ضروری ہے:۔

وہ اپنے ہتھیاروں کو تیز کر کے بالکل کیل کانٹے سے لیس ہو جائیں۔
باہمی اختلافات کو یکقلم ختم کر کے ایک دوسرے پر جان چھڑکتے ہوں۔
رسد، پے در پے اور مسلسل پہنچتی رہنے کے انتظامات ہر طرح مکمل کرنے کے بعد میدان کی طرف قدم اٹھائیں۔
صبر و سکون سے جنگ کرنے کے لیے بڑھیں۔ یہ نہیں کہ جلد بازی اور جوش میں ادھوری تیاری کر کے چل کھڑے ہوئے۔
جسمانی قوت اور طاقت کا مظاہرہ کرنے والے اور فنون جنگ سے واقفیت رکھنے والے جوانوں کے علاوہ ایک ایسی جماعت بھی مجاہدوں کے ساتھ ہو جو حریفوں کی مکاری کا جائزہ لے کر اس کے خلاف تدابیر سوچ سکے اور ان تدابیر کو نہایت عزم و احتیاط سے عملی جامہ پہنایا جائے۔
میدان سے پہلے، دشمن کے لشکر اور اس کی تیاری سے متعلق ہر بات کا علم حاصل کر لیا جائے اور میدانِ کارزار کا پورا نقشہ سامنے ہو۔

تیاری جنگ کے لیے یہ اور اسی قسم کی دوسری ہدایات کے بعد میدانِ جنگ میں صف آرا ہونے کے متعلق فرماتے ہیں:۔

★ انسهم عند لقائهم العدو ذكر دنياهم الخداعة الغرور

(الٰہی) جس وقت وہ دشمن کے سامنے پہنچیں تو انھیں فریب دینے والی دھوکہ باز دنیا کی یاد بھلا دے۔

★ وامحُ عن قلوبهم خطرات المال الفتون

ان کے دلوں سے فریفتہ کرنے والے مال کے خیالات کو مٹا دے۔

★ واجعل الجنة نصب اعينهم حتى لا يهمّ احدٌ منهم بالادبار

جنت کو ان کا نصب العین بنا دے تاکہ ان میں سے کوئی ایک بھی میدان جنگ سے منہ پھیرنے کا عزم نہ کرے۔

دعا کے ان کلمات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مجاہدوں کو جنگ کی آگ میں کود پڑنے کے بعد دنیا اور دنیا کے مال و منال کو بالکل بھلا کر ان کا واحد نصب العین یہ ہونا چاہیے۔ وہ صرف اسی جذبہ کے تحت جنگ کرنا چاہیے کہ جنت سامنے ہے مارے گئے تو شہید ہو کر اسی میں جانا ہے اور اگر زندہ رہ گئے تو پھر بعد الموت یہی ٹھکانا ہے۔

آگے چل کر ان تدابیر کی جانب اشارہ فرماتے ہیں جن سے دشمن کی پسپائی آسان ہو جائے گی۔ دعا کا یہ حصہ تقریباً کُل کا کُل ان مدبّرین سے متعلق ہے، جن کا دشمن کے خلاف دماغی جنگ کرنے کے لیے مجاہدوں کے ہم رکاب ہونا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں:

★ فَرِّقْ بینهم وبین اَسلحتهم وَ اخْلَعْ وَ شَائِقَ اَفئدتهم

(الٰہی) ان (دشمنوں) کے اور ان کے ہتھیاروں کے درمیان تفرقہ ڈال دے جس سے ان کے دل ٹوٹ جائیں۔

★ باعِدْ بینهم و بین ازودتهم۔

کی رسد کے درمیان دوری کر دے۔

★ وَاقْطَعْ عنهم المداد۔

ان کے اور ان کی کمک کا سلسلہ منقطع کر دے

پھر کچھ اور آگے چل کر دعا کرتے ہیں:۔

★ اللّٰهم اشغل المشركين بالمشركين عن تناول اطرافِ المسلمين۔

الٰہی مشرکوں کو آپس کی لڑائی بھڑائی میں مصروف کر کے مسلمانوں کے علاقے پر قبضہ کرنے سے باز رکھ۔

ان تمام کلمات سے ان تدابیر کی جانب اشارہ مقصود ہے جو دشمن کو مغلوب کرنے کے لیے فوج مجاہدین کے مدبروں کو عمل میں لانا چاہئیں۔

■ میدانِ جنگ میں صف آرا ہونے والے سپاہیوں کی تنظیم اور ہدایات سے فارغ ہونے کے بعد اب امام قائدین کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور یہ بات ذہن نشین کرنے کے لیے ـــ کہ جہاد کے موقع پر جو لوگ میدان میں نہ جا سکیں ان کی دلی ہمدردیاں مجاہدین اور ان کے اہل و عیال کے ساتھ ہونا چاہئیں اور ساتھ ہی ساتھ یہ جذبہ اور رنگ بھی دل میں ہونا چاہیئے کہ اگر موانع نہ ہوتے تو وہ خود بھی میدان میں چلے جاتے ـــ ان الفاظ میں دعا کرتے ہیں:۔

و ایما مسلم خلف غازیا او مرابطا فی داره او تعهد خالفیه فی غیبة اواعانه بطائفة من ماله او امده بعتاد او شحذه علی جهاد اَوْ اتبعه فی وجهه دعوة او رعٰی له من ورائه حرمة فَاجرله مثل اجره۔

جو کوئی مسلمان اپنے گھر میں کسی غازی یا مجاہد کا جانشین ہو یا اس کی غیبت میں اس کے پس ماندوں کی دیکھ بھال کرے اور کچھ مال سے اس کی مدد کرے یا کسی سامان سے اس کی مدد کرے یا اسے جہاد پر اُبھارے یا اس کی راہ میں اس کے پیچھے اس کے لیے دعا کرے یا اس کی عدم موجودگی میں اس کی حرمت کی حفاظت کرے تو اس کو بھی اس (مجاہد) کے ثواب کے برابر ثواب ملے۔

پھر فرماتے ہیں:۔

و ایما مسلم اَهَمَّهٗ امر الاسلام و اهله واحزنه تحزب اهل الشرك علیهم فنوی غزوا اَوْ هَمَّ بجهاد فقعد به ضعف

جب کسی مسلمان کو اسلام کا اور مسلمین کا معاملہ فکر مند کرے اور مشرکوں کا ان پر ہجوم کرنا غمگین کرے پھر وہ جنگ کی نیت کرے یا جہاد کا قصد کرے پھر کمزوری اسے بٹھا دے یا محتاجی اسے دیر میں

اوْ ابطأَت به فَاقة اَوْ اَخر عند حادث او عرض لَه دون اُرادته مَانع فَاكتبْاسمه فى العابدين واوجب لهُ ثواب المجاهدين۔

ڈال دے یا کوئی ناگہانی حادثہ اسے پیچھے ہٹادے اور کوئی رکاوٹ اس کے ارادے کے سامنے آئے تو اس کا نام بھی بندگی کرنے والوں میں لکھ لے اور اس کو مجاہدین کا ثواب عنایت کر۔

ظاہر ہے کہ دعا کے ان چند لفظوں میں جو دور رس سیاسی مضمرات ہیں اور ان کا براہ راست جہاد کی کامیابی پر اور مجبوری کے عالم میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والے مجاہدین کی روح عزم کے احیاء پر جو اثر پڑتا ہے اس کے لامحدود فوائد سے کوئی سیاسی بصیرت رکھنے والا شخص انکار نہیں کر سکتا۔ یہ دعا زیرنظر صحیفہ میں صفحہ ۱۲۲ سے شروع ہوتی ہے۔ اور نہ صرف تزکیۂ نفس اور طہارت باطن کا وسیلہ ہے بلکہ اس نے اموی عہد اقتدار میں ـــ اور اس کے بعد ہر مجبوری و پابندی کے دور میں ـــ محبان علی کی ہمتوں اور حوصلوں کو برقرار رکھنے میں عجب معجزنما طاقت کا اظہار کیا ہے۔ خالص سیاسی نقطہ نظر سے بھی حضرت کا یہ عمل دعا، جو نفسیاتی تبلیغ سے مملو ہے، آپ کی مقدس شخصیت کا ایسا عظیم کارنامہ ہے، جس کی مثال صرف آئمہ اہلبیت ہی کی تاریخ فضائل و کرامات میں مل سکتی ہے۔

# دُعا کیوں اور کس لیے؟

علمائے نفسیات کا بیان ہے کہ انسانی جبلّت اور وجدان میں "تسلیم و سپردگی" کی ایک ایسی کیفیت موجود ہے جو خاص خاص مواقع پر نہیں، ہمیشہ اس کے جذبات اور احساسات پر کارفرما رہتی ہے ـــ "تسلیم و سپردگی" کی یہی کیفیت ہے جو انسان کو مافوق العادۃ اور مافوق الفطرۃ طاقتوں کے سامنے جھکاتی اور کوئی نہ کوئی "معبود" تلاش کر لیتی ہے ـــ خواہ وہ شجر و حجر ہوں یا برق و باد۔ زمین و آسمان ہوں یا شمس و قمر۔ جب سے بھی باشعور انسان کا پتہ چلتا ہے، انسانی فطرت کا یہ رجحان اس کی تمام سرگرمیوں پر غالب و کارفرما نظر آتا ہے۔ انسان نے ابھی سوچنا سیکھا ہی تھا کہ ایک یا بہت سی نادیدہ طاقتوں پر وہ ایمان لے آیا۔ گویا اس کی "فطرت سلیمہ" نے خود اسے ایک معبود کے سامنے جھکا دیا۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے جنوں اور انسانوں کو "عبادت" کے لیے خلق کیا ہے۔ اس ارشاد قدرت سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ انسان فطرۃً و جبلۃً "عبادت و عبدیت" پر مامور ہے۔ اب تک قدیم سے قدیم ترین انسان کے جو آثار وادیٔ نیل، صحرائے افریقہ، صحرائے گوبی اور وادی دجلہ و فرات میں دریافت ہوئے ہیں، ان کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ نوع انسانی پر کوئی زمانہ بھی ایسا نہیں گزرا کہ وہ نادیدہ طاقتوں اور پر اسرار قدرتوں کے عقیدہ سے محروم ہوا۔ انسان کا یہی "جبلی رجحان" دعا کا محرک ہے ـــ معبود کوئی بھی ہو (حقیقی یا تخیلی) انسان اندرونی تقاضے سے مجبور ہو کر اس کے سامنے گڑگڑاتا ہے اور اس کی رضا کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ اسی کو دعا کہتے ہیں۔

مناجات و دعا سے نفسیاتی طور پر انسان میں عبدیت و بے چارگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ یہ احساس تزکیۂ نفس، تطہیر اخلاق اور تشکیل کردار کا سبب بنتا ہے اور انسان رفتہ رفتہ نقص سے کمال اور کمال سے اکملیت کی طرف صعود کرتا ہے۔ دعا و عبادت کے ذریعہ بندے اور

خدا کے درمیان ایک ربط وتعلق پیدا ہوتا ہے اور کون نہیں جانتا کہ یہ ربط وتعلق ہی انسان کی تمام روحانی کامرانیوں کا سبب ہے۔ اسلام دنیا میں وہ پہلا مذہب ہے جس نے دعا اور عبادت کو اس درجہ اہمیت دی ہے کہ مسنون نمازوں کے علاوہ مسلمانوں پر پنج وقتہ صلوٰۃ واجب کی ہے۔ جس میں ہر ایک کے خاتمہ پر نماز گزار معمولاً دعا کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ خود اندازہ کیجیے کہ جو انسان پانچ وقت اس ایقان کے ساتھ عبادت و دعا میں مصروف ہوگا کہ وہ اپنے معبود کے حضور حاضر ہے اس کے اخلاق و کردار کا کیا معیار ہو جائے گا۔ دوسرے مذاہب میں بھی دعا کو خالق و مخلوق کے درمیان ربط وتعلق کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ دعا کے معنی ہیں "پکار" مصائب کے ہجوم اور مایوسیوں کے نرغہ میں کوئی دل اپنے خالق اور معبود کی "پکار" سے خالی نہیں ہوتا۔ قرآن مجید نے اس "پکار" کو بڑی اہمیت دی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ بندوں کو حکم دیا ہے:۔

اُدْعُونِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

(میرے بندو) تم مجھے پکارو میں تمھاری بات قبول کروں گا۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوا ہے:۔

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ ۔

(اے محمدؐ) جب کہ لوگ تم سے میرے متعلق سوال کریں (کہ وہ کہاں ہے) تو (تم کہہ دو کہ) میں (خدائے تعالےٰ) قریب ہوں۔ پکارنے والے کی آواز کا جواب دیتا ہوں۔ پس لوگوں کو چاہیئے کہ میری بات مانیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا ہے:۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ ۔

سوائے خدا کے کون ہے جو بندۂ مضطر کی دعا قبول کرے۔ وہ (بندہ) اُسے پکارے اور خستہ حالی کو دور کردے۔

ایک جگہ حکم دیا گیا ہے:۔

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً

تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ (رو رو کر) اور چپکے چپکے (دل سے لو لگا کر) پکارو۔

---

ایک اور آیت میں انتباہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِکُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُکُمْ

(اے رسولؐ) کہہ دو کہ اگر تم میرے پالنے والے سے دعا نہ کرتے رہو تو اسے کیا پروا ہے!

---

ایک مقام پر دعا نہ کرنے والے سے برہمی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ[1] سَیَدْخُلُوْنَ جَہَنَّمَ دَاخِرِیْنَ ۝

یقیناً وہ لوگ جو مجھے پکارنے میں تکبّر سے کام لیتے ہیں وہ عنقریب ذلّت کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

قرآن پاک کی ناتی میں رسولِ اکرمؐ اور آئمہ امت بھی ہمیشہ دعا کی اہمیت پر زور دیتے رہے ہیں۔ جس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ

---

[1] مفسرین قرآن نے کہا ہے کہ اس جگہ "عبادت" "پکار" [illegible]

دعا سے رقت قلب پیدا ہو کر انسان کا مادہ قبول بہت جلد انفعال پذیر ہوتا ہے اور اس کے باطن میں حق سے محظوظ ہونے اور اقدام باطل سے خوف کرنے کی تمام تر قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں۔

جناب سرورِ کائنات نے ارشاد فرمایا ہے:۔

اَلدُّعَاءُ سِلَاحُ الْمُؤْمِنِ وَعَمُوْدُ الدِّيْنِ وَمُنَوِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

دعا مومن کا ہتھیار اور دین کا ستون ہے اور آسمان و زمین کو روشن کرنے والی (شمع) ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں:

اَحَبُّ الْاَعْمَالِ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِى الْاَرْضِ الدُّعَاءُ۔

خدائے تعالیٰ زمین والوں کے کل اعمال میں، دعا کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے۔

امام زین العابدینؑ کے بڑے صاحبزادے امام محمد باقر فرماتے ہیں:

مَا شَيْءٌ اَفْضَلُ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ اَنْ يُّسْئَلَ وَيُطْلَبَ مَا عِنْدَهٗ وَمَا اَحَدٌ اَبْغَضُ اِلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ مِمَّنْ يَّسْتَكْبِرُ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْئَلُ مَا عِنْدَهٗ۔

خدائے تعالیٰ کے نزدیک کوئی چیز اس سے افضل نہیں کہ اس (خدا) سے سوال کیا جائے اور جو کچھ اس کے پاس ہے اسے طلب کیا جائے اور کوئی شخص اس بندے سے زیادہ خدا کا مقہور و مبغوض نہیں جو اسے پکارنے میں تکبر کرے اور جو (نعمت) اس (خدا) کے پاس ہے اسے طلب نہ کرے۔

امام جعفر صادق نے ارشاد کیا ہے:

عَلَيْكُمْ بِالدُّعَاءِ فَاِنَّكُمْ لَا تَقَرَّبُوْنَ بِمِثْلِهٖ۔

(اے مسلمانو) دعا کو اپنے اوپر واجب و لازم سمجھو کیونکہ اس جیسی کوئی چیز نہ پاؤ گے جس سے تم خدا کی بارگاہ میں تقرب حاصل کر سکو۔

آپ نے ایک اور مقام پر علا بن کامل سے گفتگو کرتے ہوئے ارشاد کیا:

عَلَيْكَ بِالدُّعَاءِ فَاِنَّهٗ شِفَاءٌ مِّنْ كُلِّ دَاءٍ۔

(اے علا بن کامل) تم پر لازم ہے کہ دعا کرتے رہو کیوں کہ یہی وہ چیز ہے جو ہر مرض کا علاج ہے۔

# صحیفہ کاملہ کی مختصر تاریخ

معلوم ہو چکا ہے کہ بنی امیہ کا عہد آئمۂ اہل بیت کی تعلیم و تبلیغ کے لیے کس قدر مخالفانہ، معاندانہ، مستبدانہ اور جابرانہ عہد تھا حکام وقت کی پوری کوشش یہی تھی کہ خاندان رسالت و نبوت کے نظریات و افکار کو عوام مسلمین تک نہ پہنچنے دیا جائے۔ تاکہ ملت اسلامیہ جس ذہنی گمراہی اور دماغی ضلالت میں مبتلا کی جا رہی ہے، اس سے وہ کبھی نجات نہ پا سکے۔ ان حالات میں صحیفہ کاملہ کی اشاعت عام کس قدر دشوار اور کس درجہ دقت طلب تھی، اس کا اظہار بے سود ہے لیکن الحق یعلو ولا یُعلی کے مصداق مخالفین کی یہ تمام کوششیں ناکام رہیں اور صحیفہ کاملہ کا رواج ——— محدود پیمانے ہی پر سہی ——— ہر دور اور ہر عہد میں ہوتا رہا اور بحمد اللہ کہ آج یہ کتاب مقدس، نہج البلاغہ کے بعد تمام صحیفوں سے افضل شمار ہوتی ہے۔

صحیفہ کاملہ کے دستیاب ہونے کا واقعہ یہ ہے کہ یہ صحیفہ امام زین العابدین ع کے عہد سے یحییٰ بن زید شہید کی حفاظت میں تھا۔ آپ نے اپنی شہادت سے قبل متوکل بن ہارون کے حوالے کر دیا جو امام جعفر صادق کے اصحاب میں سے تھے۔ متوکل بن ہارون نے اس صحیفہ کو ارباب اعتقاد سے روشناس کرایا اور ارباب اعتقاد نے اسے حرز جان بنا لیا۔

یحییٰ حضرت زید شہید کے صاحبزادے تھے۔ جب بنی امیہ کے مظالم حد انتہا سے گزر گئے تو حضرت زید بن زین العابدین نے اتمام حجت اور احقاق حق کا فیصلہ کیا اور آپ والی مدینہ، خالد بن عبدالملک بن الحرث بن الحکم کی شکایت لے کر ہشام بن عبدالملک کے پاس دمشق گئے۔ جو اس زمانے میں دنیائے اسلام پر بڑے جبر و استبداد کے ساتھ حکمرانی کر رہا تھا۔ ہشام نے عرصہ تک زید کو باریابی کی اجازت ہی نہ دی۔ واقعی تعجب کا مقام ہے کہ رسول اللہ کے نواسے یعنی امام حسینؑ کا پوتا خلیفہ اسلام کے پاس دادرسی کو جاتا ہے اور اسے باریابی کا موقع تک نہیں دیا جاتا۔ بہرحال بڑے تذبذب کے بعد خلیفہ نے حضرت زید سے ملاقات منظور کی۔ لیکن پہلی ہی مجلس میں مزاج خسروی استغنائے قلندری سے ٹکرا گیا۔ تلخ گفت و شنید کا سلسلہ یہاں تک بڑھا کہ ہشام نے امام محمد باقر کو (خاکم بدہن) "بقر" "دبیل" کہہ کر پکارا، نیز خاندان رسالت کی کافی توہین کی۔ غیرت اسلامی جو امام محمد باقر کو حامل علوم رسالت ہونے کے باعث واجب الاحترام سمجھتی تھی اس متکبرانہ برتاؤ کو کہاں برداشت کر سکتی تھی ——— زید، ہشام کی یاوہ گوئی سے برافروختہ ہو کر دربار سے چلے آئے اور خروج و جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حاکم کوفہ عمیر بن ثقفی نے آپ کا مقابلہ کیا اور بالآخر زید مظلوم ۲ صفر ۱۲۱ھ کو ۴۲ سال کی عمر میں شہید ہو گئے۔ مخالف سپاہ نے آپ کی زخم خوردہ اور خونچکاں لاش کو کناسہ (کوفہ) میں دار پر لٹکا دیا اور آپ کا سر بریدہ مدینہ رسول بھیج دیا گیا۔ چار سال تک حضرت زید شہید کی نعش بے سر باب کناسہ پر لٹکتی رہی۔ آخر ولید بن یزید بن عبدالملک کے حکم سے لاش کو سولی سے اتار کر آگ میں جلا دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت زید کی شہادت کے بعد یہ صحیفہ ان کے صاحبزادے یحییٰ بن زید کو (جو ابو ہاشم عبداللہ بن محمد حنفیہ کے نواسے تھے) اپنے پدر بزرگوار کے ترکہ میں ملا۔ یحییٰ نے اپنے مرحوم و مظلوم باپ کے انتقام کا تہیہ کیا اور یہ صحیفہ متوکل بن ہارون (صحابی امام جعفر صادق) کے سپرد کر کے وصیت کی کہ اسے عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی کے فرزندوں محمد اور ابراہیم کو دے دینا۔

حضرت یحییٰ کی شہادت ۱۲۵ھ میں سالم بن احوز (نصر بن سیّار کے سپہ سالار) کے ہاتھوں جرجان میں واقع ہوئی۔ متوکل بن ہارون نے صحیفہ کا یہ نسخہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ کے پاس بھی اس مقدس کتاب کا ایک کامل نسخہ موجود تھا جسے امام زین العابدین نے اپنے فرزند امام محمد باقر کو لکھایا تھا۔ حضرت نے اپنی موجودگی میں دونوں نسخوں کا مقابلہ کرایا اور جب دونوں کو بالکل مطابق پایا تو محمد اور ابراہیم کو، جن کے لیے یحییٰ نے متوکل بن ہارون کو وصیت کی تھی طلب فرما کر ان کی امانت ان کے سپرد کر دی۔ متوکل بن ہارون کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق نے اس موقع پر میری خواہش کے مطابق مجھے اس صحیفہ کی پچھتر دعائیں لکھوائیں جن میں سے گیارہ تلف ہوگئیں۔ اس کے بعد یہ صحیفہ ۴۰۳ھ تک مختلف مستند اور معتبر علماء و فضلا و زہاد کے توسط سے اخلاف تک پہنچتا رہا تا آنکہ ساتویں صدی میں اس کی نقلیں تمام اہل علم میں عام ہوگئیں ـــ یہ صحیفہ ۶۰۳ھ سے ارباب علم تک جس سلسلے سے یکے بعد دیگرے پہنچتا رہا ان کے نام و نسب کا نقشہ ذیل میں مندرج ہے :-

امام زین العابدین

| | |
|---|---|
| امام محمد باقر | زید شہید |
| امام جعفر صادق | یحییٰ |
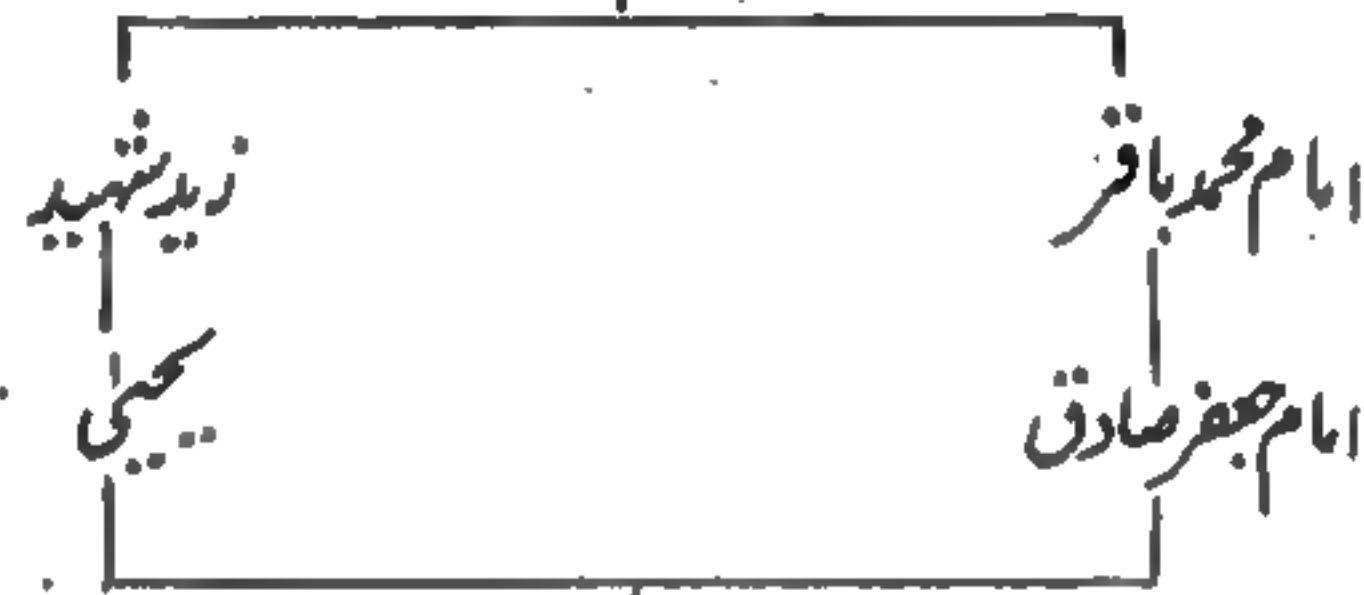
متوکل بن ہارون

ہمیر بن متوکل

علی بن نعمان

عبداللہ بن عمر بن خطاب زیات ۲۶۵ھ

شریف ابو عبداللہ جعفر بن محمد بن جعفر بن حسن بن جعفر بن حسن بن حسن بن علی علیہم السلام

ابوالفضل محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب شیبانی

شیخ صدوق ابی منصور محمد بن محمد بن احمد بن عبدالعزیز العکبری المعدل (۴۲۰ھ)

شیخ سعید ابو عبداللہ محمد بن احمد بن شہریار خازن علی بن ابی طالب

سید اجل نجم الدین بہاء الشرف ابو الحسن محمد بن حسن احمد بن علی بن محمد بن عمر بن یحییٰ علوی حسینی

عمید الرؤساء ہبۃ اللہ بن حامد

سید اجل ابو جعفر قاسم بن الحسن بن محمد بن حسن بن معتیہ (۶۰۳ھ)

سید موصوف نے اس مجموعے کو اپنے حلقے میں پھیلایا اور اس وقت سے اب تک ہزاروں علماء و مجتہدین و منفقہین نے ہر زمانے اور ہر صدی میں اسے مذکورہ بالا راویوں کے حوالے سے بیان کیا ہے ۔

# زیرِ نظر ترجمہ صحیفہ کاملہ کی خصوصیات

صحیفہ کاملہ کے جس قدر تراجم اب تک اردو اور فارسی میں شائع ہوئے ہیں اور ان میں سے جس قدر ہماری نظر سے گزرے ہیں انہیں پڑھنے کے بعد ہم نے متعدد مقامات پر یہ محسوس کیا کہ ابھی صحیفہ کے اکثر الفاظ اور جملوں کا صحیح مفہوم ۔ نیز مراد قائل کے مطابق ان کی تاویل و تفسیر تلاش کرنے کے لیے کافی کام باقی ہے جس کے بغیر صحیفہ کی اصلی روح بے نقاب نہیں ہو سکتی۔

زیرِ نظر ترجمہ میں ایسے تمام جملے فقرے اور الفاظ جو کہ تفصیل و تشریح کے محتاج ہیں اور جن کا اصلی مفہوم محض ترجمہ سے واضح نہیں ہو پاتا ان کے معانی و مطالب حاشیہ زیرِ متن میں واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس کے بعد قارئین کرام کو ان معتقدات و نظریات تک رسائی میں بڑی حد تک آسانی ہو جائے گی جن کی امام نے تلقین و تبلیغ فرمائی ہے ۔

عربی کے جو الفاظ کئی کئی معنی دیتے ہیں، سابق کے مطبوعہ تراجم (فارسی و اردو) میں اکثر مقامات پر ان کا صحیح مطلب ۔۔ جو ان سے مراد ہے ۔۔ ادا نہیں ہو سکا ہے جس کی خاص وجہ ۔۔ جو تمام ترجموں کا مقابلہ کرنے سے واضح ہوئی ۔ یہ ہے کہ فارسی کا ایک ترجمہ تمام مابعد تراجم کی بنیاد ہے، جو سب سے پہلے شائع ہوا تھا۔ اس لیے جو تسامح مترجم فارسی سے ایک بار ہو گیا ہے، وہی بار بار ہر مترجم کے یہاں دہرایا گیا ہے۔ اگرچہ ان مترجمین میں سبھی باسواد اور مشاہیر علماء ہیں، مگر ہم نے امام کے کلام کی صحیح تاویل و تفسیر کی جستجو میں ان سے بھی افضل و اہل علماء کی جانب رجوع کی ہے، جنہوں نے عربی زبان میں صحیفہ کی دعاؤں کے اسرار و غوامض پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ متعدد المعنی عربی الفاظ کے اردو ترجمہ میں، ان کے کئی معنوں میں سے، وہی معنی منتخب کیے ہیں جو سیاق و سباق سے مربوط اور قائل کے عقیدے اور مسلک کے مطابق ہیں جبکہ دیگر مترجمین نے اس بات کو ملحوظ نہیں رکھا۔ مثال کے طور پر :-

۱۔ ایک دعا میں جو امام نے مسلمین سرحد کے لیے اس وقت کی تھی جبکہ کفار کی یورش سے ان کے نیست و نابود ہو جانے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ کفار کے متعلق بد دعا کے دوران ایک جملہ عموماً مطبوعہ نسخوں میں اس طرح درج ہے :

جَنِّبْهُمْ مِنْ مُقَارَعَةِ الْأَبْطَالِ

۔۔۔ اور اس کا ترجمہ یہ لکھا ہوا ہے :

"(الٰہی) انھیں (کفار کو) بہادروں کے ساتھ کھٹ پٹ کرنے سے باز رکھ"

۔۔۔ اس ترجمہ میں "باز رکھ" کے لفظ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ دعا کے اس حصّے کا تعلق میدانِ جنگ سے نہیں بلکہ قبل از جنگ کے اوقات سے ہے ۔ یعنی یہ کہ ابھی انھوں نے کھٹ پٹ کے لیے قدم نہیں اٹھایا ہے اور انھیں اس فعل سے باز رکھنے کی گنجائش باقی ہے ۔

اس لیے یہ دعا کی جارہی ہے کہ انھیں ایسا کرنے سے باز رکھ۔ حالانکہ در اصل ایسا نہیں ہے کیوں کہ اس کے فوراً بعد کے جملے سے اس کی تردید ہوتی ہے اور وہ جملہ یہ ہے:

وَ ابْعَثْ عَلَيْهِمْ جُنْدًا مِّنْ مَلٰٓئِكَتِكَ بِبَاْسٍ مِّنْ بَاْسِكَ كَفِعْلِكَ يَوْمَ بَدْرٍ ۝

"یعنی ان (کفار) پر اپنے فرشتوں کی فوج اپنے رعب و داب کے ساتھ بھیج جیسا کہ تو نے بدر کی لڑائی کے دن کیا تھا۔"

ظاہر ہے کہ بدر کی لڑائی میں ملائکہ کی فوج دوران جنگ نازل ہوئی تھی۔ اس لیے مذکورہ ترجمہ کی صورت میں سیاق کے اعتبار سے دونوں جملے غیر مربوط ہو جاتے ہیں۔

اب سوال پیدا ہوا کہ کلام امام میں یہ عدم ارتباط کیوں اور کیوں کر ہو گیا؟ لیکن تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد اس کی وجہ سمجھ میں آ گئی اور وہ یہ کہ یہ لفظ "جَنِّبْ" نہیں بلکہ "جَبِّنْ" ہے۔ کاتب نے "ن" کا نقطہ پہلے اور "ب" کا نقطہ بعد میں لگا دیا ہے جس کی بنا پر مترجمین نے بھی قلم برداشتہ "جنّب" کا ترجمہ "باز رکھ" لکھ دیا ہے اور قبل و بعد پر نظر نہیں ڈالی۔ حالانکہ اصلی لفظ "جَبِّنْهُمْ" (اول ب پھر ن) ہے جس کے معنی ہیں "انھیں (کفار کو) بزدل بنا دے۔" اس تصحیح کے بعد جملے مرتبط ہو گئے اور دعا کا مفہوم یہ ہو گیا:۔

"انھیں مجاہدین سے جنگ کرنے میں خوف زدہ اور مرعوب کر دے۔"

ہم نے مذکورہ جملے کا یہی ترجمہ درج کیا ہے جو ما بعد کے جملے سے بہ جہت مربوط ہے

۲۔ ایک اور مقام پر اعتراف تقصیر کے سلسلے میں کہتے ہیں:

"ومن اشقی ممن هلك علیك لامن"

اس فقرہ کا ترجمہ مترجمین اردو نے اس طرح کیا ہے:

"اس سے بڑھ کر کون بدبخت ہو گا جو تیرے دروازے پر ہلاک ہو۔ کوئی نہیں۔"

مترجمین فارسی نے اس کے ترجمہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں:

"نیست بدبخت تر از آں کس کہ ہلاک شد بر تو۔ نہ ہیچ کس۔"

ہم نہیں سمجھ سکے کہ اردو کے مذکورہ بالا ترجمہ میں خط کشیدہ الفاظ، عربی کے کن کلمات کا مفہوم ظاہر کر رہے ہیں۔ یہ اسی طرح فارسی کے ترجمے میں "ہلاک شد بر تو" کا اس مقام پر جو مفہوم مترجم کے ذہن میں ہو گا، ہماری سمجھ میں نہیں آ سکا۔ ہمارے نزدیک اس کا اصلی مطلب جو کہ ہم نے لکھا ہے، یہ ہے:

"اس سے زیادہ کون بدبخت ہو گا جو تیری مخالفت میں ہلاک ہوا۔ نہیں کوئی نہیں۔"

۳۔ نماز شب سے فراغت کے بعد پڑھنے کی دعا میں عرض کرتے ہیں:

اللّٰهم انك امرتنی فتركت ونهیتنی فركبت وسوّل لی الخطایا خاطر السوء ففرطت۔

ان جملوں کا ترجمہ دیگر مترجمین نے ان الفاظ میں تحریر کیا ہے :

"اے معبود! ضرور تو نے مجھ کو حکم دیا تو میں نے نہ کیا اور تو نے مجھ کو منع کیا تو میں نے اسے کر لیا اور برے خیال نے میرے سامنے غلطی کو زینت دی تو میں نے کمی کی ۔"

ترجمہ کی اس عبارت میں "میں نے کمی کی" کے مفہوم کو مضمونِ دعا سے کوئی ربط نہیں اور یہ معنی اختیار کرنے کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ "تفریط" جس سے "فرطت" مشتق ہے کمی کرنے کے معنی میں عموماً استعمال کیا جاتا ہے ۔ لیکن لغت میں اس کے دوسرے معنی جلدی سے کسی چیز کی طرف بڑھ جانے کے بھی آئے ہیں اور یہی معنی اس جگہ مراد ہیں ۔ پورے جملے کا ترجمہ جو ہم نے زیر نظر ترجمہ میں لکھا ہے ، یہ ہے :

"اے اللہ! تو نے مجھے حکم دیا تو میں نے پورا نہ کیا اور منع کیا تو میں مرتکب ہوا اور خیال فاسد نے میری نظر میں گناہ کو آراستہ کیا تو میں جلدی سے اس کی طرف بڑھ گیا ۔"

"فرطت" کا یہ ترجمہ مضمون سابق سے بالکل پیوستہ اور مرتبط ہے ۔

۴ ۔ اسی طرح وداعِ رمضان المبارک کی دعا میں امام نے فرمایا ہے :

"السلام علیك من الیف انس مقبلا "

اس فقرے کا ترجمہ دوسرے مترجمین نے اس طرح لکھا ہے :

"سلام ہو اے وہ الفت والے جس نے اپنی حالت میں دلچسپی پیدا کی ۔"

ہم اس ترجمہ کو متن کے الفاظ سے منطبق نہیں کر سکے ۔ درست ترجمہ جو ہم نے درج کیا ہے یہ ہے :

"سلام ہو تجھ پر اے وہ غم خوار جس نے اپنی آمد سے راحت پہنچائی ۔"

اس فقرے کے بعد کا یہ فقرہ ہے جس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے :

" وَ اَوحش مُنقضیًا "

یعنی "جس نے ختم ہو کر (روانہ ہو کر) وحشت ناک کر دیا" ۔

۵ ۔ ایک اور مقام پر طلب رزق کی دعا میں ارشاد ہوا ہے :

" اللّٰھم انك ابتلیتنا فی ارزاقنا بسوء الظن "

جس کا ترجمہ مترجمین اُردو نے ان لفظوں میں کیا ہے :

"اے معبود! ضرور تو نے ہم کو اپنی روزی کی بابت بد گمانی میں مبتلا کیا ۔"

ہمارے نزدیک یہ ترجمہ نہ صرف یہ کہ نادرست ہے بلکہ سوءِ ادب بھی ہے ۔ درست ترجمہ جو کہ ہم نے لکھا ہے ، یہ ہے :

"اے اللہ! تو نے (ہمارے) خیال باطل کے ذریعہ ، اپنی (ہماری) روزی کے مسئلے میں ہمارا امتحان کیا ۔"

اس ترجمے کے درست ہونے کی تائید اس طویل دعا کے مابعد مضمون سے ہوتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حصول رزق کے مسئلے میں خدائے تعالےٰ نے ہمارے سامنے دو وسیلے پیش کر کے ہمیں اختیار دے دیا ہے کہ جس وسیلے کو چاہیں اختیار کریں۔ ایک یہ وسیلہ کہ خود خدائے تعالےٰ پر بھروسا کریں کہ وہی حصول رزق کی جدوجہد کو کامیاب بنائے گا اور اسی سے طلب روزی کرنا چاہیے اور دوسرا وسیلہ یہ کہ مال دار بندوں سے روزی طلب کریں اور ان پر بھروسا کریں۔ پہلا وسیلہ صحیح و درست اور دوسرا خیال باطل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب ہمارے سامنے یہ دونوں وسائل پیش ہوئے اور ان کے ذریعہ سے ہمارا امتحان کیا گیا تو ہم خیالِ باطل میں پڑ گئے اور مال دار بندوں سے روزی طلب کر بیٹھے۔

غرض اس قسم کے سیکڑوں مسامحات اور اغلاط ہیں جن کی زیر نظر ترجمہ میں تصحیح کی گئی ہے اور امید ہے کہ یہ ترجمہ صحیح ترمفہوم کی جانب قارئین کرام کی رہ نمائی کرے گا۔

زیر نظر ترجمہ میں ایک اور بات بھی خاص طور سے ملحوظ رکھی گئی ہے اور وہ یہ کہ کسی زبان کی عبارت کو دوسری زبان میں منتقل کرتے وقت، اگر بامحاورہ عبارت لکھنے کا التزام کر لیا جاتا ہے تو اکثر و بیشتر مقامات پر، زبان اور محاورہ کی پابندی کے تحت متن کے مفہوم اصلی میں کمی یا بیشی ضرور کرنا پڑتی ہے۔ اگر اور کچھ نہیں تو کم سے کم اصل و نقل میں اتنا تفاوت تو بہرحال پیدا ہو جاتا ہے کہ دونوں زبانوں کے روزمرّہ کا مزاج مختلف ہونے کے باعث لب و لہجہ اور اسلوب بیان کے اختلاف سے معانی و مطالب میں ایک غیر محسوس فرق پڑ جاتا ہے جس سے بسا اوقات تاویل باطل کی گنجائشیں نکل آتی ہیں۔ ہم نے اس نادانستہ تحریف سے بچنے کے لیے حتی الامکان تحت اللفظ ترجمہ کیا ہے تاکہ دعا کا مفہوم اصلی برقرار رہے اور ترجمہ کسی غلط تاویل کا پیش خیمہ نہ بن سکے۔
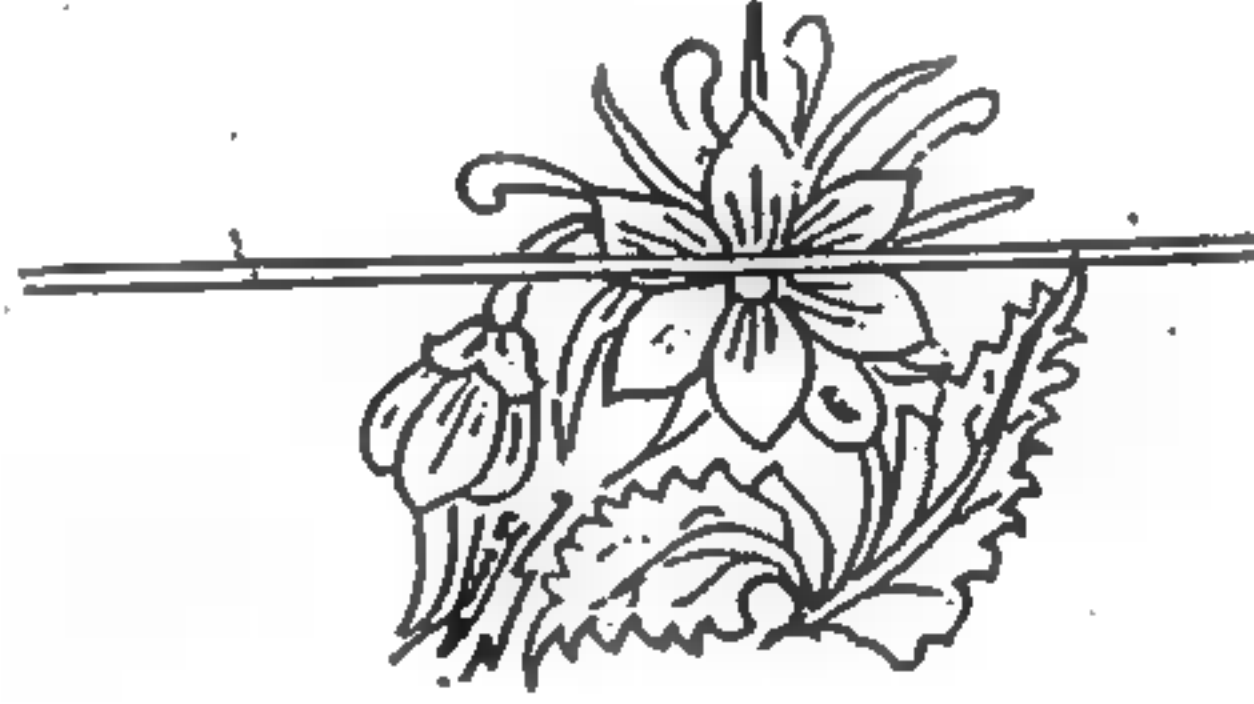
# تذکرۂ علی بن الحسین

# تذکرہ علی بن الحسین

## اسماء و القاب

**نام** نامی علی۔ آپ اپنے جد امجد علی بن ابی طالب کے ہم نام تھے۔ معتبر کتب امامیہ سے پتہ چلتا ہے کہ خود رسالتمآب صلعم نے آپ کا یہ نام رکھے جانے کی خبر دی تھی۔ چنانچہ عبداللہ بن امام احمد حنبل (متوفی ۲۹۵ھ) اپنی کتاب "زوائد فی المسند" میں اور شیخ طوسی علیہ الرحمہ جامع الاخبار میں، آنحضرتؐ کی یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:

"میرے بعد بارہ امام ہوں گے۔ ان میں سے پہلے، چوتھے، آٹھویں اور دسویں کا نام علی ہوگا۔"

چنانچہ سلسلہ آئمہ اثنا عشر میں پہلے امام علی بن ابی طالب۔ چوتھے امام علی بن الحسین۔ آٹھویں امام علی بن موسیٰ الرضا اور دسویں امام علی النقی ہیں۔

ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) نے اپنی تاریخ میں، نیز صاحب ناسخ التواریخ نے کافی کے حوالہ سے یہ واقعہ درج کیا ہے کہ:

امیر معاویہ نے ایک دفعہ مدینہ کے گورنر مروان بن الحکم کے نام حکم بھیجا کہ قریش کے تمام نوجوانوں اور لڑکوں کو بلا کر ان کے وظائف مقرر کردو اور یہ رقم انھیں سال کے سال بیت المال سے ادا کی جاتی رہے۔ علی بن الحسین اس زمانے میں خورد سال تھے۔ وہ بھی مروان کے دربار میں طلب کیے گئے۔ مروان نے ان سے پوچھا:

صاحبزادے! تمہارا کیا نام ہے؟

آپ نے جواب دیا ــــ علی

مروان نے کہا ــــ تمہارے چھوٹے بھائی کا کیا نام ہے؟

فرمایا ــــ وہ بھی علی

اس پر مروان نے برہم ہو کر کہا۔

علیؑ علی۔ ما یرید ابوک من علی ان

علی علی۔ کیا تمہارے باپ نے یہ طے کر لیا ہے کہ اپنے سارے لڑکوں

---

ان سوانح کی ترتیب و تالیف میں زیادہ تر قوق شاہد کے رسالہ سے استفادہ کیا گیا ہے اور ان کے علاوہ ـــ زوائد فی المسند۔ ناسخ التواریخ۔ طبری۔ تذکرہ خواص الائمہ۔ تاریخ ابن خلکان۔ کشف الغمہ۔ مناقب ابن شہر آشوب۔ کتاب الزاہر۔ طبقات الحفاظ۔ بحار الانوار۔ التاریخ الجامع۔ فردوس۔ ارشاد۔ عیون اخبار الرضا۔ ترمذی اور دیگر کتب سیر و احادیث کے حوالوں کا اکثر مقامات پر اصل کتابوں سے بھی مقابلہ کر لیا گیا ہے۔

یدع احدا من ولدہ الا سماہ علیا۔ کا نام علی ہی رکھیں گے۔

جب علی بن الحسین نے گھر واپس آکر اس واقعہ کا ذکر اپنے پدر بزرگوار امام حسینؑ سے کیا تو انھوں نے فرمایا۔ خدا کی قسم اگر میرے سَو بیٹے بھی ہوں تب بھی میں ہر ایک کا نام علی رکھوں گا۔

**کُنیت** ارباب سیر نے آپ کی چند کنیتیں بیان کی ہیں — ابو محمد۔ ابو الحسن۔ ابو القاسم۔ ابو عبداللہ اور ابن الحسین۔ لیکن ان میں ابن الحسین پر کل مورخین کا اتفاق ہے چنانچہ

علامہ سبط الجوزی نے تذکرہ خواص الائمہ میں لکھا ہے:

"آپ کا نام علی اور کنیت ابو محمد اور ابن الحسین ہے۔"

علامہ بن ن اپنی مشہور و معروف تاریخ میں بیان کرتے ہیں:

"آپ کی کنیت مبارک ابن الحسین ہے جسے تمام مورخین نے بیان کیا ہے۔"

علامہ ذہبی اپنی کتاب طبقات الحفاظ میں رقمطراز ہیں کہ:

"آپ کی مشہور کنیت ابن الحسین ہے۔ اس کے علاوہ آپ کو ابو محمد اور "ذبیح اللہ" بھی کہا جاتا ہے۔"

بعض مورخین نے آپ کی کنیت "ابو الائمہ" بھی لکھی ہے اور اس کی یہ وجہ بھی بتائی ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد امام حسینؑ کی اولاد ذرینہ میں صرف آپ باقی رہ گئے تھے اور بقیہ تمام آئمہ اہل بیت آپ ہی کی نسل سے ہوئے۔ اس لیے ارباب تواریخ میں آپ اس کنیت سے مشہور ہو گئے۔

علامہ بن خلکان نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

آپ کو ابن الحسین کے علاوہ ابن الخیرتین (دو برگزیدہ اور چنے ہوؤں کے فرزند) بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ رسالتمآب نے فرمایا ہے:

اِنَّ لِلّٰہِ من عبادہ خیرتین فخیرتہ من العرب قریش و من العجم فارس۔

اللہ کے نزدیک اس کے بندوں میں سے دو گھرانے برگزیدہ ہیں۔ عرب سے قریش اور عجم سے فارس۔

چونکہ علی بن الحسین کے پدر بزرگوار قریشی اور والدہ محترمہ فارسی الاصل تھیں۔ اس لیے یہ کنیت رکھی گئی اور آپ کا یہی وہ وصف ہے جس کی جانب ابو الاسود دُئلی نے اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے۔ کہتا ہے ؎

وَ اِنَّ غلامًا بین کسریٰ و ہاشم لاکرم من نیطت علیہ التمائم

درحقیقت وہ لڑکا جو کسریٰ اور ہاشم کے اجتماع سے پیدا ہُوا، ان تمام بچوں سے کریم تر ہے جن کے بازو پر تعویذ باندھے جاتے ہیں۔

**القاب** علی بن الحسین کے القاب بہت سے ہیں۔ جن میں زین العابدین۔ سجاد۔ سید الساجدین۔ العابد۔ الزاہد۔ الزکی۔ الامین۔ الصابر۔ البکاء۔ امام الائمہ اور ذوالثفنات کافی مشہور ہیں۔ ان میں بھی ابتدائی چار القاب کو زیادہ شہرت حاصل ہے۔

زین العابدین:—

امام مالک فرماتے ہیں :-

سُمّی زین العابدین لکثرۃ عبادتہ — کثرت عبادت کے باعث آپ زین العابدین کے لقب سے موسوم ہوئے۔

سفیان بن عیینہ بیان کرتے ہیں کہ مشہور محدث زہری جب کوئی حدیث علی بن الحسین سے نقل کرتے تو کہتے: "حَدَّثَنِی زَیْنُ الْعَابِدِیْنَ عَلِیُّ بْنُ الْحُسَیْنِ" ایک دفعہ مَیں نے اُن سے پوچھا کہ آپ ہمیشہ علی بن الحسین کو زین العابدین کہتے ہیں۔ آخر اس کا کیا سبب ہے ؟ زہری نے جواب دیا۔ مَیں نے سعید بن مسیب کو ابن عباس کے حوالہ سے یہ کہتے سُنا کہ رسالتمآبؐ فرماتے تھے۔ روز قیامت ایک منادی آواز دے گا "این زین العابدین" (کہاں ہے عبادت گزاروں کی محفل کی رونق بڑھانے والا) اس وقت علی بن ابی طالب کا پوتا اور حسین کا فرزند علی بن الحسین مومنوں کے درمیان سے جھومتا ہُوا آگے بڑھے گا۔

کشف الغمۃ، مناقب ابن شہر آشوب اور کتاب الانوار وغیرہ میں اس لقب (زین العابدین) سے آپ کے موسوم ہونے کی وجہ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ ایک دن علی بن الحسین محراب عبادت میں نافلہ تہجد ادا فرما رہے تھے۔ اتنے میں شیطان ملعون اژدہے کی صورت میں آپ کی طرف جھپٹا تاکہ آپ کی عبادت میں خلل انداز ہو اور آپ کے پاؤں کا انگوٹھا منہ میں بھر لیا۔ مگر امام کے خضوع و خشوع میں مطلق فرق نہ آیا۔ جب نافلہ ادا سے فارغ ہُوئے تو آپ نے اس مردود کی جانب دیکھا اور بہ آواز بلند فرمایا۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ شیطان یہ کلمات سنتے ہی بھاگ کھڑا ہُوا اس وقت ایک آواز کان میں آئی جس کا کہنے والا دکھائی نہ دیتا تھا:

انتَ زین العابدین حقّاً — بے شک تم زین العابدین ہو!

سجاد اور سید الساجدین :-

طبقات الحفاظ میں علامہ ذہبی نے اور بحار الانوار میں علامہ مجلسی نے بیان کیا ہے کہ:

امام محمد باقرؑ کہا کرتے تھے کہ میرے پدر بزرگوار علی بن الحسین کثرت سے سجدے کیا کرتے تھے۔ جب کوئی نعمت خدا یاد آتی تو سجدہ بجالاتے۔ جب کوئی خوف یا اندیشہ رفع ہوتا یا کسی مکار کے مکر سے نجات ملتی، سجدہ کرتے۔ جب کوئی ناخوش گوار خبر سُنتے سجدے میں گر جاتے۔ جب تلاوت کے دوران کسی ایسی آیت پر پہنچ جاتے جس میں واجبی یا سنتی سجدہ آجاتا یا کوئی ایسی آیت سنتے تو سجدہ کرتے۔ جب دو شخصوں میں

---

سنہ ۱۹۳۹ میں ایک مرثیہ میں راقم الحروف نے اس طرح نظم کیا تھا:

اژدہا بن کے بڑھا ایک دن ابلیس ادھر — لے لیا پاؤں مُصلّے پہ دہن کے اندر
بل پڑا ماتھے پہ عابد کے نہ بگڑے تیور — پڑھ کے تسبیح کہا مار خدا کی تجھ پر

لعن سنتے ہی انھیں زین عبا مان لیا
پوتے حیدر کے ہیں موذی نے بھی پہچان لیا

صلح کراتے تو سجدہ شکر ادا کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سجاد (بہت سجدے کرنے والا) اور سید الساجدین (سجدہ کرنے والوں کے سردار) کے لقب سے موسوم ہوئے۔

ذوالثفنات[1] :۔

یعنی گھٹوں والا۔ امام باقرؑ کا یہ بیان تقریباً تمام مورخین اسلام نے نقل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کثرت سجود سے میرے پدر بزرگوار کے تمام اعضائے سجدہ میں گھٹے پڑ جاتے تھے جنھیں آپ سال میں دو مرتبہ ترشوایا کرتے تھے۔

صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے کہ آپ کے مواضع سجود سے، کثرت سجدہ کے باعث، کھال کے ریزے گرا کرتے تھے جنھیں آپ جمع کرتے رہتے تھے۔ انتقال فرمایا تو یہ سب ریزے آنحضرت کی میت کے ساتھ دفن کر دیے گئے۔

حادثہ کربلا میں آپ صاحب فراش تھے اور اسی عالم میں قید ہو کر قافلۂ اسیران اہل بیت کی قیادت کرتے ہوئے شام تک لے جائے گئے اور پھر وہاں کافی عرصہ تک مقید رہے۔ ان واقعات کی مناسبت سے آپ کو مریض کربلا۔ اسیر کربلا۔ قافلہ سالار حرم اور محبوس بلا وغیرہ کے القاب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔

## حسب و نسب

آپ کے پدر بزرگوار امام حسینؑ اور والدہ ماجدہ، ایران کی مشہور شہزادی، شاہ زناں تھیں۔ جو نواسۂ رسولؐ کی زوجیت میں آنے کے بعد شہربانو کے نام سے موسوم و مشہور ہوئیں۔

دادھیال کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب، علی بن ابی طالب کے وسیلے سے حضرت اسمٰعیل تک پہنچتا ہے اور یہ وہ دودمان عالی ہے جس کی شرافت و سیادت تعریف و تعارف کی محتاج نہیں۔

ننھیال کی جانب سے آپ فارس کے شہرہ آفاق شہنشاہ نوشیروان عادل کے نواسے ہیں (آپ کی مادر گرامی یزدجرد بن شہریار بن شیرویہ بن پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں کی صاحبزادی تھیں)۔

یہی دونوں خاندان ہیں جنھیں رسالتمآب نے کل عالم میں سب سے افضل فرمایا ہے۔ جیسا کہ "ابن الخیرتین" کی تشریح میں واضح کیا جا چکا ہے۔

یزدجرد کا شاہی خاندان ایرانی تاریخ میں "اکاسرۂ عجم" یا "سلسلہ ساسانیہ" کہلاتا ہے اور اپنی بزرگی و عظمت کے اعتبار سے تاریخ عالم میں اب تک مشہور و مقبول ہے۔ نوشیروان عادل اسی خاندان کا چمکتا ہوا ہیرا تھا جس کی انصاف پسندی نہ صرف یہ کہ تمام عالم میں

---

[1] ثفنہ جسم شتر کا وہ حصہ جو زمین سے رگڑ کھاتا رہتا ہے۔ مثلاً سینہ و زانو وغیرہ (ثفنات اس کی جمع ہے) زمین کی رگڑ سے جسم شتر کے ان حصوں میں گوشت ابھر آتا ہے اور گھٹے پڑ جاتے ہیں۔

ضرب المثل ہے بلکہ رسالتمآب نے بھی ان الفاظ میں اس کی عدالت کو سراہا ہے کہ مجھے اس بات پر افتخار ہے کہ میں ایسے عہد میں پیدا ہوا ہوں جب کہ دنیا میں ایک عادل بادشاہ (نوشیرواں) موجود ہے — اس سلسلے کا آخری بادشاہ یزدجرد بن شہریار تھا جس نے مسلمانوں کے ہاتھ سے شکست کھائی اور ایران کی ہزار سالہ سلطنت کا سورج ڈوب گیا۔ مگر شاہ زناں کا ستارہ زوالِ سلطنت کے ساتھ ہی ساتھ چمک اٹھا۔ کیونکہ اسی شکست کے نتیجے میں انھیں علی بن الحسین جیسے فرزند کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا۔

عبداللہ بن خلکان اپنی تاریخ میں حضرت علی بن الحسین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وھو ابو الائمۃ وسادۃ التابعین و امۂ سلافۃ بنت یزدجرد آخر ملوک الفرس

اور وہ (علی بن الحسین) اماموں کے باپ اور تابعین کے سردار تھے ان کی والدہ ماجدہ سلافہ، ایرانیوں کے آخری بادشاہ یزدجرد کی صاحبزادی تھیں۔

## امام حسینؑ سے شاہ زناں کا انتساب

شاہ زناں، امام حسینؑ کے ساتھ کب اور کیونکر منسوب ہوئیں؟ اس کے متعلق ارباب سیر و تواریخ نے مختلف واقعات لکھے ہیں۔ جو ذیل میں بجنسہ نقل کیے جاتے ہیں۔

خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) نے اپنی کتاب "التاریخ الجامع" میں اور دیلمی (متوفی ۵۰۹ھ) نے "فردوس الاخبار" میں اور شیخ مفید نے "ارشاد" میں لکھا ہے کہ علی بن ابی طالب کے زمانہ خلافت میں جابر بن حریث جعفی نے جو نواح فارس میں گورنر تھا، یزدجرد کی دونوں بیٹیوں "شاہ زناں اور گیہاں بانو" کو عزت و احترام کے ساتھ امیرالمومنین علی بن ابی طالب کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے ان کی شرافت خاندانی کے پیش نظر، شاہ زناں کی شادی امام حسین سے اور گیہاں بانو کا عقد محمد بن ابو بکر سے کر دیا۔ شاہ زناں سے علی بن الحسین اور گیہاں بانو سے قاسم بن محمد متولد ہوئے۔

شیخ صدوق محمد بن بابویہ نے "عیون اخبار الرضا" میں امام علی رضاؑ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب عبداللہ عامر نے خلیفہ سوم کے زمانہ میں خراسان کو فتح کیا تو یزدجرد بادشاہ عجم کی دو بیٹیاں اس کے ہاتھ آئیں۔ اس نے ان دونوں کو خلیفہ کے پاس مدینہ منورہ میں بھجوا دیا۔ جب یہ صاحبزادیاں ان کے پاس پہنچیں تو ان کے ایماء سے ایک صاحبزادی امام حسنؑ کے حرم میں اور دوسری امام حسینؑ کی زوجیت میں آئیں۔ اور ان ہی دوسری صاحبزادی کے بطن سے علی بن الحسین پیدا ہوئے — شیخ صدوق نے اس کے مابعد واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ مادر علی بن الحسین نے اسی زچگی کے سلسلے میں انتقال فرمایا اور علی بن الحسین کی پرورش ایک کنیز نے کی۔ جسے علی بن الحسین "ماں" کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

زیادہ تر مورخین نے شاہ زناں اور گیہاں بانو کی مدینہ میں آمد کا تذکرہ خلیفہ دوم کے عہد خلافت میں کیا ہے۔ چنانچہ جابر بن عبداللہ انصاری نے ابوجعفر امام محمد باقرؑ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب یہ دونوں شہزادیاں فتح ایران کے بعد مسجد نبوی میں خلیفہ دوم کے سامنے

پیش کی گئیں تو انھوں نے عام رواج کے مطابق انھیں فروخت کر دینے کا عزم کر لیا۔ اس موقع پر حضرت علی نے حدیث رسالتمآبؐ کو دہرا کر بحر تو ہر یاد دلاتے ہوئے انھیں مشورہ دیا کہ ایران کی یہ شاہزادیاں جن کا گھرانا اخلاق میں بلند مرتبہ پر فائز رہا ہے، ان سے یہ برتاؤ مناسب نہیں۔ بہتر ہے کہ شریعت محمدی کے مطابق انھیں اپنے شوہر منتخب کرنے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ خود ان مخدرات کی خواہش کے مطابق شاہ زناں کا عقد امام حسینؑ سے اور گیہاں بانو کا نکاح محمد بن ابوبکر سے ہو گیا۔ اس موقع پر حضرت علیؑ نے اپنے لخت جگر حسینؑ سے فرمایا: بیٹا! انھیں عزت و احترام کے ساتھ گھر میں لے جائیے۔ عنقریب ان کے بطن سے بہترین اہل زمین فرزند پیدا ہوگا جس سے نسل امامت چلے گی اور قیامت تک برقرار رہے گی۔

# شاہ زناں کی ذاتی عظمت

مورخین اسلام نے شاہ زناں کے فضائل و مراتب سے بحث کرتے ہوئے، خود شاہ زناں کا ایک قول نقل کیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے اسیری سے پہلے — کہ ابھی مسلمانوں کا لشکر ہمارے ملک پر حملہ آور نہیں ہوا تھا — ایک مرد بزرگ کو خواب میں دیکھا جو ایک نوجوان کے ہمراہ میرے غریب خانے پر تشریف لائے اور مجھ سے فرمایا کہ میں خدائے تعالیٰ کا آخری رسول محمدؐ ہوں اور یہ میرے نواسے حسین ہیں۔ میں تمھارا عقد اپنے اس صاحبزادے کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں — یہ دیکھنے کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ پھر صبح تک نیند نہ آئی اور برابر اسی امر کا خیال میرے دل و دماغ پر مسلّط رہا۔ دوسری رات میں نے ایک معظمہ کو خواب میں دیکھا، جو میرے پلنگ پر آ کر بیٹھ گئیں اور نہایت شفقت کے ساتھ فرمانے لگیں: میرا نام فاطمہ ہے۔ میں حسینؑ کی ماں اور محمدؐ کی بیٹی ہوں اور تمھارے پاس اس لیے آئی ہوں کہ میرے پدر بزرگوار نے تمھیں، میرے بچے حسینؑ کی زوجیت کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم قبل اس کے — کہ مسلمان فوجیں تمھارے شہر پر حملہ آور ہوں اور تم اسیر ہو کر مدینہ میں پہنچو اور حسینؑ سے ملو — کلمہ طیبہ پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو جاؤ۔ یہ کہہ کر بی بی نے مجھے کلمہ پڑھایا اور اسلام کی موٹی موٹی باتیں تعلیم دیں — یہی وجہ ہے کہ جب مسلمانوں نے میرے ملک کو فتح کیا اور میں اسیر ہوئی تو میرے گھر کے اور قوم کے تمام لوگ ہراساں ہوئے مگر میرے دل میں مطلق خوف و ہراس پیدا نہیں ہوا۔ چنانچہ اسیری کے چند روز بعد مجھے اپنے خوابوں کی تعبیر مل گئی اور اب میں رحمت ایزدی سے محمد مصطفیٰ کے اہل بیت کی لڑی میں منسلک ہو کر اطمینان سے ہم آغوش ہوں۔

شاہ زناں نے اپنی نیک اطواری، سلیقہ مندی، پاکیزہ خیالی اور ایثار و خدمت سے خاندان رسالت کے دلوں میں بہت جلد ایک مخصوص جگہ پیدا کر لی۔ آپ کی ذات میں ایران کے شاہی گھرانے کی بہترین روایات اور اعلیٰ خوبیاں پہلے سے موجود تھیں۔ ان خوبیوں کو خاندان اہل بیت کی صحبت اور رفاقت نے کچھ اور نکھار کر سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

ابن خلکان — نیز شیخ مفید لکھتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب کو آپ کی سیرت بہت پسند آئی اور خوش ہو کر آپ کو "بانو" کا لقب عطا فرمایا۔ اس دن سے آپ بجائے "شاہ زناں" کے "شہر بانو" کے نام سے موسوم ہوئیں۔

# ولادت علی بن الحسین

علی بن الحسین کی تاریخ ولادت میں مورخین نے اختلاف کیا ہے۔ علامہ سبط الجوزی نے تذکرہ خواص الائمہ میں، امام جعفر صادق کے حوالے سے بیان کیا ہے :۔

"علی بن الحسین ۵ شعبان المعظم ۳۸ھ میں وقت ظہر تولد ہوئے۔"

بعض مورخین نے ۵ شعبان کے بجائے ۱۵ جمادی الثانیہ کو تاریخ ولادت قرار دیا ہے۔ بعض نے ۳۸ھ کے بجائے ۳۶ھ میں اور بعض نے ۳۷ھ میں آپ کی ولادت بتائی ہے۔

ان تمام اقوال کی تنقیح وتحقیق کے بعد یہ بات تو بہرحال طے ہوگئی ہے کہ آپ ۳۸ھ میں پیدا ہوئے۔ لیکن شعبان اور جمادی الثانیہ کا اختلاف اب تک چلا جاتا ہے۔

شیخ مفید نے ارشاد میں بیان کیا ہے کہ علی بن الحسین زمانہ خلافت علی بن ابی طالب میں آپ کی شہادت سے دو سال قبل پیدا ہوئے اور حضرت نے خود خرمے سے اپنے پوتے کی تحنیک کی ـــ یعنی خرمے کو منہ میں چبا کر باریک کیا۔ پھر بچّہ کے منہ میں ڈال کر انگشت شہادت سے تالو میں مل دیا تاکہ اس کا پانی حلق میں اتر جائے ـــ اور فرمایا :

حنکوا اولادکم بالتمر فکذا فعل رسول الله بالحسن و الحسین

یعنی اپنی اولاد کی خرمے سے تحنیک کرو کیوں کہ رسول اللہ صلعم نے حسنین کی تحنیک خرمے ہی سے کی تھی

# عہد طفولیت کے واقعات

علی بن الحسین کا عہد طفولیت طرح طرح کے مصائب و آلام کے ہجوم میں بسر ہوا۔ سب سے پہلے آپ کی مادر گرامی نے آپ کی ولادت سے تھوڑے عرصہ کے بعد مرض نفاس میں مبتلا رہ کر وفات پائی اور اس طرح آپ محبت مادری کی نعمت سے محروم ہوگئے۔ اگرچہ ماں کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد آپ کی پھوپھیوں نے آپ کو اتنی محبت اور پیار سے پالا کہ اگر حضرت شہر بانو زندہ ہوتیں تو وہ بھی اتنی ہی شفقت فرماتیں، مگر ماں کی جدائی کے فطری رنج وغم کا مداوا، ان کے امکان میں نہ تھا، اس لیے وہ افسردگی جو عموماً یتیم بچّوں کا خاصہ ہوتی ہے بہرحال رہی۔

امام ابن شہاب زہری اور ابو حازم کا بیان ہے کہ :

"مادر مہربان کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد آپ کی چاہنے والی پھوپھیاں (زینب اور ام کلثوم) ہر وقت آپ کی دل جوئی اور خاطر داری میں مصروف رہتی تھیں اور آپ کو اپنی اولاد کی طرح چاہتی تھیں مگر اس کے باوجود ماں سے بچھڑنے کا غم ایک کم سن بچّے کے لیے ایسی معمولی چیز نہ تھا جسے وہ بالکل بھول جائے۔ اس لیے ہر قسم کی خاطر داری اور ناز و نعمت کی پرورش کے باوجود، علی بن الحسین کی افسردہ دلی کسی طرح دور نہ ہوسکی ـــ مگر اس حادثہ نے "صبر و حلم" کو آپ کی طبیعت ثانیہ بنا

دیا جس کا عکس آپ کی آئندہ زندگی کے ہر گوشے میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔"

جب ذرا ہوش سنبھالا تو اپنے گھرانے کو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا پایا۔ ابھی دو برس سے زیادہ کے نہ ہوئے تھے کہ آپ کے دادا حضرت علی کو مسجد کوفہ میں، عین نماز کی حالت میں جب کہ روزہ دار بھی تھے، شہید کر دیا گیا اور پورا کنبہ غم و غصہ اور انتشار سے دوچار ہو گیا۔ اگرچہ اس وقت آپ کو بمقتضائے سن ان واقعات سے کوئی واسطہ نہ تھا، تاہم رات دن اٹھتے بیٹھتے پھوپھیوں کی گریہ وزاری اور باپ اور چچاؤں کے آنسو دیکھ کر قدرتی طور پر دل میں تکدر اور اضمحلال کی کیفیتیں پیدا ہوتی ہوں گی اور ظاہر ہے کہ پھوپھیوں کے بین سن کر آپ کی بھی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہوں گے۔ ان حالات نے گریہ و بکا کی جانب آپ کا خاص رجحان پیدا کر دیا۔ بعد کے واقعات نے اس رجحان کو مزید تقویت پہنچائی جس کی وجہ سے آپ کی زندگی گریۂ یعقوب کا نمونہ بن کر رہ گئی۔

جب ذرا اور سیانے ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ عم نامدار، امام حسنؑ بے وفا زمانے کے ہاتھوں خلافت سے دست بردار ہو کر خانہ نشین ہو گئے ہیں۔ لیکن اس پر بھی دنیا انھیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی —— علامہ مسعودی نے "مروج الذہب" میں اور علامہ طبری اور دیگر مورخین نے اپنی کتب میں اس زمانے کے جو واقعات درج کیے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ امیر معاویہ کی حکومت کی جانب سے امام حسن پر طرح طرح کی سختیاں کی جاتی تھیں۔ ان کے خلاف نئے نئے الزام تراشے جاتے تھے۔ انھیں باغیوں کا پشت پناہ بلکہ (نعوذ باللہ) خود باغی سمجھا جاتا تھا۔ خاندان اہل بیت کے نام لیواؤں کو علانیہ قتل کیا جاتا تھا اور اس گھرانے سے محبت رکھنے کے اشتباہ میں لوگوں کو جیل خانے میں ٹھونس دیا جاتا تھا۔ جو لوگ تائید حق میں آواز بلند کرتے تھے، ان کی زبانیں قلم کی جاتی تھیں۔ بعض کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے جاتے تھے۔ بعض کو سولی پر لٹکا دیا جاتا تھا۔ انتہا یہ ہے کہ علی بن ابی طالب پر کھلم کھلا برسر منبر لعن طعن کی جاتی تھی اور محمد مصطفےٰ صلعم کے گھرانے کی عیب جوئیاں کرنے والوں پر حکومت کی طرف سے انعام و اکرام کی بارشیں کی جاتی تھیں ——

ان تمام مصائب میں آپ نے اپنے عم نامدار اور پدر بزرگوار کو صبر و حلم پر کار فرما دیکھا —— اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہ جب مخدرات عصمت و طہارت ان روح فرسا حالات سے مضطرب ہو کر معاندین و مخالفین سے متعرض ہونے کی فرمائش کرتی تھیں تو امام حسن اپنی بہنوں کو تسکین دے کر فرماتے تھے کہ پدر بزرگوار —— نانا کے حوالہ سے —— ان سب واقعات کی پیش گوئی فرما گئے ہیں اور ہمارے لیے ان دونوں بزرگوں کا یہی حکم ہے کہ صبر و ضبط سے کام لیں ورنہ نانا کے دین میں رخنہ پڑ جائے گا اور بزرگوں نے اسلام کی اشاعت میں جو ریاضت کی ہے، اس پر پانی پھر جائے گا —— اس طرح آپ (علی بن الحسین) کو مصیبتوں میں صبر کرنے اور حلم و بردباری کو اپنا شعار بنانے کی ابتدا ہی سے عادت پڑی جو حالات و واقعات کے تحت پختہ تر ہوتی چلی گئی۔

آپ کی عمر بارہ برس کی تھی کہ امام حسن کو امیر معاویہ کے ایماء سے بنت اشعث نے زہر دے دیا —— یہ واقعہ علامہ مسعودی نے مروج الذہب میں —— علامہ سبط الجوزی نے تذکرہ خواص الائمہ میں —— علامہ ابن عبداللہ نے استیعاب میں —— اور ابو الفداء نے اپنی تاریخ میں مستند و معتبر راویوں کے حوالہ سے بیان کیا ہے —— اس سانحہ کے چند ہی ساعت بعد آپ نے دیکھا کہ آپ کے عم نامدار امام حسن کے جنازے پر صرف اس لیے تیر برسائے گئے کہ کچھ لوگ مزار رسولؐ کے جوار میں ان کا دفن ہونا پسند نہیں کرتے تھے —— ظاہر ہے کہ ان واقعات کا آپ کے قلب پر کیا اثر پڑا ہوگا اور اپنے خاندان اور خاندان سے محبت کرنے والوں کی مصیبتیں اور پریشانیاں دیکھ دیکھ کر آپ کس طرح کڑھتے ہوں گے۔

امام حسن کی شہادت کے بعد جب آپ کے والد بزرگوار نے خاندان اہل بیت کی سرداری کے فرائض سنبھالے تو آپ اس وقت اگرچہ کم سن

شدت سے محسوس کرتے تھے کہ زمانہ علی مرتضیٰ کے گھرانے کا مخالف ہے۔ حکومت کا برتاؤ سخت سے سخت ہو چکا ہے۔ عام لوگ لالچ یا دباؤ کے پیش نظر بنو امیہ کا دم بھرنے لگے ہیں اور رسول اللہ کے گھرانے سے کترانے لگے — ایسے تکلیف دہ زمانے میں آپ اپنے والد بزرگوار کی پریشانیوں میں برابر کے شریک تھے اور کوشش کرتے تھے کہ امام حسینؑ کے غم کو بانٹ لیں۔ اگرچہ حوصلہ مند باپ اپنی دلی تکلیف اور اپنی ذہنی الجھنوں کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کرتے تھے لیکن حقیقت کہیں چھپ سکتی ہے؟ علی بن الحسین ان تمام اذیتوں کو محسوس کرتے تھے اور زمانے کا رنگ دیکھ کر مصیبت کے آنے والے طوفان کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آپ کو صبر و حلم کے سانچے میں برابر ڈھالتے جا رہے تھے۔ اپنے جلیل القدر باپ کی طرح انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان مصائب اور حالات کا خاتمہ ایک عظیم حادثہ پر ہونے والا ہے۔ جس کے متعلق رسول اللہ صلعم کی پیش گوئیاں بھی آپ نے سنی تھیں۔ حضرت علی کے ارشادات بھی آپ کے پیش نظر تھے۔ حالات کو دیکھ کر بھی اندازہ ہوتا تھا کہ حسینؑ کو ضرور شہید کیا جائے گا — ابو نعیم۔ ابن عساکر۔ بغوی۔ ابن سعد۔ طبرانی۔ داؤد۔ بیہقی۔ حاکم۔ اسحاق بن امویہ۔ ترمذی۔ شعبی اور دیلمی نے اپنی اپنی کتب میں معتبر اسناد سے شہادت امام حسین کے متعلق سرور کائنات کی پیش گوئیاں نقل کی ہیں۔ یہ سب اس وقت لوگوں کی زبان پر تھیں۔ علی بن الحسین کے کان بھی ان سے آشنا تھے۔ وہ بے خبر نہ تھے کہ جب ایسا سانحہ پیش آئے گا تو ان کا اپنا فرض کیا ہوگا؟ — وہ خوشی سے اس فرض کی بجا آوری کے لیے تیار تھے۔ وہ جانتے تھے کہ وہی امام حسینؑ کی اولاد میں سب سے بڑے ہیں اور اس موقع پر ان کی ذمہ داریاں کیا اور کس قدر ہوں گی!

جب امیر معاویہ "امام حسن کی شہادت کے بعد ان سے کیے ہوئے عہد و پیمان پر قائم نہ رہے اور لوگوں سے اپنے بیٹے یزید کے لیے بیعت لینے کے لیے شام سے چل کر مدینہ آئے اور امام حسینؑ نے صاف صاف لفظوں میں ان کے مطالبہ کو مسترد کر دیا تو اس وقت علی بن الحسین خاصے جوان ہو چکے تھے۔ ان کی رائے تمام مشوروں میں شامل کی جاتی تھی اور وہ خاندان کے جملہ مسائل میں اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ حصہ لیتے تھے۔ امیر معاویہ کے اس اقدام اور امام حسینؑ کے انکار کے بعد ان پر اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اب وہ وقت قریب آ گیا ہے جس کی رسالتمآب نے خبر دی تھی اور علی بن الحسین بھی اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ان تمام مصائب کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گئے جو انکار بیعت کے بعد متوقع تھے۔"

# ایّامِ طفولیت کے مشاغل و خصائل

جیسا کہ گزشتہ سطور میں ظاہر کیا جا چکا ہے، بچپن ہی سے آپ کے لیے کچھ ایسا ماحول پیدا ہو گیا جس میں "صبر و حلم" کا جوہر آپ کی طبیعت ثانیہ بنتا چلا گیا۔ مصائب پر تحمل اور ہجوم بلیّات میں صبر و ضبط کچھ وہی انسان کر سکتا ہے جو یا تو اتنا کمزور ہو کہ اپنے دشمنوں کا مقابلہ ہی نہ کر سکے۔ یا پھر ہر مصیبت اور آفت کو رضائے الٰہی اور مشیت ایزدی کا ذریعہ خیال کرتا ہو۔ علی بن الحسین کے صبر و تحمل کا باعث پہلی بات تو بہرحال نہ تھی کیوں کہ آپ خاندان بنی ہاشم کے ایک فرد تھے جس میں اس وقت عباس بن علی، مسلم بن عقیل اور محمد بن جیسے یگانہ روزگار جری و شجاع ابطالِ اسلامی موجود تھے۔ جن کی آج تک دنیا میں دھاک بیٹھی ہوئی ہے اور جن کا نام لے کر اس وقت کے بڑے بڑے سورما کان پکڑ لیتے تھے۔ بے شک آپ کا صبر و ضبط نفس صرف اسی ایک احساس کے تحت تھا کہ جو مصیبت بھی نازل ہو رہی ہے وہ خدا تعالیٰ کی جانب سے ایک ابتلا کی حیثیت رکھتی ہے اور یہی وجہ تھی کہ آپ ہر بلا کے نزول پر

اور پھر اس سے فراغت کے بعد ایک ایک سجدہ ادا کرتے تھے۔ جس کی وجہ آپ نے زبان مبارک سے کبھی ارشاد تو نہیں فرمائی مگر اندازہ ہوتا ہے اور یہ اندازہ یقیناً درست ہے کہ آپ دو وجوہ سے سجدہ ادا کرتے تھے۔ اوّل اس لیے کہ خدائے تعالیٰ نے ہمیں امتحان و آزمائش کے قابل سمجھا دوسرے اس لیے کہ ہم اس امتحان میں ثابت قدم رہے اور مصیبتیں ہمارے پائے استقامت کو متزلزل نہ کرسکیں ــــ بہرحال اس تذکرہ کا مقصد یہ ہے کہ آپ کا صبر وحلم آپ کے راضی برضا ہونے پر مبنی تھا۔ ماہرین نفسیات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ایسے حالات میں گھر کر انسان میں تو خدا کی یاد اور زہد وریاضت وعبادت کا جذبہ ابھر آتا ہے ــــ علی بن الحسین نے ایک تو ایسے گھر میں آنکھ کھولی تھی جہاں سے روزانہ ایک ہزار تکبیروں کی آواز بلند ہوتی تھی اور اس لیے اپنے خداپرست گھرانے کے ماحول اور روایات کے مطابق آپ کا محبوب ترین شغل زہد وعبادت تھا۔ اس کے علاوہ آپ کے ذاتی جذبۂ رضا بالقضا نے آپ کے مشغلہ عبادت واطاعت کو کثیر سے کثیر تر بنا دیا تھا۔ آپ لڑکپن ہی سے شب وروز میں اپنے جد بزرگوار علی بن ابی طالب کی طرح ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے۔ شب کے زیادہ تر حصہ میں نماز دعا اور گریہ وزاری میں مشغول رہتے تھے۔ عبادت الٰہی کے مقدمات میں کسی سے مدد لینا روا نہیں رکھتے تھے۔ خود کنوئیں سے پانی نکالتے اور خود ظرف آب کو اٹھا کر لاتے۔ سونے سے پہلے خود ان برتنوں کو ڈھانپ کر رکھ دیتے۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی اول مسواک کرتے۔ پھر وضو بجالاتے اور خود مصلے بچھا کر نماز میں مشغول ہوجاتے اور جب تک قدم ہائے مبارک زیادتی قیام سے لڑکھڑانے نہ لگتے برابر یہ سلسلہ جاری رہتا۔

امام بن شہاب زہری اور ابوحازم کہتے ہیں:

> ہم نے علی بن الحسین سے زیادہ جوان صالح اور متقی کسی کو نہیں پایا۔ آپ بچپن ہی سے نیکوکاری اور پرہیزگاری کا مرقع تھے۔ زہد وتقویٰ کے علاوہ سخاوت، نرم دلی، خوش خوئی، خداترسی اور خدمت خلق آپ کی نمایاں خصوصیات تھیں۔
> بچپن میں بھی جب آپ کے ہمسن کھیل کود میں مشغول رہتے تھے، آپ دعا اور مناجات میں مصروف پائے جاتے تھے۔"

جب نماز واجب کا وقت آتا تو جسم مبارک پر رونگٹے کھڑے ہوجاتے۔ خوف الٰہی سے پھریریاں آنے لگتیں۔ چہرے کا رنگ زرد پڑجاتا اور جسم شاخ خرما کی طرح کانپنے لگتا۔ جب گھر میں کوئی شخص دریافت کرتا کہ علی بن الحسین! یہ تمہاری کیا حالت ہے؟ تو کہتے۔ آپ کو معلوم نہیں کہ میں کس پرجلال مولا کے سامنے حاضری کے لیے جارہا ہوں ــ نماز میں اس طرح کھڑے ہوتے جیسے بندۂ ذلیل بادشاہ جلیل کے سامنے مودبانہ ایستادہ ہوتا ہے اور اس شوق سے اس کے ارکان بجالاتے جیسے اسی میں محو ہوگئے ہیں۔ اور فی الواقع محو ہوجاتے تھے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر ذکر کریں گے۔

اکثر اپنے جد امجد امیرالمومنین علی بن ابی طالب کی طرح راتوں کو صحرا میں چلے جاتے اور وہاں خلوت وتنہائی میں دنیا و مافیہا سے بے تعلق اور بے خبر ہوکر عبادت الٰہی بجالاتے ــــ صاحب ناسخ التواریخ نے حماد بن حبیب عطار کوفی کی زبانی ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ حماد کہتے ہیں کہ ہم حج کو جارہے تھے۔ منزل زبالہ سے آگے بڑھے تو کالے رنگ کی آندھی کا ایک طوفان آیا۔ چاروں طرف تاریکی چھاگئی۔ قافلہ منتشر ہوگیا۔ میں جنگل میں بھٹکتا پھرتا تھا۔ چلتے چلتے ایک چٹیل میدان میں جاپہنچا۔ رات ہوئی تو ایک اونچے درخت پر چڑھ گیا۔ جب ایک پہر رات گزری اور جنگل میں چاروں طرف اندھیرا محیط ہوگیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان سفید کپڑے پہنے ہوئے آیا اور ایک جگہ ٹھہر کر نماز کی تیاری کرنے لگا۔ پھر دعا

دعا بأ دعا بعد الاذان ہوگی، پڑھ کر نماز شروع کی۔ اس وقت میں بھی درخت سے اتر کر اس جگہ آیا اور چشمہ کے پانی سے وضو کر کے نوجوان کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ لب و لہجہ سے معلوم ہوا کہ یہ علی بن الحسین ہیں جو عبادت الٰہی بجا لانے کے لیے گھر سے نکل کر یہاں تشریف لے آتے ہیں۔

راوندی نے بیان کیا ہے کہ آپ اکثر بالوں کے کپڑے زیب تن فرماتے تھے جو جسم میں چبھتے رہیں۔ نماز کے وقت اور بھی خشن لباس پہنتے تھے۔ اکثر اوقات سخت مقامات پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے، جہاں اعضائے سجدہ کو زمین سے مس ہونے میں کلفت کا احساس ہوتا۔ سجدہ میں جاتے تو اس وقت تک سر نہ اٹھاتے جب تک عرق میں تر بتر نہ ہو جاتے۔ ایک دن مدینہ کے پہاڑ کوہ جبان پر ایک جلتے پتھر پر کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ جس کی وجہ پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ یہ پتھر آتش دوزخ کی یاد دلاتا ہے اور توبہ و انابت میں زیادہ رجوع قلب پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ نماز میں گریہ و بکا کرتے تھے اس لیے اکثر سجدے سے سر اٹھاتے تو چہرہ مبارک اشک باری کی کثرت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا پانی میں ڈبویا ہے۔ سجدہ ہمیشہ خاک پر کرتے تھے تا اینکہ خاک پاک کی ایک ٹھیکری مصلّے پر رکھی رہتی تھی۔

نمازوں کا تو یہ عالم تھا، جہاں تک روزے کا تعلق ہے لڑکپن سے لے کر وفات تک سوائے عیدین اور عاشورہ کے آپ کا ہر دن حالت صوم میں بسر ہوا۔ آپ کی فرماتی ہیں:

"میں نے علی بن الحسین کے سامنے کبھی دن میں کھانا پیش نہیں کیا اور کبھی شب میں بستر نہیں بچھایا۔"

یعنی آپ ابتدا ہی سے مکمل طور پر صائم النہار اور قائم تھے۔

ارباب تاریخ نے بیان کیا ہے کہ آپ بچپن اور لڑکپن میں کئی بار حج کے لیے تشریف لے گئے۔ ابراہیم ادہم بیان کرتے ہیں: میں ایک دفعہ قافلہ کے ساتھ جنگل میں چلا جا رہا تھا۔ ایک ضرورت کے تحت قافلہ سے الگ ہو کر ایک جانب چلا گیا۔ دیکھتا کیا ہوں۔ ایک لڑکا پیادہ پا چلا جا رہا ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس جنگل بیابان میں یہ بچہ تنہا پیدل سفر کر رہا ہے۔ میں نے اس کے قریب جا کر سلام کیا اس نے جواب سلام دیا۔ میں نے کہا: اجی! آپ کا عزم ہے؟ کہا: خانۂ خدا کی طرف جا رہا ہوں۔ میں نے کہا: بیٹا! تم ابھی بچے ہو۔ نہ حج تم پر فرض ہے نہ سنّت۔ کہا: اے شیخ! کبھی تم نے مجھ سے کم سن کو مرتے نہیں دیکھا؟ میں نے پوچھا: تمھارا توشۂ سفر اور سامان کہاں ہے؟ جواب دیا:

زادی تقوای و راحلتی رجلای و قصدی مولای — میرا توشہ پرہیزگاری ہے، میری سواری میرے دونوں پاؤں ہیں اور میرا مقصود میرا مالک ہے۔

میں نے کہا: تم بلا زادِ راہ ان بیابانوں کو کیوں کر طے کرتے ہو؟

لڑکے نے جواب دیا: میرا زادِ راہ چار چیزیں ہیں:-

تمام دنیا و مافیہا کو اس مالک الملک کی مملوک جانتا ہوں۔

تمام مخلوق کو خدا کا بندہ اور خدا کا کنبہ سمجھتا ہوں۔

جملہ اسباب و ارزاق کو اسی کے قبضۂ قدرت میں خیال کرتا ہوں۔

۔۔ اور قضائے الٰہی کے لیے یہ یقین رکھتا ہوں کہ وہ تمام کائنات پر نافذ ہے۔

بس یہی چار باتیں میرا زادِ راہ ہیں۔

ابراہیم کہتے ہیں کہ ایک اور راہ گیر دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ علی بن الحسین ہیں جو اس کم سنی میں پیادہ پا حج کو جاتے ہیں۔ حج وعبادات کے علاوہ صدق بیان، حدیث دانی اور علوم و معارف میں آپ کی بصیرت ابتدائے سن ہی سے مشہور خاص و عام ہو گئی تھی۔ علامہ ذہبی آپ کے ان اوصاف کی تعریف کرتے ہوئے طبقات الحفاظ میں لکھتے ہیں کہ وہ تمام حدیثیں صحیح ہیں جنھیں زہری نے علی بن الحسین سے روایت کیا ہے۔

## داخلہ کربلا سے شہادت حسینؑ تک

جس وقت کربلا کا جاں کاہ حادثہ پیش آیا اس وقت علی بن الحسین کی عمر بائیس سال چند ماہ کی تھی۔ یہ خونیں واقعہ آپ کی آنکھوں کے سامنے گزرا۔ جس میں یزید کی فوجوں نے آپ کے پدر بزرگوار امام حسینؑ کو مع اٹھارہ بنی فاطمہ اور کم و بیش چوّن دوستوں کے تین دن کا بھوکا پیاسا ۱۰ محرم ۶۱ھ کو کربلا کے ریتلے میدان میں شہید کر دیا۔

علامہ ابن حجر مکی نے "اصابہ فی تمیز الصحابہ" میں اور احمد بن حنبل نے اپنے مقتل میں اور شیخ مفید نے ارشاد میں لکھا ہے کہ آپ ۲ محرم کو اپنے والد بزرگوار کے ہمراہ کربلا میں پہنچ کر سخت بیمار ہو گئے تھے۔ اس بیماری کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ نے ایک آہنی زرہ پہنی جس کے دامن اتنے دراز تھے کہ آپ کے بدن پر چست نہ آتی تھی۔ آپ نے زرہ کو اپنے جسم کے مطابق بنانے کے لیے اسے پاؤں سے دبا کر پھاڑنا شروع کیا۔ زنگ آلود زرہ کے دونوں دامن تو پھٹ گئے مگر اس زور آزمائی سے جسم میں متعدد خراشیں آگئیں۔ جس میں زنگ کے اثر سے سمیت پیدا ہو گئی اور رفتہ رفتہ اسی تکلیف سے بخار آنے لگا۔ بخار نے اس وقت اور بھی شدت اختیار کر لی جب کہ ساتویں محرم کے بعد امام حسین پر فوج یزید نے پانی بند کر دیا اور اپ منداللہ بزرگوار کے ساتھ آپ بھی پانی سے محروم ہو گئے۔

عاشورہ کے روز آپ پر مرض کا انتہائی غلبہ تھا۔ بار بار بے ہوش ہو جاتے تھے۔ عاشورے کی صبح کو یزید کی فوج نے امام حسین اور ان کے ساتھیوں پر چڑھائی کر دی تو امام کو حملہ آوروں سے دفاعی جنگ کرنا پڑی۔ اس جنگ میں امام کے تمام انصار اور رشتہ دار کام آئے یہاں تک کہ چھ مہینہ کا بچہ علی اصغر بھی شہید ہو گیا جسے امام حسین اس غرض سے میدان میں لے گئے تھے کہ وہ معصوم تین دن کی پیاس سے دم توڑ رہا تھا۔ لیکن علی بن الحسین کو مرض کی شدت اور غشی کی کیفیت میں ان واقعات کی بالکل خبر نہ ہوئی۔ آخر جب امام حسین میدان میں تنہا رہ گئے تو رخصت ہونے کے لیے بیمار کربلا (علی بن الحسین) کے خیمہ میں تشریف لائے۔ اس وقت امام کی ہمشیرہ حضرت زینب بیمار بھتیجے کے سرہانے بیٹھی سر دبا رہی تھیں۔ علی بن الحسین کا بیان ہے کہ جب انھیں ہوش میں لایا گیا تو وہ اپنے پدر بزرگوار کو بیک نظر نہ پہچان سکے۔ کیوں کہ زخموں کی کثرت اور غموں کی شدت نے آپ کے سراپا میں بڑی تبدیلی پیدا کر دی تھی۔ بوڑھے باپ کو اس عالم میں دیکھ کر نوجوان بیٹے پر جو کچھ گزر گئی ہو گی اس کا تصوّر کیا جا سکتا ہے۔ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بیٹے نے باپ کی تعظیم کو اٹھنا چاہا مگر اٹھ نہ سکے۔ حضرت زینب نے بمشکل سہارا دے کر بٹھایا امام نے جب کیفیت مزاج پوچھی تو فرماں بردار فرزند نے سر جھکا کر خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے چچا عباس بن علی کا حال پوچھا۔ یہ بڑا سخت وقت

تھا۔ مریض کو معلوم نہ تھا کہ فاطمہ کا باغ اجڑ چکا ہے۔ اب محمدؐ کے گھرانے میں ان کے مظلوم باپ کے علاوہ کوئی دوسرا فرد باقی نہیں ہے۔ جناب زینب کا دل اس سوال سے قابو میں نہ رہا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کلیجہ تھام کر اپنے بھائی کی طرف دیکھنے لگیں کہ کیا جواب دیتے ہیں۔ امام حسین نے فرمایا۔ بیٹا! تمہارے چچا عباس نہر فرات کے کنارے شہید کر دیے گئے۔ علی بن الحسین یہ سُن کر اس قدر روئے کہ روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ غش سے افاقہ ہوا، تو باقی تمام اور اعزہ و انصار کا حال پوچھا اور ان کی شہادت کا ذکر سُن کر ایک دفعہ پھر غش کھا کر گر پڑے۔ کچھ دیر بعد جب چہرے پر پھوپی کے آنسو ٹپکے تو ہوش آیا اور آنکھیں کھول کر پوچھا کہ میرے بھائی علی بن الحسین کہاں ہیں؟ اب امام حسینؑ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آپ نے فرمایا کہ:

"بیٹا! اب یہ سمجھو کہ میرے اور تمہارے علاوہ مردوں میں کوئی زندہ نہیں رہا ہے۔"

امام کے اس ایک ہی فقرے میں سب کچھ موجود تھا۔ بیمار کربلا سمجھ گئے کہ جنگ شروع ہو کر ختم بھی ہو چکی اور یہ کہ اب ان کے پدر بزرگوار خود شہادت کے لیے تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہاشمی شجاعت جوش میں آ گئی۔ علی بن الحسین نے حضرت زینب سے مخاطب ہو کر کہا:

"پھوپی جان میری تلوار اور عصا مجھے دیجئے تاکہ مَیں بھی میدان میں جا کر اپنا فرض ادا کروں۔"

امام حسین نے بیمار فرزند کو گلے سے لپٹا اور بڑی شفقت سے فرمایا:

"بیٹا! تم سے جہاد ساقط ہے۔ تم بیمار ہو۔ مَیں حق کی حمایت میں سر کٹانے کے لیے قتل گاہ میں جا رہا ہوں۔ میرے بعد تم ہی میرے جانشین اور ان لاوارث بچوں اور بے اسرا عورتوں کے وارث ہو۔ مَیں تمہیں صبر و حلم اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں۔"[۹]

اس کے بعد امام حسین نے امامت کی مقدس امانت اور ہدایت و ارشاد کا عظیم فریضہ مریض کربلا کے سپرد کیا اور اپنے تمام اہل بیت کو ان کی اطاعت کا حکم دیا اور اہل حرم کو عابد بیمار کے اور عابد بیمار کو جناب زینب کے سپرد فرما میدان میں تشریف لائے اور حجت تمام کرنے کے لیے بآوازِ بلند فرمایا:

| | |
|---|---|
| ھل من ناصر ینصرنا | کوئی ہے جو ہماری مدد کرے |
| ھل من مغیث یغیثنا | کوئی ہے جو ہماری فریاد کو پہنچے |

یہ آواز کربلا کے خوں ریز میدان میں گونجی اور اہل بیت کے خیموں سے ٹکرائی۔ بیمار کربلا یکایک غش سے چونک پڑے اور لبیک یا ابن رسول اللہ" (اے فرزند رسولؐ مَیں حاضر ہوں) کہتے ہوئے بستر علالت سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کانپتے ہوئے ہاتھ میں تلوار پکڑی اور لڑکھڑاتے قدموں سے میدان جنگ کا قصد کیا۔ ام کلثوم یہ دیکھتے ہی دوڑیں اور فرمایا: میرے لال! واپس آ جاؤ۔ آپ نے کہا: عمہ جان! اب مجھے نہ روکئے۔ کیا آپ نے ابھی بابا جان کی آواز نہیں سنی؟ مجھے نواسۂ رسولؐ کی حمایت میں جانے دیجئے۔ اتنے میں امام حسینؑ نے مڑ کر خیمہ کی طرف دیکھا اور پکار کر کہا: ام کلثوم! انھیں روک دو اور میدان میں نہ آنے دو۔ باپ کا یہ حکم سن کر سید سجاد مجبور ہو گئے۔ پھر بستر علالت کے قریب آئے اور اب کی دفعہ ایسے بیہوش ہوئے کہ پھر قُتِلَ الحسین بکربلا (حسین کربلا میں شہید ہو گئے) کی آواز پر بھی غش سے افاقہ نہ ہوا۔

---

# شہادت حسین کے بعد

صاحب ناسخ التواریخ، مصنف طبری اور علامہ ابن جوزی نے بالاتفاق لکھا ہے کہ شہادت امام حسین کے بعد جب منادی غیب نے "قتل الحسین بکربلا" کی آواز بلند کی تو جناب زینب نے شانہ ہلا کر سید سجاد کو غش سے چونکایا اور کہا بیٹا! اٹھو۔ پدر بزرگوار شہید ہو گئے۔ علی بن الحسین "وا اباہ" کہا۔ ہائے بابا! کہتے ہوئے اٹھ بیٹھے اور جناب زینب خاتون سے فرمایا۔ پھوپی جان! آپ بچوں کو سنبھالیے میں بھی وہیں آتا ہوں۔ جناب زینب یہ سن کر خیمہ اہل حرم کی طرف روانہ ہوئیں اور سید سجاد فرط ضعف اور شدت تپ سے پھر غش کھا کر بستر پر گر پڑے۔

اُدھر مقتل میں امام حسینؑ کا لاشہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا جانے لگا اور ادھر فوج یزید شمر ذی الجوشن کی قیادت میں اہل بیت محمدؐ کو لوٹنے کے لیے خیموں میں گھس آئی اور بی بیوں کے سروں سے چادریں اور بچوں کے کانوں سے گوشوارے تک اتار لیے۔ جس سے کئی بچوں کے کان لہولہان ہو گئے۔

امام زین العابدین اپنے خیمہ میں بستر بیماری پر بے ہوش پڑے تھے۔ شمر کچھ ساتھیوں کو لے کر وہاں پہنچا۔ جناب زینب نے جو یہ ماجرا دیکھا، تو بچوں اور بی بیوں کو چھوڑ کر بھتیجے کے خیمے کی طرف دوڑیں۔ شمر نے علی بن الحسین کا بستر گھسیٹ کر حسین کے اس بیمار فرزند کو فرش زمین پر گرا دیا۔ سید سجاد غش سے چونک پڑے اور شمر کو دیکھ کر اٹھنے کا ارادہ فرمایا۔ شمر خنجر پر ہاتھ ڈال کر آپ کو شہید کر دینے کے ارادے سے بڑھا۔ اتنے میں جناب زینب اس خیمے میں داخل ہوئیں اور اپنے بیمار بھتیجے سے لپٹ گئیں اور فرمایا: اے شمر! جب تک میں زندہ ہوں، بھائی کی اس نشانی کو نہیں مٹنے دوں گی۔

حمید بن مسلم کا بیان ہے کہ اس دوران میں سالار لشکر عمر بن سعد بھی اس خیمہ گاہ تک پہنچ چکا تھا۔ اُس نے جب یہ صورت حال دیکھی تو گوشہ چشم سے شمر کو منع کیا اور اس طرح علی بن الحسین کی جان بچی۔

# تاراجی خیام

علامہ ابن جوزی کا بیان ہے کہ ادھر جناب زینب اپنے بھتیجے کی جان بچانے میں لگی ہوئی تھیں، ادھر پسر سعد کے حکم سے خیام اہل بیت میں آگ لگا دی گئی۔ اس وقت مخدرات عصمت و طہارت اور زنان انصار امام حسین کا یہ عالم تھا کہ وہ ڈرے سہمے ہوئے بچوں کو گود میں اٹھائے ہوئے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑ رہی تھیں اور کسی جگہ امان نہ ملتی تھی۔ جب ایک خیمہ جلنے لگتا تو دوسرے خیمے میں چلی جاتیں۔ یہاں تک کہ پوری خیمہ گاہ میں شعلے بھڑک اٹھے۔ اس وقت تمام بیبیاں جناب زینب خاتون کے پاس دوڑ کر آئیں۔ جناب زینب نے سید سجاد سے پوچھا۔ بیٹا! اب ان عورتوں کے لیے کیا حکم ہے؟ امام نے فرمایا۔ کہ پھوپھی! ان سب کو لے کر باہر نکل جائیے۔ یہ سن کر تمام بیبیاں جناب زینب کے ہمراہ خیمہ سے نکل کر میدان کی طرف چلیں۔ سید سجاد بھی اپنی پھوپی ام کلثوم کے سہارے چلتے ہوئے خیمہ سے باہر تشریف لے آئے۔ یہ واقعات اسی طرح ناسخ التواریخ۔ طبری۔ انوار الشہادۃ آقا دربندی اور دیگر کتب مقاتل میں درج کیے گئے ہیں۔

---

# شامِ غریباں

امام حسینؑ کی شہادت کے بعد جو رات آئی (یعنی گیارھویں محرم کی شب) وہ "شامِ غریباں" کہلاتی ہے۔ یہ رات نبی زادیوں کے لیے قیامت کی رات تھی۔ آقا دربندی نے اسرار الشہادۃ میں بیان کیا ہے کہ جب امام مظلوم کے اہل و عیال میدان کربلا میں بعد شہادت حسینؑ بے سر و سامان رہ گئے اور شب یازدہم آئی تو اوّل جناب زینب خاتونؑ نے تمام بچوں اور بی بیوں کو ایک جھلسے ہوئے خیمہ میں جمع کیا۔ پھر جو بچے آتش زدگی خیام اور لوٹ مار کے درمیان جان بچانے کے لیے جنگل کی طرف بھاگ گئے تھے انھیں اس اندھیری رات میں دیر تک تن تنہا ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر لاتی رہیں۔ سید سجادؑ کا یہ عالم تھا کہ شدّتِ تپ سے مسلسل غش پر غش آ رہے تھے۔ اگر کبھی آنکھ کھولتے تھے تو آپ کی چھوٹی پھوپی ام کلثوم آپ کا سر دبانے لگتی تھیں اور آپ پر پھر غشی طاری ہو جاتی تھی۔ جناب زینبؑ ان سب بچوں کو اکٹھا کر چکیں اور امام حسینؑ کی چہار سالہ بچی سکینہ کو بھی — جو اس ہنگامہ میں گم ہو گئی تھیں — قتل گاہ سے گود میں اٹھا کر لے آئیں تو آپ نے ان سب کی دیکھ بھال کے لیے اپنی چھوٹی بہن ام کلثوم کو ہدایت فرمائی اور خود ایک ٹوٹا ہوا نیزہ اٹھا کر طلایہ کے لیے چلیں اور رات بھر اس لُٹے ہوئے قافلہ کے گرد گھومتی اور حفاظت کرتی رہیں۔ اس دوران میں ایک بار سید سجادؑ کو غش سے یکایک کچھ افاقہ ہوا تو ذمہ داری کے احساس نے آپ کو مرض کی تمام تکالیف بھلا دیں اور فوراً عصا لے کر بستر علالت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور حفاظت کے فرائض کی انجام دہی میں پھوپی کا ساتھ دیتے رہے۔ حمید بن مسلم جو کہ معرکۂ کربلا کا مشہور نامہ نگار تھا۔ اس کا بیان ہے جسے ارباب مقاتل نے علی العموم نقل کیا ہے کہ نصف شب کے بعد اس نے کئی تکبیروں کی آواز سُنی جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ زین العابدینؑ ہوش میں آ کر اپنی عادت کے مطابق عبادتِ الٰہی میں مشغول تھے۔ نہ جانے اس ڈراؤنی رات کے سناٹے میں عبد و معبود کے درمیان کیا کیا راز کی باتیں ہوئی ہوں گی۔

# اسیری اور کربلا سے کوفہ کو روانگی

سید سجادؑ نے یہ قیامت بدوش رات عبادتِ الٰہی میں بسر کر دی۔ صبح ہوئی تو فوج یزید نے پسر سعد کے حکم سے اپنی طرف کے مقتولین کو دفن کیا۔ علی بن الحسینؑ کے پاؤں میں دوہری زنجیریں، گردن میں خاردار طوق اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دی گئیں۔ نبی زادیوں کے بازوؤں میں رسیاں باندھ دی گئیں اور قافلہ اہل بیتؑ کو دربار کوفہ میں لے جانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بعد ظہر مخدرات عصمت و طہارت اور انصار حسینؑ کی بی بیوں کو بے کجاوے کے اونٹوں پر سوار کیا گیا۔ شہیدوں کے سر نوک نیزہ پر ان کے ناقوں کے اِدھر اُدھر بلند کیے گئے۔ سید سجادؑ کو ان قیدیوں کے کاروان کی سالاری پر معین کیا گیا اور آپ اپنی سربرہنہ ماں بہنوں کے ناقوں کی مہار پکڑے، خود لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے جلتی ہوئی ریت پر پا پیادہ کربلا سے کوفہ کی طرف چلے۔ جب یہ پُر حسرت قافلہ مقتل شہداء کی طرف سے گزرا تو گنج شہیداں میں اپنے باپ، چچا، بھائی اور تمام انصار حسینؑ کی لاشیں دیکھ کر سید سجادؑ کو غش آنے لگا۔ جناب زینبؑ نے جب بھتیجے کا یہ عالم دیکھا تو پکار کر کہا:

"بیٹا زین العابدینؑ! تمھاری ذمہ داریاں عظیم ہیں — صبر کرو۔ خدا کی قسم یہ ایک عہد تھا جو تمھارے پدر بزرگوار سے لیا گیا تھا۔"

قافلہ آگے بڑھا۔ سورج نقطہ نصف النہار تک پہنچنے کے بعد ڈھل رہا تھا اور میدان نینوا کی ریت تمازت آفتاب سے بھٹی کی طرح جھبک رہی تھی۔ سید سجاد کا یہ عالم تھا کہ آپ کا تمام بدن پہلے ہی سے جل رہا تھا۔ اس پر اوپر سے سورج کی گرمی اور نیچے ہوئی ریت جسم پر آفتاب کی کرنوں سے دہکتا ہوا لوہا۔ بس ان ہی کا دل جانتا ہو گا کہ مصائب کی ان منزلوں سے کس طرح گزرے ہوں گے۔ صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں کہ چند ہی قدم چلنے کے بعد سنگریزوں کے چبھنے اور اس جھلکتی ہوئی ریت کے مَس ہونے سے تلووں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ مگر چلے جا رہے تھے اور دم نہیں مارتے تھے کیونکہ قریب ہی شمر اور خولی تازیانے لیے ہوئے موجود تھے اور ان کی سنگدلی نے پشت مبارک کو چند ہی لمحوں میں لہولہان کر دیا تھا ——— کربلا سے منزل بمنزل یہ کلفتیں اور اذیتیں جھیلتے ہوئے کئی روز کے بعد کوفہ میں پہنچے۔

## کوفہ میں داخلہ

شیخ مفید نے ارشاد میں اور طبری نے اپنی تاریخ میں، نیز دیگر اہل مقاتل نے بالاتفاق اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ خزیمہ اسدی کہتے ہیں کہ میں اتفاق سے اسی روز کوفہ میں وارد ہوا، جبکہ علی بن الحسین اور ان کے ساتھ اہل بیت رسالت کے قیدیوں کا قافلہ کوفہ میں داخل ہو رہا تھا ابن زیاد کے حکم سے شہر کو نواسہ رسول کے قتل کی خوشی میں سجایا گیا تھا۔ بازاروں میں تماشائیوں کا ہجوم تھا۔ کوفہ کے کوتوال عمرو بن حریث کو حکم ملا تھا کہ وہ ایک ہزار سوار اور پیادے لے کر بازاروں میں گشت کرے اور جسے اہل بیت کا ہمدرد پائے اس کی گردن اڑا دے۔ لوگوں کو یہ بتایا گیا تھا کہ ایک باغی نے خلیفہ وقت پر خروج کیا تھا اسے قتل کر دیا گیا اور اس کا خاندان میدان جنگ سے گرفتار کر کے لایا جا رہا ہے۔ تمام لوگ قیدیوں کا تماشا دیکھنے کے لیے جابجا ہجوم کیے تھے۔ عورتیں اپنے بچوں کو لے کر ہجوم میں پسی جانے کے خیال سے کوٹھوں پر چڑھ گئی تھیں ——— جب رسول زادیوں کا تباہ حال قافلہ کوفہ کے بازاروں سے گزرا اور لوگوں نے شہیدوں کے سروں کو نیزوں کی نوک پر اور گرد و غبار میں اٹے ہوئے بارہ بچوں کی گردنوں کو ایک ہی رسی میں بندھے ہوئے اور سر برہنہ بی بیوں کو بال بکھرائے بے کجاوہ اونٹوں پر سوار دیکھا تو لوگ بے ساختہ رونے لگے اور بعض بعض کی چیخیں نکل گئیں۔ جناب زینب خاتون نے جب یہ چیخیں سنیں تو بڑے پُرجلال لہجے میں کوفے والوں کو مخاطب کر کے کہنے لگیں:

"رونے والو! چپ رہو اور میری بات سنو!"

شیخ مفید فرماتے ہیں:

فارتدت الانفاس وسکنت الاجراس

یعنی آپ کا کلام سننے کے لیے اس قدر سکوت چھا گیا کہ گویا سانسوں کی آمد و رفت ٹھہر گئی اور صدائے درای شتران بند ہو گئی۔

جناب زینب نے بہ آواز بلند فرمایا:

"آج تم روتے ہو! خدا کرے ہمیشہ روتے رہو۔ تمہارے آنسو کبھی نہ تھمیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ تم نے کیا کیا؟ تم نے رسول کی اولاد کو ذبح کر ڈالا اور اب ان کی بیٹیوں کو سر بازار ننگے سر تشہیر کر رہے ہو۔ دیکھو! اس

چند روزہ مہلت پر گھمنڈ نہ کرو۔ اللہ تعالے جلد بازی نہیں کرتا۔ وہ دیر گیر مگر سخت گیر ہے!"

نز، یہ کا بیان ہے۔ خدا کی قسم میں نے ایسا مؤثر خطبہ دینے والی اور فصیح و بلیغ دوسری عورت نہیں دیکھی۔ گویا آپ زبان علی بن ابی طالب سے کلام کر رہی تھیں۔ سننے والوں نے آپ کے الفاظ سُنے اور شرم و ندامت سے گردنیں جھکا لیں۔

جب جناب سید سجاد نے دیکھا کہ پھوپی کی گفتگو سے لوگوں کے دل نرم ہو چکے ہیں اور انھیں ندامت کا احساس ہُوا ہے تو آپ نے رسالتمآب کے پُرجلال انداز سے حمد و ثنائے الٰہی اور درود و سلام کے بعد فرمایا:

"ایہا الناس! میں ہوں علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب! یعنی اس مظلوم و غریب کا فرزند جو دریائے فرات کے کنارے بغیر کسی جرم و گناہ کے بھوکا اور پیاسا ذبح کر ڈالا گیا جس کا سر پشت گردن سے جدا کیا گیا۔ جس کی بے حرمتی میں ظالموں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی جس کا سب مال و اسباب لوٹ لیا گیا جس کے عیال کو قید کر لیا گیا۔

لوگو! میں تمھیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے میرے باپ کو خطوط لکھ کر نہیں بلوایا تھا؟ اور کیا ان کے نام پر بیعت نہیں کی تھی؟ پھر تم عہد و پیمان سے پھر کر ان ہی کے مقابل صف آراء ہو گئے۔ اور ظالموں کو ان پر مسلط کر دیا۔ تم پر خدا کی مار ہو۔ تم نے آخرت کے لیے کتنا مہلک زاد راہ مہیا کیا ہے اور کیسی بری راہ اختیار کی ہے تم کس منہ سے قیامت میں رسول خدا کے سامنے جاؤ گے اور کس طرح ان سے آنکھ ملاؤ گے اور جب وہ تم سے سوال کریں گے کہ میری عترت کو کس جرم پر قتل کیا اور کون سے قصور کی بنا پر ان کی بے حرمتی کی، کیا تم میری امت سے نہ تھے تو اُس وقت تم کیا جواب دو گے؟"

علی بن الحسین اس مقام تک پہنچے تھے کہ چاروں طرف سے ہمہ گیر گریہ و زاری کی آوازیں بلند ہوئیں اور لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے:

"افسوس ہماری غفلت نے ہمیں ہلاکت تک پہنچا دیا۔"

چند لمحات کے بعد جب شور کم ہُوا تو علی بن الحسین نے پھر اپنا خطبہ شروع کیا اور فرمایا:

"خدائے تعالے ان لوگوں پر رحمت نازل فرمائے جو خدا اور رسول اور اہل بیت کے حق میں ہماری نصیحت پر عمل پیرا ہوں۔ بے شک! ہم اہل بیت تبلیغ رسالت میں رسُولُ اللہ کی سیرت مبارکہ پر کاربند ہیں۔"

امام کے یہ کلمات سن کر چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں:

"اے رسول کے فرزند! ہم آپ کا حق پہچانتے ہیں۔ آپ کے حکم کی تعمیل کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ حکم دیجئے تو ہم ان ظالموں سے آل رسُولؐ کے خون کا انتقام لیں۔"

کوفیوں کے یہ الفاظ سن کر امام زین العابدین نے فرمایا:

"افسوس ہے! اے بے وفائی کے عادی انسانو! میں تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا اور نہ تمہاری جھوٹی قسموں کا اعتبار کروں گا۔ جو سلوک تم نے میرے پدر بزرگوار کے ساتھ کیا وہ بھلایا نہیں جا سکتا۔ لیکن خیر! میں تمہاری صرف اس بات پر بھی رضامند ہوں کہ نہ تم ہمارے ساتھ ہو نہ ہمارے دشمنوں کے۔"

# علی بن الحسین ابن زیاد کے دربار میں

دوسرے دن ابن زیاد نے قصر دارالامارہ میں دربار عام منعقد کیا۔ ابن زیاد نے اس موقع پر اپنے رعب داب کا سکہ جمانے کے لیے دربار کی آرائش اور زیب و زینت میں خاص اہتمام کیا تھا۔ علی بن الحسین کا بیان ہے کہ:

"ہم ابن زیاد کے دربار میں داخل ہوئے تو دربار کوفہ اور دمشق و عراق کے سرداروں سے بھرا ہوا تھا اور ابن زیاد بڑے متکبرانہ انداز سے مسند حکومت پر بیٹھا تھا۔ سب سے پہلے سنان بن انس نے میرے پدر بزرگوار کا سر اس کے سامنے پیش کیا اور چند اشعار اس مضمون کے پڑھے۔ "میں نے اس جلیل القدر بادشاہ کا سر تیری نذر کے لیے لایا ہوں جو حسب نسب میں تمام انسانوں سے بہتر تھا اور اس کی مادر گرامی دنیا کی کل عورتوں سے افضل تھیں۔" ابن زیاد یہ سن کر برہم ہوا اور کہا جب تو اسے ایسا جانتا تھا تو کیوں قتل کیا؟ اور حکم دیا کہ سنان کی گردن اڑا دی جائے۔ چنانچہ وہ اسی وقت مارا گیا۔ خَسِرَ الدُّنیا وَ الآخِرَۃ (دنیا اور آخرت دونوں میں ناکام ہوا)

ابن زیاد جناب زینب کی طرف متوجہ ہوا اور طنز کے لہجے میں بولا:

"کیوں علی کی بیٹی! تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے بھائی اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟"

جناب زینب نے بڑی بے پروائی کے ساتھ ابن زیاد کو جواب دیا:

"کیسا سلوک کیا۔ میں نے تو اچھا ہی دیکھا۔ وہ خود اپنے پیروں سے اپنی قتل گاہ کی طرف گئے۔ عنقریب خدا کے سامنے تیرا اور ان کا سامنا ہوگا۔ اس وقت تو خود بھی دیکھ لے گا کہ کس نے شکست کھائی اور کس کو فتح نصیب ہوئی۔"

ناسخ التواریخ اور اخبار الطوال کی روایت ہے کہ ابن زیاد کو شکستہ دل اور غم زدہ زینب سے ایسے پُر حوصلہ جواب کی توقع نہ تھی۔ وہ جز بز ہو کر کہنے لگا:

"خدا کا شکر ہے کہ جس نے تمہیں رسوا کیا اور تمہارا جھوٹ ساری دنیا پر الم نشرح کر دیا۔"

جناب زینب نے بڑے اطمینان کے ساتھ فرمایا:

"ہاں شکر ہے اُس خدا کا جس نے ہمیں پاک و پاکیزہ قرار دیا۔ رسوا تو وہ ہے جو فاسق و فاجر ہو اور جھوٹ اس کا کھلتا ہے جسے حق کا پاس و لحاظ نہ ہو۔"

یہ جواب سن کر ابن زیاد کا مزاج بہت برہم ہو گیا اور اس کو غصہ سے کانپتے دیکھ کر عمرو بن حریث کوتوال کوفہ نے گفتگو کا سلسلہ منقطع

کرنے اور بات دوسری باتوں میں لگانے کی غرض سے کہا:

"خدا امیر کا بھلا کرے۔ عورتوں کی بات کا برا نہیں ماننا چاہیئے۔ آپ اس گفتگو سے منغص نہ ہوں"

لیکن ابن زیاد غیظ و غضب سے بے قابو ہو چکا تھا۔ اس نے نہایت کرخت اور سخت لہجے میں جناب زینب سے کہا:

"تیرے سرکش بھائی اور اس کے عزیزوں اور دوستوں کے قتل سے میرا دل بہت خوش ہوا ہے"

یہ سن کر جناب زینب کے دل پر سخت چوٹ لگی۔ قریب تھا کہ آنسو چھلک پڑیں مگر آپ نے دل کو سنبھالا اور تھرتھراتی ہوئی آواز سے فرمایا:

"بے شک تو بہت خوش ہوا ہے۔ تیری تمنا بر آئی ہے۔ تو نے میرے جوانوں کو ذبح کر دیا۔ میرے درخت کی شاخیں کاٹ دیں اور جڑ کو اکھاڑ کر پھینک دیا"

اس موقع پر سید سجاد نے محسوس کیا کہ جناب زینب کا دل بھر آیا ہے اور اب ابن زیاد سے ان کی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دینا ضروری ہے۔ لیکن آپ نے پھوپی کی باتوں میں دخل انداز ہونے کے بجائے کچھ اس انداز سے ابن زیاد کی جانب اپنا رخ کیا کہ وہ خود اس گفتگو کو ختم کر کے آپ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

کامل اثیر اور ناسخ التواریخ کا بیان ہے کہ ابن زیاد نے آپ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟

فرمایا: علی بن الحسین۔

ابن زیاد بولا۔ کیا علی بن الحسین کو خدا نے قتل نہیں کیا؟

آپ نے فرمایا: اس نام کا میرا ایک چھوٹا بھائی تھا۔ اسے لوگوں نے قتل کیا۔

ابن زیاد کو یہ سن کر غصہ آیا اور گرج کر کہنے لگا: "لوگوں نے نہیں۔ خدا نے۔ خدا نے تیرے بھائی علی کو قتل کیا ہے۔

سید سجاد نے قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی (ترجمہ) "خدا ہی موت کے وقت روح قبض کرتا ہے۔ کوئی اس کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا"

ابن زیاد آیت سن کر جھلا اٹھا اور کہا: لڑکے! تیری یہ جرأت کہ میرے کلام کا جواب دے! خدا تجھے مار ڈالے۔ تو بھی ان ہی میں سے ہے۔ یہ کہہ کر ایک شخص کو حکم دیا کہ اس نوجوان کی گردن اڑا دے۔

جناب زینب یہ سن کر بے تاب ہو گئیں اور ابن زیاد سے کہنے لگیں: کیا ابھی تک ہمارے گھرانے کا خون بہانے سے تیرا جی نہیں بھرا؟ یہ فرما کر اپنے پیارے بھتیجے سے لپٹ گئیں اور ابن زیاد سے فرمایا:

"خدا کی قسم! میں اپنے اس بچے سے جدا نہ ہوں گی۔ اگر تو انھیں قتل ہی کرنا چاہتا ہے تو پہلے میری گردن اڑا دے"

یہ سن کر علی بن الحسین نے فرمایا: عمہ محترمہ! مجھے چھوڑ دیجئے۔ پھر ابن زیاد کی جانب متوجہ ہو کر کہا:

"اے زیاد کے بیٹے! تو مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے! کیا تو یہ نہیں جانتا کہ راہ خدا میں قتل ہو جانا ہماری عادت ہیں

---

ے جیسا کہ مقدمہ میں ایک مقام پر اس واقعہ کی طرف چند اشارے درج کیے جا چکے ہیں۔

سے ہے اور اعلائے دین کے لیے شہادت پانا ہمارے لیے کرامت ہے۔ لیکن اگر تجھ میں ذرا بھی عرب کی حمیت و غیرت باقی ہے تو میرے قتل کے بعد ان عورتوں کی نگرانی پر کسی ایسے شخص کو مقرر کر جو اسلام کے طور طریق سے واقف ہو۔"

ابن زیاد نے بھرے دربار میں، جہاں عرب کے منتخب خاندانوں کے چیدہ اشخاص موجود تھے، ان کلمات کو سن کر سر جھکا لیا اور کچھ دیر بعد گردن اٹھا کر جناب زینب کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا:

"علی کی بیٹی! میں دیکھتا ہوں کہ تجھے تو اس نوجوان سے پہلے قتل ہونا چاہتی ہو۔ خیر! میں اس لڑکے کو مار کر کیا کروں گا۔ جبکہ یہ خود ہی اپنی بیماری سے مرنے والا ہے۔"

یہ کہہ کر ابن زیاد امام حسینؑ کے سر کی جانب متوجہ ہوا جو اس کے سامنے ایک طلائی تشت میں رکھا ہوا تھا۔ علامہ طبری اور کامل ابن اثیر کا بیان ہے کہ اس وقت ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اور وہ اس چھڑی سے نواسۂ رسول کے لب و دندان کے ساتھ بے ادبی کر رہا تھا۔ اتفاق سے دربار میں زید بن ارقم، رسالتمآب کے مشہور صحابی موجود تھے۔ یہ دیکھ کر غصہ سے ان کا جسم تھر تھر کانپنے لگا اور چلا اٹھے۔

"اے کم بخت ابن زیاد! کیا کرتا ہے۔ میں نے رسول اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ حسین کے انہی لب و دندان کو، جن کے ساتھ تو گستاخی کر رہا ہے، پیار کرتے تھے اور چومتے تھے۔"

زید بن ارقم یہ کہہ کر چیخ چیخ کر رونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا دربار مجلس عزا بن گیا۔ ابن زیاد یہ دیکھ کر بہت برہم ہوا اور کہنے لگا:

"(نعوذ باللہ) اے اللہ کے دشمن! خدا نے ہم کو فتح دی اور تو روتا ہے! اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو میں ابھی تیری گردن اڑا دیتا۔"

زید نے کہا:

"اے ابن زیاد! قسم خدائے وحدہ لاشریک کی، میں نے خود رسالتمآب کو ایک دن دیکھا کہ حسنؑ کو داہنے زانو پر اور حسینؑ کو بائیں زانو پر بٹھا کر ان کے سروں پر اپنے ہاتھ رکھے ہوئے بیٹھے اور فرما رہے تھے "خداوندا! میں ان دونوں بچوں کو تیرے اور تیرے نیکوکار بندوں کے سپرد کرتا ہوں۔" اے ابن زیاد! تو نے امانتِ رسولؐ کی خوب نگہبانی کی۔"

یہ کہہ کر زید بن ارقم دل برداشتہ ہو کر دربار سے نکل گئے اور جاتے وقت فرمایا:

"اے کوفہ والو! آج سے تم غلام ہو! تم نے فاطمہ کے لال کو قتل کیا اور مرجانہ لونڈی کے بیٹے کو اپنا حاکم بنایا جو تمہارے نیک لوگوں کو قتل کرتا ہے اور بدمعاشوں کو زندہ رکھتا ہے۔ تم دولت پر مر مٹے۔ خدا انھیں ہلاک کرے جو دولت پر جان دیتے ہیں۔"

یہ الفاظ کامل ابن اثیر اور طبری کے علاوہ دوسرے مورخین نے بھی نقل کیے ہیں۔ البتہ بعض ارباب مقاتل نے یہ واقعہ زید بن ارقم کے بجائے انس بن

مالک کی طرف منسوب کیا ہے ۔

# کوفہ سے دمشق کو روانگی

ابن زیاد نے علی بن الحسین اور ان کے لٹے ہوئے قافلے کو جامع مسجد کوفہ کے قریب ایک تنگ و تاریک مکان میں قید کر دیا اور یزید کے پاس فتح کی مبارک باد بھیجی اور دریافت کیا کہ قیدیوں کے ساتھ اب کیا سلوک کیا جائے ۔ دو ہفتہ بعد یزید کا قاصد دمشق سے یہ حکم نامہ لے کر آیا کہ قیدیوں کو مع شہیدوں کے سروں کے دمشق روانہ کر دیا جائے ۔

ارشاد شیخ مفید اور اخبار الطوال کا بیان ہے کہ ابن زیاد نے شہداء کے سر زحر بن قیس اور طارق بن ظبیان کی حفاظت میں شام کی طرف روانہ کیے اور بعد کو شمر ذی الجوشن کی نگرانی میں اسیران اہل بیت کو روانہ کیا گیا ۔

کوفہ سے دمشق کی مسافت تقریباً پانچسو میل ہے اور دمشق کو دو راستے جاتے ہیں جن میں سے ایک عام گزرگاہ ہے جس پر عراق اور شام کے بڑے بڑے شہر واقع ہیں ۔ چونکہ حکومت کو علی بن الحسین اور اہل بیت کی تشہیر کر کے اپنی شان و شوکت کا سکہ جمانا مقصود تھا اس لیے شہیدوں کے سر ہائے بریدہ اور اسیرانِ آلِ محمدؐ کو عام گزرگاہ سے بھیجا گیا تاکہ حسین کی شکست اور یزید کی فتح کا شہرہ عام ہو جائے ۔ لیکن ابن زیاد اور یزید کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ اس سلسلے میں قضائے الٰہی سے ٹکرا رہے ہیں اور اس خون ناحق کا ڈھنڈورا پیٹ کر خود اپنے ہاتھوں اپنی بنیادیں متزلزل کر رہے ہیں اور قدرت خود ان ہی کے اقدامات سے ان کے مظالم کا پردہ چاک کر رہی ہے ۔ چنانچہ اثنائے سفر میں جدھر جدھر سے بھی کربلا کے قیدی اور شہیدوں کے سر گزرتے تھے اور لوگ علی بن الحسین سے ہمکلام ہو کر حقیقت حال سے باخبر ہوتے تھے ، یزید کے خلاف شورش اور یزیدیت کے خلاف عام نفرت پیدا ہوتی چلی جا رہی تھی ۔ اس سفر کے دوران سید سجاد اور آپ کے ساتھ جناب زینب و ام کلثوم بھی گویا حق و صداقت کے اعلان کی دو لوتی ہوئی تصویریں تھیں جنھوں نے حسین مظلوم کی محبت ان لوگوں کے دلوں میں بھی راسخ کر دی جنھوں نے حسین کو کبھی نہیں دیکھا تھا ۔

# منزل بمنزل علی بن الحسین کی تبلیغ حق

ناسخ التواریخ ۔ روضۃ الصفا ۔ روضۃ الاحباب ۔ ضیاء العین فی مقتل الحسین (امام اسفرائنی) ۔ منتخبات (علامہ طریحی) اور علامہ طبری کے بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ قافلہ اہل بیت کوفہ سے چل کر دمشق تک جس جس منزل سے گزرا وہاں کے لوگوں میں توبے فی صدی یزید کے خلاف نفرت اور حسین کی محبت کا عام جذبہ پیدا ہوتا چلا گیا ۔ علامہ ہاشم السعدی نے جغرافیۃ العراق میں لکھا ہے کہ یہ قافلہ کوفہ کے بعد ایک صحرا کو طے کرتا ہوا ، تل عفر سے گزرتا ہوا سنجار میں پہنچا ۔ جہاں یزید کے معتقدین کی آبادی تھی ۔ اسی شہر کے نزدیک وادی فضائے مشیخان واقع ہے جو یزیدیوں کا مقدس مقام ہے ۔ اگرچہ ان مقامات پر کوئی خاص حادثہ رونما نہیں ہوا تاہم سید سجاد کی جبین مبارک پر ، نوجوانی کے عالم میں سجدے کا نشان دیکھ کر اور بے پناہ کلفتوں اور مصیبتوں کے باوجود زبان مبارک سے خدائے تعالےٰ کا شکر سن کر لوگوں کے دل آپ کی طرف کھنچ آتے تھے اور اکثر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے تھے ۔

سنجار سے یزیدی فوجیں نصیبین میں پہنچیں جہاں ملا حسین کاشفی کے بیان کے مطابق منصور بن الیاس حکمران تھا۔ اس منزل پر جب لوگ سید سجاد کے زہد و تقویٰ کو دیکھ کر آپ کے گرد جمع ہو گئے تو اس وقت جناب زینب نے اپنے بھائی کے سر کو مخاطب کر کے کہا:

"محمدؐ کے لال! تم دیکھ رہے ہو کہ یہ ظالم ہمیں شہر بشہر تشہیر کر رہے ہیں۔"

مختصر سے چند کلمے تھے جو تیر کی طرح لوگوں کے دلوں میں پیوست ہو گئے اور تماشائیوں کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ سالار فوج نے رنگ بگڑتے ہوئے دیکھ کر قافلہ کو کوچ کا حکم دے دیا اور آن کی آن میں شامیوں اور کوفیوں نے نصیبین سے نکل کر عین الورد سے گزرتے ہوئے شہر دعواۃ میں قیام کیا۔ جہاں شمر کے حکم سے امام حسین کا سر سید سجاد کے قریب لا کر ایک شخص بار بار یہ اعلان کر رہا تھا:

"یہ اس شخص کا سر ہے جس نے یزید بن معاویہ کے خلاف خروج کیا تھا اور یہ اس کا بیٹا ہے"

ان کلمات کو سن کر لوگ سید سجاد کے چہرے کو دیکھتے تھے اور آپ کے روئے مبارک پر زہد و تقویٰ کے آثار دیکھ کر شرم سے گردنیں جھکا لیتے تھے۔

دعواۃ سے آگے چل کر یہ قافلہ پینسٹھ میل کے فاصلے پر رقہ میں مقیم ہوا۔ رقہ کو البیضا بھی کہتے ہیں۔ قاضی نصیر الدین مصنف تفسیر "البیضاوی" اسی شہر کے باشندے تھے۔ البیضا (رقہ) کی حکومت اس وقت دو بھائیوں کے ہاتھ میں تھی جن میں ایک کا نام سلیمان بن یوسف تھا۔ شمر کی خواہش سے یہ دونوں بھائی افواج یزید کے استقبال کو آئے۔ لیکن سلیمان نے جب امام زین العابدینؑ کی جانب دیکھا تو ایسے زاہد و عابد نوجوان کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھ کر اس کا دل تڑپ اٹھا اور اس نے اپنے بھائی کو ان اسیروں کی ہمدردی کا مشورہ دیا۔ جس پر دونوں میں تکرار ہو گئی۔ آخر سلیمان نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ یزیدی دستے یہ دیکھ کر تیز رفتاری کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھے ——— راستے میں جناب سکینہ اونٹ سے گر پڑیں اور کسی کو پتہ نہ چلا۔ جب معلوم ہوا تو شمر قافلہ کو روک کر سید سجاد کو کھینچتا ہوا ان کی تلاش میں چلا۔ آخر جناب سکینہ کچھ فاصلے پر مل گئیں۔

رقہ سے چل کر یہ لوگ (۱۳۰) میل کے فاصلے پر قلعہ جوسق میں پہنچے۔ یہ یہودیوں کی ایک بستی تھی۔ قلعہ دار کا نام عزیز تھا۔ عزیز کو علی بن الحسین کی شکل دیکھ کر آپؑ سے ہمدردی پیدا ہوئی اور اس نے بتایا کہ جناب موسیٰ و ہارون نے جس مقدس ہستی کی پیش گوئی کی تھی، اس نوجوان کے چہرے میں اس کے آثار پائے جاتے ہیں۔ نیز ان قیدیوں کے سرپرست (حسین) کی شہادت کا واقعہ بالکل وہی ہے جس کی خبر توریت میں دی گئی ہے۔ عزیز یہ کہہ کر اسلام لے آیا اور فوج یزید اس کی پذیرائی سے مایوس ہو کر آگے بڑھ گئی۔

جوسق سے چند میل کے فاصلے پر منزل بشر ہے۔ یہاں ابوالحوق کی روایت کے مطابق سر حسین کے نگہبان اسمٰعیل نے نیم بیداری کے عالم میں علی بن الحسین کو اپنے نانا رسالتمآب سے باتیں کرتے ہوئے اور آنحضرتؐ کو ان مصائب پر گریہ فرماتے ہوئے دیکھا۔

بشر کے بعد یہ جماعت شہر عقیلان۔ اس کے بعد منزل بسر اور پھر حلب میں پہنچی۔ ان مقامات پر لوگ علی بن الحسین کے نورانی چہرے کی زیارت کر کے یزید سے منحرف ہو گئے۔

حلب سے کوہ جوشن ہوتے ہوئے اسیران اہل بیت سرمین، اس کے بعد قنسرین میں لائے گئے۔ یہاں بھی لوگوں کے دل قافلہ سالار اہل بیت کے

قدموں میں فرشِ راہ بن گئے اور شامیوں کو لعنت ملامت کرنے لگے۔

اس منزل کے بعد معرۃ النعمان میں ایک رات جشن مناکر شامی دستے علاقہ حمص کے قصبہ شیزر میں پہنچے۔ سید سجاد نے یہاں خشوع و خضوع کے ساتھ نماز ادا کی جس کے بعد یہاں کے باشندے مقابلے پر آمادہ ہوگئے۔ اس کے بعد قلعہ کفر میں بھی یہی صورت پیش آئی اور اگرچہ خولی بن یزید نے قلعہ والوں کو بہت دھمکایا مگر وہ فوج یزید سے کسی قسم کے تعاون پر تیار نہ ہوئے اور آخر کار یزیدیوں کو اس مقام پر منزل کیے بغیر ہی آگے بڑھنا پڑا۔

سیبتور کے لوگوں نے بھی فوج یزید کا مقابلہ کیا۔ حماۃ میں بھی جنگ ہوئی۔ آخر قافلہ حمص میں پہنچا۔ وہاں کے لوگوں نے سید سجاد کو گرفتار مصائب دیکھ کر افسوس کیا کہ شامیوں نے ایسے باخدا انسان کو کیوں گرفتار کرلیا ہے اور شور مچایا:۔

یا قوم اکفرا بعد الایمان و ضلالا بعد الھدیٰ

یعنی اے لوگو! ایمان کے بعد کافر اور ہدایت پانے کے بعد گمراہ نہ ہو!"

دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کا سامان ہونے لگا اور یزیدیوں نے یہاں سے فرار کرکے دیر راہب میں پڑاؤ ڈالا۔ ارباب مقاتل نے بالاتفاق لکھا ہے کہ یہاں یزیدی دستے کے سپاہی شراب نوشی اور عیش و عشرت میں مشغول تھے کہ یکایک ایک ہاتھ نمودار ہوا اور اس نے دیر راہب کی دیوار پر یہ شعر لکھ دیا۔

اترجو امۃ قتلت حسینا شفاعۃ جدہ یوم الحساب

— یعنی "جن لوگوں نے حسین کو قتل کیا ہے کیا وہ روز قیامت ان کے جد سے شفاعت کی امید رکھتے ہیں!"

اس واقعہ کو دیکھ کر سب لوگ سہم گئے۔ رات میں راہب نے ایک طرف سید سجاد کو شب بھر عبادت الٰہی میں ان خصوصیات کے ساتھ مصروف عبادت پایا جو اس کی آسمانی کتاب میں انبیاء سے مختص ہیں اور دوسری جانب ایک صندوق سے نور چھنتے ہوئے دیکھا۔ اسے سخت تعجب ہوا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ نوجوان علی بن الحسین ہیں اور اس صندوق میں ان کے باپ حسین کا سر حفاظت کی غرض سے بند کر دیا گیا ہے۔ راہب ان واقعات سے بے حد متاثر ہوا اور شامیوں سے عدم تعاون کا اعلان کر دیا۔

حرّان یہودیوں اور عیسائیوں کی بستی تھی۔ روضۃ الاحباب کا بیان ہے کہ جب قافلہ اہل بیت یہاں پہنچا اور عام لوگوں نے امام زین العابدین کی صورت سے ان کی بے گناہی کا اندازہ لگایا تو اس کی خبر سن کر یہودیوں کا سب سے بڑا عالم یحییٰ حرّانی واقعات کی تصدیق کے لیے آیا۔ اس نے دیکھا کہ امام حسین کے سر بریدہ کے ہونٹ جنبش میں ہیں۔ اس نے قریب جا کر سنا تو آپ آیۂ قرآنی وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون کی تلاوت فرما رہے تھے۔

یہودی یہ واقعہ دیکھ کر اسلام لے آیا۔

علامہ طبری نے اپنی کتاب میں اسناد کے ساتھ درج کیا ہے کہ تیس میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد یہ لوگ بعلبک میں پہنچے اور وہاں جی بھر کے شراب نوشی کی۔ اس مقام پر لوگوں نے یزیدیوں کے فسق بالاعلان اور امام زین العابدین کی خدا پرستی کو دیکھ کر یزید اور اس کے پرستاروں سے سخت نفرت کا اظہار کیا۔

# دمشق میں داخلہ اور علی بن الحسین کی ایک بوڑھے سے گفتگو

ابن شہر آشوب نے صحابی رسُول اللہ سہل بن سعد کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ سہل فرماتے ہیں میں ہم اربیع الاول ۶۱ھ کو ایک سفر کے دوران دمشق میں پہنچا دیکھا کہ بازاروں میں آئینہ بندی کی گئی ہے۔ دوکانوں پر رنگارنگ پردے لٹکائے گئے ہیں۔ لوگ لباس فاخرہ پہنے جابجا میلہ لگائے ہوئے ہیں۔ دف، نقارے اور طرح طرح کے باجے بجائے جا رہے ہیں۔ سوچا کہ شاید آج یہاں کوئی مقامی تیوہار ہوگا۔ بڑھ کر ایک راہ گیر سے دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ نواسۂ رسُول امام حسین شہید کر دیے گئے اور آج ان کے فرزند علی بن الحسین کو مع ان کی ماں بہنوں اور بی بیوں کو قید کر کے یہاں لایا جا رہا ہے اس لیے حکومت کی جانب سے تمام شہر کو جشن منانے کا حکم دیا گیا ہے۔ پہلے یہ سُنا کہ یہ قافلہ باب الساعات سے شہر میں داخل ہوگا۔ پھر پتہ چلا کہ اُدھر ہجوم کی وجہ سے داخلہ مشکل ہے اس لیے اسیران اہل بیت کسی اور باب سے شہر میں لائے جائیں گے۔ آخر میں خبر ملی کہ زین العابدین اور اہل حرم کو باب جیرون سے شہر میں داخل کیا جا رہا ہے۔ میں دوڑ کر اس طرف پہنچا۔ اس وقت یزید کے لشکر شہر میں داخل ہو چکے تھے۔ میں نے دُور سے دیکھا کہ ایک بیمار ناتواں، پاؤں میں بیڑیاں، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں گلے میں خاردار طوق پہنے، ہاتھ میں اونٹوں کی مہار لیے گرتا پڑتا چلا آرہا ہے۔ اس کے پیچھے چند بی بیوں کے ناقے ہیں جن کے ہاتھ پشت پر باندھ دیے گئے ہیں۔ یہ تمام بی بیاں سر برہنہ بال بکھرائے ننگی پیٹھ کے اونٹوں پر سوار ہیں۔ بیمار کے پیچھے ناقے پر ایک معظمہ سوار ہیں۔ اس ناقہ کے ساتھ ساتھ ایک شخص چل رہا ہے جو نوک نیزہ پر ایک سر لیے ہوئے ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ یہ حسین مظلوم کا سر ہے اور یہ بیمار نوجوان اُن کے فرزند علی بن الحسین ہیں جو رسُول زادیوں کے ناقوں کی مہار لیے ہوئے ہیں۔ میرا دل تڑپ اٹھا۔ آنکھوں میں رسالتمآب کے زمانے کی تصویریں پھرنے لگیں۔ سر جھک گیا۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ہجوم کو ریلتا پیلتا کسی نہ کسی طرح اسیروں کے قریب پہنچا اور اس ہنگامہ میں جو ممکن تھا خدمت بجالایا۔ یہاں تک کہ یہ قافلہ مسجد جامع مسجد کے قریب پہنچ گیا اور یہاں لاکر سب قیدی کھڑے کر دیے گئے۔ یکایک ایک بوڑھا علی بن الحسین کے قریب آیا اور کہنے لگا:

"خدا کا شکر ہے کہ تمھارے بزرگ مارے گئے۔ شہروں کو ان کے مظالم سے نجات ملی۔ فتنہ و فساد کی شاخ قطع ہوئی اور یزید تم لوگوں پر غالب آیا۔"

امام نے بوڑھے کی بات سُن کر پوچھا۔

"اے شیخ! تُو نے قرآن پاک پڑھا ہے"؟

اُس نے کہا۔ "ہاں کیوں نہیں، ضرور پڑھا ہے"۔

فرمایا: "قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ (کہہ دے اے محمدؐ کہ میں تم سے رسالت کا کوئی اجر سوائے اس کے نہیں مانگتا کہ میرے قرابیوں سے محبت رکھو) ضرور تیری نظر سے گزرا ہوگا"؟

"بے شک گزرا ہے"۔ بوڑھے نے جواب دیا۔

امام نے فرمایا: "تو یقین کر کہ وہ قرابت دار رسول ہم ہی ہیں اور ہماری ہی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ پھر فرمایا۔ اے شیخ!

تو نے آیۂ وَآتِ ذَا القربیٰ حقہ (اے محمدؐ ذوی القربیٰ کو ان کا حق ادا کر) بھی یقیناً پڑھی ہوگی؟"

اس نے کہا "ہاں یہ آیت بھی پڑھی ہے۔"

پھر فرمایا "اور تو نے یہ آیت پڑھی ہے جس میں مسلمانوں سے خطاب کیا گیا ہے واعلموا انما غنمتم من شیئٍ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ یعنی اے مسلمانو! اچھی طرح جان لو کہ تمھیں جو کچھ مالِ غنیمت ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ رسول اور ذوی القربیٰ کو دے دو۔"

عرض کی "ہاں میں نے یہ آیت بھی پڑھی ہے۔"

علی ابن الحسین نے فرمایا: "وہ ذوی القربیٰ بھی ہم ہی ہیں جنھیں اللہ نے اپنے رسولؐ کے ساتھ خمس کے حق میں شریک قرار دیا ہے۔"

اس کے بعد فرمایا کہ کیا تو نے آیۂ تطہیر[1] بھی پڑھا ہے؟"

شامی نے کہا "جی ہاں۔ میں نے آیۂ تطہیر بھی پڑھتا ہے۔"

فرمایا "وہ اہل بیت، جن کی طہارت پر خدائے تعالیٰ نے یہ سند نازل فرمائی ہے۔ ہم ہی ہیں۔"

بوڑھا یہ سُن کر رو دیا اور اپنے جسارت آمیز سوال پر نادم ہوا اور عمامہ سر سے پھینک کر آسمان کی طرف منہ بلند کیا اور بارگاہ رب العزت میں رو رو کر کہنے لگا۔ الٰہی میں دشمنانِ آلِ محمدؐ سے بیزار ہوں۔ میری توبہ قبول کر۔[2]

ابھی علی ابن الحسین اسی مقام پر کھڑے تھے کہ اتنے میں طلحہ کے بیٹے ابراہیم آپ کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے "علی ابن الحسین! خدا کا شکر ہے کہ تم مغلوب ہوئے۔"

امام نے فرمایا۔ "اے طلحہ کے فرزند! اگر اس امر کو جاننا چاہتا ہے کہ کون مغلوب ہوا تو نماز کے وقت اذان و اقامت اور پھر اشھد ان محمداً رسول اللہ سُن کر فیصلہ کرنا کہ محمدؐ کی اولاد مغلوب ہوئی یا دوسروں کی!"

## علی ابن الحسین دربارِ یزید میں

امیر معاویہ کا وہ محل، قصر خضرا، جسے انھوں نے لاکھوں اشرفیاں صرف کر کے بنوایا تھا اور اس کی تعمیر کے بعد حضرت ابوذر غفاری (صحابی رسول) نے امیر معاویہ کی فضول خرچی اور عیش پسندی پر سخت اعتراضات کیے تھے اور ان ہی اعتراضات کی پاداش میں امیر معاویہ کی شکایت پر انھیں ربذہ میں جلاوطن کر دیا گیا تھا جہاں بے کسی کے عالم میں انھوں نے رحلت کی تھی ——— اسیرانِ اہل بیت کا قافلہ مسجد جامع دمشق سے چل کر اس محل کے پاس لایا گیا اور وہاں دیر تک ٹھہرایا گیا۔

ارباب مقاتل کے بیان کے مطابق خود امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ جس طرح گوسفند کی گردن میں رسی باندھ دی جاتی ہے، اسی

---

[1] انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا یعنی اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ یہ ارادہ کر چکا ہے کہ تم سے ہر قسم کی برائی کو دور کرے اور تمھیں ویسا پاک قرار دے جیسا کہ پاک قرار دینے کا حق ہے۔ [2] جب یزید کو اس واقعہ کی خبر پہنچی تو اس نے اس بوڑھے کو گرفتار کر کے اس کے قتل کا حکم دے دیا۔

طرح ہم اسیران اہل بیت کی گردنیں ایک ریسمان میں باندھ کر ہمیں دربار یزید میں لے گئے۔ اس وقت یزید بڑی سج دھج کے ساتھ مسند شاہی پر فاتحانہ انداز سے بیٹھا ہوا تھا۔ دربار کو عید کی طرح سجایا گیا تھا چاروں طرف طلائی اور نقرئی کرسیوں پر شام کے شرفاء و امراء تھے۔ ہمارے داخل ہوتے ہی ایک شخص نے پکار کر کہا

"فاجران لئیم امیرالمؤمنین یزید کے سامنے حاضر کیے جا رہے ہیں"

امام فرماتے ہیں یہ سن کر میں نے بھی باوجود ضعف و نقاہت کے گرج کر کہا:

"فاجر اور لئیم وہ ہے جو خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کی اہانت کا مرتکب ہو"

اس وقت یزید کے سامنے ساغر و مینا اور سرود و ساز کا سامان رکھا ہوا تھا۔۔۔ امام کے یہ کلمات نیزہ کی طرح دل میں گڑ گئے ہوں گے مگر زبان سے کسی نے کچھ نہ کہا۔

اتنے میں یزید کے سامنے ایک سنہری طشت میں امام حسینؑ کا سر پیش کیا گیا تو علامہ طبری اور یعقوبی کے بیان کے مطابق اسے دیکھتے ہی یزید نے بڑے فخر و ناز کے ساتھ چند اشعار پڑھے جن کا ماحصل یہ ہے:۔

"کاش میرے بزرگ جو جنگ بدر میں مارے گئے تھے، آج زندہ ہوتے تو مجھے داد دیتے۔"

"میں نے بنی ہاشم کے سرداروں کو قتل کیا۔ بے شک میں عتبہ کی نامور نسل سے ہوں۔"

"سچ یہ ہے کہ بنی ہاشم (محمد مصطفےٰؐ) نے سلطنت کا کھیل کھیلا تھا۔ ورنہ کیسی وحی اور کہاں کے فرشتے۔"

طبقات ابن سعد اور مروج الذہب کا بیان ہے کہ اس کے بعد سر مبارک کے ساتھ یزید نے بھی وہی بے ادبی کی جس کا مرتکب ابن زیاد ہوا تھا۔ یزید کے ہاتھ میں اس وقت خیزران کی ایک چھڑی تھی۔ اس موقع پر دربار میں ابو برزہ اسلمی صحابی رسول موجود تھے۔ وہ یزید کی یہ جرأت دیکھ کر غصہ سے بے تاب ہو گئے اور بولے کہ اے نامراد! اپنی چھڑی اس دہن مبارک سے جلد ہٹا۔ قسم خدا کی میں نے رسول اللہ کو دیکھا ہے کہ وہ لب ہائے حسین کو بوسہ دیتے تھے۔ یزید نے طیش میں آکر حکم دیا کہ اس کو کھینچ کر دربار سے باہر نکال دیا جائے۔ چنانچہ اسی وقت اس فرعونی حکم کی تعمیل کی گئی۔

خواص الائمہ میں ابن ابی الدنیا نے حسن بصری کے حوالہ سے یہی واقعہ نقل کیا ہے۔ بعض تاریخوں میں یہ واقعہ سمرہ بن جندب صحابی رسولؐ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان کے احتجاج پر یزید نے کہا کہ اے سمرہ! اگر مجھے تمہارے صحابی ہونے کا پاس نہ ہوتا، تو میں تمہیں ضرور قتل کرا دیتا۔ سمرہ نے یہ سن کر کہا سبحان اللہ! رسولؐ کے صحابی کا یہ پاس اور نواسے سے یہ سلوک۔

---

# علی بن الحسین سے یزید کا مکالمہ

یزید، علی بن الحسین کی طرف متوجہ ہوا، جو پابہ زنجیر اس کے سامنے کھڑے تھے۔ یزید نے بڑے متکبرانہ لہجے میں کہا:

"تم نے دیکھا یہ کیا ہوگیا؟ یہ سب اس بات کا نتیجہ ہے کہ تمہارے باپ نے قطع رحم کیا اور خلافت کے بارے میں میری مخالفت کی۔"

امام زین العابدین نے اس کے جواب میں حسب ذیل آیت پڑھی:۔

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل الخ

یعنی "جتنی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں وہ سب ہم نے لوح محفوظ میں لکھ دی ہیں، قبل اس کے کہ تمہیں پیدا کریں۔ تاکہ جو کچھ تمہیں نہیں مل سکا اس پر آزردہ نہ ہو اور جو چیز تمہیں مل گئی ہے اس پر خوشیاں نہ مناؤ۔"

اس آیت کے تلاوت فرمانے کے بعد امام نے کہا:۔

اے یزید! ہم ہی ہیں جنھوں نے اس آیت پر عمل کیا ہے اور ہر حال میں قضائے الٰہی پر راضی اور خوشنود رہے ہیں۔ نہ کبھی فوت ہونے والی شے کا غم کیا ہے اور نہ ہاتھ آئی ہوئی دولت پر مسرور ہوئے ہیں۔

یزید نے جھینپ کر اپنے بیٹے خالد سے کہا کہ جواب دو۔ مگر وہ ہونٹ چاٹ کر رہ گیا۔

# یہودی اور نصرانی علی بن الحسین کی حمایت میں

دربار یزید میں اسیران اہل بیت کی تحقیر کے خیال سے جو تماشائی بلوائے گئے تھے ان میں ایک یہودی بھی شامل تھا۔ اس نے علی بن الحسین کو، جن کے چہرے سے زہد و تقویٰ کا نور جھلک رہا تھا، اسیروں کی شکل میں دیکھ کر یزید سے پوچھا:۔

یہ نوجوان کون ہے؟

یزید نے کہا۔ علی بن الحسین۔

یہودی نے دریافت کیا حسین کون؟

یزید نے جواب دیا۔ علی بن ابی طالب کا بیٹا۔ اور محمدؐ بن عبداللہ کا نواسا!

یہودی نے حیرت سے کہا: کیا یہ حسین جس کو تم نے شہید کیا وہی ہے جو تمہارے نبی کا نواسا تھا؟

یزید یہ سن کر خاموش ہوگیا۔ یہودی نے کہا۔

افسوس ہے کہ تم نے حسین کو شہید کرتے وقت اپنے پیغمبر کے رشتہ کا کچھ پاس و لحاظ نہ کیا۔ قسم خدا کی گر موسےٰ کا نواسا ہمارے درمیان ہوتا تو یہود اس کی پرستش کرتے۔ تمہارا پیغمبر ابھی کل کی بات ہے، تم سے رخصت ہوا ہے اور تم اس کی اولاد کے ساتھ یہ سلوک کر رہے ہو، تم

بدترین اُمت ہو۔

یزید اس یہودی کی حق گوئی پر سخت برہم ہُوا اور حکم دے دیا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ یہودی نے کہا کہ تم مجھے مار دیا چھوڑ دو مگر اتنا کہے بغیر نہیں رہوں گا۔ توریت میں لکھا ہے کہ جو شخص پیغمبر کی عزت پر ہاتھ اٹھاتا ہے وہ دنیا میں بھی مردود ہے اور آخرت میں بھی۔

بالکل اسی نوعیت کا واقعہ بازنطینی سلطنت (رومن امپائر) کے سفیر کے ساتھ پیش آیا جو دربار یزید میں اس وقت موجود تھا۔ اس نے علی بن الحسین کی نورانی صورت کی کتاب میں علم و حلم و صبر و تحمل کے ان آثار کا مطالعہ کر کے جو اولیاء اللہ کے علاوہ دوسروں میں نہیں پائے جاتے یزید سے حقیقت حال دریافت کی اور کہا کہ

"تم کیسے مسلمان ہو کہ اپنے نبی کے نواسے کے فرزند اور ان کے بال بچوں کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کر رہے ہو جو کفار کے ساتھ بھی نہیں کیا جاتا۔ خدا کی قسم جا فر میں خر عیسیٰ کی ایک یادگار ہے۔ ہم عیسائی ہر سال وہاں جا کر چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور مراسم احترام بجالاتے ہیں۔ اے اہل شام بخدا تم ہلاک ہو گئے۔"

یہ کہہ کر وہ سفیر یکایک اٹھ کھڑا ہُوا اور بڑے تنفر اور تحقیر کے ساتھ درباریوں کو دیکھتا ہُوا وہاں سے چلا گیا۔

ایک اور یہودی نے درباریوں کو مخاطب کر کے کہا۔

"میرے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے درمیان ستر پشتوں کا فاصلہ ہے۔ مگر اب تک کل یہودی میرا احترام کرتے ہیں۔ مگر تم اپنے رسولؐ کی اولاد کے ساتھ ایسا برتاؤ کر رہے ہو اور اس پر نازاں ہو۔ تم قیامت کے دن اپنے رسولؐ کو کیا منہ دکھاؤ گے۔"

یہ واقعہ ابن خلکان نے اپنی تصنیف میں بڑی تفصیل کے ساتھ درج کیا ہے۔

## علی بن الحسین زندانِ شام میں

سید سجاد اور ان کی ماں بہنوں کو سر دربار مجمع عام میں بلوانے اور بخیال خود رسوا کرنے کے بعد یزید نے حکم دیا کہ انھیں اس محبس (قید خانہ) میں پہنچا دیا جائے جو مسجد شام کی پشت پر واقع ہے۔ یہ ایسا تکلیف دہ مکان تھا جس میں گرمی سردی سے مطلق پناہ نہ تھی اور نہایت تنگ و تاریک اور بوسیدہ تھا۔ ابتدا میں اسیران آل محمد کے خور و نوش سے کامل بے توجہی برتی گئی۔ کئی کئی وقت صاف گزر جاتے تھے۔ یہاں تک کہ بچے بھوک پیاس سے دم توڑنے لگتے تھے۔ علی بن الحسین کا بیان ہے کہ ایک دن انھوں نے اپنی عمہ محترمہ جناب زینب کو دیکھا کہ ہانڈی چولھے پر چڑھائے اس طرح بیٹھی ہیں جیسے آگ روشن کرنے کا عزم ہے۔ آپ نے پوچھا عمہ گرامی! یہ کیا حال ہے؟ بولیں کہ بچے شدتِ گرسنگی سے بے تاب تھے۔ یہ انھیں بہلانے کا سامان کر رہی ہوں۔

کچھ عرصہ تک اسیران کربلا اس خراب و خستہ مکان میں مقید رہے۔ اس کے بعد یزید کی بھتیجی بی بی ہند بنت عبداللہ نے اپنے محل ہی میں ایک مکان ان قیدیوں کے لیے خالی کر دیا۔ یہاں اہل بیت کو راحت بھی نصیب ہوئی اور آب و غذا کی بھی خبر لی جانے لگی۔

# شام میں علی بن الحسین کا خطبہ

علامہ ابن شہر آشوب نے کتاب احمر سے نقل کیا ہے کہ جن دنوں علی بن الحسین مسجد شام کے پیچھے قید خانہ میں مقید تھے، ایک دن یزید نے آپ کو بلوا لیا اور اپنے دربار کے ایک فصیح و بلیغ خطیب کو اشارہ کیا کہ اس لڑکے کا ہاتھ پکڑ کے منبر کے سامنے لے جا اور پھر ایک نہایت شان دار خطبہ پڑھ۔ جس کا مضمون یہ ہو کہ اس (علی بن الحسین) کے باپ دادا کی رائے خطا پر مبنی تھی۔ انھوں نے حق کے خلاف بغاوت کی۔ جس کی سزا کو پہنچے۔ خطیب نے یزید کے حکم کی تعمیل کی اور دنیا کی کوئی برائی ایسی نہ رہی جس کو اپنی خطابت کے دوران شہید کربلا، حسن مجتبیٰ اور علی مرتضیٰ کی طرف منسوب نہ کر دیا ہو۔ جس وقت وہ خطیب اپنا کام کر کے منبر سے اترا تو فوراً علی بن الحسین منبر پر تشریف لے گئے اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ حمد و صلوٰۃ ادا کر کے فرمایا:۔

معاشر الناس من عرفنی فقد عرفنی و من لم یعرفنی فانا اعرف نفسی۔ انا ابن مکۃ و منا۔ انا ابن المروۃ والصفا۔ انا ابن محمد المصطفیٰ۔ انا ابن من لا یخفی۔ انا ابن من علا فاستعلی۔ فجاز سدرۃ المنتھی۔ وکان من ربہ قاب قوسین او ادنیٰ۔ انا ابن من صلی بملائکۃ السماء مثنیٰ مثنیٰ۔ انا ابن من اسری بہ من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔ انا ابن علی المرتضیٰ۔ انا ابن فاطمۃ الزہراء۔ انا ابن خدیجۃ الکبریٰ۔ انا ابن المقتول ظلما۔ انا ابن المقطوع الراس من القفا۔ انا ابن العطشان حتی قضیٰ۔ انا ابن طریح الکربلاء۔ انا ابن مسلوب العمامۃ والرداء۔ انا ابن من بکت علیہ ملائکۃ السماء۔ انا ابن من ناحت علیہ الجن فی الارض والطیر فی الھواء۔ انا ابن من راسہ علی السنان یھدیٰ

لوگو! جس نے مجھے پہچان لیا، پہچان ہی لیا اور جس نے مجھے نہیں پہچانا اس کو میں اپنا تعارف کراتا ہوں۔ میں مکہ اور منا کا فرزند ہوں۔ میں صفا اور مروہ کا پارۂ جگر ہوں۔ میں محمد مصطفیٰ کا لال ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو انتہائے شہرت سے محتاج تعارف نہیں۔ میں اس کا نورِ نظر ہوں جو بلندی پر پہنچا تو اتنا بلند ہوا کہ سدرۃ المنتہیٰ سے گزر گیا۔ اور اپنے پروردگار سے اتنا قریب ہوا کہ دو کمانوں کا یا اس سے بھی کمتر فاصلہ رہ گیا۔ میں اس کا دلبر ہوں جس نے آسمانوں پر ملائکہ کو دو دو بار[1] نماز پڑھائی۔ میں اس کا نواسا ہوں جسے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی۔ میں علی مرتضیٰ کا پوتا ہوں۔ میں فاطمہ زہرا کا بیٹا ہوں۔ میں خدیجہ کبریٰ کا نواسا ہوں۔ میں اس کا فرزند ہوں جسے ظلم سے شہید کیا گیا۔ میں اس کا دلبر ہوں جس کا سر گُدّی سے کاٹا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے مرتے مرتے پانی نہ دیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کی لاش کربلا میں بے گور و کفن پڑی رہی۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا عمامہ اور کمر کا پٹکا تک (لاشے سے) اتار لیا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جسے آسمان کے فرشتے روئے۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کے لیے زمین پر جنوں نے اور فضا میں پرندوں نے گریہ کیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کا سر نوکِ نیزہ پر شہر بشہر

---

[1] ایک بار معراج میں عرش پر جاتے وقت، دوسری بار عرش سے واپس آتے وقت۔

انا ابن من حرمه من العراق الی الشام تسبیٰ - ایها الناس ان الله تعالیٰ وله الحمد ابتلانا اهل البیت ببلاء حسن حیث جعل ایة الهدی والعدل والتقی فینا وجعل رایة الضلالة و الردی فی غیرنا وفضلنا اهل البیت بستة خصال فضلنا بالعلم والحلم والشجاعة والسماحة والمحبة والمحلة فی قلوب المومنین وآتانا مالم یوت احداً من العلمین من قبلنا فینا

پھرایا گیا۔ میں اس کا بیٹا ہوں جن کے حرم عراق سے شام تک قیدی بنائے گئے۔ لوگو! اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہم اہل بیت کو قابل تحسین آزمائش میں مبتلا کیا کیونکہ اس نے ہدایت، انصاف اور تقویٰ کا جھنڈا ہمیں میں بلند کیا ہے اور گمراہی اور ہلاکت کا نشان ہمارے حریفوں سے مختص کر دیا ہے اور اس نے ہم اہل بیت کو چھ خصلتوں کے باعث فضیلت عطا فرمائی ہے یعنی علم، بُردباری، شجاعت، سخاوت اور مومنین کے دلوں میں محبت اور مقام اور ہم کو (مرتبہ) دیا جو کائنات میں ہم سے پہلے کسی کو نہیں دیا۔ ہم ہی پر ملائکہ اور آسمانی کتابیں نازل ہوئی ہیں۔

امام زین العابدین یہاں تک پہنچے تھے کہ مجمع کا رنگ متغیر ہونے لگا اور لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ قریب تھا کہ کوئی ہنگامہ اٹھ کھڑا ہو۔ موقع کی نزاکت دیکھتے ہوئے یزید نے مؤذن کو اشارہ کیا اور اس نے بآواز بلند اذان دینا شروع کر دی۔

مؤذن نے کہا۔ اللہ اکبر۔ امام نے خطبہ بند کیا اور اس کلمہ کا اعادہ کرتے ہوئے فرمایا۔ بے شک اللہ بزرگ ہے۔

مؤذن نے کہا۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ۔ آپ نے فرمایا۔ اشھد لما تشھد۔ یعنی جس کی تو شہادت دیتا ہے میں بھی اس کی شہادت دیتا ہوں۔

مؤذن نے کہا۔ اشھد ان محمداً رسول اللہ۔ آپ نے فرمایا۔ اے یزید! یہ محمدؐ تیرے جد ہیں یا میرے؟ اگر تو نے یہ کہا کہ یہ میرے (یزید کے) جد تھے تو یہ صریح جھوٹ ہے اور اگر یہ کہا کہ یہ تیرے (علی بن الحسین کے) جد تھے تو پھر کس لیے میرے باپ کو شہید کیا؟ اور کیوں مجھے اور ان کے اہل بیت کو قید میں ڈالا۔

اذان کے بعد آپ مجمع کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ لوگو! ایمان سے بتانا۔ تم میں کوئی ہے جس کا باپ علی مرتضیٰ، نانا محمد مصطفیٰ ہو۔ یہ سن کر مسجد میں چاروں جانب سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں۔

امام نے مڑ کر ایک بار پھر یزید کی طرف دیکھا اور فرمایا؛

"میں تجھ سے پوچھتا ہوں۔ بتا تو نے کس لیے محمدؐ کے نواسے کو شہید کیا اور کیوں اُن کی اولاد کو قید کیا"

یزید نے منہ سے کچھ نہ کہا مگر اتنا شرمسار ہوا کہ مسجد سے اٹھ کر گھر میں چلا گیا اور تمام مجمع میں کہرام مچ گیا۔

یہ واقعہ تاریخ کامل۔ جذب القلوب اور یعقوبی میں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اس پر یہ تبصرہ بھی کیا گیا ہے کہ اس واقعہ نے یزید کی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے محسوس کیا کہ اب دنیا قتل حسین کا راز سمجھ گئی ہے اور لوگوں کے دل خلافت کی جانب سے منحرف ہوتے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ خود اس کے اہل خاندان نے حسین کی مظلومیت اور اسیران کربلا کی بے گناہی کا کھلم کھلا اعلان شروع کر دیا ہے۔

# اپنے مصائبِ دمشق کے متعلق خود علی بن الحسین کے تاثرات

دمشق میں یزید کی جانب سے علی بن الحسین اور اُن کے خاندان کی جو تحقیر و تذلیل کی گئی اور انھیں جو جو طرزِ ستم ایجاد کر کے آزار پہنچایا گیا، اس کے تفصیلی واقعات کتب مقاتل و سیر میں شرح و بسط کے ساتھ درج ہیں۔ جن میں سے چند زیر نظر تذکرہ میں ہدیہ ناظرین کیے جا چکے ہیں۔ تاہم ان مختصر بیانات سے یزید کے ظلم و ستم کی حد اور علی بن الحسین کے مصائب کی انتہا، کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے ہم اس مقام پر ان تاثرات کا اعادہ مناسب سمجھتے ہیں جو خود علی بن الحسین جیسے یگانہ روزگار حلیم و بردبار شخص پر ان واقعات و حالات سے مترتب ہوئے تھے، جن سے آپ کو دمشق میں دوچار ہونا پڑا تھا۔

کتاب "لہوف علی قتل الطفوف" میں ابو مخنف کے حوالہ سے درج ہے کہ ایک دفعہ شام میں صحابی رسولؐ منہال بن عمر نے سید سجاد سے ملاقات کی اور آپ سے حالات دریافت کیے۔ امام نے جواب میں فرمایا:۔

"منہال! اُس دردرسیدہ کا کیا حال پوچھتے ہو جس کا باپ ظلم و شقاوت کے ساتھ شہید کر دیا گیا ہو جس کے اعوان و انصار بچھڑ گئے، جس کی بے مقنع و چادر ماں بہنیں، بلوائے عام میں اس کے گرد حلقہ کر کے فریاد کرتی ہیں، جب کہ وہ خود بھی زنجیروں میں جکڑا ہوا اور بے یارو مددگار ہو۔ ان ماں بہنوں کے ہاتھ ان کی پشت سے باندھ دیے گئے ہوں، جس کے باعث وہ ہاتھوں سے بھی اپنے چہرے نامحرموں کے مجمع میں نہ چھپا سکیں ــــ اے منہال! ہمارے جسم آرام و آرائش سے بالکل، بالکل محروم ہیں۔ ہماری روحیں سخت کرب و اذیت میں مبتلا ہیں ہم ان مصائب سے دوچار ہیں، جن پر دشمن ہنستے ہیں اور شب و روز قدم قدم پر موت کو ہمارے سروں پر مسلط کیا جا رہا ہے ــــ اے منہال! عرب، اہل عجم پر فخر کرتے ہیں کہ محمدؐ ہم میں سے ہیں اور قریش کو قبائل عرب پر افتخار ہے کہ آنحضرتؐ ان کی برادری کے ایک فرد تھے مگر ہمارا ــ محمدؐ کی ذریت کا ــ یہ حال ہے کہ ہمارے کل حقوق ہم سے چھین لیے گئے، مردوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر کے در بدر پھرایا گیا اور رسوائیوں کا یہ لامتناہی سلسلہ برابر جاری ہے۔"

یہاں تک پہنچ کر علی بن الحسین نے ایک آہ سرد بھری اور فرمایا:

"اے منہال! یہ درد بھری داستان کہاں تک سناؤں۔ تمام مصیبتوں اور ذلتوں کا خلاصہ اور ماحصل یہ ہے ؎

أُقَادُ ذَلِيلاً فِي دِمَشْقَ كَأَنَّنِي<br>مِنَ الزَّنْجِ عَبْدٌ غَابَ عَنْهُ نَصِيرُ

یعنی میں دمشق میں اس طرح ذلیل و رسوا کیا گیا ہوں جیسے زنجبار کا ایک غلام جس کا کوئی والی و وارث نہ ہو۔

چہ دیکھنے میں یہ چند کلمات ہیں جو علی بن الحسین نے انتہائی تحسر کے عالم میں ارشاد کیے تھے۔ مگر جس شخص نے امام کی زندگی کا گہری نظر

سے مطالعہ کیا ہے اور جو اس بات کو جانتا ہے کہ آپ جیسے حلیم و صابر اور متحمل و ضابط انسان کل اولین و آخرین میں چند ہی گزرے ہوں گے —— اور جیسے یہ معلوم ہے کہ آپ کو اپنے جذبات پر اتنی قدرت حاصل تھی کہ جن لوگوں نے آپ کے منہ پر آپ کو برا بھلا کہا، ان کے حق میں بھی آپ نے ہمیشہ اپنی خلوت میں بیٹھ کر دعائے خیر و صلاح و اصلاح ہی فرمائی — کچھ وہی شخص اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ امام پر مصیبتوں اور رسوائیوں کے کتنے عظیم پہاڑ ٹوٹ پڑے ہوں گے جن کے بعد آپ جیسے صبر و علم کے کوہ مستقیم، میں جنبش پیدا ہوئی اور مذکورہ شعر کی صورت میں آپ نے اپنے تاثرات کا اظہار فرمادیا۔

## یزید کے رویہ میں تبدیلی اور اس کے اسباب

علی بن الحسین کی گرفتاری، اہل بیت کی اسیری اور سرہائے شہداء کے ساتھ بازاروں اور درباروں میں خاندان رسول کی تشہیر سے یزید کی غرض اصلی یہ تھی کہ محمدؐ کی اولاد اس قدر رسوا ہو جائے کہ لوگوں کے دل پھر ان کی طرف مائل نہ رہیں۔ نیز ان عبرت ناک سزاؤں کے خوف سے عوام کے حوصلے اتنے پست ہو جائیں کہ پھر کسی کو حق گوئی اور اعلان صداقت کی جرأت ہی نہ ہو۔ لیکن اس کا یہ منصوبہ کامیاب نہ ہوا۔ بلکہ الٹا اسی کے حق میں مضر پڑا۔ کیونکہ اسیران اہل بیت کی مظلومیت اور مصائب پر ان کے صبر و تحمل نے صرف مسلمانوں ہی کو نہیں بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں تک کو چند ہی روز میں یزید اور یزیدیت سے سخت متنفر کر دیا۔ اس پر سید سجاد اور جناب زینب کے خطبات اور تقریروں نے لوگوں کو واقعات اور حقائق سے باخبر کر دیا جس کے بعد ان کی آنکھیں کھل گئیں، ضمیر جاگ اٹھے اور ان میں باطل کو باطل اور حق کو حق سمجھنے کی جرأتیں پیدا کر دیں۔ دنیا اس نفسیاتی نکتہ کو ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتی تھی کہ پورے خاندان کی تباہی، اسیری، دربدری اور قید و بند کی سخت ترین سزاؤں کے باوجود علی بن الحسین اور ان کے گھرانے کی بی بیاں اور بچے تک کس قدر جری اور نڈر ہیں —— اور ان کے بالمقابل یزید اور اس کے ساتھی اخلاقی جرأت سے بالکل محروم ہیں۔ جس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ ان کے ضمیر مجرم ہیں۔ یزید کے جاسوس اسے ان تمام باتوں کی خبریں پہنچا رہے تھے جو عوام میں اس کے مظالم اور اہل بیت کے صبر و تحمل کے متعلق کہی جا رہی تھیں۔ یزید محسوس کر رہا تھا کہ اگر زیادہ دیر اس نے امام زین العابدین کو قید میں رکھا تو بہت جلد لوگوں کے ذہنوں کا انقلاب ابل پڑے گا اور وہ بغاوت کر بیٹھیں گے۔ اسے اپنی اس حماقت پر افسوس تھا کہ اس نے مسجد شام میں علی بن الحسین کو منبر پر خطبہ پڑھنے کا موقع کیوں دیا جس کے بعد لوگوں میں اس (یزید) کے خلاف نفرت کی عام لہر دوڑ گئی —— یزید چند روز اسی شش و پنج میں رہا کہ اب اسے عوام کو قابو میں رکھنے کے لیے اہل بیت کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ اس دوران میں چند ایسے واقعات خود اس کی موجودگی میں پیش آئے جن سے جاسوسوں کی لائی ہوئی خبروں کی مزید توثیق و تصدیق ہو گئی۔

چنانچہ علامہ طبری نے ابومخنف کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ خاندان بنی امیہ کے مشہور رکن، مروان بن حکم کے بھائی یحییٰ بن حکم نے ایک دن واقعہ کربلا کے متعلق یزید کے سامنے چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا:-

"مقام طف میں (کربلا کے) شہیدوں کی جو لاشیں پڑی ہیں، وہ ابن زیاد جیسے غلام اور ذلیل نسب کے آدمی کی بہ نسبت بہت زیادہ قریب ہیں۔ سمیہ کی نسل تو تعداد میں سنگریزوں سے زیادہ ہو جائے اور افسوس کہ نسل فاطمہ

میں کوئی نہ رہے۔"

شیخ مفید نے بھی یحییٰ کے یہ اشعار "الارشاد" میں نقل کیے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ یزید نے جب یہ شعر سنے تو چپکے سے خوشامدانہ انداز میں اسے خاموش رہنے کی فرمائش کی۔ جیسے کوئی اپنے بھید کو چھپانے کے لیے سہم کر کہا کرتا ہے۔

تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ جب علی بن الحسین کی اسیری اور شہادت حسین کی خبر یزید کی جیتی بی بی ہند بنت عبداللہ بن عامر کریز نے سُنی تو وہ محل سرا سے دربار میں نکل آئی اور یزید سے پوچھا۔

کیا یہ حسین بن علی کا سر ہے؟

یزید نے جواب دیا!

"ہاں! اب تم حسین کا ماتم برپا کرو اور ان کا سوگ مناؤ۔ خدا عبیداللہ بن زیاد پر لعنت کرے جس نے انھیں جلد بازی میں شہید کر دیا۔"

ان دونوں واقعات سے جو یزید کے دربار میں اور اس کے گھر میں پے در پے پیش آئے اور ان واقعات کے سلسلے میں جو طرز عمل یزید نے اختیار کیا اور جو الفاظ زبان سے ادا کیے ان سب چیزوں سے صاف یہ پتہ چل جاتا ہے کہ خود یزید کے اپنے لوگ حسین کے شہید کرنے کو یزید کا کوئی پسندیدہ فعل نہیں سمجھتے تھے اور یزید اس بات کو محسوس کرنے کے بعد اپنے گناہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ مگر اس میں شک نہیں کہ وہ بڑی چالاکی کے ساتھ اپنی روش کو بدل رہا تھا۔ وہی شخص جس نے قتل حسین اور اسیری زین العابدین کی خوشی میں دربار سجانے اور جشن منانے کا حکم دیا تھا اور لوگوں پر انعام و اکرام کی بارش کی تھی، اچانک اس نے عبیداللہ بن زیاد پر قتل حسین اور اسیری علی بن الحسین کی ذمہ داری ڈال دی تاکہ وہ اس قتل سے بری الذمہ ہو جائے۔ بعض مورخوں نے یزید کے ایسے ہی چند فقروں سے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے کہ کربلا کا خونیں حادثہ اس کی مرضی کے خلاف ہُوا۔

دراصل یزید کی یہ سب عذر تراشیاں اس لیے تھیں کہ اسے حسین کو شہید کرنے کے بعد ملک میں اپنے خلاف عام بغاوت کا خطرہ محسوس ہونے لگا تھا اور اسے حالات سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ لوگ بہت جلد خون حسین کا انتقام لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے۔

چنانچہ کامل ابن اثیر نے اس حقیقت کو بڑی صفائی سے پیش کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

"قتل حسین کے تھوڑے ہی دنوں بعد یزید کے پاس دہشت ناک خبریں پہنچنا شروع ہو گئیں کہ لوگ علانیہ حسین کے قاتل کو لعن طعن کرتے ہیں اور ان کے دلوں میں انتقام کے شعلے بھڑک رہے ہیں۔ یزید نے ان خبروں سے گھبرا کر اور اس نے سب کے سامنے ابن زیاد کی بُرائیاں شروع کر دیں اور اسے وہ اس واقعہ کا واحد مجرم بتانے لگا۔"

تاریخ الخلفاء کا بیان ہے کہ

"پہلے یزید قتل حسین اور گرفتاری علی بن الحسین پر بے حد خوشی کا اظہار کرتا تھا۔ مگر بعد کو وہ ڈر گیا اور اپنے کو

اس گناہ سے لوگوں کی نگاہوں میں بری الذمہ ٹھہرانے لگا۔"

تاریخ ابن خلدون۔ تاریخ طبری اور حیوٰۃ الحیوان میں درج ہے کہ

"جب یزید کے حرم کو قتل حسین اور اسیری اہل بیت کی اطلاع ملی تو اس کے زنان خانہ میں کہرام مچ گیا۔ جس کے بعد یزید یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ خود اس کے اہل خانہ بھی اُس کے اِس عمل سے رنجیدہ ہیں۔"

اس زمانے میں یزید نے ایک دن امام زین العابدین کو دربار میں طلب کیا۔ امام نے اُس سے پوچھا:

"یزید! سچ بتا کہ اگر رسولؐ اللہ ہمیں اس حالت میں دیکھتے تو کیا رنجیدہ نہ ہوتے؟"

یزید نے سر جھکا کر کہا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

غرض کہ یزید ان واقعات سے بہت پریشان ہو گیا تھا اور وہ مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ اب جس قدر جلد ہو سکے، علی بن الحسین اور اہل بیت رسول کو قید سے رہا کر دیا جائے اور اپنے اس جرم کا سلسلہ بند کر دے جس کے باعث لوگوں کے دل اس کی طرف سے پھر گئے ہیں۔

## زندان شام سے علی بن الحسین کی رہائی

جب یزید کو یہ احساس ہو گیا کہ اب وہ زین العابدین اور اسیران اہل بیت کی رہائی کے بغیر بغاوت کے بڑھتے ہوئے طوفان کو نہیں روک سکتا تو وہ ایک تاریک رات میں جب کہ گھر کے سب لوگ سوئے ہوئے تھے اپنے بستر سے اٹھا اور ایک حجرے میں دیوار کی طرف منہ کر کے زانو پر سر رکھ کر بیٹھ گیا۔ اور کچھ سوچنے لگا۔ اتنے میں اس کی زوجہ ہند بن عبداللہ نے ایک بھیانک خواب دیکھا، گھبرا کر اُٹھ بیٹھی اور یزید کے پاس گئی کہ اس کو جگا کر اپنا خواب بیان کرے۔ اسے خوابگاہ میں نہ پا کر ادھر اُدھر تلاش کیا تو دیکھا کہ وہ حجرے میں دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھا ہے اور آپ ہی آپ کہہ رہا ہے۔

"نہیں! مجھے حسین سے کیا واسطہ!"

ہند آگے بڑھی اور اسے جھنجھوڑ کر کہا۔ یہاں کیوں بیٹھے ہو۔ اٹھو اور بستر پر چلو۔ میں نے ایک نہایت ہیبت ناک خواب دیکھا ہے جس کی دہشت سے دل تھر تھر کانپ رہا ہے۔

یزید نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا اور خواب کا حال دریافت کیا۔ ہند نے کہا:

"میں بڑی میٹھی نیند سو رہی تھی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ آسمان سے ملائکہ اترتے چلے آ رہے ہیں اور میرے گھر میں ہجوم کر رہے ہیں۔ اتنے میں ایک ابر سفید آسمان سے اترا۔ جسے چیرتے ہوئے چند نورانی بزرگ ہمارے گھر کی طرف بڑھے اور چشم زدن میں اس حجرے کے قریب آ پہنچے جس میں علی بن الحسین اور اہل بیت عصمت و طہارت مقیم ہیں۔ ان میں ایک بزرگ نے نہایت دردناک آواز میں کہا ــــ میرے لال! افسوس ہے کہ میری اُمت نے تیری قدر بھلا دی اور تجھے بھوکا پیاسا فرات کے کنارے شہید کر دیا۔ میں تیرا نانا محمد مصطفےٰ ہوں۔ یہ تیرے باپ علی مرتضیٰ اور وہ تیرے بھائی حسن مجتبےٰ ہیں۔"

ہند نے کہا کہ ان بزرگ کے یہ کلمات سن کر میں خواب میں اتنا روئی کہ ہچکی بندھ گئی۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو آس پاس کوئی نظر نہ آیا ـــــ اس وقت سے برابر میرا دل دھڑک رہا ہے۔ یزید! خدارا اب ان غریبوں پر رحم کر۔

ہند کہتی ہے کہ میرا سوال سن کر یزید نے سر جھکا لیا اور بولا:

"اچھا! صبح ہونے دو۔"

یہ واقعہ جلاء العیون۔ بحار الانوار اور دیگر کتب مقاتل سے نقل کیا گیا ہے جو بہ تغیر الفاظ اس موضوع کی تمام کتابوں میں درج ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں کہ ہند کا خواب سچ تھا یا نہیں ـــــ نیز یہ کہ اس نے کوئی خواب دیکھا بھی تھا یا نہیں ـــــ مگر جو باتیں ہند کے خواب میں بیان ہوئی ہیں انھیں یزید اپنے دل کی آنکھوں سے عالم بیداری میں دیکھ رہا تھا اور یقیناً اُس نے، اسی وقت جب کہ حجرے میں زانو پر سر رکھ کر بیٹھا تھا، مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ صبح ہونے پر زین العابدین اور ان کے اہل حرم کو قید سے رہا کر دے گا ـــــ چنانچہ اس نے صبح ہوتے ہی امام زین العابدین کو بلوایا اور بغیر کسی تمہید کے بولا۔

"علی بن الحسین! میں تمھیں رہا کرتا ہوں۔ کوئی حاجت ہو تو بیان کیجیے۔"

یہ سن کر امام کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا:

"میرے دل میں کسی بات کی تمنا نہیں۔ البتہ اتنی خواہش ضرور ہے کہ بزرگوں کے تبرکات جو تیری فوج نے کربلا میں لوٹے تھے، مجھے واپس کردے۔"

یزید نے کہا:

"علی بن الحسین! اگر آپ شام میں رہنا چاہیں تو یہاں آپ کے لیے انتظام کر دیا جائے اور اگر مدینہ جانا چاہیں تو اس کا بندوبست کیا جائے۔"

امام زین العابدین نے جناب زینب کے مشورے سے جواب دیا کہ

"ہم لوگوں کا مدینہ جانا ہی بہتر ہے۔"

یزید نے تمام تبرکات جو کوفیوں نے کربلا میں لوٹ لیے تھے بڑے احترام کے ساتھ واپس کر دیے اور بعض مورخین کے بیان کے مطابق سید سجاد نے اپنے پدر بزرگوار کا سر بھی تبرکات کے ساتھ یزید سے طلب فرمایا تھا۔ وہ بھی یزید نے آپ کے سپرد کر دیا۔

"تاریخ اخمیس اور دوسری کتابوں میں لکھا ہے کہ یزید نے امام سے اپنے مظالم کا عذر بھی چاہا۔ جس کو سن کر سید سجاد نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

بعض مورخین نے رہائی اہل بیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یزید نے اس موقع پر اپنے گناہ سے توبہ کر لی تھی اور اسی لیے سید سجاد و اہل حرم کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا ـــــ لیکن ہمارے نزدیک ان مورخین کی یہ رائے درست نہیں۔ کیونکہ اگر یزید اس وقت تائب ہو گیا ہوتا (اس کے دو ہی سال بعد ۲۷، ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ (مطابق ۲۷، ۲۸ / اگست ۶۸۳ء) کو مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے صحابیوں اور محبان اہل بیت کے قتل عام کا مرتکب نہ ہوتا اور اس کے فوراً بعد کعبۃ اللہ کی بے حرمتی کے لیے قدم نہ اٹھاتا۔ یہ واقعات بعد میں اپنے مقام پر مذکور ہوں گے)۔

یزید کے بارے میں یہی رائے لفظوں کے فرق سے طبری۔ کامل۔ مروج الذہب اور تاریخ سید امیر علی میں ظاہر کی گئی ہے۔

# اسیری علی بن الحسین کی مدت

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ علی بن الحسین کتنے عرصہ شام میں قید رکھے گئے؟ اس سلسلے میں مورخین نے مختلف اور متضاد باتیں لکھی ہیں۔ بعض نے مدتِ قید نو ماہ۔ بعضوں نے دو ماہ۔ بعضوں نے چالیس روز لکھی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ صرف نو دن قید رہے۔

اس مسئلے کی تحقیق کے لیے چند باتوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ اسیرانِ اہل بیت، شہادت امام حسینؑ کے بعد ۱۱ محرم ۶۱ھ کو کربلائے معلی سے دمشق کی جانب روانہ ہوئے تھے۔

۲۔ ۴ ربیع الاول ۶۱ھ کو یہ قافلہ دمشق میں پہنچا تھا۔

۳۔ جابر بن عبداللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ جب میں ۲۰ صفر ۶۲ھ کو کربلائے معلی میں زیارت امام کے لیے پہنچا ہوں تو اسی روز امام زین العابدین بھی مع اہل حرم کے قید سے چھوٹ کر وارد کربلا ہوئے تھے۔

ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ آپ کم و بیش ۲۰ ذی الحجہ کو دمشق سے روانہ عراق ہو گئے ہوں گے اور رہائی کے بعد چار چھ دن دمشق میں بھی ٹھہرے ہوں گے۔ جیسا کہ کتب مقاتل میں بھی مذکور ہے ۴ ربیع الاول سے ۲۰ ذی الحجہ تک ۹ ماہ اور چند دن کی مدت ہوتی ہے۔ اس حساب سے نو ماہ، زندان شام میں مقید رہنے کے قرائن زیادہ قوی ہیں اور ہمارے نزدیک یہی درست ہے اور اس کے علاوہ، اس سلسلے کے باقی اقوال خلاف قیاس اور غلط ہیں۔

# دمشق سے واپسی

طبری۔ ارشاد۔ ناسخ التواریخ۔ الخمیس۔ اخبار الطوال اور حیوٰۃ الحیوان نے متفقہ طور پر لکھا ہے کہ یزید نے علی بن الحسین اور اہل حرم کو رہا کرنے کے بعد نعمان بن بشیر بن جزلم صحابی کو، جو کہ محب اہل بیت اور شاعر بھی تھے، حکم دیا کہ وہ اپنی نگرانی اور حفاظت میں علی بن الحسین اور ان کی ماں بہنوں کے قافلے کو دمشق سے مدینہ پہنچا دیں۔ تیس سواروں کا دستہ ان کے ساتھ کیا اور ہدایت کی کہ بچوں اور عورتوں کی خاص طور سے خبر گیری کرنا اور آرام و آسائش سے ان کو لے جانا۔ وہ جہاں کہیں منزل کرنا، رات کے وقت چلنا اور دن کے وقت قیام کرنا تاکہ بچے گرمی کی تکلیف سے محفوظ رہیں۔

جب یزید سید سجاد کو رخصت کرنے لگا تو دست بستہ کہا:

”علی بن الحسین! اگر میرے بس میں ہوتا تو حسین کی موت پر راضی نہ ہوتا۔ مگر حکمِ خدا یہی تھا۔ آپ کو جب کسی بات کی ضرورت پیش آئے مجھے اطلاع دیجئے گا۔“

زین العابدین نے فرمایا:-

”ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔“

یہ کہہ کر آپ دمشق میں اُن صاحبزادی کی قبر پر ہوتے ہوئے، جنھوں نے زندانِ شام میں وفات پائی تھی اور جو ایک روایت کے مطابق امام حسینؑ اور دوسرے بیان کے مطابق ابوالفضل العباس کی دخترِ نیک اختر تھیں، عراق کی جانب روانہ ہو گئے۔

# کربلا میں ورود

نعمان بن بشیر جزلم کے ساتھ علی بن الحسین اور ان کے اہلِ حرم کا یہ قافلہ عام راستے سے ہٹ کر دمشق سے کربلا کی طرف چلا اور جلدی جلدی منزلیں کو طے کرتا ہوا صفر ۶۱ھ کے وسط میں کربلائے معلیٰ میں پہنچ گیا۔ شیخ مفید ارشاد میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس روز ماہ صفر کی بیسویں تاریخ تھی۔ حسین مظلوم اور دوسرے شہیدوں کے مزارات مقدسہ پر پہنچ کر علی بن الحسین اور ان کی ماں بہنوں اور پھوپھیوں کا ماضی کی یاد میں کیا حال ہُوا ہوگا اور ان کے دلوں پر کیا قیامت گزر گئی ہوگی، اسے سوائے ان غم زدوں کے دوسرا محسوس نہیں کر سکتا۔ ارباب مقاتل نے لکھا ہے کہ سید سجاد اپنے پدر بزرگوار کی قبر پر پہنچتے ہی اس قدر روئے کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یہی کیفیت زینب و کلثوم پر گزری اور گریہ و بکا کا اس قدر شور بلند ہُوا کہ قریب کے لوگ (مرد اور عورتیں) آواز سُن کر دوڑ پڑے۔ یہ بنی اسد کے قبیلہ کے لوگ تھے جنھوں نے گزشتہ سال ان لاوارث لاشوں کو رحم کھا کر دفن کیا تھا اور جنھیں امام حسینؑ نے اپنی حیات میں "نینوا" کی زمین خرید کر ہبہ کر دی تھی۔ ان لوگوں نے امام زین العابدین اور آپ کے ہمراہیوں کی ضیافت کی اور ان کی عورتوں نے مخدراتِ عصمت و طہارت کی خدمت میں حاضر ہو کر امام مظلوم کا پرسہ دیا۔

علامہ طبری اور دیگر مورخین نے لکھا ہے کہ اس روز رسول اللہ کے صحابی جابر بن عبداللہ انصاری مشہد حسین کی زیارت کو مدینہ منورہ سے تشریف لائے تھے اور کربلا میں مقیم تھے۔ جابر پہلے شخص ہیں جنھیں مزار امام حسین کی زیارت کا شرف حاصل ہُوا۔ جابر کو جب معلوم ہُوا کہ علی بن الحسین بھی اپنی پھوپیوں کے ہمراہ دمشق سے واپس آ گئے ہیں تو امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زین العابدین سے لپٹ کر رونے لگے۔ جناب زینب کو جب خبر پہنچی کہ جابر بن عبداللہ انصاری آئے ہوئے ہیں تو نانا کا زمانہ یاد آ گیا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ جب تک کربلا میں رہیں، گریہ و زاری بند نہ ہوئی ــــ چند روز قیام کے بعد سید سجاد اہلِ حرم کے قافلہ کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔

# مدینہ میں علی بن الحسین کی واپسی

جب علی بن الحسین کا قافلہ کربلائے معلیٰ سے چل کر مدینہ کے نواح میں پہنچا تو امام زین العابدین نے شہر کے باہر قیام کیا اور بشیر بن جزلم کو حکم دیا کہ اے بشیر! خدا تمھارے والد مرحوم کی مغفرت کرے، وہ بڑے اچھے شاعر تھے اور مَیں نے سُنا ہے کہ تم بھی اچھے شعر کہتے ہو۔ مدینہ میں جاؤ اور مرثیہ امام مظلوم کے چند اشعار کہہ کر اہل شہر کو ہماری واپسی سے آگاہ کر دو۔ شیخ مفید ارشاد میں لکھتے ہیں کہ بشیر گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں آئے اور مسجد رسول میں جا کر بآوازِ بلند کہا ؎

یا اھل یثرب لا مقام لکم بھا ۔ قتل الحسین فادمعی مدرار

الجسم منه بکربلاء مضرج ۔ والراس منه علی القناة یدار

یعنی اے اہل مدینہ! اب یہ شہر تمہارے رہنے کے قابل نہیں رہا حسین علیہ السلام شہید ہو گئے اور اس لیے میری آنکھیں زار وقطار رو رہی ہیں۔ ان کا جسم کربلا میں پارہ پارہ خاک وخون میں آلودہ پڑا رہا اور سر نوک نیزہ پر دیار بدیار پھرایا گیا۔"

پھر بلند آواز سے کہا:

"اے مدینہ والو! علی بن الحسین اپنی پھوپھیوں، بہنوں اور باقی اہل بیت کے ساتھ واپس آ گئے ہیں اور آپ نے شہر کے باہر قیام فرمایا ہے اور میں ان ہی کے ارشاد کے مطابق تمہارے پاس آیا ہوں۔"

بشیر کے اس کلام سے مدینۃ الرسول میں کہرام مچ گیا اور مہاجرین و انصار کی عورتیں سر و پا برہنہ گھروں سے نکل پڑیں۔ جب بشیر اپنا مرثیہ پڑھتا ہوا محلہ بنی ہاشم کی طرف سے گزرا اور اس نے قتل حسین اور آمد اہل حرم کی خبر سنائی تو اس قدر شور گریہ و بکا بلند ہوا کہ کسی کی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

منادی سے فارغ ہو کر بشیر اہل مدینہ کے ایک جم غفیر کے ساتھ امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سید سجاد کو دیکھ کر لوگ اتنا روئے اتنا روئے کہ ارباب مقاتل کے بیان کے مطابق ایسا شور ماتم بلند ہوا جو کبھی دیکھنے یا سننے میں نہیں آیا تھا۔ دیر تک یہی عالم رہا۔ جب اپنے پرائے تعزیت کی رسم ادا کر چکے اور اس حالت میں قدرے سکون ہوا تو امام زین العابدین نے کرسی پر کھڑے ہو کر ہاتھ کے اشارے سے سب کو خاموش کیا اور اپنے دردناک واقعات پر مشتمل ایک مختصر خطبہ ارشاد فرمایا۔

## مدینہ میں واپسی پر امام زین العابدین کا خطبہ

مقتل الطالبین اور دیگر کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ امام زین العابدین نے اپنے اہل وطن سے خطاب کر کے فرمایا:

"لوگو! وہی رب العالمین حمد و ثنا کا مستحق ہے جو اپنے تمام خاص و عام بندوں پر رحم فرماتا ہے۔ وہ جزا اور سزا کا مالک، آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اور ذہنوں کی رسائی سے دور ہے۔ میں اپنے اس معبود کی حمد کرتا ہوں جس نے ہمیں اتنی سخت سے سخت ہمت شکن اور صبر آزما مصیبتوں میں مبتلا کیا اور ہمیں اس آزمائش میں ثابت قدم رکھنے کی توفیق دی۔

لوگو! اسلام میں بہت بڑا رخنہ پڑ گیا۔ جوانان جنت کے سردار حسین بن علی مع اپنے تمام عزیزوں اور دوستوں کے شہید کر دیئے گئے۔ ان کی ازواج و اطفال کو قید کیا گیا اور ان کا سر مبارک نیزہ پر رکھ کر شہر بشہر پھرایا گیا۔ یہ وہ مصیبت ہے جس کا کوئی مصیبت مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کون سی آنکھ ہے جو اس مصیبت میں خون کے آنسو نہ بہائے گی اور کون سنگدل ہے جو اس جاں سوز واقعہ کو سن کر غمگین و ملول نہ ہوگا۔ لوگو! یقین کرو کہ آسمان ان مظلوموں کی شہادت پر روئے۔ دریاؤں کے آنسو ابل پڑے۔ زمین لرزنے لگی۔ درختوں سے شعلے بھڑک گئے

لگے۔ مچھلیاں پانی میں تڑپ گئیں۔ فرشتے اور حاملان عرش رو دیے۔ کوئی دل نہیں جو اس درد سے چاک چاک ہو گیا ہو۔ کوئی سینہ نہیں جس پر اس حادثہ سے چوٹ نہیں لگی۔ لوگو! میں تمھیں کیا بتاؤں کہ ہم پر کیا کیا ظلم ہوئے ہمیں اسیران ترک و دیلم کی طرف طوق و زنجیر میں جکڑ دیا گیا اور شتران بے کجاوہ پر سوار کر کے دیار بدیار پھرایا گیا۔ کوچوں، بازاروں اور درباروں میں تشہیر کیا گیا۔ قسم خدا کی اگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو بجائے تسلی کرنے اور ذلیل کرنے اور ہماری نسل مٹانے کا حکم دیتے تو جو کچھ انھوں نے اس وقت ہمارے ساتھ کیا ہے، اس سے زیادہ نہیں کر سکتے تھے۔ چہ جائیکہ حضرت نے ہماری مودت و محبت کو ان سے اپنی خدمت رسالت کے صلہ میں طلب فرمایا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ مگر ہم نہ کسی کی شکایت کرتے ہیں اور نہ کسی سے نصرت کے طالب ہیں۔ بس خدا ہی ہمارا حافظ و ناصر ہے اور وہی ہمارا بدلہ لے گا اور ہم اپنا معاملہ اسی کے سپرد کرتے ہیں۔

علی بن الحسین کے اس خطبہ پر مجمع ایک بار پھر سر پیٹ پیٹ کر رونے لگا اور بہتوں نے اپنے گریبان چاک کر دیے اور فرط بیقراری میں سینہ زنی کرنے لگے۔ علامہ طبری کا بیان ہے کہ اس موقع پر مدینہ کے بعض مشاہیر نے معرکہ کربلا میں اپنی عدم شرکت کے متعلق واقعات سے لاعلمی اور بے خبری کا عذر پیش کیا۔ چنانچہ صوحان بن صعصعہ اٹھے اور عرض کی: یا ابن رسول اللہ! میں بیماری کے باعث اٹھنے بیٹھنے سے معذور تھا اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ اس لیے آپ کے پدر بزرگوار کی امداد نہ کر سکا جس کا مجھے مدۃ العمر ملال رہے گا۔ علی بن الحسین نے ان کا عذر قبول کیا اور انھیں دعائیں دیں۔ پھر لوگوں کے اصرار سے مدینہ منورہ میں مزار رسول کی جانب تشریف لے چلے۔

## مدینہ میں داخلہ

تاریخ الخمیس اور مقاتل التواریخ میں ہے کہ جب یہ قافلہ تمام ہموطنوں کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا تو سب کے آگے جناب سید سجاد ایک سیاہ علم لیے ہوئے تھے اور آپ کے عقب میں جناب ام کلثوم یہ نوحہ پڑھتی جاتی تھیں (ترجمہ)

"اے ہمارے نانا کے مدینے! ہمیں قبول نہ کر۔ ہم بڑے دکھ درد لے کر آئے ہیں۔"

طبری اور دیگر مورخین کا بیان ہے کہ جب یہ قافلہ شہر میں داخل ہوا تو حضرت عقیل بن عبدالمطلب کی صاحبزادی (مسلم بن عقیل کی بہن) حسب ذیل اشعار پڑھ رہی تھیں (ترجمہ):-

"تم جو اپنے کو خیر الامم (بہترین امت) کہتے ہو۔ کیا جواب دو گے رسولؐ کو؟ جب وہ سوال کریں گے کہ تم نے میرے بعد میری اولاد میں سے بعض کو قیدی بنایا اور بعض کو خون میں نہلا دیا۔"

جب اہل بیت رسول کو اس شان سے لیے ہوئے علی بن الحسین اپنے نانا رسالتمآب کے مزار مقدس پر پہنچے تو روضہ انور سے لے کر شہر کے ہر گوشے میں آہ و فغاں، شور سے ایک قیامت برپا ہو گئی۔ زین العابدین فرط تاثر سے چیخ مار کر گر پڑے اور کہا:

"نانا! آپ کے حسین کو فرات کے کنارے بھوکا پیاسا شہید کر دیا گیا اور آپ کے اہل بیت کو سر برہنہ پھرایا گیا۔ یہ خون میں آلودہ اپنے تبرکات لیجئے۔"

ان دردناک کلمات سے لوگوں کے سینے پھٹ گئے اور عجیب قیامت کبریٰ برپا ہو گئی۔ مہاجرین و انصار کے علاوہ بنی ہاشم کے تمام مرد اور عورتیں، سامر ب کے روضہ پر جمع تھے۔ ان میں ہر ایک زین العابدین اور ان کی پھوپیوں سے ملا اور حسب مدارج دشمن و سال سید سجاد کو گلے لگا کر اور معانقت کر کے رسم تعزیت ادا کی۔ شام کو جب ام البنین (زوجہ علی بن ابی طالب) نے بہت زور دیا تو سید سجاد اور اہل بیت نانا کے روضہ سے گھر گئے مگر وہاں بھی گریہ وزاری میں کمی نہ ہوئی۔

## نعمان بن بشیر کی علی بن الحسین سے رخصت

جب نعمان بن بشیر نے اہل حرم کو حفاظت کے ساتھ مدینہ پہنچا دیا اور امام زین العابدین سے رخصت ہوا تو آپ نے اپنی پھوپی جناب زینب کے پاس جا کر نعمان کی خواہش بیان کی۔ چونکہ نعمان نے راستے بھر بڑے خلوص کے ساتھ خدمت کی تھی اور حسن سلوک پر کاربند رہا تھا اس لیے جناب زینب اور فاطمہ بنت الحسین نے اپنے زیورات اس ہدایت کے ساتھ نعمان کے پاس بھیجے کہ ہم لٹ چکے ہیں اور تیری کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔ تاہم جو کچھ حاضر ہے اسے پیش کرتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ تم اس قلیل کو بھی کثیر سمجھ کر قبول کر لو گے۔ جب نعمان نے سیدہ کی بیٹی کا یہ پیغام سنا تو آبدیدہ ہو کر کہنے لگا۔ واللہ! میں نے یہ خدمت کسی معاوضہ کی امید سے نہیں کی۔ بلکہ رسول اللہ صلعم کی روح کو خوشنود کرنے کے لیے صمیم قلب سے یہ فریضہ انجام دیا ہے۔ جناب زینب نے یہ سن کر فرمایا کہ ہم تمہارے خلوص کے معترف ہیں اور جب تک زندگی ہے اس احسان کو یاد رکھیں گے، مگر تم جانتے ہو کہ محمد کی اولاد کسی کو کچھ تحفہ دے کر واپس نہیں لیا کرتی۔ نعمان کو بادل ناخواستہ وہ زیورات لینا پڑے اور امام کے قدم چوم کر رخصت ہوا۔

## مدینہ میں واپسی کے بعد سید سجاد کا طریق زندگی

علی بن الحسین نے مدینہ سے کربلا اور کربلا سے دمشق اور پھر دمشق سے مدینہ تک کے سفر میں پوری طرح یہ محسوس کر لیا تھا کہ اس وقت مسلمانوں میں اسلام اور قرآن کے احکام سے عام بے پروائی پیدا ہو گئی ہے اور اگر یہی حال رہا اور از سر نو اسلام کے احیاء کی کوشش نہ کی گئی تو پھر روئے زمین پر عارفین و صادقین کا وجود باقی نہیں رہ سکتا۔ آپ نے طے کیا کہ اس وقت آپ کا سب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ خود اپنی عملی زندگی کا نمونہ پیش کر کے لوگوں کے اخلاق و اعمال کی اصلاح فرمائیں، حق و صداقت کی تعلیم و تلقین اور ارشاد و ہدایت سے ایک لمحہ کے لیے غافل نہ ہوں۔ اگرچہ آپ کے لیے ان سب فرائض کو انجام دینے کے راستے میں بے شمار موانع تھے، جن پر مقدمہ میں شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ بایں ہمہ آپ دنیا کے ہر فتنہ و فساد اور شورش سے الگ رہ کر اپنا فریضہ بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے اور رسول اللہ کی اس امانت کی حفاظت فرماتے رہے جس کے لیے حسین مظلوم نے اپنی جان دی تھی۔ علی بن الحسین مدینہ منورہ میں گوشہ نشینی کی سو گوارانہ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنا تمام وقت اپنی دعاؤں کے ذریعہ (جیسا کہ مقدمہ میں واضح کیا جا چکا ہے) امت محمدیہ کی رہنمائی اور ہدایت میں بسر کرتے تھے۔

آپ کو نہ دنیا سے کوئی سروکار تھا اور نہ اس کی طرف رغبت۔ اس لیے حکومت بھی ہزار عداوتوں کے باوجود آپ کو مقام بازپرس میں کسی طرح نہ لا سکی اور آپ کی اس خاموش تبلیغ نے دنیا کے مکروفریب کو ناکام بنا دیا۔

# مدینہ میں یزید کے خلاف شورش اور بغاوت

جو ظلم وستم کربلا میں اہل بیت رسالت پر گزرے جب ان کی خبریں دنیا بھر میں نشر ہوئیں تو عموماً اسلامی ملکوں میں یزید کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں سخت نفرت پیدا ہوگئی۔ عبداللہ بن زبیر کو جو کہ مکہ میں بیٹھے اسی وقت کا انتظار کر رہے تھے، یہ حالات معلوم ہوئے تو لوگوں کو جمع کر کے منبر پر گئے اور خطبہ میں یزید کے نامناسب افعال وارتکاب منہیات کا حال بیان کیا۔ اسی طرح اہل مدینہ نے اس کے افعال پر شدید برہمی اور بیزاری کا اعلان کیا۔ جب یزید کو یہ خبریں پہنچیں تو اس نے مدینہ کے حاکم، عثمان بن محمد بن ابی سفیان کو لکھا کہ مدینہ والوں سے از سر نو بیعت لے۔ مگر عثمان نے یہ دیکھ کر کہ حسین کے قتل اور فسق وفجور کی زندگی نے یزید کو امت کی نگاہوں سے گرا دیا ہے، یہ طے کیا کہ مدینہ کے نمائندوں کا ایک وفد دمشق بھیجنا چاہیئے۔ تاکہ یہ لوگ جب یزید کے انعام واکرام سے لد کر مدینہ واپس آئیں تو یزید کے حق میں پروپیگنڈا کریں اور اس کے خلاف جو فضا پیدا ہو چکی ہے اس طرح ہموار ہو جائے۔ چنانچہ دس آدمیوں کا ایک وفد عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ اور منذر بن زبیر کی قیادت میں دمشق بھیجا گیا۔ یہ لوگ مدینہ سے دمشق پہنچے تو یزید نے ان کی بڑی خاطر مدارات کی اور چلتے وقت انھیں لاکھوں درہم ودینار تحفہ میں دیے۔

یزید کو یقین تھا کہ یہ لوگ حجاز میں واپس جا کر اُس کے حق میں کلمات خیر کہیں گے۔ لیکن تاریخ الخلفاء سیوطی کے بیان کے مطابق ان لوگوں نے مدینہ واپس آ کر اعلان کیا کہ:

"یزید فاسق وفاجر ہے۔ اس نے اپنی حقیقی پھوپی تک کو حلال کر لیا ہے۔ کتوں اور بندروں سے کھیلتا ہے۔"

شیخ عبدالحق دہلوی کتاب "جذب القلوب الی دیار المحبوب" میں لکھتے ہیں کہ شام کو جانے والی جماعت میں ایک منذر بن زبیر بھی تھے۔ انھوں نے واپس آ کر کہا:

"قسم خدا کی یزید نے مجھے ایک لاکھ درہم دیے ہیں۔ مگر میں حق بات کو نہیں چھپاؤں گا۔ وہ شراب پیتا ہے اور تارک الصلوٰۃ ہے۔"

عبداللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ کا بیان ہے کہ:

"ہم نے اس (یزید) کی اطاعت سے اس وقت تک منہ نہیں پھیرا جب تک یہ اندیشہ نہ ہوا کہ ہم پر آسمان سے پتھر برسیں گے۔"

غرض اہل مدینہ نے اپنے لیڈروں کے یہ حلفیہ بیانات سن کر یزید کے خلاف بغاوت کر دی اور حاکم مدینہ کو گرفتار کر کے تمام بنی امیہ کو مدینہ سے نکل جانے کا الٹی میٹم دے دیا۔ یزید نے اس بغاوت کی خبر سنی تو بہت گھبرایا اور ابن زیاد کو حکم دیا کہ وہ مدینہ جا کر شورش اور بغاوت کو فرو کرے۔ ابن زیاد نے یہ سُن کر کہا سبحان اللہ! کیا یزید یہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے لیے قتل حسین کے گناہ پر مدینہ کی تباہی کے الزام کا بھی

اضافہ کروں گا۔ خدا کی قسم میں ہرگز اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔

حاکم مدینہ کی گرفتاری کے بعد اس بارے میں نزاع ہوئی کہ حکومت کس کو تفویض کی جائے۔ منذر بن زبیر اور حنظلہ نے طے کیا کہ امام زین العابدین کی خدمت میں چل کر ان سے درخواست کی جائے کہ وہ خلافت کو قبول کرلیں اور اُمت کی سرپرستی و راہ نمائی فرمائیں۔ کیوں کہ ان سے زیادہ کوئی شخص اس عہدہ جلیلہ کا مستحق اور اہل نہیں ہے۔

امام کو معلوم تھا کہ یہ سب دنیا طلبی کی چالیں ہیں۔ مسلمانوں کی فلاح اور اسلام کی خدمت کسی کا مقصد نہیں ہے۔ پھر آپ یہ بھی جانتے تھے کہ جو لوگ باقاعدہ حکومت سے ٹکر لینے کے لیے تیار ہوئے ہیں وہ خود کس قدر بے قاعدہ اور بکھرے ہوئے ہیں۔ وہی حکومت اور سیاسی اقتدار کی طلب تو ایسے فاسد اور غیر اسلامی معاشرہ اور بے ایمان ماحول میں جسے بنی امیہ نے بڑی کوششوں سے پروان چڑھایا تھا، اس قسم کا ہر اقدام دینی مفاد کے نقطۂ نگاہ سے بالکل بے سود تھا۔ اس لیے جب عبداللہ بن حنظلہ اور منذر بن زبیر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی عرضداشت پیش کی تو آپ نے صاف انکار کردیا۔ حالانکہ ان کے الفاظ میں اتنا لوچ تھا کہ دوسرا ہوتا تو اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ ان دونوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا تھا:

"آپ دیکھ رہے ہیں کہ یزید فاسق و فاجر اور بے دین شخص منصب خلافت پر قابض ہے۔ اس بنا پر ہم نے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے۔ آپ صحیح معنی میں اس منصب کے مستحق اور اس امر عظیم کے اہل ہیں۔ ہم مدینہ والوں کی طرف سے یہ درخواست لے کر آئے ہیں کہ آپ ہماری قیادت قبول فرمائیں اور بیعت لینے کے لیے ہماری جانب ہاتھ بڑھائیں۔"

امام خاموشی کے ساتھ یہ تقریر سنتے رہے اور جب وہ سب کچھ کہہ چکے تو فرمایا:

"میں نے اپنی آنکھوں سے اپنے پدر بزرگوار اور دوسرے عزیزوں کو خاک و خون میں غلطاں دیکھا ہے اور اپنے اہل بیت کے ساتھ شہر بہ شہر اور قصبہ بہ قصبہ پھرایا گیا ہوں۔ آپ حضرات کو مدینہ میں میرا اور میرے اہل و عیال کا رہنا ناگوار ہے تو میں مدینہ سے ترک وطن کے لیے تیار ہوں۔"

حضرت کے ان دردناک الفاظ پر سب لوگ خاموش ہو گئے اور مایوس ہو کر چلے گئے۔ اور اس کے بعد سب نے عبداللہ بن حنظلہ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

## علی بن الحسین کی مدینہ سے عارضی ہجرت

مدینہ میں فتنہ و فساد برپا دیکھ کر امام نے یہی مناسب سمجھا کہ شورش کا یہ زمانہ کہیں اور بسر کیا جائے۔ چنانچہ آپ اپنے اہل و عیال کو ہمراہ لے کر مدینہ سے ایک گاؤں میں چلے گئے، جو مدینہ سے چار دن کی مسافت کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جب آپ مدینہ سے جا رہے تھے تو مروان بن حکم نے پیام بھیجا کہ اس وقت شہر میں سخت شورش برپا ہے اور معلوم نہیں کہ اس ہنگامہ کا کیا نتیجہ ہو۔ حضور نے بہت اچھا کیا کہ مدینہ

سے باہر تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں یزید کو اطلاع دے رہا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ بنی امیہ کو جلا وطنی کا الٹی میٹم دے دیا گیا ہے اور ان کے قتل عام کا وقت قریب آ رہا ہے۔ اتنی عنایت کیجئے کہ میری بی بی عائشہ بنت عثمان کو اور بچوں کو اپنے ہمراہ لیتے جائیے تاکہ یہ یہاں کی بلاؤں سے محفوظ رہیں۔ اگر یہ سب آپ کی حفاظت میں رہیں گے تو مجھے اطمینان رہے گا کہ ان پر کسی قسم کی آنچ نہیں آسکتی۔

علی بن الحسین کی رحمدلی ملاحظہ ہو کہ آپ نے اپنے جانی دشمن کے بال بچوں کی حفاظت کا ذمہ لے لیا اور انھیں اپنے ہمراہ ینبع لے گئے۔

## مدینہ منورہ کی تباہی

جب ابن زیاد نے مدینہ کی مہم پر جانے سے انکار کیا تو یزید نے بشیر نعمان انصاری کو (جو اہل بیت کو مدینہ پہنچا کر دمشق میں واپس چلے گئے تھے) نئے حاکم مدینہ عبداللہ بن حنظلہ کے پاس فہمائش کے لیے بھیجا۔ نعمان مدینہ آئے اور یزید کا پیغام پہنچایا۔ سب لوگوں نے متفق اللفظ جواب دیا کہ ہم یزید کی بیعت توڑ چکے ہیں اور اب اس کی اطاعت کو کفر سمجھتے ہیں۔ اس نے احکام اسلام کو ملیامیٹ کر دیا ہے۔ نماز ترک کر دی ہے۔ فسق و فجور کو حلال کر لیا ہے۔ اب بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ اس کے خلاف جہاد کیا جائے۔ نعمان مایوس و ناکام ہو کر مدینہ سے دمشق پہنچے اور یزید کو صورت حال سے مطلع کیا۔

صاحب جذب القلوب لکھتے ہیں کہ یزید نے اپنے مشہور سپہ سالار مسلم بن عقبہ کو حکم دیا کہ وہ فوج لے کر جائے اور اہل مدینہ کو سزا دے۔ مسلم بن عقبہ نے بیماری کا عذر پیش کیا لیکن یزید نہ مانا اور حصین بن نمیر کو اس کا نائب قرار دے دیا اور بارہ ہزار فوج کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ مدینہ والوں پر غالب آکر تین دن تک قتل عام کرنا اور کسی پر رحم نہ کھانا۔ بجز ایک علی بن الحسین کے۔ کیوں کہ یقین کے ساتھ معلوم ہوا ہے کہ وہ اس فتنہ و فساد سے کنارہ کش ہو کر مدینہ سے نکل گئے ہیں۔ تاریخ ابوالفداء کا بیان ہے کہ یزید نے اپنے سپاہیوں سے کہا تھا کہ میں اہل مدینہ کا جان و مال اور ننگ و ناموس تم پر حلال کرتا ہوں۔

مسلم تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہو گیا اور کچھ عرصہ کے بعد اس کے نواح میں جا پہنچا۔ یزید کی فوجیں پہلے ہی لشکر کشی کی خبر پا کر شہر کے باہر مقام حرہ میں جمع ہو گئی تھیں۔ اس مقام پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور تین دن تک گھمسان کا رن پڑنے کے بعد مسلم بن عقبہ مدینہ کی فوجوں کو شکست دے کر شہر میں داخل ہو گیا اور لوٹ مار، قتل عام اور ظلم و ستم کا وہ بازار گرم کیا کہ معاذ اللہ! تین روز تک بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور مردوں کا قتل عام کیا گیا۔ قرطبی کہتا ہے کہ اس معرکہ میں سترہ سو انصار اور مہاجرین و علماء و تابعین میدان جنگ میں کام آئے اور شہریوں میں عورت و اطفال کے ماوراء دس ہزار مرد تہ تیغ ہوئے، جن میں سات سو حفاظ قرآن اور سات سو قریشی النسل تھے۔ قتل و غارت کے علاوہ شام کے خونخوار حبشیوں نے مدینے کی عورتوں کے ساتھ علی الاعلان بدکاری کی جب یزیدی سپاہی قتل کرتے کرتے تھک گئے تو تین دن کے بعد باقی لوگوں کو امان دی گئی مگر ان کو بھی ان لفظوں میں یزید کی بیعت کرنا پڑی:۔

"ہم امیر المؤمنین یزید بن معاویہ کے غلام ہیں اور ہمارا جان و مال ان کے لیے حلال ہے"۔

یہ سانحہ ۲۸ ذی الحجہ ۶۳ھ (۲۷ اگست ۶۸۳ء) کو پیش آیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد مدینہ کی اکثر عورتوں کی پاکیزگی

مشکوک ہوگئی تھی اور ایک ہزار مجہول النسب بچے پیدا ہوئے تھے۔

علی بن الحسین نے چونکہ اپنی روش سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ انھیں سوائے تبلیغ حق اور شعائر اللہ کی حفاظت کے اور کسی بات سے مطلب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بیعت کے مسئلے پر امام حسین کو چھیڑنے کا تجربہ بھی ہو چکا تھا، اس لیے مسلم بن عقبہ نے آپ سے بیعت طلب کرنے کی جرأت نہ کی لیکن آپ کے علاوہ جس شخص نے بھی بیعت میں پس و پیش کیا اس کی گردن اڑا دی گئی۔

# مکّہ معظمہ کی تباہی

مدینہ میں خون کی ندیاں بہانے، صحابۂ رسول اور حفاظ قرآن کو قتل کرنے، مسجد نبوی میں گھوڑے باندھنے اور اہل مدینہ کے ننگ و ناموس کو خراب کرنے کے بعد یزید کی فوج مکّہ کی طرف روانہ ہوئی۔ کیونکہ جس طرح مدینہ میں عبداللہ بن حنظلہ اور منذر بن زبیر کی سرکردگی میں مدینہ والوں نے یزید کے خلاف بغاوت کر دی تھی، اسی طرح عبداللہ بن زبیر نے موقع پاکر مکہ پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ یزید نے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے بھی مسلم بن عقبہ اور حصین بن نمیر کو مامور کیا جو مدینہ میں اپنی خونخواری، سنگدلی اور وحشیانہ مظالم کا عملی ثبوت دے چکے تھے۔

یزید کی فوج مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں مکّہ کی طرف بڑھی۔ مگر وہ پہلے ہی سے بیمار تھا۔ راستے میں مرض کی شدت ہوئی اور اس نے حصین بن نمیر کو فوج کی سالاری کا منصب دے کر اسے حسب ذیل نصیحت کی:

"سنو! تمھیں مکّہ کے باغیوں کی سرکوبی کرنا ہے۔ مدینہ کی مثال تمھارے سامنے ہے۔ ہرگز خانہ کعبہ کی حرمت کا خیال نہ کرنا اور اپنے امام (یزید بن معاویہ) کے حکم کی تعمیل دل و جان سے کرنا۔ تمھیں اس کام کو انجام دینے میں بہادر اور مضبوط بننا چاہیئے۔"

ابھی حملہ آور فوجیں مکہ میں پہنچنے بھی نہ پائی تھیں کہ مسلم بن عقبہ کا انتقال ہو گیا۔ اس کی وفات کے بعد حصین بن نمیر نے سالار لشکر کی حیثیت سے اس کی وصیت کی حرف بحرف تعمیل کی۔ جب ابن زبیر کھلے میدان میں شکست کھا کر مکّہ میں محصور ہوئے تو حصین بن نمیر نے مکہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ واقعہ ۲۶ محرم ۶۴ھ کو وقوع پذیر ہوا۔ شامی فوج نے منجنیقوں کے ذریعہ مکّہ پر شعلے اور پتھر برسائے جس سے خانہ کعبہ کے پردے جل گئے۔ اور اس عمارت کے بعض حصے گر گئے۔ پہلی بار آتش باری کامیاب ہوئی لیکن جب دوسری بار یزیدی فوج نے آگ برسانا شروع کی تو مخالف ہوا کے سبب وہ شعلے خود یزیدی فوجوں پر آگرنے اور انھیں جلانے لگے۔ شام کے سپاہی اس واقعہ سے بے حد خوف زدہ ہوئے۔ اتنے میں ثابت بن قیس یہ خبر لے کر پہنچا کہ یزید شکار کے دوران آگ میں جل کر مر گیا۔ اس خبر نے حصین بن نمیر اور اس کے سپاہیوں کی ہمتیں پست کر دیں۔ انھوں نے محاصرہ اٹھا لیا اور عبداللہ بن زبیر سے صلح کر لی۔ حصین بن نمیر نے عبداللہ بن زبیر کو پیش کش کی کہ وہ ان کے ساتھ دمشق چلیں اور تخت خلافت پر قبضہ کر لیں۔ مگر ابن زبیر نے اسے حصین بن نمیر کی ایک چال سمجھا اور اس پر رضامند نہ ہوئے اور حصین اپنی فوجوں کو لے کر دمشق کی طرف واپس چلا گیا۔

# قبول خلافت سے علی بن الحسین کا دوبارہ انکار

حصین بن نمیر اپنے پانچ ہزار ہمراہیوں کے ساتھ حجاز سے دمشق کی طرف چلا جا رہا تھا۔ راستے میں اُس نے ایک شخص کو دیکھا کہ اونٹ پر گھاس لادے ہوئے صحرا میں تنہا راستہ طے کر رہا ہے۔ حصین بن نمیر کو گھاس اور چارے کی سخت ضرورت تھی۔ اس نے کہا:

اے نوجوان! یہ چارہ میرے ہاتھ فروخت کر دے!

اس شخص نے بغیر قیمت لیے ہوئے گھاس کی گٹھڑی اس کے سامنے ڈال دی۔ حصین کو اس بے نیازی پر سخت حیرت ہوئی۔ اس نے نام پوچھا۔ اجنبی نے کہا۔ علی بن الحسین!

حصین بن نمیر نے بڑے احترام کے ساتھ آپ کو سلام کیا اور بولا:

"یا ابن رسول اللہ! میرا نام حصین بن نمیر ہے اور میں یزیدی فوج کا سپہ سالار ہوں۔ آپ نے سُن لیا ہوگا کہ یزید مرگیا ہے اور مسلمان بغیر امام کے رہ گئے ہیں۔ میں آپ کی خدمت میں "خلافت" پیش کرتا ہوں۔"

امام نے بے پروائی کے ساتھ حصین بن نمیر کی طرف دیکھا۔ آپ اسے پہچانتے تھے، کیونکہ وہ کربلا میں فوج یزید کے ساتھ موجود تھا اور اُس نے آپ کے بھائی جناب علی اکبر کے سینے پر نیزہ مار کر انھیں شہید کیا تھا۔ آپ جانتے تھے کہ نہ وہ کسی رعایت کا مستحق ہے اور نہ اس کی بات پر بھروسا کیا جاسکتا ہے۔ مگر محض انسانی فریضہ کے طور پر آپ نے اسے ضرورت مند سمجھ کر اپنے جانور کی خوراک اسے دے دی تھی۔ آپ چند لمحہ تک حصین بن نمیر کو غور سے دیکھتے رہے۔ اس کے بعد اپنے دونوں شانے سکیڑے اور اُونٹ کو ہنکا کر آگے بڑھ گئے اور اس کی پیش کش کا کوئی جواب نہ دیا۔

حصین بن نمیر امام کی اس بے نیازی پر دنگ رہ گیا اور کہا:

"سچ ہے! یہ لوگ بڑے سیر چشم ہیں۔ خلافت جیسی انمول چیز کو کیسی بے پروائی سے ٹھکرا دیا!"

# معاویہ کی زبان سے علی بن الحسین کے حقِ خلافت کا اعتراف

یزید کی موت کے فوراً بعد دمشق میں معاویہ بن یزید سے بیعت کی گئی مگر کامل بہائی اور دیگر مورخین کے بیان کے مطابق اس نے تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی اپنے باپ دادا کے افعال سے بیزاری کا اظہار کیا۔ اگرچہ اس کی ماں نے اُس کو کئی بار بہت برہمی کے ساتھ ڈانٹا مگر اُس کے خیالات میں کسی قسم کا تغیّر نہ ہوسکا اور آخر کار اس نے جمعہ کے دن منبر پر جا کر علی الاعلان ان الفاظ میں علی بن الحسین کے استحقاق خلافت کا اعتراف کیا:

"لوگو! آگاہ رہو کہ میں ایک ضعیف اور عاجز انسان ہوں اور خلافت کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اگرچہ بنی امیہ نے بغیر استحقاق اس بار کو اٹھا کر وبال آخرت کا بوجھ اپنی گردن پر لے لیا تھا، مگر میں اپنی عافیت کو

خراب کرنا نہیں چاہتا۔ مجھ سے سچ پوچھتے ہو تو اس منصب کا اصلی وارث اور اہل جس کے حق میں کسی شخص کو چون و چرا کی گنجائش نہیں، صرف علی بن الحسین ہیں۔ جاؤ اور ان کے ہاتھ پر بیعت کرو۔"

مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ معاویہ یہ خطبہ دے کر منبر سے اُترا اور سیدھا اپنے مکان میں چلا گیا اور اس طرح دروازہ بند کر کے بیٹھا کہ وہاں سے مر کر ہی باہر آیا۔

## عبداللہ بن زبیر اور امام زین العابدین

عبداللہ بن زبیر، جناب ابوبکر کا نواسا اور بی بی عائشہ کا بھانجا تھا اور زبیر کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو مستحق خلافت سمجھتا تھا۔ یہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد ہمیشہ اپنے آپ کو امام زین العابدین کا مدِمقابل اور ان کے مقابلہ میں اپنے استحقاق کو زیادہ مستحکم سمجھتا رہا۔ اس کی تمام عمر اسی کوشش میں بسر ہوئی کہ اسے خلیفہ رسول مان لیا جائے اور اس کی یہ حسرت آخر وقت میں ایک محدود علاقہ کے اندر پوری بھی ہو گئی چنانچہ جب یزید کی موت کی خبر سن کر حصین بن نمیر مکہ کی مہم کو ادھورا چھوڑ کر عبداللہ بن زبیر سے مصالحت کر کے دمشق کو واپس چلا گیا تو یہاں مکہ میں عبداللہ بن زبیر نے لوگوں سے بیعت لینا شروع کر دی اور جب اُدھر دمشق میں معاویہ بن یزید کے خلافت سے دست بردار ہو جانے کے باعث نظام حکومت میں ابتری پھیلی اس سے ابن زیاد نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ حجاز و یمن اس کے قبضے میں آ گئے اور مصر و شام تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا۔ یہ ۶۴ھ سے ۷۳ھ تک حجاز میں تخت خلافت پر متمکن رہا اور اس دوران میں علی بن الحسین سے ہمیشہ بدسلوکی اور بے مروّتی سے پیش آیا اور اگر علی بن الحسین، اس کی چھیڑ چھاڑ کی جانب ذرا بھی التفات کرتے تو یقیناً وہ آپ کو شہید کرا دیتا۔

## مروان بن الحکم اور امام زین العابدین

خلافت سے معاویہ کی دست کشی کے بعد عراق کے کاروبار میں جو خلل واقع ہوا اس نے ابن زیاد کو بھی شام میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ اس نے یہاں پہنچ کر مروان بن الحکم کے لیے فضا ہموار کی اور لوگوں کو بہت جلد اس کی بیعت کے لیے تیار کر لیا۔ چنانچہ یہ منصوبہ چند دن میں پورا ہو گیا اور دمشق میں مروان کی خلافت کا اعلان کر دیا گیا۔

مروان نے برسرِاقتدار آنے کے بعد علی بن الحسین سے معاندانہ روش اختیار کرنے میں کوئی کمی نہیں کی مگر اتفاق سے اسے براہِ راست آپ سے متعرض ہونے کا موقع نہ مل سکا کیونکہ اس وقت عبداللہ بن زبیر کا اثر و رسوخ اُدھر مصر تک اور اِدھر شام تک قائم ہو چکا تھا۔ اس لیے مروان اس کی طرف متوجہ ہو گیا اور تھوڑے عرصہ کی جدوجہد کے بعد شام اور مصر میں بنی امیہ کا اقتدار بحال کر دیا۔ لیکن اُس کی عمر نے وفا نہ کی اور نو مہینے کے بعد خلافت کا عہدہ اپنے بیٹے عبدالملک کو سپرد کر کے داعی اجل کو لبیک کہا۔

# عبدالملک اور امام زین العابدین

عبدالملک بن مروان رمضان ۶۵ھ میں مسندِ خلافت پر بیٹھا اور شوال ۸۶ھ تک حکومت کی۔ اس کے زمانے میں عراق و حجاز میں بنی امیہ کا اقتدار از سرِ نو قائم کرنے کے لیے بہت قتل و خون ہوا اور آخر میں اسے اپنے مقصد میں کامیابی بھی ہو گئی۔ مگر امام زین العابدین سے کھلم کھلا[1] بدسلوکی کے ساتھ پیش آنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اگرچہ اس کے ایک خطبہ سے جو اس نے ۷۵ھ میں ابن زیاد کے قتل ہونے کے بعد مسجد نبوی میں دیا تھا لوگوں کو طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا ہو گئے تھے۔ اس نے کہا تھا:

"لوگو! نہ میں عثمان کی طرح کمزور خلیفہ ہوں۔ نہ معاویہ کی طرح چکنی چپڑی باتیں کرنے کا عادی ہوں۔ نہ یزید کی طرح تباہ کار ہوں۔ یاد رکھو کہ لوگ آج تک کل مال و دولت کو خود کھاتے اور اوروں کو کھلاتے رہے ہے۔ مگر میرے پاس تمھاری کجی کو دور کرنے کا علاج سوائے تلوار کے دوسرا نہیں ہے۔ تم ہم سے مہاجرین و انصار کے سلوک کی امید رکھتے ہو اور خود ان کی طرح کام نہیں کرتے۔ اب تمھارے اور ہمارے معاملات تلوار ہی طے کرے گی۔ خدا کی قسم آج کے بعد جو کوئی مجھ سے یہ کہے گا کہ تو خدا سے ڈر تو میں ضرور اُس کی گردن اڑا دوں گا۔"

ان کلمات سے ہر شخص کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ اب یہ ضرور علی بن الحسین پر تشدد کرے گا جو زہد و تقویٰ کی تعلیم و تلقین کو رسالتمآب کی طرح اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ مورخین نے اعتراف کیا ہے کہ درحقیقت اس نے یہ اعلان صرف اس غرض سے کیا تھا کہ علی بن الحسین اس کی تحریف و تاویل اور خلاف شرع اقدامات کے خلاف کوئی کلمہ زبان سے نہ نکال سکیں اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو اسے ان کے شہید کر دینے کا بہانہ مل جائے۔ مگر امام نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اس کی یہ دونوں خواہشیں ناکام ہو کر رہ گئیں۔ تب عبدالملک نے کھل کر "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کو فوجداری کے دیگر جرائم کی طرح ایک سنگین جرم قرار دینے کا قانون بنایا۔ اس میں شک نہیں کہ اس قانون نے علی بن الحسین کو سخت مشکلات میں ڈال دیا تھا مگر آپ اپنی روحانی بصیرت اور الٰہی سیاست سے اس پُرخار منزل کو بھی نہایت سلامت روی اور سلامتی کے ساتھ طے کر گئے اور عبدالملک کو آپ کے خلاف قدم اٹھانے کا موقع نہ مل سکا۔ بلکہ ایک وقت تو ایسا بھی آیا کہ حجاج بن یوسف ثقفی (عامل) نے عبدالملک کو علی بن الحسین کے خلاف ابھارا مگر وہ آمادہ نہ ہوا۔

صاحب تاریخ الخلفاء کا بیان ہے کہ حجاج نے عبدالملک کو اپنے ایک خط میں تحریر کیا کہ:

"اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا ملک برقرار و پائدار رہے تو سب سے پہلے علی بن الحسین کو قتل کر دے کیونکہ جب تک وہ زندہ ہیں تو ہرگز مَن مانی نہیں کر سکتا۔"

اس کے جواب میں عبدالملک نے حجاج کو لکھا:

---

[1] سوائے ایک آدھ دفعہ کے جب کہ اس نے آپ کو دوبارہ گرفتار کر کے شام میں طلب کر لیا تھا لیکن پھر خوف زدہ ہو کر راستے میں رہائی کے احکام بھیج دیئے تھے۔

"سوچ سمجھ کر کام کر اور خوب کان کھول کر سن لے کہ بنی ہاشم کا خون بہانے سے سوائے اپنی تباہی و بربادی کے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ میں نے آلِ ابوسفیان کو دیکھا ہے کہ انھوں نے بنی ہاشم کے خون میں اپنے ہاتھ رنگے تو وہ خود ہی بہت تھوڑے عرصہ میں تباہ و برباد ہو گئے۔"

تقریباً اسی سے ملتا جلتا واقعہ عقد الفرید میں درج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالملک نے حجاج کو جب کہ وہ حجاز میں عامل تھا، ایک خط میں لکھا کہ:

"عبدالمطلب کی اولاد کے خون سے میرا دامن بچانا کیوں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ اولاد حرب نے حسین بن علی کو شہید کیا تو اپنا ملک کھو بیٹھی۔"

اس کے بعد ابن عبدالله تحریر کرتے ہیں کہ حجاج نے اس خط کو پڑھنے کے بعد عبدالملک کے عہد سلطنت میں اولاد ابوطالب سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا۔

صاحب ناسخ التواریخ کا بیان ہے کہ عبدالملک نے علی و فاطمہ کی اولاد پر بنی امیہ کے جو مظالم اور پھر ان مظالم کی بناء پر لوگوں کی بنی امیہ سے عام نفرت کے مناظر دیکھے تھے، ان سے خائف ہو کر وہ علی بن الحسین اور اہل بیت کی ایذا رسانی سے محترز رہا اور یہ احتراز و اجتناب ان کی محبت میں نہیں بلکہ اپنی سلطنت و دولت کی بقاء و تحفظ کی غرض سے تھا۔

## ولید اور امام زین العابدین

عبدالملک کی وفات کے بعد خلافت اس کے بیٹے ولید کی طرف منتقل ہوئی۔ یہ چونکہ علوم و معارف سے بالکل نابلد تھا، یہاں تک کہ عرب کی زبان بھی صحیح نہیں بول سکتا تھا، اس لیے بنی ہاشم کے مقابلہ میں ہمیشہ اپنی کمتری کا احساس کرتا رہا لیکن جہالت کے باعث عداوت اہل بیت کے جذبات کو چھپا نہیں سکتا تھا۔ اس لیے بے موقع بے محل علی بن الحسین کے مقابلے پر آجاتا تھا اور ہمیشہ منہ کی کھاتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے بزرگوں کے مقابلہ میں امام اور ان کے خاندان کے ساتھ بغض و عناد کا زیادہ اظہار کرتا تھا۔

ولید نے اپنے عہدِ خلافت میں مسجد نبوی کی توسیع کے بہانے سے علی بن الحسین اور دیگر اہل بیت طاہرین کے گھر کھدوا دیے اور سامان پھینکوا دیا اور زبردستی ان حضرات کی ملکیت مسجد میں شامل کر لی گئی جس کا تذکرہ کرتے ہوئے محدث دہلوی شیخ عبدالحق نے بالتفصیل جو واقعات لکھے ہیں ان سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ سارا بکھیڑا مسجد کی توسیع کا محض بنی فاطمہ کی ایذا و آزار دہی کے لیے اٹھایا گیا تھا۔

ولید اگرچہ اپنے باپ کی جگہ کار خلافت کا ذمہ دار سمجھا جاتا تھا مگر اپنے باپ کی وصیت کے مطابق حجاج کے مشورے کے بغیر ایک قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ حجاج کو عبدالملک کی یہ نصیحت یاد تھی کہ "علی بن الحسین پر ہاتھ نہ اٹھانا ورنہ حکومت جاتی رہے گی۔" اس لیے حجاج، امام زین العابدین کے معاملے میں ہمیشہ ولید کو دباتا رہتا تھا۔ بایں ہمہ ولید نے ایک دفعہ اس کے حکم سے سرتابی کی اور امام زین العابدین کو زہر سے شہید کرا دیا۔

ولید نے ۹۶ھ تک خلافت کی اور اس کے عہد میں محمد بن قاسم نے ہندوستان کو فتح کیا اور پھر اسی کے اشارے سے محمد بن قاسم کو

موت کی صورت میں اپنی جد و جہد کا انجام ملا۔

# امام زین العابدینؑ کے زمانے کی دوسری سیاسی تحریکیں

امام زین العابدین کے عہد میں واقعۂ کربلا کے بعد کئی مرتبہ انتقام حسین کے نام سے متعدد سیاسی تحریکیں اٹھیں جو بالآخر قاتلان حسینؑ کے قتل عام پر اختتام پذیر ہوئیں لیکن ان میں سے کوئی ایک تحریک بھی بنی امیہ کی خلافت و حکومت کو ختم کرنے میں مؤثر ثابت نہ ہوئی۔ تاہم ان تحریکوں نے اموی حکمرانوں کو بڑی حد تک کمزور کر دیا اور اس کے علاوہ ان کی توجہات کو بنی ہاشم کے قتل و خون کی تدابیر میں مصروف رہنے سے باز رکھا اور ان کی تمام انفرادی و اجتماعی طاقتوں کو اپنی جانب مرکوز کر لیا جس کے نتیجہ میں امام زین العابدین کو اپنے نانا محمد مصطفےٰ کے مشن کی تبلیغ و اشاعت میں کچھ نہ کچھ آسانیاں ضرور پیدا ہو گئیں۔ اگرچہ ان سب تحریکوں میں ملک گیری اور اقتدار کی خواہشیں مضمر تھیں تاہم ان سے بالواسطہ احیائے اسلام کے مقصد کو جو تقویت پہنچتی رہی، اس کے پیش نظر ہر طبقہ اور ہر حلقۂ خیال کے مورخین نے بنی امیہ کے مقابلہ میں ان تحریکوں کے قائدین کو سراہا ہے اور یقیناً وہ لوگ اس کے مستحق ہیں کہ انھیں کلمۂ خیر سے یاد کیا جائے۔

ابن عبدالبر نے کتاب استیعاب میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص کو انتقام خون حسین کی فکر دامن گیر ہوئی، وہ سلیمان بن صرد خزاعی تھے۔ یہ ایک عالم و فاضل اور عبادت گزار صحابی تھے اور صحبت رسالتمآب سے مشرف ہونے کے بعد جنگ صفین میں علی بن ابی طالب کے ساتھ شرائط جہاد بجا لا چکے تھے۔ یہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے کوفہ میں مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر امام حسین سے بیعت کی تھی، مگر کربلا میں امام مظلوم کی امداد کو نہیں پہنچ سکے تھے۔ انھیں اور ان کے ساتھیوں میں مسیب بن نجبۃ الفزاری۔ عبداللہ بن سعد ازدی۔ عبداللہ بن وائل تمیمی اور رفاعہ بن شداد کو اپنی کوتاہی پر سخت افسوس تھا اور شہادت امام حسین کے بعد، یزید کی زندگی ہی میں انتقام لینے کی تیاریاں کرنے لگے تھے۔ جب تک یزید زندہ رہا، یہ کھل کر میدان میں نہیں آئے۔ البتہ اپنے بہت سے ہم خیال پیدا کر لیے اور مال زکوٰۃ جمع کرتے رہے تاکہ جہاد کے موقع پر کام آئے۔ یزید کی موت کے بعد جب ابن زیاد بصرہ سے شام کی طرف چلا گیا اور لوگوں نے اس کے گماشتہ، عمر بن حریث کو بھی (۶۴ھ میں) کوفہ سے نکال دیا تو لوگوں نے ان سے اصرار کیا کہ اب موقع اچھا ہے۔ فوراً اعلان جہاد کر دینا چاہیئے۔ مگر انھوں نے تامّل کیا۔ اسی دوران میں امیر مختار بھی کوفہ میں آ گئے۔ اور ان سے مل کر تلوار نکالنے کے لیے اصرار کیا۔ مگر یہ اپنی رائے پر قائم رہے۔ مختار یہ کہہ کر اٹھ گئے کہ آپ بہت ضعیف ہو گئے ہیں اس لیے آپ کی رائے بھی ضعیف ہے۔ سلیمان نے یہ الفاظ سُنے مگر کوئی جواب نہ دیا۔

مختار نے محمد بن حنفیہ کی طرف سے دعوت جہاد دینا شروع کی۔ جب سلیمان نے یہ سُنا تو کہا۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ وہ محمد حنفیہ کی طرف سے دعوت دیں مگر ہمارے امام زین العابدین ہیں۔ ہم وقت آنے سے پہلے تلوار نہیں نکالیں گے۔

محرم ۶۵ھ میں سلیمان بن صرد نے کوفہ سے باہر نکل کر لشکر جمع کیا اور مقام عین الوردہ پر پڑاؤ ڈالا۔ اس زمانے میں عبدالملک کی حکومت تھی۔ اس کی طرف سے اول پانچ ہزار اور پھر دو ہزار فوج مقابلے کے لیے آئی جب لڑائی شروع ہو گئی تو مزید دس ہزار سوار شام کے لشکر کی امداد کے لیے آ پہنچے۔ بڑے زور و شور کا رن پڑا۔ دن بھر ہنگامہ گرم رہا۔ سلیمان، مسیب۔ ابن سعد ازدی اور ابن وائل کام آئے۔ رات ہوئی تو

رفاعہ اس خیال سے تاریکی شب میں باقی ماندہ فوج کو لے کر واپس چلے گئے کہ اگر اسی طرح لڑتے رہے تو ایک بھی باقی نہ رہے گا۔ اس طرح یہ معرکہ اس گروہ کی ناکامی پر ختم ہوا ـــــ اس جماعت میں چونکہ سب ایسے ہی اشخاص تھے جنھیں میدانِ کربلا میں امام حسینؑ کی امداد کے لیے نہ پہنچنے کا تاسف تھا اور اسے یہ سب اپنا ایک عظیم گناہ سمجھ کر بار بار توبہ کرتے تھے، اس لیے یہ تائبین کا گروہ کہلاتا ہے۔

تائبین کے بعد امیر مختار نے ۱۴ ربیع الاول ۶۶ھ کو کوفہ میں خروج کیا اور خونِ حسین کا انتقام لینے کے لیے میان سے تلوار نکالی۔ ابراہیم بن مالک اشتر بھی ان کے ساتھ تھے۔ صاحب روضۃ الصفا نے ابوالمؤید خوارزمی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مختار نے جب ایک دفعہ تلوار اٹھائی تو چھیالیس ہزار پانسو ساٹھ دشمنانِ اہل بیت کو موت کے گھاٹ اتار کر دم لیا اور معرکہ کربلا کے جتنے ہیرو تھے چن چن کر قتل کر دیے۔ ابن زیاد بھی ابراہیم کے لشکر سے جنگ کرنے کے دوران کام آیا۔

صاحب مجالس نے ابو المؤید خوارزمی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ مختار نے ابن زیاد وغیرہ کے سر مع تیس ہزار دینار کے محمد حنفیہ کی خدمت میں بھیج دیے۔ انھوں نے دو رکعت نماز پڑھی اور ان سروں کو مناسب موقع پر آویزاں کرنے کا حکم دیا۔ جلاء العیون میں ہے کہ امام زین العابدین اُس وقت مکہ میں تشریف رکھتے تھے۔ محمد نے یہ سر آپ کے پاس بھجوا دیے۔ آپ اس وقت دن کا کھانا نوش فرما رہے تھے۔ اُن سروں کو دیکھا اور فرمایا کہ جب میرے پدر بزرگوار کا سر ابن زیاد کے سامنے لایا گیا تھا تو اس وقت وہ بھی دن کا کھانا کھا رہا تھا۔ اُس وقت میں نے دعا کی تھی کہ خداوندا! مجھے اپنی زندگی میں ایسا موقع دینا کہ جب میں دن کے کھانے میں مصروف ہوں تو اس دشمنِ اسلام کا سر میرے سامنے لایا جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ میری دعا مستجاب ہوئی۔ امام محمد باقر کے حوالہ سے مورخین نے لکھا ہے کہ جب عبیداللہ بن زیاد اور عمر بن سعد کے سر میرے پدر بزرگوار کے سامنے لائے گئے تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور مختار کے حق میں دعائے خیر کی۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جب مختار نے قاتلانِ حسین کے سر بھیجے، اس وقت میرے دادا علی بن الحسین نے اور ان کے ساتھ تمام بنی ہاشم نے امام حسین کا سوگ بڑھایا، جو چھ سال سے ان کی زندگی کا جزو اعظم بن چکا تھا۔

اس واقعہ سے تقریباً ڈیڑھ سال بعد عبدالملک کی جانب سے مصعب بن زبیر نے مختار پر چڑھائی کی اور اس معرکہ میں وہ ۱۴ رمضان ۶۷ھ کو تہ تیغ کر دیے گئے۔

## محمد بن حنفیہ اور امام زین العابدین

محمد حنفیہ، حضرت علی بن ابی طالب کی اولاد میں امام حسین کے بعد سب سے بڑے فرزند تھے۔ ان کی مادرِ گرامی کا اسم مبارک خولہ بنت جعفر حنفیہ تھا۔ یہ نہایت شجاع اور دلیر تھے چنانچہ جنگِ جمل میں علی بن ابی طالب نے اپنے لشکر کی علمداری ان ہی کے سپرد فرمائی تھی۔ شہادت امام حسینؑ کے بعد کچھ لوگ محمد کو امام من اللہ خیال کرنے لگے تھے اور ان کا فرقہ کیسانیہ کے نام سے مشہور ہونے لگا تھا۔

کشف الغمہ اور دیگر کتب تاریخ میں امام محمد باقر کے حوالہ سے درج ہے کہ حضرت سید الشہداء امام حسین درجۂ شہادت پر فائز ہوئے تو محمد بن حنفیہ نے امام زین العابدین سے خلوت میں کہا:

"برادر زادے! تم جانتے ہو کہ رسالتمآبؐ نے امامت و وصایت کا عہدہ میرے پدر بزرگوار علی بن ابی طالب کے لیے مختص کیا تھا۔ ان کے بعد حسن مجتبیٰ اور پھر حسین شہید اس منصب پر فائز ہوئے۔ میں تمھارا چچا، باپ کی برابر ہوں۔ سن و سال میں تم سے زیادہ ہوں اور استحقاقِ امامت میں تم پر سبقت رکھتا ہوں، کیونکہ تم مجھ سے کم سن ہو اور امامت جس کی میراث ہے اُس کے پوتے ہو اور میں اُس کا بیٹا ہوں۔ بیٹے کے ہوتے ہوئے پوتے کو ترکہ نہیں ملا کرتا۔ بہتر ہوگا کہ تم امرِ امامت میں میرے مدِ مقابل نہ ہو۔"

امام زین العابدینؑ نے چچا کے یہ الفاظ سن کر فرمایا:

"عمِ محترم! ایسی بات کا ذکر نہ فرمایئے جو حقیقت پسندی سے بعید ہے۔ امامت و وصایت کوئی جائداد نہیں جس میں وراثت کے قانون کو دخل دیا جائے۔ یہ عطیہ خداوندی ہے جو نصِ صریح کے مطابق ایک سے دوسرے کی جانب منتقل ہوتا ہے۔ میرے پدر بزرگوار نے، جو امام مفترض الطاعۃ تھے اپنی شہادت سے قبل مجھے اپنا وصی و جانشین مقرر فرمایا اور رسالتمآبؐ نے بھی اس منصب جلیلہ کو نسل علی و فاطمہ سے مختص فرما دیا تھا اور اکثر مقامات پر علی بن ابی طالب سے لے کر محمد بن حسن المہدی تک تمام ائمہ کے نام گنا دیے تھے۔ آپ بے شک میرے چچا اور بزرگ ہیں، مگر آپ کے حق میں منصب امامت کے فرائض سے دست بردار ہو جانے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے۔ یہ اللہ و رسول کے معاملات ہیں اور جس طرح انھوں نے مقرر کر دیے ہیں اسی طرح انجام پاتے رہیں گے۔"

خرائج اور بعض دوسری کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام زین العابدین نے اس کے بعد اپنے چچا محمد حنفیہ سے خواہش کی میرے ساتھ حجر اسود کے پاس چلیے اور اس بات کا فیصلہ کر لیجئے۔ چنانچہ محمد اور علی بن الحسین جو کہ اس وقت مکہ میں مقیم تھے حجر اسود کے قریب گئے۔ اول محمد نے بڑے خضوع و خشوع کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں دعا کر کے، حجر سے تخاطب کیا اور اپنی امامت پر گواہی دینے کی درخواست کی۔ مگر کچھ جواب نہ ملا۔ اس کے بعد امام زین العابدین نے ایک دعا پڑھی۔ ابھی لب ہلے اُدھر حجرِ اسود میں حرکت پیدا ہوئی اور ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اپنی جگہ سے نکل پڑے گا۔ ساتھ ہی ایک آواز آئی — "امامت اور وصایت حسین بن علی کے بعد علی بن الحسین کے لیے ہے —"

ہمیں مذکورہ بالا واقعہ حجر کے صدق و کذب سے بحث نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ مورخین نے یہ بات بالاتفاق تسلیم کی ہے کہ محمد نے زین العابدین سے گفتگو کے بعد ہمیشہ انھیں امام مفترض الطاعۃ سمجھا اور ان کی تعظیم و تکریم بجا لاتے رہے۔

شیخ جعفر بن نما رحمہ نے کتاب احوال مختار میں نقل کیا ہے کہ ابو بحر عالم اہواز محمد بن حنفیہ کی امامت کا معتقد تھا۔ اس کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ حج کو گیا، تو وہاں اپنے امام (محمد حنفیہ) کی خدمت سے بھی شرف اندوز ہوا۔ اتنے میں ایک نوجوان آیا۔ محمد اُس کی تعظیم کو سروقد کھڑے ہو گئے اور استقبال کر کے اس کو اپنے قریب بٹھایا۔ اُس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور "سیدی" (میرے آقا) کہہ کر خطاب کیا۔ جب وہ لڑکا چلا گیا اور محمد اسے تھوڑی دُور پہنچا کر واپس آئے تو میں نے انتہائے حیرت کے ساتھ کہا:

"میں خدا ہی سے اپنی زحمتوں کا اجر چاہتا ہوں۔"

محمد نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور کہا: اس سے کیا مطلب؟

مَیں نے کہا۔ یہی کہ مَیں تو آپ کا اپنا امام سمجھ کر زیارت کے لیے آیا تھا مگر میرا یہ عقیدہ درست نہ نکلا کیوں کہ آپ تو خود اس نوجوان کو اپنا آقا اور مولا خیال کرتے ہیں۔

محمد نے کہا۔ ہاں! خدا کی قسم وہ میرا اور کل عالم کا امام ہے۔

مَیں نے پوچھا۔ یہ کون ہے؟

محمد نے جواب دیا۔ یہ میرا برادر زادہ علی بن الحسین ہے میرے اور اس کے درمیان امامت میں نزاع تھا۔ لیکن دلائل واضح سے ثابت ہو گیا کہ امامت کا اہل وہی ہے اور مَیں اس منصب جلیل کا مستحق نہیں۔

اسی سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ رجال کشی میں ابو خالد کے متعلق نظر سے گزرا جس کا ماحصل یہ ہے کہ ابو خالد ابتداءً کیسانی مذہب کے پیرو اور محمد بن حنفیہ کی امامت کے قائل تھے۔ ایک دن محمد نے ان سے کہا کہ تم اپنے عقیدے کی اصلاح کرو اور اچھی طرح یاد رکھو کہ امام میرے اور تمھارے اور تمام خلق اللہ کے، علی بن الحسین ہیں نہ کہ مَیں۔ ابو خالد کا بیان ہے کہ میں اسی وقت محمد سے رخصت ہو کر امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت ادب سے سلام کیا۔ امام نے مجھے کنگر کے نام سے مخاطب کر کے جواب سلام دیا اور فرمایا۔ آج کیسے ادھر آنکلے؟ مَیں نے پورا واقعہ سنایا اور کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے مرنے سے پہلے امام کی معرفت حاصل ہو گئی۔ پھر عرض کیا کہ حضرت نے جو کنگر کے نام سے مجھے مخاطب فرمایا، اس سے محمد کے بیان کی مزید تصدیق ہو گئی۔ کیونکہ یہ میرا ایسا نام ہے جو میری ماں نے رکھا تھا اور سوائے ان مرحومہ کے کسی نے کبھی مجھ کو اس نام سے نہیں پکارا اور نہ باہر کے لوگوں کو معلوم ہو سکا کہ مجھے میرے بچپن میں میری والدہ اس نام سے پکارا کرتی تھی۔

## عمر بن علی اور امام زین العابدین

عمر بن علی بھی علی بن ابی طالب کے فرزند تھے، جو اپنی ماں ام حبیب صہبار ثعلبیہ کے بطن سے اپنی بہن رقیہ کے ساتھ توام پیدا ہوئے تھے۔ یہ امام حسین کی حیات میں بھی اولاد فاطمہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش نہیں آتے تھے۔ چنانچہ جب امام حسین نے سفر عراق کے وقت انھیں طلب کیا تو اصرار کے باوجود امام کے ساتھ نہ گئے۔ بعض مورخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب انھوں نے شہادت امام حسین کی خبر سنی تو زرد کپڑے پہن کر صحن خانہ میں بیٹھے اور کہا کہ انا الغلام الحازم مَیں محتاط نوجوان ہوں۔ اگر ان کے ساتھ گیا ہوتا تو ضرور مارا جاتا۔ بہرحال یہ واقعہ درست ہو یا غلط مگر اس میں شک نہیں کہ عمر، بنی فاطمہ سے انس نہیں رکھتے تھے اور شہادت حسین کے بعد علی مرتضیٰ کی میراث کے لیے علی بن الحسین کے مقابلہ پر کھڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ عمر بن علی نے عبدالملک بن مروان کے دربار میں صدقات رسالتمآب و علی مرتضیٰ کی ولایت کا دعویٰ پیش کیا اور کہا کہ اے امیر المومنین (عبدالملک) مصدق کا بیٹا اس کا زیادہ مستحق ہے یا پوتا؟ عبدالملک نے اس وقت ابن الحقیق کا یہ شعر پڑھا۔

لا تجعل الباطل حقاً ولا تلط دون الحق بالباطل

یعنی تو باطل کو حق کا جامہ نہ پہنا اور نہ حق کو چھوڑ کر باطل سے متمسک ہو۔

یہ کہہ کر عبدالملک نے صدقات محمد و علی کی تولیت کا علی بن الحسین کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ جب زین العابدین اور عمر وہاں سے اٹھ کر باہر آئے تو عمر بد گوئی کرنے لگے۔ مگر علی بن الحسین خاموش رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ محمد بن عمر کو جب یہ حال معلوم ہوا تو امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پائے مبارک پر جھک کر معافی مانگنے لگے۔ امام نے فرمایا: اے میرے چچا کے لال! تمہارے باپ نے قطع رحم کیا تو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں بھی تمہارے ساتھ ایسا ہی سلوک کروں گا؟ میں اپنی بیٹی خدیجہ (بنت علی بن الحسین) کا تمہارے ساتھ عقد کرنے والا ہوں کیونکہ جن پانچ ہستیوں سے علی کی نسل چلنے پر مشیت جاری ہو چکی ہے ان میں سے ایک تم بھی ہو۔

## ولادت سے وفات تک ایک نظر میں

امام زین العابدین نے پیدائش کے دو سال بعد سے لے کر وفات تک اپنی پوری زندگی ایسی حکومتوں کے زمانے میں گزاری جو ظلم و جور اور ستم و ناانصافی کا مجسمہ تھیں۔ آپ دو سال کے تھے کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب ایک خارجی (عبدالرحمٰن بن ملجم) کے ہاتھ سے مسجد کوفہ میں شہید ہو گئے۔ اگرچہ مسلمانوں نے امام حسن سے بیعت کر لی مگر امیر معاویہ کی طرف سے جھگڑا قائم رہا۔ آخر امام حسن حکومت سے دستبردار ہو گئے اور بلا شرکت غیرے امیر معاویہ کی حکومت شروع ہو گئی۔ اس حکومت کی کھلی ہوئی پالیسی یہ تھی کہ اہل بیت کے رتبہ کو گھٹایا جائے اور ان کے دوست داروں کو کچلا جائے۔ امیر معاویہ نے لالچ، رشوت اور دھمکی کے ذریعہ اس پالیسی کو پروان چڑھایا۔ صحیح مسلم (باب الفتن) کی روایت کے مطابق امیر معاویہ نے اپنے تمام عاملوں کو حکم دیا کہ وہ منبروں پر علی اور اولاد علی کو برا کہیں اور شیعیان علی کو جس طرح بنے قتل اور برباد کریں۔ امام زین العابدین نے ہوش سنبھال کر یہ تمام واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور ان سے متاثر ہوئے۔ ان کا آغاز جوانی تھا کہ امام حسن کی زہر خورانی کا واقعہ پیش آیا۔ اسد الغابہ، استیعاب، مروج الذہب اور طبری کا بیان ہے کہ امیر معاویہ نے جعدہ بنت اشعث کو لالچ دے کر اس پر آمادہ کیا تھا کہ وہ امام حسن کو زہر دے دے۔ امام حسن کے بعد امام حسین مسند امامت پر جلوہ گر ہوئے۔ اس وقت امام زین العابدین سن رشد کو پہنچ چکے تھے اس زمانے میں خاندان اہل بیت کے خلاف جو سازشیں ہو رہی تھیں اور آل رسول کے رتبے کو مٹانے کے لیے جو گھٹیا چالیں چلی جا رہی تھیں وہ سب کچھ آپ کی نگاہوں کے سامنے تھیں۔ یزید کی ولی عہدی تسلیم کرانے کے لیے جو حرکتیں کی گئی تھیں، ان سے آپ بے خبر نہ تھے۔ حادثہ کربلا کے وقت آپ کی عمر بائیس[۲۲] سال کی تھی اور کربلا میں موجود تھے۔ اس کے بعد اہل بیت رسول کی اسیری اور اپنا پیادہ پا کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک شہیدوں کے سروں کے ساتھ پھرایا جانا۔ ابن زیاد اور یزید کے درباروں میں سنگ دل حکمرانوں کے سامنے حق کی آواز بلند کرنا بھی آپ کو یاد تھا۔ آپ ان تمام امتحانوں اور کڑی آزمائشوں سے بڑی ثابت قدمی کے ساتھ گزرتے ہوئے مدینہ واپس آئے۔ لیکن یہاں بھی آپ کو آرام اور چین نصیب نہ ہوا چونکہ رسول کا خاندان تھا اس لیے ہمیشہ حکومت کی نظر میں کھٹکتا تھا۔ اگرچہ آپ اپنے زمانے کی تمام سیاسی سرگرمیوں سے الگ ہو گئے تھے لیکن حکام وقت آپ کو ستانے سے باز نہ آتے تھے۔ جب عبداللہ بن زبیر نے حجاز میں اپنی

حکومت قائم کی تو اسے سب سے زیادہ اندیشہ آپ کی طرف سے تھا۔ عبداللہ بن زبیر کے بعد عبدالملک بن مروان برسرِ اقتدار آیا۔ ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک خوں ریزی اور سفاکی کی تمام طاقتوں کے ساتھ اس نے اسلامی دنیا پر حکومت کی۔ حجاج جیسے ظالم شخص کو اسی نے مسلمانوں پر مسلط کیا جس کے حکم سے چھ لاکھ مسلمان قتل کیے گئے۔ اس کے علاوہ عبدالملک نے اپنا رعب جمانے کے لیے حجاز، شام اور مصر میں ہر اُس شخص کو قتل کر ڈالا جس کو ذرا بھی جری اور دلیر پایا۔ خوارج کے شبہ میں اتنے آدمیوں کا خون بہایا گیا کہ خدا کی پناہ! امام نے امتحان و ابتلا کا یہ زمانہ بڑے وقار اور استقلال کے ساتھ بسر کر دیا۔ عبدالملک کے بعد ولید تختِ خلافت پر بیٹھا۔ وہ اپنے باپ سے بھی زیادہ وہمی اور رعدہ شکن تھا۔ ولید کہا کرتا تھا کہ جب تک علی بن الحسین زندہ ہیں مجھے اپنے اقتدار کی طرف سے اطمینان نہیں ہے۔ لیکن علی بن الحسین اس کے معاندانہ نظریہ سے ذرا بھی خائف اور متوحش نہ ہوئے اور حیرت انگیز استقامت کے ساتھ اس وقت بھی اپنے کام میں مصروف رہے۔

—— وہ کام کیا تھا؟ دعاؤں کے ذریعہ شریعت محمدیہ اور اس کے اسرار و غوامض کی تبلیغ و تلقین، مردہ ضمیروں کا احیاء اور حق و صداقت کا اعلان —— اسی خاموش خدمت میں آپ کی کل زندگی بسر ہوئی۔ کھلم کھلا خدمت کا اس لیے موقع نہ تھا کہ ہر دور میں حکومت کی طرف سے آپ کی زبان پر پہرے بٹھائے جاتے رہے اور کسی مجمع عام میں یا خاص میں آپ کو محمد و آلِ محمد کے مقاصد کی ترویج و تبلیغ کی اجازت نہیں دی گئی۔ یہاں تک کہ ایک زمانہ میں تو "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" جیسی بے ضرر خدمت بھی ممنوع قرار دے دی گئی۔ ظاہر ہے کہ ایسے پُر آشوب زمانے میں خاموش تبلیغ کے سوا علانیہ رشد و ہدایت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

تذکرہ خواص الائمہ میں ہے کہ آپ نے ستاون برس کی عمر میں وفات پائی اور ہوش سنبھالنے کے بعد آخر وقت تک زہد و ریاضت اور تبلیغ و ہدایت کے علاوہ کسی اور کام کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا۔

آپ دو سال تک اپنے جد بزرگوار علی بن ابی طالب کے سایہ عاطفت میں پرورش پاتے رہے۔ دس سال اپنے چچا حسن بن علی اور گیارہ سال اپنے پدر بزرگوار حسین بن علی کے ساتھ رہے۔

## وفات

"ولید اور امام زین العابدین" کے عنوان میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ 'ولید' علی بن الحسین سے بہت جلتا تھا۔ چنانچہ اُس نے آپ کو زہر دلوا کر شہید کرا دیا۔ علامہ ابن جوزی تذکرہ خواص الائمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ حادثہ ۱۲ محرم ۹۴ھ کو وقوع پذیر ہوا۔

طبری کا بیان ہے کہ :-

توفی فی ثانی العشر محرم سنہ ۹۴ھ وکان عمرہ سبعا وخمسین سنۃ

آپ کا انتقال ۱۲ محرم کو ہوا۔ ستاون سال کی عمر پائی۔

ابن عساکر کا بیان ہے کہ آپ نے ۸ محرم کو انتقال کیا۔ آپ کو زہر دیا گیا تھا۔

شیخ مفید ارشاد میں تحریر فرماتے ہیں :-

یقال سمہ ولید بن عبد الملک ودفن بالبقیع عند عمہ الحسن

کہا جاتا ہے کہ آپ کو ولید بن عبدالملک نے زہر دلوایا اور آپ اپنے چچا حسن کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

ناسخ التواریخ کا بیان ہے۔

قال الصباغ المالکی مات مسموما ان الذی سمہ الولید۔

ابن الصباغ مالکی کہتے ہیں کہ آپ کی وفات زہر سے واقع ہوئی۔ یہ زہر ولید بن عبدالملک نے دیا تھا۔

سید بن طاؤس نے کتاب اقبال میں جو صلوات کبیرہ نقل کی ہے اس میں درج ہے:

وضاعف العذاب علی من قتلہ وھو الولید بن عبد الملک بن مروان

پروردگارا تو اس پر دو چند عذاب کر جس نے علی بن الحسین کو شہید کیا اور وہ (قاتل) ولید بن عبدالملک بن مروان ہے۔

ابن طلحہ نے ل مہمہ میں درج کیا ہے:۔

جس شخص نے جناب سید سجاد کو جام زہر پلایا وہ ولید تھا اور اسی زہر کے صدمہ سے آپ کی شہادت واقع ہوئی۔

امام محمد باقر کا بیان ہے کہ جب میرے پدر بزرگوار کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے وضو کے لیے پانی طلب کیا۔ پانی حاضر کیا گیا تو فرمایا کہ اس میں کوئی مردہ جانور پڑا ہے۔ دیکھا تو ایسا ہی تھا۔ پھر دوسرا پانی پیش کیا گیا۔ حضرت نے وضو کیا اور فرمایا کہ وعدہ کی رات آگئی۔

علامہ طبری فرماتے ہیں کہ علی بن الحسین کے انتقال کا وقت آیا تو اپنے فرزند امام محمد باقر سے فرمایا کہ:

بیٹا! آج کون سی تاریخ ہے؟

عرض کہ ۱۲ محرم!

تو فرمایا کہ یہ وہی دن ہے جس کی رات میں مجھ سے وعدہ موت کیا گیا ہے۔ پھر آپ نے وضو کیا اور تمام رات حسب معمول عبادت الٰہی میں مصروف رہے۔ آخر شب میں رحمت خدا کی طرف انتقال فرمایا۔

صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں کہ اس شب میں شربت آپ کے سامنے لایا گیا آپ پینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اب دنیا سے ہمارا آب و دانہ اٹھ چکا ہے اور وہ وقت قریب ہے کہ جس میں قبض روح کی مشیت جاری ہوگی۔

شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ امام محمد باقر کا بیان ہے۔ میرے والد بزرگوار نے وفات سے کچھ پہلے مجھے سینے سے لگایا اور فرمایا۔ بیٹا! اب تم میرے بعد امامت الٰہیہ کے محافظ و سرپرست ہو۔ میں تمھیں وہی وصیت کرتا ہوں جو میرے پدر بزرگوار نے مجھے آخری رخصت کے وقت کی تھی اور وہ یہ ہے کہ جس شخص کا خدا کی طرف سے سوائے تمھارے کوئی ناصر و مددگار نہ ہو اس کی غم خواری کے فرائض آخر وقت تک ادا کرتے رہنا۔

امام علی بن موسی الرضا فرماتے ہیں کہ جب علی بن الحسین کا وقت وفات قریب آیا تو آپ سورۂ انا فتحنا اور اس کے بعد ورۂ واقعہ

تلاوت فرما رہے تھے۔ اس کے بعد آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ چند لمحات کے بعد جب ہوش آیا تو فرمایا:

"وہ معبود ہر قسم کی حمد و ثنا کا مستحق ہے جس نے وہ وعدہ جو ہمارے ساتھ کیا تھا، اسے پورا کیا اور ہمیں بہشت کا مالک بنایا کہ جس جگہ چاہیں اس میں رہیں۔ وہ نیک کام کرنے والوں کو یقیناً اچھا صلہ دیتا ہے۔"

یہ کہتے کہتے آپ کی روح پرواز کر گئی۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون۔

امام محمد باقر نے علی بن الحسین کی ایک کنیز ام ولد کی مدد سے غسل دیا اور تجہیز و تکفین کے بعد مدینہ کے ایک جم غفیر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی اور آپ کی میت جنت البقیع میں امام حسن کے پاس دفن کر دی گئی۔

## ازواج و اولاد

حضرت کی پہلی زوجہ، ام عبداللہ دختر امام حسن تھیں۔ جن کے بطن سے امام محمد باقر اور عبداللہ الباہر پیدا ہوئے۔ دوسری شادی قبیلہ شیبان میں اور تیسری ایک اور قبیلہ میں فرمائی۔ ان کے علاوہ کنیزان امہات اولاد کے بطن سے بھی چند اولادیں پیدا ہوئیں۔

اولاد کی تعداد میں مورخین نے اختلاف کیا ہے۔ کمال الدین بن طلحہ شافعی کشف الغمہ میں لکھا ہے کہ آپ کے نو فرزند تھے اور دختر ایک بھی نہیں تھی ——— ابن خشاب نے آٹھ فرزند تحریر کیے ہیں ——— مناقب ابن شہر آشوب میں فرزندوں کی تعداد دس اور دو بیٹیاں بتائی گئی ہیں۔

تذکرہ خواص الائمہ اور ارشاد شیخ مفید کا بیان اس سلسلے میں سب سے زیادہ مستند و معتبر مانا گیا ہے۔ ان دونوں نے کل اولاد کی یہ تفصیل بتائی ہے:

لڑکے: امام محمد باقر۔ عبداللہ الباہر۔ زید بن علی۔ عمر بن علی۔ حسن بن علی۔ حسین بن علی (حسین اکبر بھی کہلاتے ہیں) حسین اصغر۔ عبدالرحمن بن علی۔ سلیمان بن علی۔ علی جواد۔ اصغر۔

لڑکیاں: خدیجہ بنت علی۔ فاطمہ بنت علی۔ ام کلثوم بنت علی۔ علیہ بنت علی۔

## چھ فرزند جن سے آپ کی نسل چلی

مذکورہ بالا فرزندوں میں سے صرف چھ کا تذکرہ کتب تواریخ و سیر میں پایا جاتا ہے۔ جن سے آپ کی نسل چلی۔ باقی فرزند لاولد فوت ہو گئے۔ ان چھ فرزندوں کا مختصر تعارف ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

**۱۔ امام محمد باقر** آپ علی بن الحسین کے سب سے بڑے فرزند تھے اور ان کی وفات کے بعد منصب امامت پر فائز ہوئے۔ تذکرہ خواص الائمہ میں آپ کے علم و فضل کا ذکر کرتے ہوئے دو باتیں خاص طور سے بیان کی گئی ہیں:

ایک یہ کہ جملہ مورخین نے آپ کو باقر علم النبیین کے لقب سے یاد کیا ہے یعنی علوم انبیاء کے اسرار و غوامض پر عبور رکھنے والے۔ دوسرے یہ کہ آپ کی فضیلت کے ذیل میں ایک روایت بڑی اہمیت رکھتی ہے جسے جملہ محدثین نے علی التواتر بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ رسالتمآب م نے اپنے صحابی جابر بن عبداللہ انصاری کو ان کے طول عمر کا مژدہ سناتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم علی بن ابی طالب کے پرپوتے محمد بن علی بن الحسین کے عہد امامت تک زندہ رہو گے۔ جب تم ان سے ملاقات کرو تو میرے فرزند کو میرا سلام کہہ دینا۔

**۲۔ عبداللہ الباہر** آپ کا نام عبداللہ تھا اور اپنے حسن و جمال کی وجہ سے "الباہر" کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ فقہ کے عالم متبحر تھے۔ رسالتمآب کی بہت سی حدیثیں اپنے آبائے طاہرین کے حوالہ سے آپ نے بیان کی ہیں۔ صدقات رسول اللہ و صدقات علی بن ابی طالب کے متولی رہے۔ آپ سے علی بن الحسین کی نسل کا سلسلہ چلا۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار کی وفات کے بعد امام محمد باقر کے مقابلے میں امامت کا دعویٰ کیا۔ لیکن امام محمد باقر نے اپنے پدر بزرگوار کی وصیت کی بناء پر ان سے زیادہ تعرض نہ کیا۔ یہ دعوائے امامت سے کچھ ہی روز بعد وفات پا گئے۔

**۳۔ زید بن علی الشہید** آپ امام جعفر صادق کے زمانے تک زندہ رہے اور نہایت مظلومیت کے عالم میں بمقام کوفہ ۱۲۰ھ میں شہید ہوئے۔ آپ نے بنی امیہ کے ظلم و جور سے تنگ آ کر ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں بمقام کوفہ خروج کیا۔ فقہ حنفی کے بانی امام ابوحنیفہ دل و جان سے آپ کے حامی تھے۔ یوسف بن عمر حاکم عراق نے جو سنگ دلی اور خوں ریزی میں دوسرا حجاج تھا، کثیر فوج سے آپ کا مقابلہ کیا۔ آپ نے بڑی بہادری اور پامردی سے مدافعت کی اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ دفن کے بعد یوسف بن عمر نے قبر کھود کر آپ کا جسم مبارک نکال لیا۔ سر کاٹ کر ہشام بن عبدالملک کے پاس دمشق بھیج دیا گیا جہاں وہ ہشام کے حکم سے دروازے پر آویزاں کیا گیا اور جسم مبارک کو کناسہ (کوفہ) میں یوسف بن عمر ثقفی نے سولی پر لٹکا دیا۔

مناقب الائمہ میں ابوحمزہ کے حوالہ سے درج ہے کہ:

ایک دن امام زین العابدین اپنے اس صاحبزادے کا منہ چومتے تھے اور فرماتے تھے "وائے ہو اے فرزند اُن پر جو ایک دن کناسہ میں تجھے سولی پر چڑھا دیں گے۔"

زید کے متعلق شیخ مفید علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ وہ علم و زہد و تقویٰ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں امام (پیشوا) تھے مگر وہ اس امامت پر فائز نہ تھے جو امام کے لیے موجب عصمت و نص و معجزہ ہوتی ہے۔

شیخ کے اس بیان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خود زید صحیح العقیدہ مومن تھے۔ مگر زیدی مذہب جو ان کی نسبت سے جاری ہوا اور جو اس وقت بھی یمن کے بعض علاقوں میں پایا جاتا ہے، درست نہیں۔

**۴۔ عمر بن علی** آپ فاضل جلیل، متقی، پرہیزگار اور نہایت درجہ کریم تھے۔ صدقات نبیؐ و علی کے متولی رہے۔ یہ اور زید شہید ایک دوسرے کے ماں جائے تھے۔ یہ عمر میں زید سے بڑے تھے۔ آپ عمر اشرف کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کی اولاد بہت کم ہے۔ ان کی نسل صرف ایک فرزند مسمی علی اصغر محدث سے جاری ہوئی۔ جو عموماً جناب صادق آل محمد کے حوالہ سے احادیث بیان کرتے ہیں۔

بحار میں عبیداللہ بن حریر قطان کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک دفعہ عمر اشرف کی صحبت میں ایک شخص آپ کی محبت کے اظہار میں اتنا مبالغہ کر رہا تھا جس سے یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ ان کی محبت کو امام وقت اور اہل بیت کی محبت پر ترجیح اور افضلیت دینا چاہتا ہے۔ عمر اشرف نے اس کی ہدایت کے لیے فرمایا :

"ہماری محبت میں افراط کرنے والا ایسا ہی ہے جیسے ہمارا دشمن۔ ہمارا حق صرف ایک قرابت رسول اللہؐ کا ہے۔ دوسرا حق (امامت) خدائے تعالےٰ نے مقرر کیا ہے۔ جو کوئی اسے (امامت کو) نظر انداز کرے۔ وہ گناہ عظیم کا مرتکب ہوا۔ ہمیں اُسی درجے پر رکھو جس پر اللہ تعالےٰ نے ہمیں رکھا ہے اور ہمارے حق میں وہ باتیں نہ کہو جو ہم میں نہیں ہیں، خدائے تعالےٰ ہمیں سزا دے تو وہ ہمارے گناہوں کا خمیازہ ہے اور اگر بخشش دے تو وہ اس کا تفضل ہوگا۔"

## ۵۔ حسین بن علی بن الحسین الاصغر

ام ولد ساعدہ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ نہایت عفیف اور محدث فاضل تھے۔ ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ عمدۃ الطالب اور بحار الانوار میں ہے کہ آپ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ آپ نے بہت سی حدیثیں اپنے والد بزرگوار (علی بن الحسین) سے۔ نیز اپنی عمہ محترمہ فاطمہ بنت الحسین سے اور اکثر اپنے بھائی امام محمد باقر سے نقل کی ہیں۔

احمد بن عیسٰی سے ان کے والد نے حسین اصغر کے زہد و تقویٰ کا ذکر ان الفاظ میں بیان کیا کہ جب میں حسین اصغر کو دعا کرتے دیکھتا تو خیال کرتا تھا کہ یہ دعا سے کبھی ہاتھ نہ سکوڑیں گے، جب تک کہ تمام عالم کے حق میں ان کی دعا قبول نہ ہو جائے گی۔

سعید صاحب الحسن بن صالح کا بیان ہے کہ میں نے حسن بن صالح سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا کسی کو نہیں دیکھا تھا مگر جب مدینہ آیا اور یہاں حسین بن علی بن الحسین الاصغر کو دیکھا تو ان کو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا پایا۔ خوف الٰہی سے ان کی بوٹی بوٹی اس طرح کانپتی نظر آتی تھی جیسے جہنم میں جا کر وہاں کے عذاب کو اپنی آنکھ سے دیکھ آئے ہیں۔

## ۶۔ علی اصغر بن زین العابدین

آپ امام زین العابدین کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے۔ ان کی والدہ ام ولد موسیٰ سندھ کی رہنے والی تھیں۔ آپ ابھی شکم مادر ہی میں تھے کہ امام نے وفات پائی۔ اس لیے آپ کی پرورش امام محمد باقر نے کی اور اس شفقت سے پالا کہ باپ ہوتے تو اتنی ہی محبت کرتے۔

---

ﮧ اس جگہ "ہم" سے وہ اولاد علی و فاطمہ مراد ہے جو اہل بیت اطہار کے علاوہ ہے اور۔

# اصحابِ اطیاب

یوں تو سبھی انبیاء و اولیاء و آئمہ دین کے اصحاب اطیاب بڑی فضیلت اور شرف کے مالک ہیں۔ مگر امام زین العابدین کے رفقاء کو ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے جو اوروں کو نصیب نہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ امام زین العابدین کی پوری زندگی (جیسا کہ مقدمہ میں تفصیلاً درج کیا جا چکا ہے) ایسی ظالم و متشدد حکومتوں میں بسر ہوئی جو بنی ہاشم اور خصوصاً اولاد رسول کا نام و نشان مٹا دینے پر تلی ہوئی تھیں۔ کیونکہ شریعت محمدیہ میں آمریت اور شہنشاہیت کے خلاف جو اشارے اور صراحتیں موجود ہیں، وہ ان کے آمرانہ عزائم کی راہ میں حائل تھیں اور حکام وقت کی جانب سے ان اشارات و تصریحات کو مٹانے کی جو مسلسل جدوجہد کی جا رہی تھی، اس کے کامیاب بنانے میں اولاد رسول کا وجود قدم قدم پر مانع آتا تھا۔ اس لیے حکومت نے اول ان ذوات مقدسہ کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے خون کی ندیاں بہائیں اور جب اس سے عوام میں ان کے خلاف سخت برہمی اور نفرت پیدا ہوئی اور انھیں حکومت ہاتھ سے نکل جانے کا خطرہ لاحق ہو گیا تو انھوں نے آلِ محمدؐ کے قتل و خون سے تو ہاتھ روک لیا مگر ان کی نقل و حرکت کی نگرانی اور زبانوں پر پابندیاں عائد کرنے کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ساتھ ہی ساتھ تلوار کی دھار کا رخ ان لوگوں کی طرف موڑ دیا گیا جو اہل بیت سے کسب روحانیت کرنے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے تاکہ محمدؐ مصطفےٰ کی صحیح تعلیمات جو ان کے سچے جانشینوں سے حاصل ہوتی تھیں ان کا دروازہ اس طرح بند کر دیا جائے ـــــ اس کے کیا نتائج ہوئے؟ اس سے ہمیں اس وقت بحث نہیں! بلکہ اس مقام پر صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ان مشکلوں اور پابندیوں میں بھی جو لوگ امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور حکومت کی دھمکیوں سے مرعوب نہ ہوئے، درحقیقت ان کا یہ اقدام، تلوار کی دھار پر دانستہ گردنیں رکھ دینے سے کم دشوار نہیں تھا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے ذریعہ سے امام کی تعلیمات دوسروں تک پہنچ کر عام ہوئیں اور ان ہی تعلیمات نے ان تحریکات باطلہ کا قلع قمع کیا جو بنی امیہ کی جانب سے دین محمدی کے احکام کو اپنی خواہشوں کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے چلائی جا رہی تھیں ـــــ یہی وجہ ہے کہ امام زین العابدین کے اصحاب اطیاب کو ایک خاص شرف اور فضیلت حاصل ہے جس کے حصول کا دوسرے آئمہ و اولیاء کے اصحاب کو موقع نہیں ملا۔

امام زین العابدین کے جاں نثاروں کی صف میں چند اصحابِ رسول ہیں اور کچھ تابعین ہیں۔ جن کے مراتب و مدارج میں ان کی مساعی جمیلہ کے اعتبار سے ہو بہو وہی تفاوت ہے جو باہم اصحاب رسول میں پایا جاتا ہے لیکن اپنے تربیت کے سلسلے میں ان میں سے ہر ایک کی جدوجہد بہرحال اس کی مستحق ہے کہ اسے اسلام کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ـــــ

ان میں سے چند مخصوص اصحاب یہ ہیں:-

**۱۔ جابر بن عبداللہ انصاری**

علی بن الحسین کے اصحاب میں سرفہرست جابر بن عبداللہ انصاری کا نام نظر آتا ہے جو رسالتمآب کے منتخب صحابہ میں سے ایک تھے اور جنھوں نے ابن زیاد کے دربار میں تلواروں اور نیزوں کے سایہ میں محصور ہونے کے باوجود امام کی حمایت میں، آواز بلند کی تھی اور دربار سے بڑی اہانت و رسوائی کے ساتھ نکلوا دیے گئے تھے۔ جابر

کو امام زین العابدین کی بارگاہ میں اس قدر رسوخ حاصل تھا کہ مخدرات عصمت وطہارت بھی آپ کے نفوذ کو محسوس کرتی تھیں۔ چنانچہ علامہ طبری اور صاحب ناسخ التواریخ نے امام زین العابدین کی کثرت عبادت و زہد و ریاضت کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب رات دن نمازیں پڑھتے پڑھتے آپ کی پنڈلیاں متورم ہوگئیں اور قلت غذا سے آپ کا جسم گھلنے لگا تو علی مرتضیٰ کی بیٹی نے اپنے بھتیجے کی یہ حالت دیکھ کر جابر بن عبداللہ انصاری کو بلوایا اور کہا کہ تم علی بن الحسین کو سمجھاؤ کہ وہ عبادت و ریاضت میں اُس قدر مشقت جھیلیں جس قدر وہ برداشت کر سکتے ہیں ——— پورا واقعہ تو زیر نظر تذکرہ میں اپنے مقام پر مذکور ہوگا۔ اس جگہ محض یہ دکھانا مقصود ہے کہ امام زین العابدین جابر بن عبداللہ انصاری کا کس قدر احترام کرتے تھے۔

**۲۔ عامر بن واثلہ کنانی** یہ بھی صحابی رسول تھے اور آنحضرتؐ کے بعد اہل بیت طاہرین کی سلک عقیدت میں منسلک رہے۔ معرکۂ کربلا کے وقت مدینہ منورہ میں تھے اور نصرت امام سے محروم رہنے کا مدۃ العمر افسوس کرتے رہے۔ جب امام زین العابدین شام سے رہائی پاکر مدینہ منورہ میں واپس تشریف لائے تو اوروں کے ساتھ عامر بھی حاضر خدمت ہوئے اور پھر جب تک زندہ رہے آمد و رفت کا سلسلہ منقطع نہ کیا۔ آپ کے ذریعہ سے امام کی تعلیمات ایک وسیع حلقہ میں نشر ہوئیں۔

**سعید بن جہان کنانی** یہ مدت تک رسالتمآبؐ کی صحبت سے مستفیض ہوئے۔ آپ تاریخ میں "مولیٰ ام ہانی" کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ اہل بیت اطہار سے عقیدت خاص رکھتے تھے۔ رسالتمآب کے بعد چار اماموں کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ امام زین العابدین کی بارگاہ میں تقرب رکھتے تھے۔ خود بھی بہت سی احادیث یاد تھیں۔ اس کے علاوہ جو کچھ امام سے سُنتے بڑی امانت داری کے ساتھ دوسروں تک پہنچا دیتے۔ بنی امیہ کے دور ظلمت میں حق و صداقت اور رشد و ہدایت کی ترویج و تبلیغ میں کافی حصّہ لیا۔

**۴۔ سعید بن مسیب** انھیں بھی رسالتمآبؐ کی صحبت سے شرف اندوز ہونے کا موقع ملا۔ ان کی ایک خاص فضیلت یہ ہے کہ ان کے دادا حزن بن حرہ نے انھیں علی بن ابی طالب کے سپرد کر دیا تھا اور اس کے بعد ان کی تربیت کے تمام فرائض مولائے کائنات نے انجام دیے تھے۔ امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ سعید گزشتہ آثار سے واقف اور اپنے عہد میں کُل مؤمنین سے زیادہ فہیم تھے۔

سعید کو امام زین العابدین سے کس قدر عقیدت تھی؟ اس سلسلے میں ابن خلکان کا بیان سُنیئے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب عبدالملک اپنے بیٹے ولید کے لیے بیعت لے رہا تھا تو سعید نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ

ان رسول اللہ نھی عن بیعتین      رسالتمآبؐ نے دو بیعتوں کی ممانعت فرمائی ہے۔

——— میں علی بن الحسین سے عقیدت رکھتا ہوں اس لیے یہ بیعت نہ کروں گا ——— ابن خلکان کہتے ہیں کہ اس جرم میں سعید کو پچاس تازیانے مارے گئے اور انھیں بازار مدینہ میں تشہیر کرکے ان کا معاشرتی بائیکاٹ کر دیا گیا، مگر یہ سختیاں ان کے ارادے کو متزلزل نہ کر سکیں۔

**۵۔ سعید بن جبیر** یہ تابعین صحابہ میں سے تھے۔ ابو محمد کنیت تھی۔ ارباب علم میں جہبذ العلماء (علماء کی کسوٹی) کے لقب سے موسوم ہیں۔

بڑے عابد و زاہد تھے۔ تمام قرآن دو رکعتوں میں تمام کرتے تھے۔

ابو عبداللہ جعفر صادق نے فرمایا کہ سعید بن جبیر میرے دادا زین العابدین کی امامت کے معتقد تھے اور امام خود ان کی مدح فرمایا کرتے تھے۔ واقعات سے بھی ان کے راسخ العقیدہ ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔

ایک دفعہ حجاج بن یوسف نے سعید کو گرفتار کر لیا جب وہ سامنے لائے گئے تو پوچھا:۔

تمہارا کیا نام ہے؟

فرمایا۔ سعید بن جبیر!

بولا۔ بل انت شقی کسیر (نہیں بلکہ تم بڑے بدبخت ہو)۔

فرمایا۔ کان ابی اعلم باسمی منک یعنی میرے باپ کو اس بات کا تجھ سے زیادہ علم تھا کہ میرا نام کیا ہے؟

حجاج نے کہا۔ تیرا باپ اور تُو دونوں بدبخت ہیں!

فرمایا۔ تُو غیب کا علم نہیں رکھتا۔

حجاج بولا۔ میں تجھے ضرور جہنم میں بھیجوں گا۔

جواب دیا۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ جہنم میں بھیجنا تیرے اختیار میں ہے تو میں تیری ہی پرستش کرتا۔

حجاج نے پوچھا۔ تو خلیفہ اوّل اور خلیفہ دوم کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتا ہے؟

فرمایا لست علیھم بوکیل۔ یعنی میں اُن کا وکیل نہیں ہوں!

کہا۔ ان دونوں میں سے کون تجھے زیادہ محبوب ہے؟

جواب دیا۔ جو اپنے خالق کو زیادہ راضی رکھنے والا ہو۔

پوچھا۔ خالق کو زیادہ راضی رکھنے والا ان دونوں میں سے کون تھا؟

فرمایا۔ اس بات کا جواب وہ شخص دے سکتا ہے جو ان کے دلوں کے حال سے واقف ہو۔

حجاج نے برہمی کے ساتھ کہا۔ تو کیا تُو میری تصدیق نہیں کرے گا؟

سعید نے تیوری پر بل ڈال کر فرمایا۔ میں نہیں چاہتا کہ تیری تکذیب کروں۔

حجاج نے غصہ میں بھر کر کہا۔ اچھا تو اب یہ بتا کہ تُو کس طرح قتل ہونا چاہتا ہے؟

سعید نے نہایت پامردی اور استقامت کے ساتھ کہا۔ جس طرح تیرا جی چاہے اپنے دل کی حسرت نکال۔ قسم خدا کی جس طرح تو مجھے قتل کرے گا اُسی طرح میں روزِ قیامت تجھ سے انتقام لوں گا۔

حجاج نے جلاد کی طرف دیکھا اور غضب ناک ہو کر کہا۔ کیا دیکھتا ہے؟ اسے باہر لے جا اور قتل کر دے!

جب جلاد سعید کو قتل کرنے کے لیے لے چلا تو آپ ہنسے۔ حجاج نے کہا۔ ہنستا کیوں ہے؟ فرمایا۔ اس بات پر ہنستا ہوں کہ تُو اللہ تعالیٰ

کے سامنے ایسی جسارت کرتا ہے اور وہ اپنے حلم کی بناء پر تجھ سے درگزر کر رہا ہے۔ حجاج نے جلاد کی طرف گھور کر دیکھا اور پشت گردن کی جانب اشارہ کیا۔ جلاد سعید کو باہر لایا اور گدی کی طرف سے گردن اڑا دی۔ جب تلوار چلنے والی تھی تو سعید اس وقت کلمہ شہادتین پڑھ کر دعا کر رہے تھے:۔

"رب العالمین! اب حجاج کو اتنا موقع نہ دینا کہ کسی اور کو قتل کر سکے!"

مجالس المؤمنین میں یافعی شافعی کے حوالہ سے درج ہے کہ سعید کو شہید کرنے کے بعد حجاج مرض الموت میں مبتلا ہوا اور چالیسویں دن مرگیا۔ بیماری کے زمانے میں وہ اکثر بے ہوش پڑا رہتا تھا اور جب غش سے افاقہ ہوتا اور آنکھ کھولتا تو گھبرایا چلاتا:۔

"سعید! تو مجھ سے کیا چاہتا ہے؟"

سوتے سوتے یکایک چونک پڑتا اور کہتا:۔

مالی ولسعید کلما عزمت علی النوم اخذ بحلقی

یعنی مجھے سعید سے کس قدر بڑا سابقہ پڑا ہے۔ سونے کا ارادہ کرتا ہوں تو میرا حلق پکڑ کر دباتا ہے۔

**۶۔ ابو خالد کابلی** ان کا اصلی نام کنکر تھا (جیسا کہ "محمد بن حنفیہ اور امام زین العابدینؑ" کے عنوان کے تحت لکھا جا چکا ہے) ابو خالد کنیت تھی اور اسی سے عوام میں مشہور ہوئے۔ پہلے کیسانی مذہب کے پیرو تھے۔ بعد میں علی بن الحسین سے بیعت کی۔ عرصہ دراز تک امام کی خدمت میں رہے۔ پھر اپنے وطن مالوف کا ارادہ کیا۔ مگر زادِ راہ نہ تھا۔ سن کر امام نے فرمایا "ٹھہرو۔ کل ملک شام سے ایک مالدار شخص آئے گا۔ اس کی لڑکی بیمار ہے۔ تم اس کے پاس جانا اور کہنا کہ میں اس لڑکی کا علاج کروں گا۔ اور کہنا کہ شفا پانے پر دس ہزار درم لوں گا۔ وہ شخص اس شرط کو قبول کرے گا اور اس طرح تمہاری احتیاج دور ہو جائے گی۔ دوسرے دن وہ شخص آیا اور علاج کا معاملہ طے ہو گیا۔ امام نے ابو خالد سے فرمایا کہ یہ لڑکی دراصل آسیب کے مرض میں مبتلا ہے۔ اس کے بعد ابو خالد کو ایک دعا تعلیم فرمائی۔ جس کے اثر سے لڑکی شفایاب ہو گئی اور ابو خالد دس ہزار درم لے کر اپنے وطن کی طرف چلے گئے اور وہاں بھی امام کے تعلیم دیئے ہوئے طریقوں پر تبلیغ حق کی خدمت انجام دیتے رہے۔

**۷۔ عبداللہ بن شریک عامری** آپ تابعین صحابہ میں سے تھے۔ جنگ صفین میں علی مرتضیٰؑ کے ساتھ رہے۔ خلاصۃ الاقوال میں انھیں رعیان حدیث علی بن الحسین و محمد باقر علیہما السلام میں شمار کیا گیا ہے۔ صاحب مجالس المؤمنین کا بیان ہے کہ آپ کی نسبت امام محمد باقرؑ نے فرمایا کہ یہ رجعت کے موقع پر واپس ہوں گے اور حضرت قائم آل محمدؐ کے ساتھ نصرت حق کے فرائض بجا لائیں گے۔

**۸۔ قاسم بن عوف شیبانی خواری** خوار۔ مضافات استرآباد میں ایک قصبہ کا نام ہے۔ یہ وہاں کے رہنے والے تھے۔ کتاب مختار کشی و رجال ابن داؤد میں ہے کہ قاسم، امام زین العابدینؑ کے اصحاب میں سے تھے اور کبھی کبھی محمد بن حنفیہ کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے۔ کچھ عرصہ انھوں نے امام زین العابدینؑ کی وکالت کا فریضہ بھی انجام دیا تھا۔

ارباب سیر نے لکھا ہے کہ ایک دن امام زین العابدین نے قاسم کو نصیحت فرمائی :-

"اے قاسم! جب اہلِ عراق یہاں آئیں تو انھیں وہ اسرار ہرگز نہ بتانا جو تمھیں ہم سے معلوم ہوئے ہیں۔ اس بات کا بھی خیال رکھنا کہ جو علوم تم نے ہم سے سیکھے ہیں انھیں ریاست وحکومت کا ذریعہ نہ بنالینا ورنہ حق تعالے! ان علوم کو تم سے سلب کرے گا اور تم ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔ نیز ہمارے مال میں بھی بھول کر بھی خیانت نہ کرنا اور جو حدیث ہم سے سنو، بے کم وکاست حرف بحرف بیان کر دینا۔"

یہ فرماکر آپ نے قاسم کو امام محمد باقر کے وجودِ ذی وجود کی خوش خبری سنائی اور کہا کہ ہمارے بعد تم بھی اس فرزند سے اکتسابِ علوم کیا کرو گے۔

**۹۔ یحییٰ ابن ام الطویل مطعمی** کشی نے امام جعفر صادق کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ یحییٰ امام زین العابدین کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ چنانچہ جب حجاج نے ایک دفعہ ان کو گرفتار کرایا اور کہا کہ علی مرتضیٰ پر لعنت کہو۔ انھوں نے سینہ تان کر انکار کیا اور اسے زجر و توبیخ کرنے لگے۔ حجاج نے ہاتھ پاؤں قطع کرا کے شہید کرادیا۔ واسط میں دفن ہوئے۔

**۱۰۔ ابو اسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی** علی بن الحسین کے خاص معتمدین میں شامل تھے۔ شب شہادت علی بن ابی طالب کو تولد ہوئے۔ نوّے سال زندہ رہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی کے آخری چالیس سال میں روزانہ عشاء کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی۔ ہر شب ایک قرآن ختم کرتے تھے۔ زہد و عبادت اور تقویٰ و ریاضت کے باعث ہر طبقہ میں ان کی عزت کی جاتی تھی اور خاص و عام ان کی روایات پر اعتماد کرتے تھے۔

**۱۱۔ شعیب** یہ علی بن الحسین کے آزاد کردہ غلام تھے۔ داؤد رقی نے کہا ہے۔ مَیں نے ابو عبداللہ جعفر صادق سے سنا ہے کہ شعیب مولیٰ علی بن الحسین، ایک عالم جید تھا۔ ان ہی کے ساتھ دو اور غلاموں کو علی بن الحسین نے آزاد کیا تھا۔ وہ بھی آپ کی محبت میں کامل تھے۔ ان کے نام تذکروں میں نہیں مل سکے مگر ان کا ذکر سے کوئی بسیط اسلامی تاریخ خالی نہیں۔ چنانچہ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ امام زین العابدین کے دو آزاد کردہ غلام حجاج کے پاس لائے گئے۔ حجاج نے ان میں سے ایک کے بال پکڑ کر کہا :

علی بن ابی طالب سے براءت و بے زاری کر، ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔

غلام نے کہا۔ میں قتل ہونے کے لیے تیار ہوں مگر اپنے آقا و مولا کی شان میں گستاخی کرکے جہنم کا ایندھن نہیں بنوں گا۔

حجاج نے کہا۔ تو اچھا تیار ہو جا۔ پہلے تیرے ہاتھ قطع کروں یا پاؤں؟

غلام نے کہا جس طرح چاہے قتل کر جب داورِ محشر کے سامنے قصاص کا وقت آئے گا اور العین بالعین والاُذُن بالاذن کے قانون کی رو سے بدلہ چکایا جائے گا تو مَیں بھی وہی سلوک کروں گا جو تو آج میرے ساتھ کر رہا ہے۔

---

سے ۔ آنکھ کے بدلے آنکھ اور کان کے بدلے کان۔

حجاج غلام کی معلومات شرعیہ سے کھسیانا ہو کر بولا۔ تو بہت زبان دراز ہے۔ حالانکہ تو اتنا بھی نہیں جانتا کہ تجھے کس نے پیدا کیا ہے اور وہ کہاں ہے؟

غلام نے کہا۔ مجھے اُسی نے پیدا کیا ہے جو ہر جگہ ہے اور کسی جگہ میں نہیں سماتا۔ یہاں بھی موجود ہے اور ظالموں کی گھات میں لگا ہوا ہے۔

حجاج یہ سُن کر اور جھلایا اور جلاد کو حکم دیا کہ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں قطع کر دے۔ حکم کی فوراً تعمیل کی گئی اور غلام مرتے مرتے علی بن ابی طالب کی مدح وثنا کرتا رہا۔

اس کے بعد دوسرا غلام بلایا گیا۔ حجاج نے پوچھا۔ تو کیا کہتا ہے؟

اُس نے جواب دیا۔ مجھے اپنے ساتھی کی رائے سے اتفاق ہے۔

حکم ہوا کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ جب تلوار اُس کے سر پر پڑی تو اس وقت وہ شہادتین کے بعد اشهد ان علیا ولی اللہ کہہ رہا تھا۔

**۱۲۔ حبابہ والبیہ** کشی نے عمران بن میثم کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حبابہ والبیہ قبیلہ بنی اسد کی ایک نیک خاتون تھیں جو عہد علی بن ابی طالب سے لے کر امام رضا کے زمانے تک زندہ رہیں۔ ان کے چہرے پر برص کے داغ تھے۔ تاریخ الائمہ میں مذکور ہے کہ وہ امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور حضرت کی دعا سے یہ داغ دُور ہو گئے۔ اس کے بعد حبابہ نے امام عصمت سرا میں رہ کر علوم اہل بیت حاصل کیے اور پھر جب تک زندہ رہیں، صنف نسواں کے لیے تعلیمات محمدیہ کا وسیلہ بنی رہیں۔

**۱۳۔ سالم بن ابی حفصۃ العجلی الکوفی** ان کی کنیت ابو الحسن اور ابو یونس تھی۔ ابو زیاد کے بیٹے تھے۔ ۱۳۷ھ میں جبکہ امام جعفر صادق مسند امامت پر رونق افروز تھے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انھیں راویان علی بن الحسین میں خاص منزلت ومقام حاصل ہے۔

**۱۴۔ زُہری** ابو بکر محمد بن مسلم معروف بہ ابن شہاب زہری، علماء وفقہاء تابعین میں دوامی شہرت کے مالک ہیں۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ گھر میں بیٹھتے تو اپنے گرد مطالعہ کے لیے کتابیں چُن لیتے تھے اور پھر ان کتابوں میں اتنے ڈوب جاتے تھے کہ دنیا و مافیہا کی خبر نہیں رہتی تھی۔ ان کی زوجہ کہا کرتی تھیں کہ یہ کتابیں مجھ پر تین سوتوں سے زیادہ ناگوار ہیں۔ زُہری ابتداً علی بن ابی طالب کے مخالفین میں شامل تھے۔ پھر علی بن الحسین کی ہدایت و رہنمائی سے راہِ حق اختیار کی اور اس وقت سے زیادہ تر خدمت امام میں حاضر ہونے لگے اور ہوتے ہوتے آپ کے مقربین میں شمار کیے جانے لگے۔ چنانچہ بعض مروانی انھیں یہ کہہ کر چھیڑا کرتے تھے ما فعل نبیك یا زهری۔ یعنی اے زہری تمھارے نبی زین العابدین کا کیا حال ہے۔

امام زین العابدین کے فضائل وکمالات کی زیادہ تر روایات ان ہی (زہری) کے حوالہ سے کتب اسلامیہ میں بیان کی گئی ہیں۔

---

# علی بن الحسین کے مدح خواں شعراء

اگرچہ زمانہ اور ماحول اس کا متقضی نہیں تھا کہ شعراء و مداحین، دربار خلافت کو چھوڑ کر امام کی جانب رجوع کرتے۔ جن کے پاس نہ دولت تھی نہ جاہ و حشمت اور نہ کوئی ایسی جمعیت ہی کھلم کھلا آپ کے ساتھ تھی جسے شعراء مدح امام کا کلام سنا کر اس سے داد و تحسین اور شہرت حاصل کرتے اور یہ تعریف ان کی مقبولیت عام کا ذریعہ بنتی ——— باایں ہمہ یہ بھی ممکن نہ تھا کہ "شاعر" جو کہ فطرۃً دوسرے انسانوں سے زیادہ حساس ہوتے ہیں امام کے محاسن اخلاق کو دیکھ کر بالکل ہونٹ سیے بیٹھے رہتے اور اپنے قدرتی جذبات کا اظہار نہ کرتے۔ چنانچہ جب بھی حقیقت پسندی کے فطری شعور نے شعرائے وقت کو ابھارا تو انھوں نے ہر قسم کی طمع اور خوف سے بالاتر ہو کر مدح امام میں اپنی جودت طبع کے جوہر دکھائے۔ چنانچہ کتب تاریخ اور ادبیات عرب کے مطالعہ سے اس کا واضح ثبوت ملتا ہے کہ عہد امام کے دو مشہور شاعروں نے، جو اپنے وقت کے ملک الشعراء اور آسمان شاعری کے آفتاب و ماہتاب تھے، علی بن الحسین کی شان میں بہت سے اشعار و قصائد کہے اور حق گوئی و عقیدت مندی کا حق ادا کر دیا۔

ان شاعروں میں ایک فرزدق تھے جن کا ایک فی البدیہہ کہا ہوا قصیدہ بزورِ جذبہ جس کی تحریک سے یہ قصیدہ خود بخود ایک چشمہ سیال کی طرح، ان کی طبع مواج کے سمندر سے اُبل پڑا تھا مقدمہ کتاب میں "قصیدہ فرزدق مع ترجمہ منظوم" کے عنوان کے تحت درج کیا جا چکا ہے۔

دوسرا جید عصر شاعر جس نے علی بن الحسین کی مداح سرائی کی، کثیر بن عبدالرحمٰن ابی جمعہ تھے۔ اگرچہ امام کی شان میں ان کا کلام دستیاب نہیں ہو سکا۔[1] مگر ابن خلکان میں حسب ذیل الفاظ نظر آئے جن پر اعتماد نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ وہ وفیات الاعیان میں کثیر کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| کان یدخل علی عبد الملک بن مروان و ینشد اشعارہ و کان رافضیا شدید التعصب لآل ابی طالب۔ | وہ (کثیر) عبدالملک بن مروان کے پاس آتا جاتا تھا اور اپنے اشعار سناتا تھا۔ مگر وہ رافضی تھا۔ اور آل ابو طالب کے لیے سخت تعصب رکھتا تھا۔ |

اگرچہ محض ان الفاظ سے مدح گوئی کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ کثیر محبان اہل بیت میں سے تھے۔ اس کے بعد ابن شہر آشوب نے مناقب میں اور صاحب فصول مہمہ نے اپنی کتاب میں جو الفاظ لکھے ہیں اُن سے یہ مسئلہ بالکل صاف ہو جاتا ہے۔ یہ

---

[1] اگر علی بن الحسین کی مدح کثیر کے اشعار کسی صاحب کی نظر سے گزرے ہوں تو حسب ذیل پتہ پر اشعار مع الفاظ یا صرف حوالہ تحریر کر کے ممنون فرمائیں۔

پتہ: نسیم امروہی ۲۲/۲۲۴ قطلمانی خیر پور میرس۔

دونوں بزرگ تحریر کرتے ہیں: ۔

"کثیر نے حضرت علی بن الحسین کی شان میں متعدد قصائد اور اشعار کہے جو بہت مقبول ہیں۔"

# حکمت کے جواہر ریزے

علی بن الحسین کے اقوال علوم و حکمت کا سرچشمہ ہیں۔ جن میں سے چند درج کیے جاتے ہیں:۔

آپ نے فرمایا:

دوستوں کا مفقود ہونا غریب الوطنی کے برابر ہے ۔

جو شخص ایک دفعہ قہقہہ لگا کر ہنستا ہے اس کی عقل کا ایک حصّہ کم ہو جاتا ہے۔

جس جسم کو کبھی نہ کبھی مرض لاحق نہ ہو وہ تبختر کرنے لگتا ہے اور تبختر انسان کے لیے بیسیوں برائیوں کا پیش خیمہ ہوتا ہے ۔

سب سے زیادہ غنی وہ شخص ہے جو خدائے تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے رزق پر قانع ہو۔

جس شخص کے ساتھ کوئی ایسا دانا دوست نہ ہو جو اُسے نیک صلاح دیتا رہے، وہ ہلاک ہو جاتا ہے ۔

جو شخص دنیا میں تھوڑے رزق پر راضی ہو، حق تعالیٰ قیامت میں اس کے تھوڑے عمل سے بھی رضامند ہو جائے گا۔[ا]

ہر حال میں خدائے تعالیٰ کی جانب سے خوشی اور کشائش کے نزول کی امید رکھنا بمنزلہ عبادت ہے۔

امر بالمعروف[۲] اور نہی عن المنکر کو ترک کرنا ایسا ہے، جیسا کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دینا۔ البتہ جب ایسا کرنے میں جان، مال یا آبرو کو شدید خطرہ لاحق ہو تو ترک کر سکتے ہیں۔

توبہ کے معنی یہ ہیں کہ آدمی نیک کام کرے اور بُرے کاموں سے بچے۔ یہ نہیں کہ زبان سے توبہ کر لی جائے ۔

برائیوں پر خوش ہونا، ان کے ارتکاب سے زیادہ بُرا ہے ۔

سب سے زیادہ قدر و منزلت والا شخص وہ ہے جو دنیا کو ہیچ سمجھے۔

نجات پانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ البتہ ہلاک ہونے والوں پر تعجب ہے کہ وہ رحمت الٰہی کی بے پایاں وسعت کے باوجود کیونکر ہلاکت میں پڑ گئے۔

تعجب ہے کہ انسان کھانے سے اس لیے پرہیز کرتا ہے کہ وہ ضرر پہنچائے گا، مگر گناہ سے، اس کی سزا کو سوچ کر پرہیز نہیں کرتا۔

عبادت گزار تین قسم کے ہیں۔ اول وہ جو عذاب کے خوف سے عبادت کرتے ہیں۔ ان کی عبادت غلامانہ ہے۔ دوسرے وہ جو ثواب کی

---

ا۔ کیونکہ اس کی قناعت بجائے خود ایک عظیم عمل خیر ہے۔

۲۔ نیک کام کا حکم دینا اور بُرے کام سے منع کرنا۔

توقع میں عبادت کرتے ہیں۔ ان کی عبادت تاجرانہ ہے۔ تیسرے وہ جو انعامات الٰہی کے شکریہ میں عبادت ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ آزادانہ عبادت بجا لاتے ہیں۔

آپ نے اپنے فرزند امام محمد باقرؑ کو نصیحت کی :۔

بیٹا! چار شخصوں کے پاس نہ بیٹھنا۔ نہ اُن سے بات کرنا اور نہ اُن کے ساتھ سفر کرنا۔ اوّل فاسق۔ کیونکہ وہ تمھیں ایک لقمہ یا اس سے کمتر قیمت پر بھی بیچ ڈالنے میں پس و پیش نہ کرے گا۔ دوسرے بخیل۔ تیسرے دروغ گو۔ کیونکہ وہ سراب کی شکل ہے۔ چوتھے قاطع رحم (یعنی اپنے دادا کی اولاد کے ساتھ نیک سلوک نہ کرنے والا) کیونکہ اسے کلام پاک میں تین مقامات پر ملعون کہا گیا ہے۔

مصیبت پر صبر کرو اور لوگوں کے حقوق میں تصرف کرنے سے دُور رہو۔

اپنے مسلمان بھائی کو حتی الامکان ایسا کام نہ کرنے دو جس کا نقصان زیادہ اور نفع کم ہے۔

جو عالم ہونے کے باوجود دوسروں کو اس سے مستفیض ہونے کا موقع نہ دے یا تلقین علم کی اُجرت لے، وہ علم اسے کبھی نفع نہیں دے گا۔

آپؑ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ سفر میں لوگوں سے اپنا نسب کیوں چھپاتے ہیں؟ فرمایا۔ مجھے شرم آتی ہے کہ رسالتمآبؐ سے اپنی نسبت تو ظاہر کروں اور ان کی طرح لوگوں کو فائدہ نہ پہنچا سکوں۔

جو شخص بندگان خدا سے (خفیہ یا علانیہ) عداوت رکھتا ہے، وہ لوگوں کے مکر اور ایذا رسانی سے کبھی نجات نہیں پاتا۔

اگر سب کو مطیع کرنا چاہتے ہو تو اپنی زبان کو مطیع کرو۔

تمام مسلمانوں کو اپنا بھائی سمجھو۔ نہ کسی پر ظلم کرو۔ نہ کسی کی غیبت کرو۔ نہ بد دعا دو۔ نہ بدسلوکی کرو۔

اگر تمھارا بزرگ تمھارے سامنے اپنی خوبیاں بیان کرنے لگے تو خاموش رہو اور ادب سے اس کا کلام سنتے رہو۔

اگر کوئی شخص تمھارا احترام کرے تو تم انکسار اختیار کرو۔

صاحبِ فضیلت وہ ہے جو ظلم و جور کو صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرے۔

جو شخص رحمت الٰہی سے ناامید ہو جائے اس کا ایمان نامکمل ہے۔

اگر کلام سے فتنے کا ادنیٰ اندیشہ ہو تو پھر سکوت بہتر ہے۔

## مواعظ حسنہ

احتجاج میں امام محمد باقرؑ کے حوالہ سے درج ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ ایک دن محمد بن مسلم بن شہاب زُہری، میرے پدر بزرگوار علی بن الحسین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت وہ کچھ محزون و غمگین تھے۔ امام نے پوچھا۔ کیوں زُہری اُداس کیوں ہو؟ عرض کی، یا ابن رسولؐ اللہ!

---

ؔ علم سے علم دین اور علم طب مراد ہے۔ کیونکہ رسالتمآبؐ نے فرمایا ہے العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان

ایک طرف تو حاسدوں کی ایذا رسانی نے میری ناک میں دم کر دیا ہے اور دوسری جانب وہ لوگ بھی جن پر میں نے احسانات کیے ہیں اور جن کی طرف سے سوائے بھلائی کے کبھی بدی کی امید نہیں تھی، میرے ساتھ برائی سے پیش آتے ہیں۔ حضرت نے یہ سن کر فرمایا:

احفظ علیک لسانک تملک به اخوانک

اپنی زبان قابو میں رکھو۔ اس طرح بھائی بند دوست سب مطیع ہو جائیں گے۔

عرض کی زبان سے کچھ کہہ دیا تو کیا ہوا۔ ان کے ساتھ احسان جو کرتا ہوں!

حضرت نے فرمایا: تمہارا یہ خیال درست نہیں۔ نفسیات انسانی کا تقاضا ہی یہ ہے کہ انسان سب کچھ بھلا سکتا ہے مگر برا کلمہ جو دل میں گڑ گیا ہو، اسے کبھی فراموش نہیں کرتا۔

پھر آپ نے فرمایا۔ زہری! تم اس مسئلے کا علم نہیں رکھتے۔ اس لیے اس میں اپنی رائے پر عمل نہ کرو۔ کیونکہ جاہل مسئلہ اپنی بات پر اڑ کر ہمیشہ ہلاکت میں پڑ جاتا ہے۔ تمہیں چاہیئے کہ تمام مسلمانوں کو اپنے کُنبے کی شکل سمجھو۔ بڑوں کے ساتھ برخوردارانہ سعادت مندی سے پیش آؤ۔ برابر والوں کے ساتھ دوستانہ سلوک کرو اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کی عادت ڈالو۔ نہ کسی پر ظلم کرو۔ نہ کسی کو بد دعا دو۔ نہ کسی کے عیب گناؤ۔ نہ کوئی ایسی بات کہو جو دل کو بری لگے اور اگر کبھی شیطان تمہیں ورغلائے کہ تم فلاں شخص کلمہ گو سے افضل ہو تو یہ دیکھ کر اگر وہ تم سے بڑا ہے تو اپنے کو اس سے چھوٹا سمجھو۔ کیونکہ وہ بلحاظ عمر تم سے پہلے اسلام کی صف میں آیا اور اسے تم سے زیادہ اعمال صالح بجا لانے کا موقع ملا اور اگر وہ تم سے چھوٹا ہے تو یہ سمجھو کہ تمہیں اس سے زیادہ گناہوں کے ارتکاب کا موقع ملا ہے اور اگر وہ شخص تمہارا ہم عمر ہے تو یہ خیال کرو کہ تمہیں اپنے گناہوں کا بہر حال علم و یقین ہے اور اس کے معاصی میں شک ہے کیونکہ وہ تم نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھے اور اگر دیکھے ہیں تو اس قدر نہیں دیکھے جس قدر کہ اپنے گناہ دیکھے ہیں اور اس اعتبار سے وہ شخص تمہارے لیے قابلِ احترام ہے۔ جب تم لوگوں سے اس طرح ملو گے تو رفتہ رفتہ وہ خود تمہیں ایذا پہنچانا چھوڑ دیں گے۔

پھر فرمایا۔ اے زہری! اگر تم یہ دیکھو کہ لوگ تمہاری عزت کرتے ہیں تو سمجھو کہ یہ اُن کا احسان ہے اور اگر وہ تمہیں ستائیں تو خیال کرو کہ یہ تمہارے کسی گناہ کی سزا ہے۔ اگر تم اپنی زندگی کا یہ لائحہ عمل بنا لو گے تو خدائے تعالٰے تمہارے لمحاتِ حیات کو خوش گوار بنا دے گا اور پھر تمہارے دشمن کم اور دوست زیادہ ہو جائیں گے۔

(۲)

ایک دفعہ حضرت علی بن الحسین نے آیۂ "ولکم فی القصاص حیٰوۃ" کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ خدائے تعالٰے نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ اے مسلمانو! تمہاری حیات اسی میں ہے کہ (لوگوں سے) قصاص (اور بدلہ) لو۔ اس حکم باری تعالٰی میں یہ راز مضمر ہے کہ جب دنیا اس اصول پر سختی سے کاربند ہو گی تو جو شخص کسی کے قتل کا ارادہ رکھتا ہے وہ سوچے گا کہ اُس سے ضرور قصاص لیا جائے گا اور اس خوف سے وہ اپنے ارادے کو ترک کر دے گا جس کے بعد دو آدمیوں کی زندگی بچ جائے۔ ایک اُس شخص کی جس کے قتل کا ارادہ تھا اور دوسری خود قاتل کی زندگی جو قصاص میں قتل کیا جاتا اور اگر اتفاق سے ارادۂ قتل رکھنے والے شخص نے مشتعل ہو کر قتل کا اقدام کر لیا تو پھر جب

شخص سے قصاص لیا جائے گا تو اس عبرت ناک سزا کو دیکھ کر بہت سے لوگ جو قتل کا ارادہ رکھتے ہوں گے، اقدامِ قتل سے باز رہیں گے اور اس طرح بہت سے لوگوں کی زندگی محفوظ ہو جائے گی۔

پھر امام نے فرمایا۔ زہری! یہ اُس قتل کے قصاص کا ذکر ہے جو لوگ اپنے اسلحہ سے دنیا میں کرتے ہیں۔ مگر تم کو اس سے عظیم تر قتل کی خبر دیتا ہوں جس کا قصاص اس قتل کے قصاص سے بھی زیادہ عبرت ناک ہے۔

زہری نے عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ! وہ کون سا قتل ہے؟

فرمایا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کسی کو راہِ حق سے بہکا کر اُس کے ضمیر کو مُردہ کر دیا جائے۔ یا کسی کو نبوت محمدؐ و امامت و ولایت علی بن ابی طالب و دیگر آئمہ سے ہٹا کر گمراہی اور ہلاکت ابدی میں ڈال دیا جائے۔ یہ ایسا قتل ہے جس کا مرتکب ہونے والا ہمیشہ ہمیشہ عذابِ جہنم میں مبتلا رہے گا اور اس کے قصاص میں ابدالآباد گرفتار رہنا پڑے گا۔

(۳)

ایک شخص علی بن الحسین کے پاس ایک شخص کو پکڑ کر لایا اور کہا کہ اِس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔ ملزم نے جُرم کا اقبال کیا۔ حضرت نے حاکم شرع کی حیثیت سے اس پر قصاص واجب ہونے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی ساتھ مدعی سے کہا کہ اگر تُو اُسے معاف کر دے تو حق تعالیٰ تجھے اس کے برابر اجر دے گا کیونکہ وہ "العافین عن الناس" (لوگوں کے جرم معاف کرنے والوں) کو دوست رکھتا ہے۔ مدعی نے کہا معاف تو کر دیتا، مگر میرا دل راضی نہیں ہوتا۔ امام نے فرمایا کہ اس شخص نے ماضی میں تجھ پر جو احسان کیا ہے اُس کے صلہ میں معاف کر دے۔ تو کیا قباحت ہے؟ اُس نے کہا کہ اس کا احسان اِس قتل کے مقابلہ میں بہت خفیف تھا۔ فرمایا کہ احسان کی نوعیت اپنی زبان سے بیان کر۔ مدعی نے کہا۔ اس شخص نے تھوڑی دیر مجھے توحید و رسالت کے مسائل تعلیم دے کر میری راہ نمائی کی تھی۔ امام نے یہ سُن کر جواب دیا کہ پھر تو یہ احسان بہت عظیم ہے جس کا مقابلہ تیرے باپ جیسے ہزار انسانوں کے خون سے بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قسم خدا کی کسی گم کردہ راہ کو راہِ حق دکھانا ہزارہا ہزار دنیاوی احسانوں سے بڑھ کر ہے جس کے اجر و ثواب کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔

(۴)

ابوحمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ حضرت علی بن الحسین نے فرمایا کہ قیامت میں ایک منادی آواز دے گا کہ اربابِ فضیلت اُٹھ کھڑے ہوں اور بہشت میں داخل ہو جائیں۔ یہ سُنتے ہی کچھ لوگ اُٹھ کھڑے ہوں گے اور جنّت کی طرف جانے لگیں گے۔ ایک فرشتہ بڑھ کر اُن سے پوچھے گا کہ تم کس فضیلت و فوقیت کی بناء پر بے حساب جنّت میں جا رہے ہو۔ وہ جواب دیں گے کہ ہم اپنی زندگی میں ہمیشہ بردباری کرتے تھے۔ کوئی ظلم کرتا تو صبر و سکون سے برداشت کر لیتے۔ بدی کی جاتی تو اسے معاف کر دیتے۔ یہ سُن کر سب فرشتے جو وہاں موجود ہوں گے کہیں گے۔ تمھیں بہشت مبارک ہو۔ فنعم اجر العاملین

امام نے فرمایا۔ اس کے بعد پھر ایک منادی آواز دے گا اور کہے گا۔ لیقم اہل الصبر اب صبر کرنے والے اٹھیں۔ یہ سُن کر پھر کچھ لوگ اٹھیں گے۔ ان سے کہا جائے گا اُدخلوا الجنۃ ایک فرشتہ اُن کی طرف بڑھ کر دریافت کرے گا کہ تم نے کس بات پر صبر کیا

تھا جس کے صلہ میں حساب کتاب سے مستغنی ہو کر جنت میں بھیجے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ جواب دیں گے کہ ہم اُن تمام دشواریوں میں صبر کرتے تھے جو عبادتِ خدا بجا لانے اور گناہ سے بچنے میں پیش آتی تھیں۔ فرشتے پکار اٹھیں گے۔ جاؤ تمہیں بھی بہشت مبارک ہو۔ فنعم اجر العاملین۔

آپ نے ارشاد کیا۔ پھر ایک ندا دی جائے گی لیقم جیران اللہ وہ لوگ اٹھیں جو خدائے تعالیٰ کے پڑوسی ہیں۔ یہ سُن کر ایک مختصر جماعت اُٹھ کھڑی ہوگی اور اسے جنت میں داخلہ کا حکم دیا جائے گا۔ مگر ان پر فرشتے اُن سے دریافت کریں گے۔ تم کس اعتبار سے خدا کے پڑوسی تھے؟ جواب دیں گے کہ ہم خدا کے لیے ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور ایک صحبت میں اٹھتے بیٹھتے تھے اور خدا کی خوشنودی کی غرض سے ایک دوسرے پر اپنا اپنا مال خرچ کرتے تھے۔ یہ سُن کر فرشتے جواب دیں گے۔ جاؤ تمہیں دار الخلد مبارک ہو۔ فنعم اجر العاملین

## ندبہائے علی بن الحسین

زہری نے بیان کیا ہے۔ ایک دفعہ میں نے علی بن الحسین کو اپنے نفس سے خطاب کر کے اس طرح فرماتے ہوئے سُنا:۔

یا نفس حتی ما الی الحیٰوۃ سکونک و الی الدنیا و عمارتھا رکونک اما اعتبرت بمن مضی من اسلافک ومن وارتہ الارض من الافک ومن فجعت بہ من اخوانک۔

اے نفس! کب تک تجھے زندگی پر سکون رہے گا اور کہاں تک تو دنیا اور اس کی عمارت پر بھروسا رکھے گا۔ کیا تو نے اپنے ان اسلاف سے جو ہزاروں من مٹی کے نیچے دب گئے اور ان عزیزوں اور دوستوں سے جو تجھے دردمند کر گئے، نصیحت نہیں حاصل کی۔

صادق آل محمدؐ فرماتے ہیں کہ ان کے پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ نے ایک دفعہ سُنا کہ حضرت علی بن الحسین ان لفظوں میں ندبا فرما رہے تھے:۔

حتی متی تعدنی الدنیا فتخلف وایتمنھا فتخون واستنصحھا فتغش ولا متجددث حبدیدۃ الا تخلق مثلھا ولا تجمع شملا الا بتشعر بقی تفارعلے الاف و متحسد اھل النعم۔

کب تک دنیا مجھ سے وعدہ خلافی کرتی رہے گی اور کب تک میں اسے امین جانتا رہوں گا اور وہ خیانت کرے گی اور کب تک میں اسے خالص دوست سمجھوں گا اور اس میں غل و غش نکلے گا۔ دنیا جب کوئی نئی چیز پیدا کرتی ہے تو پہلے اس جیسی دوسری شے کو پرانا کر دیتی ہے اور جب کوئی مجمع اکٹھا کرتی ہے تو اول تفرقہ ڈال چکتی ہے (یہاں) ہزاروں پر رشک کیا جاتا ہے اور نعمت[۱] والے محسود

---

[۱] عام اس سے کہ وہ نعمت علم ہو یا نعمت فضل وغیرہ یا اور کوئی نعمت ہو۔

ہوتے ہیں۔

سفیان بن عیینہ نے حضرت علی بن الحسین کے چند جذبات بیان کیے ہیں، جو یہ ہیں:۔

این السلف الماضون والاهل والاقربون والانبیاء والمرسلون طحنتهم والله المنون وتوالت علیهم السنون وفقدتهم العیون وانا الیهم صائرون وانا لله وانا الیه راجعون۔

کہاں ہیں گزرے ہوئے اسلاف اور اہل وعیال اور اعزہ واقربا اور نبی اور رسول؟ خدا کی قسم انھیں موتوں نے پیس ڈالا اور ان پر مسلسل زمانے گزر گئے اور وہ آنکھوں سے پوشیدہ ہو گئے اور ہم بھی ان ہی کے پاس چلے جائیں گے۔ یقیناً ہم خدا کے لیے ہیں اور اسی کی طرف رجوع کریں گے۔

بعد ازاں حضرت نے یہ کلام منظوم ارشاد فرمایا:۔

اذا کان هذا نهج من کان قبلنا          فانا علی آثارهم نتلاحق

جبکہ ان لوگوں نے جو ہم سے پہلے تھے یہ راستہ اختیار کیا تو یقیناً ہمیں بھی ان کے پیچھے پیچھے جا کر ان سے ملنا پڑے گا

فکن عالما ان سوف تدرک من مضی          ولو عصمتک الراسیات الشواهق

پس تو سمجھ کہ تو بھی آخر کار اگلوں سے جا ملے گا چاہے اونچی چوٹیوں والے مضبوط پہاڑ تیری حفاظت کریں

فما هذه دار المقامة فاعلمن          ولو عمر الانسان ما ذر شارق

اچھی طرح جان لے کہ یہ دنیا قیام کی جگہ نہیں ہے چاہے انسان قیامت تک دنیا میں زندہ رہے

ایک دفعہ حضرت علی بن الحسین نے مکاروں کا اور ان رنگے سیاروں کا جو دینداری کا لباس پہن کر دین کے طلبگار ہوتے ہیں، تذکرہ کرتے ہوئے ان لفظوں میں مذمت فرمایا:۔

فان فی الناس من خسر الدنیا والآخرة یترک الدنیا للدنیا ویری ان لذة الریاسة الباطلة افضل من لذة الاموال والنعم المباحة المحللة فیترک ذلک اجمع طلبا للریاسة حتی اذا قیل اتق الله اخذته العزة بالاثم فحسبه جهنم ولبئس المهاد۔ فهو یخبط خبط عشواء یقوده اول باطل الی ابعد غایات الخسارة ویمده ربه بعد طلبه لما لا

بے شک لوگوں میں کچھ ایسے ہیں جو دنیا اور آخرت دونوں میں نقصان اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ دنیا کو دنیا (طلبی) کے لیے ترک کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ حکومت باطلہ کا مزہ جائز مال اور حلال و مباح نعمتوں سے بڑھ کر ہے، تو وہ ان سب چیزوں کو حکومت کی حرص میں چھوڑ دیتے ہیں۔ تا آنکہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو تو (حکومت کا) غلبہ ارتکاب گناہ کے لیے گھیر لیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے عذاب جہنم کافی ہے اور ضرور وہ برا ٹھکانا ہے۔ پس وہ دیوانی اونٹنی کی طرح ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ انھیں پہلا باطل (قدم) دوسرے انتہائی نقصانات کی جانب کھینچ لے جاتا ہے اور اس ذلت

يغدر عليه فى طغيانه فهو يحل ما حرم الله و يحرم ما احل الله لا يبالى مافات من دينه اذا اسلمت له رياسة التى قد شقى من اجلها فاولئك الذين غضب الله عليهم و لعنهم و اعد لهم عذابًا مهينًا ۔

یعنی اس چیز کی خواہش کے بعد جس کی اُس میں قدرت نہیں ہے، خدائے تعالےٰ انھیں اُن کی سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے۔ تب وہ اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیتے ہیں (اور) اگر ان کی وہ حکومت جس کے لیے وہ شقاوت میں مبتلا ہوئے ہیں باقی رہ جائے تو اس کے مقابلے میں وہ دین کے فوت ہو جانے کی پروا نہیں کرتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن سے اللہ تعالےٰ ناخوش ہوتا ہے۔ ان پر لعنت کرتا ہے اور ان پر رسوا کرنے والا عذاب نازل فرماتا ہے ــــــــ

ولكن الرجل، كل الرجل، نعم الرجل هو الذى جعل هواه تبعا لامر الله و قواه مبذولة فى رضى الله يرى الذل مع الحق اقرب الى عز الابد من العز فى الباطل و يعلم ان قليل ما يحتمل من ضرائها يؤديه الى دوام النعيم فى دار لا تبيد ولا تنفد وان كثيرا ما يلحقه من سرائها ان اتبع هواه يؤديه الى عذاب لا انقطاع له ولا يزول فذلكم الرجل فبه تمسكوا و بسنته فاقتدوا والى ربكم به فتوسلوا فانه لا ترد له دعوة ولا تخيب له طلبة ۔

لیکن انسان، مکمل انسان (اور) اچھا انسان وہ ہے جو اپنے نفس کی خواہش کو خدائے تعالےٰ کے حکم کا تابع رکھے اور اپنی قوتوں کو خدا کی رضامندی میں صرف کرے اور یہ سمجھے کہ حق کے ساتھ جو ذلّت ہوتی ہے ▪ ابدی عزت سے قریب تر ہے۔ بہ نسبت اس عزت کے جو باطل سے حاصل ہوتی ہے۔ نیز یہ جانے کہ دنیا کی تھوڑی سی تکلیفوں کا جھیلنا اسے ایسے گھر کی دوامی نعمت کی طرف لے جا رہا ہے جو نہ ختم ہوگا اور نہ فنا ہوگا اور یہ (جانے) کہ بہت سی خوشیاں جو خواہش نفس کی پیروی سے حاصل ہوتی ہیں اُسے ایسے عذاب کی طرف لے جا رہی ہیں جو نہ کبھی منقطع ہوگا اور نہ زائل ہوگا پس تم ایسے ہی شخص سے تمسک رکھو اور اس کی سنّت کی پیروی کرو اور اس کے وسیلہ سے اپنے پروردگار تک پہنچو۔ پس بے شک اس کی کوئی دعا رد نہ ہوگی اور وہ کسی خواہش سے محروم نہیں رہے گا۔

# علی بن الحسین کا کلام منظوم

شعر و شاعری کے جواہر جناب رسالتمآب صلعم کے علاوہ تقریباً تمام آئمہ دین نے جو آنحضرتؐ کے علوم و ہدایات کی تبلیغ کے اہل تھے۔ ظاہر فرمائے ہیں۔ حضرت امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کا ایک مکمل دیوان موجود ہے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے اشعار بھی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ امام زین العابدین نے بھی خاندانی روایات کے مطابق اکثر اشعار کہے جو مضامین کے اعتبار سے ویسے ہی ہیں جیسے کہ اولیاء اللہ کے شایان شان ہوتے ہیں۔ چنانچہ امام علیہ السلام ایک نظم میں منکرین حقوق اہل بیت سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

لکم ما تدعون بغیر حق — اذا میز الصحاح من المراض

تم ناحق کے دعوے کب تک کرتے رہو گے جب کہ صحیح و غلط میں امتیاز ہو چکا ہے

عرفتم حقنا فجحدتمونا — لما عرف السواد من البیاض

تم نے ہمارے حقوق کو اس طرح پہچان لیا جس طرح سیاہی سفیدی سے پہچانی جاتی ہے اور پھر اس سے انکار کر دیا

کتاب اللہ شاھدنا علیکم — وقاضینا الالٰہ و نعم قاض

کلام خدا تمھارے مقابلہ میں ہمارا گواہ ہے اور ہمارا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرے گا جو بہت اچھا قاضی ہے

ایک دفعہ علی بن الحسین کی خدمت میں ایک سائل حاضر ہوا اور آپ کی خدمت میں اپنی حاجت پیش کی۔ امام کا ہاتھ اس وقت خالی تھا تاہم گھر میں ادھر ادھر تلاش کرنے کے بعد جو کچھ ممکن ہو سکا سائل کی نذر کر دیا۔ جسے قبول کر کے سائل نے کہا:۔

ماذا اقول اذا رجعت وقیل لی — ماذا اصبت من الجواد المفضل

جب کہ میں گھر واپس جاؤں گا اور مجھ سے پوچھا جائے کہ فضیلت والے فیاض سے کیا پایا

ان قلت اعطانی کذبت وان اقل — بخل الجواد بماله لم یجمل

تو اگر میں یہ کہوں گا کہ مجھے اس (فیاض) نے عطا کیا تو یہ جھوٹ ہوگا اور اگر یہ کہوں گا کہ فیاض نے بخل کیا تو یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا

اس کے جواب میں حضرت علی بن الحسین نے یہ اشعار فرمائے:۔

عاجلتنا فاتاک عاجل برنا — ان کنت قد امھلتنی لم تقلل

تو نے تنگ طلبی کی۔ پس جلدی میں جو کچھ بن پڑا ہم نے تجھے دے دیا اور اگر تو مہلت دیتا تو اتنی کمی نہ ہوتی

---

لہ چونکہ آنحضرتؐ کا معجزہ فصاحت و بلاغت کو قرار دیا گیا تھا اور شعر میں اس وقت کئی فصیح و بلیغ ایسے گزر چکے تھے نیز موجود تھے جن کو اہل عرب آپ کے مقابلہ میں لا سکتے تھے جس سے ختم رسالت کی یقیناً سبکی ہوتی اس لیے قدرت نے آپ کو علم شعر سے دور رکھتے ہوئے ایسی فصاحت و بلاغت نثر میں عطا فرما دی جس کی مثل و نظیر سے بڑے بڑے شعراء قاصر رہے اور کوئی آپ کے مقابلہ پر نہ اٹھ سکا۔

فخذ القليل وکن کانك لم تسئل — ونکون نحن کاننا لم نسئل

اب یہ تھوڑا سا لے اور ایسا سمجھ لے جیسے تو نے سوال نہیں کیا اور ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ گویا ہم سے سوال نہیں لیا گیا

ایک دفعہ آپ کو عبنہ اللہ بن اصمعی نے دعا کے یہ اشعار پڑھتے ہوئے سُنا جو خود آپ ہی کے کہے ہوئے ہیں!

یا من یجیب دعا المضطر فی الظلم — یا کاشف الضر والبلوی مع السقم

اے وہ معبود! جو شب کی تاریکیوں میں مضطر بندوں کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ اے ضرر، بلاؤں اور بیماریوں کے دور کرنے والے!

قد نام وفدك حول البیت قاطبۃ — وانت وحدك یا قیوم لم تنم

تیرے پاس آنے والے تمام تیرے گھر کے گرد سوئے ہیں لیکن اے قیوم ایک تیری وہ ذات ہے جو کبھی نہیں سوتا

ادعوك رب دعاءً قد امرت بہ — فارحم بکائی بحق البیت والحرم

پروردگارا! میں تجھ سے دعا کرتا ہوں جس کا تو نے حکم دیا ہے۔ تجھے خانہ کعبہ اور حرم محترم کا واسطہ میرے گریہ و بکا پر رحم کر

ان کان عفوك لا یرجوہ ذو سرف — فمن یجود علی العاصین بالنعم

اگر فضول کرنے والے ہی تیرے عفو کے امیدوار نہ ہوں گے تو گناہگاروں پر اپنی نعمات کی کون بخشش کرے گا

طاؤس فقیہ نے ایک اور موقع پر آپ کو دعا کے مابین اپنے یہ اشعار پڑھتے ہوئے سُنا:

اتحرقنی بالنار یا غایۃ المنی — فاین رجائی ثم این محبتی

اے میرے منتہائے مقصود کیا تو مجھے آتش جہنم میں جھونک دے گا؟ تو پھر میری امیدواری اور پھر میری یہ محبت[1] کہاں جائے گی

اتیت باعمال قباح ردیۃ — وما فی الوری خلق جنی کجنایتی

درحقیقت میں قبیح اور ردی اعمال لایا ہوں اور مخلوق میں کسی نے میری مثل گناہ کیے ہی نہیں ہیں

واقعات کربلا کے بعد ایک دفعہ اسیری کے زمانے میں آپ نے دربار یزید میں اہل شام اور بنی امیہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

ماذا تقولون اذ قال النبی لکم — ماذا فعلتم وانتم اخر الامم

تم کیا جواب دو گے جبکہ رسول اللہ تم سے یہ کہیں گے کہ ارے یہ تم نے کیا کیا؟ حالانکہ تم سب امتوں سے آخری امت تھے

بعترتی وباھلی عند مفتقد — منھم اساری ومنھم ضرجوا بدم

میرے مرنے کے بعد میری عترت اور اہل بیت کے ساتھ (کیا سلوک کیا؟) یہی کہ ان میں سے کچھ قیدی بنائے اور کچھ کو خاک و خون میں غلطاں چھوڑا۔

اسی زمانے کا ایک وہ شعر بھی ہے جو آج، اگر کل مسلمانوں کو نہیں تو کم از کم فرقہ جعفریہ کے بچے بچے کو یاد ہے اور جسے زبانی یاد نہیں ہے، وہ بھی جب سُنے گا تو اقرار کرے گا کہ پہلے بھی سُن چکا ہے اور وہ شعر یہ ہے۔ امام زین العابدین فرماتے ہیں:۔

---

[1] اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ تو میری ایک آرزو کو اور پاک محبت کو کبھی جہنم میں نہیں جلنے دے گا۔

اذاد ذ لیلاً فی دمشق کاننی ‏ من الزنج عبد غاب عنہ نصیر

ہم دمشق میں اس طرح ذلیل و رسوا کیے گئے ہیں، جیسے ہم زنگبار کے لاوارث غلام ہیں

## شکل و شباہت اور رفتار و گفتار

علی بن الحسین کا رنگ گندم گون جسم مبارک لاغر اور نحیف۔ بال سرخی مائل۔ گردن اور چہرے میں چمک۔ سینہ فراخ اور سر کے اگلے حصہ میں بال کم تھے۔ اعضاء کی ساخت، رفتار اور انداز تکلم میں اپنے دادا علی بن ابی طالب سے بہت مشابہ تھے۔

راستہ چلتے تو اس سکون و وقار سے قدم اٹھاتے تھے گویا سر مبارک پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے۔ داہنا ہاتھ بائیں پر سبقت نہیں کرتا تھا۔ اتنے سکون و شکستگی سے راہ طے فرماتے تھے کہ آپ کا ہاتھ ران سے تجاوز نہ کرنے پاتا تھا۔ راہ چلنے میں کوئی ڈھیلا وسط راہ میں پڑا دیکھتے تو سواری روک کر اتر پڑتے اور اسے ایک طرف کر دیتے تاکہ راہ گیروں کو زحمت نہ ہو۔

العقیلی نے "الضعفاء" میں لکھا ہے کہ آپ کے چہرے سے نور الہٰی چمکتا تھا۔ اگرچہ آپ بے حد خوش خلق، متواضع، غصے کو ضبط کرنے والے تھے اور متحمل مزاج تھے۔ لیکن لوگوں کے قلوب پر آپ کی خداداد ہیبت سے ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی اور کوئی آپ کی مجلس میں بے تکلفی نہ برت سکتا تھا۔ حد یہ ہے کہ اس عہد کے بڑے بڑے سرکش اور جابر بھی آپ کی جلالت علمیہ کے سامنے مرعوب ہو جاتے تھے۔

## علی بن الحسین کی مثالی زندگی

اپنے آباء کرام کی طرح علی بن الحسین کی زندگی بھی تمام مسلمانوں کے لیے ایک مثالی زندگی تھی۔ یہاں تک کہ جو لوگ آپ کو چوتھا امام نہیں مانتے، وہ بھی صمیم قلب سے آپ کی ولایت کے قائل ہیں اور آپ کے اخلاق کی تاسی کو اپنے لیے موجب فخر خیال کرتے ہیں۔ کیوں نہ ہو؟ آپ اس خاندان کے چشم و چراغ تھے جسے خدائے تعالیٰ نے پاکی اور پاکیزگی کا گہوارہ اور ہدایت و رہنمائی کا گھر قرار دیا ہے۔ تمام سیرت نگاروں اور تذکرہ نویسوں نے آپ کی کثرت عبادت اور زہد و تقویٰ کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ آپ کی زندگی سادگی، گوشہ نشینی، تواضع و انکسار، بذل و دعا اور خدمت خلق کا ایک حسین مونہ تھی۔ جس کی مثال صرف خاندان اہل بیت کے بزرگواروں ہی کی زندگی میں مل سکتی ہے۔

## عبادت و ریاضت

بچپن اور عنفوان شباب کے واقعات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ ریاضت و عبادت علی بن الحسین کا بہترین محبوب مشغلہ تھا جس میں آپ اپنے شب و روز بسر کرتے تھے۔ کربلا کے جانکاہ حادثہ کے بعد شام کے قید خانہ سے رہائی پا کر جب حضرت مدینہ میں واپس آئے تو آپ نے اپنی تمام تر توجہات "دعوت محمد و آل محمد" کی ترویج و اشاعت کے لیے وقف کر دیں اور اپنے عہد کے تمام ہنگاموں اور تحریکوں سے الگ تھلگ

ہو کر اپنا تمام وقت اسلامی تعلیمات اور اسلامی اخلاق کی تبلیغ اور امت کی ہدایت و رہنمائی میں صرف کرنے لگے۔ مگر ان تعلیمات و ہدایات کا طریقہ بالکل جداگانہ تھا اور وہ یہ کہ آپ صبح سے شام تک اور پھر شام سے صبح تک مصلّے پر بیٹھنے، دعاؤں کے ذریعہ محمد مصطفےٰ کی تعلیمات و ہدایات سے طالبین حق کو مستفیض فرماتے اور نمازوں کے ذریعہ ایک حق پرست اور باخدا مسلمان کی زندگی کا عملی نمونہ امت محمدیہ کے سامنے پیش کرنے حقیقت یہ ہے کہ آپ زندگی کے لمحات جو کسب معاش، اہل و عیال کی خبرگیری اور تعلقات دنیا کے لازم کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ زہد و ریاضت کے بہترین نقش و نگار سے آراستہ تھے، مرد مومن کے لیے ایک مؤثر ترین ہادی اور ایک سرِ نقیبات مبلّغ کی حیثیت رکھتے ہیں جیسا کہ کسی مقام پر کہا جا چکا ہے، آپ شب و روز میں ایک ہزار رکعت نماز ادا کرتے تھے اور ان نمازوں کا انداز عام لوگوں کی نماز سے بالکل الگ ہوتا تھا۔ چنانچہ صفوۃ الصفوہ میں حفص قریشی کی روایت نقل کی گئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"علی بن الحسین جب نماز کے لیے وضو فرماتے تو خوف الٰہی سے آپ کا رنگ زرد پڑ جاتا تھا جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تمام بدن کھجور کی ٹہنی کی طرح لرزنے لگتا۔ جب نماز شروع کرتے تو تمام اعضا بے حس و حرکت ہو جاتے اور اگر اس وقت کوئی آپ کے لب ہائے مبارک کی حرکت اور آنکھوں سے بہتی ہوئی آنسوؤں کی ندی کو نہ دیکھتا تو بالکل یہ خیال ہوتا کہ ایک قالب بے جان قیام یا قعود میں مصروف ہے۔ جب سجدے سے سر اٹھاتے تو تمام سجدے کی جگہ آنسوؤں سے اس طرح بھیگ جاتی تھی جیسے اس جگہ پانی بہایا گیا ہے۔"

طاؤس یمانی نے نقل کیا ہے کہ جب میں نے آپ کی عبادت اور گریہ و زاری کا یہ حال دیکھا تو عرض کی۔ مولا آپ امام زمانہ ہیں۔ رسول اللہ کی شفاعت اور خدائے تعالیٰ کی رحمت آپ کے شامل حال ہے۔ پھر اس قدر گریہ و زاری اور بے قراری کا سبب کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:۔

"اے طاؤس! تم نے اس آیۂ مبارک کی تلاوت کی ہوگی۔ فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون یعنی قیامت کے دن نہ ان کے نسب باقی رہیں گے اور نہ ان کی بابت سوال کیا جائے گا ——— پھر کس طرح میں اپنے نسب کے بھروسے پر بیٹھا رہوں۔ رہی شفاعت رسول، سو وہ ان لوگوں کے لیے ہے جن سے وہ اور ان کا پروردگار راضی ہو — اسی طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت، نیک کام کرنے والوں اور عبادت گزاروں کے لیے مخصوص ہے۔ ایسی صورت میں سوائے عبادت اور ریاضت کے اور کوئی چارہ کار نہیں۔"

عبادت میں امام زین العابدین کی محویت کا تذکرہ کرتے ہوئے تذکرہ خواص الائمہ میں ابوالفرج اصفہانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ایک دفعہ آپ سجدے میں تھے کہ گھر میں آگ لگ گئی۔ لوگ شور مچاتے رہے مگر آپ نے سجدے سے سر نہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ آگ بجھ گئی۔ نماز کے بعد لوگوں نے کہا، یا ابن رسول اللہ! آپ نے گھر میں آگ لگ جانے کا بھی خیال نہ کیا۔ فرمایا اگر جہنم کی آگ کا ڈر نہ ہوتا تو ضرور ایسا ہی کرتا۔

ابن شہر آشوب نے کتب معتبرہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ایک دن امام زین العابدین نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ کے ایک فرزند دلبند، محمد باقر، جو بہت کم سن تھے کنوئیں میں گر پڑے۔ یہ کنواں آپ کے زنان خانہ میں واقع تھا اور بہت گہرا تھا۔ ماں نے

بچہ کو کنوئیں میں گرتے دیکھا تو چیخ ماری اور بے تاب ہو کر کنوئیں کی طرف دوڑیں۔ کنوئیں کے من کے پاس آ کر اس پر سر ٹیک دیا اور چلّا چلّا کر فریاد کرنے لگیں ـــ "یا ابن رسول اللہ! تمہارا بیٹا محمد غرق ہو گیا۔" مگر حضرت بدستور نماز میں مصروف رہے۔ ماں کے رونے اور بلبلانے کی آواز گھر کے باہر پڑوس میں بھی پہنچ رہی تھی۔ یقیناً آپ نے بھی سنی ہو گی۔ مگر محبت پدری آپ کے خضوع و خشوع میں خلل انداز نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد بچہ کی آواز میں نقاہت پیدا ہونے لگی۔ اس وقت بچہ کی ماں نے تڑپ کر کہا:۔

ما اقسیٰ قلبکم یا علی بن الحسین۔

یعنی اے علی بن الحسین آپ کس قدر سنگدل ہو گئے ہیں! مگر حضرت کی نماز میں ان طعنوں سے بھی ذرہ بھر فرق نہ آیا۔ جب نماز ختم کر چکے تو بڑے سکون و وقار کے ساتھ اٹھے اور کنوئیں سے بچے کو نکالا اور بچہ کی ماں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ـــ اے کمزور دل رکھنے والی بی بی! اپنا فرزند لے! ماں اپنے فرزند کو صحیح و سالم دیکھ کر ہنس پڑی اور بچّے کو کلیجے سے لگا کر رونے لگی۔ امام نے فرمایا:

"بی بی! اگر تم یہ سمجھتیں کہ میں کس خداوند جبار و قہار کے سامنے کھڑا تھا تو اس قدر مضطرب نہ ہوتیں۔ ذرا سوچو تو سہی کہ اگر میں اس کی طرف سے منہ موڑ لیتا اور وہ اس کوتاہی کے باعث اپنی رحمت کا رخ میری جانب سے پھیر لیتا تو پھر اس کا کیا انجام ہوتا؟"

یہ کنواں اس وقت سے لے کر چودھویں صدی کے وسط تک کافی شہرت رکھتا تھا۔ عقیدت مند اس کنوئیں کا پانی مدینہ منوّرہ سے لاتے اور بیماروں کو پلاتے تو وہ شفایاب ہوتے تھے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق دہلوی جذب القلوب میں قبہ اسمٰعیل بن جعفر صادق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"بنائے او پیش از بنائے سور مدینہ است۔ بانی وے ابن ابی الہیجا است از وزرائے ملوک عبیدیین و مجدد عمارات مساجد فتح است۔ در سنہ ست و اربعین و خمسمائۃ گویند عرصہ ایں مقام و حوالی آں از جانب شمالی تا در خانہ امام زین العابدین کہ آب او شفائے علیلان و دوائے بیماران است۔ آوردہ اند کہ امام محمد باقر در حالت صغر السن در آں چاہ افتادہ بود و امام زین العابدین در نماز بود۔ از غایت حضور و توکل و رضا بقضائے الٰہی جل و علا کہ داشت قطع نماز نہ کردہ۔"

حضور قلب و استغراق کے سلسلے میں شیطان کے اژدہا بن کر آنے اور آپ کے خضوع و خشوع میں فرق ڈالنے کی ناکام کوشش کا ایک واقعہ سابق میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ ایسا ہی ایک اور واقعہ جو اس سے مختلف ہے، مناقب ابن شہر آشوب میں نظر سے گزرا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت علی بن الحسین، محراب عبادت میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں ابلیس لعین ایک کالے اژدہے کی شکل میں سجدہ گاہ کے قریب کی زمین سے نکلا۔ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ اس اژدہے کے دس سر تھے۔ باریک اور تیز دانت چمک رہے تھے اور لال لال آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ اس نے آپ کے ۔۔ دوں کی طرف بڑھ کر اس طرح حرکت کی جیسے حملہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر امام اس سے مطلق خائف نہ ہوئے اور بدستور قرأت میں مشغول رہے۔ یہ دیکھ کر وہ پائے مبارک کی طرف جھپٹا اور انگوٹھے میں دانت گاڑ کر ایذا پہنچانے لگا۔

۔ اس وقت بھی اس کی جانب متوجہ نہ ہوئے اور قدم ہائے مبارک کی استقامت میں ذرہ بھر فرق نہ آیا اور ارکانِ نماز میں معمول سے کوئی کمی آئی یہاں تک کہ بقول ابن شہر آشوب، اس مردود کی جانب غیب سے ایک شعلہ لپکا جس کے ڈر سے اس نے چیخ ماری اور آپ کے عقب میں جا کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ اے علی! تم درحقیقت عابدوں کے سید و سردار ہو جیسا کہ تمہارے نام سے ظاہر ہے اور میں وہی ابلیس ہوں جس نے تمہارے جد امجد حضرت آدم ع سے لے کر تمام انبیاء و اولیاء کی عبادتیں دیکھی ہیں مگر تمہاری عبادت سب سے بالاتر ہے۔ پھر یہ دیکھ کر کہ اس کا کوئی قول و فعل حضرت کی نماز پر اثر انداز نہیں ہو سکا، وہاں سے چلا گیا۔

# علوم و معارف

علی بن الحسین کے علوم و معارف بعینہٖ وہی اور اسی قدر تھے، جو آپ کی جانب، خطیب منبر سلونی حضرت علی بن ابی طالب سے سینہ بسینہ منتقل ہوئے تھے۔ اگرچہ آپ کو اپنی حیات مبارک میں سوائے دعاؤں اور چند خطبوں کے، اظہار علم کے مواقع بہت کم پیش آئے، مگر جب بھی کوئی گتھی پڑی، اسے سوائے آپ کے دوسرا نہیں سلجھا سکا۔

حکومت وقت اگرچہ مخالف تھی مگر اہم مواقع پر وہ بھی آپ کے علمی فیوض سے فائدہ اٹھاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ قیصر روم نے عبدالملک بن مروان کو تہدید آمیز خط لکھا جس میں اسلام اور مسلمانوں پر سخت الزام لگائے گئے تھے اور دھمکی دی تھی کہ میں تین لاکھ فوج لے کر آ رہا ہوں جو مسلمانوں کا قلع قمع کر کے رکھ دے گی۔ عبدالملک بہت گھبرایا کہ اس خط کا کیا جواب دے۔ آخر اس کی سمجھ میں ایک تدبیر آ گئی اور اس نے حجاج کو لکھا کہ امام زین العابدین کو ایک نہایت تہدید آمیز خط لکھو اور حضرت جو کچھ جواب تحریر فرمائیں اسے بجنسہٖ ہمارے پاس بھجوا دے۔ حجاج نے ایسا ہی کیا۔ امام نے جواب میں تحریر فرمایا:

"حجاج! اگر تیرے ہاتھ میں قوت و قدرت ہے تو اس پر اتنا نہ پھول اور یہ ہرگز نہ بھول کہ خدائے تعالےٰ کا علم لوح محفوظ ہے۔ جسے اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور کارکنان قضا و قدر کو جو علم دیا گیا ہے۔ وہ لوح محو و اثبات ہے۔ لوح محفوظ میں کسی قسم کے تغیر کا امکان نہیں۔ مگر لوح محو و اثبات صبح سے شام تک ہر روز تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ کارکنان قضا و قدر اپنے محدود علم کی بناء پر ایک واقعہ کے وقوع و حدوث کے اسباب پیدا کرتے ہیں جس سے انسان اندازہ لگاتا ہے کہ اب یہ ہونے والا ہے اور اب وہ ہونے والا ہے لیکن جب علم باری تعالےٰ کا تصرف ہوتا ہے تو وہ سب قرائن دھرے رہ جاتے ہیں۔ مرتا ہوا آدمی جی اٹھتا ہے۔ زندہ شخص یکایک مر جاتا ہے۔ عزت «الاچشم زدن» میں رسوا ہو جاتا ہے۔ ذلیل کو دم بھر میں عزت مل جاتی ہے۔ مجھے خدائے تعالےٰ کی قیومی سے یقین ہے کہ تو نے آثار و قرائن ظاہری سے اپنی قوت اور میرے ضعف کے متعلق جو کچھ محسوس کیا ہے، اُسے اللہ جل شانہ ایک دم میں منقلب کر دے گا اور پھر تو دیکھے گا کہ تیری بے شمار فوجیں زین العابدین جیسے کمزور انسان کا بال بیکا تک نہ کر سکیں گی۔"

حجاج نے امام کا یہ جواب بجنسہٖ عبدالملک کے پاس بھجوا دیا۔ پڑھ کر عبدالملک خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ پھر اُس نے یہی جواب حرف بحرف (زین العابدین کی جگہ اپنا نام لکھ کر) قیصر کے پاس بھجوا دیا۔ قیصر نے جب اسے پڑھا تو بے ساختہ کہہ اٹھا:

مَاخرج هذا الا من بيت النبوة

یعنی ایسا جواب اہل بیت رسالت کے علاوہ اور کسی کے گھر سے نہیں نکل سکتا۔

ـــــ اِس کے بعد قیصر نے اپنے ارادے کو ملتوی کر دیا۔

ابوحازم کا بیان ہے کہ ایک شخص نے امام زین العابدین سے کہا "اتعرف الصلوة" کیا تم نماز کو جانتے پہچانتے ہو؟ ابوحازم کہتے ہیں کہ مجھے یہ سُن کر بہت غصہ آیا کہ یہ نادان امام سے ایسا سوال کر رہا ہے۔ میں آپے سے باہر ہو کر اس شخص کو جھڑکنے لگا۔ امام نے فرمایا۔ مھلاً یا اباحازم۔ یعنی اے ابوحازم نرمی سے پیش آؤ۔ علماء کا فریضہ ہے کہ حلم و بردباری سے کام لیں۔ پھر آپ نے اس شخص سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

ہاں! میں نماز کو جانتا پہچانتا ہوں!

اُس نے پوچھا۔ نماز کا افتتاح کیا ہے؟

فرمایا۔ تکبیرۃ الاحرام!

عرض کی اور برہان نماز کیا ہے؟

فرمایا۔ قرأت حمد و سورہ!

پوچھا۔ اس کا خشوع کیا ہے؟

جواب ملا خشوع نماز یہ ہے کہ جب تک نماز ادا ہو، سجدہ گاہ پر نگاہیں جمی رہیں۔

کہا۔ اس کی تحلیل کیا ہے؟

فرمایا۔ سلام پھیرنا!

عرض کی۔ جوہر نماز کے متعلق ارشاد فرمایئے۔

ارشاد ہوا۔ جوہر نماز سبحان اللّٰہ کی تسبیح ادا کرنا ہے!

پوچھا۔ اس کا کنارہ یعنی آخر کیا ہے؟

فرمایا۔ تعقیب۔

عرض کی۔ کمال نماز کس بات میں ہے؟

جواب دیا۔ محمدؐ و آلِ محمدؐ پر درود بھیجنے میں۔

پوچھا۔ تو اب یہ اور بتا دیجئے کہ قبولیت نماز کی شرائط کیا ہیں؟

فرمایا۔ بس ایک ہی شرط ہے اور وہ یہ کہ مصلّی سچے دل سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ساتھ محبت رکھتا ہو۔ اگر یہ نہیں تو پھر نماز قبول نہیں ہوسکتی۔ عرض کی۔ حضور نے تو اب کسی کلام کی گنجائش ہی باقی نہیں رکھی۔ پھر وہ شخص اٹھا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے۔ ابوحازم کہتے ہیں کہ ان کلمات کے ادا کرنے تک وہ شخص نظر آتا رہا اور اس کے بعد غائب ہوگیا۔

صاحب کشف الغمہ لکھتے ہیں کہ ایک دن زہری معمول کے خلاف کچھ تاخیر سے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فرمایا۔ زہری! کہاں سے آتے ہو؟ جواب دیا۔ مسجد سے۔ فرمایا۔ وہاں اب تک کیا کر رہے تھے؟ کہا روزۂ واجب کے مسائل میں احباب سے کچھ مباحثہ ہو رہا تھا۔ دریافت فرمایا۔ پھر کیا طے ہوا؟ عرض کی بہت کچھ بحث و تمحیص کے بعد یہ طے ہوا کہ بجز ماہ رمضان کے اور کوئی روزہ واجب نہیں ہے۔

ارشاد ہوا۔ یہ درست نہیں بلکہ روزہ کی چالیس صورتیں ہیں جن میں سے دس صورتوں میں روزہ واجب[1]۔

زہری نے عرض کی۔ یا ابن رسُول اللہ! یہ اسرار و رموز بغیر تفصیل و تشریح کے میری سمجھ میں نہیں آسکتے۔

فرمایا۔ اچھا تو غور سے سنو اور جی چاہے تو لکھ لو۔ وہ دس صورتیں جن میں روزہ واجب ہے یہ ہیں:۔

(۱) ماہ رمضان کے تیس روزے۔

(۲) کفارۂ ظہار[2] کے طور پہ دو ماہ کے پے در پے روزے جیسا کہ خدائے تعالےٰ نے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یظاھرون من نسآئھم ثم یعودون لما قالوا فتحریر رقبۃ مومنۃ من قبل ان یتماسا فمن لم یجد فصیام شہرین متتابعین۔

وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر جو کچھ کہا ہے اس سے (حالت سابق کی طرف) پلٹتے ہیں[3]، تو قبل اس کے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، ان پر ایک بردۂ مومن کا آزاد کرنا لازم ہے۔ جسے بردہ میسّر نہ ہو اسے دو مہینے کے پے در پے روزے رکھنا چاہئیں۔

(۳) ماہ رمضان کا روزہ عمداً توڑ دینے سے کفارے کے طور پر پے در پے دو ماہ کے روزے۔

(۴) قتل خطا کے کفارے میں مسلسل دو مہینے کے روزے۔ اس شخص کے لیے جو بردہ آزاد نہ کر سکے۔ جیسا کہ کلام پاک میں ارشاد ہوا ہے۔

---

[1] باقی تیس صورتوں میں سے دس صورتوں میں حرام ہے۔ چودہ صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں اختیار ہے کہ روزہ رکھا جائے یا نہ رکھا جائے۔ تین صورتیں صوم اذن کی ہیں۔ ایک صوم تادیب ہے۔ ایک صوم      ہے اور ایک صوم سفر و مرض ہے۔ یہ تمام صورتیں کتب فقہ میں شرح و بسط سے درج کی گئی ہیں۔

[2] زوج و زوجہ کے درمیان علیحدگی کا ایک طریقہ جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شوہر اپنی زوجہ سے کہتا ہے کہ آج سے تیری پشت میرے لیے اپنی ماں یا بہن وغیرہ کی پشت کی مثل ہے تو اس کے بعد زوجہ اس پر حرام ہو جاتی ہے اور اسے ظہار کہتے ہیں۔

[3] یعنی پھر باہم زوجیت کا تعلق پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

و من قتل مومنا خطأ فتحریر رقبة مومنة و دیة مسلمة الیٰ اهله . . . . . . . . . .

جو شخص کسی مومن کو از روئے خطا قتل کر دے اس پر واجب ہے کہ ایک بردہ مومن آزاد کرے اور وارثوں کو مکمل دیت ادا کرے . . .

فمن لم یجد فصیام شهرین متتابعین توبة من الله و کان الله علیماً حکیما۔

اور جس کسی کو بردہ نہ مل سکے اس پر پے در پے دو ماہ کے روزے واجب ہیں تاکہ توبہ قبول ہو اور اللہ دانا اور حکیم ہے ۔

(۵) قسم توڑنے کے کفارے میں تین دن کے روزے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے:۔

فصیام ثلثة ایام ذلك کفارة ایمانکم اذا حلفتم

پس تین دن کے روزے تمھاری قسموں کے کفارہ کے ہیں جبکہ تم حلف کرو (اور توڑ دو)

یہ روزے اس پر واجب ہوتے ہیں جو تین آدمیوں کو کھانا نہ کھلا سکے۔ یہ تمام پے در پے رکھے جاتے ہیں اور متفرق نہیں رکھے جا سکتے ۔

(۶) حج میں روزہ 'اذیت حلق راس' واجب ہے جبکہ تکلیف کے باعث عازم حج سر نہ منڈا سکے جیسا کہ آیت میں مذکور ہے ۔

فمن کان منکم مریضاً او به اذیً من راسه ففدیة من صیام او صدقة او نسك ۔

جو تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو (اور اس کی وجہ سے سر نہ منڈا سکے) تو اس کا فدیہ تین روزے ہیں یا صدقہ[۱] یا قربانی[۲]

(۷) قربانی حج تمتع کا روزہ۔ اس شخص پر جو قربانی مستطیع نہ ہو جیسا کہ حکم دیا گیا ہے:۔

فمن تمتع بالعمرة الی الحج فما استیسر من الهدی فمن لم یجد فصیام ثلثة ایام فی الحج و سبعة اذا رجعتم تلك عشرة کاملة

پس جو شخص حج کے ساتھ عمرہ سے متمتع ہو اس پر جو کچھ میسر ہو قربانی دینا واجب ہے اور جو قربانی نہ دے سکے اس پر تین دن کے روزے حج میں اور سات دن کے حج سے واپسی پر، کل ملا کر دس روزے واجب ہیں۔

(۸) روزہ جزائے صید یعنی مکہ کے حدود ممنوعہ میں شکار کرنے کا کفارہ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا ہے :۔

فمن قتله منکم متعمداً فجزاء مثل ما قتل من النعم یحکم به ذوا عدل منکم هدیا بالغ الکعبة او کفارة طعام مساکین او عدل

پس تم میں سے جو اس (جانور) کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کے بدلے میں ویسا ہی جانور جس کو مار ڈالا ہے (قربانی میں دیا جائے گا) جس کے متعلق دو عادل شخص کعبہ تک پہنچنے والی قربانی کا فیصلہ (تعین)

---

[۱] صدقہ سے چھ آدمیوں کو کھانا کھلانا مراد ہے۔

[۲] ایک بکرے کی قربانی۔

[۳]

ذلک الصیام۔ کریں گے یا مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے گا یا اس کے برابر روزے رکھے جائیں گے۔

زہری نے عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ! روزے طعام کے برابر کیوں کر کیے جاتے ہیں؟

فرمایا۔ شکار کی قیمت لگائی جائے گی۔ پھر اس کی قیمت کے گندم مقرر کر کے ان کے حصے بنائے جائیں گے اور ہر نصف صاع پر ایک روزہ رکھیں گے۔

(۹) صوم نذر۔ جو صیغۂ نذر پڑھنے کے بعد واجب ہوتا ہے۔

(۱۰) صوم اعتکاف۔ جو مسجد یا حرم وغیرہ کے گوشہ میں بطور عبادت (جسے اعتکاف کہتے ہیں) بیٹھنے کی حالت میں واجب ہوتا ہے۔

یہ واقعہ صاحب وسائل الشیعہ نے شیخ حر عاملی نے نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ انھوں نے یہ خبر شیخ صدوق سے بہ اسناد زہری تحریر کی ہے۔ اسی طرح خصال میں اور شیخ مفید نے مقنعہ میں مرسلاً روایت کی ہے۔ نیز علی بن ابراہیم نے تفسیر میں اپنے والد سے اور انھوں نے قاسم بن محمد سے اور شیخ طوسی نے بہ اسناد خود محمد بن یعقوب سے نقل کیا ہے۔

صوم وصلوٰۃ کے مسائل سے متعلق امام زین العابدین کی معرفت اور علم کے دو مختصر نمونے پیش کیے گئے جو "مشتے نمونہ از خروارے" سے زیادہ حیثیت واہمیت نہیں رکھتے۔ جہاں تک امام کے علوم ومعارف کی کنہ کا تعلق ہے اس سے مفصل طور پر بحث کرنے کی نہ اس مختصر تذکرہ میں گنجائش ہے اور نہ یہ اتنا سہل کام ہے جسے ہر شخص انجام دے سکے۔ اس لیے ہم اس مقام پر مسلم ومستند علمائے اسلام کے اقوال پر اکتفا کرتے ہیں جو انھوں نے حضرت علی بن الحسین کے تبحر علمی کے سلسلے میں اپنی اپنی تصانیف میں درج کیے ہیں۔

مناقب ابن شہر آشوب میں ہے:۔

"زہد ونصیحت کی کوئی کتاب ایسی نہیں ملی جس میں یہ نہ لکھا ہو ـــــ قال علی بن الحسین۔ قال زین العابدین (علی بن الحسین نے فرمایا ہے۔ زین العابدین نے فرمایا ہے)"

طبری۔ ابن البیع۔ احمد بن بطہ۔ ابوداؤد۔ صاحب اغانی وقوت القلوب وشرف المصطفیٰ واسباب نزول القرآن وغیرہ نے لکھا ہے:۔

"زہری، سفیان بن عیینہ۔ نافع۔ اوزاعی۔ مقاتل۔ واقدی اور محمد بن اسحاق وغیرہ نے، جو سب کے سب اسلام کے مسلم ومعتبر راوی ہیں، امام زین العابدین کے حوالہ سے بے شمار احادیث وروایات بیان کی ہیں جو علوم دینی ودنیوی کے لاتعداد رموز واسرار پر مشتمل ہیں۔"

حافظ ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں درج کرتے ہیں:۔

"ایک جماعت علماء وفقہاء ومحدثین نے آنحضرت (علی بن الحسین) سے احادیث وروایات نقل کی ہیں اور جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس پر کل دنیائے اسلام نے اعتماد اور بھروسے کا اظہار کیا ہے۔"

شیخ مفید کتاب ارشاد میں فرماتے ہیں:۔

"فقہائے رفیع الدرجات نے حضرت علی بن الحسین سے بے شمار علوم نقل کیے ہیں اور جو مواعظ ادعیہ، فضائل قرآن، مسائل حلال وحرام اور مغازی وایام آپ کے حوالہ سے بیان کیے ہیں وہ طبقہ علماء میں معروف ومشہور ہیں۔"

# مناجاتیں اور دعائیں

علی بن الحسین کی مناجاتیں اور دعائیں اپنے گہرے معانی، خلوص، تڑپ، رقت اور روشنی باطن، اثر انگیز مضامین عالیہ کے لحاظ سے عجیب و غریب کیفیتیں اور اثرات رکھتی ہیں۔ یہ دعائیں زیر نظر صحیفہ کاملہ میں مع ترجمہ لفظی پیش کی گئی ہیں۔ ان دعاؤں میں عبد ومعبود کے راز ونیاز اور بندے اور خدا کے صحیح تعلق کی تصویر ایسے انداز میں کھینچی گئی ہے کہ روح تک وجد میں آتی ہے۔ خوف الٰہی سے رونگٹے کھڑے ہو کر دل تھر تھر کانپنے لگتا ہے اور مُردہ سے مُردہ ضمیر بھی ایک دفعہ نئی روح پڑنے کے بعد انگڑائی لیتا ہے اور خواب غفلت سے چونک اٹھتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں کہیں بندہ کی مجبوری کا ذکر ہے کہیں کبریائی بے نیازی کی جانب اشارہ ہے۔ کہیں راز ونیاز ہے۔ کہیں سوز وساز ہے۔ کہیں ذوق وشوق ہے کہیں جوش وخروش۔ غرض احیائے نفس کے جتنے نفسیاتی پہلو ہیں سب استعمال کیے گئے ہیں اور نہایت درجہ مؤثر ہیں۔ جس کے جستہ جستہ چند نمونے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:-

کشف الغمہ میں جابر بن عبداللہ و محمد بن حنفیہ کے حوالہ سے درج ہے کہ علی بن الحسین مناجات کے وقت کہا کرتے تھے:

اَللّٰھُمَّ مَن اَنَا حَتّٰی تَغضِبَ عَلَیَّ فَوَعِزَّتِکَ مَا تَزِیْنُ مُلْکَکَ اِحْسَانِیْ وَلَا تَقبحہ اِسَاءَتِیْ وَلَا تَنقُصُ مِنْ خَزَائِنِکَ غِنَایَ وَلَا یَزِیْدُ فِیْھَا فَقْرِیْ۔

اے میرے مالک! میری ہستی ہی کیا ہے کہ تو میرے اوپر غضب ناک ہوگا۔ تیری عزت کی قسم میری خوبیاں تیرے ملک کی زینت میں اضافہ نہیں کر سکتیں اور میری برائیاں اسے بگاڑ نہیں سکتیں۔ میں غنی ہو جاؤں تو اس سے تیرے خزانوں میں کمی نہیں آئے گی اور میں فقیر ہو جاؤں تو ان میں اضافہ نہیں ہوگا۔

ابو حمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ انھوں نے آنحضرت کو رات کے وقت صحن کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ نے نماز کو بہت طول دیا۔ پھر میں نے یہ آواز بلند یہ کہتے ہوئے سنا، جبکہ گریہ گلوگیر تھا!

یَا سَیِّدِیْ تُعَذِّبُنِیْ وَحُبُّکَ فِیْ قَلْبِیْ اَمَا وَعِزَّتِکَ لَئِنْ فَعَلْتَ لَتَجْمَعَنَّ بَیْنِیْ وَبَیْنَ قَوْمٍ طَالَمَا عَادَیْتُھُمْ فِیْکَ

اے میرے سید و سردار! کیا تو مجھ پر ایسی حالت میں (بھی) عذاب کرے گا جبکہ تیری محبت میرے دل میں (جاگزیں) ہے۔ ہاں تجھے قسم ہے اپنے عزت وجلال کی! اگر تو ایسا کرے گا تو مجھے ان لوگوں کے ساتھ رہنا پڑے گا جن سے میں اب تک تیرے معاملہ میں دشمنی کرتا رہا ہوں۔

طاؤس یمانی کہتے ہیں میں ایک رات کو حجر اسمٰعیل میں داخل ہوا۔ اس وقت حضرت زین العابدین وہاں تشریف لائے اور نماز پڑھنے لگے۔

دیر تک قیام و قعود و رکوع و سجود میں مشغول رہے۔ پھر دعا کے لیے سجدے میں جُھک گئے۔ میں نے دل میں کہا۔ مرد صالح اور آل رسول ہیں دیکھوں تو سہی کن الفاظ میں دعا کرتے ہیں۔ قریب پہنچا تو حضرت یہ کہہ رہے تھے:۔

عبیدک بفنائک مسکینک بفنائک فقیرک بفنائک سائلک بفنائک یشکو الیک مالا یخفی علیک لا تردنی عن بابک۔

تیرا بندہ تیری پیشی میں حاضر ہے۔ تیرا محتاج تیرے سامنے ہے تیرا بھکاری تیرے دربار میں آیا ہے۔ تیرا سائل تیری حضوری میں ہے میرے سامنے اس مصیبت کا شکوہ کر رہا ہے جو تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ مجھے اپنے دروازے سے محروم واپس نہ کر۔

طاؤس یمانی کہتے ہیں میں نے یہ کلمات یاد کر لیے اور جب بھی کرب و بے چینی کی حالت میں دعا کرتے وقت یہ الفاظ استعمال کیے، فی الفور میری حاجت پوری ہوگئی۔

حافظ عبدالعزیز بن اخضر الجنابذی کا بیان ہے جو انھوں نے یوسف بن اسباط سے اور انھوں نے اپنے باپ سے نقل کیا ہے۔ اسباط کہتے ہیں کہ میں مسجد کوفہ میں داخل ہو رہا تھا تو دیکھا کہ ایک نوجوان سجدے میں پڑا ہوا اپنے پروردگار سے دعا کر رہا ہے اور بار بار کہہ رہا ہے:

سجد وجھی متعفرًا فی التراب لخالقی وحق لہ۔

میرے منہ خاک آلود ہو کر اپنے پیدا کرنے والے کا سجدہ ادا کیا اور وہ سبحانہ تعالٰی ایسے سجدے کا سزاوار ہے۔

میں دیر تک سنتا رہا معلوم ہوا کہ یہ علی بن الحسین ہیں میں واپس چلا گیا۔ صبح ہوئی تو خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا ابن رسول اللہ! آپ اپنے نفس کو اتنی سختی میں مبتلا کرتے ہیں۔ حالانکہ جو شرف و فضیلت آپ کو حاصل ہے کسی سے پوشیدہ نہیں۔ امام یہ سن کر آب دیدہ ہوئے اور فرمایا:۔

"عمر بن عثمان نے اسامہ بن زید کے حوالہ سے، آنحضرتؐ سے روایت کی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تمام آنکھیں قیامت کے دن گریاں ہونگی، مگر چار آنکھیں۔ ایک وہ جن سے خوف الٰہی میں آنسو بہتے رہے۔ دوسری وہ جن کی بصارت راہِ خدا میں مثلاً جہاد وغیرہ میں جاتی رہی۔ تیسری وہ جنھوں نے محرمات کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھا اور چوتھی وہ جو شب بھر عبادتِ الٰہی میں کھلی رہیں۔ خدائے تعالٰی اس بندے کی طرف اشارہ کر کے فرشتوں کے سامنے فخر و مباہات کرتا ہے اور فرماتا ہے۔ دیکھو! اس بندے کی روح میرے پاس ہے اور جسم نے میری عبادت میں مصروف ہونے کے لیے اپنی خواب گاہ کو چھوڑ دیا ہے۔"

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب امام زین العابدین ابوحمزہ کے ہمراہ اپنے دادا علی بن ابی طالب کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے تھے اور مابین راہ کوفہ میں منزل کی تھی۔

ارباب سیر نے لکھا ہے کہ ایک دن علی ابن الحسین مسجد نبوی میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے سنا کہ کچھ لوگ حق تعالٰی کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ آپ تڑپ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگے۔

الٰہی بدت قدرتك ولم تبد هيئتها
فجهلوك وقدّروك بالتقدير على غير
ما انت به شبهوك وانا برئ الٰهی
من الذين بالتشبيه طلبوك ليس
مثلك شئ الٰهی ولم يدركوك و
ظاهر ما بهم من نعمة دليلهم عليك
لو عرفوك فی خلقتك يا الٰهی مندوحة
ان يناولوك بل سوّوك بخلقك فمن
ثم لم يعرفوك واتخذوا بعض آياتك
ربًا فبذلك وصفوك فتعاليت يا الٰهی
عما به المشبهون نعتوك

اے معبود! تیری قدرت ... ظاہر ہے، مگر اس کی شکل و صورت
نظر نہیں آتی۔ اس لیے لوگ تجھ سے ناواقف ہیں اور (اس لیے) انھوں
نے تیری حقیقت کے خلاف تیرا اندازہ لگایا (اور) انھوں نے تجھے (اپنے
محسوسات سے) تشبیہ دے دی (الٰہی) میں ان لوگوں سے الگ ہوں
جو تجھے تشبیہ سے پکارتے ہیں۔ تیری مثل تو کوئی ہے ہی نہیں (جس
سے تشبیہ دی جا سکے) اے میرے مالک! ان لوگوں نے تیرا ادراک
نہیں کیا۔ اگر وہ پہچاننا چاہتے تو تیری نعمت کی دلیل ظاہر تھی۔ پروردگارا!
اگر وہ تجھے لینا چاہتے تو تیری مخلوق میں وسعت ہے (جس سے تیری
معرفت ہو سکتی تھی) لیکن انھوں نے تجھے مخلوق کے برابر سمجھا اس لیے
وہ تجھے نہ پہچان سکے اور انھوں نے تیری بعض نشانیوں کو لے لیا اور
اسی سے تجھے متصف کرنے لگے۔ اے میرے معبود! تو ان چیزوں سے
بالاتر ہے جن سے تشبیہ دینے والوں نے تجھے متصف کیا ہے۔

جس وقت امام زین العابدین بارگاہ احدیت میں رو رو کر یہ دعا کر رہے تھے اور آپ کا جسم مبارک خوف الٰہی سے تھر تھر کانپ رہا تھا اس وقت وہ سب لوگ بھی جنھوں نے خدائے تعالیٰ کو محسوسات سے تشبیہ دی تھی، آپ کے کلمات کو بغور سن رہے تھے اور آپ کے دل کی پکار لمحہ بہ لمحہ اُن کے دلوں میں اتر رہی تھی۔ جب امام دعا سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ کی خدمت میں اپنے جرم کا اعتراف کیا اور ہدایت سے مستفیض ہوئے۔

اصمعی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں رات کے وقت خانہ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ ایک خوبصورت نوجوان کو دیکھا، جس کی بکھری ہوئی زلفیں اس کے شانوں پر لہرا رہی تھیں اور خانہ کعبہ کا پردہ تھامے ہوئے دعا کر رہا تھا۔

الٰہی نامت العيون وعلت النجوم و
انت الملك الحی القيوم غلقت الملوك
ابوابها واقامت عليها حرّاسها و
بابك مفتوح للسائلين جئتك لتنظر
الیّ برحمتك يا ارحم الراحمين۔

خداوندا! آنکھیں سو رہی ہیں اور ستارے آسمان کی بلندی پر چڑھ آئے
ہیں اور تو بادشاہ حی و قیوم ہے۔ سلاطین (دنیا) نے اپنے دروازے
بند کر لیے ہیں اور ان پر پہرے بٹھا دیے ہیں مگر تیرا دروازہ سوال
کرنے والوں کے لیے کھلا ہوا ہے۔ میں تیری بارگاہ میں حاضر ہوں
تاکہ تو مجھ پر اپنی نگاہ رحمت ڈالے۔ اے سب رحم کرنے والوں سے
زیادہ رحم کرنے والے۔

اس کے بعد اس نوجوان نے چند (چار) دردناک اشعار پڑھے جو اصمعی کے حوالہ سے علی بن الحسین کے کلام منظوم میں درج کیے جا چکے ہیں۔ اس کا بیان ہے کہ ان اشعار نے میرا دل پگھلا دیا۔ میں بے چین ہو کر آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ وہ امام زین العابدین تھے۔

طاؤس فقیہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ علی بن الحسین کو دیکھا کہ حرم میں عشاء کے وقت سے لے کر صبح تک مشغول طواف و عبادت رہے اور جب ستارے ڈھلنے لگے تو گوشۂ چشم آسمان کی طرف اٹھا کر آپ نے یہ دعا کی :-

الٰہی غارت نجوم سمٰواتك وهجعت عیون انامك وابوابك مفتحات للسائلین جئتك لتغفر لی وترحمنی وتریني وجه جدي محمد صلی الله علیه وآله فی عرصات القیامة

اے میرے معبود! تیرے آسمانوں کے ستارے ڈھل رہے ہیں اور تیری مخلوق کی آنکھیں سوئی ہوئی ہیں لیکن تیرے دروازے (بہ دستور) سائلوں کے لیے کھلے ہوئے ہیں میں تیرے پاس آیا ہوں تاکہ تو مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرمائے اور میدان قیامت میں مجھے میرے نانا محمد مصطفےٰ کے روئے انور کی زیارت کرائے۔

طاؤس فقیہ کا بیان ہے کہ یہاں تک پہنچنے کے بعد علی بن الحسین رونے لگے اور کہا :

وعزتك وجلالك ما اردت بمعصیتی مخالفتك وما عصیتك اذ عصیتك وانا بك شاك ولا بنكالك جاهل ولا بعقوبتك متعرض ولكن سوّلت لی نفسی واعانني علی ذلك ستركالمرخى به علیّ فانا الآن من عذابك من یستنقذنی وبحبل من اعتصم ان قطعت حبلك عنی فوا سوأتاه غدًا من الوقوف بین یدیك اذا قیل للمخفین جوزوا وللمثقلین حطوا امع المخفین اجوزام مع المثقلین احط ویلی كلما طال عمری كثرت خطایای ولم اتب اما ان لی استحیی من ربی۔

میں تیری عزت و جلال کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے تیری مخالفت کے خیال سے تیری نافرمانی نہیں کی اور نہ تیری نافرمانی کرتے وقت مجھے تجھ سے کوئی شکایت تھی اور نہ تیرے عذاب سے ناواقف تھا اور نہ تیری سزا سے تعرض مقصود تھا لیکن مجھے میرے نفس نے دھوکا دیا اور اس پر تیری پردہ پوشی نے جو ڈھیل دے رکھی تھی اس نے مجھے ابھارا پس اب مجھے تیرے عذاب سے کون چھڑائے گا اور جب کہ تیرا سہارا منقطع ہوگا تو میں کس کا سہارا ڈھونڈوں گا۔ ہائے افسوس! فردائے قیامت میں کیونکر تیرے سامنے کھڑا ہوں گا جبکہ گناہوں کے بار سے ہلکے لوگوں سے کہا جائے گا کہ گزر جاؤ اور لدے ہوؤں سے کہا جائے گا کہ ٹھہرو۔ آیا (اس وقت) میں ہلکے پھلکوں کے ساتھ گزر جاؤں گا یا لدے ہوؤں کے ساتھ رہ جاؤں گا۔ وائے ہو میرے اوپر۔ جوں جوں میری عمر بڑھتی ہے میرے گناہ زیادہ ہوتے ہیں اور میں توبہ نہیں کرتا۔ کیا میرے لیے وقت نہیں آیا کہ اپنے پروردگار سے حیا کروں۔

طاؤس فقیہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد علی بن الحسین نے [1] دو شعر پڑھے جو طاؤس فقیہ کے حوالہ سے علی بن الحسین کے کلام منظوم میں درج کیے جا چکے ہیں۔

---

[1] اتحرقنی بالنار یاغایة المنی الخ

پھر آپ رونے لگے اور کہا:

سبحانک تعصٰی کانک لا تری وتحلم
کانک لم تعص تتودد الی خلقک
بحسن الصنیع کان بک الحاجۃ الیھم
وانت سیدی الغنی منھم

پاک ہے تو۔ تیری نافرمانی کی جاتی ہے جیسے کہ تو نہیں دیکھتا اور تو بردباری کرتا ہے گویا کہ تیری نافرمانی نہیں کی گئی۔ تو حسنِ سلوک کی بناء پر اپنے بندوں سے ایسی محبت کرتا ہے جیسے تو ان کا محتاج ہے۔ حالانکہ اے میرے مالک تو ان سے بالکل بے نیاز ہے۔

اس کے بعد علی بن الحسین سجدہ کے لیے زمین پر جھک گئے۔ طاؤس فقیہ کہتے ہیں کہ جب آپ نے دیر تک سر نہ اٹھایا تو میں قریب آیا۔ اور دیکھا کہ آپ بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔ اس وقت میں بیٹھ گیا اور سر مبارک اٹھا کر اپنے زانو پر رکھ لیا اور رونے لگا جب میرے آنسوؤں کے چند قطرے رُخ مبارک پر گرے تو آپ نے غش سے آنکھیں کھول دیں اور فرمایا کون ہے کون ہے جس نے میرے عنوان عبادت میں دخل دیا؟ عرض کی میں آپ کا خادم طاؤس ہوں۔ یا ابن رسُولُ اللہ! آپ حساب وکتاب کے خوف سے اس قدر مضطرب کیوں ہیں؟ ایسا جزع فزع کرنا تو ہم خطاکاروں کے لیے زیبا ہے۔ آپ کے پدر بزرگوار حسین بن علی آپ کے دادا علی بن ابی طالب۔ آپ کی دادی فاطمۃ الزہرا اور آپ کے نانا خود رسالتمآب ہیں۔ یہ سُن کر حضرت نے میری جانب دیکھا اور فرمایا افسوس! افسوس! اے طاؤس! ماں باپ اور نانا کا ذکر چھوڑو اللہ تعالےٰ نے جنت اپنے عبادت گزاروں اور اطاعت شعاروں کے لیے بنائی ہے۔ چاہے وہ غلام سیاہ ہی کیوں نہ ہو اور جہنم نافرمانوں کے واسطے خلق کیا ہے۔ خواہ وہ قریشی اور ہاشمی ہی کیوں نہ ہوں۔ کیا تم نے حق سبحانہٗ تعالےٰ کا یہ قول نہیں سنا:۔

فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینھم
یومئذ ولا یتسائلون۔

جس وقت صور پھونکا جائے گا تو ان (بندوں) کے درمیان کوئی نسب باقی نہیں رہے گا اور نہ اس کے متعلق پوچھ گچھ ہو گی۔

پھر فرمایا۔ طاؤس! یاد رکھو! خدا کی قسم اس روز سوائے عمل صالح کے کوئی بات مجھے نفع نہیں پہنچا سکتی۔

حماد بن حبیب کوفی کا بیان ہے کہ اس کے بعد آنحضرت نے از سرِ نو وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اس وقت یہ کلمات آپ کی زبان پر جاری تھے:۔

"اے معبود! تو اپنی قوت وجبروت سے ہر چیز پر غالب اور ہر بات پر قادر ہے۔ تو میرے ذل کو اپنی جانب متوجہ ہونے کی خوشی عطا فرما اور اپنے اطاعت گزاروں کی صف میں مجھے بھی شامل کر دے۔"

اس کے بعد شب بھر دعا و نماز میں مشغول رہے۔ جب سپیدہ سحری نمودار ہونے لگا تو وہاں سے اٹھے اور یہ دعا پڑھتے ہوئے حرم کعبہ سے تشریف لے گئے:۔

یا من قصدہ الضالون فاصابوہ مرشداً
وامہ الخائفون فوجدوہ متفضلا ولجا الیہ
العابدون فوجدوہ موئلا متی راحۃ من

اے وہ ذات جس کا گمراہوں نے ارادہ کیا تو اس کو رہنما پایا اور ڈرے ہوؤں نے اس کا قصد کیا تو اسے مہربان پایا اور عبادت گزار اُس کی پناہ میں آئے تو اُسے اپنے لیے

نصب نغیرك بدنه ومتی فرح من قصد سوك بنيته الهی قد تقشع الظلام ولم اقض من حیاض مناجات صدراً صل علی محمد وآله وافعل بی اولی الامرين بك يا ارحم الراحمين۔

جائے پناہ محسوس کیا جس نے تیرے غیر کے لیے اپنے جسم کو تکلیف دی اُسے کب راحت مل سکتی ہے اور جو تیرے علاوہ کسی اور کی نیت رکھتا ہو اسے خوشی کب نصیب ہو سکتی ہے۔ پروردگارا! صبح کی روشنی نمودار ہو گئی اور مَیں تیری مناجات کے حوضوں سے سیراب نہیں ہُوا۔ تو محمدؐ و آلِ محمدؐ پر رحمت نازل کر اور میرے لیے دو کاموں (رحمت و عذاب) میں سے وہ کر جو تیرے شایانِ شان ہو۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

مذکورہ بالا سطور میں امام زین العابدین کی دعاؤں اور مناجاتوں کے جو ٹکڑے نقل کیے گئے، یہ سب صحیفۂ کاملہ کی طولانی دعاؤں کے علاوہ ہیں۔ جو آپ کی زبان پر صبح وشام جاری ہوتی رہتی تھیں اور کتب تواریخ و سیر میں جا بجا منتشر صورت میں اب تک موجود ہیں۔ باوجودیکہ ان کے تحفظ کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی۔

# بذل وسخا

بذل وسخا تو خاندانِ نبوّت کا حصّہ تھا۔ ان کا ابرِ کرم نہ صرف اپنوں پر برستا تھا بلکہ غیروں کو بھی محروم نہ چھوڑتا تھا۔ انتہا یہ ہے کہ جانی دشمنوں تک کو اس چوکھٹ سے بھیک ملتی تھی اور بقول فرزدق ہند حضرت تسیم مرحوم امروہوی اس پورے گھرانے کا یہ حال تھا۔

جو کچھ خدا سے ملا۔ دے دیا فقیروں کو   خدا کے ہاتھ کی مٹھی کبھی بھری نہ رہی

اگرچہ یہ شعر "یداللہ" یعنی علی بن ابی طالب کی شان میں کہا گیا ہے مگر سیّد سجادؑ کی زندگی پر بھی حرف بحرف صادق آتا ہے۔ آپ جو کچھ باغ اور کھیتی سے کماتے یا وجوہ خمس وغیرہ سے حاصل ہوتا، اس کا بیشتر حصّہ فقراء و مساکین پر صرف کر دیتے۔ یہ عطیات ان صدقات کے علاوہ تھے جو آپ کی خدمت میں مومنین مخلصین، غرباء و مستحقین کو تقسیم کرنے کے لیے پیش کرتے رہتے تھے۔

حلیۃ الاولیاء میں حافظ ابونعیم نے بیان کیا ہے کہ امام محمد باقرؑ نے فرمایا۔ ہمارے پدر بزرگوار علی بن الحسین سال میں دو مرتبہ اپنے اثاث البیت کو دو حصوں میں تقسیم کرتے تھے۔ جس میں سے آدھا اپنے اور اہل و عیال کے لیے رکھ لیتے اور باقی فقراء و مساکین کو عطا فرما دیتے۔

یہی ابونعیم آگے چل کر لکھتے ہیں کہ جب آپ سائل کو کچھ دیتے تو فوراً اُس شئے کو واپس لے کر اُسے بوسہ دیتے اور پھر سائل کے حوالے فرما دیتے۔ ایک شخص نے اس کا سبب دریافت کیا تو فرمایا۔ کہ یہ چیز مَیں نے خدائے تعالےٰ کے نام پر سائل کی نذر کی ہے۔ اب جب کہ یہ چیز سائل کے پاس پہنچنے کے بعد خدائے تعالےٰ کی طرف منسوب ہو گئی تو ضروری ہے کہ اس کا احترام کیا جائے۔ چاہے وہ ایک نانِ خشک ہی کیوں نہ ہو۔

معمول تھا کہ موسم سرما بسر ہوتا تو سردی کے کپڑے راہِ خدا میں دے ڈالتے۔ گرمی ختم ہوتی تو گرمی کا لباس خیرات فرما دیتے بعض اوقات راستے میں اہل احتیاج گوشت یا پکڑ لیتے تو آپ قبا ان کے پاس چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے۔ کھانا کھانے بیٹھتے تو اول اپنی خوراک کے بقدر کھانا راہِ خدا میں دیتے اس کے بعد خود تناول فرماتے۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار مدینہ منورہ میں تقریباً سو خاندانوں کے نان و نفقہ کے کفیل تھے۔ آپ اس بات کو پسند کرتے تھے کہ نابینا اور مجبور اور اُن مساکین کو کھانا کھلایا جائے جو کسب معاش سے قاصر ہوں چنانچہ روزانہ ایسے لوگوں کو طلب فرماتے۔ خود دست مبارک سے ان کے سامنے کھانا چنتے اور بڑی خاطر تواضع کے ساتھ کھلاتے۔ عیال داروں سے فرماتے کہ اپنے گھروں کو بھی ضرورت کے بقدر کھانا لے جائیں۔ اس کے بعد خود نوش فرماتے۔

سفیان کا بیان ہے کہ علی بن الحسین ایک دفعہ حج کو جا رہے تھے۔ آپ کی ہمشیرہ فاطمہ بنت الحسین نے ایک ہزار درہم زادِ راہ کے لیے ایک تھیلی میں بھیج دیا۔ پشت حرّہ پر منزل تھی جو مدینہ سے باہر نکلتے ہی واقع ہے۔ وہ ہدیہ وہاں آپ کو ملا۔ آپ نے وہیں فقراء و مساکین کو تقسیم کر دیا۔

ابو عبداللہ داعشانی کا بیان ہے کہ علی بن الحسین بادام اور شکر بہت تصدق فرماتے تھے۔ اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ مجھے ان دونوں چیزوں کا شوق ہے اور حق تعالےٰ فرماتا ہے لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون یعنی تم ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے جب تک کہ ان چیزوں کو خیرات میں نہ دو جنھیں تم دوست رکھتے ہو۔

ایک دفعہ فصل ختم ہونے کے بعد انگور مدینے میں کہیں سے بکنے کے لیے آ گئے۔ چونکہ آپ کو پھلوں میں انگور سے بہت رغبت تھی، اس لیے آپ کی ام ولد کنیز نے ان کا ایک خوشہ خرید لیا اور شام کی افطاری میں پیش کیا۔ آپ اسے دیکھ کر خوش ہوئے۔ ابھی نوش فرمانے نہیں پائے تھے کہ ایک سائل نے دروازہ پر صدا لگائی۔ آپ نے کنیز سے کہا یہ اس کو دے دو۔ عرض کی۔ حضور چند دانے اپنے لیے بھی رکھ لیں۔ فرمایا لا واللہ اور تمام دانے سائل کو بھجوا دیے۔ ام ولد نے پھر اگلے روز انگور منگوائے اور افطار کے وقت حاضر کیے۔ اتفاقاً ایک اور سائل نے دروازے پر آ کر کھانا طلب کیا۔ امام نے انگور کے کل دانے اسے بھجوا دیے۔ تیسرے دن پھر ایسا ہی ہوا اور آج بھی امام انگور نوش نہ کر سکے۔ ام ولد نے انگوروں کی قیمت بھیج کر وہ خوشہ پھر سائل سے خرید لیا اور اس وقت امام کو نوش جاں فرمانے کا موقع ملا۔

مورخین میں عام طور پر مشہور ہے کہ آپ روزانہ شب کی تاریکی میں روٹیوں سے بھری ہوئی بوری پشت پر لاد کر گھر سے نکلتے، محتاجوں اور مسکینوں کے دروازے پر جاتے۔ دروازہ کھٹکھٹاتے اور جب صاحب خانہ دروازہ کھولتا تو چادر میں منہ چھپا کر ہاتھ بڑھا کر چند روٹیاں اُس کے حوالے کر دیتے اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھ جاتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ خفیہ خیرات غضب الہٰی کو ٹھنڈا کرتی ہے۔

طبری لکھتے ہیں کہ جب رات ہوتی اور مخلوقِ خدا کی آنکھیں نیند کے غلبہ سے بند ہو جاتیں، تو آپ مصلے سے اٹھتے اور جو کچھ گھر میں اہل و عیال کے خرچ سے بچا ہوا رکھا ہوتا، اُسے ایک تھیلے میں رکھ کر پشت پر لادتے اور فقراء و مساکین کے گھروں پر تشریف لے جاتے اور نقاب رُخِ مبارک پر ڈالے ہوئے اسے تقسیم فرماتے۔ اکثر اوقات لوگ دروازوں پر کھڑے ہوتے اور دُور ہی سے آپ کو آتے دیکھ کر خوش ہو جاتے اور کہتے وہ آیا روٹیاں تقسیم کرنے والا۔

احمد بن حنبل نے معمر سے۔ انھوں نے شیبہ بن نعامہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت زین العابدین اس طریقہ پر مدینہ کے ایک سو گھرانوں کے لیے اناج مہیا فرماتے تھے جن میں سے ہر ایک گھرانے میں کئی کئی اشخاص ہوتے تھے۔

حافظ ابونعیم نے حلیتہ الاولیاء میں ابن عائشہ کے حوالہ سے درج کیا ہے کہ اہلِ مدینہ کا بیان تھا کہ ہم سے خفیہ خیرات اس وقت تک بند نہ ہوئی جب تک کہ علی بن الحسین نے دنیا سے رحلت نہ فرمائی۔

ایک اور روایت کے مطابق جب آپ کے پاس کہیں سے کوئی رقم آجاتی تھی تو درہم و دینار کی تھیلیاں پشت پر رکھتے اور اندھیری راتوں میں ضرورت مندوں کے دروازوں پر جا کر تقسیم فرماتے تھے۔ آپ کے انتقال پر جب یہ عطیات بند ہو گئے تو لوگوں کو پتہ چلا کہ علی بن الحسین ان کے ساتھ یہ سلوک کیا کرتے تھے۔

محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ مدینہ میں لاتعداد گھر تھے جن کی روزی ان کو غیب سے پہنچتی تھی اور یہ معلوم نہ تھا کہ کون دے جاتا ہے۔ امام زین العابدین نے وفات پائی اور وہ رزق دفعتہً بند ہو گیا تو سب کے سب چیخ اٹھے۔

سفیان بن عینیہ نے زہری سے روایت کی ہے کہ سردی کی ایک رات میں جبکہ بارش ہو رہی تھی، میں نے زین العابدین کو دیکھا کہ پشت مبارک پر آرد و سوختہ لیے جا رہے ہیں۔ عرض کیا یا ابن رسول اللہ! آپ اس وقت کہاں جا رہے ہیں؟ فرمایا۔ سفر[1] کا ارادہ ہے، اس کے لیے زادِ راہ ایک محفوظ مقام میں جمع کر رہا ہوں۔ عرض کی یہ میرا غلام جو ساتھ ہے، یہ بوجھ اٹھائے گا۔ آپ نے انکار فرمایا۔ میں نے عرض کی یہ خدمت میں خود انجام دینے کے لیے حاضر ہوں۔ فرمایا۔ مجھے ان اشیاء کے اٹھانے میں کوئی عار نہیں جو سفر میں کام آئیں اور توشہ راہ ہوں۔ اے زہری! تجھے خدا کی قسم ہے اس معاملہ میں اصرار نہ کرو اور جہاں جانا چاہتے ہو چلے جاؤ۔ میرے کام میں دخل انداز نہ ہو۔ زہری کا بیان ہے کہ میں یہ سن کر چلا گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب امام سے ملاقات ہوئی۔ عرض کیا۔ یا ابن رسول اللہ! جس سفر کا حضرت ذکر فرماتے تھے، میں اس کے کچھ آثار نہیں پاتا۔ فرمایا۔ زہری اس معاملہ کو چھوڑ دو اور اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہ کرو۔ میرے اس سفر کا وقت ابھی دور ہے۔

زہری اور عمرو بن ثابت کا بیان ہے کہ جب وفات کے بعد آنحضرت کو غسل میت کے لیے تختہ پر اتارا گیا تو پشت مبارک پر کچھ نشان دکھائی دیے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ آپ ضعیف و نادار ہمسایوں کے لیے رات کو اناج۔ سوختہ اور مشکیں وغیرہ لے جایا کرتے تھے۔ یہ اس کے گھٹے پڑے ہوئے ہیں۔

عمرو بن دینار کا بیان ہے کہ میں زید بن اسامہ کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود تھا۔ حضرت علی بن الحسین بھی تشریف رکھتے تھے۔ یکایک زید رونے لگے۔ امام نے پوچھا۔ کیوں روتے ہو۔ عرض کی۔ پندرہ ہزار دینار کا قرضہ سر پہ لیے جاتا ہوں۔ کوئی شے ایسی موجود نہیں جس سے اس قرضہ کی ادائگی ہو سکے۔ امام نے فرمایا۔ روتے کیوں ہو۔ میں تمھارا قرضہ ادا کروں گا۔ تم بری الذمہ ہو۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ جب زید نے رحلت فرمائی تو حضرت نے اپنے وعدے کے مطابق ان کا قرضہ ادا کر دیا۔

---

[1] سفرِ آخرت مراد ہے۔

عیسٰی بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب میرے باپ کا وقت احتضار آیا تو ان کے قرض خواہ جمع ہوئے اور اپنا اپنا قرضہ طلب کرنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ میرا ہاتھ بالکل خالی ہے۔ ایسی صورت میں قرضہ کہاں سے ادا کر سکتا ہوں۔ البتہ میرے کفیل دو چچا زاد بھائی علی بن الحسین اور عبداللہ بن جعفر ہیں۔ ان میں سے جس کے بیلئے تم رضامند ہو اسے ضمانت میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے کہا۔ عبداللہ تو مالدار ہیں مگر ٹال مٹول کرنے کے عادی ہیں۔ علی بن الحسین کے پاس مال نہیں۔ مگر یہ یقین ہے کہ جو کہہ دیں گے اسے پورا کریں گے۔ عیسٰی نے یہ سن کر حضرت کو بلوایا اور حال بیان کیا۔ آپ نے فرمایا میں تمھارے قرضوں کا ضامن ہوگیا۔ غلہ کی فصل آنے تک ادا کر دوں گا۔ چنانچہ غلہ کے دن آئے تو حق تعالےٰ نے غیب سے سامان کر دیا اور امام ان کے قرضہ کی ضمانت سے عہدہ برآ ہو گئے۔

آپ کے ایک چچیرے بھائی تھے جو اپنی فضول خرچی کے باعث ہمیشہ محتاج اور تنگدست رہتے تھے۔ حضرت انھیں اسراف سے منع فرماتے لیکن وہ باز نہ آتے۔ تاہم جب فاقہ کی نوبت آجاتی تو آپ رات کی تاریکی میں ان کے پاس جاتے اور امداد کرتے۔ انھیں معلوم نہ تھا کہ یہ کون شخص ہے۔ اور کیوں امداد کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ حضرت سے کہا کرتے تھے کہ ایک تم ہو کہ نہ جان نہ پہچان مگر ہمیشہ میری مدد کرتے ہو اور ایک علی بن الحسین ہیں جو اس رشتہ داری اور قرابت کے باوجود کبھی سوائے وعظ و نصیحت کے میری خبر گیری نہیں کرتے۔ خدا انھیں اس قطع رحم کا بُرا بدلہ دے۔ حضرت یہ کلمات سُن کر خاموش ہو جاتے ۔۔۔ جب آپ کی وفات واقع ہوئی اور خفیہ خیرات کا سلسلہ بند ہو گیا تب انھیں معلوم ہُوا کہ امداد کرنے والا سوائے علی بن الحسین کے اور کوئی نہ تھا۔

# دُشمنوں کے ساتھ حُسنِ سلوک

اہل بیت طاہرین کی خصوصیت تھی کہ اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور جہاں تک ہو سکتا تھا محض انسانیت کے رشتہ کی بنا پر ان کی امداد فرماتے تھے۔ حضرت علی کے متعلق مشہور ہے کہ عبدالرحمٰن بن ملجم کی زہر میں بجھی ہوئی تلوار سے عین سجدہ میں مجروح ہونے کے بعد، اس وقت تک دودھ نوش نہیں فرمایا جب تک قاتل نے، جو اس وقت حراست میں تھا اور آپ کی حکومت کا مہمان تھا، نہ پی لیا۔ امام حسینؑ کربلا میں جن لوگوں کے ہاتھوں مصائب میں مبتلا ہوئے تھے اور جن کی تلوار ں سے آپ کے کلیجے کے ٹکڑوں کا خون بہایا تھا، ان کے لیے بار بار یہ دعا فرماتے تھے کہ پروردگارا! یہ اب بھی راہ راست پر آجائیں تو میں ان کی تمام خطائیں بخش دوں گا ۔۔۔ حضرت علی بن الحسین، محمدؐ کے گھرانے کی اس خصوصیت کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

حصین بن نمیر جو کہ آپ کے جوان بھائی حضرت علی اکبر کا قاتل تھا، ایک دفعہ جب اس نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا اور پھر عبداللہ بن زبیر سے صلح کرنے کے بعد واپس ہونے لگا تو راستے میں اس کے اونٹ کو چارے کی ضرورت پڑی۔ آپ بھی اتفاق سے گزر رہے تھے اور اونٹ پر اس کی خوراک کا چارہ لدا ہوا تھا۔ لیکن جب حصین بن نمیر نے آپ سے چارہ طلب کیا تو بغیر کسی قیمت کے آپ نے چارے کی گٹھڑی اس کے حوالے کر دی۔

تاریخ طبری میں واقدی کا بیان درج ہے جو انھوں نے عبداللہ بن محمد بن عمر بن علی بن ابی طالب کے حوالہ سے سنایا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ مدینہ کا

حاکم ہشام بن اسمٰعیل ہمیشہ آپ کے درپے آزار رہتا تھا اور آپ کی اہانت و تذلیل میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتا تھا۔ لوگوں کو بھڑکاتا کہ وہ علی بن الحسین کو بدنام کریں اور ان کے متعلق جھوٹی خبریں گڑھ کر لائیں۔ تاکہ اسے حضرت کو آزار دینے کا بہانہ مل جائے۔ امام یہ سب حسرتیں دیکھتے تھے اور خاموش تھے۔ اتفاق سے اہل مدینہ کی متواتر شکایات پر خلیفہ وقت نے ہشام بن اسمٰعیل کو مدینہ کی حکومت سے معزول کر دیا اور اور اسے حکم دیا کہ وہ مدینہ کے اشراف کے سامنے کھڑا ہو کر اپنی بد اعمالیوں کی جواب دہی کرے۔ ہشام ڈرتا تھا کہ امام زین العابدین اس موقع پر سخت محاسبہ کریں گے۔ لیکن حضرت نے اس سے کچھ تعرض نہ کیا اور فرمایا:

"تو نے بیت المال کا جو روپیہ خرد برد کیا ہے۔ فی الحال اتنا روپیہ میرے پاس ہے۔ اُسے لے لے اور اپنی طرف سے بیت المال میں جمع کر دے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ آئندہ تو بندگانِ خدا کو ستانا ترک کر دے۔"

ہشام حضرت کے اس اچھے برتاؤ اور اس جود و کرم کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور پکار اُٹھا:

"درحقیقت اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں قرار دے۔"

تاریخ ابو الفداء اور صواعق محرقہ میں درج ہے کہ جب ۶۳ھ میں اہل مدینہ نے یزید کے خلاف بغاوت کی تو مدینہ میں جو بنی امیہ موجود تھے، بہت گھبرائے۔ انھیں اپنی جانوں کا سخت خطرہ لاحق ہو گیا۔ بنی امیہ کا سردار مروان بن حکم جو اہل بیت رسول کے گھرانے کا جانی دشمن تھا اور ہمیشہ آلِ رسول کی بربادی میں کوشاں رہتا تھا، سخت پریشانی اور دہشت کے عالم میں امام زین العابدین کے پاس آیا اور کہنے لگا۔" اے ابو محمد! مجھے اہل مدینہ سے اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی کا سخت اندیشہ ہے۔ میں آپ کے پاس پناہ مانگنے کے لیے آیا ہوں"۔ یہ وہی بنی امیہ تھے جو ابھی دو سال قبل فاطمہ زہرا و علی مرتضیٰ کے باغ کو اجاڑ چکے تھے۔ لیکن جب ان پر بُرا وقت آ پڑا تو رحمت عالم کا چشم و چراغ رحمت بن کر آگے بڑھا۔ حضرت نے مروان بن حکم اور اس کے تمام عزیزوں کو اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا۔ اس کی بیوی عائشہ کو اپنے اہل حرم کے ساتھ رکھا اور بنی امیہ کی چار سو عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی اس وقت تک نگہبانی اور سرپرستی فرمائی جب تک کہ وہ حفاظت کے ساتھ مدینہ سے نکل نہ گئے۔

## حلم و درگزر

روضۃ الصفا میں درج ہے کہ ہشام بن مخزومی، اپنے امارت مدینہ کے عہد میں علی بن الحسین کے ساتھ بہت بُری طرح پیش آتا تھا۔ یہ خبریں ولید بن عبدالملک کے گوش گزار ہوئیں تو اس نے عمر بن عبدالعزیز حاکم مدینہ کو لکھا کہ ہشام کو سخت سزا دی جائے۔ عمر نے اس مسئلہ میں خود امام زین العابدین سے مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا:

اسے جو ایذائیں مجھ کو پہنچانا تھیں، پہنچا چکا اور اب وہ راحت سے نہیں بدل سکتیں۔ میں نہیں چاہتا کہ خود انسان ہوتے ہوئے ایک بندۂ خدا کو اس اذیت میں مبتلا کروں جس کے جھیلنے میں میرا نفس تڑپ تڑپ جاتا تھا۔"

ہشام نے جب یہ ذکر سُنا تو شرما کر بولا۔

"اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اپنی نیابت کسے تفویض کرنا چاہیے۔"

ابن فیاض کا بیان ہے کہ ایک شخص نے آپ کو رودررو بُرا کہا۔ دُشنام تک سے دریغ نہ کیا اور بڑبڑاتا ہوا چلا گیا۔ امام زین العابدین نے اپنے رُفقاء سے کہا۔ تم نے دیکھا یہ شخص کس طرح میرے گھر پر میرے ساتھ پیش آیا ہے۔ چلو اب ہم بھی اس کے گھر پر جا کر اسے اس کا جواب دیں گے۔ دوستوں نے کہا حضور ہم تو آپ کے ادب سے خاموش ہو کر رہ گئے۔ ورنہ ایسی سزا دیتے کہ یاد رکھتا۔ آپ نے فرمایا۔ فکر نہ کرو۔ ہم اب بھی اُسے اس کی زبان درازی کا ایسا بدلہ دے سکتے ہیں جسے وہ عُمر بھر نہیں بُھلا سکتا۔ یہ فرما کر آپ اُٹھے اور احباب کے ساتھ اُس کے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں آیۂ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کی تلاوت فرماتے جاتے تھے۔ ابن فیاض کا بیان ہے کہ جب حضرت اس کے دروازے پر پہنچے تو کرخت لہجے میں پکار کر کہا:

اندر کیا بیٹھے ہو۔ باہر نکل کر آؤ۔ علی بن الحسین تمہارے دروازے پر کھڑا ہے۔

وہ شخص بیتابانہ گھر سے باہر نکل آیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ علی بن الحسین اپنے دوستوں کو ہمراہ لے کر انتقام کے لیے آئے ہیں۔ حضرت نے اس کے چہرے پر نظر ڈال کر فرمایا:

"تم نے میرے گھر پر مجھے بُرا کہا۔ میں بھی تمہارے گھر پر جواب دینے آیا ہوں۔ سُن رکھو۔ جو کچھ تم نے کہا تھا اگر یہ باتیں درحقیقت مجھ میں ہیں تو خدائے تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمائے اور اگر مجھ میں نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ تمہیں توبہ و استغفار کی توفیق دے۔"

ابن فیاض کہتے ہیں کہ امام کے یہ الفاظ سُنتے ہی اس شخص کی آنکھوں کے ساغر چھلک پڑے اور دوڑ کر آپ کے قدموں سے لپٹ گیا اور کہنے لگا۔ یا ابن رسول اللہ! مجھے معاف کر دیجئے۔

امام نے دونوں بازو پکڑ کر اُسے اُٹھایا اور گلے سے لگا کر فرمانے لگے۔ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو کیونکہ وہی سب کی خطائیں معاف کرنے کا اہل ہے۔

المناقب (مصنفہ خوارزمی خواہرزادہ امام طبری) میں درج ہے۔ حضرت ایک دن کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک شخص نے آپ کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا۔ آپ کے غلام اُس کی طرف جھپٹے۔ حضرت نے انھیں روک دیا اور فرمایا۔ اس سے تعرض نہ کرو۔ اس نے جو کچھ کہا درست ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ یہ صاحب احتیاج ہے۔ ہمارا فرض تھا کہ اس کی احتیاج کو رفع کریں، جسے ہم نے پورا نہیں کیا۔ اِسے سب کچھ کہنے کا حق ہے۔ وہ شخص شرم کے مارے زمین میں گڑ گیا۔ آپ نے اپنی قبا اُتار کر اُس شخص کے گلے میں ڈال دی اور ایک ہزار درہم عنایت کیے جو اس وقت آپ کے پاس موجود تھے۔

طبری لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی شخص نے آپ کو منہ پر بُرا کہنا شروع کیا۔ آپ منہ پھیر کر دوسری طرف متوجہ ہو گئے۔ اس شخص نے کہا۔ حضرت! میں آپ کو کہہ رہا ہوں۔ فرمایا۔ جناب! میں نے بھی آپ ہی کی طرف سے منہ پھیر لیا ہے کیونکہ اہل علم، جاہلانہ باتوں کا جواب نہیں دیا کرتے۔

آپ فرمایا کرتے تھے۔ مجھے وہ غصّہ بہت ہی محبوب ہے جس پر میرا صبر و تحمّل غالب آجائے اور غصّہ دلانے والے کو میں معاف کر دوں۔

# غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ حُسنِ سلوک

اسلام میں غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی بے حد تاکید کی گئی ہے اور بار بار اس کا حکم دیا گیا ہے۔ امام زین العابدین جو اسلام کی عملی زندگی کا بے مثال نمونہ تھے غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ اس قدر شفقت فرماتے تھے کہ وہ آپ کے غصّہ سے نڈر ہو گئے تھے۔ آپ کبھی کسی غلام سے کام نہ لیتے جب تک خود اس کا ہاتھ نہ بٹاتے۔ انھیں اپنے ساتھ رکھتے۔ پاس بٹھاتے۔ دسترخوان پر ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے۔ جب ماہ رمضان المبارک ختم ہوتا تو انھیں بُلاتے اور ان میں سے ہر ایک کی نافرمانیاں گناتے۔ جب وہ اقرار کر لیتے تو کہتے۔ تم اپنے کو میرا محکوم سمجھتے ہو میں نے تمھیں معاف کیا۔ میرا بھی ایک آقا اور مولا ہے۔ دعا کرو کہ وہ بھی مجھے معاف کر دے۔ اس کے بعد سارے غلاموں کو انعام و اکرام دے کر آزاد کر دیتے — دراصل آپ انھیں خریدتے ہی اس غرض سے تھے کہ چند روز اسلامی عقائد کی تعلیم و تلقین کے بعد انھیں قیدِ غلامی سے نجات دلا دیں۔

ایک دفعہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے۔ غلام شوربے کا دیگچہ تنور سے نکالنے چلا۔ جلد بازی اور گھبراہٹ میں وہ دیگچہ ایک بچے کے سر پر اُلٹ گیا۔ غلام مارے ڈر کے تھر تھر کانپنے لگا۔ حضرت نے فرمایا۔ ڈرو نہیں۔ تم نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہے۔ تم خواہ مخواہ گھبرا رہے ہو۔

ایک بار حضرت نے کسی غلام کو آواز دی۔ وہ چپ رہا۔ پھر آواز دی۔ پھر نہ بولا۔ تیسری مرتبہ پکارنے پر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ سچ سچ بتاؤ کہ دو مرتبہ بلانے پر کیوں نہیں آئے۔ عرض کی۔ اے ابو محمد! آپ کے حلم نے بے پرواہ بنا دیا ہے۔ حضرت یہ سن کر خدا کا شکر بجالائے کہ لوگوں کو میرے حلم پر بھروسا ہے۔ غصّہ کا احتمال نہیں ہے۔

ایک کنیز کھڑی جسم اطہر پر پانی ڈال رہی تھی۔ یکایک لوٹا ہاتھ سے چھوٹ کر سر اقدس پر گرا۔ پیشانی مبارک پر چوٹ آئی۔ سر اوپر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔ کنیز نظر آگئی۔ بولی۔

الکاظمین الغیظ۔ یعنی وہ لوگ جو غصّہ کو ضبط کرتے ہیں۔

کلام پاک کی آیت کا یہ ٹکڑا سُن کر ارشاد کیا۔ کظمت غیظی۔ یعنی میں غصّہ کو پی گیا۔

اُس نے کہا۔ والعافین عن الناس یعنی وہ لوگ جو آدمیوں کی خطائیں معاف کرتے ہیں۔

فرمایا۔ عفوت عنک۔ یعنی میں نے تجھے معاف کیا۔

کنیز نے آیت کا بقیہ حصّہ پڑھا۔ واللہ یحب المحسنین۔ یعنی اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

فرمایا۔ احسان یہ ہے کہ میں نے تجھے راہِ خدا میں آزاد کیا۔

# صبر و شکر

کربلا کے دردناک واقعات پر صبر۔ اہلِ حرم کی اسیری اور بازاروں میں ان کی تشہیر پر صبر۔ دربارِ خلافت میں خاندانِ رسالت کی تذلیل و تحقیر پر صبر۔ زندانِ شام میں بچوں کی اور اہل و عیال کی بھوک پیاس پر صبر۔ شمر و خولی کے طمانچوں اور تازیانوں پر صبر۔ ابن زیاد اور یزید کی زبانوں کے لگائے ہوئے جراحتوں پر صبر۔ اور پھر رہائی کے بعد مدینہ منورہ میں عمر بھر بنی امیہ کے ہزارہا مظالم پر صبر ——— یہ سب ایسے تاریخی حقائق ہیں جن سے بڑھ کر صبر کے نمونے کل دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی اور ان مختصر اشاروں کے بعد جو کہ نہ صرف عالم اسلامی میں بلکہ ہر قوم و ملت کے تاریخ دانوں میں آپ ہی اپنی مثال سمجھے گئے ہیں، صبر علی ابن الحسین کے واقعات دوہرانا، بالکل ایسا ہے جیسے سورج کی تمازت کا احساس ہوتے ہوئے اس بات کا ثبوت دینا اس وقت آفتاب موجود ہے یا نہیں۔ اس لیے اس موضوع پر مزید روشنی ڈال کر ہم اس مختصر تذکرہ کو طول نہیں دیں گے۔

جہاں تک حضرت کے شکر کا تعلق ہے تو زیرِ نظر صحیفہ کاملہ کی ادعیہ میں اس موضوع کی کئی مستقل اور طولانی دعائیں موجود ہیں۔ اس کے علاوہ علی ابن الحسین کی دوسری دعاؤں میں بھی جا بجا ایسے بے شمار جملے آئے ہیں جو ادائے شکر کے مضامین پر مشتمل ہیں اور انھیں پڑھ کر آپ کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت کا اندازِ شکر، دوسرے شاکرین سے کس قدر مختلف اور انوکھا ہے۔ جس کے لفظ لفظ سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ آپ محض اس لیے شکر ادا نہیں کرتے تھے کہ خدائے تعالیٰ نے کلام پاک میں اس کا حکم دیا ہے بلکہ آپ کو نعمات الٰہی اور اس کے الطاف خفیہ کی پوری پوری معرفت حاصل تھی اور اس معرفت کی بناء پر آپ خدائے تعالیٰ کو اس بات کا مستحق سمجھتے تھے کہ ہر سانس پر اس کا شکر ادا کیا جائے۔ چنانچہ آپ اٹھتے بیٹھتے اس کا شکر ادا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ہر سانس پر دو نعمتوں کا شکر لازم ہے۔ اول یہ کہ سانس لینے میں فضا کی تازہ ہوا جسم کے اندر داخل ہوئی۔ دوسرے یہ کہ وہ ہوا تمام اندرونی اعضا کو ان کی مقررہ غذا پہنچانے کے بعد آسانی کے ساتھ حلق اور ناک سے باہر نکل گئی۔ جناب نوح علیہ السلام کا شکر ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔ بایں ہمہ ایک ایسا موقع بھی آ گیا تھا کہ وہ ہر حال میں شکر الٰہی کا فریضہ ادا کرتے رہنے کے باوجود ایک بار مصائب سے گھبرا کر اپنی امت کے لیے بددعا کر بیٹھے تھے۔ مگر زین العابدین پر نوح سے کہیں زیادہ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے اور زبان سوائے شکر الٰہی کے کبھی شکوے یا دعائے بد سے آشنا نہ ہوئی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا مورخین اسلام نے کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے اور جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ دونوں بزرگوں کے حالات و واقعات اور مصائب دنیا کی تاریخوں میں موجود ہیں جن کو پڑھ کر ہر شخص خود فیصلہ کر سکتا ہے۔

حضرت علی ابن الحسین خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کو کس قدر اہمیت دیتے تھے اور اس مسئلہ میں آپ کے کیا نظریات تھے، اس کے اظہار کے لیے آپ کی زندگی کا صرف ایک واقعہ اس مقام پر درج کیا جاتا ہے۔ سفیان بن عیینہ نے زہری سے نقل کیا ہے کہ ایک دن وہ (زہری) علی ابن الحسین کے ساتھ عبدالملک بن مروان کے پاس گئے۔ عبدالملک حضرت کے چہرے سے زہد و ریاضت اور عبادت کے آثار مشاہدہ کر کے بولا۔ اے ابو محمد! سجدے کرتے کرتے آپ کے ماتھے میں ٹھیٹھ پڑ گیا ہے۔ آپ رسول خدا کے لخت جگر ہیں اور اس وسیلہ سے

بارگاہِ الٰہی میں تقرب خاص رکھتے ہیں۔ ویسے بھی معاصرین میں سب سے زیادہ علم و فضل کے مالک ہیں اور اس بناء پر بھی آپ کو اوروں کی بہ نسبت خدائے تعالٰے سے زیادہ قربت حاصل ہے۔ تو پھر آپ کو اس عبادت و ریاضت کی کیا ضرورت ہے؟ امام نے جواب دیا۔ خدائے عزّ و جل کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے یہ سب نعمتیں جو تم نے بیان کیں ہمیں عطا فرمائی ہیں۔ لیکن کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم ان نعمات کا شکر بجا لائیں؟ سچ کہنا کہ اگر ہم بھی اور لوگوں کی طرح (جنھیں رسُول کی قرابت اور علوم و معارف سے واقفیت کا شرف حاصل نہیں ہے) شکر بجا لائیں اور ان سے زیادہ شکر ادا کرنے کو اپنا فریضہ نہ سمجھیں تو کیا پھر لوگ ہم پر یہ اعتراض نہیں کرتے لگیں گے کہ انھیں کس خصوصیت کی بناء پر یہ نعمتیں دی گئی ہیں جو اوروں کو عطا نہیں ہوئیں؟

اے عبدالملک! کیا نمازوں میں کھڑے ہوتے ہوتے رسالتمآبؐ کے پائے مبارک متورم نہیں ہو جاتے تھے؟ اور کیا روزے رکھتے رکھتے دہنِ اقدس میں زبان نہیں اینٹھ جاتی تھی؟ لیکن جب لوگوں نے حضورؐ سے یہ عرض کیا تھا کہ اللہ تعالٰے نے تو آپ کی شان میں "لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک و ما تاخر" ارشاد فرمایا ہے پھر آپ اتنی زحمتیں کیوں جھیل رہے ہیں؟ تو کیا لوگوں کی یہ گفتگو سُن کر حضورؐ نے نہیں فرمایا تھا کہ "اَفَلَا اَکُونُ عبداً شاکراً" یعنی کیا میں اللہ تعالٰے کا شکر ادا کرنے والا بندہ نہ ہوں؟

یہ فرما کر امام کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور فرمایا قسم خدا کی! اگر اللہ جل شانہ کی شکر گزاری کرتے کرتے میرے سارے جسم میں گٹھے پڑ جائیں اور کُل اعضاء کٹ کٹ کر گر جائیں اور دونوں آنکھیں بہہ کر اندر دھنس جائیں تب بھی میں اس کے فرائضِ شکر کا عشرِ عشیر (دسواں حصّہ) ادا نہیں کر سکتا۔ لا واللہ اس فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کی سوائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ہے کہ میں رات دن خفیہ اور علانیہ اس کی شکر گزاری میں مشغول رہوں اور دنیا کا کوئی کام مجھے اس مشغلے سے نہ روک سکے۔

اے عبدالملک! اگر مجھ پر اہل و عیال کی تربیت اور خبر گیری واجب نہ ہوتی اور بندگانِ خدا کے حقوق، ہدایت، انسانیت و ہمسائیگی میرے ذمّہ نہ ہوتے تو میں یقیناً اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اور دل کو کلیتہً خدا کی جانب لگا دیتا اور حمد و شکر کے وظائف بجا لاتا۔

اے عبدالملک! اسلام میں رہبانیت حرام ہے۔ اس لیے ہم تعلقاتِ دنیا کو یک قلم ترک نہیں کر سکتے اور یہی وجہ ہے کہ جب ہم اپنے ذخیرۂ شکر پر نظر ڈالتے ہیں تو اُس کی نعمتوں کے مقابلے میں شرما کر رہ جاتے ہیں۔

زہری کا بیان ہے کہ امام یہ کہنے کے بعد اپنی بے بضاعتی اعمال کا تذکرہ کر کے رونے لگے یہاں تک کہ آپ کی ہچکی بندھ گئی اور عبدالملک نے موضوعِ گفتگو دوسری جانب موڑ دیا۔

## عجز و انکسار

حسن بصری نے عبداللہ بن وہب کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ ایک صحبت میں علی بن الحسین کے مناقب و مفاخر کا ذکر ہو رہا تھا۔ جہاں حضرتؑ بھی موجود تھے۔ آپ نے سُنا تو فرمایا کہ آپ لوگ یہ باتیں کر کے مجھے کیوں گنہگار کرتے ہیں۔ حسبنا ان نکون من صالحی قومنا۔ ہمارے لیے اور صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ہم اپنی جماعت کے نیک بندوں میں شمار ہوں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

ابن شہاب زہری نے کہا۔ اولاد ہاشم میں جن لوگوں سے ملنے کا مجھے اتفاق ہوا ان سب میں علی بن الحسین کو سب سے افضل اور سب سے زیادہ منکسر و متواضع پایا۔ آپ فرماتے تھے کہ ہم سے عام مسلمانوں کی طرح محبت کرو جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط تا کہ وہ محبت ہمارے لیے عیب و منقصت نہ ہو جائے۔

طبری اور ناسخ التواریخ کا بیان ہے کہ حضرت علی بن الحسین کے پاس آنے جانے والے دوست دشمن نے آپ کے اخلاق پر روشنی ڈالتے ہوئے یہی کہا ہے کہ آپ ہر شخص کو اپنے برابر بٹھاتے تھے۔ نہایت عاجزانہ لہجے میں گفتگو کرتے تھے اور علم و فضل میں سب سے بہتر ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ایک ذرۂ بیمقدار کی برابر خیال فرماتے تھے۔

مناقب آل ابی طالب میں ہے کہ کسی نے حضرت سے پوچھا کہ جب آپ سفر میں جاتے ہیں تو ہمسفروں سے اپنا نام و نسب کیوں چھپاتے ہیں؟ فرمایا۔ اس لیے کہ لوگ آباؤ اجداد کی نسبت سے میرا احترام کریں گے اور اس سے دوستانہ اور مساویانہ برتاؤ میں فرق پیدا ہو جائے گا۔

# زہد از دنیا

صاحب تذکرہ خواص الائمہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنے پدر بزرگوار سید الشہداء کی حیات میں بیمار ہوئے اور مرض میں سخت شدت پیدا ہو گئی۔ خاندان کے بزرگوں نے امام حسینؑ کی موجودگی میں آپ سے پوچھا۔ بیٹا! کسی چیز کو تمہارا جی چاہتا ہے؟ عرض کی۔ اشتھی ان اکون ممن لا اقترح علی اللہ ربی ما یدبر لی۔ یعنی میں یہ چاہتا ہوں کہ ان لوگوں میں شمار ہوں کہ خدائے تعالےٰ کے سامنے ان باتوں میں کوئی دخل نہ دوں جو وہ میرے لیے تجویز کرے۔ امام حسینؑ نے یہ سن کر فرمایا۔ بیٹا! تم اس امر میں اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے مشابہ ہو۔ جب جبرئیل نے ان سے کہا تھا۔ ھل لک من حاجۃ؟ (کیا آپ کی کوئی حاجت ہے؟) تو انھوں نے فرمایا تھا کہ لا اقترح علی ربی بل حسبی اللہ و نعم الوکیل۔ یعنی میں نہیں چاہتا کہ اپنے پروردگار سے کوئی سوال کروں۔ بلکہ اللہ خود ہی میرے لیے کافی ہے اور اچھا وکیل ہے۔

زرارہ ابن عین کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے رات کے وقت سنا کہ ایک شخص نے جنت البقیع میں صدا لگائی این الزاھدون فی الدنیا والراغبون فی الاخرۃ۔ یعنی کہاں ہیں وہ لوگ جنھوں نے دنیا سے زہد اختیار کیا اور آخرت کی طرف رغبت کی۔

زرارہ کہتے ہیں کہ اس کے جواب میں جنت البقیع سے ایک غیر معلوم شخص نے پکار کر کہا۔ ذٰلک علی بن الحسین۔ یعنی وہ فقط علی بن الحسین ہیں۔

مناقب ابن شہر آشوب میں زہری کے حوالہ سے درج ہے کہ علی بن الحسین اپنے نفس سے خطاب کر کے فرما رہے تھے۔

"اے نفس! کب تک تو زندگانی دنیا کی طرف مائل رہے گا اور دنیا کی آبادی سے رغبت رکھے گا۔ افسوس ہے تو نے اسلاف کے انجام سے عبرت حاصل نہ کی۔ ہزاروں آدمی تیرے دیکھتے دیکھتے پیوند خاک ہو گئے مگر تو اس سے بھی نہ چونکا۔ افسوس صد افسوس تجھے کبھی ان احباب کا بھی خیال نہیں آتا جن کے مفقود ہو جانے سے تجھے بارہا دردمند ہونا پڑا ہے۔"

امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ حضرت علی بن الحسین فرمایا کرتے تھے:

"اے نفس! کب تک تو دنیا کے وعدوں کے دم میں آتا رہے گا اور وہ تجھ سے خلف وعدہ کرتی رہے گی، کب تک تو اسے امین سمجھے گا اور وہ تیرے ساتھ خیانت سے پیش آتی رہے گی، کب تک تو اسے مخلص خیال کرے گا اور وہ تجھ سے مکر و فریب کرتی رہے گی۔ یاد رکھ! کوئی نئی چیز پیدا نہیں ہوتی جب تک کہ ویسی ہی دوسری چیز پرانی اور بوسیدہ نہیں ہو جاتی۔"

سفیان بن عیینہ نے ایک دن امام کو یہ فرماتے ہوئے سُنا:

این السلف الماضون و الاهل و الاقربون و الانبیاء و المرسلون طحنتهم و الله المنون و توالت علیهم السنون و فقدتهم العیون و انا الیهم صائرون و انا لله و انا الیه راجعون۔

کہاں ہیں گزرے ہوئے اسلاف اور اعزہ و اقربا اور انبیاء و رسل؟ قسم خدا کی موت نے ان کو ریزہ ریزہ کر دیا اور زمانے گزر گئے کہ وہ آنکھوں سے اوجھل ہیں اور یقیناً ہم ان کی طرف جا رہے ہیں۔ بے شک ہم اللہ کے لیے ہیں اور اس کی طرف ہماری بازگشت ہو گی۔

## توکّل علی اللہ

علی بن الحسین فرمایا کرتے تھے کہ:

انسان کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت بھر حصول معاش کی کوشش کرتا رہے اور کامیابی کے لیے اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھے۔ یہ خیال نہ کرے کہ اسے اس کی جد و جہد ضرور منزلِ مقصود تک پہنچائے گی لیکن یہ بھی نہیں ہوگا کہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے خود بخود کامیابی دوڑ کر اُس کے پاس آجائے۔ السعی منی و الاتمام من الله سے یہی مطلب ہے۔

یہ سُن کر ایک شخص نے دریافت کیا۔ مولا! بسا اوقات بغیر کوشش کے غیب سے ایسی فتوح ہوتی ہے کہ انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ فرمایا۔ یہ سب مستثنیات ہیں اور اس لیے ظہور میں آتے ہیں کہ انسان اپنی کوشش پر مغرور نہ ہو اور یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ یہ سب کچھ اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

اگرچہ کفایت شعاری کی آپ برابر تعلیم دیتے رہتے تھے۔ مگر آئندہ کے لیے ذخیرہ کر کے رکھنے کو توکل کے منافی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی نے آپ سے ذکر کیا کہ حضور غلہ بہت گراں ہو گیا ہے۔ اگر اس وقت کچھ لے کر رکھ لیا جائے تو اہل و عیال گرانی کی تکالیف سے بچ جائیں گے۔ جواب دیا۔ ماعلی من غلائه ان غلا فهو علیه وان رخص فهو علیه یعنی مجھے اس کی گرانی کا کچھ اندیشہ نہیں۔ گراں ہوگا تو ہمارا رزق اس کے ذمہ ہے اور ارزاں ہوگا تب وہی ذمہ دار ہے۔

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ عبدالملک نے ایک دفعہ کسی سے سُنا کہ حضرت کے پاس رسالتمآبؐ کی تلوار موجود ہے۔ کسی کو بھیج کر پیغام دیا کہ یہ تلوار ہمیں دے دیجیے۔ اس کے عوض جو فرمایئے گا پیش کر دیا جائے گا۔ آپ نے انکار کر دیا۔ عبدالملک نے تہدید آمیز خط لکھا جس میں یہ بھی تحریر تھا

کہ اگر یہ تلوار نہ دیجیے گا تو آپ کا وظیفہ جو بیت المال سے مقرر ہے بند کر دیا جائے گا۔ حضرت نے جواب میں لکھا۔ تو میرا روزینہ بند کرنے پر قادر نہیں روزی خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہی چاہے تو بند کر سکتا ہے۔ ہم رسولؐ کی امانت تجھے کسی حال میں نہیں دیں گے۔ کیا تو نے قرآن میں نہیں پڑھا اِنَّ اللہ لا یحب کل خوان کفور یعنی اللہ تعالےٰ کسی ناشکرے خائن کو دوست نہیں رکھتا۔

## کسبِ معیشت

ارباب سیر نے بالاتفاق تحریر کیا ہے کہ علی بن الحسین نماز صبح سے فارغ ہو کر طلب رزق کے لیے گھر سے نکلتے۔ باغ اور کھیت پر تشریف لے جاتے۔ پھاوڑے، کھرپے اور دیگر آلات فلاحت سے حسب ضرورت کام کرتے اور نماز ظہر سے پہلے پھلوں اور پودوں کی نگرانی کا کام خادموں کے سپرد کر کے گھر واپس آ جاتے۔

صادق آل محمد کا بیان ہے کہ ایک دفعہ کسی نے امام سے دریافت کیا کہ آپ ہر روز صبح کہاں تشریف لے جایا کرتے ہیں۔ جواب دیا کہ اہل وعیال کے لیے تصدق حاصل کرنے کی غرض سے جاتا ہوں۔ اس شخص نے حیرت سے پوچھا۔ یا ابن رسول اللہ۔ تصدق تو آپ پر حرام ہے۔ فرمایا وہ تصدق نہیں۔ بلکہ جو کوئی رزق حلال کمانے کے لیے جاتا ہے وہ بھی اللہ تعالےٰ کی جانب سے اس کے لیے تصدق ہے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام صرف یہی نہیں سکھاتا کہ توحید ونبوت کا اقرار کر لیا جائے اور عبادات الٰہی میں سارا وقت صرف کر دیا جائے۔ خدائے تعالےٰ صرف اس شخص کی عبادت قبول کرتا ہے جو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی روزی خود محنت کر کے کمائے اور کسب معیشت سے فارغ ہونے کے بعد عبادت بجا لائے۔

ابوحمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے۔ کہ خود بازار میں جا کر کاروبار کیا جائے اور خود مزدوری کر کے چار پیسے کمائے جائیں۔ تو یہ عمل اس سے بہتر ہے کہ غلاموں کو خرید کر راہ خدا میں آزاد کر دیا جائے۔

## گریہ وبکا

اگرچہ اپنے آباؤ اجداد کی سنت کے مطابق حضرت علی بن الحسین بھی ہمیشہ صبر وتوکل اور تسلیم ورضا پر قائم رہے لیکن کربلا کے دردناک حوادث نے آپ کے قلب اور روح پر ایسے کاری زخم لگائے تھے جو ہمیشہ ہرے ہی رہے۔ یوں بھی آپ اپنی ابتدائی زندگی سے نماز ودعا میں اکثر گریہ وبکا کی طرف مائل رہتے تھے، مگر اس واقعہ کے بعد تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ پھر کبھی کسی نے آپ کو مسکراتے نہیں دیکھا۔ اگرچہ فرائض کی بجا آوری پر ہمیشہ مستعد رہتے اور اپنی ذمہ داریوں کو بجا لانے میں کسی طرح پہلوتہی نہ کرتے تھے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ آپ ایک لمحہ بھی خوف الٰہی سے غافل نہ ہوتے تھے اور خشیۃ اللہ وعذاب آخرت کے خوف سے اس قدر روتے تھے کہ روتے روتے بے ہوش ہو جاتے۔ نمازوں میں روتے۔ دعاؤں میں گریہ وبکا کرتے۔ سجدے میں اتنے آنسو بہاتے کہ سر اٹھاتے تو معلوم ہوتا کہ چہرہ مبارک کو پانی میں ڈبو کر نکالا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے مظلوم وغریب باپ اور جملہ شہدائے کربلا کی یاد میں گریاں رہتے تھے۔ کھانا سامنے آتا تو آنسوؤں

سے گریبان تر ہو جاتا۔ پانی دیکھتے تو رو رو کر غش کر جاتے اور کہتے کہ آہ یہ وہی پانی ہے جس کے لیے میرے بوڑھے باپ اور ان کے ساتھی تڑپ تڑپ کر مر گئے۔ وضو کرتے تو اس قدر روتے کہ اکثر وضو کا پانی آنسوؤں سے مل کر مضاف ہو جاتا۔

ابوعبداللہ جعفر صادق فرماتے ہیں کہ میرے دادا حضرت علی بن الحسین تیس چالیس سال روتے رہے۔ جب کھانا یا پانی سامنے آتا تو رو دیتے۔ یہاں تک کہ ایک دن آپ کے ایک خادم نے کہا۔ یا ابن رسول اللہ! مجھے اندیشہ ہے کہ آپ روتے روتے ہلاک نہ ہو جائیں۔ فرمایا کہ میں خدا کے سامنے اپنے دردِ دل پیش کرتا ہوں۔ مجھے اس جل شانہ کی طرف سے وہ امور معلوم ہیں جنہیں تم نہیں جانتے۔ جب مجھے بنی فاطمہ کا قتل ہونا یاد آتا ہے تو گریہ گلوگیر ہو جاتا ہے۔ خادم نے عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ! کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ حضور کا رنج والم دور ہو؟ فرمایا۔ یہ غم والم زندگی کے ساتھ رہے گا۔ یعقوب نبی تھے اور ان کے بارہ فرزند تھے۔ اللہ تعالےٰ نے ایک کو ان کی نظر سے غائب کر دیا تو اس قدر روئے کہ روتے روتے بینائی جاتی رہی۔ سر کے بال سفید ہو گئے۔ پشت مبارک جھک گئی۔ حالانکہ انھیں وحی و الہام سے یہ یقین تھا کہ ان کا بیٹا دنیا میں موجود ہے۔ میری آنکھوں کے سامنے تو باپ۔ بھائی، چچا کل سترہ گھر کے لوگ اور باقی احباب و انصار شہید کر دیے گئے۔ میں کس طرح نہ روؤں؟

صاحب حلیۃ الاولیاء بیان کرتے ہیں کہ آپ اس قدر روتے تھے کہ فرط گریہ سے بصارت زائل ہونے کا اندیشہ ہو گیا۔ جب پانی کا پیالہ پینے کے لیے ہاتھ میں لیتے تو اس قدر روتے کہ اکثر وہ ظرف آنسوؤں سے پر ہو جاتا۔ اس بارے میں کچھ کہا جاتا تو فرماتے کیوں کر نہ روؤں۔ میرے باپ پر وہ پانی بند کیا گیا جو درندوں اور وحشیوں تک کے لیے مباح تھا۔ کسی نے کہا کہ مولا! آپ کہیں روتے روتے ہلاک نہ ہو جائیں۔ تو فرمایا۔ میں کربلا اور شام میں ہلاک ہو چکا۔ اسی لیے روتا ہوں۔

طبری اور ناسخ التواریخ کا بیان ہے کہ آپ جانور کو ذبح ہوتے دیکھتے تو اتنا روتے کہ بے ہوش ہو جاتے۔ واقعہ کربلا کے بعد آپ نے کبھی گلہ گوسفند نوش نہیں فرمایا۔

ارباب مقاتل نے لکھا ہے کہ ایک بار کسی کام سے جا رہے تھے۔ مذبح کی جانب گزر ہوا۔ آپ نے دیکھا کہ قسائی، ذبح کرنے کے لیے ایک گوسفند کے ہاتھ پاؤں باندھ رہا ہے۔ عصا ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا تو نے اس بے زبان کو پانی بھی پلا دیا ہے؟ عرض کی۔ یا ابن رسول اللہ! ہمارا دستور ہے کہ کبھی کسی جانور کو بھوکا پیاسا ذبح نہیں کرتے۔ یہ سن کر حضرت کو تاب ضبط باقی نہ رہی اور آہ سرد بھر کر فرمایا۔ افسوس! سنگدلوں نے میرے باپ کو مع اعزہ و اقارب کے تین دن کا بھوکا پیاسا شہید کر دیا اور اتنا بھی خیال نہ کیا کہ جانور تک کو ذبح کرنے سے پہلے دانہ پانی کھلا پلا دیتے ہیں۔ یہ فرما کر اس شدت سے روئے کہ وہیں بے ہوش ہو گئے اور پھر لوگوں نے میت کی طرح اٹھا کر آپ کو دولتکدے پر پہنچایا۔

ارشاد میں شیخ مفید نے صادق آل محمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ دنیا میں گریہ کرنے والے کل پانچ شخص گزرے ہیں:۔

اول آدم۔ جو جنت کے فراق میں اتنا روئے تھے کہ دونوں رخساروں پر دو نہریں جاری ہو گئی تھیں۔

دوسرے یعقوب۔ جو اپنے بیٹے یوسف کی جدائی میں اس قدر روئے کہ بصارت زائل ہو گئی۔

تیسرے یوسف۔ جو اپنے باپ سے بچھڑ کر قید خانہ میں اس قدر روئے کہ اُن سے دوسرے قیدیوں کو یہ کہنا پڑا کہ یا دن کو رو لیجئے یا شب کو گریہ کیجئے۔

چوتھے فاطمہ زہرا۔ جو اپنے پدر بزرگوار رسالتمآب کی وفات کے بعد اُن کی یاد میں اس قدر روئیں کہ ان سے بھی مدینہ کے حکومت نے یہ خواہش کی کہ دن اور رات میں ایک وقت رو لیجئے۔ چنانچہ آپ شب میں گھر پر روتی تھیں اور دن کے وقت قبرستان جنت البقیع میں جا کر گریہ فرماتی تھیں۔

پانچویں علی بن الحسین۔ آپ حادثہ کربلا کے بعد اپنے پدر بزرگوار اور اعزہ و انصار کی یاد میں مرتے دم تک روتے رہے اور اس قدر روئے کہ روتے روتے رخسار گھل گئے۔

علی بن الحسین، شہادت امام حسینؑ کے بعد تقریباً پینتیس سال زندہ رہے اور آپ کی یہ پوری زندگی، سوگواری اور گریہ و زاری میں بسر ہوئی۔ جب مختار نے قاتلان حسین کے سر حضرت کی خدمت میں بھیجے تو فرمایا کہ یہ سر کیا کربلا کے شہیدوں کا بدلہ ہو سکتے ہیں؟ یہ کہہ کر رونے لگے تو روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ جب غش سے افاقہ ہوا تو اپنے اہل حرم اور دوستداروں کو سوگ بڑھانے کا حکم دیا۔ خود بھی سوگ کے کپڑے بدل دیئے۔ مگر سوگوارانہ زندگی میں فرق نہ آیا۔

---

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

خدا کے نام سے شروع کرتا ہوں جو اپنے خاص و عام (سب) بندوں پر رحم کرتا ہے۔

حَدَّثَنَا السَّيِّدُ الۡاَجَلُّ نَجۡمُ الدِّيۡنِ بَهَاءُ الشَّرَفِ اَبُو الۡحَسَنِ مُحَمَّدُ بۡنُ الۡحَسَنِ ابۡنِ اَحۡمَدَ بۡنِ عَلِيِّ بۡنِ مُحَمَّدِ بۡنِ عُمَرَ بۡنِ يَحۡيَى الۡعَلَوِيُّ الۡحُسَيۡنِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ قَالَ اَخۡبَرَنَا الشَّيۡخُ السَّعِيۡدُ اَبُوۡ عَبۡدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بۡنُ اَحۡمَدَ بۡنِ شَهۡرِيَارِ الۡخَازِنُ لِخِزَانَةِ مَوۡلَانَا اَمِيۡرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلِيِّ بۡنِ اَبِيۡ طَالِبٍ عَلَيۡهِ السَّلَامُ فِيۡ شَهۡرِ رَبِيۡعِ الۡاَوَّلِ مِنۡ سَنَةِ سِتَّ عَشۡرَةَ وَخَمۡسِ مِائَةٍ قِرَاءَةً عَلَيۡهِ وَ اَنَا اَسۡمَعُ قَالَ سَمِعۡتُهَا عَلَى الشَّيۡخِ الصَّدُوۡقِ اَبِيۡ مَنۡصُوۡرٍ مُحَمَّدِ بۡنِ مُحَمَّدِ بۡنِ اَحۡمَدَ بۡنِ عَبۡدِ الۡعَزِيۡزِ الۡعُكۡبَرِيِّ الۡمُعَدَّلِ رَحِمَهُ اللّٰهُ عَنۡ اَبِي الۡمُفَضَّلِ مُحَمَّدِ بۡنِ عَبۡدِ اللّٰهِ بۡنِ عَبۡدِ الۡمُطَّلِبِ الشَّيۡبَانِيِّ قَالَ حَدَّثَنَا الشَّرِيۡفُ اَبُوۡ عَبۡدِ اللّٰهِ جَعۡفَرُ بۡنُ مُحَمَّدِ بۡنِ جَعۡفَرِ بۡنِ الۡحَسَنِ بۡنِ جَعۡفَرِ بۡنِ الۡحَسَنِ بۡنِ الۡحَسَنِ بۡنِ اَمِيۡرِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ عَلِيِّ بۡنِ اَبِيۡ طَالِبٍ عَلَيۡهِمُ السَّلَامُ قَالَ حَدَّثَنَا عَبۡدُ اللّٰهِ بۡنُ عُمَرَ بۡنِ خَطَّابٍ الزَّيَّاتُ سَنَةَ خَمۡسٍ وَسِتِّيۡنَ وَمِائَتَيۡنِ قَالَ حَدَّثَنِيۡ خَالِيۡ عَلِيُّ بۡنُ النُّعۡمَانِ الۡاَعۡلَمُ

بیان کیا ہم سے جلیل القدر ــــــ نجم الدین[1] (دین کا ستارہ)، بہاء الشرف (جمال شرافت) ابوالحسن، محمد بن حسن بن احمد بن علی بن محمد بن عمر بن یحییٰ علوی حسینی نے، خدا ان پر رحم کرے۔ وہ کہتے ہیں کہ خبر دی ہم کو نیک بخت شیخ ابو عبداللہ محمد بن احمد بن شہریار نے (وہ شہریار) جو ہمارے مولا امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے خزانے کے خزانچی تھے، ماہ ربیع الاول ۵۱۶ھ (پانسو سولہ ہجری) میں اس وقت جبکہ وہ (ابوعبداللہ) خود (صحیفہ کی) قرأت کر رہے تھے اور میں سنتا تھا، فرمایا ابوعبداللہ نے کہ میں نے اس صحیفہ کو سنا[2] ہے، شیخ صدوق، کے سامنے، جن[3] کی کنیت ابوالمنصور ہے اور نام محمد بن محمد بن احمد بن عبدالعزیز عکبری ہے (اور) جو عادل سمجھے گئے ہیں، خدا ان پر رحمت کرے، ابوالمفضل محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب شیبانی سے کہا (ابوالمفضل نے) کہ بیان کیا ہے ہم سے شریف ابوعبداللہ جعفر بن محمد بن جعفر بن حسن بن جعفر بن حسن بن حسن بن امیر المومنین علی بن ابی طالب نے، ان سب پر سلام ہو، کہا شریف نے کہ بیان کیا ہم سے عبداللہ بن عمر بن خطاب زیتون فروش نے ۲۶۵ھ (دو سو پینسٹھ ہجری) میں۔ کہا عبداللہ نے کہ بیان کیا مجھ سے میرے ماموں علی بن نعمان نے جو اپنے دور کے سب سے عالم تھے۔ کہا علی بن نعمان نے کہ

---

[1] نجم الدین اور بہاء الشرف القاب ہیں۔ ابوالحسن کنیت اور محمد نام۔

[2] خلاصہ کلام۔ ابوعبداللہ نے ابوالمفضل سے سنا جبکہ وہ شیخ صدوق کو سنا رہے تھے۔

[3] شیخ صدوق کی۔

قَالَ حَدَّثَنِيْ عُمَيْرُ بْنُ مُتَوَكِّلٍ الثَّقَفِيُّ الْبَلْخِيُّ عَنْ اَبِيْهِ مُتَوَكِّلِ بْنِ هٰرُوْنَ قَالَ لَقِيْتُ يَحْيَى بْنَ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ مُتَوَجِّهٌ اِلٰى خُرَاسَانَ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَقَالَ لِيْ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ مِنْ اَيْنَ اَقْبَلْتَ قُلْتُ مِنَ الْحَجِّ فَسَأَلَنِيْ عَنْ اَهْلِهٖ وَ بَنِيْ عَمِّهٖ بِالْمَدِيْنَةِ وَ اَحْفَى السُّؤَالَ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَخْبَرْتُهٗ بِخَبَرِهٖ وَخَبَرِهِمْ وَحُزْنِهِمْ عَلٰى اَبِيْهِ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ لِيْ قَدْ كَانَ عَمِّيْ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ الْبَاقِرُ اَشَارَ عَلٰى اَبِيْ بِتَرْكِ الْخُرُوْجِ وَعَرَّفَهٗ اِنْ هُوَ خَرَجَ وَ فَارَقَ الْمَدِيْنَةَ مَا يَكُوْنُ اِلَيْهِ مَصِيْرُ اَمْرِهٖ فَهَلْ لَقِيْتَ ابْنَ عَمِّيْ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَهَلْ سَمِعْتَهٗ يَذْكُرُ شَيْئًا مِنْ اَمْرِيْ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ بِمَ ذَكَرَنِيْ خَبِّرْنِيْ

بیان کیا مجھ سے عمیر بن متوکل ثقفی بلخی نے (اور انھوں نے نقل کیا) اپنے باپ متوکل بن ہارون سے کہا متوکل نے کہ میں یحییٰ بن زید بن علی[1] سے اس وقت ملا جبکہ ان کے والد (بزرگوار) شہید[2] ہو گئے تھے اور وہ جا رہے تھے خراسان کی جانب۔ میں نے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے جواب سلام دے کر پوچھا کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ حج سے (آ رہا ہوں) پس انھوں نے مجھ سے اپنے اہل وعیال اور چچازاد بھائیوں کی خیر خبر پوچھی جو کہ مدینہ میں رہتے تھے اور خصوصیت سے جعفر بن محمد علیہما السلام کے متعلق دریافت کیا پس میں نے انھیں جعفر بن محمد کی اور ان سب (اہل وعیال اور چچازاد بھائیوں) کی خیریت اور ان کے باپ زید بن علی علیہ السلام (کی شہادت) پر ان کے رنج کا حال سنایا، پس انھوں نے کہا کہ میرے چچا محمد بن علی نے جو کہ باقر کے لقب سے مشہور ہیں مشورہ دیا تھا میرے والد کو کہ وہ خروج (کا ارادہ) ترک کر دیں اور انھیں بتا دیا تھا کہ اگر انھوں نے خروج کیا اور مدینہ سے جدا ہوئے تو انھیں اپنے اس اقدام کا کیا انجام بھگتنا ہوگا، تو کیا تم میرے چچازاد بھائی جعفر بن محمد سے ملے تھے، ان پر سلام ہو، میں نے کہا کہ ہاں ملا تھا۔ انھوں نے پوچھا، تو پھر سنا تم نے انھیں کچھ ذکر کرتے ہوئے

---

[1] علی بن الحسین، جن کا لقب زین العابدین ہے۔

[2] حضرت زید بن حضرت علی زین العابدین نے ہشام بن عبدالملک کے خلاف علم جہاد بلند کیا تھا۔ ابتداء کوفہ کے چالیس ہزار مسلمانوں نے آپ سے بیعت کر لی تھی مگر جب جنگ کا وقت آیا تو انتالیس ہزار پانسو کی جمعیت نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اور صرف پانسو انصار رہ گئے۔ ہشام بن عبدالملک کے آزمودہ کار سپہ سالار یوسف بن عمیر ثقفی نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ آپ نے جم کر اس کا مقابلہ کیا۔ اسی دوران میں ایک تیر آپ کی پیشانی پر لگا جس کے صدمہ سے ۲ صفر سنہ ۱۲۰ھ کو آپ ۴۲ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ یوسف نے آپ کا سر کاٹ کر ہشام کے پاس بھیج دیا اور جسم مبارک کو ذہ میں لٹکوا دیا تاکہ مخالفین بنی امیہ کو عبرت ہو۔ چار سال تک آپ کا جسم اسی طرح لٹکا رہا۔ ہشام کی موت کے بعد ولید بن یزید بن عبدالملک کے حکم سے یہ ہڈیوں کا ڈھانچہ کھولا گیا اور جلا کر اس کی خاک اڑا دی گئی۔

قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ مَا اُحِبُّ اَنْ
اَسْتَقْبِلَكَ بِمَا سَمِعْتُهُ مِنْهُ
فَقَالَ اَبِالْمَوْتِ تُخَوِّفُنِیْ هَاتِ
مَا سَمِعْتَهُ فَقُلْتُ سَمِعْتُهُ یَقُوْلُ
اِنَّكَ تُقْتَلُ وَتُصْلَبُ كَمَا قُتِلَ
اَبُوْكَ وَصُلِبَ فَتَغَیَّرَ وَجْهُهُ
وَقَالَ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَ
یُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ
یَا مُتَوَكِّلُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ
اَیَّدَ هٰذَا الْاَمْرَ بِنَا وَجَعَلَ
لَنَا الْعِلْمَ وَالسَّیْفَ فَجُمِعَا لَنَا
وَخُصَّ بَنُوْ عَمِّنَا بِالْعِلْمِ
وَحْدَهٗ فَقُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ
اِنِّیْ رَاَیْتُ النَّاسَ اِلَی ابْنِ عَمِّكَ
جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَمْیَلَ مِنْهُمْ
اِلَیْكَ وَاِلٰی اَبِیْكَ فَقَالَ اِنَّ عَمِّیْ
مُحَمَّدَ بْنَ عَلِیٍّ وَابْنَهٗ جَعْفَرًا عَلَیْهِمَا

میرے متعلق۔ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ انھوں نے کہا کہ (جعفر نے) جو کچھ میرا ذکر کیا اسے بیان کرد۔ میں نے کہا۔ میں آپ پر قربان ہو جاؤں، میرا جی نہیں چاہتا کہ جو کچھ ان سے میں نے آپ کے بارے میں سنا ہے اسے بیان کروں۔ انھوں نے کہا کیا تم مجھ کو موت سے ڈراتے ہو، جو کچھ تم نے ان سے سنا ہے (صاف صاف) کہہ ڈالو۔ اس وقت میں نے کہا کہ میں نے انھیں یہ کہتے ہوئے سنا کہ آپ شہید ہوں گے اور سولی دیے جائیں گے جس طرح کہ آپ کے والد کو شہید کر کے سولی پر چڑھایا گیا۔ پس (یہ سن کر) رنگ بدل گیا اُن کے چہرے کا۔ اور بولے کہ خدائے تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے[1] مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے لکھ دیتا ہے اور اسی کے قبضے میں لوح محفوظ ہے[2] اے متوکل! بے شک اللہ عزّ وجل نے اس امر[3] کی تائید ہمارے ذریعہ سے کی ہے اور علم[4] اور تلوار کو ہمارے لیے قرار دیا ہے پس یہ دونوں ہماری ذات میں مجتمع ہیں اور ہمارے چچیرے بھائی مخصوص ہیں علم ہی سے۔ پس میں نے کہا میں آپ پر قربان۔ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ آپ کے چچازاد بھائی کی طرف، ان پر سلام ہو، زیادہ مائل ہیں آپ کی اور آپ کے والد کی بہ نسبت۔ پس انھوں نے کہا کہ میرے چچا محمد بن علی

---

[1] یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ یہ قرآن پاک کی آیت ہے جس کی تفسیر یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے کل کائنات کے جملہ نظم ونسق کا کام ملائکہ کے سپرد کیا ہے جسے وہ مقررہ وقت پر خدائے تعالیٰ کے تعلیم دیے ہوئے طریقے کے مطابق انجام دیتے ہیں۔ یہ فرشتے مقررہ وقت پر جو اقدام کرتے ہیں اس کو ہم اپنے نقلوں میں محو واثبات یا تقدیر الٰہی کہتے ہیں۔ مگر اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (تم مجھ سے دعا کرو تو میں قبول کروں گا) کے وعدے کی بنا پر اس تقدیر میں تغیّر وتبدل بھی واقع ہوتا رہتا ہے اور یہ تغیّر بھی ازل سے باری تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ جانتا ہے کہ فلاں بندہ فلاں وقت فلاں بات کی دعا کرے گا اور اس کی دعا مستجاب ہوگی جس کے باعث تقدیر یعنی فرشتوں کے علم میں بھی رد وبدل ہوگا۔ اس علم کا نام لوح محفوظ ہے اور اسی لوح محفوظ کو ام الکتاب بھی کہتے ہیں۔

[2] وجود تقدیر ولوح محفوظ کا مسئلہ۔

[3] یعنی ہم نے خدا کے دیے ہوئے علم کے ذریعہ، علم باری تعالیٰ کے مسئلے کو واضح اور ثابت کیا ہے۔

[4] مراد علم اور شجاعت۔

السَّلَامُ دَعَوَا النَّاسَ إِلَى الْحَيٰوةِ
وَنَحْنُ دَعَوْنَاهُمْ إِلَى الْمَوْتِ
فَقُلْتُ يَا ابْنَ رَسُولِ اللّٰهِ أَهُمْ
أَعْلَمُ أَمْ أَنْتُمْ فَأَطْرَقَ إِلَى
الْأَرْضِ مَلِيًّا ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَ
قَالَ كُلُّنَا لَهُ عِلْمٌ غَيْرَ
أَنَّهُمْ يَعْلَمُونَ كُلَّمَا نَعْلَمُ وَ
لَا نَعْلَمُ كُلَّمَا يَعْلَمُونَ ثُمَّ قَالَ
لِي أَكَتَبْتَ مِنِ ابْنِ عَمِّي شَيْئًا
قُلْتُ نَعَمْ قَالَ أَرِنِيهِ فَأَخْرَجْتُ
إِلَيْهِ وُجُوهًا مِنَ الْعِلْمِ وَ
أَخْرَجْتُ لَهُ دُعَاءً أَمْلَاهُ عَلَيَّ
أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَحَدَّثَنِي
أَنَّ أَبَاهُ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ
أَمْلَاهُ عَلَيْهِ وَأَخْبَرَهُ أَنَّهُ مِنْ
دُعَاءِ أَبِيهِ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا
السَّلَامُ مِنْ دُعَاءِ الصَّحِيفَةِ
الْكَامِلَةِ فَنَظَرَ فِيهِ يَحْيَى حَتّٰى
أَتَى عَلَى آخِرِهِ وَقَالَ لِي أَتَأْذَنُ
إِلَيَّ فِي نَسْخِهِ فَقُلْتُ يَا ابْنَ
رَسُولِ اللّٰهِ أَتَسْتَأْذِنُ فِيمَا هُوَ
عَنْكُمْ فَقَالَ أَمَا لَأُخْرِجَنَّ
إِلَيْكَ صَحِيفَةً مِنَ الدُّعَاءِ

اور ان کے فرزند جعفر (صادق) نے ان دونوں پر سلام ہو لوگوں کو زندگی[1] کی جانب بلایا اور ہم نے انھیں موت[2] کی دعوت دی۔ پس میں نے کہا۔ اے رسولِ خدا کے فرزند! آپ زیادہ علم رکھتے ہیں یا وہ (جعفر بن محمد) یہ سن کر یحییٰ دیر تک زمین کی طرف سر جھکا کر دیکھتے رہے پھر اپنا سر اٹھایا اور کہا ہم میں سے ہر ایک علم رکھتا ہے سوائے اس کے وہ (جعفر بن محمد وغیرہ) جانتے ہیں ان تمام چیزوں کو جن کا ہم علم رکھتے ہیں مگر ہم ان تمام چیزوں کا علم نہیں رکھتے جنھیں وہ جانتے ہیں۔ پھر (یحییٰ نے) پوچھا کیا تم نے کچھ لکھا ہے میرے چچازاد بھائی (جعفر بن محمد) سے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ انھوں نے فرمایا کہ وہ مجھے دکھاؤ۔ پس نکالیں میں نے ان کے سامنے بہت سی چیزیں علم کی اور میں نے ان کے سامنے ایک دعا بھی نکالی جو مجھے ابوعبداللہ (جعفر بن محمد) علیہما السلام نے لکھائی تھی اور (لکھاتے وقت) مجھ سے یہ بیان کیا تھا کہ ان کے والد بزرگوار (حضرت) محمد بن علی نے ان دونوں پر سلام ہو، ان کو یہ دعا لکھائی تھی اور (محمد بن باقر نے لکھاتے وقت) یہ خبر دی تھی کہ یہ ان کے والد بزرگوار (حضرت) علی بن حسین کی، ان دونوں پر خدا کا سلام ہو، دعاؤں میں سے ہے۔ منجملہ صحیفہ کاملہ کی دعاؤں کے پس اسے یحییٰ نے دیکھا کہ وہ اس کے آخر تک پہنچے اور مجھ سے کہا۔ کیا تم مجھے اس کے لکھنے کی اجازت دیتے ہو؟ میں نے کہا۔ اے فرزندِ رسول اللہ! کیا آپ اس چیز کی اجازت مانگتے ہیں جو آپ ہی کے گھر کی ہے۔ پس انھوں نے فرمایا۔ ہاں! میں نکالتا ہوں تمہارے سامنے کامل دعا کا ایک صحیفہ، جو ان دعاؤں پر

---

[1] یعنی انھوں نے اسلام کے وہ اصول سکھائے جن سے انسان اپنی حیات کی تعمیر کر سکتا ہے اور اصلاح نفوس کی تعلیم دی۔

[2] یعنی ہم ملکی حقوق حاصل کرنے کے لیے جہاد کی طرف بلاتے ہیں جس کا انجام اقلیت کے لیے بہرحال موت ہوا کرتا ہے۔

الْكَامِلِ مِمَّا حَفِظَهُ أَبِي عَنْ أَبِيهِ
وَ إِنَّ أَبِي أَوْصَانِي بِصَوْنِهَا وَ مَنْعِهَا
غَيْرَ أَهْلِهَا قَالَ عُمَيْرٌ قَالَ أَبِي
فَقُمْتُ إِلَيْهِ فَقَبَّلْتُ رَأْسَهُ وَ قُلْتُ
لَهُ وَ اللَّهِ يَا ابْنَ رَسُولِ اللَّهِ إِنِّي
لَأَدِينُ اللَّهَ بِحُبِّكُمْ وَ طَاعَتِكُمْ
وَ إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يُسْعِدَنِي فِي
حَيَاتِي وَ مَمَاتِي بِوِلَايَتِكُمْ فَرَمَى
صَحِيفَتِيَ الَّتِي دَفَعْتُهَا إِلَيْهِ إِلَى
غُلَامٍ كَانَ مَعَهُ وَ قَالَ اكْتُبْ
هَذَا الدُّعَاءَ بِخَطٍّ بَيِّنٍ حَسَنٍ
وَ اعْرِضْهُ عَلَيَّ لَعَلِّي أَحْفَظُهُ فَإِنِّي
كُنْتُ أَطْلُبُهُ مِنْ جَعْفَرٍ حَفِظَهُ
اللَّهُ فَيَمْنَعُنِيهِ قَالَ مُتَوَكِّلٌ
فَنَدِمْتُ عَلَى مَا فَعَلْتُ وَ لَمْ أَدْرِ
مَا أَصْنَعُ وَ لَمْ يَكُنْ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ عَلَيْهِ
السَّلَامُ تَقَدَّمَ إِلَيَّ أَنْ لَا أَدْفَعَهُ إِلَى
أَحَدٍ ثُمَّ دَعَا بِعَيْبَةٍ فَاسْتَخْرَجَ مِنْهَا
صَحِيفَةً مُقْفَلَةً مَخْتُومَةً فَنَظَرَ إِلَى
الْخَاتَمِ وَ قَبَّلَهُ وَ بَكَى ثُمَّ فَضَّهُ وَ
فَتَحَ الْقُفْلَ ثُمَّ نَشَرَ الصَّحِيفَةَ

مشتمل ہے جنھیں یاد کیا تھا میرے والد (زید) نے اپنے والد
بزرگوار (علی بن الحسین) سے۔ اور بے شک میرے والد نے
مجھے نااہلوں سے اس کے بچانے اور محفوظ رکھنے کی وصیت کی تھی
عمیر کہتے ہیں کہ میرے والد (متوکل) کا بیان ہے کہ میں ان
(یحییٰ) کی طرف بڑھا اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ان سے
عرض کی اے فرزند رسول، خدا کی قسم! میں تمھاری محبت اور
اطاعت کے[1] ساتھ اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہوں اور بے شک
میں یہ امید رکھتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ مجھے میری زندگی میں اور
موت میں تمھاری دوستی سے سعادت مند فرمائے گا پس انھوں
نے میرا وہ صحیفہ جو میں نے انھیں دیا تھا ایک لڑکے کو دے دیا
جو ان کے ہمراہ تھا اور کہا کہ اس دعا کو روشن اور اچھے خط میں
لکھ اور اسے میرے سامنے پیش کر تاکہ میں اسے زبانی یاد کرلوں۔
پس میں جعفر (بن محمد) سے خدا ان کی حفاظت کرے اس دعا کو
مانگا کرتا تھا، مگر وہ انکار کردیتے تھے۔ متوکل کہتے ہیں کہ (یہ سن کر)
میں (دل ہی دل میں) اپنے کیے پر پچھتایا[2] اور نہ سمجھ سکا کہ (اب)
کیا کروں، حالانکہ ابوعبداللہ (جعفر صادق) نے (یحییٰ کی اور میری
گفتگو سے) پہلے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں یہ دعا کسی کو نہ دوں۔
پھر انھوں نے (یحییٰ سے) ایک گٹھڑی منگوائی اور نکالا اس
میں سے ایک صحیفہ جو سربمہر مقفل تھا۔ پھر آپ نے مہر کی جانب
دیکھا اور اسے بوسہ دیا اور روئے پھر اس (مہر) کو توڑا اور
قفل کھولا۔ پھر صحیفے کو پھیلایا[3] اور رکھا اس کو اپنی آنکھوں سے

---

[1] یعنی میرے نزدیک تمھارے خاندان کی محبت اور اطاعت کے بغیر اللہ تعالیٰ کی عبادت بے سود ہے۔

[2] یعنی یہ سننے کے بعد کہ امام جعفر صادق نے یحییٰ کو یہ دعا دینے سے انکار کردیا تھا اور میں نے امام جعفر صادق سے حاصل کی ہوئی وہی دعا یحییٰ کو دے دی جو امام جعفر صادق کی مرضی کے خلاف ہے۔ یہ سوچ کر میں دل میں شرمندہ ہوا۔

[3] یعنی اس کے مڑے ہوئے اوراق کو کھولا۔

وَوَضَعَهَا عَلَى عَيْنَيْهِ وَ اَمَرَّهَا عَلَى
وَجْهِهٖ وَ قَالَ وَاللّٰهِ يَا مُتَوَكِّلُ لَوْ لَا
مَا ذَكَرْتَ مِنْ قَوْلِ ابْنِ عَمِّيْ اِنَّنِيْ
اُقْتَلُ وَ اُصْلَبُ لَمَا دَفَعْتُهَا اِلَيْكَ وَ
لَكُنْتُ بِهَا ضَنِيْنًا وَ لٰكِنِّيْ اَعْلَمُ اَنَّ
قَوْلَهٗ حَقٌّ اَخَذَهٗ عَنْ اٰبَآئِهٖ وَ اَنَّهٗ
سَيَصِحُّ فَخِفْتُ اَنْ يَقَعَ مِثْلُ هٰذَا
الْعِلْمِ اِلَى بَنِيْ اُمَيَّةَ فَيَكْتُمُوْهُ وَيَدَّخِرُوْهُ
فِيْ خَزَآئِنِهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ فَاقْبِضْهَا وَ
اكْفِنِيْهَا وَتَرَبَّصْ بِهَا فَاِذَا قَضَى اللّٰهُ
مِنْ اَمْرِيْ وَ اَمْرِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ مَا هُوَ
قَاضٍ فَهِيَ اَمَانَةٌ لِّيْ عِنْدَكَ حَتّٰى
تُوْصِلَهَا اِلَى ابْنَيْ عَمِّيْ مُحَمَّدٍ وَ اِبْرَاهِيْمَ

اور اسے اپنے چہرے سے مس کیا اور کہا۔ قسم خدا کی اے متوکل!
اگر نہ بیان کرتے تم میرے چچا زاد بھائی (حضرت جعفر صادقؑ) کا یہ
قول کہ میں شہید کیا جاؤں گا اور سولی پر چڑھایا جاؤں گا تو میں
اس صحیفے کو تمھیں نہ دیتا اور اس (صحیفے کے معاملے) میں بخیل
بن جاتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ بے شک ان کا قول درست ہے
(جو) انھوں نے اپنے آبائے کرام سے حاصل کیا ہے اور
یقیناً وہ صحیح ہے۔ تو مجھے یہ ڈر ہے کہ پڑ جائے گا اس جیسا
علم بنی امیہ کے ہاتھ میں۔ تو وہ اسے چھپا لیں گے اور اپنے
خزانوں میں محفوظ کر لیں گے اپنے مفاد کے لیے پس تم اسے
لو۔ اور اس کے معاملے میں میری مدد کرو اور اس کی بابت (کوئی
اقدام کرنے کے لیے) انتظار کرو۔ پس جبکہ جاری کر دے اللہ
میرے اور اس قوم کے معاملے میں، جو کچھ کہ وہ جاری کرنے

وَ اَلْحَقَهٗ بِاٰبَآئِهٖ وَ اَجْدَادِهٖ وَ اللّٰہِ
يَا مُتَوَكِّلُ مَا مَنَعَنِيْ مِنْ دَفْعِ الدُّعَآءِ
اِلَيْهِ اِلَّا الَّذِيْ خَافَهٗ عَلٰى صَحِيْفَةِ اَبِيْهِ
وَ اَيْنَ الصَّحِيْفَةُ فَقُلْتُ مَا هِيَ فَفَتَحَهَا
وَ قَالَ هٰذَا وَ اللّٰهِ خَطُّ عَمِّيْ زَيْدٍ وَدُعَآءُ
جَدِّيْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ
ثُمَّ قَالَ لِابْنِهٖ قُمْ يَا اِسْمٰعِيْلُ فَأْتِنِيْ
بِالدُّعَآءِ الَّذِيْ اَمَرْتُكَ بِحِفْظِهٖ وَ
صَوْنِهٖ فَقَامَ اِسْمٰعِيْلُ فَاَخْرَجَ صَحِيْفَةً
كَاَنَّهَا الصَّحِيْفَةُ الَّتِيْ دَفَعَهَا اِلَيَّ يَحْيٰى
بْنُ زَيْدٍ فَقَبَّلَهَا اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ وَ وَضَعَهَا
عَلٰى عَيْنِهٖ وَ قَالَ هٰذَا خَطُّ اَبِيْ وَ
اِمْلَآءُ جَدِّيْ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ بِمَشْهَدٍ مِّنِّيْ
فَقُلْتُ يَا ابْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِنْ رَاَيْتَ اَنْ
اَعْرِضَهَا مَعَ صَحِيْفَةِ زَيْدٍ وَّيَحْيٰى فَاَذِنَ
لِيْ فِيْ ذٰلِكَ وَقَالَ قَدْ رَاَيْتُكَ لِذٰلِكَ
اَهْلًا فَنَظَرْتُ وَ اِذَا هُمَا اَمْرٌ وَّاحِدٌ وَّ
لَمْ اَجِدْ حَرْفًا وَّاحِدًا مِّنْهَا يُخَالِفُ مَا
فِي الصَّحِيْفَةِ الْاُخْرٰى ثُمَّ اسْتَاْذَنْتُ اَبَا
عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ دَفْعِ الصَّحِيْفَةِ
اِلَى ابْنَيْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَسَنِ فَقَالَ اِنَّ

اور انھیں ان کے آباؤ اجداد سے ملائے۔ خدا کی قسم اے متوکل! نہیں روکا تھا مجھے (وہ) دعا انھیں (یحییٰ کو) دینے سے مگر اسی بات نے جس کا وہ اپنے والد[1] کے صحیفے کے بارے میں اندیشہ کرتے تھے اور وہ صحیفہ کہاں ہے۔ تب میں نے کہا کہ وہ صحیفہ یہ ہے۔ پس آپ نے اسے کھولا اور کہا۔ یہ خدا کی قسم! میرے چچا زید کی تحریر ہے اور دعا میرے دادا علی بن الحسین کی ہے، ان دونوں پر خدا کا سلام ہو۔ پھر اپنے فرزند سے فرمایا اے اسمٰعیل اٹھو اور وہ دعا میرے پاس لاؤ جس کی حفاظت اور دیکھ بھال[2] کا میں نے تم کو حکم دیا تھا[3]۔ پس اسمٰعیل اٹھے اور ایک صحیفہ نکالا جو ہو بہو وہی صحیفہ تھا جو مجھے یحییٰ بن زید نے دیا تھا پس اسے بوسہ دیا ابوعبداللہ (جعفر صادق) نے، ان پر سلام ہو اور اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور کہا کہ یہ میرے والد کی تحریر اور میرے دادا کا ان دونوں پر سلام ہو، میری موجودگی میں لکھوایا ہوا ہے۔ تو میں نے کہا کہ اے فرزندِ رسولؐ اگر اجازت دیجیے تو میں اس کا زید اور یحییٰ کے صحیفے سے مقابلہ کر لوں۔ پس آپ نے مجھے اس کی اجازت دی اور فرمایا کہ میں تجھے اس کا اہل سمجھتا ہوں۔ پس میں نے (دونوں کو ملا کر) دیکھا تو وہ دونوں ایک تھے اور میں نے ایک حرف بھی ایسا نہ پایا جو اس (عبارت) کے خلاف ہو جو دوسرے صحیفے میں ہے۔ پھر میں نے ابوعبداللہ (جعفر صادق) سے، ان پر سلام ہو، اجازت چاہی عبداللہ بن حسن کے دونوں بیٹوں کو یہ صحیفہ دے دینے کی۔ تو آپ نے فرمایا "بے شک[4] خدائے تعالیٰ

---

[1] یعنی اس صحیفے کے بارے میں جو یحییٰ کے والد جناب زید شہید نے اپنے پدر بزرگوار حضرت امام زین العابدین کی تعلیم سے قلمبند کیا تھا۔

[2] وَصَوْنِهٖ کا ترجمہ جو اگلی سطر میں ہے۔

[3] اَمَرْتُكَ کا ترجمہ جو اوپر مذکور ہوا۔

[4] کلام پاک کی آیت ہے۔

اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى
اَهْلِهَا نَعَمْ فَادْفَعْهَا اِلَيْهِمَا فَلَمَّا نَهَضْتُ
لِلِقَائِهِمَا قَالَ لِيْ مَكَانَكَ ثُمَّ وَجَّهَ اِلٰى
مُحَمَّدٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ فَجَآءَا فَقَالَ هٰذَا مِيْرَاثُ
ابْنِ عَمِّكُمَا يَحْيٰى مِنْ اَبِيْهِ قَدْ خَصَّكُمَا
بِهٖ دُوْنَ اِخْوَتِيْ وَنَحْنُ مُشْتَرِطُوْنَ
عَلَيْكُمَا فِيْهِ شَرْطًا فَقَالَا رَحِمَكَ اللّٰهُ
وَ قُلْ فَقَوْلُكَ الْمَقْبُوْلُ فَقَالَ لَا تَخْرُجَا
بِهٰذِهِ الصَّحِيْفَةِ مِنَ الْمَدِيْنَةِ قَالَا وَلِمَ
ذَاكَ قَالَ اِنَّ ابْنَ عَمِّكُمَا خَافَ عَلَيْهَا
اَمْرًا اَخَافُهٗ اَنَا عَلَيْكُمَا قَالَا اِنَّمَا
خَافَ عَلَيْهَا حِيْنَ عَلِمَ اَنَّهٗ يُقْتَلُ فَقَالَ
اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ اَنْتُمَا فَلَا
تَأْمَنَا فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اَنَّكُمَا سَتَخْرُجَانِ
كَمَا خَرَجَ وَ سَتُقْتَلَانِ كَمَا قُتِلَ فَقَامَا
وَهُمَا يَقُوْلَانِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا
بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ فَلَمَّا خَرَجَا قَالَ
لِيْ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ
يَا مُتَوَكِّلُ كَيْفَ قَالَ لَكَ يَحْيٰى
اِنَّ عَمِّيْ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ وَابْنَهٗ
جَعْفَرًا دَعَوَا النَّاسَ اِلَى الْحَيٰوةِ وَ
نَحْنُ دَعَوْنَاهُمْ اِلَى الْمَوْتِ قُلْتُ
نَعَمْ اَصْلَحَكَ اللّٰهُ قَدْ قَالَ لِيْ ابْنُ

تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں تک پہنچا دو۔"
ہاں[1] اسے ان دونوں کو دے دو۔ پس جبکہ میں ان دونوں کی
ملاقات کے لیے چلا تو مجھ سے (جعفر صادق نے) فرمایا۔ تم
یہیں ٹھہرو۔ پھر آپ نے کسی کو بھیج دیا محمد اور ابراہیم کی
طرف (ان کے گھر) جب وہ دونوں آئے تو آپ نے کہا کہ یہ
تمھارے چچیرے بھائی یحییٰ کی میراث ہے جو انھیں اپنے باپ سے
ملی تھی۔ یہ انھوں نے تمھیں خصوصیت سے دی ہے نہ کہ اپنے
بھائیوں کو اور ہم تم پر اس کے بارے میں ایک شرط لگاتے ہیں۔
انھوں نے جواب دیا "آپ پر خدائے تعالیٰ رحم فرمائے کہیے۔
آپ کا حکم مانا جائے گا۔ پس انھوں نے (جعفر صادق نے) کہا کہ
اس صحیفے کو لے کر مدینہ سے باہر نہ جانا۔ انھوں نے پوچھا، یہ کس
لیے؟ آپ نے فرمایا کہ بے شک تمھارے چچازاد بھائی کو اس
(صحیفہ) کے بارے میں ایک بات کا ڈر تھا، وہی خوف مجھے تمھارے
متعلق ہے۔ انھوں نے کہا کہ نہیں خوف کیا انھوں نے اس صحیفہ
کے متعلق مگر اس وقت جبکہ یہ جان لیا کہ وہ قتل کر دیے جائیں گے۔
ابوعبداللہ (جعفر صادق) نے فرمایا اگر تم دونوں بھی بے خوف نہ ہو۔
پس خدا کی قسم! بے شک میں یہ جانتا ہوں کہ تم دونوں عنقریب
خروج کرو گے جیسے کہ انھوں نے (یحییٰ نے) خروج کیا اور بہت
جلد قتل کیے جاؤ گے جس طرح کہ وہ مقتول ہوئے۔ پس وہ دونوں یہ
کہتے جاتے تھے "نہیں ہے قوت اور نہ طاقت۔ مگر بلند مرتبہ اور
عظمت رکھنے والے معبود کی مدد سے"۔ پس جبکہ ان دونوں نے
خروج کیا تو مجھ سے ابوعبداللہ نے ان پر خدا کا سلام ہو کہا، اے
متوکل! کیوں کر کہا تھا تم سے یحییٰ نے کہ میرے چچا[2] محمد بن علی اور

---

ا؎ یہاں سے قول جعفر صادق ہے۔

۲؎ محمد باقر بن علی زین العابدین۔

عَمُّكَ يَحْيٰى ذٰلِكَ فَقَالَ يَرْحَمُ اللّٰهُ
يَحْيٰى اِنَّ اَبِيْ حَدَّثَنِيْ عَنْ اَبِيْهِ
عَنْ جَدِّهٖ عَنْ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ
اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
اٰلِهٖ اَخَذَتْهُ نَعْسَةٌ وَّهُوَ عَلٰى
مِنْبَرِهٖ فَرَاٰى فِيْ مَنَامِهٖ رِجَالًا
يَنْزُوْنَ عَلٰى مِنْبَرِهٖ نَزْوَ الْقِرَدَةِ
يَرُدُّوْنَ النَّاسَ عَلٰى اَعْقَابِهِمُ
الْقَهْقَرٰى فَاسْتَوٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ جَالِسًا
وَالْحُزْنُ يُعْرَفُ فِيْ وَجْهِهٖ فَاَتَاهُ
جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِهٰذِهِ
الْاٰيَةِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا
الَّتِيْ اَرَيْنَاكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ
وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ
وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا
طُغْيَانًا كَبِيْرًا يَعْنِيْ بَنِيْ اُمَيَّةَ
قَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اَعَلٰى عَهْدِيْ
يَكُوْنُوْنَ وَفِيْ زَمَنِيْ قَالَ

ان کے فرزند جعفر نے لوگوں کو دعوت دی زندگی کی طرف اور ہم نے
انھیں موت کی طرف بلایا (متوکل کا بیان ہے کہ) میں نے عرض کی
ہاں! خدا آپ[1] کا شریک حال رہے۔ مجھ سے آپ کے چچازاد بھائی
نے یہی کہا تھا۔ پس آپ نے فرمایا خدائے تعالیٰ یحییٰ پر رحم کرے۔
بے شک میرے[2] والد نے مجھ سے بیان کیا۔ انھوں نے اپنے
والد[3] سے (سنا) انھوں نے اپنے دادا علی[4] سے، ان سب پر سلام
ہو (سنا) کہ رسول اللہ کو، خدا ان پر اور ان کی اولاد پر درود
بھیجے (ایک دفعہ) نیند سی آگئی اور وہ (اس وقت) اپنے منبر پر
تھے پس آپ نے خواب میں کچھ لوگوں کو دیکھا جو آپ کے منبر پر
اسی طرح اچکتے ہیں جیسے بندر اچکا کرتے ہیں (اور) وہ لوگوں کو الٹے
پاؤں پلٹائے دے رہے ہیں۔ پس سیدھے ہو بیٹھے رسول اللہ، خدا
ان پر اور ان کی اولاد پر درود بھیجے، اور رنج وغم ظاہر ہو رہا تھا
حضور کے چہرے سے۔ اتنے میں جبرئیل علیہ السلام خدمت میں
یہ آیت لے کر حاضر ہوئے (ترجمہ) "اور نہیں قرار دیا ہم نے اس
خواب کو جو ہم نے تمھیں دکھایا مگر لوگوں کے لیے امتحان[5]۔ اور
(اسی طرح) اس درخت کو جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے (امتحان
قرار دیا ہے) اور ہم انھیں[6] (عذاب کا) خوف دلاتے ہیں پس یہ
(خوف) بھی ان کی عظیم سرکشی ہی کو بڑھاتا ہے۔" مراد لی ہے
(خداوند عالم نے) بنی امیہ سے۔ فرمایا (رسول اللہ نے) اے

---

[1] اس کا ترجمہ ایک مترجم فارسی نے نیز اردو مترجم نے بھی یہ کیا ہے کہ "خدا آپ کی اصلاح حال کرے" یہ ترجمہ مقصود قائل کے خلاف اور اہل عرب کے روزمرہ سے خارج ہے۔

[2] حضرت محمد باقر

[3] حضرت زین العابدین

[4] ابن ابی طالب

[5] اَلْفِتْنَةُ آزمانا اور دھوکا دینا۔ یہاں آزمائش اور امتحان مراد ہے۔

[6] رسالتمآب نے فرمایا کہ اس سے بنی امیہ مراد ہیں جیسا کہ بعد میں مذکور ہے۔

لَا وَلٰكِنْ تَدُوْرُ رَحَى الْاِسْلَامِ
مِنْ مُهَاجَرِكَ فَتَلْبَثُ بِذٰلِكَ
عَشْرًا ثُمَّ تَدُوْرُ رَحَى الْاِسْلَامِ عَلٰى
رَاْسِ خَمْسَةٍ وَّ ثَلٰثِيْنَ مِنْ مُهَاجَرِكَ
فَتَلْبَثُ بِذٰلِكَ خَمْسًا ثُمَّ لَا بُدَّ
مِنْ رَحٰى ضَلَالَةٍ هِيَ قَائِمَةٌ عَلٰى
قُطْبِهَا ثُمَّ مُلْكُ الْفَرَاعِنَةِ قَالَ
وَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ ذٰلِكَ اِنَّا
اَنْزَلْنَاهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا اَدْرٰىكَ
مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ
اَلْفِ شَهْرٍ يَمْلِكُهَا بَنُوْا اُمَيَّةَ لَيْسَ فِيْهَا
لَيْلَةُ الْقَدْرِ قَالَ فَاطَّلَعَ اللّٰهُ عَزَّ وَ
جَلَّ نَبِيَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ بَنِيْ اُمَيَّةَ
تَمْلِكُ سُلْطَانَ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَمُلْكَهَا
طُوْلَ هٰذِهِ الْمُدَّةِ فَلَوْ طَاوَلَتْهُمُ
الْجِبَالُ لَطَالُوْا عَلَيْهَا حَتّٰى يَاْذَنَ
اللّٰهُ تَعَالٰى بِزَوَالِ مُلْكِهِمْ وَهُمْ
فِيْ ذٰلِكَ يَسْتَشْعِرُوْنَ عَدَاوَتَنَا
اَهْلَ الْبَيْتِ وَبُغْضَنَا اَخْبَرَ اللّٰهُ
نَبِيَّهٗ بِمَا يَلْقٰى اَهْلُ بَيْتِ مُحَمَّدٍ
وَّ اَهْلُ مَوَدَّتِهِمْ وَ شِيْعَتُهُمْ مِنْهُمْ

جبرئیل کیا میرے عہد میں ہوں گے یہ لوگ اور میرے زمانے میں؟
(جبرئیل نے) کہا نہیں۔ لیکن گردش کر رہی ہے اسلام کی چکی آپ
کے وقت ہجرت سے اور اسی حالت پر دس برس تک قائم رہے
گی۔ پھر گردش کرے گی اسلام کی چکی ابتدائے ۳۵ھ میں آپ کی
ہجرت سے اور اس حالت پر پانچ برس قائم رہے گی۔ پھر ضرور
ایک گمراہی کی چکی ہوگی جو اپنے قطب (یعنی گمراہی) پر قائم رہے
گی پھر فرعونوں کی حکومت ہوگی۔ فرمایا اور اسی حکومت بنی امیہ
کے بارے میں نازل کیا ہے اللہ تعالیٰ نے (ترجمہ) "نازل کیا ہے
ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر[1] میں اور کس بات نے آگاہ کیا
تجھ کو کہ شب قدر کیا چیز ہے؟ شب قدر[2] ہزار مہینوں سے
بہتر ہے۔" (وہ ہزار مہینے[3]) جن کے مالک بنی امیہ ہوں گے
(اور) جن میں شب قدر نہ ہوگی۔ فرمایا (جعفر صادق نے) پس
مطلع کیا اللہ بزرگ و برتر نے اپنے نبی کو، ان پر سلام ہو، کہ
بنی امیہ اس امت کے اور اس کی مملکت کے اس مدت کے
بقدر حکمران ہوں گے پس اگر (اس مدت میں) پہاڑ بھی ان
سے ٹکرائیں، تو وہ (بنی امیہ) ان (پہاڑوں) سے بڑھ جائیں گے
یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اذن دے ان کے زوال حکومت کے لیے۔
اور وہ (بنی امیہ) اس حالت (غلبہ و تسلط) میں دل میں رکھیں گے ہم
اہل بیت[4] کی عداوت اور ہماری دشمنی کو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے
نبی کو خبر دے دی ہے اُن مصائب کی جو محمد کے اہل بیت
اور ان کے دوستدار اور ان کے گروہ بنی امیہ کے ہاتھوں ان

---

۱ ہر سال ایک رات معین ہے جس میں رزق اور عمر اور سالِ آئندہ کے تمام واقعات و معاملات کارکنانِ قضا و قدر کو سپرد کیے جاتے ہیں۔

۲ یعنی کسی نے تجھ کو آگاہ نہیں کیا۔

۳ یعنی دورِ بنو امیہ کے ہزار مہینے۔ ۸۳ سال اور چار ماہ۔

۴ یعنی اولادِ رسالتمآب۔

فِيْ اَيَّامِهِمْ وَمُلْكِهِمْ قَالَ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْهِمْ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَ بِئْسَ الْقَرَارُ وَنِعْمَةُ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ وَاَهْلُ بَيْتِهٖ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ حُبُّهُمْ اِيْمَانٌ يُدْخِلُ الْجَنَّةَ وَبُغْضُهُمْ كُفْرٌ وَّنِفَاقٌ يُدْخِلُ النَّارَ فَاَسَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ ذٰلِكَ اِلٰى عَلِيٍّ وَّاَهْلِ بَيْتِهٖ قَالَ ثُمَّ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا خَرَجَ وَلَا يَخْرُجُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ اِلٰى قِيَامِ قَائِمِنَا اَحَدٌ لِيَدْفَعَ ظُلْمًا اَوْ يَنْعَشَ حَقًّا اِلَّا اصْطَلَمَتْهُ الْبَلِيَّةُ وَكَانَ قِيَامُهٗ زِيَادَةً

کے دور اور ان کی حکومت میں اٹھائیں گے۔[1] فرمایا (جعفر صادق نے) اور ان ہی لوگوں کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ہے (ترجمہ) کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے خدا کی نعمت کا بدلہ دیا ناشکری سے اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر (یعنی) جہنم میں دھکیل دیا جس میں وہ جلتے رہیں گے اور (وہ) بہت بُرا مقام ہے۔" (جعفر صادق نے فرمایا) کہ اللہ کی نعمت[2]، محمد اور ان کی اولاد ہیں۔ ان کی محبت (کا نام) ایمان ہے، جو جنت میں لے جائے گا اور ان کی دشمنی (کا نام) کفر اور نفاق ہے جو دوزخ میں جھونک دے گا۔ پس رازداری کے ساتھ کہہ دی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات علی (ابن ابی طالب) سے اور اپنے اہل بیت سے۔ متوکل کہتے ہیں پھر ابو عبداللہ (جعفر صادق) نے (ان پر سلام ہو) کہا نہیں خروج کیا اور نہ خروج کرے گا کوئی (بھی) ہم اہل بیت میں سے، ہمارے قائم کے[3] اٹھنے تک۔ اس خیال[4] سے کہ ظلم کو دور کرے یا حق کو بلند کرے، مگر بلائیں[5] اس کا خاتمہ کر دیں گی اور اس کا اٹھنا (خروج کرنا)

---

[1] یلعی کا مفہوم جو صفحہ ۱۰ کی سطر ۲۰ میں مذکور ہے۔

[2] جس کا آیۂ مذکورہ میں تذکرہ ہے۔

[3] اس جملے کے مفہوم میں علمائے اسلام کے دو مسلک ہیں بعض کہتے ہیں کہ اس سے یہ مراد ہے کہ آخر زمان میں جب دنیا کفر اور شرک سے بھر جائے گی تو حضور کی نسل سے ایک شخص پیدا ہوگا جو ظلم وجور کو مٹا کر دنیا بھر میں اسلام پھیلا دے گا اور کل عالم پر حکومت کرے گا اور بعض اس کے قائل ہیں کہ امام مہدی جو آنحضرت کی نسل سے ہی پیدا ہو کر ایک مدت تک غائب رہیں گے اور آخر زمان میں جبکہ دنیا کفر و شرک سے پر ہو جائے گی ظہور کریں گے اور دینِ محمد کو رواج دیں گے ـــــ بہر حال دونوں صورتوں میں "قائم کے اٹھنے" سے ایک ہستی مراد ہے جو رسالتمآب کی نسل سے ہوگی اور حکومت وقت کے خلاف خروج کر کے دنیا میں امن و امان اور عدل و انصاف قائم کرے گی۔

[4] یعنی جو بھی اس خیال سے خروج کرے گا۔

[5] یعنی اگر خروج کیا تو ایسا ہوگا۔

فِي مَكْرُوهِنَا وَشِيعَتِنَا قَالَ الْمُتَوَكِّلُ بْنُ هَارُونَ ثُمَّ أَمْلَى عَلَيَّ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْأَدْعِيَةَ وَهِيَ خَمْسَةٌ وَسَبْعُونَ بَابًا سَقَطَ عَنِّي مِنْهَا أَحَدَ عَشَرَ بَابًا وَحَفِظْتُ مِنْهَا نَيِّفًا وَسِتِّينَ بَابًا وَحَدَّثَنَا أَبُو الْمُفَضَّلِ قَالَ وَحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ رُوزْبِهِ أَبُو بَكْرٍ الْمَدَائِنِيُّ الْكَاتِبُ نَزِيلُ الرَّحْبَةِ فِي دَارِهِ قَالَ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ مُسْلِمٍ الْمُطَهَّرِيُّ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عُمَيْرِ بْنِ مُتَوَكِّلٍ الْبَلْخِيِّ عَنْ أَبِيهِ الْمُتَوَكِّلِ بْنِ هَارُونَ قَالَ لَقِيتُ يَحْيَى بْنَ زَيْدِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِتَمَامِهِ إِلَى رُؤْيَا النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ الَّتِي ذَكَرَهَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ عَنْ آبَائِهِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَفِي رِوَايَةِ الْمُطَهَّرِيِّ ذِكْرُ الْأَبْوَابِ وَهِيَ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ التَّحْمِيدُ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ الصَّلَوٰةُ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ الصَّلَوٰةُ عَلَى حَمَلَةِ الْعَرْشِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ الصَّلَوٰةُ عَلَى مُصَدِّقِي الرُّسُلِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ

زیادتی کا باعث ہوگا ہمارے مصائب اور تکلیف میں۔ متوکل بن ہارون کا بیان ہے کہ پھر لکھائیں مجھ کو ابوعبداللہ (جعفر صادق) نے، ان پر سلام ہو دعائیں۔ اور وہ پانچ اور ستر (پچھتر) تھیں جن میں سے گیارہ میرے پاس سے گم ہوگئیں اور محفوظ کرلیں میں نے ان میں سے کچھ اوپر ساٹھ دعائیں۔ اور بیان کیا ہم سے ابوالمفضل نے۔ کہا (ابوالمفضل نے) کہ بیان کیا مجھ سے محمد بن حسن بن روزبہ ابوبکر مدائنی نے جو کہ کاتب (منشی) تھے۔ اور فروکش تھے اپنے مکان میں (جو کوفہ کے) محلہ رحبہ میں ہے۔ کہا انھوں نے (محمد نے) کہ بیان کیا مجھ سے محمد بن احمد بن مسلم مطہری نے کہا (مطہری نے) کہ بیان کیا مجھ سے میرے باپ نے عمیر بن متوکل سے (روایت کرتے ہوئے) جو کہ بلخ کے رہنے والے تھے۔ روایت کی (عمیر نے) اپنے باپ متوکل بن ہارون سے۔ کہا (متوکل نے) کہ ملا میں یحییٰ بن زید بن علی سے، ان سب پر سلام ہو۔ پس بیان کی انھوں نے مجھ سے یہ پوری حدیث، رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواب تک، جسے نقل کیا جعفر بن محمد نے اپنے آبائے کرام سے، ان سب پر خدا کی رحمت ہو، اور مطہری کی روایت میں دعاؤں کی تفصیل ہے اور وہ (یہ ہے) آپ (یعنی حضرت زین العابدین) کی ایک دعا حمد باری تعالیٰ میں تھی۔ اور ایک دعا محمد اور ان کی اولاد پر درود بھیجنے سے متعلق تھی اور ایک دعا حاملانِ عرش کے لیے طلب رحمت پر مشتمل تھی۔ اور ایک رسولوں کی تصدیق کرنے والوں پر صلوٰۃ بھیجنے کی دعا تھی

---

۱؎ مراد یہ ہے کہ آنحضرت کی مذکورہ بالا حدیث سے ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر قیام قائمؑ سے پہلے خروج کیا تو اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا اس لیے ہم خروج نہیں کرتے۔ لیکن یہ راز چونکہ سوائے ہمارے یحییٰ اور زید اور ان کے اخلاف کو معلوم نہیں۔ اس لیے انھوں نے خروج کیا۔

لِنَفْسِهٖ وَخَاصَّتِهٖ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عِنْدَ
الصَّبَاحِ وَالْمَسَاءِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي
الْمُهِمَّاتِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي الْاِسْتِعَاذَةِ
وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي الْاِشْتِيَاقِ وَكَانَ
مِنْ دُعَائِهٖ فِي اللَّجَاءِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَ
كَانَ مِنْ دُعَائِهٖ بِخَوَاتِمِ الْخَيْرِ وَكَانَ
مِنْ دُعَائِهٖ فِي الْاِعْتِرَافِ وَكَانَ مِنْ
دُعَائِهٖ فِي طَلَبِ الْحَوَائِجِ وَكَانَ
مِنْ دُعَائِهٖ فِي الظُّلَامَةِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ
عِنْدَ الْمَرَضِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي الْاِسْتِقَالَةِ
وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَى الشَّيْطَانِ وَكَانَ مِنْ
دُعَائِهٖ فِي الْمَحْذُوْرَاتِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ
فِي مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ
اِذَا حَزَنَهٗ اَمْرٌ فِي الْاِسْتِكْفَاءِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ
فِي الْاِسْتِسْقَاءِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عِنْدَ الشِّدَّةِ
وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي الْعَافِيَةِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ
لِاَبَوَيْهِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ
لِوُلْدِهٖ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ لِجِيْرَانِهٖ
وَاَوْلِيَائِهٖ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ لِاَهْلِ الثُّغُوْرِ وَ
كَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي التَّفَزُّعِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ
اِذَا قُتِّرَ عَلَيْهِ الرِّزْقُ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي
الْمَعُوْنَةِ عَلٰى قَضَاءِ الدَّيْنِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ
فِي طَلَبِ التَّوْبَةِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي صَلٰوةِ
اللَّيْلِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي الْاِسْتِخَارَةِ وَكَانَ
مِنْ دُعَائِهٖ اِذَا ابْتُلِيَ اَوْ رَاٰى مُبْتَلًى بِفَضِيْحَةٍ

اور ایک دعا اپنی ذات اور اپنے مخصوصین کے لیے تھی۔ اور ایک
صبح وشام کی دعا تھی۔ اور ایک سنقلوں میں پڑھنے کی دعا تھی۔
اور ایک دعا (مکروہات سے) پناہ مانگنے سے متعلق تھی۔ اور
ایک دعا (طلب مغفرت کے) اشتیاق میں تھی۔ اور ایک خدا سے
التجا کرنے کی دعا تھی۔ اور ایک دعا کاموں کا انجام بخیر ہونے
سے متعلق تھی۔ اور ایک اعتراف (قصور) کی دعا تھی۔ اور ایک
طلب حاجات کی دعا تھی۔ اور ایک دعا مظلوموں کی بابت تھی۔
اور ایک بیماری کے وقت کی دعا تھی۔ اور ایک معافی مانگنے کی
دعا تھی۔ اور ایک دعا شیطان کے لیے بددعا کرنے کی بابت
تھی۔ اور ایک خوف ناک باتوں سے بچنے کی دعا تھی۔ اور ایک
نیک اخلاق کے حصول کی دعا تھی۔ اور ایک دعا حزن وغم کے
اوقات میں خدا سے طلب کفایت کے لیے تھی اور ایک طلب
باراں کی دعا تھی اور ایک سختی کے وقت کی دعا تھی۔ اور ایک
دعا عافیت طلب کرنے کے لیے تھی۔ اور ایک دعا اپنے
والدین کے لیے تھی، اُن دونوں پر سلام ہو، اور ایک دعا اپنے
فرزندوں کے لیے تھی، ان سب پر سلام ہو۔ اور ایک دعا
اپنے پڑوسیوں اور دوستوں کے لیے تھی۔ اور ایک دعا سرحد
والوں کے واسطے تھی۔ اور ایک دعا (خدا کے سامنے) بیزاری
کے (اظہار کے) لیے تھی۔ اور ایک دعا اس وقت کے لیے
تھی جبکہ آپ پر رزق کی تنگی ہوتی تھی۔ اور ایک ادائے
قرض کے لیے مدد مانگنے کی دعا تھی۔ اور ایک دعا توبہ طلب
کرنے کے لیے تھی۔ اور ایک دعا رات کی (نماز میں پڑھنے)
کے لیے تھی۔ اور ایک دعا (خدا سے) طلب خیر کے لیے
تھی۔ اور ایک دعا اس موقع کی تھی جبکہ خود یا اور کسی کو گناہ
کی رسوائی میں مبتلا پاتے تھے۔ اور ایک دعا حکم خدا پر راضی

بِذَنْبٍ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي الرِّضَا بِالْقَضَاءِ
وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عِنْدَ سَمَاعِ الرَّعْدِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ
فِي الشُّكْرِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي الْاِعْتِذَارِ وَ
كَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي طَلَبِ الْعَفْوِ وَكَانَ مِنْ
دُعَائِهٖ عِنْدَ ذِكْرِ الْمَوْتِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي
طَلَبِ السَّتْرِ وَالْوِقَايَةِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عِنْدَ
خَتْمِهِ الْقُرْاٰنَ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ اِذَا نَظَرَ اِلَى
الْهِلَالِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ لِدُخُوْلِ شَهْرِ رَمَضَانَ
وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ لِوَدَاعِ شَهْرِ رَمَضَانَ وَكَانَ
مِنْ دُعَائِهٖ لِلْعِيْدَيْنِ وَالْجُمُعَةِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ
فِي دَفْعِ كَيْدِ الْاَعْدَاءِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي يَوْمِ
عَرَفَةَ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَالْجُمُعَةِ وَ
وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي الرَّهْبَةِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ
فِي التَّضَرُّعِ وَالْاِسْتِكَانَةِ وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي الْاِلْحَاحِ
وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ فِي التَّذَلُّلِ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ
فِي اسْتِكْشَافِ الْهُمُوْمِ وَبَاقِي الْاَبْوَابِ بِلَفْظِ اَبِيْ عَبْدِ
اللّٰهِ الْحَسَنِيِّ حَدَّثَنَا اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ جَعْفَرُ بْنُ
مُحَمَّدٍ الْحَسَنِيُّ قَالَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ بْنِ
الْخَطَّابِ الزَّيَّاتُ قَالَ حَدَّثَنِيْ خَالِيْ عَلِيُّ بْنُ
النُّعْمَانِ الْاَعْلَمُ قَالَ حَدَّثَنِيْ عُمَيْرُ بْنُ مُتَوَكِّلٍ
الثَّقَفِيُّ الْبَلْخِيُّ عَنْ اَبِيْهِ مُتَوَكِّلِ بْنِ هٰرُوْنَ
قَالَ اَمْلٰى عَلَيَّ سَيِّدِي الصَّادِقُ اَبُوْ عَبْدِ
اللّٰهِ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ قَالَ اَمْلٰى عَلٰى اَبِيْ
مُحَمَّدٍ جَدِّيْ عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ عَلَيْهِمْ
اَجْمَعِيْنَ السَّلَامُ بِمَشْهَدٍ مِنِّيْ ٥

رہنے کی بابت تھی۔ اور ایک دعا رعد (گرج) کی آواز سننے کے
وقت (پڑھنے کے لیے) تھی ۔ اور ایک دعا شکرگزاری میں
تھی۔ اور ایک دعا (اللہ تعالیٰ سے) معذرت میں تھی۔ اور
ایک دعا معافی مانگنے سے متعلق تھی۔ اور ایک دعا موت کے
یاد آنے کے وقت کی تھی۔ اور ایک دعا طلب حفاظت سے
متعلق تھی۔ اور ایک دعا قرآن ختم کرنے کے وقت پڑھتے
تھے۔ اور ایک دعا ہلال دیکھ کر پڑھتے تھے۔ اور ایک دعا
ماہ رمضان کے آنے کے وقت پڑھنے کی تھی۔ اور ایک دعا
اس کے رخصت کرنے کی تھی۔ اور ایک دعا عیدین اور جمعہ
کے دن کی تھی۔ اور ایک دشمنوں کے مکر کے دفعیہ کی دعا تھی۔
اور ایک دعا عرفہ کے دن کے لیے تھی۔ اور ایک دعا عید
قربان اور روز جمعہ کی تھی۔ اور ایک دعا خوف الٰہی پر مشتمل تھی۔
اور ایک دعا خدا کی بارگاہ میں بیقراری اور عاجزی کے موقع کی
تھی۔ اور ایک دعا (خدائے تعالیٰ کی) منت وسماجت کرنے کی تھی۔
اور ایک دعا خدا کی جناب میں اپنے آپ کو ذلیل سمجھنے کی تھی۔ اور ایک دعا
رنج دور ہونے کی تھی۔ اور باقی دعائیں ابوعبداللہ حسنی کے بیان کے مطابق
ہیں (جن کا اسناد یہ ہے :-) کہا (ابوعبداللہ حسنی نے) کہ مجھ سے ابوعبداللہ
جعفر بن محمد حسنی نے بیان کیا، انھوں نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر
بن خطاب زیتون فروش نے بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ مجھ سے بیان کیا
میرے ماموں علی بن نعمان اعلم نے۔ کہا انھوں نے کہ مجھ سے بیان کیا
عمیر بن متوکل ثقفی بلخی نے، اپنے باپ متوکل بن ہارون سے روایت کرتے
ہوئے۔ کہا انھوں نے کہ لکھایا مجھ کو میرے سردار ابوعبداللہ جعفر صادق بن
محمد نے، ان دونوں پر سلام ہو۔ فرمایا انھوں نے کہ لکھایا میرے والد
بزرگوار محمد (باقر) کو میرے دادا علی بن حسین بن علی نے، ان سب پر
سلام ہو میری موجودگی میں (یہ صحیفۂ کاملہ)

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا ابْتَدَأَ بِالدُّعَاءِ بَدَأَ بِالتَّحْمِيدِ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَالثَّنَاءِ

حضرت امام زین العابدین جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تھے تو پہلے ان الفاظ میں
جناب باری تعالیٰ عز اسمہ کی حمد و ثنا کرتے تھے بعد ازاں اصل دعا کی طرف رجوع فرماتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْاَوَّلِ بِلَا اَوَّلٍ كَانَ قَبْلَهُ وَ الْاٰخِرِ بِلَا اٰخِرٍ يَكُوْنُ بَعْدَهُ الَّذِيْ قَصُرَتْ عَنْ رُؤْيَتِهِ اَبْصَارُ النّٰظِرِيْنَ وَ عَجَزَتْ عَنْ نَعْتِهِ اَوْهَامُ الْوَاصِفِيْنَ اِبْتَدَعَ بِقُدْرَتِهِ الْخَلْقَ اِبْتِدَاعًا وَ اخْتَرَعَهُمْ عَلٰى مَشِيَّتِهِ اخْتِرَاعًا ثُمَّ سَلَكَ بِهِمْ طَرِيْقَ اِرَادَتِهِ وَ بَعَثَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ مَحَبَّتِهِ لَا يَمْلِكُوْنَ تَاْخِيْرًا عَمَّا قَدَّمَهُمْ اِلَيْهِ وَ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

جس جس پہلو سے تعریف ممکن ہے، اس کا سزاوار وہ معبود ہے جو سب سے اول ہے بغیر کسی اول[1] کے جو اس سے پہلے ہو۔ اور سب سے آخر ہے بغیر کسی آخر کے جو اس کے بعد ہے۔ وہ ایسا ہے جس کے دیدار سے دیکھنے والوں کی نگاہیں قاصر ہیں۔ اور اس کے اوصاف (خصوصیات) بیان کرنے سے ثنا و توصیف کرنیوالوں کا تخیل عاجز ہے۔ وہ اپنی قدرت سے مخلوق کو ایجاد[2] کر کے وجود میں لایا۔ اور انھیں جس طرح چاہا ہستی کے سانچے میں ڈھالا[3]۔ پھر انہیں اپنے ارادے کے راستے پر چلایا اور اپنی محبت[4] کی راہ میں ابھارا۔ (اب ■) اس بات پر قدرت نہیں رکھتے کہ جس[5] (فطرت،

---

[1] بِلَا اَوَّلٍ اور بِلَا اٰخِرٍ کی قید لگا دینے سے دو باتوں کی طرف اشارہ ہو گیا۔ جو درا صل توحید پروردگار عالم کی جان ہیں۔ اول یہ کہ ذات باری تعالےٰ پر زمانہ، مکان، کیفیت اور مقدار، غرض کسی بھی مادی یا ذہنی چیز کو تقدم یا تاخر حاصل نہیں۔ دوسرے یہ کہ اسے اول و آخر صرف اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ موجودات و کائنات کے وجود سے پہلے بھی تھا اور ان کی فنا کے بعد بھی ہو گا۔ بجائے خود نہ وہ اول ہے اور نہ آخر۔ کیونکہ اول و آخر کا انتساب اس ہستی سے ہو سکتا ہے جو کم سے کم زمانے کے حدود میں ہو۔ لہٰذا باری تعالیٰ کی طرف اولیت و آخریت کی نسبت، مخلوق کے اعتبار سے کی جا سکتی۔ اپنی ذات کی حیثیت سے نہ وہ اول ہے اور نہ آخر بلکہ ازلی و ابدی ہے۔

[2] ایجاد و اختراع کرنا اور وجود میں لانا دو جدا باتیں ہیں جن کا فرق عالم مثال میں اس طرح واضح کیا جاتا ہے کہ وجود میں صرف وہی چیز لائی جا سکتی ہے جس کا خاکہ اور مادہ پہلے سے موجود ہو لیکن جس کا خاکہ اور مادہ وغیرہ قبل سے موجود نہ ہو، اسے وجود میں لانے کے لیے اول ایجاد و اختراع سے خاکے اور مادہ وغیرہ کی تخلیق ہو گی۔ اس کے بعد وہ شے جامۂ وجود پہنے گی۔

[3] حدیثِ قدسی میں خدائے تعالےٰ نے فرمایا ہے "فَاَرَدْتُ اَنْ اُعْرَفَ" جس کا یہ مطلب ہے کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ پہچانا جاؤں۔ اس حدیث کے حوالے سے زیر نظر حمد میں امامؑ کی مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد خدائے تعالیٰ نے ان کو وہ خصوصیت ودیعت کی جو اس کی معرفت کے حصول میں مددگار ہوں۔ جیسا کہ بعد والے جملے سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

[4] یعنی حق سے محبت (جس کا لازمہ باطل سے نفرت ہے) ان کی فطرت میں ودیعت کیا۔

[5] آگے اگر چاہے کہ نہ جلائے تو وہ اس پر قدرت نہیں رکھتی۔

نَقَدَتْنَا اِلٰى مَا اَخَّرَهُمْ عَنْهُ وَجَعَلَ لِكُلِّ رُوْحٍ مِّنْهُمْ قُوْتًا مَّعْلُوْمًا مَّقْسُوْمًا مِّنْ رِّزْقِهٖ لَا يَنْقُصُ مَنْ زَادَهٗ مِنْهُمْ نَاقِصٌ وَّلَا يَزِيْدُ مَنْ نَّقَصَ مِنْهُمْ زَآئِدٌ ثُمَّ ضَرَبَ لَهٗ فِى الْحَيٰوةِ اَجَلًا مَّوْقُوْتًا وَّنَصَبَ لَهٗ اَمَدًا مَّمْدُوْدًا يَتَخَطَّآ اِلَيْهِ بِاَيَّامِ عُمُرِهٖ وَيَرْهَقُهٗ بِاَعْوَامِ دَهْرِهٖ حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَقْصٰى اَثَرِهٖ وَاسْتَوْعَبَ حِسَابَ عُمُرِهٖ قَبَضَهٗ اِلٰى مَا نَدَبَهٗ اِلَيْهِ مِنْ مَّوْفُوْرِ ثَوَابِهٖ اَوْ مَحْذُوْرِ عِقَابِهٖ لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى عَدْلًا مِّنْهُ تَقَدَّسَتْ اَسْمَآؤُهٗ وَتَظَاهَرَتْ اٰلَآؤُهٗ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ لَوْ حَبَسَ عَنْ عِبَادِهٖ مَعْرِفَةَ حَمْدِهٖ عَلٰى مَا اَبْلَاهُمْ مِّنْ مِّنَنِهِ الْمُتَتَابِعَةِ وَاَسْبَغَ عَلَيْهِمْ مِّنْ نِّعَمِهِ الْمُتَظَاهِرَةِ لَتَصَرَّفُوْا فِىْ مِنَنِهٖ فَلَمْ يَحْمَدُوْهُ وَتَوَسَّعُوْا فِىْ رِزْقِهٖ فَلَمْ

کی طرف انھیں بڑھایا ہے اس سے پیچھے ہٹ جائیں (نیز) اس پر بھی قادر نہیں کہ جس (فطرت) سے انھیں ہٹایا ہے اس کی طرف بڑھ سکیں۔ اور ان میں سے ہر روح کو، اپنے رزق سے تقسیم کرکے ایک مقرر اور معلوم غذا دے دی،[1] اب وہ غذا جسے زیادہ دی ہے اسے کوئی کم کرنے والا کم نہیں کر سکتا۔ اور جسے کم دی ہے اسے کوئی بڑھانے والا بڑھا نہیں سکتا۔ پھر اس (انسان) کے لیے زندگی کی ایک مدت معین کی جس کا وقت مقرر کر دیا اور اس کے لیے ایک معین حد قائم کر دی کہ اپنی زندگی کے دنوں کے ذریعہ وہ اس کی طرف چلتا رہتا ہے۔ اور اپنے زمانہ (حیات) کے سالوں میں اسی سے ملحق ہونا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی مدت کی انتہا تک پہنچتا ہے اور اپنی عمر کا حساب پورا کر لیتا ہے، تو (خدائے تعالیٰ) اسے کھینچ لیتا ہے اپنے اس وافر ثواب یا ڈراتے ہوئے عذاب کی طرف جس کی جانب اسے بلایا ہے تاکہ جن لوگوں نے برے کام کیے ہیں انھیں ان کے کیے کی سزا دے اور جنھوں نے اچھے کام کیے ہیں انھیں اس کا اجر عطا کرے ــــ اپنے عدل و انصاف کی بنا پر ــــ اس کے اسماء[2] (نام) مقدس[3] ہیں۔ اور اس کی، یہ نعمتیں مسلسل[4] ہیں۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس کے متعلق اس سے باز پرس نہیں کی جا سکتی۔

---

[1] یعنی روزی معین میں کمی بیشی کسی کے امکان میں نہیں۔

[2] خدائے تعالیٰ کے تمام اسماء ہمارے ناموں کی طرح "عَلَم" کی حیثیت نہیں رکھتے۔ بلکہ ہر نام اس کی ایک نہ ایک صفتِ کمالیہ سے مشتق ہے اور یہ صفت عین ذات ہے۔ اسی بنا پر "اسماء" سے اس جگہ (اور ہر مقام پر) باری تعالیٰ عز اسمہ کے تذکرے میں اس کی صفات مراد ہیں۔

[3] عالم قدس سے منسوب۔ جہاں پرندہ پر نہیں مارتا۔ یہاں تک کہ انسان کا تصور بھی وہاں نہیں جا سکتا۔ مفہوم جملہ یہ ہے کہ اس کی صفات، ذہن انسانی کی رسائی سے بالاتر ہیں۔

[4] چنانچہ ہر سانس ایک نعمت ہے "تظاہرت" کے دوسرے معنی یہ بھی ہیں کہ اس کی نعمتیں علانیہ اور کھلم کھلا یکے بعد دیگرے آتی ہیں۔

يَشْكُرُوْهُ وَلَوْ كَانُوْا كَذٰلِكَ لَخَرَجُوْا
مِنْ حُدُوْدِ الْاِنْسَانِيَّةِ اِلٰى حَدِّ
الْبَهِيْمِيَّةِ فَكَانُوْا كَمَا وَصَفَ فِيْ مُحْكَمِ
كِتَابِهٖ اِنْهُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ
اَضَلُّ سَبِيْلًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا
عَرَّفَنَا مِنْ نَفْسِهٖ وَاَلْهَمَنَا مِنْ
شُكْرِهٖ وَفَتَحَ لَنَا مِنْ اَبْوَابِ الْعِلْمِ
بِرُبُوْبِيَّتِهٖ وَدَلَّنَا عَلَيْهِ مِنَ
الْاِخْلَاصِ لَهٗ فِيْ تَوْحِيْدِهٖ وَ
جَنَّبَنَا مِنَ الْاِلْحَادِ وَالشَّكِّ فِيْ
اَمْرِهٖ حَمْدًا نُعَمَّرُ بِهٖ فِيْمَنْ
حَمِدَهٗ مِنْ خَلْقِهٖ وَنَسْبِقُ
بِهٖ مَنْ سَبَقَ اِلٰى رِضَاهُ وَ
عَفْوِهٖ حَمْدًا يُضِيْءُ لَنَا
بِهٖ ظُلُمَاتِ الْبَرْزَخِ وَ
وَيُسَهِّلُ عَلَيْنَا بِهٖ سَبِيْلَ
الْمَبْعَثِ وَيُشَرِّفُ بِهٖ مَنَازِلَنَا
عِنْدَ مَوَاقِفِ الْاَشْهَادِ يَوْمَ
تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ

اور ان سے (انسانوں) سے باز پرس کی جائے گی اور تمام تر تعریفوں
کا مستحق ہے وہ اللہ جو اگر چھین لیتا بندوں سے اپنی حمد وثنا کی[1]
معرفت کو ـــــ (وہ حمد وثنا) جو ان پے در پے نعمتوں کی بنا پر
لازم ہے جو اس نے عطا کی ہیں۔ اور ان مسلسل انعامات کی وجہ
سے ضروری ہے جو ان (انسانوں) پر (خدا نے) تمام کر دیے
ہیں، ـــــ تو ضرور ایسا ہوتا کہ وہ اس کی نعمتوں میں تصرف کرتے
مگر حمد وثنا ادا نہ کرتے۔ اور اس کے رزق کی فراخی سے تو مستفیض
ہوتے مگر شکر بجا نہ لاتے اور اگر وہ ایسے ہو جاتے تو انسانیت
کی حدود سے نکل کر حیوانیت[2] کے دائرے میں پہنچ جاتے اور ویسے
ہو جاتے، جیسا کہ اس نے اپنی کتاب پاک کی صریح آیتوں میں
فرمایا ہے (ترجمہ) نہیں ہیں وہ مگر جانوروں کی مثل بلکہ گمراہ تر ہیں[3]
ـــــ کل تعریفوں کا مستحق وہ معبود ہے جس نے ہمیں اپنی معرفت
کرائی۔ اور ہمیں اپنے شکر کا طریقہ سکھایا اور ہم پر اپنی پروردگاری
کے علم (کو حاصل کرنے) کے دروازے[4] کھولے اور ہمیں اپنی طرف
راستہ دکھایا، اپنی توحید میں علم کے مخلصانہ استعمال کے ذریعہ سے ـــ
اور ہمیں اپنے امر میں انکار اور شک سے دور رکھا ـــ ایسی تعریف
جس کے ساتھ ہم مخلوق میں ہر حمد کرنے والے کے ساتھ زندگی بسر
کرنے کے اہل ہوں اور جس کی بدولت ہر اس شخص پر سبقت لے
جائیں جو اس کی رضامندی اور بخشش کی طرف بڑھے ـــــ ایسی

---

[1] یعنی توفیق سلب کر لیتا۔

[2] کیونکہ حیوانوں سے انسانوں کا مابہ الامتیاز ہی یہ ہے کہ وہ معرفت نہیں حاصل کر سکتے اور یہ حصول معرفت کا ما[illegible] رکھتا ہے اور اس کی خلقت کی غرض وغایت بھی یہی ہے کہ معرفت حاصل ک[illegible]ے۔

[3] کیونکہ اسے حصول معرفت کی قوت ہی نہیں دی گئی مگر یہ قوت رکھتے ہوئے اسے کام میں نہیں لایا۔

[4] یعنی ہمیں اس بات کا علم عطا فرمایا کہ وہ رب اور پروردگار ہے۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ يَوْمَ لَا
يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا
وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ حَمْدًا
يَرْتَفِعُ مِنَّا إِلَى أَعْلَى عِلِّيِّينَ
فِي كِتَابٍ مَرْقُومٍ يَشْهَدُهُ
الْمُقَرَّبُونَ حَمْدًا تَقَرُّ بِهِ
عُيُونُنَا إِذَا بَرِقَتِ الْأَبْصَارُ
وَتَبْيَضُّ بِهِ وُجُوهُنَا إِذَا
اسْوَدَّتِ الْأَبْشَارُ حَمْدًا
نُعْتَقُ بِهِ مِنْ أَلِيمِ نَارِ
اللهِ إِلَى كَرِيمِ جِوَارِ اللهِ
حَمْدًا
نُزَاحِمُ بِهِ مَلَائِكَتَهُ الْمُقَرَّبِينَ
وَنُضَامُّ بِهِ أَنْبِيَاءَهُ الْمُرْسَلِينَ
فِي دَارِ الْمُقَامَةِ الَّتِي لَا
تَزُولُ وَمَحَلِّ كَرَامَتِهِ

تعریف جو ہمارے لیے برزخ[1] (قبر) کی تاریکیوں[2] کو منور کر دے اور
روز حشر (حساب و کتاب کے لیے اٹھائے جانے کی منزل کو آسان
بنا دے اور جس کی بدولت (خدائے تعالیٰ) ہماری منزلوں کو (میدان
حشر میں) حاضر ہونے والوں کی منزلوں سے بلند کر دے۔ اس روز
جبکہ ہر شخص کو اس کے کردار کی جزا و سزا دی جائے گی کسی قسم
کا ظلم نہیں ہوگا۔ اس روز جبکہ کوئی دوست کسی دوست کو کوئی چیز
نہیں دے سکے گا۔ اور نہ اس کی مدد کی جائے گی ـــ ایسی تعریف
جو ہمارے پاس سے اعلیٰ علیین[3] کی طرف بلند ہوتی ہے۔ (ایسا
اعلیٰ علیین) جو کتاب[4] مرقوم میں (مذکور ہے اور) جسے[5] مقربین
بارگاہ الٰہی پائیں گے ـــ ایسی تعریف جس سے ہماری آنکھیں اس
وقت (روز قیامت) ٹھنڈی ہوں جبکہ (دوسروں کی) نگاہیں خیرہ[6]
ہوتی جاتی ہوں اور جس کے باعث ہمارے چہرے روشن ہو جائیں
جبکہ (گنہگاروں کے) منہ سیاہ ہوئے ہوں ـــ ایسی تعریف جس
کی بدولت ہم آزاد کر دیے جائیں (آزادانہ چلے جائیں) خدائے تعالیٰ
(کے عذاب) کی دردناک[7] آگ سے (بچ کر) اس کی مبارک ہمسائیگی
کی طرف ـــ ایسی حمد کہ مزاحمت[8] (مقابلہ) کریں ہم جس کی بدولت

---

[1] بعد از موت و قبل از محشر کی حالت۔ [2] قبر کی ظلمتیں یا اعمال بد کی تاریکیاں۔

[3] بلند مرتبہ لوگوں کی منزلوں میں سب سے بلند منزل۔ [4] لوح محفوظ یا علم باری تعالےٰ عز اسمہ۔

[5] خلاصہ کلام یہ ہے کہ وہ حمد جو جنت کے اس بلندترین مقام میں پہنچا دیتی ہے جو لوح محفوظ میں مذکور ہے اور جو صرف مقربین الٰہی کو ملے گا۔

[6] روز قیامت جبکہ آفتاب محشر کی تمازت سے بدکاروں کی نگاہیں چکاچوند ہو رہی ہوں اور انھیں اپنی تاریکی اعمال کے علاوہ کچھ نظر نہ آتا ہو۔

[7] "الیم نار" سے جہنم کا طبقۂ زوالبعن مراد ہے جس کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ ایک بار اس طبقہ نے اپنی شدت حرارت کا باری تعالےٰ سے شکوہ کیا تو جواب ملا کہ تشکر کر کہ تو وہ طبقہ نہیں ہے جو ظالم قاضیوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے اور جو شدت حرارت میں تجھ سے بھی دوچند ہے۔

[8] ایک نسخے میں "نُزاحِم" نظر سے گزرا جس کے معنی ہیں۔ رحم دلائیں ہم۔ مگر یہ لفظ سیاق کلام میں درست نہیں معلوم ہوتا کیونکہ کسی کو اپنے اوپر رحم اسی وقت دلایا جاتا ہے جبکہ حالت سقیم ہو یہ ظاہر ہے کہ جس قسم کی حمد کا تذکرہ ہے اس کے بجالانے والے کی حالت سقیم نہ ہو گی۔ ایسی صورت میں رحم دلانے کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔

الَّتِیْ لَا تَحُوْلُ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی اخْتَارَ لَنَا مَحَاسِنَ الْخَلْقِ وَ اَجْرٰی عَلَیْنَا طَیِّبَاتِ الرِّزْقِ وَ جَعَلَ لَنَا الْفَضِیْلَةَ بِالْمَلَکَةِ عَلٰی جَمِیْعِ الْخَلْقِ فَکُلُّ خَلِیْقَتِهٖ مُنْقَادَةٌ لَنَا بِقُدْرَتِهٖ وَ صَائِرَةٌ اِلٰی طَاعَتِنَا بِعِزَّتِهٖ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَغْلَقَ عَنَّا بَابَ الْحَاجَةِ اِلَّا اِلَیْهِ فَکَیْفَ نُطِیْقُ حَمْدَهٗ اَمْ مَتٰی نُؤَدِّیْ شُکْرَهٗ لَا مَتٰی وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَکَّبَ فِیْنَا اٰلَاتِ الْبَسْطِ وَ جَعَلَ اَدَوَاتِ الْقَبْضِ وَ مَتَّعَنَا بِاَرْوَاحِ الْحَیٰوةِ وَ اَثْبَتَ فِیْنَا جَوَارِحَ الْاَعْمَالِ وَ غَذَّانَا بِطَیِّبَاتِ الرِّزْقِ

خدائے تعالیٰ کے ملائکہ مقربین کی۔ اور مل جائیں اس کی بدولت انبیائے مرسلین سے۔ اس مقام (مکان) میں جو کبھی زائل نہ ہوگا۔[۱] (ہمیشہ رہے گا) اور عظمت و بزرگی کی اس منزل میں جو متغیر نہ ہوگی ـــ تمام تعریفیں اس معبود کے لیے زیبا ہیں جس نے ہمارے[۲] واسطے خلقت (پیدائش) کی تمام خوبیاں چن لیں اور ہم پر روزی کی تمام پاکیزگیاں (لطافتیں اور لذتیں) جاری[۳] فرمائیں اور ہمیں تمام مخلوقات پر قوت[۴] اور تسلط کی بنا پر فضیلت عنایت کر دی۔ جس کے بعد اس کی تمام مخلوق اسی کے حکم[۵] سے ہماری مطیع ہے اور اسی کے غلبہ کی بدولت ہماری اطاعت کے ارد گرد گھومتی رہتی ہے ـــ ہر توصیف و ثنا کا مستحق وہ معبود ہے جس نے ہمارے لیے اپنی (ہماری) حاجتوں کو کسی غیر کے سامنے پیش کرنے کے دروازے[۶] بند کر دیے۔ تو (بھر اب) کہاں ہماری یہ تاب و طاقت (مجال) ہے کہ (اس عظیم نعمت پر) اس کی حمد یا کبھی بھی اس کا شکر ادا کر سکیں۔ کبھی نہیں کر سکتے ـــ تمام تعریفیں اس معبود کے لیے ہیں جس نے ہماری ترکیب جسمانی میں کھولنے[۷] کی قوتیں شامل لیں اور پکڑنے[۸] کی طاقتیں عنایت فرمائیں اور (اس طرح) ہمیں زندگی کی راحتوں سے بہرہ مند فرمایا اور ہم میں (ہمارے جسم میں)

---

۱ وہی مقام جس کے لیے "خالدین فیہا" فرمایا گیا ہے۔

۲ نوع انسان کے لیے۔

۳ یعنی عطا کیں اور ایک بار نہیں بلکہ مدت العمر کے لیے اس کا سلسلہ جاری فرما دیا۔

۴ بعض نسخوں میں "ملکۃ" کے بجائے "ملئکۃ" کا لفظ مرقوم ہے۔ جو سیاق و سباق کے اعتبار سے غلط معلوم ہوتا ہے اور اس غلطی کی ذمہ داری صرف کاتب پر ہے۔ مولانا عبد الغفار بن حاجی محمد قاسم ایرانی نے ۱۳۲۲ھ میں ایک قلمی صحیفہ نقل کیا ہے۔ اور بین السطور۔ فارسی میں اس کا ترجمہ بھی تحریر کیا ہے۔ وہ اس جملہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں "گردانیدہ برائے ما زیادتی بملائکہ بر ہمہ خلق"۔ مگر یہ ترجمہ بھی بجائے خود ایک معمہ ہے جس کے سمجھنے سے ذہن قاصر ہے۔

۵ بِقُدْرَتِهٖ کے معنی ہیں اس کے حکم سے۔

۶ یعنی اس نے اپنی توفیق ہمارے شامل حال فرما کر ہمیں ایمان باللہ پر اتنا مستحکم و مستقل کر دیا ہے کہ اب ہم اس کے علاوہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔

۷ انسانی ضروریات کے مطابق کاموں کو انجام دینے کی راہیں نکالنے کی قدرت۔ ۸ سامان ضرورت فراہم کرنے کا مادہ مرحمت کیا گیا۔

وَ اَغْنَانَا بِفَضْلِهٖ وَ اَقْنَانَا بِمَنِّهٖ ثُمَّ اَمَرَنَا لِيَخْتَبِرَ طَاعَتَنَا وَ نَهَانَا لِيَبْتَلِيَ شُكْرَنَا فَخَالَفْنَا عَنْ طَرِيْقِ اَمْرِهٖ وَ رَكِبْنَا مُتُوْنَ زَجْرِهٖ فَلَمْ يَبْتَدِرْنَا بِعُقُوْبَتِهٖ وَ لَمْ يُعَاجِلْنَا بِنِقْمَتِهٖ بَلْ تَاَنَّانَا بِرَحْمَتِهٖ تَكَرُّمًا وَ انْتَظَرَ مُرَاجَعَتَنَا بِرَاْفَتِهٖ تَحَلُّمًا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ دَلَّنَا عَلَى التَّوْبَةِ الَّتِيْ لَمْ نُفِدْهَا اِلَّا مِنْ فَضْلِهٖ فَلَوْ لَمْ نَعْتَدِدْ مِنْ فَضْلِهٖ اِلَّا بِهَا لَقَدْ حَسُنَ بَلَآؤُهٗ عِنْدَنَا وَ جَلَّ اِحْسَانُهٗ اِلَيْنَا وَ جَسُمَ فَضْلُهٗ عَلَيْنَا فَمَا هٰكَذَا كَانَتْ سُنَّتُهٗ فِي التَّوْبَةِ لِمَنْ كَانَ قَبْلَنَا لَقَدْ وَضَعَ عَنَّا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَ لَمْ يُكَلِّفْنَا اِلَّا وُسْعًا وَ لَمْ يُجَشِّمْنَا

کاموں کے (انجام دینے کے لیے) اعضا بنائے اور پاکیزہ ترین روزی سے ہماری پرورش کی اور ہمیں اپنے فضل سے غنی کر دیا اور ہمیں اپنے احسان کا سرمایہ مرحمت کیا۔ پھر ہمیں حکم دیا تاکہ ہماری فرمانبرداری کی آزمائش کرے اور (بعض کاموں سے) منع فرمایا۔ تاکہ ہمارے شکر کو جانچے اور پرکھے۔ تو ہم نے (ہم میں سے بعض نے) اس کے احکام کے راستے (پر چلنے) کی مخالفت کی۔ اور ہم اس کے ممنوع کردہ کاموں کے پیچھے پڑ گئے۔ مگر اس نے ہمیں مبتلائے عذاب کرنے میں جلدی نہ کی اور اپنے انتقام میں تعجیل نہ فرمائی بلکہ از راہِ کرم اپنی رحمت سے ڈھیل دی اور ہماری بازگشت (توبہ) کا انتظار کیا، (اور وہ) از راہ مرحمت قصداً چشم پوشی فرمائی ——— ہر قسم کی تعریف کا وہ مستحق وہ معبود ہے جس نے ہمیں توبہ کا راستہ دکھایا۔ جسے ہم بغیر اس کے فضل کے نہیں پا سکتے۔ پس اگر ہم اس کے فضل سے سوائے توبہ کے (کسی اور فضل کی طرف) اعتنا نہ کریں تو یقیناً ہمارے نزدیک اس کی یہ بھی بہترین نعمت ہے، اس کا یہ بڑا احسان ہے اور اس کا یہ عظیم فضل ہے۔ پس توبہ (کے معاملے) میں ہر اس شخص کے لیے جو ہم سے پہلے تھا، اس کا (خدائے تعالیٰ کا) یہ عام طریقہ[1] نہیں تھا۔ بے شک خدائے تعالیٰ نے ان باتوں (احکام) کو ہم سے اٹھا لیا جن کے تحمل[2] کی ہم میں طاقت نہ تھی اور نہیں مکلف کیا

---

[1] خدائے تعالیٰ کا یہ فضل ہمارے ساتھ مخصوص ہے کہ اس نے ہمیں ہر سانس پر توبہ و استغفار کرتے رہنے کی توفیق کرامت کی ہے۔ ظاہراً ان کلمات سے عدالت باری تعالیٰ پر نکتہ چینی کی گنجائش پیدا ہوتی ہے کہ اس نے بعض کے ساتھ تو اس فضل کو مختص کر دیا اور بعض اس سے محروم رہ گئے مگر حقیقتاً یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ ایسی توفیق صرف ان اولیاء اللہ کو عطا ہوتی ہے جن کی فردِ اعمال ہر قسم کے گناہان صغیرہ وکبیرہ سے پاک و صاف ہو اور جن کی حیات کا ہر لمحہ محض نیکی اور اطاعت الٰہی میں بسر ہوتا ہو جب انسان نیکوکاری میں اس منزل پر فائز ہوتا ہے تو توفیق الٰہی اس کے اعمال صالح کے صلے میں اس کے شامل حال ہوتی ہے جو عینِ عدل ہے۔

[2] قرآن پاک میں بھی آیا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنی خدائے تعالیٰ کسی انسان کو اس کی طاقت اور برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

اِلَّا يُسْرًا وَلَمْ يَدَعْ لِاَحَدٍ
مِنَّا حُجَّةً وَّلَا عُذْرًا
فَالْهَالِكُ مِنَّا مَنْ هَلَكَ عَلَيْهِ
وَالسَّعِيْدُ مِنَّا مَنْ رَغِبَ اِلَيْهِ
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ بِكُلِّ مَا حَمِدَهٗ
بِهٖ اَدْنٰى مَلٰٓئِكَتِهٖ اِلَيْهِ

ہم کو مگر طاقت کے بقدر۔ اور نہیں مشقت میں ڈالا ہم کو مگر آسان کاموں کی۔ اور ہم میں سے کسی کے لیے بھی کسی حجت اور عذر کی گنجائش نہیں (باقی) رکھی۔ پس ہم میں سے وہ شخص ہلاکت میں پڑ گیا جو اس کے (خدائے تعالیٰ کے) برخلاف ہلاک ہو۔ اور وہ شخص نیک بخت ہے جو اس کی طرف راغب ہو ـــــ اور کل وہ تعریفیں خدا ہی کے لیے ہیں، جو اس کے تمام ان فرشتوں نے جنھیں اس کا

---

۵ مسئلہ حجیت قطع کی جانب اشارہ ہے۔ اس مسئلے کا مفہوم یہ ہے کہ جو انسان اپنی عقل اور اپنی طاقت کے بقدر ہر قسم کے خارجی اثرات سے یکسو ہو کر معاملات الٰہی میں غور کرے تو اس غور و خوض کے نتیجے میں جو کچھ اس کی اسکی سمجھ میں آئے گا (بشرطیکہ محض خلوص کی بنا پر یہ نتیجہ اس نے اخذ کیا ہو) تو اسی پر اس کو اجر و ثواب ملے گا اور عتاب سے محفوظ رہے گا۔ جب انسان کو اللہ تعالےٰ نے اتنی سہولت عطا فرما دی، تو پھر اب اسے کسی حجت اور عذر کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

یعنی دنیا میں بھی مر گیا اور آخرت میں بھی اس اعتبار سے ہلاکت میں مبتلا ہُوا کہ اسے سوائے عذاب الٰہی کے رحمت ایزدی کی کوئی امید نہ رہی۔

عَلَیْہِ کے معنی ہیں اس کے (خدائے تعالیٰ کے) برخلاف۔ بعض علماء نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ "پس ہم میں سے وہ شخص ہلاک ہے جو اس کے دروازے پر ہلاک ہُوا"۔ اور ان علماء نے دروازے پر ہلاک ہونے کا یہ مطلب بتایا ہے کہ اس کے چھوڑنے سے ہلاک ہُوا۔ راقم الحروف اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

اس کے معاملات میں صداقت اور خلوص سے غور کرے چاہے نتیجہ کچھ بھی کیوں نہ برآمد ہو۔

کتب اسلامیہ میں علماء نے لکھا ہے کہ قیامت میں حساب کتاب کے بعد تمام نیک و بد بندوں کے چار درجے مقرر کیے جائیں گے۔ اول وہ لوگ جو خدا اور رسول کے منکر ہیں۔ یہ رحمت الٰہی اور شفاعت محمدی سے محروم رہیں گے اور انھیں نعمات الٰہی سے کوئی حصہ نہ ملے گا اور ہمیشہ جہنم میں جلتے بھنتے رہیں گے۔ یہ ہالکین کہلاتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جو خدا اور رسول پر اور ضروریات دین پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر احکام الٰہی بجا نہیں لاتے اور محرمات سے پرہیز نہیں کرتے۔ یہ لوگ ایک مدت معین مگر عذاب میں مبتلا کر کے بخش دیے جائیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رحمت الٰہی اور شفاعت محمدی سے انھیں جلد عذاب سے نجات مل جائے۔ یہ معذبین کہلاتے ہیں۔ تیسرے وہ لوگ جو احکام بھی بجا لائے اور محرمات سے بھی دور رہے مگر خاص شغف و انہماک و خلوص کے ساتھ یہ سب کچھ نہیں کیا۔ ان پر عذاب نہیں ہوگا اور نجات مل جائے گی۔ یہ ناجین کہلاتے ہیں۔ چوتھے وہ لوگ جو محض خوشنودی باری تعالیٰ کے لیے اور اس نقطۂ نگاہ سے کہ وہ عبادت کا مستحق ہے، اس کی عبادت کرتے تھے اور ان الفاظ کا مصداق تھے جو حضرت زین العابدین نے ایک دعا میں ارشاد فرمائے ہیں ـــ ما عبدتک خوفاً من نارک ولا شوقاً الی جنتک ولکن وجدتک اھلا لذالک فعبدتک۔ یعنی اے مالک! میں نے جہنم کے خوف سے عبادت کی اور نہ جنت کے شوق میں، بلکہ تجھے عبادت کا اہل پایا اس لیے مصروف عبادت رہا۔ ایسے لوگوں کو قرب الٰہی حاصل ہوگا اور انھیں مدارج عالیہ عطا کیے جائیں گے [illegible] کہلاتے ہیں۔

وَ اَكْرَمُ خَلِيْقَتِهٖ عَلَيْهِ وَ اَرْضٰى
حَامِدِيْهِ لَدَيْهِ حَمْدًا [1] يَفْضُلُ
سَآئِرَ الْحَمْدِ كَفَضْلِ رَبِّنَا عَلٰى
جَمِيْعِ خَلْقِهٖ ثُمَّ لَهُ الْحَمْدُ مَكَانَ
نِعْمَةٍ لَهٗ عَلَيْنَا وَ عَلٰى جَمِيْعِ
عِبَادِهِ الْمَاضِيْنَ وَ الْبَاقِيْنَ
عَدَدَ مَا اَحَاطَ بِهٖ عِلْمُهٗ مِنْ
جَمِيْعِ الْاَشْيَآءِ وَ مَكَانَ كُلِّ
وَاحِدَةٍ مِنْهَا عَدَدَهَا اَضْعَافًا
مُضَاعَفَةً اَبَدًا سَرْمَدًا اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ حَمْدًا لَا مُنْتَهٰى لِحَدِّهٖ
وَلَا حِسَابَ لِعَدَدِهٖ وَلَا مَبْلَغَ لِغَايَتِهٖ
وَلَا انْقِطَاعَ لِاَمَدِهٖ حَمْدًا يَكُوْنُ
وُصْلَةً اِلٰى طَاعَتِهٖ وَ عَفْوِهٖ وَ سَبَبًا
اِلٰى رِضْوَانِهٖ وَ ذَرِيْعَةً اِلٰى مَغْفِرَتِهٖ
وَ طَرِيْقًا اِلٰى جَنَّتِهٖ وَ خَفِيْرًا مِنْ
نِقْمَتِهٖ وَ اَمْنًا مِنْ غَضَبِهٖ وَ ظَهِيْرًا
عَلٰى طَاعَتِهٖ وَ حَاجِزًا عَنْ
مَعْصِيَتِهٖ وَ عَوْنًا عَلٰى تَاْدِيَةِ حَقِّهٖ

تقرب حاصل ہوا ادا کی ہیں، اور تمام ان مکرم بندوں نے ادا کی ہیں
جو اس کی کل مخلوق سے برگزیدہ ہیں۔ اور تمام ان لوگوں نے ادا کی
ہیں جو خدا کے نزدیک بہترین حمد کرنے والے ہیں ـــ ایسی تعریف
جو ہر حمد سے اسی طرح افضل ہو جس طرح خدائے تعالیٰ اپنی تمام
مخلوقات سے افضل ہے ـــ (بلکہ) پھر آخر میں (تمام تعریفیں
اللہ ہی کے لیے زیب ہیں) ہر اس نعمت پر جو اس نے ہمیں عطا کی
ہے۔ اور تمام گزرے ہوئے اور موجودہ بندوں کو عنایت فرمائی ہے۔
ان تمام چیزوں کے اعداد کے بقدر (تعریف) جو اس کے علم[1] میں ہیں (بلکہ
ان جملہ اشیاء کے چند در چند (کئی گنا) اعداد[2] کے برابر (تعریف) ہمیشہ
ہمیشہ اور جاودانی طور پر۔ روز قیامت تک ـــ ایسی تعریف
جس کی حد (کبھی) ختم نہ ہو۔ اور جس کی گنتی کا شمار نہ ہو سکے۔ اور
جس کے اُس سرے تک رسائی نہ ہو سکے۔ اور اس کی انتہا (کبھی)
منقطع نہ ہو ـــ ایسی تعریف جو اس کی فرمانبرداری اور
بخشش سے متصل[3] ہو۔ اس کی خوشنودی کا سبب ہو۔ اس کی مغفرت
(سے مستفیض ہونے) کا ذریعہ ہو۔ اس کی جنت تک پہنچنے کا راستہ ہو
اس کے عذاب سے بچاؤ کا مقام ہو۔ اس کے غصے سے گوشہ امن ہو۔
اس کی فرمانبرداری پر اعانت کرنے والی ہو۔ اس کی نافرمانی سے مانع
ہو اور اس کا حق ادا کرنے اور اس حق کے شرائط پورے کرنے میں
معاون و مددگار ہو ـــ ایسی حمد جس سے ہم (ان) نیک بختوں کی صف

---

۱ کائنات کی جتنی اشیاء محسوس و غیر محسوس باری تعالیٰ عز اسمہ کے علم میں ہیں ان کے شمار کے بقدر ہم اس کی حمد ادا کرتے ہیں۔

۲ ایک مطبوعہ نسخے میں عَدَدُھَا کی دال پر پیش لگا ہوا ہے مگر یہ درست نہیں۔ اس د پر زبر پڑھیے۔

۳ جس کا سلسلۂ تقرب کی اس منزل سے مل جائے جسے حقیقی معنوں میں اطاعت الٰہی کہتے ہیں اور جہاں پہنچ کر انسان خدا کی بخشش کی نعمت کا مستحق قرار پاتا ہے۔

وَ وَظَائِفِهٖ حَمْدًا نَسْعَدُ بِهٖ فِي السُّعَدَآءِ مِنْ اَوْلِيَآئِهٖ وَ نَصِيْرُ بِهٖ فِي نَظْمِ الشُّهَدَآءِ بِسُيُوْفِ اَعْدَائِهٖ اِنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْدٌ

میں شامل ہو جائیں جو اس کے اولیاء کہلاتے ہیں۔ اور جس کی بدولت ہم ان شہیدوں میں (شمار) ہو جائیں جنھیں اس کے دشمنوں نے قتل کیا۔ یقیناً وہ (خدا) سہارا دینے والا اور (دائمی طور پر) مستحق حمد[1] ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ هٰذَا التَّحْمِيْدِ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ

حضرت زین العابدین اس حمد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر
ان الفاظ میں درود[2] بھیجتے تھے (اس کے بعد دعا شروع کرتے تھے)۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ مَنَّ عَلَيْنَا بِمُحَمَّدٍ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ دُوْنَ الْاُمَمِ الْمَاضِيَةِ وَالْقُرُوْنِ السَّالِفَةِ بِقُدْرَتِهِ الَّتِيْ لَا تَعْجِزُ عَنْ شَيْءٍ وَاِنْ عَظُمَ وَلَا يَفُوْتُهَا شَيْءٌ وَّ اِنْ لَطُفَ فَخَتَمَ بِنَا عَلٰى جَمِيْعِ مَنْ ذَرَاَ وَ بَرَاَ وَ جَعَلَنَا شُهَدَآءَ عَلٰى مَنْ جَحَدَ وَكَثَّرَنَا بِمَنِّهٖ

—— اور تمام تعریفوں کا مستحق وہ معبود ہے جس نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ کے وسیلہ[3] سے ہم پر احسان کیا۔ ان پر اور اُن کی اولاد پر رحمت ہو۔ (یہ احسان) نہ گزری[4] ہوئی امتوں پر (کیا) اور نہ گزشتہ قوموں پر۔ اپنی اس قدرت سے جو کسی شے (کی تخلیق) سے عاجز نہیں، چاہے وہ (شے) کتنی ہی عظیم ہو۔ اور (اس قدرت سے) جسے کوئی شے فوت[5] نہیں کرتی چاہے وہ کتنی ہی باریک اور خورد ہو پس خاتمہ قرار دیا اس نے ہم کو تمام ان (لوگوں) کا جو خلق[6] فرمائے اور گواہ بنایا ہمیں ان لوگوں پر جو منکر ہوئے[7]۔ اور

---

[1] "حمید" قواعد کی رو سے صفت مشبّہ ہے جس کا خاصہ یہ ہے کہ یہ صفت اپنے موصوف میں دوامی طور پر پائی جاتی ہے اور اس سے کبھی جدا نہیں ہوتی جیسے عالم محسوسات میں کوّے کی سیاہی ہے۔ یہ سیاہی کوّے کا ایسا جزو ہے جس کے بغیر کوّے کا نہ تصور کیا جا سکتا ہے اور نہ یہ اس سے جدا ہو سکتی ہے [2] دراصل یہ درود بھی مذکورہ بالا حمد باری تعالیٰ ہی کا ایک جزو ہے جو کسی جداگانہ فصل یا باب کی حیثیت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ اس کی ابتدا میں "و" کے لفظ سے جس کے معنیٰ 'اور' کے ہیں، ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عبارت یہیں سے شروع نہیں ہوئی بلکہ سابق سے مربوط و مسلسل ہے۔ [3] یعنی حضور کو ہماری ہدایت کے لیے بھیج کر ہم پر احسان فرمایا [4] یعنی آنحضرتؐ جو رحمۃ للعالمین اور خاتم النبیین ہیں مخصوص ہمارے لیے بھیجے گئے اور گزشتہ قومیں آپؐ کی طرف انتساب سے محروم رہیں۔ [5] یعنی ایسی کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ اور چھوٹی سے چھوٹی شے بھی نہیں ہے جو قدرت الٰہی کا مظہر نہ ہو اور آثار قدرت سے خالی ہو۔ [6] یعنی امت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم الامم ہے جس کے بعد نہ کوئی نبی آئیگا اور نہ اس کی کوئی امت ہوگی [7] یعنی انبیائے سابقین کی جو امتیں، نزول اسلام کے موقع پر موجود تھیں ان سب کے سامنے اسلام پیش کیا گیا۔ ان میں سے جو اس پر ایمان نہ لائے ان کے کفر و انکار کے گواہ وہ مومنین کاملین ہوئے جو کہ اس وقت تھے جیسا کہ خود خداوند تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد کیا ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (ترجمہ) اور اسی طرح ہم نے تمھیں درمیانی جماعت قرار دیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تم پر گواہ بنے۔

عَلٰی مَنْ قَلَّ اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰی
مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ اَمِيْنِكَ عَلٰی وَحْيِكَ
وَ نَجِيْبِكَ مِنْ خَلْقِكَ وَ صَفِيِّكَ
مِنْ عِبَادِكَ اِمَامِ الرَّحْمَةِ وَ قَائِدِ
الْخَيْرِ وَ مِفْتَاحِ الْبَرَكَةِ كَمَا
نَصَبَ لِاَمْرِكَ نَفْسَهٗ وَ عَرَّضَ فِيْكَ
لِلْمَكْرُوْهِ بَدَنَهٗ وَ كَاشَفَ فِي الدُّعَاءِ
اِلَيْكَ حَامَّتَهٗ وَ حَارَبَ فِيْ رِضَاكَ
اُسْرَتَهٗ وَ قَطَعَ فِيْ اِحْيَاءِ دِيْنِكَ
رَحِمَهٗ وَ اَقْصَى الْاَدْنَيْنَ عَلٰی
جُحُوْدِهِمْ وَ قَرَّبَ الْاَقْصَيْنَ
عَلَى اسْتِجَابَتِهِمْ لَكَ وَ وَالٰى فِيْكَ
الْاَبْعَدِيْنَ وَ عَادٰى فِيْكَ الْاَقْرَبِيْنَ
وَ اَدْاَبَ نَفْسَهٗ فِيْ تَبْلِيْغِ
رِسَالَتِكَ وَ اَتْعَبَهَا بِالدُّعَاءِ

کثرت عطا کی ہم کو اپنے احسان سے ان لوگوں پر جو کم ہوئے [1] (یا کم ہیں)
اے اللہ! پس رحمت نازل کر محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔ (ایسے محمدؐ)
جو تیری وحی پر تیرے امین [2]۔ تیری مخلوق میں تیرے منتخب کیے
ہوئے اور تیرے بندوں میں تیرے پسندیدہ ہیں (جو) رحمت [3] کے پیشوا
ہیں۔ نیکی کے امام ہیں اور برکت کی کنجی ہیں۔ (اسی طرح رحمت نازل
کر) جس طرح انھوں نے تیرے امر (دین) کے لیے اپنے نفس کو
تکلیف میں ڈالا۔ اور تیری راہ میں اپنے جسم کو مصائب کے لیے پیش کر
دیا۔ اور تیری طرف بلانے میں [4] اپنے یگانوں کے خلاف مظاہرہ کیا۔
اور تیری خوشنودی کے واسطے اپنے قبیلہ سے جنگ کی۔ اور تیرے
دین کو زندہ کرنے میں اپنے دادا کی اولاد کو چھوڑ دیا۔ اور اپنے
قریب تر عزیزوں سے دور ہو گئے۔ ان (عزیزوں) کے منکر ہونے
کی وجہ سے۔ اور غیروں کو تیرا حکم قبول کرنے کے باعث قریب بنا
لیا۔ اور تیرے معاملے میں بیگانوں سے دوستی کی اور یگانوں سے
عداوت مول لی اور اپنی ہستی کو مصائب [5] میں مبتلا کر دیا۔ تیری
رسالت کی تبلیغ [6] میں۔ اور تیری ملت کی جانب (لوگوں کو) بلانے میں [7]

---

[1] دو معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ اول یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے تعداد میں تمام انبیائے سابقین کے ماننے والوں سے کثیر ہیں۔ دوسرے یہ کہ
جو اہل ایمان دنیا سے اٹھتے رہے، بعد میں آنے والے ان سے بھی کثیر ہوتے چلے گئے۔

[2] یعنی وحی الٰہی جیسی کہ وہ نازل ہوئی بالکل اسی طرح بغیر کسی رد و بدل کے بندوں تک پہنچاتے رہے۔

[3] یعنی خدائے تعالیٰ نے حضورؐ کو تمام عالمین کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ خود فرما دیا ہے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝
اور اس اعتبار سے تمام رحمتیں حضورؐ سے موخر ہیں۔

[4] بعض علماء نے اس جملے کا ترجمہ اس طرح کیا ہے "کھلم کھلا اپنے رشتہ داروں کو تیری طرف بلایا" مگر سیاق کلام سے یہ مفہوم غیر مربوط ہے۔

[5] کیونکہ دنیا میں سب سے بڑی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ آدمی اپنوں سے جدا ہو جائے اور غیروں کے حلقے میں رہ کر ان پر اعتماد کرلے۔

[6] جیسا کہ خود آنحضرتؐ نے فرمایا ہے "مَا اُوْذِيَ نَبِيٌّ كَمَا اُوْذِيْتُ" یعنی کسی نبی کو اس طرح اور اتنی ایذائیں نہیں پہنچائی گئیں جتنی کہ مجھے پہنچائی گئیں۔

[7] دعوت اسلام کے باعث مکہ میں حضورؐ پر کوڑا پھینکا جاتا، پتھر برسائے جاتے یہاں تک کہ آپ خون میں نہا جاتے۔ منہ پر سب و شتم کیا جاتا۔ تا آنکہ ایک وقت
وہ آیا کہ کھانے پینے کی چیزیں آپ کے اقربا نے بند کر دی گئیں اور آپ کئی کئی وقت پیٹ سے پتھر باندھ کر گزارنے لگے۔

| | |
|---|---|
| اِلٰی مِلَّتِكَ وَشَغَلَهَا بِالنُّصْحِ لِاَهْلِ دَعْوَتِكَ وَهَاجَرَ اِلٰی بِلَادِ الْغُرْبَةِ وَمَحَلِّ النَّأْيِ عَنْ مَوْطِنِ رَحْلِهٖ وَمَوْضِعِ رِجْلِهٖ وَمَسْقَطِ رَأْسِهٖ وَمَأْنَسِ نَفْسِهٖ اِرَادَةً مِنْهُ لِاِعْزَازِ دِيْنِكَ وَاسْتِنْصَارًا عَلٰی اَهْلِ الْكُفْرِ بِكَ حَتّٰی اسْتَتَبَّ لَهٗ مَا حَاوَلَ فِيْ اَعْدَآئِكَ وَاسْتَتَمَّ لَهٗ مَا دَبَّرَ فِيْ اَوْلِيَآئِكَ فَنَهَدَ اِلَيْهِمْ مُسْتَفْتِحًا بِعَوْنِكَ وَمُتَقَوِّيًا عَلٰی ضُعْفِهٖ بِنَصْرِكَ فَغَزَاهُمْ فِيْ عُقْرِ دِيَارِهِمْ وَهَجَمَ عَلَيْهِمْ فِيْ بُحْبُوحَةِ قَرَارِهِمْ حَتّٰی ظَهَرَ اَمْرُكَ | اپنے نفس کو رنج و تعب میں ڈالا اور سارے (نفس کو) تیری دعوت (قبول کرنے) والوں کی نصیحت میں مشغول رکھا اور ہجرت فرمائی[1] غیر شہر کی طرف اور ایسے مقام کی جانب جو دور تھا، (ان کے) اپنے مسکن سے۔ اور اپنے چلنے پھرنے[2] کی جگہ سے۔ اور اپنے سر[3] رکھنے کے مقام سے (یا جائے[4] ولادت سے) اور اپنی مانوس منزل سے۔ (اور یہ سب) آپ نے ارادتاً[5] سے کیا (صرف) تیرے دین کی عزت (بڑھانے) کے لیے۔ اور تیرے منکروں کے مقابلے میں امداد حاصل کرنے کے لیے یہاں تک کہ ان کا وہ ارادہ صحیح طور پر انجام تک پہنچ گیا جو انھوں نے تیرے دشمنوں[6] کے بارے میں کیا تھا۔ اور مکمل ہو گئی ان کی وہ تدبیر جو انھوں نے تیرے دوستوں[7] کے حق میں کی تھی تو (اس وقت) وہ ان (کفار مکہ) کی طرف چلے۔ تیری مدد سے فتح طلب کرتے ہوئے اور تیری نصرت سے اپنے ضعف پر قدرت اور قابو پائے ہوئے۔ پھر انھوں نے ان (کافروں) سے ان کے مکانات میں جنگ[8] کی۔ اور حملہ کیا ان پر انھیں کی منزل اور مقام میں۔ یہاں تک کہ تیرا امر[9] |

---

[1] اپنے وطن آبائی، مکہ معظمہ کو چھوڑ کر مدینہ کی جانب ہجرت کی۔

[2] جہاں انسان بچپن سے چلتا پھرتا ہے اس زمین سے اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ اسے ہمیشہ کے لیے چھوڑنا گوارا نہیں ہوتا۔

[3] وہ سرزمین جہاں آدمی لیٹتا اور آرام کرتا ہے، اس جگہ سے بھی محبت ہو جاتی ہے کہ نئی جگہ پہنچنے کے بعد ہزار راحت اور آرام کے باوجود اکثر نیند نہیں آتی۔

[4] چونکہ ہر بچہ سر کے بل پیدا ہوتا ہے اس لیے سر رکھنے کے مقام سے جائے ولادت مراد لے سکتے ہیں۔

[5] یعنی زبردستی نہیں نکال دیے گئے بلکہ یہ سوچ سمجھ کر گئے کہ اس ہجرت کے نتیجے میں دین کی عزت بڑھے گی۔ حضرت زین العابدین نے یہ کلمات اس لیے فرمائے کہ مقصد کی بلندی واضح کر کے استحقاق اجر اور مرتبہ کی بلندی ظاہر فرما دیں۔

[6] بدر و احد کے معرکوں میں دشمنوں کی طاقت کمزور کر دیے جانے کی طرف اشارہ ہے۔

[7] یعنی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آنے کے بعد مہاجروں کی اقتصادی اور سماجی حالت مضبوط ہو گئی اور انصار کی بڑی بھاری جمعیت نے اسلام قبول کر لیا اور اس طرح مسلمانوں کی تعداد کافی ہو گئی۔

[8] فتح مکہ کے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔

[9] یعنی مسلمانوں کے غلبہ پانے کے لیے حکم الٰہی جاری ہوا۔

وَعَلَتْ كَلِمَتُكَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ
اَللّٰهُمَّ فَارْفَعْهُ بِمَا كَدَحَ فِيْكَ اِلَى
الدَّرَجَةِ الْعُلْيَا مِنْ جَنَّتِكَ حَتّٰى
لَا يُسَاوٰى فِيْ مَنْزِلَةٍ وَلَا يُكَافَأَ
فِيْ مَرْتَبَةٍ وَلَا يُوَازِيَهٗ لَدَيْكَ
مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ
وَعَرِّفْهُ فِيْ اَهْلِهِ الطَّاهِرِيْنَ
وَاُمَّتِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ حُسْنِ
الشَّفَاعَةِ اَجَلَّ مَا وَعَدْتَهٗ يَا نَافِذَ
الْعِدَةِ يَا وَافِيَ الْقَوْلِ يَا مُبَدِّلَ
السَّيِّئَاتِ بِاَضْعَافِهَا مِنَ الْحَسَنَاتِ
اِنَّكَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

ظاہر ہُوا اور تیرا کلمہ بلند[1] ہو گیا۔ اگرچہ مشرکین نے (اسے) ناپسند کیا۔ اے اللہ! انہیں بلند فرما آنحضرت[ص] کو اس تکلیف کے صلے میں جو انھوں نے تیرے معاملے میں جھیلی اپنی جنت کے اعلیٰ درجے کی جانب۔ اس حد تک کہ (جہاں) ان کی منزلت کی برابری نہ کی جا سکے اور نہ ہمسری ہو سکے مرتبہ میں۔ اور تیرے[2] نزدیک تیرا کوئی قریب تر فرشتہ، اور کوئی رسول و نبی اُن حضرت[ص] کے برابر نہ ہو۔ اور نمایاں فرما دے حضور[ص] کو ان کے پاک اہل بیت میں اور ان پر ایمان لانے والی امت میں ان کی شفاعت کی خوبی[3] (مقبولیت) سے۔ اس سے بھی (کچھ) زیادہ جتنا کہ تو نے وعدہ کیا ہے اے وعدے کے ایفاء کرنے والے اور قول کے پورا کرنے والے۔ اے (انسان کے) بُرے کاموں کو (اپنی رحمت سے) چند در چند نیکیوں میں تبدیل[4] کر دینے والے! یقیناً تو بڑا فضل والا ہے اور تو بہت[5] بخشش کرنے والا اور صاحب کرم ہے۔

---

[1] کفارِ مکہ کے سرغنہ ایمان لائے اور خدائے تعالیٰ کا گھر ان بتوں سے پاک و صاف ہو گیا جو اس میں رکھے ہوئے تھے۔ [2] یعنی تیری نگاہ میں۔

[3] حضرت زین العابدین کے یہ کلمات ان لوگوں کے لیے درس حقیقت ہیں، جو شفاعت پر ان الفاظ میں معترض ہُوا کرتے ہیں کہ بغیر اعمال صالحہ کے شفاعت سے بخشش کیونکر ہو گی۔ اور پھر یہ لوگ اپنے اس اشتباہ کی بناء پر شفاعت سے انکار کر دیا کرتے ہیں۔ حالانکہ حضور[ص] کی شفاعت پر ایمان رکھنا ضروریات دین میں شامل ہے۔ حضرت زین العابدین نے مذکورہ بالا الفاظ میں اس اعتراض کا مکمل جواب دے دیا ہے۔ کیونکہ آپ نے یہ فرما کر کہ "پاک ماننے والے اور ایمان لانے والے لوگوں میں حضور[ص] کی شفاعت کو مقبولیت دے" یہ مسئلہ صاف کر دیا کہ جو لوگ پاک اور با ایمان ہیں حضور ان کی شفاعت کریں گے۔ دوسرے لفظوں میں، درست عقیدہ رکھنے والوں سے جو فروگزاشتیں ہو گئی ہیں ان کی معافی کے لیے حضور[ص] خدائے تعالیٰ سے سفارش کریں گے جن پر انھیں معاف کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اگر اتنا بھی نہ ہو اور سخت عدالت کی ترازو میں اعمال کو وزن کر کے ثواب و عقاب کیا جائے تو پھر نہ حضور کے رحمۃ للعالمین کے ہونے کا عقیدہ کوئی معنی رکھتا ہے اور نہ خدائے تعالیٰ کے رحیم و رحمان ہونے کی صفت کا کوئی مفہوم باقی رہ جاتا ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جن کے عقائد میں خلل ہو گا، وہ بہر حال شفاعت سے محروم رہیں گے۔ اور اگر بالفرض محال ان کی شفاعت ہو بھی تو کارآمد نہیں۔

[4] کلام پاک میں آیا ہے "اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ" یعنی نیکیاں، انسان کی برائیوں کو محو کرتی ہیں۔ وہ بھی اسی آیت کی تفسیر ہے۔ جو ایک دفعہ حضور[ص] نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان لفظوں میں ارشاد کی تھی کہ "اے علی قسم ہے مجھے اس پروردگار کی جس نے مجھے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا کہ جب کوئی مومن وضو کے لیے اٹھتا ہے تو اس کے گناہ اس کے اعضا سے گر جاتے ہیں۔ جب وہ قبلہ کی طرف کھڑا ہوتا ہے اور رجوع قلب سے ایک بار اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو اس کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں (بشرطیکہ حقیقتہً رجوع قلب پیدا ہو جائے) حضور[ص] نے اس حدیث شریف کے آخر میں فرمایا کہ اے علی! پانچ نمازیں ہیں جو بمنزلہ ایک نہر کے ہیں۔ جب کوئی شخص پانچ دفعہ نہر میں نہا لے تو کیا اس کے جسم پر میل باقی رہ سکتا ہے۔ اسی طرح جو پانچ نمازیں رجوع قلب سے پڑھ لے، بخدا اس کا کوئی گناہ ایسا نہ ہو گا جو محو نہ ہو چکا ہو۔

[5] اس درود میں "وَاَنْتَ الْجَوَادُ الْكَرِيْمُ" کے الفاظ بعض قلمی نسخوں میں نہیں پائے گئے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى حَمَلَةِ الْعَرْشِ وَكُلِّ مَلَكٍ مُقَرَّبٍ

" حضرت زین العابدین حاملان عرش اور ملائکہ مقربین پر
درود بھیجنے کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ "

اَللّٰهُمَّ وَحَمَلَةُ عَرْشِكَ الَّذِيْنَ لَا يَفْتُرُوْنَ مِنْ تَسْبِيْحِكَ وَلَا يَسْاَمُوْنَ مِنْ تَقْدِيْسِكَ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ مِنْ عِبَادَتِكَ وَلَا يُؤْثِرُوْنَ التَّقْصِيْرَ عَلَى الْجِدِّ فِيْ اَمْرِكَ وَلَا يَغْفُلُوْنَ عَنِ الْوَلَهِ اِلَيْكَ وَاِسْرَافِيْلُ صَاحِبُ الصُّوْرِ الشَّاخِصُ الَّذِيْ يَنْتَظِرُ مِنْكَ الْاِذْنَ وَحُلُوْلَ الْاَمْرِ فَيُنَبِّهُ بِالنَّفْخَةِ صَرْعٰى رَهَائِنِ الْقُبُوْرِ وَمِيْكَائِيْلُ ذُو الْجَاهِ عِنْدَكَ وَالْمَكَانِ الرَّفِيْعِ مِنْ طَاعَتِكَ وَجِبْرَائِيْلُ الْاَمِيْنُ عَلٰى وَحْيِكَ الْمُطَاعُ فِيْ اَهْلِ سَمٰوٰتِكَ الْمَكِيْنُ لَدَيْكَ الْمُقَرَّبُ عِنْدَكَ وَ

اے اللہ! اور تیرے عرش کے اٹھانے والے وہ ملائکہ ہیں جو نہیں سستی کرتے (یا نہیں سست ہوتے) تیری تسبیح[1] میں۔ اور نہیں ملول (کسلمند) ہوتے تیری پاکیزگی کے ورد[2] میں۔ اور نہیں تھکتے تیری عبادت سے۔ اور تیرے امر[3] کے تکملہ کی کوشش میں کوتاہی نہیں اختیار کرتے۔ اور تیرا والہانہ عشق کرنے سے غافل نہیں ہوتے۔ اور اسرافیل (فرشتہ) ہے جو صور[4] لیے ہوئے ہے وہ (فرشتہ) جو آنکھیں کھولے ہوئے تیرے اذن اور نزول فرمان کا انتظار کر رہا ہے تاکہ ہوشیار کر دے (چونکا دے) (صور) پھونک کر ان (بے خبر) پڑے ہوؤں کو جو قبروں میں مقید[5] ہیں اور میکائیل (فرشتہ) ہے جو تیرے نزدیک صاحب مرتبہ ہے۔ اور تیری عبادت کی بناء پر بلند مقام (رکھتا ہے) اور جبرئیل (فرشتہ) ہے جو کہ تیری وحی (پیغام) کا امانت دار ہے، تیرے آسمانوں والے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ تیرے سامنے (منزل قرب میں) حاضر ہے اور تیرے نزدیک قریب[6] تر (فرشتوں میں) ہے تیرے اور وہ روح[7] (فرشتہ)

---

[1] ہر ذکر باری تعالےٰ کو تسبیح سے تعبیر کر سکتے ہیں، مگر یہاں خصوصیت کے ساتھ "سبحان اللہ" کا ورد کرنے والے ملائکہ مراد ہیں۔ [2] قدوسیت باری تعالےٰ کا ہر وقت ذکر کرنے والے فرشتے مراد ہیں [3] جو حکم جس فرشتے کو دے دیا گیا وہ اس کی تعمیل میں ہمہ اوقات مصروف ہے اور اس کی انجام دہی میں کوتاہی نہیں کرتا۔

[4] صور اس ہیبت ناک بلند آواز کو کہتے ہیں جو روز قیامت اسرافیل بلند کریں گے [4] اس جگہ "صور لیے ہوئے" سے یہ مراد ہے کہ اسرافیل آواز صور بلند کرنے کی طاقت لیے ہوئے منتظر ہے۔ [5] اصل دعا میں "رہائن" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی گروی کے ہیں۔ مگر اردو روزمرہ میں اس جگہ "مقید" کا استعمال زیادہ موزوں ہے۔ [6] یعنی تو نے اسے اپنی جانب سے، (اس کے اوصاف کی بناء پر) اپنا مقرب بنایا ہے۔

[7] سلسلہ کلام میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روح فرشتے کا نام ہو اور اس جملے کو نیا جملہ قرار دیا جائے جیسا کہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ "روح" فرشتہ جبرئیل اور میکائیل سے جسم میں بہت بڑا ہے اور سوائے ذات رسالتمآب کے اور کسی کے ساتھ نہیں رہا اور یہ بھی درست ہے کہ "الروح" کو "جبرئیل" کی صفت قرار دیا جائے اور معنی لیے جائیں کہ جبرئیل ایسی روح ہے جو حجابوں میں رہنے والے ملائکہ سے بلند مرتبہ ہے۔ دوسرے معنی زیادہ قرین قیاس ہیں۔

الرُّوحُ الَّذِیْ هُوَ عَلٰی مَلٰٓئِکَةِ الْحُجُبِ وَ الرُّوحُ الَّذِیْ هُوَ مِنْ اَمْرِكَ اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلَیْهِمْ وَعَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ مِنْ سُکَّانِ سَمٰوٰتِكَ وَاَهْلِ الْاَمَانَةِ عَلٰی رِسَالَاتِكَ وَالَّذِیْنَ لَا تَدْخُلُهُمْ سَاٰمَةٌ مِنْ دُءُوْبٍ وَلَا اِعْیَآءٌ مِنْ لُغُوْبٍ وَلَا فُتُوْرٌ وَلَا تَشْغَلُهُمْ عَنْ تَسْبِیْحِكَ الشَّهَوٰتُ وَلَا یَقْطَعُهُمْ عَنْ تَعْظِیْمِكَ سَهْوُ الْغَفَلَاتِ اَلْخُشَّعُ الْاَبْصَارِ فَلَا یَرُوْمُوْنَ النَّظَرَ اِلَیْكَ النَّوَاکِسُ الْاَذْقَانِ الَّذِیْنَ قَدْ طَالَتْ رَغْبَتُهُمْ فِیْمَا لَدَیْكَ الْمُسْتَهْتَرُوْنَ بِذِکْرِ اٰلَآئِكَ وَالْمُتَوَاضِعُوْنَ دُوْنَ عَظَمَتِكَ وَجَلَالِ کِبْرِیَآئِكَ وَالَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ اِذَا نَظَرُوْا

جو تیرے حجابوں میں رہنے والے فرشتوں سے بلند ہے۔ اور وہ روح جو تیرے امر[1] سے ہے (امر کی روح رواں ہے) ان پر رحمت نازل کر۔ اور ان فرشتوں پر رحمت نازل کر جو ان کے علاوہ[2] تیرے آسمانوں کے رہنے والے ہیں اور تیرے پیغاموں[3] کے امانت دار ہیں۔ وہ ایسے ہیں جن پر رنج کی بات سے کوئی ملال نہیں ہوتا اور مشقت و تعب سے کوئی درماندگی اور سستی نہیں لاحق ہوتی۔ اور انھیں خواہشیں[4] تیری تسبیح سے نہیں روکتیں۔ اور نہیں جدا کرتی (ہٹاتی) ان کو تیرے ذکر عظمت سے غفلتوں کی بناء پر بھول۔ وہ اپنی نظریں (ہر وقت) جھکائے[5] ہوئے ہیں۔ پس نہیں ارادہ کرتے تیری جانب نظر اٹھانے کا۔ وہ اپنی ٹھوڑیاں[6] نیچے ڈالے ہوئے ہیں۔ طویل[7] ہوگئی ہے ان کی محویت اس (عالم) میں[8] جو تیرے پاس ہے، (وہ) تیری نعمتوں کے ذکر پر حریص[9] ہیں اور عاجزی سے جھکے ہوئے ہیں، تیری شان عظمت اور شان کبریائی کی جلالت کے سامنے۔ اور ایسے فرشتے جو کہتے ہیں اس وقت جبکہ

---

[1] قرآن پاک میں آیا ہے "یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۚ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ" یعنی اے رسول لوگ تجھ سے روح (روح القدس) کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو انھیں یہ جواب دے دے کہ روح، خدا کے حکم سے (ایک حکم) ہے یا خدا کے حکم کا جزو ہے۔

[2] بعض علماء نے "من دونہم" کے معنی یہ لیے ہیں کہ جو ان سے کمتر ہیں یعنی ان فرشتوں پر رحمت نازل کر جو مذکورہ فرشتوں سے درجے میں کم ہیں۔

[3] خدا کے پیغام صرف وہی نہیں ہوتے جو انبیاء و رسل کے پاس بھیجے جاتے ہیں بلکہ اس کا پیغام ہر ذرّہ تک پہنچایا جاتا ہے۔ وہ خود کلام پاک میں فرماتا ہے "وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ" یعنی تیرے رب نے شہد کی مکھی پر وحی فرمائی۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ" یعنی کوئی ذرّہ ایسا نہیں ہے جو تسبیح خدا بجا نہ لاتا ہو۔ ظاہر ہے کہ جب تک طریقہ تسبیح کسی ذریعہ سے ہر ذرّہ کو نہ بتایا جائے وہ کیسے تسبیح ادا کرے گا۔ غرض کہ وحی ہر ذرہ پر ہوتی ہے اور جسے ہم اپنے لفظوں میں "اقتضائے فطرت" سے تعبیر کرتے ہیں، یہ اسی وحی کا اقتضا ہے جو خدائے تعالیٰ کی جانب سے سب پر نازل ہوتی ہے۔ [4] خواہشیں۔

[5] بطور مجاز مرسل ہر وقت رکوع اور سجدے میں پڑا رہنا مراد ہے۔ لازم بول کر ملزوم مراد لیا ہے۔ [6] حاشیہ نمبر ۵ پڑھیے۔

[7] زمن ہا زمن سے اسی طرح رکوع اور سجدے میں پڑے ہوئے اسی عالم قدس میں کھوئے ہوئے ہیں جو تیرے تقرب میں ارباب معرفت کو نظر آتا ہے۔

[8] یعنی وہ فرشتے جو عالم جبروت کے نظارے میں ایک مدت طویل سے محو ہیں۔

[9] یعنی جتنا نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں اتنی ہی ان کی حرص اور خواہش اور بڑھتی ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ حرص اعمال حمیدہ اور خصائل پسندیدہ میں مذموم نہیں بلکہ ممدوح ہے۔

إِلَى جَهَنَّمَ تَزْفِرُ عَلَى أَهْلِ مَعْصِيَتِكَ
سُبْحَانَكَ مَا عَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ فَصَلِّ
عَلَيْهِمْ وَعَلَى الرَّوْحَانِيِّينَ مِنْ مَلَائِكَتِكَ وَ
أَهْلِ الزُّلْفَةِ عِنْدَكَ وَحُمَّالِ الْغَيْبِ إِلَى
رُسُلِكَ وَالْمُؤْتَمَنِينَ عَلَى وَحْيِكَ وَقَبَائِلَ
الْمَلٰٓئِكَةِ الَّذِينَ اخْتَصَصْتَهُمْ لِنَفْسِكَ وَ
أَغْنَيْتَهُمْ عَنِ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ بِتَقْدِيسِكَ
وَأَسْكَنْتَهُمْ بُطُونَ أَطْبَاقِ سَمٰوٰتِكَ
وَالَّذِينَ عَلٰى أَرْجَائِهَا إِذَا نَزَلَ
الْأَمْرُ بِتَمَامِ وَعْدِكَ وَخُزَّانِ
الْمَطَرِ وَزَوَاجِرِ السَّحَابِ وَالَّذِي
بِصَوْتِ زَجْرِهِ يُسْمَعُ زَجَلُ الرُّعُودِ
وَإِذَا سَبَحَتْ بِهِ حَفِيفَةُ السَّحَابِ
الْتَمَعَتْ صَوَاعِقُ الْبُرُوقِ وَمُشَيِّعِي
الثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَالْهَابِطِينَ مَعَ
قَطْرِ الْمَطَرِ إِذَا نَزَلَ وَالْقُوَّامِ عَلٰى
خَزَائِنِ الرِّيَاحِ وَالْمُوَكَّلِينَ بِالْجِبَالِ
فَلَا تَزُولُ وَالَّذِينَ عَرَّفْتَهُمْ مَثَاقِيلَ
الْمِيَاهِ وَكَيْلَ مَا تَحْوِيهِ لَوَاعِجُ

دیکھتے ہیں وہ جہنم کی طرف جو بھڑک رہا ہے تیرے نافرمان بندوں پر
کہ "پاک ہے تو، نہیں عبادت کر سکے ہم تیری، جیسا کہ عبادت کا حق ہے"۔
پس رحمت نازل کر تو ان (فرشتوں) پر اور اپنے ان فرشتوں پر جو
روحانیین[1] (کہلاتے) ہیں اور (ان پر) جو تیرے نزدیک مقرب
بارگاہ ہیں۔ اور ان پر جو تیرے رسولوں کے پاس غیب (کے پیغام)
لاتے ہیں اور امانت دار ہیں تیری وحی کے اور ان ملائکہ کے گروہ
پر رحمت نازل کر جنھیں تو نے اپنی ذات سے مخصوص کیا ہے
اور تو نے ان کو کھانے اور پینے سے بسبب[2] اپنی پاکیزگی کے بے نیاز
کر دیا ہے۔ اور انھیں سکونت عطا فرمائی ہے اپنے آسمانوں کے
طبقوں کے اندر۔ اور ان فرشتوں پر رحمت نازل کر، جو آسمانوں
کے کناروں پر رہتے ہیں جبکہ تیرا فرمان نازل ہوتا ہے۔ تیرا وعدہ[3]
تمام ہونے پر۔ اور بارش کے خزانہ دار فرشتوں پر رحمت نازل کر، اور
بادل کے ہنکانے والوں پر اور اس فرشتے پر جس کی جھڑکی کی آواز سے
گرج[4] سنی جاتی ہے اور جبکہ اس جھڑکی کے ساتھ گرجتے ہوئے بادل
چلتے ہیں۔ تو گرنے والی بجلیاں چمکتی ہیں۔ اور اس کے عقب میں
برف کے ٹکڑوں اور اولوں کو لانے والے فرشتوں پر رحمت نازل
کر، اور ان (فرشتوں) پر جو بارش کے قطروں کے ساتھ جبکہ وہ
برستی ہے (زمین پر) اترتے ہیں اور ہواؤں کے خزانوں کے محافظ
فرشتوں پر اور پہاڑوں کے موکلوں پر جن کے باعث (وہ پہاڑ)

---

[1] ظاہری الفاظ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس سے کچھ خاص فرشتے مراد ہوں گے مگر در اصل کل فرشتے مراد ہیں کیونکہ کل کو خدائے تعالیٰ نے براہ راست اپنے احکام کی تعمیل کرنے کے لیے مخصوص فرمایا ہے۔ [2] یعنی اس نسبت کی بنا پر کہ وہ تیری ذات قدسی سے براہ راست واسطہ رکھتے ہیں۔

[3] خدائے تعالیٰ کا ہر امر ایک مدت معین اور زمانہ مخصوص میں جاری ہوتا ہے جو اس نے ہر ادنیٰ و اعلیٰ کام کے سلسلے میں مقرر کر کے فرشتوں کو اس پر مامور کر دیا ہے بنا بریں اس جگہ "بتمام وعدک" سے وہ وقت مراد ہے جو کسی امر کے لیے معین ہو چکا ہے۔ گویا ہر ملک جس امر پر معین ہے اس سے وقت مخصوص ہی اس امر کے نزول کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔ [4] کتب اسلامیہ میں مروی ہے کہ رعد ایک فرشتہ ہے جو مکھی سے بڑا اور زنبور سے چھوٹا ہے۔ جو شخص اس کی گرج سنے اسے سُبْحَانَ مَنْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ وَالْمَلَائِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ پڑھنا چاہئے۔

الْأَمْطَارِ وَ عَوَالِجِهَا وَ رُسُلِكَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ بِمَكْرُوهِ مَا يَنْزِلُ مِنَ الْبَلَاۤءِ وَ مَحْبُوبِ الرَّخَاۤءِ وَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ وَ الْحَفَظَةِ الْكِرَامِ الْكَاتِبِينَ وَ مَلَكِ الْمَوْتِ وَ أَعْوَانِهٖ وَ مُنْكَرٍ وَ نَكِيرٍ وَ مُبَشِّرٍ وَ بَشِيرٍ وَ رُوْمَانَ فَتَّانِ الْقُبُورِ وَ الطَّائِفِينَ بِالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ وَ مَالِكٍ وَ الْخَزَنَةِ

اپنی جگہ سے نہیں ٹلنے پاتے۔ اور ان فرشتوں پر جنھیں تو نے باخبر کر دیا ہے پانیوں کی مقدار سے اور ان[1] (مقامات واشیاء) کے پیمانوں سے (مطلع کیا ہے) جنھیں موسلادھار اور تلاطم والی بارشیں گھیرتی ہیں اور ان (فرشتوں) پر جو زمین والوں کی جانب تیرا پیام[2] لاتے ہیں، ناپسندیدہ بلا کے ساتھ جو کہ نازل ہوتی ہے اور پسندیدہ فراخیٔ معیشت کے ساتھ۔ اور سفارت کا فرض انجام دینے والے نیکوکار اور بزرگ فرشتوں پر۔ اور ان بزرگ نگہبان فرشتوں پر جو (نامۂ اعمال) لکھتے ہیں۔ اور موت کے فرشتے پر اور اس کے مددگار فرشتوں پر اور منکر[3] اور نکیر پر اور خوشخبری[4] و مژدہ سنانے والے فرشتوں[5] پر، اور رومان[6] (نامی فرشتے)

[1] یعنی جن فرشتوں کو تو نے بتادیا ہے کہ کس جگہ کتنا مینہ برسے اور کس مقام پر کس قدر بارش ہو یعنی وہ مینہ کی مقدار اور جگہ کی مقدار کا پورا پورا علم رکھتے ہیں۔

[2] یعنی مصیبت وراحت کا پیغام لے کر آتے ہیں۔

[3] ان فرشتوں کا نام ہے جو مرنے کے بعد قبر میں سوال وجواب کے لیے آتے ہیں۔

[4] مُبَشِّرٍ وَ بَشِيرٍ کے الفاظ صحیفہ کے بعض نسخوں میں مذکور نہیں اور یہ امر مشتبہ ہوگیا کہ یہ کلمات حضرت زین العابدین کی اصل دعا میں تھے یا نہیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ دعا پڑھنے والا جب اس مقام پر پہنچے تو یہ الفاظ محض ذکر الٰہی کی نیت سے ادا کرے۔ اور جزو دعا سمجھ کر ادا نہ کرے۔

[5] یعنی ان فرشتوں پر جو انسان کے اعمال کا جائزہ لینے کے بعد اُسے جنت اور شفاعت کا مژدہ سناتے ہیں۔

[6] رومان ایک فرشتہ ہے جو منکر ونکیر کے سوال وجواب سے پہلے قبر میں آتا ہے۔ عبداللہ بن سلام ناقل ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ منکر ونکیر سے پہلے قبر میں کون فرشتہ آتا ہے اور کیوں آتا ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس کا نام رومان ہے اور اس کا چہرہ آفتاب کی طرح روشن ہے۔ وہ قبر میں آکر خدائے تعالیٰ کے حکم سے میت میں روح پھونکتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اپنے نیک وبد اعمال تحریر کر۔ صاحب قبر کہتا ہے کہ میرے پاس قلم ودوات کہاں ہے جو لکھوں۔ رومان جواب دیتا ہے کہ انگلی کو لعاب دہن میں تر کرکے قلم دوات کا کام لے اور لکھ۔ وہ شخص کہتا ہے کہ کاغذ کہاں سے لاؤں۔ فرشتہ کہتا ہے اپنے کفن پر لکھ دے۔ اس وقت وہ شخص اپنے تمام نیک اعمال تحریر کر دیتا ہے مگر جب برے اعمال کی باری آتی ہے تو سر جھکا لیتا ہے اور نہیں لکھتا۔ اس وقت فرشتہ کہتا ہے کہ اے گنہگار بندے جب تو نے گناہ کیے تھے اس وقت تجھے خدائے تعالیٰ سے شرم نہ آئی۔ اور اب شرماتا ہے۔ یہ کہہ کر وہ فرشتہ ایک آتشیں گرز اٹھا کر اسے ڈراتا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ شخص اس کی خوشامد کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ ٹھہر۔ میں ابھی لکھتا ہوں اور پھر اپنے اعمال بد بھی لکھ دیتا ہے۔ بعد ازاں رومان اس تحریر پر اس کے ناخنوں سے مہر کرتا ہے اور اس تحریر کو اس کے گلے میں لٹکا کر چلا جاتا ہے۔ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن سلام سے یہاں تک فرمانے کے بعد کہا کہ اے عبداللہ یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق خدائے تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد کیا ہے "وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ" ۱۲

وَ رِضْوَانَ وَ سَدَنَةِ الْجِنَانِ
وَ الَّذِيْنَ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا
اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ
وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ
بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ
وَ الزَّبَانِيَةِ الَّذِيْنَ اِذَا قِيْلَ
لَهُمْ خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ثُمَّ الْجَحِيْمَ
صَلُّوْهُ ابْتَدَرُوْهُ سِرَاعًا وَ لَمْ
يُنْظِرُوْهُ وَ مَنْ اَوْهَمْنَا ذِكْرَهُ
وَ لَمْ نَعْلَمْ مَكَانَهُ مِنْكَ
وَ بِاَيِّ اَمْرٍ وَكَّلْتَهُ وَ سُكَّانِ
الْهَوَآءِ وَ الْاَرْضِ وَ الْمَآءِ وَ
مَنْ مِنْهُمْ عَلَى الْخَلْقِ
فَصَلِّ عَلَيْهِمْ يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ
نَفْسٍ مَعَهَا سَآئِقٌ وَ شَهِيْدٌ
وَ صَلِّ عَلَيْهِمْ صَلٰوةً تَزِيْدُهُمْ

پر جو کہ قبروں کی آزمائش کرتا ہے۔ اور ان فرشتوں پر جو بیت معمور کا طواف کرتے رہتے ہیں اور مالک[1] (نامی ملک) پر اور (دیگر) خازنان جہنم پر اور رضوان[2] (نامی فرشتے) پر اور بہشت کے (دیگر) دربانوں پر ــــ اور (رحمت نازل کر) ان[3] (تمام) فرشتوں پر جو اس حکم پر جو تو نے انہیں دیا ہے خدا کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جس پر مامور ہیں۔ اور ان فرشتوں پر (رحمت نازل کر) جو کہ (مومنین سے) کہتے ہیں کہ سلام ہو تم پر، اس صبر کے عوض جو تم نے (دنیا میں) کیا ہے پس کیا اچھا ہے، آخرت کا گھر۔ اور دوزخ کے ان نگہبانوں[4] پر کہ جس وقت ان سے کہا جائے گا کہ فلاں کو پکڑو، پھر اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے دوزخ میں جھونک دو تو اس کی طرف بسرعت جھپٹیں گے اور اس کو مہلت نہیں دیں گے۔ اور اس (فرشتے) پر کہ چھوڑ دیا ہم نے جس کا تذکرہ اور نہیں جانتے[5] ہم اس کا وہ مقام جو تیری جناب سے ہے اور (یہ بھی نہیں جانتے) کہ کس امر پر تو نے اسے موکل بنایا ہے اور ہوا، زمین اور پانی کے رہنے والے فرشتوں پر (رحمت بھیج) اور ان فرشتوں پر جو کہ ان میں سے خلق[6] پر موکل ہیں پس رحمت نازل کر ان پر اس دن جبکہ ہر شخص اس طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ اس کو

---

[1] جو جہنم کے فرشتوں کا افسر اعلیٰ ہے۔

[2] داروغہ جنت کا نام ہے۔

[3] یہ ان ہی تمام فرشتوں کی صفت بیان فرمائی جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

[4] زبانیہ، سے مراد وہ انیس فرشتے ہیں جو "مالک" فرشتے کی سرکردگی میں دوزخ پر معین ہیں۔ یہ ایک ایک امت کے بدکاروں کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر بیک وقت جہنم میں ڈال دیں گے۔

[5] یعنی عالم ذات و صفات کی نسبت سے جو منزل اور منزلت اسے حاصل ہے، اس کے تصور کی گنجائش علم لدنی کی منزل کے علاوہ علم بشری میں نہیں اس لیے مقام بشریت میں اس کا تعارف حدود امکان سے باہر ہے۔

[6] یہاں "خلق" بمعنی مخلوق نہیں، بمعنی تخلیق ہے یعنی فرشتے جو خدائے تعالیٰ کے حکم سے پیدا کرنے پر معین ہیں اور جن کے ہاتھ میں جناب باری عز اسمہ نے اپنے امر اور اپنی مشیت کے مطابق تخلیق کائنات کا اختیار دیا ہے۔

كَرَامَةً عَلٰى كَرَامَتِهِمْ وَ طَهَارَةً عَلٰى طَهَارَتِهِمْ اَللّٰهُمَّ وَ اِذَا صَلَّيْتَ عَلٰى مَلٰٓئِكَتِكَ وَ رُسُلِكَ وَ بَلَّغْتَهُمْ صَلَاتَنَا عَلَيْهِمْ بِمَا فَتَحْتَ لَنَا مِنْ حُسْنِ الْقَوْلِ فِيْهِمْ اِنَّكَ جَوَادٌ كَرِيْمٌ۔

کھینچ کرلانے والا ایک فرشتہ گواہ ہوگا۔ اور رحمت بھیج ان سب (ملائکہ) پر ــــ ایسی رحمت کہ جو انھیں موجودہ مرتبہ سے زیادہ مرتبہ دے۔ اور ان کی موجودہ طہارت سے بڑھ کر طہارت بخشے۔ اے اللہ! اور جس وقت درود بھیجے تو اپنے (ان) ملائکہ اور ایلچیوں پر اور پہنچائے تو ان کے پاس ہماری دعائے رحمت کو[1] تو ان پر، ان کلمات خیر کی بناء پر ار رحمت نازل کر جو ان کے بارے میں تو نے ہم پر منکشف[2] کیے ہیں۔ کیونکہ تو بے شک بخشنے والا اور کریم ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ ذِكْرِ اٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ

حضرت زین العابدین جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کی یاد میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ يَا مَنْ خَصَّ مُحَمَّدًا وَّ اٰلَهٗ بِالْكَرَامَةِ وَ حَبَاهُمْ بِالرِّسَالَةِ وَ خَصَّهُمْ بِالْوَسِيْلَةِ وَ جَعَلَهُمْ وَرَثَةَ

اے اللہ! اے وہ ذات جس نے محمدؐ اور ان کی اولاد کو شرف[3] اور بزرگی سے مخصوص کر دیا ہے اور ان کی ہستیاں رسالت[4] کو دے ڈالی ہیں اور انھیں خصوصی طور پر وسیلہ[5] قرار دیا ہے اور انھیں انبیاء[6] کا

---

[1] یعنی ہم نے ملائکہ کے بارے میں جو دعا کی ہے، ان ملائکہ تک ہماری اس دعا کے صرف الفاظ ہی نہ پہنچیں بلکہ یہ الفاظ باب قبول تک پہنچنے کے بعد وہ رحمت بھی ان فرشتوں تک پہنچے جس کے وہ قبولیت دعا کی بنا پر مستحق ہو گئے ہیں۔

[2] یعنی تیری توفیق و تائید سے ہم نے ادا کر دیے ہیں۔

[3] اصل متن میں "کرامت" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی شرف اور بزرگی کے ہوتے ہیں۔ محمدؐ و آل محمدؐ کو "کرامت" کے ساتھ مخصوص کر دینے سے ان بزرگوں کے زہد و تقویٰ کی طرف اشارہ ہے اور یہ قرآن پاک کی مشہور آیت اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں تم میں سب سے زیادہ شریف اور بزرگ اللہ کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔

[4] یعنی کارہائے رسالت انجام دینے کا ان میں وہ جذبہ ودیعت فرما دیا ہے کہ وہ اس کی بقا و تبلیغ و اشاعت میں اپنی جانوں تک کی پروا نہیں کرتے اور ان کا تشخص جبات ہی یہ ہو کر رہ گیا ہے کہ رسالت کے کاموں کو کسی نہ کسی طرح انجام دیتے رہیں۔

[5] ظاہری معنی یہ ہیں کہ بندے محمدؐ و آل محمدؐ کے وسیلے سے دعا مانگ کر تو بارگاہ ایزدی میں تقرب حاصل کرتے ہیں۔ مگر حقیقت باطنی یہ ہے کہ لوگ ان کے علوم اور تعلیمات سے مستفیض ہو کر معرفت الٰہی حاصل کرتے ہیں اس لیے یہ ذوات مقدسہ بندوں کو خدائے تعالیٰ کے جناب میں پہنچانے کا خصوصی وسیلہ ہیں۔

[6] یعنی ان انبیاء کے علوم اور صفات عطا کیے ہیں۔

الْاَنْبِيَآءِ وَخَتَمَ بِهِمُ الْاَوْصِيَآءَ وَ الْاَئِمَّةَ وَعَلَّمَهُمْ عِلْمَ مَا كَانَ وَ عِلْمَ مَا بَقِيَ وَجَعَلَ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَافْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَهْلُهٗ فِي الدِّيْنِ وَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

وارث بنایا ہے۔ اور ان پر خاتمہ کر دیا ہے اوصیا اور اماموں کا۔ اور انھیں تعلیم دی ہے ان چیزوں کے متعلق جو تھیں[1] اور ہیں۔ اور ان چیزوں کے متعلق جو باقی رہ گئیں[2]۔ اور اکثر لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دیا ہے کہ وہ ان کی (محمدؐ اور آل محمدؐ کی) طرف مائل ہیں۔ پس درود بھیج تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر جو پاک ہیں۔ اور ہمارے[3] ساتھ دین[4] و دنیا اور آخرت میں وہ (سلوک کر) جو تیرے شایانِ شان[5] ہے۔ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى اَتْبَاعِ الرُّسُلِ وَمُصَدِّقِيْهِمْ ۝

حضرت زین العابدین انبیاء (علیہم السلام) کے پیروؤں اور ان کی تصدیق کرنے والوں کے لیے ان الفاظ میں دعائے طلب رحمت کیا کرتے تھے:۔

اَللّٰهُمَّ وَاَتْبَاعُ الرُّسُلِ وَمُصَدِّقُوْهُمْ مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ بِالْغَيْبِ عِنْدَ مُعَارَضَةِ الْمُعَانِدِيْنَ لَهُمْ بِالتَّكْذِيْبِ وَالْاِشْتِيَاقِ اِلَى الْمُرْسَلِيْنَ بِحَقَائِقِ الْاِيْمَانِ فِيْ كُلِّ دَهْرٍ وَّ زَمَانٍ اَرْسَلْتَ فِيْهِ رَسُوْلًا وَّ

الٰہی! رسولوں کی پیروی[6] کرنے والے بندے، اور ان کی تصدیق کرنے والے زمین کے لوگ غیب کی خبروں پر (جبکہ دشمن[7] ان کا مقابلہ کرتے تھے انھیں جھٹلا کر) اور ایمان کی حقیقتوں کے ساتھ رسولوں کے عشق پر اُس زمانے اور وقت میں (پائے گئے ہیں) جس میں تو نے کسی رسول کو بھیجا اور اس زمانے والوں کے لیے قائم کی حجت[8] رہا

---

[1] "ما کان" کا ترجمہ ہے۔ [2] یعنی آئندہ ہوں گی۔

[3] آل محمدؐ کے لیے دعا کرتے کرتے آخر کلام میں "ہمارے" کا لفظ استعمال کر کے بظاہر فرما دیا کہ متکلم بھی اولاد محمدؐ کا ایک فرد ہے۔ علم بلاغت میں محاسن کلام کی فہرست میں ایک یہ خوبی بھی بتائی گئی ہے کہ گفتگو میں اول کسی کو 'غائب' کیا جائے پھر اسے حاضر یا متکلم قرار دے لیا جائے۔ اور اسے "صنعت التفت" کہتے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ حمد میں اول خدائے تعالیٰ کو "مالک یوم الدین" کے الفاظ تک غائب فرض کیا گیا ہے۔ اس کے بعد "ایاک نعبد" سے اسے حاضر مان لیا گیا ہے۔ یہی خوبی دعا کے ان کلمات میں ہے۔

[4] یہاں معاملات دین اور مسائل دنیاوی مراد ہیں۔

[5] یعنی ہم اپنے اعمال کے اعتبار سے جس سلوک کے مستحق ہیں، اس سے صرف نظر کر کے وہ سلوک کر جو تیری شان رحمت کا اقتضا ہے۔

[6] وَاَتْبَاعُ الرُّسُلِ اپنے متعلقات سمیت مبتدا ہے جس کی خبر "موجودون" یا "ثابتون" محذوف ہے اور فِيْ كُلِّ دَهْرٍ وَّ زَمَانٍ اس خبر محذوف سے متعلق ہے۔

[7] یہ بھی متن دعا کا ترجمہ ہے جو جملوں کا ربط سمجھنے کے لیے خطوط وحدانی میں لکھ دیا گیا ہے۔

[8] "دلیل" کے معنی حجت کے ہیں اور رہنما کے بھی۔ اور یہاں دونوں معنی مراد لیے جا سکتے ہیں۔

أَقَمْتَ لِأَهْلِهِ دَلِيلًا مِنْ لَدُنْ آدَمَ إِلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ مِنْ أَئِمَّةِ الْهُدَى وَقَادَةِ أَهْلِ التُّقَى عَلَى جَمِيعِهِمُ السَّلَامُ فَاذْكُرْهُمْ مِنْكَ بِمَغْفِرَةٍ وَرِضْوَانٍ اَللّٰهُمَّ وَأَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ خَاصَّةً الَّذِينَ أَحْسَنُوا الصَّحَابَةَ وَالَّذِينَ أَبْلَوُا الْبَلَاءَ الْحَسَنَ فِي نَصْرِهِ وَكَانَفُوهُ وَأَسْرَعُوا إِلَى وِفَادَتِهِ وَسَابَقُوا إِلَى دَعْوَتِهِ وَاسْتَجَابُوا لَهُ حَيْثُ أَسْمَعَهُمْ حُجَّةَ رِسَالَاتِهِ وَفَارَقُوا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ فِي إِظْهَارِ كَلِمَتِهِ وَقَاتَلُوا الْآبَاءَ وَالْأَبْنَاءَ فِي تَثْبِيتِ نُبُوَّتِهِ وَانْتَصَرُوا بِهِ وَ

اٹھایا اس زمانے والوں کے لیے کوئی رہنما) آدم علیہ السلام سے لے کر محمد مصطفیٰ صلعم کے دور تک (ایسے رسول اور رہنما) جو ہدایت کے پیشوا اور پرہیزگاروں کے سردار تھے، ان سب پر سلام ہو۔ پس یاد کر انھیں (یعنی ان پیرانِ انبیاء کو) اپنی مغفرت اور رضامندی کے ساتھ۔ اے اللہ! اور محمد صلعم کے اصحاب خاص[1] —— وہ کہ جنھوں نے اچھی طرح نباہ دوستی کو اور وہ جنھوں نے حضور کی نصرت میں خوب جہاد کیا[2] اور آپ کو اپنی پناہ میں لیا[3] اور آپ کی پیشوائی کو دوڑے[4] اور آپ کی دعوت اسلام کی جانب سبقت کی[5] اور جبکہ (آنحضرت) نے انھیں اپنی رسالت کی دلیلیں سنائیں[6] تو اسے قبول کیا اور آپ کی بات کو نمایاں کرنے کے لیے اپنے بیوی بچوں[7] سے جدا ہوئے۔ اور جنگ کی اپنے باپ دادا[8] اور اولاد سے حضور کی نبوت کو مستحکم کرنے کے لیے[9]۔ اور آنحضرت سے اپنی داد پائی ——

[1] اصحاب خاص سے وہ مخصوص انصار و مہاجرین مراد ہیں جنھوں نے حضور کی حیات میں بھی ہر طرح حقوق رفاقت ادا کیے اور آنحضرت کے وصال کے بعد بھی ان حقوق کو ملحوظ رکھا اور رسالت نیز اسلام کی رفاقت میں ثابت قدم رہے۔ [2] متن دعا میں "اَبْلَوُا الْبَلَاءَ الْحَسَنَ" کے الفاظ آئے ہیں جس کے لفظی معنی ہیں انھوں نے بہت اچھا امتحان دیا۔ مراد یہ ہے کہ تلوار سے بھی جہاد کیا اور جہاد بالنفس میں بھی کامیاب ہوئے۔ دوسرے لفظوں میں نصرت اسلام کیلئے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر تلوار سے بھی جنگ کی اور اپنے نفس کو دوسری قسم کی تکالیف میں بھی مبتلا رکھا۔ [3] ان کلمات سے انصار مدینہ کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے اس وقت حضور کو اپنی پناہ میں لیا تھا جبکہ آپ مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر ان کی بستی (مدینہ منورہ) میں تشریف لے گئے تھے۔ [4] انصار مدینہ نے جب حضور کے مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لانے کی خبر سنی تھی تو وہ مع اپنی عورتوں کے مدینہ کے باہر نکل آئے تھے اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ استقبال کی رسوم ادا کی تھیں اور ڈھول بجاتے، لحن داؤدی میں طلع البدر علینا کا یادگار ترانہ پڑھتے ہوئے آنحضرت کو اپنی بستی میں لے گئے تھے۔ [5] ان الفاظ سے مہاجرین کی طرف اشارہ ہے جو اسلام لانے میں انصار سے مقدم ہیں۔ [6] قیام مکہ کے زمانے میں جب بعثت کے بعد حضور نے آیات الٰہی اور کلمات وحی کو لوگوں کے سامنے پیش کیا اور بڑے بڑے فصحائے عرب ان کا جواب لانے سے قاصر رہے تو بعض نادانوں نے اسے نعوذ باللہ سحر اور جادو قرار دیا مگر بہتوں نے لَیْسَ هٰذَا مِنْ کَلَامِ الْبَشَرِ کہہ کر اس کے وحی اور الہام ہونے کا تہہ دل سے اعتراف کیا اور ان کھلی ہوئی دلیلوں کو سن کر اسلام لے آئے۔ وہی لوگ اس مقام پر مراد ہیں۔ [7] گروہ مہاجرین مراد ہے جسے اسلام قبول کرنے کے بعد کفار مکہ کے ظلم و تشدد کے باعث، آنحضرت کے حکم سے اول حبشہ اور پھر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنا پڑی اور اس طرح اپنے اہل و عیال سے جدا ہوئے۔ [8] مہاجرین مکہ کی جانب اشارہ ہے جنھوں نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کرنے کے بعد جنگ بدر و احد کے موقع پر مشرکین مکہ سے جنگ کی، ان کے بزرگ و خورد سبھی سے مقابلہ و مجادلہ کرنا پڑا۔ [9] ان کی جنگ سے نبوت اس طرح مستحکم ہوئی کہ جب انکے باپ دادا اور اولاد نے انھیں اسلام لانے سے روکا اور وہ نہ مانے اور پھر تلوار لیکر اپنے باپ دادا اور اولاد کے مقابلے پر آ گئے، حالانکہ اسلام کے پاس سوائے فقر و فاقہ کے کوئی مادی کشش نہ تھی تو کفار کے سنجیدہ طبقہ کو سوچنے کا موقع ملا کہ حضور کے پیغام میں یقیناً ایسی ہی حقانیت ہے جس کی طرف جانے سے روکنے کے لیے اگر باپ دادا اور اولاد بھی مانع ہوں تو انسان خون کو ٹھکرا کر اپنی عاقبت خراب نہیں کرتا یہی منظر تھے جنھوں نے انسان کو تعصبات سے ہٹا کر اسلام سے متعلق سنجیدگی ۔۔

مَنْ كَانُوا مُنْطَوِينَ عَلَى مَحَبَّتِهٖ
يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ فِي مَوَدَّتِهٖ
وَ الَّذِينَ هَجَرَتْهُمُ الْعَشَائِرُ اِذْ
تَعَلَّقُوا بِعُرْوَتِهٖ وَانْتَفَتْ مِنْهُمُ
الْقَرَابَاتُ اِذْ سَكَنُوا فِي ظِلِّ
قَرَابَتِهٖ فَلَا تَنْسَ لَهُمُ اللّٰهُمَّ مَا
تَرَكُوا لَكَ وَ فِيكَ وَ اَرْضِهِمْ
مِنْ رِضْوَانِكَ وَ بِمَا حَاشُوا
الْخَلْقَ عَلَيْكَ وَ كَانُوا مَعَ
رَسُولِكَ دُعَاةً لَكَ اِلَيْكَ وَ
اشْكُرْهُمْ عَلَى هَجْرِهِمْ فِيكَ
دِيَارَ قَوْمِهِمْ وَ خُرُوجِهِمْ مِنْ
سَعَةِ الْمَعَاشِ اِلَى ضِيقِهٖ وَ

اور (وہ اصحاب) جو دل میں حضورؐ کی محبت رکھتے تھے (اور) آپؐ
کی مودّت (دوستی) میں ایسی تجارت[1] کی امید رکھتے تھے جو کبھی برباد نہ
ہو اور (وہ اصحاب) جنھیں کنبے قبیلے نے چھوڑ دیا جبکہ وہ حضورؐ کے
سلسلے[2] سے وابستہ ہوئے، اور جدا ہو گئے ان سے قرابت دار، جبکہ
وہ (اصحاب) آنحضرتؐ کی قرابت[3] کے سائے میں (آکر) ٹھہرے —
پس اے مالک ان کے لیے ان چیزوں[4] کو نہ بھولنا جو انھوں نے
تیری خاطر اور تیری محبت میں چھوڑ دیں۔ اور انھیں اپنی خوشنودی سے
(بہرہ یاب کر کے) خوشنود کر اور اس[5] (خدمت) کے صلے میں (خوشنود کر)
کہ جمع کیا انھوں نے لوگوں کو تجھ پر (یعنی تیرے دین پر) اور تیری
خوشنودی کے لیے تیرے رسول کے ساتھ لوگوں کو تیری طرف بلاتے
رہے۔ اور انھیں اس بات کا نیک صلہ دے کہ انھوں نے تیری راہ
میں اپنی قوم کے شہروں سے ہجرت کی اور (اس بات کا کہ) وہ نکل
آئے فارغ البالی[6] کی زندگی چھوڑ کر تنگ دستی کی طرف اور زحمت[7]

---

۱؎ اپنے نفسوں کو خدا اور رسول کے ہاتھ بیچ کر دولت ایمان حاصل کر لی تھی۔ ۲؎ اسلام لائے۔

۳؎ قرابت کے اصلی معنی رشتہ داری کے ہیں مگر اس جگہ آنحضرتؐ سے صحابہ کا وہ قرب مراد ہے جو قرابت کی حد تک پہنچا ہوا تھا اور جس کے باعث ان (صحابہ) کو حضورؐ اپنے خاندان والوں کی طرح سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض صحابہ کے متعلق حضورؐ نے صراحۃً اس نسبت کا اظہار بھی فرما دیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا "سَلْمَانُ مِنَّا اَهْلَ الْبَيْتِ" یعنی سلمان ہمارے اہل بیت میں شامل ہیں۔

۴؎ یعنی انھیں ان جملہ مفادات کے قربان کر دینے کی جزا عنایت فرمانا جو انھوں نے اسلام لانے کے سلسلے میں کیے۔

۵؎ مراد یہ ہے کہ صحابہ دو اعتبارات سے جزائے خیر کے مستحق ہیں۔ اوّل اس لیے کہ وہ خود ایمان لائے۔ دوسرے اس لیے کہ انھوں نے دوسرے کفار و مشرکین کو اسلام لانے کی ترغیب دی اور انھیں مسلمان کیا۔

۶؎ اسلام کی تاریخ کے ان سنہرے واقعات کی طرف اشارہ ہے کہ حضورؐ کا پیغام سننے اور سمجھنے کے بعد بہت سے دولتمند اپنے آبائی سرمایہ پر لات مار کر آپ کی طرف چلے آئے اور عیش و آرام کی زندگی پر جو انھیں اپنے کنبے میں رہ کر میسر تھی اس فقر و فاقہ اور تنگدستی کو ترجیح دی جس سے انھیں اسلام لانے کے بعد سابقہ پڑا اور جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے جانتے اور سمجھتے تھے۔

۷؎ "وَمَنْ كَثَّرْتَ" بھی "لَا تَنْسَ" کا مفعول ہے جو پہلی سطر میں آیا ہے۔

مَنْ كَثَّرْتَ فِيْ إِعْزَازِ دِيْنِكَ مِنْ مَظْلُوْمِهِمْ اَللّٰهُمَّ وَ اَوْصِلْ اِلَى التَّابِعِيْنَ لَهُمْ بِاِحْسَانٍ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ خَيْرَ جَزَآئِكَ اَلَّذِيْنَ قَصَدُوْا سَمْتَهُمْ وَ تَحَرَّوْا وِجْهَتَهُمْ وَ مَضَوْا عَلٰى شَاكِلَتِهِمْ لَمْ يَثْنِهِمْ رَيْبٌ فِيْ بَصِيْرَتِهِمْ وَ لَمْ يَخْتَلِجْهُمْ شَكٌّ فِيْ قَفْوِ اٰثَارِهِمْ وَ الْاِئْتِمَامِ بِهِدَايَةِ مَنَارِهِمْ مُكَانِفِيْنَ وَ مُوَازِرِيْنَ لَهُمْ يَدِيْنُوْنَ بِدِيْنِهِمْ وَ يَهْتَدُوْنَ بِهَدْيِهِمْ يَتَّفِقُوْنَ عَلَيْهِمْ

بھول) ان لوگوں کو کہ خوب خوب[1] آزمالیا تو نے اپنے دین کا اعزاز بڑھانے کے لیے ان کو مظلوم کی حیثیت سے ذ اے معبود! مرحمت[2] کر ان لوگوں کو، جو نیکی میں ان اصحاب کے پیرو ہیں، اور جو یہ کہتے ہیں کہ یا اللہ بخش دے تو ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جنھوں نے سبقت کی ہم سے ایمان میں، اپنا بہترین صلہ[3]۔ (ایسے پیرو) جنھوں نے ان (اصحاب) کے طریقے (پر چلنے) کا ارادہ کیا اور اختیار کیا ان کی روش کو اور ان کے قدم بقدم چلے۔ ان کو کسی شک نے اُن (صحابہ) کی بصیرت[4] (کے یقین) سے برگشتہ نہیں کیا اور انھیں کسی وہم نے ان (صحابہ) کے نقش قدم کی پیروی اور ان کے آثار ہدایت کی اقتدا کے متعلق وسوسے میں نہیں ڈالا۔ (ایسے پیرو) جو ان (صحابہ) کا بچاؤ[5] کرنے والے اور انھیں تقویت دینے والے تھے۔ ان کے دین[6] (طریقے) پر چلتے تھے اور ان کی ہدایت سے راہ راست اختیار کرتے تھے۔ ان[7] پر متفق تھے۔ اور نہیں الزام[8] لگاتے تھے ان (صحابہ) پر اس بات کے متعلق جو کہ

---

[1] اس فقرے کا ترجمہ بعض مترجمین فارسی نے یہ لکھا ہے کہ "بسیار گردانیدی در اعزاز دین خود از ستم ایشاں"۔ مگر اس ترجمہ سے خدائے تعالیٰ کی طرف ظلم کا انتساب ہوتا ہے جو نہ زبان عربی کے مزاج اعتبار سے درست ہے اور نہ قائل (حضرت زین العابدین) کا یہ مقصد ہے۔ اسی طرح اردو کے ایک مترجم نے اس فقرے کے ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے "ان مظلوموں پر جنھیں اپنے دین کے معزز کرنے میں تو نے زیادہ کیا"۔ مترجم نے اس ترجمے کے اول و آخر کسی مقام پر یہ نہیں ظاہر کیا کہ "ان مظلوموں پر" کیا کرنے کی خدائے تعالیٰ سے دعا کی جارہی ہے۔ نیز "زیادہ کیا" کا مفہوم بھی اس جگہ واضح نہیں ہوتا۔

[2] دعا میں "اَوْصِلْ" کا لفظ آیا ہے جس کے لغوی معنی ہیں "پہنچائے" اور اس کا مفعول "خَيْرَ جَزَآئِكَ" ہے جو تین سطروں کے بعد مذکور ہے۔

[3] یعنی وہ صلہ جو تیرے نزدیک بہترین ہے۔

[4] یعنی ان تابعین کو صحابہ کی بصیرت کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ پیدا نہیں ہوا۔

[5] یعنی صحابہ کے اقوال و افعال پر مذاہب عالم کی طرف سے جو اعتراضات ہوئے ان کا مدلل جواب دے کر معترضوں کا منہ بند کرنے والے تھے۔ اس سے ان علمائے امت کی طرف اشارہ ہے جنھوں نے حدیث و تفسیر قرآن اور مسائل فقہ میں معترضین کے خلاف جہاد کیا۔

[6] مجازاً طریقہ مراد ہے۔

[7] یعنی ان کے قول یا عمل کی سند ملنے پر آپس کا تمام اختلاف ختم کر دیتے تھے۔

[8] ان کے متعلق یہ نہیں کہتے تھے کہ فلاں بات انھوں نے اپنی طرف سے کسی ذاتی خواہش کی بنا پر کہہ دی ہے۔

وَلَا يَتَّهِمُوْنَهُمْ فِيْمَا أَدَّوْا إِلَيْهِمْ
اَللّٰهُمَّ وَصَلِّ عَلَى التَّابِعِيْنَ مِنْ
يَوْمِنَا هٰذَا إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ
وَعَلٰى أَزْوَاجِهِمْ وَعَلٰى ذُرِّيَّاتِهِمْ
وَعَلٰى مَنْ أَطَاعَكَ مِنْهُمْ صَلٰوةً
تَعْصِمُهُمْ بِهَا مِنْ مَعْصِيَتِكَ وَتَفْسَحُ
لَهُمْ بِهَا فِيْ رِيَاضِ جَنَّتِكَ وَتَمْنَعُهُمْ
بِهَا مِنْ كَيْدِ الشَّيْطَانِ وَتُعِيْنُهُمْ
بِهَا عَلٰى مَا اسْتَعَانُوْكَ عَلَيْهِ
مِنْ بِرٍّ وَتَقِيْهِمْ طَوَارِقَ اللَّيْلِ وَ
النَّهَارِ إِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ
وَتَبْعَثُهُمْ بِهَا عَلَى اعْتِقَادِ حُسْنِ
الرَّجَاءِ لَكَ وَالطَّمَعِ فِيْمَا عِنْدَكَ

پہنچائی تھی اُن صحابہ نے ان (پیروؤں) تک۔ اے معبود! پس رحمت نازل کر (ان) پیروؤں پر، آج سے لے کر قیامت تک۔ اور (رحمت نازل کر) ان کی بیویوں[1] اور ان کی اولاد پر۔ اور اس پر ان (ازواج و اولاد) میں سے جس نے تیری اطاعت کی۔ ایسی رحمت[2] جس سے تو انھیں اپنی نافرمانی[3] سے بچائے اور جس سے تو ان کے لیے وسعت پیدا کردے، اپنی جنت کے باغوں میں۔ اور جس سے تو انھیں شیطان کے مکر سے محفوظ رکھے۔ اور جس سے مدد کرے تو ان کی اس نیک کام میں جس کے لیے وہ تجھ سے مدد چاہیں۔ اور بچائے تو ان کو حادثاتِ روز و شب سے، سوائے اس حادثے کے جس کا انجام بخیر ہو۔ اور جس (رحمت) سے ابھارے[4] تو ان کو اپنی ذات سے بھلائی[5] کی امید رکھنے کے اعتقاد پر اور ان چیزوں (نعمتوں) کی خواہش (رکھنے کے اعتقاد) پر جو تیرے پاس ہیں اور ان چیزوں (کے نہ ملنے) کا الزام[6] چھوڑنے (رکھنے

---

[1] صرف وہ بیویاں اور اولاد مراد ہیں جو اسلام لے آئیں جیسا کہ بعد کے جملے نے اس کی صراحت کردی ہے۔

[2] مراد توفیق الٰہی ہے جو نیکوکار بندوں کے شاملِ حال ہُوا کرتی ہے۔

[3] یہاں سے دعا کا ان تابعین سے تعلق ہے جو دعا کے وقت بقیدِ حیات ہیں۔

[4] دعا میں "تبعثھم" کا لفظ آیا ہے جس کے متداول معنی روزِ قیامت قبر سے اٹھانے کے ہیں اور اسی سے دھوکا کھا کر اردو کے ایک مترجم نے ان کلمات کا یہ ترجمہ کیا ہے "اور اچھی امیدواری اور تیرے ہی پاس کی چیزوں کی خواہش اور بندوں کے ہاتھ میں جو چیزیں ہیں ان کی تہمت کے چھوڑنے کے اعتقاد پر اس کے ذریعہ سے، انھیں قیامت کے دن اٹھا"۔ مگر یہ ترجمہ بعید از قیاس ہے کیونکہ دعا میں ان کلمات کے فوراً بعد جو الفاظ ہیں ان میں حضرت زین العابدین نے فرمایا ہے "تاکہ تو ان کے دل میں اپنا عشق و خوف پیدا کرے" جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مقامات حیات کا تذکرہ ہے بعد الموت کا ذکر نہیں۔

[5] اس حکم کی جانب اشارہ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ" یعنی خدا کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہو اور اس آیت کی تفسیر میں ایسی احادیث بتائی گئی ہیں جن میں بندوں کو خدا کی رحمت پر ہر وقت بھروسا رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔

[6] بعض لوگ اللہ تعالیٰ پر یہ الزام لگایا کرتے ہیں کہ فلاں کو اس کے فلاں مربی یا حاکم یا بادشاہ نے اتنی دولت دے دی جو ہمیں اللہ تعالیٰ نے نہیں عطا کی۔ ذاتِ باری تعالیٰ عزاسمہ کی نسبت پر ایسی نکتہ چینی کرنا بہت بڑا گناہ ہے جس پر اگر انسان اصرار کرے تو وہ مشرک کا فر ہو جاتا ہے۔ اس لیے دعا میں حضرت زین العابدین نے فرمایا کہ ہمیں ایسی توفیق دے کہ اس قسم کی الزام تراشی سے دور رہیں۔

وَ تَرْكِ التُّهَمَةِ فِيمَا تَحْوِيهِ أَيْدِي
الْعِبَادِ لِتَرُدَّهُمْ إِلَى الرَّغْبَةِ إِلَيْكَ
وَ الرَّهْبَةِ مِنْكَ وَ تُزَهِّدَهُمْ فِي سَعَةِ
الْعَاجِلِ وَ تُحَبِّبَ إِلَيْهِمُ الْعَمَلَ
لِلْآجِلِ وَ الْاِسْتِعْدَادَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ
وَ تُهَوِّنَ عَلَيْهِمْ كُلَّ كَرْبٍ يَحُلُّ بِهِمْ
يَوْمَ خُرُوجِ الْأَنْفُسِ مِنْ أَبْدَانِهَا وَ
تُعَافِيَهُمْ مِمَّا تَقَعُ بِهِ الْفِتْنَةُ مِنْ
مَحْذُورَاتِهَا وَ كَبَّةِ النَّارِ وَ طُولِ
الْخُلُودِ فِيهَا وَ تُصَيِّرَهُمْ إِلَى أَمْنٍ
مِنْ مَقِيلِ الْمُتَّقِينَ ۝

اعتقاد) پر جو بندوں کے ہاتھ میں ہیں۔ تاکہ لے جائے تو ان کو اپنے عشق کی جانب اور اپنے خوف[1] کی طرف۔ اور ان کو دنیاوی[2] فراخی عیش (کے معاملے) میں زاہد (قانع) بنا دے اور محبت ڈالے تو ان (کے دل) میں عمل آخرت کی اور ان باتوں کے لیے تیار ہو جانے کی جو[3] مرنے کے بعد پیش آئیں گی اور آسان بنا دے تو، ان پر ہر اس تکلیف کو جو انھیں ان کے جسموں سے روح کھینچی[4] جانے کے وقت پہنچے گی۔ اور اپنی عافیت (پناہ) میں رکھ ان کو ان باتوں سے، جن سے خوفناک فتنے[5] اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور (پناہ میں رکھ) دوزخ میں منہ کے بل گرنے سے، اور اس[6] (دوزخ) میں زیادہ عرصے تک رہنے سے اور ان کو پرہیزگاروں کی منزل سے مقام امن (بہشت) تک پہنچا دے۔

---

۱ہ یعنی محبت میں کہیں ایسے مست نہ ہو جائیں کہ دلوں میں تیرا خوف باقی نہ رہے۔

۲ہ متن دعا میں "عاجل" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں جلد ملنے والی اور جلد مٹ جانے والی۔ اس سے مراد ہے دنیاوی فراخی عیش۔ جو (آخرت کی نعمتوں کے بالمقابل) جلد ملتی ہے اور جلد ہی مٹ جاتی ہے۔

۳ہ سوالات منکر و نکیر اور نشاز اور حساب کتاب وغیرہ۔

۴ہ یعنی سکراتِ موت میں مبتلا نہ کر۔ احادیث میں آیا ہے اور مشاہدہ بھی ہوا ہے کہ جن لوگوں پر خدائے تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جانے کی بناء پر سکرات موت طاری ہوتے ہیں، وہ مرتے وقت ایسی روح فرسا تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں اور اس طرح تڑپ تڑپ کر جان دیتے ہیں کہ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو ہو جاتے ہیں اور تمام دنیا کی اذیتیں اس کے مقابلے میں ہیچ نظر آتی ہیں۔

۵ہ "خوفناک فتنوں" سے وہ باتیں مراد ہیں جو انسان کے اسلام اور عقائد کو خطرے میں ڈال دیتی ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی تعصب یا کسی غرض یا کسی تہذیب نو کی تقلید میں مبتلا ہو کر ایسی بات کہہ بیٹھتا ہے یا کر گزرتا ہے جس کی بناء پر وہ خارج از اسلام ہو جاتا ہے اور اسے اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ اس نے کیا کہہ دیا اور کیا کر گزرا۔ حضرت زین العابدین نے ایسے قول و فعل سے محفوظ رہنے کی طرف دعا میں اشارہ کیا ہے۔

۶ہ قیامت میں حساب کتاب کے بعد اکثر ایسے لوگ ہوں گے جو عقائد درست ہونے کی بناء پر جنت کے تو مستحق قرار دیے جائیں گے مگر برے کاموں کی سزا میں انھیں کچھ مدت جہنم میں رہنا پڑے گا۔ ایسے گناہوں میں مقید لوگوں کے لیے مدت جہنم کم کیے جانے کی دعا مانگی ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِنَفْسِهِ وَأَهْلِ وَلَايَتِهِ[١]

"حضرت زین العابدین اپنے اور اپنے دوستوں[١] کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔"

اللَّهُمَّ يَا مَنْ لَا تَنْقَضِي عَجَائِبُ عَظَمَتِهِ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاحْجُبْنَا عَنِ الْإِلْحَادِ فِي عَظَمَتِكَ وَيَا مَنْ لَا تَنْتَهِي مُدَّةُ مُلْكِهِ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَعْتِقْ رِقَابَنَا مِنْ نَقِمَتِكَ وَيَا مَنْ لَا تَفْنَى خَزَائِنُ رَحْمَتِهِ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاجْعَلْ لَنَا نَصِيبًا فِي رَحْمَتِكَ وَيَا مَنْ تَنْقَطِعُ دُونَ رُؤْيَتِهِ الْأَبْصَارُ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَأَدْنِنَا إِلَى قُرْبِكَ وَيَا مَنْ تَصْغُرُ عِنْدَ خَطَرِهِ الْأَخْطَارُ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَكَرِّمْنَا عَلَيْكَ وَيَا مَنْ تَظْهَرُ عِنْدَهُ بَوَاطِنُ الْأَخْبَارِ

خداوندا! اے وہ ذات جس کی عظمت کے عجائبات[٢] کی انتہا نہیں حضرت محمد مصطفیٰؐ اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر۔ اور ہمیں اپنی عظمت کا انکار کرنے سے دور[٣] رکھ۔ اور اے وہ ہستی جس کی حکومت کی مدت کبھی ختم نہ ہو گی حضرت محمد مصطفیٰؐ اور ان کی اولاد پر درود بھیج۔ اور ہماری گردنوں کو اپنے عذاب[٤] سے آزاد فرمائے۔ اور اے وہ معبود جس کی رحمت کے خزانے ابدی و سرمدی ہیں حضرت محمد مصطفیٰؐ اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور حصّہ مقرر کر ہمارے لیے اپنی رحمت میں۔ اور اے وہ معبود جس کے دیدار سے نگاہیں[٥] قاصر ہیں، درود بھیج محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور ہم کو اپنے (مقام) قرب سے قریب کر۔ اور اے وہ معبود کہ حقیر ہیں جس کی قدر و (منزلت) کے سامنے تمام قدریں۔ رحمت نازل کر محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور ہم کو اپنے نزدیک[٦] مکرم بنا۔ اور اے وہ معبود جس کے نزدیک پوشیدہ خبریں ظاہر ہیں۔

---

١ ایک مترجم نے "اہل ولایت" کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حضرت زین العابدین اپنے اہل ملک کے لیے یہ دعا پڑھتے تھے۔ یہ ترجمہ درست نہیں کیونکہ "ملک" میں بہت سے کفار و مشرکین و منافقین بھی تھے جو اس دعا کے ہرگز ہرگز مستحق نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں "ولایت" کا لفظ عربی زبان میں اس معنی کے لیے نہیں بولا جاتا۔ ٢ بزرگی کے عجیب عجیب پہلو، عظمت و جلال کے نئے نئے عنوانات و مظاہر وغیرہ۔

٣ باز رہنے کی توفیق عطا فرما۔

٤ یعنی ہمیں گناہوں سے دور رہنے کی توفیق دے۔

٥ چونکہ اس مقام پر حضرت زین العابدین قرب الٰہی حاصل ہونے کی دعا فرما رہے تھے، بعید ہو سکتا تھا کہ کسی کو قرب جسمانی اشتباہ ہو جائے اس لیے آپ نے اپنی دعا میں پہلے ہی یہ کلمات فرما کر اس اشتباہ کی گنجائش باقی نہیں رکھی۔

٦ زہد و تقویٰ کی مزید توفیق دیے جانے کی طرف اشارہ ہے اور تکریم داعی از ظاہری مطلوب نہیں بلکہ وہ عزت مطلوب ہے جو خدا کے نزدیک عزت ہے جس کے لیے قرآن پاک میں آیا ہے کہ "سب سے زیادہ مکرم اللہ کے نزدیک وہ ہے جس کا تقویٰ سب سے بڑھ کر ہو۔" (اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ)

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَلَا تَفْضَحْنَا لَدَيْكَ اَللّٰهُمَّ اَغْنِنَا عَنْ هِبَةِ الْوَهَّابِيْنَ بِهِبَتِكَ وَاكْفِنَا وَحْشَةَ الْقَاطِعِيْنَ بِصِلَتِكَ حَتّٰى لَا نَرْغَبَ اِلٰى اَحَدٍ مَّعَ بَذْلِكَ وَلَا نَسْتَوْحِشَ مِنْ اَحَدٍ مَّعَ فَضْلِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَكِدْ لَنَا وَلَا تَكِدْ عَلَيْنَا وَامْكُرْ لَنَا وَلَا تَمْكُرْ بِنَا وَاَدِلْ لَنَا وَلَا تُدِلْ مِنَّا

درود بھیج محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مت رسوا کر ہم کو اپنے نزدیک[1]۔ اے مالک ہم کو اپنی بخشش کی بدولت بخشش کرنے والوں کی بخشش سے بے نیاز کر دے۔ اور ہمارے لیے اپنے انعام ان لوگوں کی بے رخی[2] (اور روکھے پن) سے کافی بنا دے[3] جو (کبھی) نہیں دیتے۔ تاکہ ہم کسی کی طرف راغب نہ ہوں تیری بخشش کے ہوتے ہوئے۔ اور تیرے فضل کے ہوتے ہوئے کسی (دوسرے) کی جانب[4] سے رکی ہوئی بے رخی سے سابقہ نہ پڑے۔ اے اللہ درود بھیج تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور جو ہم سے مکاری[5] کرے اسے مکر کا بدلہ دے اور ہمارے خلاف[6] مکاری کو مت چلنے دے۔ اور جو ہم سے فریب کرے اسے فریب کا اور ہمیں غلبہ[7] دے اور ہم سے غلبہ کو سلب نہ کر۔ اے

---

۱ "عِنْدَكَ" کی قید بڑھا کر یہ ظاہر فرما دیا کہ ہم دنیاوی رسوائی کہیں ڈرتے۔ خدا کے نزدیک رسوا ہونے سے ڈرتے ہیں یعنی اعمال بد سے خوف کرتے ہیں جو عند اللہ رسوائی کا باعث ہوا کرتے ہیں۔ گویا ان الفاظ میں معاصی سے دور رہنے کی توفیق طلب کی جا رہی ہے۔ ۲ وہ کیفیت مراد ہے جو کسی سے سوال کرنے پر اس کے انکار سے سائل کو محسوس ہوتی ہے۔ ۳ یعنی ایسا جذبہ عطا کر کہ جو کچھ تو دے دے اسی پر قناعت کریں اور دوسرے کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں۔

۴ یعنی کسی دوسرے سے سوال کرنے کی نوبت ہی نہ آئے جس کے بعد اس وحشت میں مبتلا ہونا پڑے جو ردِ سوال کے موقع پر سائل محسوس کیا کرتا ہے۔

۵ ایک فارسی مترجم نے "کِدْ لَنَا" کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ "مکر کن برائے ما" یعنی اے خدا تو ہمارے لیے مکر کر۔ یہ ترجمہ درست نہیں۔ کیونکہ علم بلاغت کا اصول ہے کہ جب کسی شخص کے اقدام کا تذکرہ کر کے فوراً اپنے جوابی اقدام کا ذکر کرتے ہیں تو اس جوابی اقدام کے لیے بھی وہی فعل استعمال کرتے ہیں جو کہ اس شخص کے اقدام کے لیے استعمال کر چکے ہیں۔ یہ کلام کی ایک خوبی سمجھی جاتی ہے جس کا نام ہے "مشاکلت" مثال کے طور پر اگر یہ کہا جائے کہ "مجھ پر انھوں نے حملہ کیا تو میں نے بھی ان پر حملہ کیا۔ یا انھوں نے مجھے دھوکا دیا تو میں نے بھی انھیں دھوکا دیا" تو ظاہر ہے کہ ان جملوں میں "میں نے بھی حملہ کیا اور میں نے بھی دھوکا دیا" سے یہ مراد ہو گی کہ "میں نے ان کے حملے کا دفاع کیا اور ان کے دھوکے کا جواب دیا" قرآن پاک میں بھی اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً "مَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ"۔ اگر لفظی ترجمہ کیا جائے تو یہ ہو گا کہ "کفار نے مکر کیا اور اللہ نے مکر کیا" (نعوذ باللہ) حالانکہ اللہ مکر نہیں کر سکتا۔ اسی لیے مذکورہ اصولِ بلاغت کی بنا پر اس آیت کے یہ معنی کیے جاتے ہیں کہ "کفار نے مکر کیا اور اللہ نے انھیں مکر کا جواب دیا" ہو بہو اسی طرح دعائے زیر نظر میں "کِدْ لَنَا" کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ۶ ایک اردو مترجم نے "کِدْ لَنَا وَلَا تَكِدْ عَلَيْنَا" کا یہ ترجمہ کر دیا ہے کہ "ہمارے دوسروں سے مکر کا بدلہ لے اور ہمارے مکروں کا بدلہ نہ لے"۔ یہ ترجمہ کسی تسامح پر مبنی اور سراسر غلط ہے جس کا انتساب بھی حضرت زین العابدین جیسے ولی اللہ کی جانب موزوں نہیں۔ پس اسی اصول بلاغت کے تحت جو نمبر ۵ کے حاشیے میں واضح کیا گیا ہے ان سب جملوں کا ترجمہ کیا جانا چاہیئے جو زیر نظر ترجمہ میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔

۷ دلوں پر حکومت اور قبضہ دینا مراد ہے کیونکہ پوری دعا کا سیاق و سباق دنیاوی نعمات و لذات طلب کرنے سے بالاتر ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَقِنَا مِنْکَ وَاحْفَظْنَا بِکَ وَاھْدِنَا اِلَیْکَ وَلَا تُبَاعِدْنَا عَنْکَ اِنَّ مَنْ تَقِہٖ یَسْلَمْ وَمَنْ تَھْدِہٖ یَعْلَمْ وَمَنْ تُقَرِّبْہُ اِلَیْکَ یَغْنَمْ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاکْفِنَا حَدَّ نَوَائِبِ الزَّمَانِ وَشَرَّ مَصَائِدِ الشَّیْطَانِ

اللہ! درود بھیج محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور بچا ہم کو اپنے غضب[1] سے اور ہماری بذاتِ خود حفاظت کر۔ اور اپنی جانب راہِ راست پر ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں اپنے سے دور نہ کر۔ بے شک جسے تو بچائے[2] وہ بچتا ہے، اور جسے تو راستہ دکھائے اسے علم حاصل ہو جاتا ہے اور جسے تو اپنے سے قریب کرے وہ گویا وہ غنیمت[3] حاصل کر لیتا ہے۔ اے اللہ محمدؐ اور ان کی اولاد پر رحمت بھیج اور محفوظ رکھ ہم کو زمانے کے حوادث اور سختیوں سے، اور شیطان کی الیسی[4] چالوں سے۔

---

[1] "وَقِنَا مِنْکَ" کے ترجمے میں ایک مترجم نے لکھا ہے کہ "اپنے لیے ہمیں محفوظ رکھ" مگر یہ درست نہیں۔ "مِنْکَ" سے "مِنْ غَضَبِکَ" مراد ہے۔ [2] ایک مترجم نے اس کا ترجمہ "وہی" کیا ہے مگر اس سے جبر لازم آتا ہے اور یہ مرادِ قائل (حضرت زین العابدین) کے خلاف ہے کیونکہ آپ جبر کے نہیں بلکہ اختیار کے قائل تھے۔ حضرت زین العابدین کا منشا ان الفاظ سے یہ ہے کہ جسے تو بچائے وہ ضرور بچ جاتا ہے۔ [3] جس طرح مالِ غنیمت مل جاتا ہے اسی طرح تیرا قرب حاصل ہونے پر ایک نعمتِ غیر مترقبہ مل جاتی ہے۔

[4] "مصائد" ان چالوں کو کہتے ہیں جن تک بڑے بڑے ذہین اور ذہین لوگوں کا ذہن بھی آسانی سے منتقل نہیں ہوتا۔ احادیث میں آیا ہے کہ شیطان الیسی الیسی نو بہ نو اور عجیب و غریب چالیں چل کر خدا کے نیک بندوں کو بہکاتا ہے جن کا دنیا کے بڑے بڑے سیاست دانوں کو تصور تک نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ شیطان کی الیسی چالوں کا ذکر کرتے ہوئے بعض معتبر محدثین نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے اس دعا کے بہت سے فقروں پر روشنی پڑتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں ایک بڑا عابد و زاہد شخص تھا جس کا دامن سوائے ترکِ اولیٰ کے ہر قسم کے گناہ کبیرہ و صغیرہ کے پاک صاف تھا۔ شیطان نے اسے طرح طرح سے بہکانے کی کوشش کی مگر ناکام ہوا۔ آخر اس نے اپنے تمام شاگردوں اور رفیقوں کو بلایا مشورے کے لیے بلایا اور ان سے پوچھا کہ اس عابد کو بہکانے اور راہِ حق سے منحرف کرنے کی کیا ترکیب کی جائے۔ ایک شاگرد نے کہا کہ اس شخص کے اردگرد حسین عورتیں جمع کر دی جائیں پھر دیکھیں کیسے نہیں بہکے گا۔ شیطان نے کہا یہ ترکیب کی گئی تھی مگر کارگر نہ ہوئی۔ دوسرے نے کہا اسے شراب پلائی جائے۔ شیطان بولا کہ اس میں بھی ناکامی ہوئی۔ تب ایک شاگرد نے کہا کہ میں اس کے پاس بیٹھ کر عبادت و ریاضت کرتا ہوں پھر دیکھیے کس طرح اسے اپنے جال میں پھنساتا ہوں۔ شیطان یہ سن کر خوش ہوا اور کہا کہ ہاں شاید اس طرح کامیابی ہو جائے گی۔ چنانچہ ادھر سے شیطان کا شاگرد اسی عابد کو بہکانے کے لیے چلا اور ادھر آسمان سے توفیقِ الٰہی نے اس عابد کے عبادت خانے کا رخ کیا کیونکہ وہ اپنی کثرتِ عبادت کے باعث اس توفیق کا مستحق ہو چکا تھا۔ شاگرد شیطان اس عابد کے پاس بیٹھ کر عبادت کرنے لگا۔ اور چند روز میں کچھ ایسا رنگ جمایا کہ اس عابد کو اپنی عبادت اس نئے عابد (شیطان) کے مقابلے میں ہیچ معلوم ہونے لگی۔ اس کا دل بیتاب ہو گیا کہ کاش میں بھی اس نئے عابد کے برابر عبادت کر پاتا۔ میں کچھ نہ کچھ دیر آرام بھی کر لیتا ہوں مگر یہ تو رات دن میں ذرا سی دیر کے لیے بھی نہیں سوتا، ہر وقت عبادت کرتا رہتا ہے۔ آخر اس عابد نے اس (شیطان) سے پوچھا کہ بھائی تم میں عبادت کی اتنی قوت کہاں سے آ گئی کہ تم ذرا سی دیر کے لیے پاؤں تک نہیں پھیلاتے۔ عابد (شیطان) نے کہا کہ میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا تھا جس کے بعد یہ حالت ہو گئی کہ جب آرام کا قصد کرتا ہوں، اس گناہ کا تصور سامنے آ جاتا ہے، اور پھر عبادت کرنے لگتا ہوں کہ شاید اس ریاضت سے ہی میرا گناہ معاف ہو جائے۔ عابد نے کہا کہ وہ گناہ میں بھی کروں تو مجھ میں بھی یہ قوت آ جائے گی؟ شیطان نے کہا بے شک۔ عابد نے پوچھا کہ وہ کیا گناہ ہے؟ شیطان نے کہا کہ دو درہم لے کر فلاں کوچے میں جاؤ وہاں فلاں مکان میں ایک حسین عورت ملے گی دو درہم اسے دو اور رات بھر اس کے پاس رہو۔ عابد نے کہا کہ میرے پاس تو ایک کوڑی بھی نہیں۔ دو درہم کہاں سے لاؤں۔ اس شیطان نے اپنے پاس سے دو درہم عابد کو دیے اور عابد اپنی جگہ سے اٹھا اس کوچے میں گیا مگر جس وقت اس عورت کے پاس پہنچا تو وہ اس مردِ خدا کو اپنے گھر میں دیکھ کر کانپ گئی اور پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آ گئے بقیہ صفحہ ۲۴۳ پر دیکھیں

وَ مَرَارَةَ صَوْلَةِ السُّلْطَانِ اَللّٰهُمَّ اِنَّمَا
يَكْتَفِي الْمُكْتَفُوْنَ بِفَضْلِ قُوَّتِكَ فَصَلِّ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اكْفِنَا وَ اِنَّمَا يُعْطِي
الْمُعْطُوْنَ مِنْ فَضْلِ جِدَتِكَ فَصَلِّ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَعْطِنَا وَ اِنَّمَا يَهْتَدِي
الْمُهْتَدُوْنَ بِنُوْرِ وَجْهِكَ فَصَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اهْدِنَا اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ مَنْ
وَالَيْتَ لَمْ يَضْرُرْهُ خِذْلَانُ الْخَاذِلِيْنَ
وَ مَنْ اَعْطَيْتَ لَمْ يَنْقُصْهُ مَنْعُ الْمَانِعِيْنَ
وَ مَنْ هَدَيْتَ لَمْ يُغْوِهٖ اِضْلَالُ الْمُضِلِّيْنَ
فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ امْنَعْنَا بِعِزِّكَ
مِنْ عِبَادِكَ وَ اَغْنِنَا عَنْ غَيْرِكَ بِاِرْفَادِكَ
وَ اسْلُكْ بِنَا سَبِيْلَ الْحَقِّ بِاِرْشَادِكَ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اجْعَلْ
سَلَامَةَ قُلُوْبِنَا فِيْ ذِكْرِ عَظَمَتِكَ
وَ فَرَاغَ اَبْدَانِنَا فِيْ شُكْرِ نِعْمَتِكَ
وَ انْطِلَاقَ اَلْسِنَتِنَا فِيْ وَصْفِ مِنَّتِكَ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اجْعَلْنَا
مِنْ دُعَاتِكَ الدَّاعِيْنَ اِلَيْكَ وَ
هُدَاتِكَ الدَّالِّيْنَ عَلَيْكَ وَ مِنْ

اور بادشاہ کے رعب جمانے کی تلخی سے۔ اے معبود! نہیں بچ سکتے بچاؤ چاہنے
والے تیری طاقت کے دباؤ[1] سے۔ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد
پر اور ہمیں بچا اور نہیں عطا کر سکتے (دنیا کے) عطا کرنے والے (کوئی چیز)
بغیر تیرے عطیات کی زیادتی کے پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد
پر اور ہمیں عطیہ مرحمت کر۔ اور راہ ہدایت پر نہیں ثابت قدم رہتے ہدایت
پانے والے بغیر تیری ذات[2] کے نور کے۔ پس رحمت بھیج تو محمدؐ پر اور ان کی
اولاد پر اور ہمیں راہ ہدایت پر ثابت قدم رکھ۔ اے اللہ یہ تحقیق کہ تو جس
کی سرپرستی کرے اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا لغزش[3] میں ڈالنے والوں کا بہکانا اور جسے تو
عطیہ مرحمت کر دے (پھر) نہ دینے والوں کا جھڑک دینا (اس کے عطیہ) کو
کم نہیں کر سکتا۔ اور جسے تو ہدایت پر برقرار رکھے اسے بھٹکانے والوں کا بھٹکانا
گمراہ نہیں کر سکتا پس رحمت بھیج تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور حفاظت[4]
کر ہماری اپنے بندوں سے اپنے غلبہ (اور قوت) کے ذریعہ۔ اور ہم کو اپنی
عطا کے ذریعہ اپنے غیر سے بے نیاز کر دے اور لیے چل ہم کو حق[5]
کے راستے پر اپنی رہ نمائی سے۔ اے اللہ رحمت نازل کر محمدؐ پر اور
ان کی اولاد پر اور قرار دے اپنی عظمت کے ذکر میں ہمارے دلوں کا
سکون۔ اور اپنی نعمت کے شکر میں ہمارے جسموں کی صحت۔ اور
اپنے احسان کے بیان میں ہماری زبانوں کی روانی۔ اے اللہ رحمت
نازل فرما محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور ہم کو اپنے ان دعوت دینے
والوں میں قرار دے جو تیری طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنے ان
ہادیوں میں (قرار دے) جو تیری جانب رہ نمائی کرتے ہیں اور اپنے

---

[1] فضل کے لفظی معنی زیادتی۔ مجازاً لازم معنی کے طور پر قوت اور دباؤ۔ [2] یعنی توفیق۔ [3] یا رسوا کرنے والوں کا رسوا کرنا [4] ایک ترجمہ میں لکھا ہے "اپنی عزت سے ہمیں اپنے بندوں سے روک" راقم الحروف یہ الفاظ سمجھنے سے قاصر ہے۔ [5] باطل کی ضد۔

بقیہ صفحہ ۴۱: عابد کو جھوٹ بولنے کی عادت نہ تھی اس نے سچ سچ سارا واقعہ بتا دیا۔ اس عورت نے کہا کہ جناب! وہ شخص جس نے آپ کو میرے یہاں بھیجا ہے یقیناً شیطان ہے۔ آپ اپنی عبادت گاہ میں واپس جائیں اور دیکھیں تو وہاں وہ شخص آپ کو نظر نہیں آئے گا کیونکہ اپنے خیال میں وہ اپنا کام کر چکا۔ عابد یہ سن کر واپس آیا تو دیکھا کہ واقعی وہ شخص موجود نہیں ہے اور اس طرح توفیق الٰہی شامل حال ہونے کے باعث اس گناہ سے بچ گیا ـــ یہ ہیں شیطان کی ابلیسی چالیں جن کی طرف حضرت زین العابدین نے اپنی دعا میں "معائد" کے لفظ سے اشارہ کیا ہے۔

خَاصَّتِكَ الْخَاصِّيْنَ لَدَيْكَ يَا
اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۝

ان مخصوص بندوں (میں قرار دے) جو تیرے نزدیک خاص ہیں۔ اے
سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الصَّبَاحِ وَالْمَسَاءِ

حضرت زین العابدین صبح و شام یہ دعا پڑھا
کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ
بِقُوَّتِهٖ وَمَيَّزَ بَيْنَهُمَا بِقُدْرَتِهٖ وَجَعَلَ
لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا حَدًّا مَّحْدُوْدًا وَّاَمَدًا
مَّمْدُوْدًا يُوْلِجُ كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا فِيْ
صَاحِبِهٖ وَيُوْلِجُ صَاحِبَهٗ فِيْهِ بِتَقْدِيْرٍ
مِّنْهُ لِلْعِبَادِ فِيْمَا يَغْذُوْهُمْ بِهٖ وَيُنْشِئُهُمْ
عَلَيْهِ فَخَلَقَ لَهُمُ اللَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ
مِنْ حَرَكَاتِ التَّعَبِ وَنَهَضَاتِ النَّصَبِ
وَجَعَلَهٗ لِبَاسًا لِّيَلْبَسُوْا مِنْ رَاحَتِهٖ
وَمَنَامِهٖ فَيَكُوْنَ ذٰلِكَ لَهُمْ
جَمَامًا وَّقُوَّةً وَّلِيَنَالُوْا بِهٖ لَذَّةً
وَّشَهْوَةً وَّخَلَقَ لَهُمُ النَّهَارَ

تمام تعریفوں کا مستحق وہی معبود ہے جس نے رات اور دن کو
اپنی قوت سے پیدا کیا اور جدا جدا[1] کیا ان دونوں کو اپنی قدرت سے اور
ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک معین حد اور ایک مقررہ مدت
قرار دی۔ وہ اپنے بنائے ہوئے اصول کے تحت ان میں سے ہر ایک
کو دوسرے میں داخل[2] کرتا ہے اور دوسرے کو پہلے میں سمو دیتا ہے۔
بندوں[3] کے (فائدے) کے لیے (ایسا اصول[4] کہ) بندوں کو اسی کے
مطابق غذا دیتا ہے اور اسی کی بنا پر نشو و نما دیتا ہے پس اس نے
ان کے لیے رات کو پیدا کیا ہے تاکہ وہ اس میں تکلیف دہ نقل و حرکت
اور تھکن کے بوجھ سے سکون پا کر (آرام سے) رہیں۔ اور بنایا اس
(رات) کو آرام اور نیند کا ایک ایسا جامہ جسے وہ (اس وقت میں)
پہن لیں۔ تاکہ ہو جائے وہ (رات) ان کے لیے راحت[5] اور توانائی
(کا باعث) اور تاکہ وہ اس کے ذریعے سے لذت اور دلی[6] خواہش کو

---

[1] ایک کو دوسرے سے بالکل ممتاز قسم کی خصوصیات عطا فرمائیں۔
[2] یعنی جب ایک کے بعد دوسرے کا وقت شروع ہوتا ہے تو درمیان میں کوئی تیسری شے حد فاصل نہیں ہوتی بلکہ یکایک ایک جاتا ہے اور دوسرے کا وقت شروع
ہو جاتا ہے۔ [3] یعنی بندوں کے مستفیض ہونے کے لیے۔
[4] "فیما" میں "ما" کا مدلول "تقدیر" ہے جو پہلے مذکور ہوا اور جس کا ترجمہ "مقررہ اصول" کیا گیا ہے۔
[5] یعنی سونے کے بعد جب اٹھیں تو تازہ دم ہوں اور ایسا محسوس ہو جیسے تمام اعضا میں از سر نو کام کرنے کی ایک نئی طاقت پیدا ہو گئی ہے۔
[6] یعنی دن بھر کے کام سے تھک جانے کے بعد دل میں جو خود بخود آرام کی خواہش پیدا ہوتی ہے وہ نصیب ہو۔ اس کے علاوہ دوسری فطری
خواہشیں بھی پردۂ شب میں پوری ہو جائیں۔

مُبْصِرًا لِيَبْتَغُوْا فِيْهِ مِنْ فَضْلِهٖ
وَ لِيَتَسَبَّبُوْا اِلٰى رِزْقِهٖ وَ يَسْرَحُوْا
فِيْ اَرْضِهٖ طَلَبًا لِمَا فِيْهِ نَيْلُ
الْعَاجِلِ مِنْ دُنْيَاهُمْ وَ دَرَكُ
الْاٰجِلِ فِيْ اُخْرٰىهُمْ بِكُلِّ ذٰلِكَ
يُصْلِحُ شَاْنَهُمْ وَ يَبْلُوْا اَخْبَارَهُمْ
وَ يَنْظُرُ كَيْفَ هُمْ فِيْ اَوْقَاتِ طَاعَتِهٖ
وَ مَنَازِلِ فُرُوْضِهٖ وَ مَوَاقِعِ اَحْكَامِهٖ
لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاءُوْا بِمَا عَمِلُوْا
وَ يَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى
اَللّٰهُمَّ فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا فَلَقْتَ لَنَا
مِنَ الْاِصْبَاحِ وَ مَتَّعْتَنَا بِهٖ مِنْ ضَوْءِ
النَّهَارِ وَ بَصَّرْتَنَا بِهٖ مِنْ مَطَالِبِ
الْاَقْوَاتِ وَ وَقَيْتَنَا فِيْهِ مِنْ طَوَارِقِ
الْاٰفَاتِ اَصْبَحْنَا وَ اَصْبَحَتِ الْاَشْيَاءُ
كُلُّهَا بِجُمْلَتِهَا لَكَ سَمَاؤُهَا وَ اَرْضُهَا وَ
مَا بَثَثْتَ فِيْ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا سَاكِنُهٗ
وَ مُتَحَرِّكُهٗ وَ مُقِيْمُهٗ وَ شَاخِصُهٗ وَ مَا عَلَا

پائیں۔ اور پیدا کیا ان کے لیے دن کو روشن تاکہ اس میں اس (خدائے تعالیٰ) کے احسان[1] کو طلب کریں اور تاکہ اس[2] کے رزق کا وسیلہ تلاش کریں اور اس کی زمین میں، اس چیز کے لیے چلیں پھریں جس میں ان کا دنیاوی[3] مفاد ہے، اور ان کی آئندہ[4] آخرت کا نفع ہے۔ ان (دن رات) میں ہر ایک سے وہ (خدا) ان کے حال کی اصلاح کرتا ہے اور آزماتا ہے، ان کے باطن کو اور دیکھتا ہے کہ وہ (بندے) کس حال میں ہیں، اس کی عبادت کے اوقات میں۔ اور اس کے واجبات کی منزلوں میں اور اس کے احکام کے معاملے میں۔ تاکہ ان لوگوں کو جنھوں نے بدی کی ہے ان کے عمل (بد) کا بدلہ دے اور ان کو جنھوں نے نیکی کی ہے نیک عوض دے۔ اے اللہ پس تو حمد کا سزاوار ہے اس بات پر، کہ روشن کیا تو نے صبح کو اور ہمیں دن کی روشنی سے مستفیض کیا۔ اور ہم کو اس کے ذریعہ سے روزی حاصل کرنے کے مقامات دکھائے۔ اور اس (روشنی) میں ہمیں آنے والی[5] آفتوں سے بچایا۔ صبح[6] کی ہم نے اور صبح کی تمام چیزوں نے تیری وجہ سے۔ ان چیزوں میں سے آسمان نے (بھی) اور زمین نے (بھی)، اور ہر اس چیز نے (بھی) جو تو نے پھیلا دی ہے ان (آسمان و زمین) میں سے ہر ایک میں۔ خواہ وہ (شے) ساکن ہے یا متحرک، کھڑی (اور پڑی) ہے یا چل رہی ہے۔ (نیز اس چیز نے صبح کی) جو فضائے[7] خالی میں بلند

---

[1] یعنی اس کے احسان سے روزی کمائیں۔

[2] یعنی اس کے دیے ہوئے رزق کا وسیلہ ڈھونڈیں جس سے کسب حلال مراد ہے۔

[3] یعنی کمانے کے وقت روزی کمائیں۔

[4] یعنی عبادت کے وقت عبادت کریں۔

[5] مراد یہ ہے کہ ان آفتوں سے محفوظ رکھا جا سکتی ہیں، کیونکہ جو آفت نفس الامر میں آنے والی ہے اسے دن کی روشنی ہو یا کوئی اور چیز کسی طرح نہیں روک سکتی۔

[6] صبح کرنے سے مراد ہے صبح دیکھنا۔ رات کے بعد صبح ہونے تک زندہ رہنا۔

[7] ہوا اور سیارے اور ستارے وغیرہ۔

فِي الْهَوَآءِ وَ مَا كَنَّ تَحْتَ الثَّرٰى اَصْبَحْنَا
فِيْ قَبْضَتِكَ يَحْوِيْنَا مُلْكُكَ وَ سُلْطَانُكَ وَ
تَضُمُّنَا مَشِيَّتُكَ وَ نَتَصَرَّفُ عَنْ اَمْرِكَ
وَ نَتَقَلَّبُ فِيْ تَدْبِيْرِكَ لَيْسَ لَنَا مِنَ
الْاَمْرِ اِلَّا مَا قَضَيْتَ وَلَا مِنَ الْخَيْرِ اِلَّا مَا
اَعْطَيْتَ اَللّٰهُمَّ وَ هٰذَا يَوْمٌ حَادِثٌ جَدِيْدٌ
وَهُوَ عَلَيْنَا شَاهِدٌ عَتِيْدٌ اِنْ اَحْسَنَّا
وَدَّعَنَا بِحَمْدٍ وَاِنْ اَسَاْنَا فَارَقَنَا بِذَمٍّ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ ارْزُقْنَا
حُسْنَ مُصَاحَبَتِهٖ وَ اعْصِمْنَا مِنْ سُوْٓءِ
مُفَارَقَتِهٖ بِارْتِكَابِ جَرِيْرَةٍ اَوِ اقْتِرَافِ
صَغِيْرَةٍ اَوْ كَبِيْرَةٍ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَ اَجْزِلْ لَنَا فِيْهِ الْحَسَنَاتِ
وَ اَخْلِنَا فِيْهِ مِنَ السَّيِّئَاتِ وَ امْلَاْ لَنَا مَا
بَيْنَ طَرَفَيْهِ حَمْدًا وَّ شُكْرًا وَ اَجْرًا وَ ذُخْرًا

ہے اور جو زمین کے نیچے پوشیدہ ہے۔ صبح کی ہم نے تیرے قبضۂ قدرت
میں (اس حالت میں کہ) گھیرے ہوئے ہے ہم کو تیری حکومت اور سلطنت۔
اور سمیٹے ہوئے[1] ہے ہمیں تیری مشیت۔ اور چلتے پھرتے[2] ہیں ہم تیرے حکم
سے۔ اور تیری ہی تدبیر کے مطابق نئے نئے حالات سے گزرتے ہیں۔
ہمارے پاس اس امر کے سوا کچھ نہیں جو تو نے مقدر کر دیا ہے۔ اور نہ کچھ
نیک کام ہے سوائے اس کے جو تیرے عطیہ (یعنی توفیق) سے ہو گیا ہے
۔۔۔ اور یہ نو وارد[3] دن (موجود) ہے۔ اور یہ (دن) ہم پر گواہ[4] حاضر
(شاہد عتید) ہے۔ اگر ہم نیکی کریں گے تو ہمیں سراہتا ہوا رخصت ہوگا۔
اور اگر برے کام کریں گے تو مذمت کرتا ہوا جدا ہوگا۔ اے اللہ تو محمد اور
ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور عطا فرما ہم کو اس (دن) کی نیک
رفاقت[5]۔ اور ہمیں اس (دن) کے برے[6] طور پر جدا ہونے سے محفوظ رکھ۔
(یعنی) ارتکاب معصیت سے یا گناہ صغیرہ یا کبیرہ کرنے سے (محفوظ رکھ)
اور ہمیں اس (دن) میں بہت سی نیکیاں عطا کر اور بری باتوں سے
مبرّا رکھ اور بھر دے[7] ہمارے لیے اس (دن) کے دونوں سروں (صبح
اور شام) کے درمیان حمد، اور شکر اور ثواب اور نیکیوں کا ذخیرہ

---

[1] ایک مطبوعہ نسخے میں "تضمنا" بہ فتح ض و م نظر سے گزرا جو غلط ہے۔

[2] مراد یہ ہے کہ زندہ ہیں۔

[3] جس میں یہ دعا پڑھی جا رہی ہے۔

[4] حدیث میں آیا ہے کہ پروردگار عالم حساب کتاب کے وقت اس دن کو اور رات کو گواہی کے لیے حاضر کرے گا جس میں انسان سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے اور وہ انسان کے اعضا و جوارح کی طرح مجسم ہو کر شہادت دے گا۔

[5] یعنی اس دن میں ہمیں نیک کام کرنے کی توفیق دے۔

[6] یعنی جب یہ دن رخصت ہو تو ہم گناہوں میں ملوث نہ ہو چکے ہوں۔

[7] یعنی ہم آج صبح سے لے کر شام تک اتنی حمد بجا لائیں اور اتنا شکر ادا کریں کہ یہ دن جس کی وسعت بے پایاں ہے اس کا دامن ہمیں عطا کیے جانے والے ثواب سے اتنا پر ہو جائے کہ مزید ثواب کی گنجائش ہی باقی نہ رہے۔

وَفَضْلًا وَإِحْسَانًا اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ عَلَى الْكِرَامِ
الْكَاتِبِيْنَ مُؤْنَتَنَا وَامْلَأْ لَنَا مِنْ حَسَنَاتِنَا
صَحَائِفَنَا وَلَا تُخْزِنَا عِنْدَهُمْ بِسُوْءِ أَعْمَالِنَا
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا فِيْ كُلِّ سَاعَةٍ مِنْ سَاعَاتِهٖ
حَظًّا مِنْ عِبَادَتِكَ وَنَصِيْبًا مِنْ شُكْرِكَ وَ
شَاهِدَ صِدْقٍ مِنْ مَلَائِكَتِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَاحْفَظْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيْنَا وَ
مِنْ خَلْفِنَا وَعَنْ أَيْمَانِنَا وَعَنْ شَمَائِلِنَا وَمِنْ
جَمِيْعِ نَوَاحِيْنَا حِفْظًا عَاصِمًا مِنْ مَعْصِيَتِكَ
هَادِيًا إِلٰى طَاعَتِكَ مُسْتَعْمَلًا لِمَحَبَّتِكَ اَللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَوَفِّقْنَا فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا
وَلَيْلَتِنَا هٰذِهٖ وَفِيْ جَمِيْعِ أَيَّامِنَا وَلَيَالِيْنَا
لِاسْتِعْمَالِ الْخَيْرِ وَهِجْرَانِ الشَّرِّ وَشُكْرِ النِّعَمِ

اور (اپنا) فضل و احسان۔ اے اللہ! کراماً کاتبین[1] پر ہماری زحمت[2] کو
آسان[3] کر دے اور بھر دے ہمارے لیے، ہمارے نامۂ اعمال کو ہماری نیکیوں
سے۔ اور ہمیں ہماری بد اعمالی کی بناء پر ان (فرشتوں) کے سامنے
رسوا نہ کر۔ اے اللہ! اس دن کی ساعتوں میں سے ہر ساعت میں ہمیں اپنی
عبادت سے بہرہ مند کر۔ اور ہمیں اپنے شکر سے حصہ (دے) اور اپنے
ملائکہ میں سے (اس عبادت و شکر کا) گواہ صادق مرحمت فرما۔ اے اللہ!
محمد پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور حفاظت کر ہمارے سامنے
سے اور پس پشت سے اور داہنے سے اور بائیں سے اور ہمارے
جملہ اطراف (تحت و فوق وغیرہ) سے۔ ایسی حفاظت جو کہ بچائے
تیری نافرمانی سے اور تیری اطاعت کی طرف رہنمائی کرے اور تیری
محبت کے لیے مستعمل ہو۔ اے اللہ! محمد پر اور ان کی اولاد پر
درود بھیج۔ اور ہمیں توفیق دے، اس دن اور اس رات میں اور ہمارے
تمام[4] دنوں میں، نیکی کرنے، بدی کو چھوڑنے، نعمتوں کا شکر بجا

---

[1] دو فرشتے جو ہر وقت انسان کے شانوں پر سوار رہتے ہیں اور اس کے تمام نیک و بد اعمال لکھتے ہیں۔

[2] زحمت سے مراد اعمالِ بد کا عذاب ہے جو آخرت میں باعث زحمت ہوگا۔

[3] کراماً کاتبین جب کسی مرد مسلم و مومن کے نامۂ اعمال میں اس کا کوئی گناہ درج کرتے ہیں تو انہیں اس مومن کے انجام کو سوچ کر تکلیف پہنچتی ہے۔ زیر نظر دعا میں کراماً کاتبین پر اس تکلیف کو آسان بنا دینے کی خواہش سے اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ ہم سے کوئی گناہ سرزد ہی نہ ہو جس سے وہ اذیت جو کاتبانِ اعمال کو ہوتی ہے، راحت سے تبدیل ہو جائے۔ [4] یعنی ہماری باقی زندگی کے کل ایام ہیں۔

اگرچہ صرف اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ نیکی کرنے اور بدی سے بچنے کی توفیق دے کیونکہ بعد کی تمام چیزیں ان دو باتوں میں شامل ہیں۔ مگر ایک تو اس لیے بعد کی تمام چیزوں کا خصوصیت سے ذکر کیا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ اسلام میں ان بعد والی چیزوں کو خاص اہمیت حاصل ہے یعنی شکر نعمت، پیروی سنت رسول، بدعت سے اجتناب، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، حفاظت اسلام، مقابلہ باطل، نصرت حق، کمزوروں اور غم رسیدہ لوگوں کی مدد اور حمایت تمام امور پر فوقیت رکھتی ہیں جو حق اللہ اور حق العباد کے تمام شعبوں پر حاوی ہیں۔ اس کے علاوہ اپنے مالک اور معبود سے مخاطبہ کو طول دے کر محظوظ ہونا بھی مقصود تھا جیسا کہ کلام پاک کے بیان کی بناء پر حضرت موسیٰ نے اس سوال کے جواب کو طول دیا جس میں صرف اتنا پوچھا گیا تھا کہ "تمہارے ہاتھ میں کیا ہے" اور اس کا یہ جواب کافی تھا کہ "یہ میرا عصا ہے" مگر آپ نے محض تلذذ مخاطبہ کے لیے اس جواب کے بعد یہ بھی کہا کہ "میں اس کے سہارے سے چلتا ہوں اور اس

وَ اتِّبَاعِ السُّنَنِ وَمُجَانَبَةِ الْبِدَعِ وَالْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَ النَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ حِيَاطَةِ الْاِسْلَامِ وَ انْتِقَاصِ الْبَاطِلِ وَ اِذْلَالِهٖ وَنُصْرَةِ الْحَقِّ وَ اِعْزَازِهٖ وَ اِرْشَادِ الضَّالِّ وَمُعَاوَنَةِ الضَّعِيْفِ وَ اِدْرَاكِ اللَّهِيْفِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اجْعَلْهُ اَيْمَنَ يَوْمٍ عَهِدْنَاهُ وَ اَفْضَلَ صَاحِبٍ صَحِبْنَاهُ وَخَيْرَ وَقْتٍ ظَلِلْنَا فِيْهِ وَ اجْعَلْنَا مِنْ اَرْضٰى مَنْ مَرَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ مِنْ جُمْلَةِ خَلْقِكَ اَشْكَرَهُمْ لِمَا اَوْلَيْتَ مِنْ نِعَمِكَ وَ اَقْوَمَهُمْ بِمَا شَرَعْتَ مِنْ شَرَائِعِكَ وَ اَوْقَفَهُمْ عَمَّا حَذَّرْتَ مِنْ نَهْيِكَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُشْهِدُكَ وَكَفٰى بِكَ شَهِيْدًا وَ اُشْهِدُ سَمَاءَكَ وَاَرْضَكَ وَ مَنْ اَسْكَنْتَهُمَا مِنْ مَلٰٓئِكَتِكَ وَسَائِرِ خَلْقِكَ فِيْ يَوْمِيْ هٰذَا وَ سَاعَتِيْ هٰذِهٖ وَلَيْلَتِيْ هٰذِهٖ وَ مُسْتَقَرِّيْ. هٰذَا

لانے سنتوں[1] کی پیروی کرنے۔ بدعتوں سے بچنے۔ (لوگوں کو) نیک کاموں کا حکم سنانے، اور برائیوں سے روکنے، اسلام کی حفاظت کرنے، باطل کو توڑنے اور اسے ذلیل کرنے، حق کی نصرت کرنے اور اس کو عزت دینے۔ گمراہ کو راہِ راست دکھانے اور کمزوروں کی مدد اور غم زدوں کی خبرگیری کرنے کی ۔۔۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔ اور بنا دے اس دن کو تمام ان دنوں[2] میں جو ہم نے دیکھے ہیں سب سے زیادہ مبارک۔ اور تمام ان ساتھیوں میں جن کے ساتھ ہم رہے ہیں سب سے افضل۔ اور تمام ان وقتوں میں جن میں ہم داخل ہوئے ہیں سب سے اچھا۔ اور قرار دے ہم کو اپنی اس مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ جن پر دن اور رات گزر رہے ہیں، (یعنی کل مخلوقات سے زیادہ پسندیدہ) اور سب سے زیادہ شکر کرنے والا ان نعمتوں پر جو کہ تو نے دی ہیں، اور سب سے بڑھ کر قائم کرنے والا ان شریعتوں (احکام) کا جو تو نے جاری کی ہیں اور سب سے زیادہ ڈرنے والا محرمات و ممنوعات سے۔ اے اللہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں اور تو گواہی[3] کے لیے کافی ہے، اور گواہ بناتا ہوں تیرے آسمان کو، اور تیری زمین کو، اور ان فرشتوں اور جمیع مخلوقات کو جنھیں

---

[1] ارباب شریعت کی اصطلاح میں سنت کا لفظ پانچ معنوں میں مستعمل ہے اور یہاں پانچوں معنی مراد ہو سکتے ہیں، مگر جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے کہ حضرت زین العابدین نے اس مقام پر اہم مسائل کا ذکر کیا ہے اس لحاظ سے اس جگہ تیسری اور پانچویں معنی میں سنت کا استعمال سیاق و سباق سے زیادہ قریب ہے وہ پانچوں معنی یہ ہیں (ا) وہ فعل جس کے بجالانے میں ثواب ہو مگر ترک کرنے میں عقاب نہ ہو جیسے دعا کرنا اور سلام کرنا۔ ان معنی میں سنت کا لفظ واجب کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے۔ (ب) وہ افعال جو واجبات و فرائض میں تو داخل نہیں مگر آنحضرتؐ انھیں ہمیشہ بجالاتے تھے، جیسے ماہ مبارک رمضان سے پہلے رجب و شعبان کے روزے۔ (ج) وہ واجب باتیں بھی سنت کہلاتی ہیں جن کا وجوب قرآن پاک میں مذکور نہیں مگر آنحضرتؐ نے انھیں جاری فرمایا جیسے ختنہ۔ (د) احادیث رسالتمآب۔ اس معنی میں سنت کا لفظ عموماً قرآن کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ (ہ) کل شریعت جس میں اصول و فروع و واجبات و سنن و فرائض و محرمات سب کچھ شامل ہیں۔

[2] ایک دن گزرنے کے بعد پھر دوسرے دن بھی دعا کرتے اور کرتے رہنے سے، زندگی کے ہر آنے والے دن میں تقرب کی منزل گزرے ہوئے دن سے زیادہ اور دوچند ہو جاتی رہتی ہے یہاں تک کہ بندہ اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جسے "اعلیٰ علیین" کہتے ہیں۔

[3] یعنی تیری گواہی کے بعد اور کسی گواہی کی حاجت نہیں۔

أَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ الَّذِي
لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ قَائِمٌ بِالْقِسْطِ
عَدْلٌ فِي الْحُكْمِ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ
مَالِكُ الْمُلْكِ رَحِيمٌ بِالْخَلْقِ
وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُولُكَ
وَخِيَرَتُكَ مِنْ خَلْقِكَ حَمَّلْتَهُ
رِسَالَتَكَ فَأَدَّاهَا وَأَمَرْتَهُ
بِالنُّصْحِ لِأُمَّتِهِ فَنَصَحَ لَهَا
اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ
آلِهِ أَكْثَرَ مَا صَلَّيْتَ عَلٰى
أَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ وَآتِهِ عَنَّا
أَفْضَلَ مَا آتَيْتَ أَحَدًا مِنْ عِبَادِكَ
وَاجْزِهِ عَنَّا أَفْضَلَ وَأَكْرَمَ مَا
جَزَيْتَ أَحَدًا مِنْ أَنْبِيَائِكَ عَنْ
أُمَّتِهِ إِنَّكَ أَنْتَ الْمَنَّانُ بِالْجَسِيمِ
الْغَافِرُ لِلْعَظِيمِ وَأَنْتَ
أَرْحَمُ مِنْ كُلِّ رَحِيمٍ
فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ

تو نے ان (آسمان و زمین) میں ساکن کیا ہے، آج کے دن میں، اور اسی ساعت میں اور آج کی رات میں اور اسی مقام پر (جہاں کہ میں یہ دعا کر رہا ہوں) اس بات پر (گواہ بناتا ہوں) کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک صرف تو ہی وہ پروردگار ہے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو انصاف[1] کو قائم کرنے والا ہے، (اور) حکم میں عدل (پر عمل) کرنے والا ہے۔ بندوں پر مہربان ہے۔ ملک[2] کا مالک ہے۔ تمام مخلوقات[3] پر رحم کرنے والا ہے اور (اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ) محمد مصطفٰے صلعم تیرے بندے، تیرے رسول، اور تیری مخلوقات میں سے چُنے ہوئے ہیں، جن پر بوجھ رکھا ہے تو نے اپنی رسالت کا۔ پس انھوں نے اس رسالت کو ادا کر دیا۔ اور (انھیں) اپنی اُمت کو نصیحت کرنے کا حکم دیا پس انھوں نے نصیحت فرمائی۔ اے اللہ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر، اس تمام رحمت سے زیادہ رحمت جو تو نے اپنی مخلوق پر نازل کی ہو، اور عطا کر آنحضرتؐ کو ہماری خواہش[4] سے، اس تمام (عطیہ) سے افضل (عطیہ) جو تو نے اپنے بندوں میں سے کسی کو دیا ہو اور جزا دے حضورؐ کو ہماری درخواست[5] پر، ہر ایک اس جزا سے افضل و اشرف (جزا) جو تو نے کسی بھی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی ہو۔ بے شک تو (بلکہ) صرف تو ہی بڑی نعمت[6] کا عطا کرنے والا اور بڑے گناہ کا

---

[1] چونکہ باری تعالیٰ عز اسمہ سے کچھ لوگ انتساب ظلم کرتے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جو انسان کو فاعل مختار نہیں مانتے تھے، اس لیے حضرت نے تمام صفات باری تعالیٰ میں عدل کو منتخب کر کے اقرار توحید کے بعد اس صفت کا خصوصی تذکرہ فرمایا۔

[2] جس میں زمین و آسمان اور دنیا و آخرت سب شامل ہیں۔

[3] اس سے بڑھ کر رحم کیا ہوگا کہ سب کے لیے جینے کا موقع فراہم کیا اور سب کی روزی رسانی اپنے ذمہ لے لی۔

[4] متن دعا میں "عنّا" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں "ہماری طرف سے" مگر ظاہر ہے کہ رحمت کا نزول بندے کے ہاتھ میں نہیں اس لیے محلِ دعا میں اپنی طرف سے بندہ کے رحمت بھیجنے کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے رحمت کی خواہش کرے۔ [5] حاشیہ نمبر ۴ دیکھیے۔

[6] متن دعا میں نعمت کا لفظ محذوف ہے جو صفت مذکور کے قرینہ سے سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح اگلے جملے میں گناہ کا لفظ بھی مذکور نہیں۔

الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ الْاَخْيَارِ الْاَنْجَبِيْنَ ۝

بخشنے والا ہے۔ اور تو بڑھ چڑھ کر رحم کرنے والا ہے ہر رحم کرنے والے سے پس درود بھیج تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر جو پاک و پاکیزہ ہیں، بہترین (خلق) ہیں اور سب سے زیادہ شرف کے مالک ہیں۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا عَرَضَتْ لَهٗ مُهِمَّةٌ اَوْ نَزَلَتْ بِهٖ مُلِمَّةٌ وَّعِنْدَ الْكَرْبِ

حضرت زین العابدینؑ کسی مہم کے پیش آنے، یا کسی مصیبت کے نازل ہونے اور بے چین ہو جانے کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

يَا مَنْ تُحَلُّ بِهٖ عُقَدُ الْمَكَارِهِ ؕ وَ يَا مَنْ يُفْثَاُ بِهٖ حَدُّ الشَّدَآئِدِ وَ يَا مَنْ يُلْتَمَسُ مِنْهُ الْمَخْرَجُ اِلٰى رَوْحِ الْفَرَجِ ذَلَّتْ لِقُدْرَتِكَ الصِّعَابُ وَ تَسَبَّبَتْ بِلُطْفِكَ الْاَسْبَابُ وَجَرٰى بِقُدْرَتِكَ الْقَضَآءُ وَ مَضَتْ عَلٰى اِرَادَتِكَ الْاَشْيَآءُ فَهِيَ بِمَشِيَّتِكَ دُوْنَ قَوْلِكَ مُؤْتَمِرَةٌ وَ بِاِرَادَتِكَ دُوْنَ نَهْيِكَ مُنْزَجِرَةٌ اَنْتَ الْمَدْعُوُّ لِلْمُهِمَّاتِ وَ اَنْتَ الْمَفْزَعُ فِي الْمُلِمَّاتِ لَا يَنْدَفِعُ مِنْهَا اِلَّا مَا

اے وہ ذات! جس کے سبب مکروہات (اور مشکلات) کی گرہیں کھلتی ہیں۔ اور اے وہ ہستی! جس کے ذریعہ سختیوں کی شدت ساکن (اور ختم) ہوتی ہے۔ اور اے وہ (معبود) جس سے درخواست کی جاتی ہے (مصائب سے) نکلنے کی کشائش راحت و آرام کی جانب۔ تیری قدرت کے سامنے پہاڑ پانی ہو جاتے ہیں تیری ہی مہربانی سے اسباب پیدا ہوتے ہیں، تیری ہی قدرت سے حکم ناطق جاری ہوتا ہے اور چلتی ہیں تیرے ارادے کے مطابق تمام چیزیں پس وہ محض تیری مشیت سے، بغیر اس کے کہ تو زبان سے کہے، (تیرا) حکم بجالاتی ہیں اور صرف تیرے ارادے سے، بغیر اس کے کہ تو زبان سے منع کرے باز رہتی ہیں۔ سخت مشکلات کے موقع پر تو ہی پکارا جاتا ہے، اور تو ہی جائے پناہ ہے مصیبتوں میں۔ نہیں ٹلتی ان (مصیبتوں) میں سے کوئی مصیبت مگر جسے تو

۞ اس دعا کے متعلق علمائے اسلام نے حضرت زین العابدینؑ کے حوالے سے کہا ہے کہ یہ دعا مشکلات کے حل کرنے اور مصائب کے دور کرنے میں بہت سریع التاثیر ہے اور اس کے ورد کا یہ طریقہ تعلیم دیا ہے کہ شنبہ کو غسل کر کے بعد نماز صبح یہ دعا پڑھنا شروع کرے اس طرح کہ شنبہ کو تین دفعہ۔ یکشنبہ کو پانچ دفعہ۔ دوشنبہ کو سات دفعہ۔ سہ شنبہ کو نو دفعہ۔ چہار شنبہ کو گیارہ دفعہ۔ پنجشنبہ کو تیرہ دفعہ اور جمعہ کو (صبح کی نماز کے بجائے نماز ظہر کے بعد) پندرہ دفعہ پڑھے اور فراغت کے بعد خدا کے نام پر جو کچھ میسر ہو بطور صدقہ غربا کو دے اور درمیان قراءت کسی سے کلام نہ کرے۔ انشاء اللہ خدائے تعالیٰ اس کی مشکل آسان کرے گا اور مصیبت سے نجات دے گا۔

دَفَعْتَ وَلَا يَنْكَشِفُ مِنْهَا إِلَّا مَا
كَشَفْتَ وَقَدْ نَزَلَ بِيْ يَا رَبِّ
مَا قَدْ تَكَأَّدَنِيْ ثِقْلُهُ وَأَلَمَّ
بِيْ مَا قَدْ بَهَظَنِيْ حَمْلُهُ وَ
بِقُدْرَتِكَ أَوْرَدْتَهُ عَلَيَّ وَبِسُلْطَانِكَ
وَجَّهْتَهُ إِلَيَّ فَلَا مُصْدِرَ لِمَا
أَوْرَدْتَ وَلَا صَارِفَ لِمَا وَجَّهْتَ وَ
لَا فَاتِحَ لِمَا أَغْلَقْتَ وَلَا مُغْلِقَ لِمَا
فَتَحْتَ وَلَا مُيَسِّرَ لِمَا عَسَّرْتَ وَ
لَا نَاصِرَ لِمَنْ خَذَلْتَ فَصَلِّ عَلَى
مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَافْتَحْ لِيْ يَا رَبِّ
بَابَ الْفَرَجِ بِطَوْلِكَ وَاكْسِرْ عَنِّيْ
سُلْطَانَ الْهَمِّ بِحَوْلِكَ وَأَنِلْنِيْ
حُسْنَ النَّظَرِ فِيْمَا شَكَوْتُ وَأَذِقْنِيْ
حَلَاوَةَ الصُّنْعِ فِيْمَا سَأَلْتُ وَهَبْ
لِيْ مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَفَرَجًا

ٹال دے اور نہیں دور ہوتی ان میں سے (ایک بھی) مگر جسے تو دور
کر دے۔ اور اے میرے پالنے والے مجھ پر وہ مصیبت نازل
ہوئی ہے جس کے بوجھ نے مجھے سخت مشقت میں مبتلا کر دیا
ہے اور مجھ پر وہ بلا ٹوٹ پڑی ہے جس کا اٹھانا دشوار ہے۔
تو نے اپنی قدرت سے اس (مصیبت) کو مجھ[1] پر وارد کیا ہے
اور اپنی حکومت مطلقہ سے اس کا رخ میری طرف پھیر دیا ہے اور
جس چیز کو تو لایا ہے اسے کوئی نہیں لے جا سکتا۔ اور جس کا رخ
تو نے پھیرا ہے اس کا منہ کوئی نہیں پھیر سکتا۔ اور جس (راستے یا
دروازے) کو تو نے بند کیا ہے اسے کوئی نہیں کھول سکتا۔ اور جس
کو تو نے مشکل بنا دیا ہے اسے کوئی آسان نہیں کر سکتا۔ اور جسے تو
نے چھوڑ دیا اس کا کون مددگار ہو سکتا ہے۔ پس اے پالنے والے! تو
محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور میرے لیے اپنے فضل
سے راحت کا دروازہ کھول دے۔ اور اپنی قوت سے غم و ہم کے
تسلط کو مجھ سے دور کر دے۔ اور عطا کر مجھ کو اپنے احسان کی شیرینی
اس معاملے میں جس کا میں نے تجھ سے سوال کیا ہے اور مجھے اپنے
پاس سے مرحمت کر اور بے تکلف راحت عطا کر اور پیدا[2] کر دے

---

[1] جو بھی مصیبت انسان پر نازل ہوتی ہے، وہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے تین وجوہ کی بناء پر نازل کی جاتی ہے۔ اول امتحان صبر اور آزمائش تسلیم و رضا کے لیے۔ دوسرے معاصی اور سرکشی پر انتباہ کے لیے اور تیسرے عذاب کے طور پر۔ تیسری مصیبت کسی طرح نہیں ٹلتی۔ اور اول کی دو، دعا و الحاح و زاری اور صدقات و خیرات سے دور ہو جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ بعض مصیبتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو اعمال حسنہ کے انعام کے طور پر ملتی ہیں۔ اور یہ وہ مصیبتیں ہیں جنھیں لوگ نگاہ ظاہر میں مصیبت سمجھتے ہیں، مگر اہل باطن، اور خود صاحبان ابتلا، کہ خود بھی وہ اولیاء اللہ ہوتے ہیں، اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ اس مصیبت ظاہری کے نتیجے میں، دین و شریعت کو تقویت پہنچے گی اور باطل تباہ ہو گا۔ یہ مصیبتیں خدا کے جن بندوں پر نازل ہوتی ہیں، وہ انھیں خوشی سے راحت و آرام کی طرح اسی لیے جھیلتے ہیں کہ وہ ان کے پردے میں اپنی منزل تقرب الٰہی بلند ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جیسے وہ مصائب جو حضرت ایوب پر نازل ہوئے۔

[2] متن میں "اجعل" کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی ہیں "قرار دے" تو مراد ہے پیدا کر دے۔

هَنِيْئًا وَاجْعَلْ لِّي مِنْ عِنْدِكَ مَخْرَجًا وَحِيًّا وَلَا تَشْغَلْنِي بِالْاِهْتِمَامِ عَنْ تَعَاهُدِ فُرُوْضِكَ وَاسْتِعْمَالِ سُنَّتِكَ فَقَدْ ضِقْتُ لِمَا نَزَلَ بِي يَا رَبِّ ذَرْعًا وَامْتَلَأْتُ بِحَمْلِ مَا حَدَثَ عَلَيَّ هَمًّا وَاَنْتَ الْقَادِرُ عَلٰى كَشْفِ مَا مُنِيْتُ بِهٖ وَدَفْعِ مَا وَقَعْتُ فِيْهِ فَافْعَلْ بِيْ ذٰلِكَ وَاِنْ لَّمْ اَسْتَوْجِبْهُ مِنْكَ يَا ذَا الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ٥

میرے لیے غیب[1] سے کشادہ نکلنے کی جگہ۔ اور مت روگرداں[2] کر مجھ کو اپنے واجبات کی بجا آوری کے اہتمام سے اور اپنی سنت[3] کے مطابق عمل کرنے سے۔ کیونکہ پست ہو گئی ہے میری طاقت اس مصیبت کے باعث جو کہ مجھ پر نازل ہوئی ہے اور بھر گیا ہوں میں غم و ہم سے اس حادثے کے جھیلنے میں۔ اور تو قادر ہے اس مصیبت کے دور کرنے پر میں جس میں مبتلا ہوں، اور اس مشکل کے ہٹا دینے پر میں جس میں پڑ گیا ہوں پس میرے ساتھ ایسا ہی کر گو کہ[4] میں اس کا مستحق نہیں ہوں، تیری جانب سے۔ اے عرش عظیم والے!

---

[1] متن میں "من عندک" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں "اپنے پاس سے" یعنی غیب سے۔

[2] خدائے تعالیٰ کسی کو واجبات سے روگرداں نہیں کیا کرتا مگر اس جگہ حضرت زین العابدین کی مراد یہ ہے کہ یہ مصیبت اور فکر باقی رہی تو میں واجبات و سنن میں اس انہماک سے مصروف نہ رہ سکوں گا جیسا کہ چاہیئے۔ اس لیے یہ مصیبت اور فکر اعمال و عبادات سے غافل اور روگرداں رہنے کا باعث ہو جائے گی۔

[3] سنت کی اقسام صفحہ ۴۷ کے حاشیہ نمبر ۱ میں دیکھیئے۔

[4] خدائے تعالیٰ کی جناب میں ہر بندے کو عاجزی اور خاکساری سے ایسے ہی کلمات کہنا چاہئیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ واقعی وہ نبی یا ولی ان ہی کلمات کا مصداق ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْاِسْتِعَاذَةِ مِنَ الْمَكَارِهِ وَسَيِّئِ الْاَخْلَاقِ وَمَذَامِّ الْاَفْعَالِ

حضرت زین العابدین مکروہات دنیا۔ بداخلاقی اور اعمال بد سے
پناہ مانگنے میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَيَجَانِ
الْحِرْصِ وَ سَوْرَةِ الْغَضَبِ وَ غَلَبَةِ
الْحَسَدِ وَ ضَعْفِ الصَّبْرِ وَ قِلَّةِ
الْقَنَاعَةِ وَ شَكَاسَةِ الْخُلُقِ وَ
اِلْحَاحِ الشَّهْوَةِ وَ مَلَكَةِ الْحَمِيَّةِ وَ
مُتَابَعَةِ الْهَوٰى وَ مُخَالَفَةِ الْهُدٰى
وَ سِنَةِ الْغَفْلَةِ وَ تَعَاطِي الْكُلْفَةِ وَ اِيْثَارِ
الْبَاطِلِ عَلَى الْحَقِّ وَ الْاِصْرَارِ عَلٰى

اے اللہ! میں بے شک تجھ سے[1] پناہ مانگتا ہوں لالچ کے
برانگیختہ ہونے (ابھرنے) سے، اور غصہ کے بھڑک اٹھنے سے۔ اور
حسد کے غالب ہونے سے۔ اور صبر کے سست پڑ جانے سے۔
اور قناعت کی کمی سے۔ اور اخلاق کی سرکشی سے۔ اور خواہش نفس
کی ضد (اور ہٹ) سے۔ اور حکمراں[2] ہو جانے سے حمیت کے۔ اور
نفسانی خواہش کی پیروی سے۔ اور راہ راست کی مخالفت سے۔
اور غفلت کی نیند سے۔ اور (اپنے آپ کو) بلا وجہ تکلیف[3] میں مبتلا
کرنے سے۔ اور باطل کو حق پر ترجیح دینے سے۔ اور اصرار کرنے[4] سے۔

---

[1] ہمارے روزمرہ میں جس طرح یہ کہا جاتا ہے کہ مثلاً میں فلاں ظالم سے پناہ مانگتا ہوں، خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگنے کے معنی بالکل اس سے مختلف ہوتے ہیں۔ جب کوئی بندہ کہتا ہے، اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں، تو اس کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ میں تیرے ذریعہ اور وسیلہ سے فلاں بات سے پناہ مانگتا ہوں۔ یا یہ کہ میں فلاں برائی سے بچ کر تیری پناہ میں آنے کا خواہشمند ہوں، زیر نظر دعا میں جہاں جہاں یہ الفاظ آئے ہیں، وہاں ان کا یہی مطلب ہے۔

[2] حمیت ایک صفت ممدوح ہے مگر اسی وقت تک جبکہ یہ افراط و تفریط کے ساتھ نہ ہو اور حد اعتدال میں پائی جائے۔ یہاں حمیت کے حکمراں ہونے سے، حمیت کی افراط مراد ہے جو ایک خلق مذموم ہے اور اسی خلق مذموم کے تحت ایام جاہلیت میں عرب کے قبیلے برسوں اور صدیوں آپس میں جنگ۔۔ کرتے رہتے تھے۔

[3] جیسا کہ قرآن پاک میں بھی آیا ہے لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ یعنی تم اپنے آپ کو خود سے ہلاکت (اور مصیبت) میں مبتلا نہ کرو۔

[4] احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ جو شخص بار بار کوئی گناہ کرتا ہے اور توبہ کرکے اس گناہ پر نادم نہیں ہوتا تو اس قسم کی تکرار گناہ سے، گناہِ صغیرہ بھی گناہِ کبیرہ بن جاتا ہے۔ اور پھر اس گناہ کبیرہ پر انسان اصرار کرتا رہے تو بسا اوقات اس پر کفر کے احکام نافذ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے آنحضرت صلعم نے ہدایت فرمائی ہے کہ گناہ کرنے کے بعد، اس کو دہرانے کے بجائے مرد مسلم و مومن کو چاہیے کہ بارگاہ ایزدی میں عاجزی اور خاکساری اور ندامت کے ساتھ توبہ کرے۔ گریہ وزاری کرکے اپنی زبان سے اعتراف گناہ کرتا رہے۔ اور استغفار پڑھتا رہے اور اعضا و جوارح سے اعمال صالحہ بجالائے۔ جو شخص ایسا کرتا ہے اس کے گناہ کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے معاف کردیتا ہے۔

الْمَآثِمِ وَ اسْتِصْغَارِ الْمَعْصِيَةِ وَ اسْتِكْبَارِ
الطَّاعَةِ وَ مُبَاهَاةِ الْمُكْثِرِيْنَ وَ الْاِزْرَاءِ
بِالْمُقِلِّيْنَ وَ سُوْٓءِ الْوِلَايَةِ لِمَنْ تَحْتَ
اَيْدِيْنَا وَ تَرْكِ الشُّكْرِ لِمَنِ اصْطَنَعَ الْعَارِفَةَ
عِنْدَنَا اَوْ اَنْ نَعْضُدَ ظَالِمًا اَوْ نَخْذُلَ
مَلْهُوْفًا اَوْ نَرُوْمَ مَا لَيْسَ لَنَا بِحَقٍّ اَوْ
نَقُوْلَ فِي الْعِلْمِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ نَعُوْذُ بِكَ
اَنْ نَنْطَوِيَ عَلٰى غِشِّ اَحَدٍ وَ اَنْ نُعْجِبَ
بِاَعْمَالِنَا وَ نَمُدَّ فِيْ اٰمَالِنَا وَ نَعُوْذُ بِكَ
مِنْ سُوْٓءِ السَّرِيْرَةِ وَ احْتِقَارِ الصَّغِيْرَةِ
وَ اَنْ يَسْتَحْوِذَ عَلَيْنَا الشَّيْطَانُ اَوْ يَنْكُبَنَا
الزَّمَانُ اَوْ يَتَهَضَّمَنَا السُّلْطَانُ وَ نَعُوْذُ
بِكَ مِنْ تَنَاوُلِ الْاِسْرَافِ وَ مِنْ

گناہوں پر۔ اور گناہ کو حقیر[1] (اور ہلکی بات) سمجھنے سے اور اپنی عبادت
کو بڑا سمجھنے سے۔ اور افتخار سے دولتمندوں کے۔ اور غریبوں کو چھوٹا
خیال کرنے سے۔ اور اس شخص پر بری طرح حکومت جتانے سے
جو ہمارا ماتحت ہے۔ اور اس شخص کا شکریہ ادا نہ کرنے سے جو ہمارے
ساتھ نیکی کا سلوک کرے یا یہ کہ مدد کریں ہم ظالم کی یا چھوڑ دیں ہم اپنے
یار و مددگار مظلوم کو یا قصد کریں[2] ہم اس بات کا جو ہمارے لیے درست
نہیں ہے یا بولیں ہم علمی مسئلے[3] میں بغیر علم کے۔ اور پناہ مانگتے ہیں ہم تجھ
سے اس بات سے کہ دل میں چھپائے رکھیں ہم کسی شخص کی برائی کا
خیال۔ اور اس بات سے کہ غرور[4] کریں ہم اپنے اعمال پر۔ اور
طول دیں ہم اپنی امیدوں کو۔ اور پناہ مانگتے ہیں ہم تجھ سے بری عادت
سے، اور گناہ صغیرہ[5] کو حقیر سمجھنے سے، اور اس بات سے کہ تسلط جمائے
ہم پر شیطان یا نکبت (و افلاس) میں مبتلا کرے ہم کو زمانہ یا ظلم کرے
ہم پر بادشاہ اور پناہ مانگتے ہیں ہم تجھ سے، فضول خرچی[6] میں پڑنے

---

[1] حدیث میں آیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی کسی اطاعت و عبادت کو معمولی چیز نہ سمجھو۔ نہ جانے کون سی اطاعت اسے زیادہ پسندیدہ ہو۔ اسی طرح کسی معصیت اور گناہ کو حقیر نہ سمجھو۔ شاید خدا کا غضب اسی معصیت پر برانگیختہ ہوتا ہو جسے تم نے حقیر سمجھا ہے۔

[2] یعنی اپنی شانِ علمی اور عزت نفس کے خلاف افعال و اعمال کے مرتکب ہوں کہ یہ بھی شریعت میں گناہ ہے۔ مثلاً ایک عالم دین سڑک پر عوام کی طرح گڑ دوڑے یا جہال کی طرح نازیبا الفاظ اپنی زبان سے کہے تو اس کے لیے یہ بھی ایک بڑا گناہ ہے، جس سے اس کی اس دینی عظمت پر حرف آتا ہے جس کی بناء پر اس کی عزت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ [3] منافقت برتیں، جو بعض حالات میں شرک سے بھی بڑا جرم ہے۔

[4] ایک روایت میں نظر سے گزرا کہ ایک دن دو شخص مسجد نبوی میں داخل ہوئے جن میں ایک عابد کامل تھا اور دوسرا فاسق۔ جب وہ دونوں نماز پڑھ کر مسجد سے نکلے تو عابد کامل فاسق ہو چکا تھا اور فاسق کو عابد کی منزلت مل گئی تھی۔ اس انقلاب ماہیت کی وجہ روایت میں یہ بتائی گئی ہے کہ عابد کو اپنی عبادت اور تقرب الٰہی پر ناز ہوا جس نے اسے فاسق بنا دیا اور فاسق نے صدق دل سے توبہ کی جو قبول ہو گئی اور اس کے گناہ معاف کر دیے گئے۔

[5] اس دعا کی ابتدا میں حضرت زین العابدین نے مطلق گناہ کو، عام اس سے کہ وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ، حقیر اور معمولی بات سمجھنے سے پناہ مانگی ہے اور اس مقام پر صغیرہ گناہ کو چھوٹی بات سمجھنے سے پناہ مانگ رہے ہیں۔

[6] معلوم ہوا کہ فضول خرچی بھی گناہ کبیرہ ہے۔

نِقْدَانِ الْكَفَافِ وَ نَعُوذُ بِكَ مِنْ شَمَاتَةِ الْاَعْدَآءِ وَمِنَ الْفَقْرِ اِلَى الْاَكْفَآءِ وَمِنْ مَعِيْشَةٍ فِي شِدَّةٍ وَمِيْتَةٍ عَلٰى غَيْرِ عُدَّةٍ وَ نَعُوذُ بِكَ مِنَ الْحَسْرَةِ الْعُظْمٰى وَ الْمُصِيْبَةِ الْكُبْرٰى وَ اَشْقَى الشَّقَآءِ وَ سُوْءِ الْمَاٰبِ وَحِرْمَانِ الثَّوَابِ وَحُلُوْلِ الْعِقَابِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ اَعِذْنِيْ مِنْ كُلِّ ذٰلِكَ بِرَحْمَتِكَ وَجَمِيْعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَآ اَرْحَمَ الرّٰاحِمِيْنَ ه

اور بقدر کفایت روزی میسّر نہ آنے سے۔ اور پناہ مانگتے ہیں ہم تجھ سے دشمنوں کی ملامت سے اور اپنے ہمسروں کی جانب محتاج ہونے سے، اور سختی میں بسر کرنے سے۔ اور بغیر زادِ راہ (آخرت) مرجانے سے، اور پناہ مانگتے ہیں ہم تجھ سے بڑی حسرت[۱] سے اور بڑی مصیبت سے اور سخت ترین بد نصیبی سے اور بُرے انجام سے۔ اور ثواب سے محروم رہ جانے اور عذاب کے نازل ہونے سے۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور اپنی رحمت سے مجھ کو ان تمام باتوں سے پناہ دے اور سب[۲] مؤمنین و مومنات کو (پناہ دے) اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے!

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْاِشْتِيَاقِ اِلٰى طَلَبِ الْمَغْفِرَةِ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى جَلَّ جَلَالُهٗ

حضرت زین العابدین اللہ تعالیٰ اجل جلالہ سے مغفرت طلب کرنے کے شوق میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَيِّرْنَا اِلٰى مَحْبُوْبِكَ مِنَ التَّوْبَةِ وَاَزِلْنَا عَنْ مَكْرُوْهِكَ مِنَ الْاِصْرَارِ اَللّٰهُمَّ وَمَتٰى وَقَفْنَا بَيْنَ نَقْصَيْنِ فِيْ دِيْنٍ اَوْ دُنْيَا فَاَوْقِعِ النَّقْصَ بِاَسْرَعِهِمَا

اے اللہ! درود بھیج محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔ اور لے چل ہم کو اپنی پسندیدہ توبہ کی جانب۔ اور دور کر ہم کو اپنے ناپسندیدہ اصرار (گناہ) سے۔ اے اللہ جبکہ ہم دین یا دنیا کے کسی معاملے میں دو نقصانوں[۳] کے درمیان کشاکش میں پڑ جائیں تو ان میں جو جلدی

---

[۱] آیۂ وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا کی تفسیر بیان کرتے ہوئے مفسرین نے لکھا ہے کہ قیامت میں خدائے تعالیٰ کچھ لوگوں کو بلائے گا جو اپنے اعمال کو پہاڑوں کے برابر عظیم خیال کرتے ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک ہوا چلے گی جو ذرہ ہائے خاک کی طرح ان کے اعمال کے پہاڑوں کو اڑا دے گی۔ یہ وقت ان لوگوں کے لیے بڑی حسرت اور بڑی مصیبت اور سخت ترین بدنصیبی اور برے انجام نیز ثواب سے محروم رہ جانے اور عذاب نازل ہونے کا وقت ہوگا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ وہ اپنی زندگی میں جتنے اعمال بجالائے تھے سب ریاکاری پر مبنی تھے اور خدائے تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے نہیں تھے زیر نظر دعا میں حضرت زین العابدین نے اسی بات سے پناہ مانگی ہے۔

[۲] ایک مطبوعہ نسخے میں "جمیع المؤمنین" بکسر عین لکھا ہے جو غلط ہے۔ اس کی جگہ عین پر فتحہ بنالیا جائے۔

[۳] دعا میں کس بہترین طریقے سے ایک مسلّمہ اسلامی اصول کی تعلیم دی ہے۔

فَنَآءً وَ اجْعَلِ التَّوْبَةَ فِيْ اَطْوَلِهِمَا بَقَآءً
وَ اِذَا هَمَمْنَا بِهَمَّيْنِ يُرْضِيْكَ اَحَدُهُمَا عَنَّا
وَ يُسْخِطُكَ الْاٰخَرُ عَلَيْنَا فَمِلْ بِنَا اِلٰى مَا
يُرْضِيْكَ عَنَّا وَ اَوْهِنْ قُوَّتَنَا عَمَّا يُسْخِطُكَ
عَلَيْنَا وَ لَا تُخَلِّ فِيْ ذٰلِكَ بَيْنَ نُفُوْسِنَا
وَ اخْتِيَارِهَا فَاِنَّهَا مُخْتَارَةٌ لِلْبَاطِلِ اِلَّا
مَا وَفَّقْتَ اَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمْتَ
اَللّٰهُمَّ وَ اِنَّكَ مِنَ الضُّعْفِ خَلَقْتَنَا وَ
عَلَى الْوَهْنِ بَنَيْتَنَا وَ مِنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ
ابْتَدَاْتَنَا فَلَا حَوْلَ لَنَا اِلَّا بِقُوَّتِكَ وَلَا
قُوَّةَ لَنَا اِلَّا بِعِزَّتِكَ فَاَيِّدْنَا بِتَوْفِيْقِكَ وَ
سَدِّدْنَا بِتَسْدِيْدِكَ وَ اَعْمِ اَبْصَارَ قُلُوْبِنَا
عَمَّا خَالَفَ مَحَبَّتَكَ وَ لَا تَجْعَلْ
لِشَيْءٍ مِّنْ جَوَارِحِنَا نُفُوْذًا فِيْ مَعْصِيَتِكَ
اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ
وَ اجْعَلْ هَمَسَاتِ قُلُوْبِنَا وَ حَرَكَاتِ
اَعْضَآئِنَا وَ لَمَحَاتِ اَعْيُنِنَا فِيْ
مُوْجِبَاتِ ثَوَابِكَ حَتّٰى لَا تَفُوْتَنَا

فنا ہونے والا ہے اس کو نقصان سے متاثر کر اور جو دیر تک باقی رہنے
والا ہو اس میں توبہ[1] کو قرار دے اور جبکہ ہم دو کاموں کا ارادہ کریں کہ جن
میں سے ایک تجھے ہم سے راضی کرے اور ناراض کرے تجھ کو ہم پر دوسرا
تو ہمیں اس (کام) کی طرف مائل کر جو تجھے خوشنود کرے اور کمزور کر دے
ہماری قوت کو اس کام (کے کرنے) سے جو تجھے ہم پر ناراض کرے۔ اور
اس معاملے میں ہمارے نفسوں کو ان کے (اپنے) اختیار پر نہ چھوڑ
کیونکہ وہ (نفوس) باطل کو اختیار کرنے والے ہیں، مگر یہ کہ تو توفیق دے
(اور) بدی کا حکم دینے والے ہیں مگر یہ کہ تو رحم فرمائے۔ اے اللہ تو
نے ہمیں کمزور[2] پیدا کیا ہے اور سستی (یعنی ناپائیداری) پر ہماری بنیاد
رکھی[3] ہے۔ اور حقیر پانی سے ہماری ابتدا کی ہے پس ہم بغیر تیری
قوت کے (ذاتی طور پر) حرکت تک نہیں کر سکتے۔ اور بغیر تیرے[4] غلبہ
کے (ذرہ بھر) قوت نہیں رکھتے پس اپنی توفیق سے ہماری مدد کر اور
اپنے استحکام[5] سے ہمیں مستحکم فرما۔ اور ہمارے دل کی آنکھوں کو ان چیزوں
کی طرف سے اندھا کر دے جو تیری محبت کے خلاف ہیں اور مت
دسترس دے کسی ایک کو بھی ہمارے اعضا میں سے اپنی نافرمانی پر۔
اے اللہ پس رحمت نازل کر تو محمد پر اور ان کی اولاد پر اور قرار
دے ہمارے دلوں کے رجحان[6] کو، اور اعضا کی حرکت کو۔ اور
آنکھوں کے اشاروں کو، اور زبانوں کی آواز کو اپنے ثواب[7] کے کاموں

---

[1] یعنی توبہ کرتے رہنے کی توفیق دے۔ [2] یعنی نفس امّارہ کو گناہ کی طاقت عطا فرما کر اور ہمیں اپنے افعال و اعمال میں مختار قرار دے کر پیدا کیا ہے،
جس کے باعث ہماری فطرت میں بڑی کمزوری یہ ہے کہ گناہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ [3] کہ ذرا سی ترغیب میں باطل کی طرف راغب ہو جاتے ہیں۔

[4] ایک مطبوعہ قلمی نسخے میں "بعزتک" کی جگہ "بعونک" لکھا ہے اگر اسے درست سمجھیں تو معنی یہ ہوں گے "کہ بغیر تیری مدد کے ہم ذرہ بھر قوت نہیں رکھتے"۔

[5] ایک قلمی صحیفے میں "وَسَدِّدْنَا بِتَسْدِيْدِكَ" کا ترجمہ فارسی مترجم نے ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "ثواب دہ مارا بتوفیق دادن خود"

[6] "ھَمَسَات" کے لغوی معنی اس خفیف آواز کے ہیں جو دل سے نکلتی ہے اور اسے کوئی نہیں سنتا۔ جسے ہم اپنے روزمرہ میں ضمیر کی آواز، خیالات اور
رجحان وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ [7] "موجبات ثواب" کے لفظی معنی اسباب ثواب کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ثواب کا سبب نیک کام ہی ہوا کرتے ہیں۔ اس
لیے مجازاً "موجبات ثواب" کا ترجمہ "ثواب کے کام" کیا گیا ہے۔

حَسَنَةٌ نَسْتَحِقُّ بِهَا جَزَاءَكَ وَ
لَا تَبْقَى لَنَا سَيِّئَةٌ نَسْتَوْجِبُ
بِهَا عِقَابَكَ

میں۔ یہاں تک کہ نہ چھوٹے ہم سے کوئی ادنیٰ نیکی بھی جس پر تو اپنی جزا
کا مستحق سمجھے، اور نہ باقی رہے ہمارے لیے کوئی ایسی بدی جس پر ہم تیرے
عذاب کے سزاوار ہوں۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي اللَّجَاِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالَى

حضرت زین العابدین خدا سے پناہ مانگنے کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ إِنْ تَشَأْ تَعْفُ عَنَّا فَبِفَضْلِكَ
وَ إِنْ تَشَأْ تُعَذِّبْنَا فَبِعَدْلِكَ فَسَهِّلْ لَنَا
عَفْوَكَ بِمَنِّكَ وَ أَجِرْنَا مِنْ عَذَابِكَ
بِتَجَاوُزِكَ فَإِنَّهُ لَا طَاقَةَ لَنَا بِعَدْلِكَ
وَ لَا نَجَاةَ لِأَحَدٍ مِنَّا دُونَ عَفْوِكَ
يَا غَنِيَّ الْأَغْنِيَاءِ هَا نَحْنُ عِبَادُكَ
بَيْنَ يَدَيْكَ وَ أَنَا أَفْقَرُ الْفُقَرَاءِ
إِلَيْكَ فَاجْبُرْ فَاقَتَنَا بِوُسْعِكَ وَ
لَا تَقْطَعْ رَجَاءَنَا بِمَنْعِكَ فَتَكُونَ
قَدْ أَشْقَيْتَ مَنِ اسْتَسْعَدَ بِكَ
وَ حَرَمْتَ مَنِ اسْتَرْفَدَ فَضْلَكَ
فَإِلَى مَنْ حِينَئِذٍ مُنْقَلَبُنَا عَنْكَ
وَ إِلَى أَيْنَ مَذْهَبُنَا عَنْ بَابِكَ
سُبْحَانَكَ نَحْنُ الْمُضْطَرُّونَ الَّذِينَ
أَوْجَبْتَ إِجَابَتَهُمْ وَ أَهْلُ السُّوْءِ

اے معبود اگر تو چاہے کہ معاف کر دے ہم کو، تو یہ تیرے فضل
کے سبب سے ہوگا۔ اور اگر چاہے تو کہ ہم پر عذاب کرے تو یہ تیرا
عدل ہوگا۔ پس آسان کر ہمارے لیے اپنی معافی کو اپنے احسان سے،
اور ہمیں اپنی درگزر کے ذریعہ اپنے عذاب سے پناہ دے۔ کیونکہ ہم
میں طاقت نہیں ہے تیرے عدل[1] (کے برداشت کرنے) کی۔ اور
بغیر تیری بخشش کے ہم میں سے کوئی بھی نجات نہیں پا سکتا۔ اے
بے نیازوں سے بڑھ کر بے نیاز یہ لے ہم سب تیرے بندے تیرے
سامنے (حاضر) ہیں اور میں (ان) تمام محتاجوں سے زیادہ تیرا
محتاج ہوں پس دور کر دے ہماری احتیاج[2] کو اپنی فراخی (اور تونگری)
سے اور ناامید نہ کر ہم کو اپنے انکار سے۔ ورنہ بدنصیب ٹھہرا دے
گا تو ایسے شخص کو جس نے تجھ سے نیک بختی طلب کی ہے۔ اور
محروم کر دیا ہوگا تو نے اس کو جس نے تیرا فضل چاہا ہے۔ پس اس
وقت ہم کس کی طرف تجھ کو چھوڑ کر پلٹیں گے اور تیرے دروازے
سے کہاں جائیں گے۔ تو پاک ہے ہم وہی مضطر[3] ہیں جن کی دعا کو
قبول کرنا تو نے (اپنے اوپر) واجب کیا ہے۔ اور (ہم) وہی بدکار

---

[1] یعنی اگر خداوند عالم اپنی رحمت سے بندوں کو معاف نہ کرتا ہے اور محض انصاف کی ترازو میں ان کے اعمال کو تولے اور اس پر جزا و سزا دے تو بندے اس کے عدل کی تاب نہیں لا سکیں گے اور بغیر رحمت کے بخشش کے مستحق نہ ہوں گے۔

[2] دنیاوی مال و دولت کی احتیاج مراد نہیں، بلکہ دولت اخروی مطلوب ہے جیسا کہ سیاق و سباق سے ظاہر ہے۔

[3] کلام پاک میں ارشاد ہوا ہے "اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ" جس کا مفہوم یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ ہی وہ ہے جو اپنے مضطر بندے کی مدد کرتا ہے جبکہ وہ بندہ

الَّذِيْنَ وَعَدْتَ الْكَشْفَ عَنْهُمْ وَ اَشْبَهُ الْاَشْيَاءِ بِمَشِيَّتِكَ وَ اَوْلَى الْاُمُوْرِ بِكَ فِيْ عَظَمَتِكَ رَحْمَةُ مَنِ اسْتَرْحَمَكَ وَ غَوْثُ مَنِ اسْتَغَاثَ بِكَ فَارْحَمْ تَضَرُّعَنَا اِلَيْكَ وَ اَغْنِنَا اِذْ طَرَحْنَا اَنْفُسَنَا بَيْنَ يَدَيْكَ اَللّٰهُمَّ اِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ شَمِتَ بِنَا اِذْ شَايَعْنَاهُ عَلٰى مَعْصِيَتِكَ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَلَا تُشْمِتْهُ بِنَا بَعْدَ تَرْكِنَا اِيَّاهُ لَكَ وَ رَغْبَتِنَا عَنْهُ اِلَيْكَ ؕ

ہیں جن سے تو نے بلا کے دُور کرنے کا وعدہ کیا ہے اور تمام باتوں میں تیری مشیت[1] سے سب سے زیادہ مشابہ (قریب) اور تمام کاموں میں تیری عظمت کے سب سے زیادہ شایاں شان اُس شخص پر رحم کرنا ہے جو تجھ سے رحم کا طالب ہو اور اس کی فریاد کو پہنچنا ہے، جو تجھ سے فریاد کرے، پس رحم کر تو ہماری فریاد پر جو تیری بارگاہ میں کی گئی ہے اور ہماری فریاد کو پہنچ جبکہ ہم نے ڈال دیا ہے (عاجزی سے) اپنے نفسوں کو تیرے سامنے۔ اے اللہ! بے شک شیطان ہنسا (تھا) ہم پر جبکہ پیروی کی تھی ہم نے اس کی تیری نافرمانی میں پس رحمت نازل کر تو محمد پر اور ان کی اولاد پر اور مت ہنسنے[2] کا موقع دے ہم پر اس کو جب کہ ہم نے چھوڑ دیا اس کو، تیری خوشنودی کے لیے اور پھیر[3] لیا تو نے ہم کو اس سے اپنی طرف۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِخَوَاتِمِ الْخَيْرِ ؕ

حضرت زین العابدین کاموں کا خاتمہ بالخیر ہونے کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

يَا مَنْ ذِكْرُهٗ شَرَفٌ لِّلذَّاكِرِيْنَ وَ يَا مَنْ شُكْرُهٗ فَوْزٌ لِّلشَّاكِرِيْنَ وَ يَا

اے وہ ذات جس کا ذکر، یاد کرنے والوں کی عزت[4] ہے۔ اور اے وہ معبود جس کا شکر، شکر گزاروں کی کامیابی[5] ہے، اور اے وہ

---

[1] مشیت ایزدی ہمیشہ فضل و تفضل سے متعلق ہوتی ہے۔ مثلاً کسی شے کو عدم سے وجود میں لانے کی مشیت ہوئی تو وجود بجائے خود ایک تفضل ہے۔ اسی طرح مشیت جس کام سے بھی متعلق ہو گی اس میں ہر پہلو انفضال و الطاف ہی پر مشتمل ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص بعد تخلیق احکام الٰہی کی نافرمانی کرے اور غضب الٰہی کو اپنے اعمال و افعال سے جوش میں لے آئے اور اس وقت مشیت کا تعلق عذاب و تعذیب سے ہو جائے۔ مگر جہاں تک نفس مشیت کا تعلق ہے وہ لطف و کرم کے علاوہ غضب و عذاب سے متعلق نہیں ہوتی۔ زیر نظر کلمات دعا میں اسی حقیقت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

[2] یعنی جب ہم شیطان کو چھوڑ کر تیری بارگاہ میں توبہ کے لیے حاضر ہو گئے تو اب اگر یہاں سے ناکام ہو گئے تو شیطان ہم پر ہنسے گا۔

[3] خدائے تعالیٰ کی طرف پھیرنے کا انتساب اسلئے درست ہے کہ جب اسکی توفیق شامل حال ہوتی ہے اور اس توفیق کی قوت کے مقابلے سے شیطان کا منہ پھر جاتا ہے اسوقت بندہ توبہ کرکے خدا کی بارگاہ میں اعتراف قصور کرتا ہے۔ [4] عزت کا ذریعہ ہے۔ [5] یعنی وجہ کامیابی ہے۔

مَنْ طَاعَتُهٗ نَجَاةٌ لِلْمُطِيْعِيْنَ صَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اشْغَلْ قُلُوْبَنَا بِذِكْرِكَ
عَنْ كُلِّ ذِكْرٍ وَ اَلْسِنَتَنَا بِشُكْرِكَ عَنْ كُلِّ
شُكْرٍ وَ جَوَارِحَنَا بِطَاعَتِكَ عَنْ كُلِّ
طَاعَةٍ فَاِنْ قَدَّرْتَ لَنَا فَرَاغًا مِنْ
شُغْلٍ فَاجْعَلْهُ فَرَاغَ سَلَامَةٍ لَا تُدْرِكُنَا
فِيْهِ تَبِعَةٌ وَ لَا تَلْحَقُنَا فِيْهِ سَاْمَةٌ حَتّٰى يَنْصَرِفَ
عَنَّا كُتَّابُ السَّيِّئَاتِ بِصَحِيْفَةٍ خَالِيَةٍ مِنْ
ذِكْرِ سَيِّئَاتِنَا وَ يَتَوَلّٰى كُتَّابُ الْحَسَنَاتِ عَنَّا
مَسْرُوْرِيْنَ بِمَا كَتَبُوْا مِنْ حَسَنَاتِنَا وَ اِذَا
انْقَضَتْ اَيَّامُ حَيٰوتِنَا وَ تَصَرَّمَتْ مُدَدُ
اَعْمَارِنَا وَ اسْتَحْضَرَتْنَا دَعْوَتُكَ الَّتِيْ
لَا بُدَّ مِنْهَا وَ مِنْ اِجَابَتِهَا فَصَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اجْعَلْ خِتَامَ مَا تُحْصِيْ عَلَيْنَا
كَتَبَةُ اَعْمَالِنَا تَوْبَةً مَقْبُوْلَةً لَا تُوْقِفُنَا
بَعْدَهَا عَلٰى ذَنْبٍ اجْتَرَحْنَاهُ وَ لَا مَعْصِيَةٍ

اللہ جس کی عبادت اطاعت کرنے والوں کی نجات[1] ہے، محمدؐ اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور پھیر دے، ہمارے دلوں کو اپنے ذکر میں ہر ذکر سے۔ اور ہماری زبان کو اپنے شکر میں ہر شکر سے۔ اور ہمارے اعضا کو اپنی عبادت میں ہر عبادت سے۔ پس اگر تو نے ہمارے مقدر میں ہر کام سے فراغت[2] لکھ دی ہے تو اسے سلامتی کی فراغت قرار دے جس کے انجام میں ہمیں کوئی مظلمہ[3] نہ پا سکے (انجام بخیر ہو) اور نہ اس (کے نتیجے) میں ہم کو کوئی تعب و ملال[4] لاحق ہو۔ یہاں تک کہ برائیوں کے لکھنے والے (فرشتے) ہمارے پاس سے۔ ایسی کتاب لے کر پلٹیں جو ہماری برائیوں کے ذکر سے خالی ہو۔ اور نیکیوں کے لکھنے والے ہمارے پاس سے خوش خوش واپس ہوں۔ ان نیکیوں کی وجہ سے جو انھوں نے لکھی ہوں اور جبکہ ہماری حیات کے دن ختم ہوں اور ہماری عمر کی مدت پوری ہو، اور ہمارے پاس تیرا وہ بلاوا[5] آئے جس کا آنا اور جس کے سامنے سر تسلیم جھکانا ضروری ہے، تو رحمت[6] نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور محو کر دے اس (عمل) کو جسے ہمارے کاتبان اعمال نے ہمارے خلاف[7] شمار کیا ہے، ایسی مقبول[8] توبہ کے طور پر جس کے بعد نہ ٹھہرنے دے تو ہمیں کسی گناہ پر جسے ہم کر گزریں اور نہ کسی نافرمانی پر

---

[1] یعنی وسیلہ نجات ہے۔

[2] دنیا کے ضروری کاموں سے فارغ ہو کر ہمارے مقدر میں کچھ فرصت کے اوقات ہیں، تو انھیں اپنی عبادت و اطاعت میں بسر کرنے کی توفیق عنایت کر۔

[3] یعنی کوئی گناہ ہم پر مسلط نہ ہو سکے۔

[4] کیونکہ بندہ جب کوئی گناہ کرتا ہے اور پھر اس کا ضمیر غفلت سے بیدار ہوتا ہے تو گناہ کے تصور اور قبول توبہ کی فکر میں اسے تعب و ملال لاحق ہوتا ہے۔

[5] موت کا فرشتہ۔

[6] یہ کلمات اصل مضمون دعا سے پہلے تبرکاً ادا کیے گئے ہیں تاکہ ان کی برکت سے وہ دعا جو بعد میں زبان سے نکلنے والی ہے قبول ہو جائے۔

[7] یعنی ہمارے نامۂ اعمال سے گناہوں کو مٹا دے اور ختم کر دے۔

[8] یعنی پھر ہم ایسے پاک ہو جائیں جیسے کوئی انسان توبہ کرے اور قبولیت کے بعد توفیق الٰہی اس کے شامل حال ہو جائے۔ پھر وہ کسی گناہ کا مرتکب ہی نہ ہو۔

افْتَرَفْنَاهَا وَلَا تَكْشِفْ عَنَّا سِتْرًا سَتَرْتَهُ عَلٰى رُءُوسِ الْاَشْهَادِ يَوْمَ تَبْلُوْا اَخْبَارَ عِبَادِكَ اِنَّكَ رَحِيْمٌ بِمَنْ دَعَاكَ وَ مُسْتَجِيْبٌ لِمَنْ نَادَاكَ

جس کے ہم مرتکب ہوں اور روزِ قیامت نہ ہٹانا تو ہم سے اس پردے[1] کو جو تو نے منظرِ عام سے چھپانے کے لیے ڈالا ہے ـــــ اس روز جبکہ تو اپنے بندوں کے حالات جانچے گا۔ بے شک تو اس شخص پر رحم کرتا ہے جو تجھ سے دعا کرے اور قبول کرتا ہے اس شخص کی بات کو جو تجھے پکارے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْاِعْتِرَافِ وَطَلَبِ التَّوْبَةِ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى

حضرت زین العابدین اعتراف گناہ اور طلب توبہ کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّهٗ يَحْجُبُنِيْ عَنْ مَسْئَلَتِكَ خِلَالٌ ثَلٰثٌ وَتَحْدُوْنِيْ عَلَيْهَا خَلَّةٌ وَاحِدَةٌ يَحْجُبُنِيْ اَمْرٌ اَمَرْتَ بِهٖ فَاَبْطَاْتُ عَنْهُ وَ نَهْيٌ نَهَيْتَنِيْ عَنْهُ فَاَسْرَعْتُ اِلَيْهِ وَ نِعْمَةٌ اَنْعَمْتَ بِهَا عَلَيَّ فَقَصَّرْتُ فِيْ شُكْرِهَا وَ يَحْدُوْنِيْ عَلٰى مَسْئَلَتِكَ تَفَضُّلُكَ عَلٰى مَنْ اَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ اِلَيْكَ وَ وَفَدَ بِحُسْنِ ظَنِّهٖ اِلَيْكَ اِذْ جَمِيْعُ اِحْسَانِكَ تَفَضُّلٌ وَ اِذْ كُلُّ نِعَمِكَ ابْتِدَآءٌ فَهَا اَنَا ذَا يَا اِلٰهِيْ وَاقِفٌ

اے اللہ! حقیقت یہ ہے کہ مجھے تیری بارگاہ میں سوال کرنے سے تین باتیں روکتی ہیں (جن کا ذکر آگے چل کر آتا ہے) اور آمادہ کرتی ہے مجھ کو اس پر (تیری) ایک خصلت۔ روکتا ہے مجھ کو (۱) وہ حکم جو تو نے دیا اور میں نے اس (کی تعمیل) میں دیر کی۔ اور (۲) وہ ممانعت جو تو نے کی اور میں اس کی طرف تیزی سے بڑھ گیا اور (۳) وہ نعمت جو تو نے مجھے عطا فرمائی اور میں نے کوتاہی کی اس کے شکر میں ـــــ اور تجھ سے سوال کرنے پر تیرا تفضل[2] آمادہ کرتا ہے (جو تو) ہر اس شخص پر (کرتا ہے) جو تیری طرف متوجہ ہو جائے اور جو تیرے متعلق نیک گمان[3] لے کر تیرے پاس آئے۔ کیونکہ تیرے تمام احسانات محض (بنا بر) تفضل[4] ہیں۔ اور تیری تمام نعمتیں،[5] ابتدا ہیں۔ پس اب میں اے

---

[1] چونکہ خدائے تعالیٰ کی صفت ساتر العیوب ہے اس لیے وہ اپنے بندوں کے گناہوں کو جب تک کہ وہ خود ہی فسق بالاعلان نہ کریں، منظر عام سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ [2] استحقاق سے صرف نظر کرکے کسی پر مہربانی کرنا جیسے اور جزا سے بالاتر ہو کر اپنی شان کریمی سے کسی کو کچھ عطا کرنا۔ [3] احادیث میں خدائے تعالیٰ کے متعلق اس حسن ظن کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ گنہگار ہونے کے باوجود ہمیں اپنی رحمت سے بخش دے گا۔ کتب دینیہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جس شخص کا یقین درجہ کمال تک پہنچ جائے تو وہ صفت رحمت الٰہی کے عین الیقین کے مترادف ہوتا ہے اور اس بنا پر ایسا یقین رکھنے والے کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ [4] یعنی ہم ان احسانات کے اپنے اعمال کی بناء پر مستحق نہیں۔ محل انکسار میں ہر بندہ کو یہی کہنا چاہیئے۔ [5] خدائے تعالیٰ نے جو نعمت انسان کو دی ہے وہ اس کے کسی عمل کا بدلا نہیں بلکہ اسی نعمت سے انعام وعطیہ الٰہی کی ابتدا ہوتی ہے جن میں پہلی نعمت نعمتِ وجود ہے۔ البتہ ابتدائے نعمت الٰہی کے بعد اگر بندہ شکر بجالائے تو اسے زیادتی نعمت کا استحقاق پیدا ہوتا ہے۔

بِبَابِ عِزِّكَ وُقُوْفَ الْمُسْتَسْلِمِ
الذَّلِيْلِ وَ سَائِلُكَ عَلَى الْحَيَاءِ
مِنِّيْ سُؤَالَ الْبَائِسِ الْمُعِيْلِ مُقِرٌّ
لَكَ بِاَنِّيْ لَمْ اَسْتَسْلِمْ وَقْتَ
اِحْسَانِكَ اِلَّا بِالْاِقْلَاعِ عَنْ
عِصْيَانِكَ وَ لَمْ اَخْلُ فِي الْحَالَاتِ
كُلِّهَا مِنِ امْتِنَانِكَ فَهَلْ يَنْفَعُنِيْ
يَا اِلٰهِيْ اِقْرَارِيْ عِنْدَكَ بِسُوْءِ مَا
اكْتَسَبْتُ وَ هَلْ يُنْجِيْنِيْ مِنْكَ
اعْتِرَافِيْ لَكَ بِقَبِيْحِ مَا ارْتَكَبْتُ
اَمْ اَوْجَبْتَ لِيْ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا
سُخْطَكَ اَمْ لَزِمَنِيْ فِيْ وَقْتِ دُعَائِيْ
مَقْتُكَ سُبْحَانَكَ لَا اَيْئَسُ مِنْكَ
وَ قَدْ فَتَحْتَ لِيْ بَابَ التَّوْبَةِ اِلَيْكَ
بَلْ اَقُوْلُ مَقَالَ الْعَبْدِ الذَّلِيْلِ
الظَّالِمِ لِنَفْسِهٖ الْمُسْتَخِفِّ بِحُرْمَةِ
رَبِّهٖ الَّذِيْ عَظُمَتْ ذُنُوْبُهٗ فَجَلَّتْ

الٰہ کھڑا ہوا ہوں (اس طرح) تیرے بابِ عزت پر جس طرح کوئی ذلیل فرماں بردار کھڑا ہو۔ اور بعد شرم و ندامت تجھ سے (اس طرح) سوال کر رہا ہوں جیسے کوئی محتاج بھکاری (بھیک مانگتا ہے) میں تیرے سامنے اس بات کا معترف ہوں کہ میں نے نہیں اطاعت کی تیرے احسان کے وقت مگر صرف اتنی سی کہ تیری نافرمانی سے باز رہا۔ اور نہیں خالی رہا میں کسی بھی حال میں تیرے احسان سے۔ پس کیا (اب کچھ) نفع پہنچا سکتا ہے مجھ کو اے میرے مالک! تیری بارگاہ میں میرا (اپنے) ان برے کاموں کا اقرار کر لینا جو میں نے کیے۔ اور کیا (اب) بچا سکتا ہے مجھ کو تجھ سے (تیرے عذاب سے) تیرے سامنے میرا (اپنی) اُس بدی کا اعتراف جس کا میں مرتکب ہوا۔ کیا[1] (کچھ) ضروری کر دیا ہے تو نے اس مقام پر میرے لیے اپنے غضب و غصّہ کو ؟ یا لازم کر دیا ہے تو نے میری اس دعا کے وقت اپنی ناراضی کو ؟ (ہرگز نہیں) پاک[2] ہے تو میں تجھ سے ناامید[3] نہیں ہوں (خصوصاً) اس حالت میں کہ تو نے[4] ہی کھول دیا ہے میرے لیے بابِ توبہ کو۔ بلکہ میں اس بندۂ ذلیل کی سی بات کہتا ہوں جس نے اپنے نفس[5] پر ظلم کیا ہو، اپنے پالنے والے کی حرمت[6] کو سبک سمجھا ہو، جس کے گناہ عظیم ہوں۔ اور بہت عظیم ہوں اور منہ موڑ رہی ہو اس کی زندگی اور چلی جانے والی ہو۔

---

[1] یہاں سے اس دعا کے دو جملے استفہام انکاری کے طور پر ہیں۔

[2] یعنی تو اپنے بندۂ معترف بگناہ کے ساتھ ایسا سلوک کرنے سے بالاتر ہے۔

[3] جیسا کہ ص ۵۹ پر کہا جا چکا ہے کہ وہ بندہ جو صدق دل سے خدائے تعالیٰ کی رحمت سے بخشش کی امید باندھ لے اور اسے رحمت الٰہی کے عین الیقین کی منزل حاصل ہو جائے تو وہ باوصفِ معاصی مستحق مغفرت ہو جاتا ہے۔

[4] کلام پاک میں خدائے تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ خدا سے توبہ کرو کیونکہ وہ توبہ کا بڑا قبول کرنے والا اور بندوں پر مہربان ہے۔

[5] نفسانی خواہشوں کو پورا کر کے۔

[6] یعنی گناہ صغیرہ یا کبیرہ کیا ہو جس سے احکام الٰہی کی سبکی لازم آتی ہے۔

وَ اَدْبَرَتْ اَيَّامُهٗ فَوَلَّتْ حَتّٰى اِذَا
رَاٰى مُدَّةَ الْعَمَلِ قَدِ انْقَضَتْ
وَغَايَةَ الْعُمُرِ قَدِ انْتَهَتْ وَاَيْقَنَ
اَنَّهٗ لَا مَحِيْصَ لَهٗ مِنْكَ وَلَا مَهْرَبَ
لَهٗ عَنْكَ تَلَقَّاكَ بِالْاِنَابَةِ وَاَخْلَصَ
لَكَ التَّوْبَةَ فَقَامَ اِلَيْكَ بِقَلْبٍ
طَاهِرٍ نَقِيٍّ ثُمَّ دَعَاكَ بِصَوْتٍ حَائِلٍ
خَفِيٍّ قَدْ تَطَاْطَاَ لَكَ فَانْحَنٰى وَنَكَّسَ
رَاْسَهٗ فَانْثَنٰى قَدْ اَرْعَشَتْ خَشْيَتُهٗ
رِجْلَيْهِ وَغَرَّقَتْ دُمُوْعُهٗ خَدَّيْهِ
يَدْعُوْكَ بِيَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَ
يَا اَرْحَمَ مَنِ انْتَابَهُ الْمُسْتَرْحِمُوْنَ
وَيَا اَعْطَفَ مَنْ اَطَافَ بِهِ الْمُسْتَغْفِرُوْنَ
وَيَا مَنْ عَفْوُهٗ اَكْثَرُ مِنْ نِقْمَتِهٖ
وَيَا مَنْ رِضَاهُ اَوْفَرُ مِنْ سَخَطِهٖ
وَيَا مَنْ تَحَمَّدَ اِلٰى خَلْقِهٖ بِحُسْنِ
التَّجَاوُزِ وَ يَا مَنْ عَوَّدَ عِبَادَهٗ
قَبُوْلَ الْاِنَابَةِ وَ يَا مَنِ اسْتَصْلَحَ
فَاسِدَهُمْ بِالتَّوْبَةِ وَ يَا مَنْ رَضِيَ

تا اینکہ جب وہ (بندۂ ذلیل) یہ دیکھے کہ اس کے عمل (بجالانے) کا زمانہ ختم ہوا اور عمر کی حد انتہا تک پہنچ لی، اور یقین کرے (وہ بندہ) کہ بے شک (اب) اس کے لیے تیری طرف سے نجات نہیں اور نہ کوئی بھاگنے کی جگہ ہے اس کے لیے تیرے پاس سے، تو (اس عالم مایوسی میں) وہ رجوع (قلب) کے ساتھ تجھ سے ملے۔ اور خلوص کے ساتھ توبہ کرے۔ پھر کھڑا ہو جائے تیری طرف (چلنے کے لیے) پاک و صاف دل کے ساتھ۔ پھر دل سے نکلی ہوئی[1] پکار کے ساتھ تجھے پکارے، تیرے سامنے عاجزی کرے، پھر جھک جائے اور اپنا سر نیوڑا دے، اور دوتا[2] (دوہرا) ہو جائے (اس طرح کہ) خوف سے کانپ رہے ہوں، اس کے دونوں پاؤں، اور آنسوؤں کی جھڑی سے دونوں رخسارے تر ہو گئے ہوں (اور پھر) تجھ کو (یہ کہہ کر) پکارے کہ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے اور اے ان سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے جن کے پاس رحم کے خواستگار بار بار[3] آتے ہیں۔ اور اے ان سب سے بڑے مہربان جن کے گرد چکر کاٹتے رہتے ہیں معافی کے طلب گار (لوگ) اور اے وہ (معبود) کہ جس کی بخشش، اس کے انتقام لینے سے زیادہ ہے۔ اور اے وہ (معبود) کہ جس کی رضامندی اس کے غصّے سے بڑھ کر ہے اور اے وہ (معبود) کہ جس نے درگزر اور معافی کے احسان سے اپنی مخلوقات کے ساتھ بھلائی کی ہے، اور اے وہ معبود کہ جس نے اپنے بندوں کو توبہ قبول کیے جانے کا

---

[1] ایک نسخہ میں "حائل" کے بجائے "عائل" چھپا ہوا ہے۔ مگر معنی اور مفہوم میں اس سے فرق نہیں پیدا ہوتا کیونکہ "عائل" ضعیف اور کمزور کو کہتے ہیں اور "حائل" خفی و پوشیدہ کو۔ دونوں صورتوں میں وہی آواز مراد ہے گی جو انسان کے دل سے نکلتی ہے اور اسے صرف اسی کے کان سن سکتے ہیں۔

[2] جس طرح سجدے میں انسان دوہرا ہو جاتا ہے۔

[3] بار بار آنے اور چکر کاٹتے رہنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جن کے پاس وہ رحم اور معافی کی درخواست کرتے ہیں، وہ ان کی درخواست قبول نہیں کرتے۔ دعا میں اس بنیاد سے اس حقیقت کے اظہار کا منشا ہے کہ بندوں اور خدائے تعالیٰ میں یہی فرق ہے کہ وہ طالبین رحم و معافی کو ٹکا ٹالتے رہتے ہیں مگر خدائے تعالیٰ ایسا

مِنْ فِعْلِهِمْ بِالْيَسِيْرِ وَ يَا مَنْ كَافَى: قَلِيْلَهُمْ بِالْكَثِيْرِ وَ يَا مَنْ ضَمِنَ لَهُمْ اِجَابَةَ الدُّعَاءِ وَ يَا مَنْ وَعَدَهُمْ عَلٰى نَفْسِهٖ بِتَفَضُّلِهٖ حُسْنَ الْجَزَاءِ مَا اَنَا بِاَعْصٰى مَنْ عَصَاكَ فَغَفَرْتَ لَهٗ وَ مَا اَنَا بِاَلْوَمِ مَنِ اعْتَذَرَ اِلَيْكَ فَقَبِلْتَ مِنْهُ وَ مَا اَنَا بِاَظْلَمِ مَنْ تَابَ اِلَيْكَ فَعُدْتَ عَلَيْهِ اَتُوْبُ اِلَيْكَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا تَوْبَةَ نَادِمٍ عَلٰى مَا فَرَطَ مِنْهُ مُشْفِقٍ مِمَّا اجْتَمَعَ عَلَيْهِ خَالِصِ الْحَيَاءِ مِمَّا وَقَعَ فِيْهِ عَالِمٍ بِاَنَّ الْعَفْوَ عَنِ الذَّنْبِ الْعَظِيْمِ لَا يَتَعَاظَمُكَ وَ اَنَّ التَّجَاوُزَ عَنِ الْاِثْمِ الْجَلِيْلِ لَا يَسْتَصْعِبُكَ وَ اَنَّ احْتِمَالَ الْجِنَايَاتِ الْفَاحِشَةِ لَا يَتَكَاءَدُكَ

عادی[1] بنادیا ہے اور اے وہ (معبود) کہ جس نے ان (بندوں) کے خراب انجام کو اچھا بنادیا ہے توبہ کے ذریعہ سے۔ اور اے وہ (معبود) کہ جو ان کے تھوڑے کام[2] پر راضی ہو جاتا ہے اور اے وہ (معبود) کہ جو ان کے کم عمل کا صلہ دیتا ہے۔ زیادہ[3] (ثواب) کے ساتھ۔ اور اے وہ (معبود) کہ جو ان کی دعا قبول کرنے کا ذمہ دار بن گیا ہے۔ اور اے وہ (معبود) کہ جس نے ان سے وعدہ کر لیا ہے اپنے اوپر لازم بناتے ہوئے، انھیں اپنے تفضل سے نیک بدلہ دینے کا۔ میں ان سب سے بڑا نافرمان نہیں ہوں جنھوں نے تیری نافرمانی کی، پھر تو نے انھیں بخش دیا۔ اور میں ان سب سے زیادہ قابل ملامت نہیں ہوں جنھوں نے تجھ سے (اپنے گناہوں کی) معذرت کی تو ان کا عذر تو نے قبول کر لیا۔ اور میں ان سب سے بڑا ظالم نہیں ہوں جنھوں نے تجھ سے توبہ کی، تو تو نے ان پر فضل و احسان کیا۔ توبہ کرتا ہوں میں تجھ سے اپنے اسی مقام پر، اس شخص کے توبہ کرنے کی طرح جو اپنے کیے ہوئے گناہ پر نادم ہو، جو اپنے سرمایۂ معاصی سے ڈرتا ہو، جو ان باتوں سے جن میں وہ پڑ گیا تھا سچی شرم کرتا ہو (اور ) جو یہ جانتا ہو کہ معاف کر دینا کسی بڑے گناہ کا تیرے لیے کوئی بڑی بات نہیں۔

[1] یعنی ہر ایک کی توبہ قبول کی ہے جس کے بعد بندے قبول توبہ کے یقین کر لینے کے عادی ہو گئے ہیں۔ [2] مراد عمل صالح۔

[3] جیسا کہ قرآن پاک میں ہے "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ" یعنی جو شخص ایک نیکی کرے گا اسے دس نیکیوں کے بقدر جزا ملے گی۔ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔

[4] جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ" تم مجھ سے دعا کرو میں اسے قبول کروں گا۔ اس مقام پر دعا کے متعلق ایک شبہ کا ازالہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ اکثر لوگ دعا مانگتے ہیں مگر قبول نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس آیت اور اس وعدے کو تو پکڑ لیا ہے مگر ان شرائط کو نظر انداز کر دیا ہے جو شارع اسلام نے دعا اور قبول دعا کے سلسلے میں تعلیم دیے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں کہ جب کوئی شخص خدائے تعالیٰ سے دعا کرنے کا قصد کرے تو باطہارت، پاک پاکیزہ لباس پہن کر، اس جگہ میں جو کہ غصبی نہ ہو مصلے پر بیٹھے اور خضوع و خشوع کے ساتھ خدائے تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو۔ اور دعا شروع کرنے سے پہلے اول حمد باری تعالیٰ ادا کرے۔ اس کی نعمتوں کا شکر بجا لائے۔ درود شریف پڑھے۔ گناہوں کا اقرار کر کے صدق دل سے توبہ کر لے اس طرح کہ دل کی گہرائیوں میں بھی یہ پختہ ارادہ مخفی ہو کہ اب کبھی گناہ نہ کرے گا پھر رو رو کر دعا کرے۔

وَ اَنَّ اَحَبَّ عِبَادِكَ اِلَيْكَ مَنْ
تَرَكَ الْاِسْتِكْبَارَ عَلَيْكَ وَ
جَانَبَ الْاِصْرَارَ وَ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ
وَ اَنَا اَبْرَاُ اِلَيْكَ مِنْ اَنْ
اَسْتَكْبِرَ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ اُصِرَّ
وَ اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا قَصَّرْتُ فِيْهِ
وَ اَسْتَعِيْنُ بِكَ عَلٰى مَا عَجَزْتُ
عَنْهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّ اٰلِهٖ وَ هَبْ لِيْ مَا يَجِبُ عَلَيَّ
لَكَ وَ عَافِنِيْ مِمَّا اَسْتَوْجِبُهٗ
مِنْكَ وَ اَجِرْنِيْ مِمَّا يَخَافُهٗ
اَهْلُ الْاِسَآءَةِ فَاِنَّكَ مَلِيٌّ
بِالْعَفْوِ مَرْجُوٌّ لِلْمَغْفِرَةِ مَعْرُوْفٌ
بِالتَّجَاوُزِ لَيْسَ لِحَاجَتِيْ مَطْلَبٌ
سِوَاكَ وَ لَا لِذَنْبِيْ غَافِرٌ غَيْرُكَ
حَاشَاكَ وَ لَا اَخَافُ عَلٰى نَفْسِيْ

اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تجھے[۱] نرمی سے درگزر کرنا تیرے لیے کچھ مشکل نہیں
اور یہ بھی جانتا ہوں کہ مجھ ایسے گنہگاروں کو برداشت کرلینا تجھ پر گراں نہیں،
اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تجھے سب بندوں سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے
جس نے تیرے سامنے غرور[۲] و تکبر کو ترک کردیا ہو۔ اور جو گناہوں پر
اصرار کرنے سے بچتا ہے اور طلب مغفرت[۳] کو اپنا وطیرہ بنائے
اور میں تیرے سامنے اس بات سے برأت چاہتا ہوں کہ میں گھمنڈ کروں
اور اس بات سے پناہ کا طالب ہوں کہ گناہوں پر اصرار کروں اور
جس عمل میں میں نے کوتاہی کی ہے اس کی تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔
اور جس عمل سے میں عاجز و قاصر ہوں اس میں تجھ سے امداد کا خواہشمند
ہوں۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔ اور مجھے
وہ عطیہ[۴] عنایت کر جو تیرے لیے مجھ پر واجب ہے اور اس امر سے
بچا جس کا میں تیری جانب سے سزاوار ہوں اور جس بات سے بُرائی کرنے
والے ڈرا کرتے ہیں اس سے مجھے پناہ دے کیونکہ تو معاف کرنے پر
پوری پوری طرح قادر ہے اور امید گاہ ہے مغفرت کے لیے۔ درگزر
کرنے میں مشہور ہے۔ میری حاجت ایسی ہے جو تیرے علاوہ کسی
سے طلب نہیں کی جاسکتی اور نہ میرے گناہ کو تیرے سوا کوئی معاف کر

---

۱؎ یعنی گناہ کرتے ہوئے دیکھنا اور سزا میں ڈھیل دینا، اور رزق و انعام میں کمی نہ کرنا۔

۲؎ یعنی ہر پہلو سے عاجزی اور اعتراف جرم و گناہ کرتا ہے، چاہے جانتا ہو کہ میں نے گناہ نہیں کیا ہے۔ جیسا کہ خود حضرت زین العابدین کی زیر نظر ادعیہ میں ہے کہ جگہ جگہ آپ نے اپنے خاطی، عاصی، نافرمان اور بندہ ہوا و ہوس ہونے کا اعتراف کیا ہے، اگرچہ سب اس عاجزی اور اعتراف قصور کے طور پر ہے جو خدا کے بالمقابل بڑے سے بڑے نبی و ولی کو کرنا چاہیئے۔ انبیاء کی دعائیں جو قرآن میں مذکور ہیں اور جن میں انھوں نے اپنے ظالم ہونے کا اعتراف کیا ہے وہ بھی اسی قسم کے عجز و انکسار پر مشتمل ہیں مثلاً حضرت یونس علیہ السلام کی زبان سے آیۂ قرآن میں کہا گیا ہے "فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔" جس میں نبی نے اپنے ظالم ہونے کا اعتراف کیا ہے حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ نبی ظالم نہیں ہوتا۔

۳؎ یعنی ہر وقت مغفرت طلب کرے۔

۴؎ یعنی واجبات و فرائض کے ادا کرنے کی قوت اور ہمت اور توفیق عطا فرما۔ عطیہ سے مراد قوت و ہمت و توفیق ہے۔

اِلَّا اِیَّاکَ اِنَّکَ اَھْلُ التَّقْوٰی وَ اَھْلُ الْمَغْفِرَۃِ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَاقْضِ حَاجَتِیْ وَاَنْجِحْ طَلِبَتِیْ وَاغْفِرْ ذَنْبِیْ وَاٰمِنْ خَوْفَ نَفْسِیْ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَذٰلِکَ عَلَیْکَ یَسِیْرٌ اٰمِیْنَ یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

سکتا ہے۔ ہرگز کوئی دوسرا نہیں۔ اور میں اپنے نفس[1] کے لیے سوائے تیرے کسی سے نہیں ڈرتا۔ بے شک تو تقوٰی[2] کا سزاوار ہے اور بخشنے والا ہے رحمت نازل کر محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر اور میری حاجت پوری کر دے اور میری مراد بر لا۔ اور میرا گناہ معاف کر دے۔ اور میری جان[3] کے خوف کو دور فرما دے اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

## وَکَانَ مِنْ دُعَآئِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِیْ طَلَبِ الْحَوَآئِجِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی

حضرت زین العابدین خدائے تعالیٰ سے حاجت طلب کرنے کے موقع پر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ یَا مُنْتَھٰی مَطْلَبِ الْحَاجَاتِ وَیَا مَنْ عِنْدَہٗ نَیْلُ الطَّلِبَاتِ وَیَا مَنْ لَا یَبِیْعُ نِعَمَہٗ بِالْاَثْمَانِ وَیَا مَنْ لَا یُکَدِّرُ عَطَایَاہُ بِالْاِمْتِنَانِ وَیَا مَنْ یُسْتَغْنٰی بِہٖ وَلَا یُسْتَغْنٰی عَنْہُ وَیَا مَنْ یُرْغَبُ اِلَیْہِ وَلَا یُرْغَبُ عَنْہُ وَیَا مَنْ لَا تُفْنِیْ خَزَآئِنَہُ الْمَسَآئِلُ وَیَا مَنْ لَا تُبَدِّلُ حِکْمَتَہُ الْوَسَآئِلُ وَیَا مَنْ

اے اللہ! اے حاجتوں کے طلب کرنے کی (آخری) حد۔ اور اے وہ (معبود) جس کے پاس جتنی مانگی مراد ملتی ہے اور اے وہ (معبود) جو اپنی نعمتوں[4] کو قیمت کے عوض نہیں بیچتا اور اے وہ (معبود) جو اپنی بخششوں کو خاک میں نہیں ملاتا، احسان جتا کر۔ اور اے وہ (معبود) جس کے وسیلہ سے بے نیازی[5] حاصل ہوتی ہے۔ (مگر) اس سے بے نیاز ہو کر نہیں رہا جا سکتا۔ اور اے وہ (معبود) جس کی طرف رغبت کی جاتی ہے اور اس کی جانب سے روگردانی نہیں کی جا سکتی۔ اور اے وہ (معبود) جس کے خزانوں کو سوال کرنا ختم نہیں کرتا۔ اور اے وہ (معبود) جس کی حکمت کو وسیلے (اور اسباب)

---

[1] یعنی مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ تیرے سوا کوئی میرے نفس کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ [2] یعنی اس کا اہل ہے کہ تیری بارگاہ میں انسان اپنے تقوٰی کا تحفہ پیش کرے۔ [3] یعنی وہ خوف جو میری جان کے ساتھ لگا ہوا ہے نہ کہ جان جانے کا خوف۔

[4] یعنی اس کی نعمتیں انسان کو عمل خیر اور عبادت وغیرہ کے بالعوض نہیں ملتیں بلکہ وہ اپنے تفضل سے ہر نیک و بد انسان کو اپنی نعمت سے مستفیض ہونے کا موقع دیتا ہے۔

[5] اس کی نعمتیں پا کر انسان، بندوں کی طرف سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

[6] خدائے تعالیٰ کی حکمت جو کہ عین مشیت ہے، اس میں کسی وسیلے اور کسی سبب سے تغیر پیدا نہیں ہوتا جیسا کہ صفات الٰہی کے عین ذات ہونے کی بحثوں میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ اس کی حکمت، اس حکمت کا جاری ہونا اور پورا ہونا سب کچھ ایک ہی بات ہے جسے ہم اپنے سمجھنے سمجھانے کے لیے اس کی ذات سے (فرضی طور پر)، الگ کر کے بیان میں لاتے ہیں۔ مگر درحقیقت اس کی ذات اور صفات کا تجزیہ ایک امر محال ہے کیونکہ واحد کی صفات کا تجزیہ کیا جائے تو پھر وحدت برقرار نہیں رہتی۔ یہ پوری بحث علم کلام کی کتابوں (مثلاً شرح تجرید وغیرہ) میں دیکھیے۔

لَا تَنْقَطِعُ عَنْهُ حَوَائِجُ الْمُحْتَاجِيْنَ
وَيَا مَنْ لَا يُعَنِّيْهِ دُعَآءُ الدَّاعِيْنَ
تَمَدَّحْتَ بِالْغَنَاۤءِ عَنْ خَلْقِكَ وَ اَنْتَ
اَهْلُ الْغِنٰى عَنْهُمْ وَ نَسَبْتَهُمْ اِلَى الْفَقْرِ
وَهُمْ اَهْلُ الْفَقْرِ اِلَيْكَ فَمَنْ حَاوَلَ
سَدَّ خَلَّتِهٖ مِنْ عِنْدِكَ وَرَامَ صَرْفَ
الْفَقْرِ عَنْ نَفْسِهٖ بِكَ فَقَدْ طَلَبَ
حَاجَتَهُ فِيْ مَظَانِّهَا وَاَتٰى طَلِبَتَهُ مِنْ
وَجْهِهَا وَمَنْ تَوَجَّهَ بِحَاجَتِهٖ اِلٰى
اَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ اَوْ جَعَلَهُ سَبَبَ
نُجْحِهَا دُوْنَكَ فَقَدْ تَعَرَّضَ لِلْحِرْمَانِ وَ
اسْتَحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَوْتَ الْاِحْسَانِ

نہیں بدلتے۔ اور اے وہ (معبود) جس سے محتاجوں کی حاجتیں (کبھی) منقطع نہیں ہو سکتیں۔ اور اے وہ (معبود) جسے دعا کرنے والوں کی دعا کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی۔ تو نے (خود) اپنی مخلوق سے بے نیاز ہونے کی (صفت میں اپنی) تعریف[1] کی ہے۔ اور تو ان سے بے نیاز ہے اور تو نے ان کو احتیاج[2] کی طرف نسبت دی ہے اور وہ (یقیناً) محتاج ہیں تیری طرف پس جس شخص نے تیرے پاس سے اپنی احتیاج کے خلا کو پُر کرنے کا قصد کیا، اور اپنی[3] فقیری کے دور کرنے کا ارادہ کیا تیرے ذریعہ سے، پس طلب کیا اس نے اپنی حاجت کو اس کے مانگے جانے کی جگہ[4] میں اور آیا وہ اپنے مطلب تک اس (مطلب) کے سیدھے رخ سے۔ اور جو شخص اپنی حاجت لے کر تیری مخلوق میں سے کسی کے پاس جائے یا تیرے علاوہ اس کو حاجت کے پورا ہونے کا سبب[6] بنائے۔ تو اس نے (گویا) ناکامیابی[7] کی طرف پیش قدمی کی۔ اور سزاوار ہوا تیرے احسان[8] سے

---

[1] اپنی مدح وثنا کرنا ہر شخص کے لیے معیوب سمجھا جاتا ہے، مگر خدائے تعالیٰ کے لیے یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اپنی مدح کرے کیونکہ اس کی ذات میں نقص کا کوئی پہلو نہیں نکلتا اسی طرح کبر و غرور بھی انسان کے لیے مذموم اور خدائے تعالیٰ کے لیے ممدوح ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے ننانوے اسمائے صفت میں "کبریا" اور "متکبر" بھی شامل ہیں۔

[2] اس جگہ اور دوسرے مقامات پر بھی فارسی و اردو کے مترجمین نے "غنی" اور "حمید" کا ترجمہ بے پروا کیا ہے مگر غور کیا جائے تو اس میں ایک ذم کا پہلو بھی نکلتا ہے اس لیے اس کا صحیح ترجمہ "بے نیاز" ہے جس میں سوائے مدح کے اور کوئی پہلو نہیں نکلتا۔ [3] خدائے تعالیٰ کی جانب احتیاج مراد ہے [4] یہ عن نفسہ کا ترجمہ ہے جو الفقر کے بعد مذکور ہے [5] جب یہ بتا دیا گیا کہ خدا ہی وہ ہے جو سب کی حاجتیں پوری کرتا ہے تو پھر مانگے جانے کی جگہ سے مراد خدا ہی کی بارگاہ ہوگی۔ اسی طرح اگلے جملے میں مطلب تک پہنچنے کا "سیدھا رخ" بھی وہی ہوگا جہاں پہنچ کر انسان سیدھا اپنے مطلب تک پہنچ جاتا ہے۔ [6] یعنی یہ تصور کرے کہ یہ حاجت میری فلاں عبادت و اطاعت کے سبب سے پوری ہوگئی ہے۔ یا فلاں شخص اس کے پورا ہونے کا سبب ہے اور خدائے تعالیٰ اس کا سبب نہیں ہے تو ایسا کا انجام وہ ہوگا جو آگے مذکور ہے۔ مگر یاد رہے کہ "سبب" اور "وسیلے" میں فرق ہے یعنی انسان اپنے آپ کو گنا ہگار اور خاطی سمجھ کر اگر یہ تصور کرے کہ میں خدائے تعالیٰ سے براہ راست کچھ طلب کرنے کا اہل نہیں اور اس بناء پر اس کے خاص بندوں کو وسیلہ اور سفارشی کے طور پر بیچ میں ڈالے تو اس میں کوئی قباحت نہیں اور جس طرح کہ حضورؐ روز قیامت شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت قبول بھی ہوگی، اسی طرح دعا میں بھی وسیلہ قرار دینا کوئی خلاف حق امر نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ خود اسی وسیلہ کو حاجت پورا کرنے والا نہ سمجھ لے۔ [7] دنیاوی ناکامی مراد نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں وہ حاجت پوری نہ ہوگی بلکہ مدعا یہ ہے کہ ایسا شخص حقیقی ناکامی سے جسے کفر و شرک کہتے ہیں دوچار ہو جائے گا [8] یہاں دنیاوی احسان بھی مراد لے سکتے ہیں مطلب یہ ہوگا کہ وہ شخص سزاوار تو اسی بات کا ہے کہ اس پر تو احسان نہ کرے۔ یہ اور بات ہے کہ تو اپنے فضل عام سے اس کی حاجت پوری کر دے۔

اَللّٰهُمَّ وَلِيْ اِلَيْكَ حَاجَةٌ قَدْ
قَصَّرَ عَنْهَا جُهْدِيْ وَتَقَطَّعَتْ دُوْنَهَا
حِيَلَتِيْ وَسَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ رَفْعَهَا
اِلٰى مَنْ يَرْفَعُ حَوَآئِجَهٗ اِلَيْكَ وَ
لَا يَسْتَغْنِيْ فِيْ طَلِبَاتِهٖ عَنْكَ وَ
هِيَ زَلَّةٌ مِنْ زَلَلِ الْخَاطِئِيْنَ
وَعَثْرَةٌ مِنْ عَثَرَاتِ الْمُذْنِبِيْنَ
ثُمَّ انْتَبَهْتُ بِتَذْكِيْرِكَ لِيْ مِنْ
غَفْلَتِيْ وَنَهَضْتُ بِتَوْفِيْقِكَ مِنْ
زَلَّتِيْ وَنَكَصْتُ بِتَسْدِيْدِكَ عَنْ
عَثْرَتِيْ وَقُلْتُ سُبْحَانَ رَبِّيْ كَيْفَ
يَسْئَلُ مُحْتَاجٌ مُحْتَاجًا وَاَنّٰى يَرْغَبُ مُعْدِمٌ
اِلٰى مُعْدِمٍ فَقَصَدْتُكَ يَا اِلٰهِيْ بِالرَّغْبَةِ
اِلَيْكَ وَاَوْفَدْتُ عَلَيْكَ رَجَائِيْ بِالثِّقَةِ
بِكَ وَعَلِمْتُ اَنَّ كَثِيْرَ مَا اَسْئَلُكَ
يَسِيْرٌ فِيْ وُجْدِكَ وَاَنَّ خَطِيْرَ مَا
اَسْتَوْهِبُكَ حَقِيْرٌ فِيْ وُسْعِكَ وَاَنَّ
كَرَمَكَ لَا يَضِيْقُ عَنْ سُؤَالِ اَحَدٍ

محروم رہنے کا۔ اے اللہ! تیرے پاس میں ایک حاجت لایا ہوں کہ قاصر
رہی جس (کے پورا کرنے) سے میری کوشش۔ اور میری تدبیریں اس کے
سامنے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئیں۔ اور مجھے میرے نفس نے اُبھارا۔ اس
حاجت کو اس شخص کے پاس لے جانے کے لیے جو خود اپنی حاجتیں تیرے
پاس لے جاتا ہے اور اپنے مطالب میں تجھ سے بے نیاز نہیں ہے، اور یہ
خطا کاروں کی لغزشوں میں سے ایک لغزش تھی، اور گناہگاروں کے غلط طریق
کار میں سے ایک غلط طریقہ تھا۔ پھر میں تیرے یاد دلانے[1] کے باعث اپنی
غفلت سے چونک اٹھا۔ اور سنبھل[2] گیا، تیری توفیق کی بدولت، اپنی لغزش
سے۔ اور تیرے سیدھا[3] کر دینے کی بدولت اپنی بے راہ روی سے واپس
آیا اور پلٹ پڑا۔ اور میں نے کہا۔ پاک ہے تو اے میرے پروردگار!
کیونکر[4] ایک ضرورت مند دوسرے ضرورت مند سے بھیک مانگ سکتا ہے!
اور کب ایک مفلس دوسرے مفلس کی طرف رجوع[5] کر سکتا ہے۔ پس اے
میرے معبود! میں تیرے پاس رغبت کے ساتھ آیا ہوں۔ اور اپنی امید
کو تیرے پاس لایا ہوں۔ تجھ پر اعتماد کر کے۔ اور یہ (اچھی طرح) جانتا
ہوں کہ میں جو کچھ مانگوں گا اس کی زیادہ سے زیادہ تعداد بھی) تیری
سرمایہ[6] داری کے سامنے کم ہے۔ اور یہ (جانتا ہوں) کہ میں جس شے
کی تجھ سے بخشش چاہوں گا اس کی بڑی سے بڑی مقدار بھی تیری وسعت
کے سامنے ہیچ ہے۔ بے شک تیرا کرم کسی شخص کے سوال سے تنگ

---

[1] یکایک الہامی طور پر دل میں خیال آ جانا مراد ہے جو بغیر توفیق الٰہی کے نہیں ہوتا۔
[2] لفظی معنی اٹھ کھڑا ہوا ہیں۔
[3] 'تسدید' کے معنی سیدھا کرنا۔ درست کرنا مضبوط کرنا اور مجازاً سہارا دینا۔ اس جگہ سب معنی مراد ہو سکتے ہیں۔
[4] یعنی میں تیرے علاوہ کسی انسان کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاؤں گا۔
[5] "یرغب" بمعنی "یرجع" ہے۔ جن مترجمین نے اس کے معنی "کب رغبت کر سکتا ہے" لکھ دیے ہیں، یہ ان کا تسامح ہے۔
[6] سرمایہ اجر آخرت مراد ہے۔

وَاَنَّ يَدَكَ بِالْعَطَآءِ اَعْلٰى مِنْ
كُلِّ يَدٍ اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ
اٰلِهٖ وَاحْمِلْنِيْ بِكَرَمِكَ عَلَى التَّفَضُّلِ
وَلَا تَحْمِلْنِيْ بِعَدْلِكَ عَلَى الْاِسْتِحْقَاقِ
فَمَا اَنَا بِاَوَّلِ رَاغِبٍ رَغِبَ اِلَيْكَ
فَاَعْطَيْتَهٗ وَهُوَ يَسْتَحِقُّ الْمَنْعَ وَ
لَا بِاَوَّلِ سَآئِلٍ سَاَلَكَ فَاَفْضَلْتَ
عَلَيْهِ وَهُوَ يَسْتَوْجِبُ الْحِرْمَانَ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَكُنْ
لِدُعَآئِيْ مُجِيْبًا وَّمِنْ نِّدَآئِيْ قَرِيْبًا وَّ
لِتَضَرُّعِيْ رَاحِمًا وَّلِصَوْتِيْ سَامِعًا وَّلَا تَقْطَعْ
رَجَآئِيْ عَنْكَ وَلَا تَبُتَّ سَبَبِيْ مِنْكَ وَ
لَا تُوَجِّهْنِيْ فِيْ حَاجَتِيْ هٰذِهٖ وَغَيْرِهَا
اِلٰى سِوَاكَ وَتَوَلَّنِيْ بِنُجْحِ طَلِبَتِيْ وَقَضَآءِ
حَاجَتِيْ وَنَيْلِ سُؤْلِيْ قَبْلَ زَوَالِيْ عَنْ
مَّوْقِفِيْ هٰذَا بِتَيْسِيْرِكَ لِيَ الْعَسِيْرَ وَ
حُسْنِ تَقْدِيْرِكَ لِيْ فِيْ جَمِيْعِ الْاُمُوْرِ

نہیں ہوتا۔ اور یقیناً تیرا ہاتھ[1] عطا کرنے میں بلند ہے ہر ایک ہاتھ
سے۔ اے اللہ! پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولادؑ پر
اور مجھے اپنے کرم سے تفضل کی بناء پر صلہ دے[2] اور اپنے عدل
سے (میرے) استحقاق کی بناء پر صلہ نہ دے۔ کیونکہ میں پہلا[3] متوجہ ہونے
والا نہیں ہوں جس نے توجہ کی ہو تیری جانب۔ اور تو نے اس حالت
میں عطا نہ[4] کیا ہو جبکہ وہ منع کر دینے کا سزاوار تھا اور نہ پہلا سائل
ہوں جس نے تجھ سے مانگا ہو اور تو نے اس پر اس حالت میں فضل نہ
کیا ہو جبکہ وہ محروم ہونے کے لائق تھا۔ اے اللہ رحمت نازل کر
تو محمدؐ پر اور ان کی اولادؑ پر اور میری دعا کو قبول فرما اور میری آواز
سے قریب ہو اور میری عاجزی (و گریہ زاری) پر رحم کر اور میری
آواز کو سن اور اپنے (دربار) سے مجھے ناامید نہ کر اور اپنے آپ سے
میری وابستگی[5] کو قطع نہ کر۔ اور مجھے اپنی اس حاجت میں اور اس
کے علاوہ (باقی) حاجتوں میں اپنے غیر کی جانب متوجہ مت ہونے دے
اور میری سرپرستی کر، میرا مطلب[6] بر لانے میں، اور میری حاجت
پوری کرنے میں اور میری منہ مانگی مراد دینے میں قبل اس کے کہ میں
اس مقام سے اٹھوں[7] (نیز) میری مشکل کو آسان کرنے میں، اور
میرے تمام کاموں کے متعلق اچھا[8] فرمان جاری کرنے میں (میری

---

۱ مجازاً قدرت مراد ہے کیونکہ خدا جسم و جسمانیات سے منزہ ہے۔

۲ لفظی معنی یہ ہیں کہ مجھے اپنے کرم سے تفضل پر بار کر دے مراد یہ ہے کہ بنا بر تفضل صلہ دے۔

۳ یعنی مجھ سے پہلے ایسے بہت سے سائل تیرے سامنے اپنے اعمال کے اعتبار سے منع کیے جانے کے سزاوار تھے مگر تو نے ان سے انکار نہ کیا اور ان پر اپنے تفضل سے رحمت فرمائی۔ ۴ عربی میں اس مقام پر مثبت فعل استعمال کرتے ہیں مگر اردو کے روزمرہ میں اس معنی کے لیے منفی فعل استعمال کیا جاتا ہے۔

۵ سبب کے لغوی معنی رسی کے ہیں جس سے یہاں پر بطور مجازِ مرسل وابستگی مراد لی گئی ہے۔ اس قرینے سے کہ رسی بندش اور وابستگی کا ذریعہ ہوتی ہے۔

۶ "طلبتی" کا ترجمہ جو اسی سطر میں مذکور ہے۔

۷ زوالی کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں آیا ہے۔

۸ یہ فقرے "تولنی" فعل مذکور سے متعلق ہیں۔

وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ صَلٰوةً دَائِمَةً نَامِيَةً لَا انْقِطَاعَ لِاَبَدِهَا وَ لَا مُنْتَهٰى لِاَمَدِهَا وَاجْعَلْ ذٰلِكَ عَوْنًا لِيْ وَ سَبَبًا لِنَجَاحِ طَلِبَتِيْ اِنَّكَ وَاسِعٌ كَرِيْمٌ وَ مِنْ حَاجَتِيْ يَا رَبِّ كَذَا وَكَذَا ه

وَتَذْكُرُ حَاجَتَكَ ثُمَّ تَسْجُدُ وَتَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِكَ" فَضْلُكَ اٰنَسَنِيْ وَاِحْسَانُكَ دَلَّنِيْ فَاَسْئَلُكَ بِكَ وَ بِمُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِمْ اَنْ لَا تَرُدَّنِيْ خَائِبًا يَا رَحِيْمُ[2]

سرپرستی کر) اور محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر (ایسی رحمت) جو دوامی ہو، ہر دم بڑھتی ہے، کبھی منقطع نہ ہو اس کی ہمیشگی، اور اس کی حد کی کوئی انتہا نہ ہو اور اس (عنایت کے عمل کو) میرے لیے مددگار اور ذریعہ بنا میرے مطلب کے پورا ہونے کا۔ بے شک تو بڑی بخشش والا اکرم ہے۔ اور میری حاجت اے میرے پالنے والے یہ اور یہ ہے۔

"یہاں اپنی حاجت بیان کرو۔ پھر سجدے میں جاؤ اور کہو"

تیرے فضل[1] نے مجھے مطمئن کیا اور تیرے احسان نے مجھے تیری طرف راہ دی پس میں سائل ہوں تجھ سے تیرے واسطے سے اور محمدؐ اور ان کی اولاد کے واسطے سے، ان سب پر تیری رحمت ہو، اس بات کا کہ مجھے تو بے امید واپس نہ کر اے سب پر رحم[2] کرنے والے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا اعْتُدِيَ عَلَيْهِ اَوْ رَاٰى مِنَ الظّٰلِمِيْنَ مَا لَا يُحِبُّ

حضرت زین العابدین پر جب کوئی ظلم کرتا تھا یا آپ ظالموں کا کوئی ناپسندیدہ فعل دیکھتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

يَا مَنْ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ اَنْبَاءُ الْمُتَظَلِّمِيْنَ وَ يَا مَنْ لَا يَحْتَاجُ فِيْ قَصَصِهِمْ اِلٰى شَهَادَاتِ الشَّاهِدِيْنَ وَ يَا مَنْ قَرُبَتْ نُصْرَتُهٗ مِنَ الْمَظْلُوْمِيْنَ وَ يَا مَنْ بَعُدَ عَوْنُهٗ عَنِ الظَّالِمِيْنَ قَدْ عَلِمْتَ يَا اِلٰهِيْ مَا نَالَنِيْ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ[3] مِمَّا حَظَرْتَ عَلَيْهِ

اے وہ (معبود) جس سے فریاد کرنے والوں کی کوئی خبر مخفی نہیں اور اے وہ (معبود) جو ان کی داستانوں میں گواہوں کی گواہیوں کا محتاج نہیں۔ اور اے وہ (معبود) جس کی امداد مظلوموں سے قریب ہے اور اے وہ (معبود) جس کی مدد ظالموں سے دور (رہتی) ہے، ضرور جانتا ہے تو اے میرے مالک! اس (نقصان یا تکلیف) کو جو فلاں بن فلاں سے مجھے پہنچی ہے، اس عمل[3] کی وجہ سے جس کو تو نے اس پر

---

۱ یعنی میں یا تیرے فضل و کرم پر نظر کر کے مطمئن ہوں کہ میری حاجت ضرور پوری ہو گی۔

۲ بعض نسخوں میں یا رحیم کا لفظ اس دعا میں شامل نہیں۔ اس لیے مناسب ہے کہ اس کلمہ کو محض ذکر کی نیت سے پڑھا جائے۔

۳ ظلم کی طرف اشارہ ہے یعنی اس ظلم کی وجہ سے جو شریعت میں حرام ہے۔ ظالم کے ظلم کو ان لفظوں میں بیان کر کے بارگاہ ایزدی میں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ فقط یہی نہیں کہ بوجہ ظلم کرنے کی وجہ سے سزاوار سزا ہے بلکہ اس لیے بھی کہ اس نے تیرے حکم کی مخالفت کی ہے۔

حضرت زین العابدین یہاں ظالم کا اور اس کے باپ کا نام لیتے تھے۔ دیکھو حاشیہ ۵ صفحہ ۶۹

وَانْتَهَكَهُ مِنِّيْ مِمَّا حَجَرْتَ عَلَيْهِ بَطَرًا
فِيْ نِعْمَتِكَ عِنْدَهُ وَاغْتِرَارًا بِنَكِيْرِكَ عَلَيْهِ
اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَخُذْ
ظَالِمِيْ وَعَدُوِّيْ عَنْ ظُلْمِيْ بِقُوَّتِكَ
وَافْلُلْ حَدَّهُ عَنِّيْ بِقُدْرَتِكَ وَاجْعَلْ
لَهُ شُغُلًا فِيْمَا يَلِيْهِ وَعَجْزًا عَمَّا
يُنَاوِيْهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِهٖ وَلَا تُسَوِّغْ لَهُ ظُلْمِيْ وَ
اَحْسِنْ عَلَيْهِ عَوْنِيْ وَاعْصِمْنِيْ مِنْ
مِثْلِ اَفْعَالِهٖ وَلَا تَجْعَلْنِيْ فِيْ
مِثْلِ حَالِهٖ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى

حرام[1] کیا تھا۔ اور رسوا[2] کیا ہے اس نے اپنے آپ کو میرے[3] برتاؤ سے، اس بات کی بنا پر جو تو نے اس پر ممنوع کردی تھی (یہ سب اس نے) تیری اس نعمت میں مست ہو کر کیا ہے) جو اس کے پاس ہے اور اس کے خلاف تیرے کارروائی نہ کرنے سے دھوکا کھا کر (اس نے ایسا کیا ہے) اے اللہ پس درود بھیج تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور گرفتار کر میرے ظالم اور میرے دشمن کو مجھ پر ظلم کرنے کی بنا پر اپنی (خدائی کی) طاقت سے۔ اور اس کی دھار[4] کو اپنی قدرت (و قوت) سے کند کر دے۔ اور اسے ایسے کام[5] میں لگا دے جو اس سے قریب[6] ہے اور (اس کام سے) عاجز کر دے جس کا وہ قصد کرتا ہے۔ اے اللہ رحمت نازل کر محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور اس (دشمن) کو مجھ پر ظلم کرنے کی مہلت[7] نہ دے، اور اس کے مقابلہ میں میری اچھی طرح

---

[1] ایک نسخۂ قلمی اور ایک مطبوعہ صحیفہ میں خَطَرْتَ لکھا ہوا ہے مگر اس کے معنی دونوں مترجموں نے "تو نے حرام کیا" ہی لکھے ہیں۔ یہ معنی از روئے لغت حَظَرْتَ کے ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ دونوں جگہ کاتب نے کتابت میں غلطی کی ہے اور ظ کا نقطہ ح پر لگایا ہے۔

[2] ایک مترجم فارسی نے اور اس کی تاسی میں دوسرے مترجم اردو نے اِنْتَھَکَ کے معنی "حد سے زیادہ کیا" لکھے ہیں مگر لغت عرب میں یہ لفظ اس معنی میں کسی جگہ نہیں آیا۔ اہل لغت نے اس کے صرف دو معنی بیان کیے ہیں "بے آبرو کیا اور چال چلن بگاڑ دیا" جن میں سے پہلے معنی اس جگہ مراد ہیں۔

[3] لفظی معنی "مجھ سے"۔ میری جانب سے میری نسبت سے میرے عمل سے، مجازاً میرے برتاؤ سے۔ مراد یہ ہے کہ ظالم کے ظلم پر میں نے حلم و تحمل سے کام لیا اور میرے اس عمل نے اسے رسوا کر دیا۔ کیونکہ جب کوئی شخص ظلم کا جواب ظلم سے دے تو ظالم خود ہی رسوا ہو کر رہ جاتا ہے۔

[4] استعارہ بالکنایہ کے طور پر دشمن کو تلوار سے تشبیہ دے کر اس (تلوار) کا لازم (دھار) ذکر کر دیا ہے۔ اس استعارے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تلوار کی دھار کاٹتی ہے اور اس سے جسم کو تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح میرا دشمن اپنے ظلم سے مجھے تکلیف پہنچاتا ہے۔ الٰہی تو اسے ایسا کر دے جیسے کند تلوار۔ کہ اگر وہ کسی کے مار دی جائے تو کاٹ نہیں کرتی اسی طرح دشمن اگر مجھ پر ظلم کرے تو مؤثر نہ ہو۔

[5] دشمن کے لیے ایسی تعمیری دعا وہ اولیاء اللہ ہی کر سکتے ہیں جن کا ظرف عام انسانوں سے بلند ہوتا ہے۔

[6] یعنی اصلاحِ نفس و حال جو ہر شخص کی فطرت سے قریب تر ہے۔

[7] ایک مترجم فارسی (و اردو) نے ان کلمات کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ "اس کے لیے مجھ پر ظلم کرنا جائز نہ کر" چونکہ اس ترجمے میں قدرت کے متعلق اصلی معنوں میں ظلم کے جائز کر دینے کا اشتباہ ہوتا ہے اس لیے یہ ترجمہ مناسب نہیں۔

مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَعْدِنِیْ عَلَیْهِ
عَدْوٰی حَاضِرَةً تَكُوْنُ مِنْ
غَیْظِیْ بِهٖ شِفَآءً وَ مِنْ حَنَقِیْ
عَلَیْهِ وَفَآءً اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی
مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ عَوِّضْنِیْ مِنْ ظُلْمِهٖ
لِیْ عَفْوَكَ وَ اَبْدِلْهُ بِسُوْٓءِ
صَنِیْعِهٖ رَحْمَتَكَ فَكُلُّ مَكْرُوْهٍ
جَلَلٌ دُوْنَ سَخَطِكَ وَ كُلُّ
مَرْزِئَةٍ سَوَآءٌ مَعَ مَوْجِدَتِكَ
اَللّٰهُمَّ فَكَمَا كَرِهْتَ لِیْ اَنْ اُظْلَمَ
فَقِنِیْ مِنْ اَنْ اَظْلِمَ اَللّٰهُمَّ
لَا اَشْكُوْا اِلٰی اَحَدٍ سِوَاكَ وَ لَا
اَسْتَعِیْنُ بِحَاكِمٍ غَیْرِكَ حَاشَاكَ
فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ صِلْ
دُعَآئِیْ بِالْاِجَابَةِ وَ اقْرِنْ شِكَایَتِیْ
بِالتَّغْیِیْرِ اَللّٰهُمَّ لَا تَفْتِنِّیْ بِالْقُنُوْطِ

امداد کر۔ اور مجھ کو اس کے جیسے کاموں سے محفوظ رکھ۔ اور مجھے اس کی
جیسی حالت میں نہ قرار دے۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان
کی اولاد پر اور اس کے مقابلے پر میری فوری[1] امداد کر جس سے میرے
غصّے کی تسکین[2] ہو جائے جو کہ اس کے خلاف ہے۔ اور اس عداوت کا
خاتمہ[3] ہو جو مجھے اس سے ہو گئی ہے۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ
پر اور ان کی اولاد پر اور اس نے مجھ پر جو ظلم کیا ہے اس کے عوض میں
مجھے اپنی بخشش کرامت کر۔ اور معاوضہ دے مجھ کو اس برائی کا جو اس
(دشمن) نے میرے ساتھ کی ہے اپنی رحمت[4] سے۔ اس لیے کہ ہر مصیبت
ہیچ ہے تیری ناراضی کے وقت۔ اور ہر آفت (چاہے چھوٹی ہو یا
بڑی) برابر ہے۔ اس وقت جبکہ تو غضب[5] ناک ہو۔ اے اللہ! پس
جس طرح تو نے ناپسندیدہ بنائی ہے یہ بات میری نگاہ میں کہ مجھ پر
ظلم کیا جائے (اسی طرح) مجھے اس بات سے بچا کہ میں ظالم ہوں۔ اے
اللہ! میں تیرے علاوہ کسی سے شکایت نہیں کرتا اور نہیں امداد چاہتا
کسی حاکم سے تیرے سوا ہرگز نہیں بس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور
ان کی اولاد پر اور پہنچا دے میری دعا کو قبولیت تک۔ اور قریب کر
دے[6] میری شکایت کو تبدیل (حال) سے۔ اے اللہ! مت فتنہ میں

---

[1] ایک مطبوعہ ترجمہ میں اس جگہ "فوری" کے بجائے "پدری" کا لفظ لکھا ہے، جن کے پاس یہ ترجمہ ہو، درست کر لیں۔

[2] یہ تکون الخ کا ترجمہ ہے جو دُسری کی سطر میں مذکور ہے۔

[3] اس جملے کا ترجمہ مترجم فارسی دارد ونے یہ کیا ہے کہ "میرے سخت کینہ کو جو اس سے ہے پورا کر دے" مترجمین کا یہ جملہ جس مفہوم کو ادا کرتا ہے وہ دعائے زین العابدین کا مقصود نہیں۔ بلکہ اصل مراد وہ ہے جو زیرِ نظر ترجمہ میں پیش کی گئی ہے۔ وفاء کے معنی لغت میں ادائیگی قرض اور تکمیل وعدہ کے ہیں اور یہ دونوں معنی اختتام کے متلزم ہیں۔ اس لیے بطور مجاز مرسل اس لفظ سے خاتمہ عداوت مراد لینا نہ صرف درست ہے بلکہ سیاق کلام میں ضروری ہے۔ جیسا کہ بعد کے جملوں سے یہ نظریہ زیادہ واضح ہوتا ہے۔

[4] یعنی اپنی رحمت معاوضہ میں عطا کر۔

[5] مراد یہ ہے کہ تو اپنی بخشش اور رحمت عطا فرمائے تو ان سب ظلموں اور مصیبتوں کی مجھے کوئی پروا نہیں۔

[6] یعنی میری شکایت دور کر دے۔

مِنْ اِنْصَافِكَ وَلَا تَفْتِنْهُ بِالْاَمْنِ
مِنْ اِنْكَارِكَ فَيُصِرَّ عَلٰى ظُلْمِيْ وَ
يُحَاضِرَنِيْ بِحَقِّيْ وَعَرِّفْهُ عَمَّا
قَلِيْلٍ مَا اَوْعَدْتَ الظَّالِمِيْنَ وَعَرِّفْنِيْ
مَا وَعَدْتَ فِيْ اِجَابَةِ الْمُضْطَرِّيْنَ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَوَفِّقْنِيْ
لِقَبُوْلِ مَا قَضَيْتَ لِيْ وَعَلَيَّ وَرَضِّنِيْ
بِمَا اَخَذْتَ لِيْ وَمِنِّيْ وَاهْدِنِيْ
لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَاسْتَعْمِلْنِيْ بِمَا
هُوَ اَسْلَمُ اَللّٰهُمَّ وَاِنْ كَانَتِ الْخِيَرَةُ
لِيْ عِنْدَكَ فِيْ تَاْخِيْرِ الْاَخْذِ لِيْ وَتَرْكِ
الْاِنْتِقَامِ مِمَّنْ ظَلَمَنِيْ اِلٰى يَوْمِ

ڈال مجھ کو اپنے انصاف سے ناامید[1] ہو جانے کے۔ اور اسے (دشمن کو)
اپنے ڈھیل دینے سے بے خوف رہنے پر مفتون نہ کر۔ ورنہ وہ اصرار کرے
گا مجھ پر ظلم کرنے میں اور میرا حق چھیننے میں میرا مقابلہ کرے گا۔ اور پہنچوا
دے (دکھا دے) اس کو بہت جلد وہ (انجام) جس کا وعدہ فرمایا ہے
تو نے ظالموں سے اور مجھے بھی وہ قبولیتِ دعا دکھا دے جس کا تو نے
بیکسوں سے وعدہ فرمایا ہے۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور
ان کی اولاد پر اور مجھے اس بات کے پسند کرنے کی توفیق دے جو تو
نے میرے نفع اور نقصان کے لیے مقرر کی ہے اور میرے لیے اور
مجھ سے جو کچھ تو نے لے لیا ہے، اس کے عوض مجھے ایسا عطیہ[2] دے کہ
خوش ہو جاؤں۔ اور مجھے سیدھے راستے کی ہدایت[3] کر اور مجھے اس[4]
کام میں لگا جو صالح تر ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک میری بھلائی
ظالم کو تاخیر سے گرفتار کرانے (اور پکڑنے) میں اور اس دن تک

---

۱ خدائے تعالیٰ کے انصاف سے ناامید ہو جانے کو فتنہ سے تعبیر فرمایا ہے جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ مردِ مومن کو قنوطیت سے پرہیز کرنا چاہیئے۔

۲ "رضّنی" کے لغوی معنی ہیں مجھے خوش کرنے کے لائق دے یعنی ایسا عطیہ دے کہ خوش ہو جاؤں۔

۳ کتب دینیہ خصوصاً تفاسیر میں بتایا گیا ہے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت آٹھ طریقوں سے مانی گئی ہے اول یہ کہ وہ انبیاء کو بھیج کر شریعت منضبط کے ذریعہ بندوں کی ہدایت کرتا ہے چنانچہ اس نے مختلف اوقات و ازمنہ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو بھیج کر بندوں کی ہدایت فرمائی۔ دوسرے یہ کہ وہ الہام، القاء اور خواب وغیرہ کے ذریعہ اپنے پوشیدہ راز اہل اللہ پر ظاہر فرماتا ہے تیسرے معرفت اور محبت کے ذریعہ ان بندوں کو جو دنیا سے ترک تعلق کر چکے ہیں اور قدرت الٰہی کے مشاہدے اور اس کے مظاہر سے محظوظ ہوتے رہتے ہیں انھیں کشف و یقین کے ذریعہ مقام قرب میں آنے کی راہیں دکھاتا ہے۔ چوتھے مشاورت کے دوران بشرطیکہ وہ شرائط و اصول مقررہ کے تحت ہو۔ راہ راست نظر آ جانے کی صورتیں اور اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ پانچویں جب کوئی اہل علم و خبر، مسائل میں غور و خوض کرتا ہے تو استنباط و استخراج کے ذریعہ اسے راہ صواب دکھاتا ہے۔ چھٹے حصول منفعت اور دفع مضرت کی طرف ہوش و حواس و عقل کے ذریعہ سے جو کہ اسی کے عطا کیے ہوئے ہیں صحیح راستہ دکھا دیتا ہے جیسا کہ فرماتا ہے: "کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی" ساتویں عقلی دلیلیں قائم کر کے رہنمائی کرتا ہے جن سے حق اور باطل نمایاں طور پر الگ الگ نظر آنے لگتے ہیں۔ جیسا کہ خود فرماتا ہے "وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ" یعنی ہم نے انسان کو نیکی اور راستی کا راستہ دکھا کر دونوں کی پہچان اور دلیلیں بتا دی ہیں۔ آٹھویں فطری احساس کے ذریعہ صحیح راستے پر گامزن ہونے کی طرف متوجہ کرتا ہے جس کی ہزاروں مثالیں ہم صبح سے شام تک دیکھتے رہتے ہیں۔

۴ یہ "ما" کا ترجمہ ہے جو اگلی سطر میں ہے۔

الْفَصْلِ وَ مَجْمَعِ الْخَصْمِ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ اَيِّدْنِىْ مِنْكَ بِنِيَّةٍ صَادِقَةٍ وَّصَبْرٍ دَآئِمٍ وَ اَعِذْنِىْ مِنْ سُوْٓءِ الرَّغْبَةِ وَ هَلَعِ اَهْلِ الْحِرْصِ وَ صَوِّرْ فِىْ قَلْبِىْ مِثَالَ مَا اَذْخَرْتَ لِىْ مِنْ ثَوَابِكَ وَ اَعْدَدْتَ لِخَصْمِىْ مِنْ جَزَآئِكَ وَ عِقَابِكَ وَ اجْعَلْ ذٰلِكَ سَبَبًا لِقَنَاعَتِىْ بِمَا قَضَيْتَ وَ ثِقَتِىْ بِمَا تَخَيَّرْتَ اٰمِيْنَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ اِنَّكَ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔

جبکہ فیصلہ ہوگا اور جھگڑنے والے جمع ہوں گے ظالم سے بدلہ لینے کو ترک کردیتے ہیں سے تو پھر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت بھیج اور اپنی جانب سے میری مدد کر سچی نیت[1] اور دوامی صبر دے کر۔ اور مجھے بری خواہش اور لالچیوں کے سے اضطراب سے پناہ میں رکھ اور میرے دل میں اس ثواب کی تصویر کھینچ دے جو تو نے اکٹھا کر رکھا ہے اور[2] (بدلہ اور عذاب کی تصویر کھینچ دے) جو تو نے میرے دشمن کے لیے مہیا کیا ہے اور بنا دے اس (تصویر) کو ذریعہ میری قناعت کا، اس حکم پر جو تو نے جاری کیا ہے (میرے معاملہ میں) اور میرے بھروسے کا اس بات پر جو تو نے بہتر سمجھی ہے۔ آمین! اے تمام جہانوں کے پالنے والے! بیشک تو بڑے فضل والا ہے اور تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا مَرِضَ اَوْ نَزَلَ بِهٖ كَرْبٌ اَوْ مُلِمَّةٌ

حضرت زین العابدین بیمار ہوجانے یا کوئی تکلیف یا مصیبت نازل ہونے کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا لَمْ اَزَلْ اَتَصَرَّفُ فِيْهِ مِنْ سَلَامَةِ بَدَنِىْ وَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا اَحْدَثْتَ بِىْ مِنْ عِلَّةٍ فِىْ جَسَدِىْ فَمَا اَدْرِىْ يَآ اِلٰهِىْ اَىُّ الْحَالَيْنِ اَحَقُّ بِالشُّكْرِ لَكَ وَ اَىُّ الْوَقْتَيْنِ اَوْلٰى بِالْحَمْدِ

اے اللہ! میں ہمیشہ جس سلامتی بدن[3] میں کروٹیں لیتا رہا[4] اس پر سب تعریفیں (اور سب شکر) تیرے ہی لیے ہے اور میرے جسم کو جو بیماری تو نے عارض کردی ہے اس پر (بھی) تو تمام تر شکر کا مستحق ہے پس نہیں جانتا میں اے میرے معبود! (ان) دونوں حالتوں میں سے کون سی زیادہ تیرے شکریہ کے لائق ہے اور دونوں وقتوں میں سے کون سا تیری حمد کا زیادہ سزاوار ہے ۔۔۔ آیا وہ تندرستی کا وقت (زیادہ قابل شکر

---

[1] بِنِيَّةٍ کی ب کا ترجمہ ہے۔

[2] یہ اَعْدَدْتَ کا ترجمہ ہے جو اسی سطر میں مذکور ہے۔

[3] بہ بدنی کا ترجمہ ہے جو اگلی سطر میں مذکور ہے۔

[4] اَتَصَرَّفُ رہا، چلتا پھرتا رہا۔ یا کروٹیں لیتا رہا۔ مراد یہ ہے کہ رہا۔

لَكَ اَوْقَتُ الصِّحَّةِ الَّتِيْ هَنَّأْتَنِيْ فِيْهَا طَيِّبَاتِ
رِزْقِكَ وَ نَشَّطْتَنِيْ بِهَا لِابْتِغَآءِ مَرْضَاتِكَ
وَ فَضْلِكَ وَ وَقَوَّيْتَنِيْ مَعَهَا عَلٰى مَا وَفَّقْتَنِيْ
لَهٗ مِنْ طَاعَتِكَ اَمْ وَقْتُ الْعِلَّةِ الَّتِيْ
مَحَّصْتَنِيْ بِهَا وَالنِّعَمِ الَّتِيْ اَتْحَفْتَنِيْ بِهَا
تَخْفِيْفًا لِمَا ثَقُلَ بِهٖ عَلٰى ظَهْرِيْ مِنَ
الْخَطِيْئَاتِ وَ تَطْهِيْرًا لِمَا انْغَمَسْتُ فِيْهِ مِنَ
السَّيِّئَاتِ وَ تَنْبِيْهًا لِتَنَاوُلِ التَّوْبَةِ وَ تَذْكِيْرًا
لِمَحْوِ الْحَوْبَةِ بِقَدِيْمِ النِّعْمَةِ وَ فِيْ خِلَالِ
ذٰلِكَ مَا كَتَبَ لِيَ الْكَاتِبَانِ مِنْ زَكِيِّ الْاَعْمَالِ
مَا لَا قَلْبٌ فَكَّرَ فِيْهِ وَلَا لِسَانٌ نَطَقَ بِهٖ وَ
لَا جَارِحَةٌ تَكَلَّفَتْهُ بَلْ اِفْضَالًا مِنْكَ عَلَيَّ

ہے جس میں تو نے مجھے محظوظ[1] کیا پاک نعمتوں سے۔ اور جس میں مجھے اپنے
فضل اور اپنی پسندیدہ چیزوں کا خواہشمند بنا کر مسرور کیا اور ساتھ ہی
ساتھ اپنی اس عبادت کی جس کی تو نے مجھے توفیق دی ہے
یا اس بیماری کا وقت زیادہ شکر کے قابل ہے) جس سے تو نے میری آزمائش
کی اور ان نعمتوں[2] کا وقت جنھیں تو نے مجھ کو تحفے میں دیا، ہلکا کرنے کے
لیے ان خطاؤں کے جن کا میری پشت پر بوجھ تھا۔ اور ان برائیوں[3] سے
پاک کرنے کے لیے ہیں جن میں ڈوبا ہوا ہوں اور توبہ پر آمادہ کرانے کے
لیے اور قدیم نعمتوں[4] پر شکر نہ کرنے (کی عادت) کو چھوڑ دینے کی یاد دلانے
کے لیے۔ اور اس[5] کے دوران وہ پاک اعمال بھی ہیں جو کراماً کاتبین نے
میرے نامۂ[6] میں لکھے ہیں۔ جو کہ ایسے[7] ہیں کہ نہ دل نے کبھی انھیں
سوچا اور نہ زبان نے کبھی انھیں ادا کیا اور نہ کوئی عضو بدن انھیں بجا
لایا، بلکہ محض مجھ پر تیری مہربانی سے اور تیرے کرم کے احسان سے

---

[1] 'هَنَّأْتَنِيْ' کا لفظی ترجمہ ہے 'تو نے مجھ کو گوارا کیا'، مجازاً محظوظ کیا۔

[2] بیماری کی تکالیف کو اس بناء پر کہ اہل اللہ کو ابتلاء میں لذت محسوس ہوتی ہے، 'نعم' سے تعبیر فرمایا۔

[3] یہ 'فِيْهِ مِنَ السَّيِّئَاتِ' کا ترجمہ ہے جو اگلی سطر میں مذکور ہے۔ [4] یہ 'بِقَدِيْمِ النِّعْمَةِ' کا ترجمہ ہے جو بعد کی سطر میں مذکور ہے۔

[5] یعنی مرض کے زمانے میں۔ [6] یعنی میرے اعمال حسنہ کی فہرست میں درج کیے ہیں۔

[7] یعنی جن کا حال نہ میرے دل کو معلوم ہے نہ زبان کو اور نہ اعضائے جسم کو۔ ان الفاظ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور دونوں اس جگہ درست ہیں۔ اول یہ کہ ان سے وہ اعمال مراد ہیں جو زہد و ریاضت اور کثرت عبادت کے بعد اعمال حسنہ کا ایک ملکہ اور عادت پیدا ہو جانے کی وجہ سے ارباب تقرب سے سرزد ہوتے ہیں اور انھیں پتہ تک نہیں چلتا کہ انھوں نے کیا نیکی کی۔ وہ پے در پے نیکی پر نیکی کرتے چلے جاتے ہیں۔ ایک نیکی کی نیت ہوتی ہے اور اس کے ضمن میں متعدد نیکیاں کر گزرتے ہیں
—— دوسرے یہ کہ بعض احادیث میں آیا ہے کہ جب کوئی مومن عبادت گزار بیمار ہوتا ہے اور بوجہ ضعف و نقاہت عبادت الٰہی (اپنی تندرستی کے زمانے کی مثل) ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے اور اسے خیال آتا ہے کہ کاش میں تندرست ہوتا اور عبادت کرتا تو کراماً کاتبین کو خدائے تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ یہ شخص اپنی تندرستی میں جن جن اوقات میں جو جو عبادات بجا لاتا تھا، وہی عبادتیں ان اوقات میں اس کے نامۂ اعمال میں درج کرتے رہو کیونکہ اسے میں نے اس امتحان میں مبتلا کیا ہے اور اس کی جانب سے کوئی کوتاہی وقوع میں نہیں آئی۔

وَ اِحْسَانًا مِنْ صُنْعِكَ اِلَیَّ اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ حَبِّبْ اِلَیَّ مَا رَضِیْتَ لِیْ وَ یَسِّرْ لِیْ مَا اَحْلَلْتَ بِیْ وَ طَهِّرْنِیْ مِنْ دَنَسِ مَا اَسْلَفْتُ وَ امْحُ عَنِّیْ شَرَّ مَا قَدَّمْتُ وَ اَوْجِدْنِیْ حَلَاوَةَ الْعَافِیَةِ وَ اَذِقْنِیْ بَرْدَ السَّلَامَةِ وَ اجْعَلْ مَخْرَجِیْ عَنْ عِلَّتِیْ اِلٰی عَفْوِكَ وَ مُتَحَوَّلِیْ عَنْ صَرْعَتِیْ اِلٰی تَجَاوُزِكَ وَ خَلَاصِیْ مِنْ كَرْبِیْ اِلٰی رَوْحِكَ وَ سَلَامَتِیْ مِنْ هٰذِهِ الشِّدَّةِ اِلٰی فَرَجِكَ اِنَّكَ الْمُتَفَضِّلُ بِالْاِحْسَانِ الْمُتَطَوِّلُ بِالْاِمْتِنَانِ الْوَهَّابُ الْكَرِیْمُ ذُو الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ

ہیں۔ اے اللہ پس محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور میرے لیے اس بات کو محبوب بنا دے جو تو میرے لیے پسند کرے۔ اور جو (حالت) تو نے مجھ پر طاری کی ہے اسے میرے لیے آسان کر دے۔ اور جو بُری بات ہیں نے سابق میں کی ہو اس سے مجھے پاک کر دے۔ اور مٹا دے میری اس بدی کو جو میں نے پہلے کی ہو۔ اور تندرستی کی مٹھاس سے مجھ کو کامگار کر۔ اور چکھا دے مجھ کو سلامتی کی ٹھنڈک۔ اور مجھے میری بیماری سے اپنی بخشش تک نکال کرلے جا۔ اور پھیر دے[1] مجھ کو میرے پڑے رہنے سے اپنی درگزر کی طرف۔ اور چھڑا کر لے جا مجھ کو میری تکلیف سے اپنی راحت کی جانب۔ اور اس سختی سے اپنی شادمانی کی جانب صحیح سلامت پہنچا دے۔ بے شک تو استحقاق سے زیادہ مہربانی کرنے والا ہے۔ (اپنے) احسان سے۔ اور احسان کو طول دے کر بہت زیادہ بخشنے والا اور کرم کرنے والا، صاحب بزرگی و جلال ہے۔

وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِذَا اسْتَقَالَ مِنْ ذُنُوْبِهٖ اَوْ تَضَرَّعَ فِیْ طَلَبِ الْعَفْوِ عَنْ عُیُوْبِهٖ

حضرت زین العابدین جب اپنے گناہوں کی بخشش چاہتے یا اپنے عیوب کی معافی کے لیے عاجزی کا اظہار کرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ یَا مَنْ بِرَحْمَتِهٖ یَسْتَغِیْثُ الْمُذْنِبُوْنَ وَ یَا مَنْ اِلٰی ذِكْرِ اِحْسَانِهٖ یَفْزَعُ الْمُضْطَرُّوْنَ وَ یَا مَنْ لِخِیْفَتِهٖ یَنْتَحِبُ الْخَاطِئُوْنَ یَا اُنْسَ كُلِّ مُسْتَوْحِشٍ غَرِیْبٍ وَ یَا فَرَجَ كُلِّ مَكْرُوْبٍ كَئِیْبٍ وَ یَا غَوْثَ كُلِّ مَخْذُوْلٍ فَرِیْدٍ وَ یَا عَضُدَ كُلِّ مُحْتَاجٍ طَرِیْدٍ اَنْتَ

اے اللہ! اے وہ (معبود) کہ جس کی رحمت کے باعث (یا رحمت کے بھروسے پر) فریاد کرتے ہیں گنہگار (بندے) اور اے وہ (معبود) جس کے احسان کے ذکر کی جانب بے سہارا (اور مضطر) لوگ پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ اور اے وہ (معبود) جس کے خوف سے خطاکار بندے گڑگڑا کر روتے ہیں اور اے ہر وحشت زدہ غریب کے انیس و ہمدم۔ اور اے ہر غمگین و دل شکستہ کی شادمانی (کے سبب)! اور اے ہر یکہ و تنہا ذلیل و خوار کے فریادرس اور

---

[1] اس جملے سے پہلے جو معادنِ فعل "اجعل" آیا ہے اس کے بعد کے چاروں اشباہ فعل اس کے مفعول ہیں بنا بریں اجعل مخرجی ۔ اجعل متحولی اجعل خلاصی ۔ اور اجعل سلامتی کا ترجمہ علی الترتیب نکال کرلے جا پھیر دے مجھ کو۔ چھڑا کر لے جا۔ اور صحیح سلامت پہنچا دے کیا گیا ہے۔

الَّذِیْ وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَحْمَةً وَّ عِلْمًا وَّ
اَنْتَ الَّذِیْ جَعَلْتَ لِکُلِّ مَخْلُوْقٍ فِیْ نِعَمِكَ
سَهْمًا وَّ اَنْتَ الَّذِیْ عَفْوُهٗ اَعْلٰی مِنْ عِقَابِهٖ
وَ اَنْتَ الَّذِیْ تَسْعٰی رَحْمَتُهٗ اَمَامَ غَضَبِهٖ وَ
اَنْتَ الَّذِیْ عَطَاؤُهٗ اَکْثَرُ مِنْ مَنْعِهٖ وَ
اَنْتَ الَّذِی اتَّسَعَ الْخَلَائِقُ کُلُّهُمْ فِیْ
وُسْعِهٖ وَ اَنْتَ الَّذِیْ لَا یَرْغَبُ فِیْ جَزَاءِ
مَنْ اَعْطَاهُ وَ اَنْتَ الَّذِیْ لَا یُفْرِطُ فِیْ
عِقَابِ مَنْ عَصَاهُ وَ اَنَا یَا اِلٰهِیْ عَبْدُكَ
الَّذِیْ اَمَرْتَهٗ بِالدُّعَاءِ فَقَالَ لَبَّیْكَ
وَ سَعْدَیْكَ هَا اَنَا ذَا یَا رَبِّ مَطْرُوْحٌ
بَیْنَ یَدَیْكَ اَنَا الَّذِیْ اَوْقَرَتِ
الْخَطَایَا ظَهْرَهٗ وَ اَنَا الَّذِیْ اَفْنَتِ
الذُّنُوْبُ عُمْرَهٗ وَ اَنَا الَّذِیْ بِجَهْلِهٖ
عَصَاكَ وَ لَمْ تَکُنْ اَهْلًا مِنْهُ

اے ہر اس بھکاری کے مددگار[1] جسے سب نے جھڑک دیا ہو! تو ہی وہ ہے
جو چھایا ہوا ہے[2] ہر شے پر رحمت اور علم سے اور تو ہی وہ ہے جس نے
رکھا ہے کل مخلوقات کے لیے اپنی نعمتوں میں حصّہ۔ اور تو ہی وہ ہے
جس کی بخشش اس کے عذاب سے بڑی[3] ہے۔ اور تو ہی وہ ہے
جس کی رحمت اس کے غضب کے آگے آگے چلتی ہے۔ اور تو ہی وہ
ہے جس کی سخاوت زیادہ ہے، اس کے انکار سے۔ اور تو ہی وہ ہے کہ
تمام مخلوق اس کی سرمایہ[4] داری میں آ گئی ہے اور تو ہی وہ ہے کہ جو اس
شخص سے جسے دکچھ عطا کیا ہے صلہ کی خواہش نہیں کرتا۔ اور تو ہی
وہ ہے جو زیادتی نہیں کرتا اس شخص پر عتاب[5] کرنے میں جس نے نافرمانی
کی ہے۔ اور میں اے میرے معبود! تیرا وہ بندہ ہوں جسے تو نے (جب)
دعا کا حکم دیا تو اس[6] نے کہا "میں تیرے[7] پاس حاضر ہو گیا اور تیری
خدمت کے لیے بار بار حاضر ہوں"۔ لے بس اب اے میرے پالنے والے
عاجزی سے آ پڑا ہوں تیرے سامنے بس وہی ہوں جس کی پیٹھ کو
گناہوں نے بوجھل کر دیا ہے اور میں وہی ہوں کہ مٹا دیا ہے معاصی
نے جس کی زندگی کو۔ اور میں وہی ہوں جس نے اپنی نادانی سے تیری

---

[1] عَضُد کے اصلی معنی 'بازو' کے ہیں۔ مجازاً مددگار مراد ہے۔

[2] یعنی جس کی رحمت سے کوئی چیز خالی نہیں (کیونکہ اگر کچھ اور آثار رحمت نہیں تو جامہ وجود عطا کرنا ہی سب سے بڑی رحمت ہے) اور جس کو ہر شے کی کنہ اور ماہیت کا پورا پورا علم حاصل ہے۔

[3] ویسے تو خدا کی ہر صفت عین ذات ہے اور کسی ایک صفت کو دوسری سے چھوٹا یا بڑا نہیں کہہ سکتے مگر اس جگہ مراد یہ ہے کہ صفت رحمت کا ظہور زیادہ اور صفت قہر کا ظہور کم کرتا ہے۔ [4] ایک اردو مترجم نے اس کا ترجمہ یہ لکھا ہے کہ 'جس کی وسعت میں تمام مخلوق سما گئی ہے'۔ یہ ترجمہ مناسب نہیں کیونکہ اس سے حلول کا اشتباہ ہوتا ہے۔ مراد قائل یہ ہے کہ اس کے سرمایہ اور نعمتوں میں تمام کائنات کے مستفیض ہونے کی گنجائش ہے اور اس کا تمول محدود نہیں۔

[5] یعنی غضب کرنے میں افراط سے کام نہیں لیتا برخلاف رحمت کے۔ [6] یعنی میں نے کہا۔ یہ الفاظ دعا کرنے والا اپنے لیے کہہ رہا ہے۔

[7] "لبیک و سعدیک" عربی کا روزمرہ ہے۔ جو پکارنے والے کے جواب میں بولا جاتا ہے اور جواب دینے والے کی جانب سے اپنے پکارنے والے کے احترام کا حامل ہوتا ہے۔

لِذَالِكَ هَلْ اَنْتَ يَا اِلٰهِيْ رَاحِمٌ مَنْ
دَعَاكَ فَاُبْلِغَ فِي الدُّعَاءِ اَمْ اَنْتَ
غَافِرٌ لِمَنْ بَكَاكَ فَاُسْرِعَ فِي
الْبُكَاءِ اَمْ اَنْتَ مُتَجَاوِزٌ عَمَّنْ عَفَّرَ
لَكَ وَجْهَهُ تَذَلُّلًا اَمْ اَنْتَ مُغْنٍ
مَنْ شَكَا اِلَيْكَ فَقْرَهُ تَوَكُّلًا
اِلٰهِيْ لَا تُخَيِّبْ مَنْ لَا يَجِدُ مُعْطِيًا
غَيْرَكَ وَ لَا تَخْذُلْ مَنْ لَا يَسْتَغْنِيْ
عَنْكَ بِاَحَدٍ دُوْنَكَ اِلٰهِيْ فَصَلِّ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَلَا تُعْرِضْ
عَنِّيْ وَقَدْ اَقْبَلْتُ اِلَيْكَ وَ لَا
تَحْرِمْنِيْ وَقَدْ رَغِبْتُ اِلَيْكَ وَلَا
تَجْبَهْنِيْ بِالرَّدِّ وَ قَدِ انْتَصَبْتُ بَيْنَ
يَدَيْكَ اَنْتَ الَّذِيْ وَصَفْتَ نَفْسَكَ
بِالرَّحْمَةِ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ
ارْحَمْنِيْ وَ اَنْتَ الَّذِيْ سَمَّيْتَ نَفْسَكَ
بِالْعَفْوِ فَاعْفُ عَنِّيْ قَدْ تَرٰى
يَا اِلٰهِيْ فَيْضَ دَمْعِيْ مِنْ خِيْفَتِكَ

نافرمانی کی ہے۔ حالانکہ تو مستحق نہیں تھا[1] اُس کی جانب سے (اس مخالفت) کا۔ کیا تو اے معبود اس شخص پر جو تجھے پکارے رحم کرے گا[2]؟ (ضرور کرے گا) تو پھر میں زیادتی کرتا ہوں دعا کرنے میں۔ یا اس شخص کو جو تیرے سامنے روئے بخش دے گا؟ (ضرور بخش دے گا) تو پھر میں رونے میں جلدی کرتا ہوں۔ یا تو اس شخص سے درگزر کرے گا جو تیرے آگے عاجزی سے اپنا منہ خاک پر ملنے لگے؟ (ضرور درگزر کرے گا) کیا تو اس شخص کو بے نیاز کر دے گا جو شکایت کرے تجھ سے اپنی احتیاج کی (تجھ پر) توکل کرے (ضرور بے نیاز کر دے گا) اے میرے معبود! اس بندے کو محروم نہ کر جو تیرے علاوہ کوئی بخشش والا نہیں پاتا۔ اور اس شخص کو رسوا نہ کر جو تجھ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا[3] تیرے کسی غیر کی جانب۔ اے اللہ! پس درود بھیج تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھ سے اپنا منہ نہ پھیر جبکہ میں تیری طرف متوجہ ہوا ہوں اور مجھے محروم نہ کر جبکہ میں نے تیری جانب رغبت کی ہے اور میرے دھکیلنے کے لیے میرے ماتھے[4] پر ہاتھ نہ مار، جبکہ میں تیرے سامنے[5] کھڑا ہوں۔ تو وہی تو ہے جس نے اپنی صفت 'رحمت' بیان کی ہے، پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھ پر رحم کر اور تو وہی تو ہے جس نے اپنا نام 'معاف[6] کرنے والا' رکھا ہے۔ پس معاف کر مجھ کو۔ دیکھ رہا ہے تو اے میرے معبود! اپنے خوف سے میرے

---

[1] کیونکہ تیرے انعامات و احسانات اس پر اتنے ہیں جن کے بعد نافرمانی کرنا خلاف مروت ہے۔
[2] اس قسم کے استفہام میں اقراری جواب مضمر ہوتا ہے۔
[3] ایک مترجم نے اس جملے کا ترجمہ یہ لکھا ہے "کسی اور سے تیرے سوا مستغنی نہیں ہو سکتا"۔ یہ الفاظ مبہم ہیں جن سے اشتباہ ہوتا ہے کہ تجھ سے مستغنی ہو سکتا ہے جو درست نہیں۔
[4] عربی کا روزمرہ ہے جو اس موقع پر بولا جاتا ہے جبکہ کسی کو آتے ہی دم بھی نہ لینے دیا جائے اور فوراً کورا جواب دے کر نکال دیا جائے۔
[5] یہ "بین یدیک" کا ترجمہ ہے جس میں سے ایک لفظ اوپر کی سطر میں اور ایک اس سطر میں مذکور ہے۔
[6] وضع المصدر للفاعل کے طور پر عفو، کنندہ مراد ہے۔ ایسے استعمال کو مجاز مرسل کہتے ہیں اور یہ اس موقع پر استعمال کرتے ہیں جبکہ کسی کو معنی مصدری کا سراپا فرض کر لیں اس جگہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سراپائے عفو ہے۔

وَجَنِيبَ قَلْبِي مِنْ خَشْيَتِكَ وَانْتِقَاضَ جَوَارِحِي مِنْ هَيْبَتِكَ كُلُّ ذٰلِكَ حَيَاءٌ مِنِّي بِسُوْءِ عَمَلِي وَلِذَاكَ خَمَدَ صَوْتِي عَنِ الْجَأْرِ إِلَيْكَ وَكَلَّ لِسَانِي عَنْ مُنَاجَاتِكَ يَا إِلٰهِي فَلَكَ الْحَمْدُ فَكَمْ مِنْ عَائِبَةٍ سَتَرْتَهَا عَلَيَّ فَلَمْ تَفْضَحْنِي وَكَمْ مِنْ ذَنْبٍ غَطَّيْتَهُ عَلَيَّ فَلَمْ تُشَهِّرْنِي وَكَمْ مِنْ شَائِبَةٍ أَلْمَمْتُ بِهَا فَلَمْ تَهْتِكْ عَنِّي سِتْرَهَا وَلَمْ تُقَلِّدْنِي مَكْرُوهَ شَنَارِهَا وَلَمْ تُبْدِ سَوْآتِهَا لِمَنْ يَلْتَمِسُ مَعَايِبِي مِنْ جِيرَتِي وَحَسَدَةِ نِعْمَتِكَ عِنْدِي ثُمَّ لَمْ يَنْهَنِي ذٰلِكَ عَنْ أَنْ جَرَيْتُ إِلٰى سُوْءِ مَا عَهِدْتَ مِنِّي فَمَنْ أَجْهَلُ مِنِّي يَا إِلٰهِي بِرُشْدِهٖ وَمَنْ أَغْفَلُ مِنِّي عَنْ حَظِّهٖ وَمَنْ أَبْعَدُ مِنِّي مِنِ اسْتِصْلَاحِ نَفْسِهٖ حِينَ أُنْفِقُ مَا أَجْرَيْتَ عَلَيَّ مِنْ رِزْقِكَ فِيمَا نَهَيْتَنِي عَنْهُ مِنْ مَعْصِيَتِكَ وَمَنْ أَبْعَدُ غَوْرًا

آنسوؤں کی جھڑی کو اور میرے دل کے کانپنے کو اپنے ڈر سے۔ اور اپنی ہیبت سے میرے اعضائے جسم کے تھرتھرانے کو؟ (ضرور دیکھ رہا ہے) یہ سب (کیفیت) اس ندامت کی وجہ سے ہے جو مجھے اپنی بداعمالی سے عارض ہوئی ہے۔ اسی لیے میری آواز تیرے سامنے بہ آواز بلند[1] دعا کرنے کے بجائے بجھی بجھی سی ہے اور میری زبان تیری مناجات میں کمزور ہو گئی ہے۔ اے میرے اللہ! تو ہی تمام تعریفوں کا اہل ہے پس بہت سے (میرے) عیب ہیں جن میں تو نے میرا پردہ رکھ لیا ہے اور مجھے رسوا نہیں کیا۔ اور کتنے ہی گناہ ہیں کہ جن پر تو نے پردہ ڈالا اور مجھے تشہیر نہ کیا اور کتنی ہی بری باتیں ہیں جن کا میں[2] نے ارادہ کیا پس نہیں فاش کیا تو نے مجھ سے اس کا پردہ اور اس کی رسوائی کا طوق میری گردن میں نہیں ڈالا۔ اور ظاہر نہ فرمایا اس کی برائی کو، میرے ان پڑوسیوں پر جو میری عیب جوئی کرتے ہیں اور اس نعمت[3] پر حسد کرتے ہیں جو تو نے مجھے عطا کی ہے۔ پھر (ان عنایات کے بعد بھی تیرے اس (برتاؤ) نے مجھے اس بات سے نہ روکا کہ میں بدعہدی کی طرف قدم بڑھاؤں[4] پس اے میرے معبود کون مجھ سے بڑھ کر اپنی بھلائی سے ناواقف ہوگا! اور کون مجھ سے زیادہ غافل ہوگا اپنے نصیب سے۔ اور کون مجھ سے زیادہ اپنے نفس کی بہتری سے دور ہوگا جبکہ خرچ کرتا ہوں میں، تیرے اس رزق کو جو تو نے مجھے دیا ہے، ان گناہوں میں جن سے تو نے منع فرمایا ہے۔ اور کون مجھ سے بڑھ کر باطل[5] میں

---

۱ یعنی شرم کے مارے منہ سے آواز نہیں نکلتی۔

۲ یہاں یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ ارادۂ گناہ پر بھی عقاب کرتا ہوگا لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ معصومین اپنے لیے ارادۂ گناہ کو بھی لائق عقاب سمجھتے تھے۔ اس لیے یہ فرمایا ورنہ جب تک ارادہ فعل نہ بن جائے عقاب لازم نہیں

۳ مراد زہد و تقویٰ و علم۔

۴ یعنی میں نے بدعہدی کی، حالانکہ تیرے اس مشفقانہ برتاؤ کے بعد نہیں کرنا چاہیے تھی۔ (لفظی ترجمہ۔ اس برائی کی طرف بڑھوں جسے تو نے میری جانب سے پایا)

۵ اَبْعَدُ غَوْرًا۔ دور تک گہرائی میں چلا جانے والا۔ مجازاً کسی بات میں غرق ہو جانے والا۔

فِي الْبَاطِلِ وَأَشَدُّ إِقْدَامًا عَلَى السُّوْءِ
مِنِّيْ حِيْنَ أَقِفُ بَيْنَ دَعْوَتِكَ وَدَعْوَةِ
الشَّيْطَانِ فَأَتَّبِعُ دَعْوَتَهُ عَلَى غَيْرِ عَمًى
مِنِّيْ فِيْ مَعْرِفَةٍ بِهِ وَلَا نِسْيَانٍ مِنْ
حِفْظِيْ لَهُ وَأَنَا حِيْنَئِذٍ مُوْقِنٌ بِأَنَّ
مُنْتَهٰى دَعْوَتِكَ إِلَى الْجَنَّةِ وَمُنْتَهٰى
دَعْوَتِهِ إِلَى النَّارِ سُبْحَانَكَ مَا أَعْجَبَ
مَا أَشْهَدُ بِهِ عَلٰى نَفْسِيْ وَأُعَدِّدُهُ مِنْ
مَكْتُوْمِ أَسْرِيْ وَأَعْجَبُ مِنْ ذٰلِكَ
أَنَاتُكَ عَنِّيْ وَإِبْطَاؤُكَ عَنْ مُعَاجَلَتِيْ
وَلَيْسَ ذٰلِكَ مِنْ كَرَمِيْ عَلَيْكَ بَلْ
تَأَنِّيًا مِنْكَ لِيْ وَتَفَضُّلًا مِنْكَ عَلَيَّ
لِأَنْ أَرْتَدِعَ عَنْ مَعْصِيَتِكَ الْمُسْخِطَةِ
وَأُقْلِعَ عَنْ سَيِّئَاتِيَ الْمُخْلِقَةِ وَلِأَنَّ
عَفْوَكَ عَنِّيْ أَحَبُّ إِلَيْكَ مِنْ عُقُوْبَتِيْ
بَلْ أَنَا يَا إِلٰهِيْ أَكْثَرُ ذُنُوْبًا وَأَقْبَحُ
آثَارًا وَأَشْنَعُ أَفْعَالًا وَأَشَدُّ فِي الْبَاطِلِ
تَهَوُّرًا وَأَضْعَفُ عِنْدَ طَاعَتِكَ تَيَقُّظًا
وَأَقَلُّ لِوَعِيْدِكَ انْتِبَاهًا وَارْتِقَابًا

ڈوب جانے والا اور بدی کی طرف بڑھنے والا ہوگا، جبکہ میں تیری دعوت (حق) اور شیطان کی آواز (باطل) کے درمیان کھڑا ہوتا ہوں، تو (اس وقت) اُس کی آواز کی پیروی کرتا ہوں باوجود اس کے کہ میں اس کو پہچاننے میں اندھا نہیں ہوں۔ اور میری یاد نے اس کو بھلا نہیں دیا ہے، اور مجھے اس وقت (بھی) یقین ہے کہ تجھے پکارنے کا انجام جنت کی طرف ہے اور (اس کے برخلاف) اُسے پکارنے[1] کی انتہا دوزخ کی جانب ہے۔ پاک ہے تو کس قدر عجیب بات ہے! کہ میں اس چیز کی گواہی[2] دے رہا ہوں جو میرے خلاف ہے، اور اپنے چھپے ہوئے راز[3] ایک ایک کر کے گن رہا ہوں۔ اور اس سے زیادہ عجیب بات، میری جانب سے تیری چشم پوشی اور مجھے جلد عذاب میں مبتلا کرنے سے تیرا ڈھیل دینا ہے۔ اور یہ اس لیے نہیں ہے کہ تیرے سامنے میری کچھ عزت ہے۔ بلکہ تیرے قصداً تاخیر کرنے اور مجھ پر تیرے فضل و کرم کی وجہ سے ہے تاکہ میں تیری نافرمانی سے (اب بھی) باز آجاؤں (ایسی نافرمانی) جو کہ ناراض کرنے والی ہے اور (تاکہ) میں ان گناہوں کی بیخ کنی کردوں جو رسوا[4] کرنے والے ہیں اور اس لیے (بھی) کہ تیرا مجھے معاف کر دینا مجھ پر عذاب کرنے سے زیادہ تجھے پسند ہے۔ بلکہ میں اے میرے معبود! سب سے زیادہ گناہ والا، سب سے قبیح اخلاق والا، سب سے بُرے اعمال والا، اور باطل کی جرات کرنے میں سب سے زیادہ سخت ہوں اور سب سے زیادہ کمزور ہوں تیری عبادت کے وقت جاگنے میں۔

---

۱؎ یہ دعوتہٖ کا ترجمہ ہے جو اگلی سطر میں مذکور ہے۔

۲؎ یعنی گناہوں کا اعتراف کر کے خود ان گناہوں کا گواہ بن رہا ہوں۔

۳؎ گناہ جنھیں میرے سوا دوسرا نہیں جانتا۔

۴؎ ایک فارسی مترجم نے اس کا یہ ترجمہ کیا ہے "دور دارم از گناہانم کہ کہنہ کنندہ است" ایک اردو مترجم نے اس کا ترجمہ ان لفظوں میں کیا ہے "تیرے گناہوں سے جو مجھ کو پھٹے کپڑوں کی طرح بنا دینے والی ہے الگ ہو جاؤں" بہرحال مُخْلِقَةٌ کے معنی مذکورہ دونوں مترجموں نے "کہنہ" تحریر کیے ہیں مگر لغت عرب میں یہ لفظ کہنگی کے معنی میں اس وقت تک استعمال نہیں کیا جاتا جب تک اس کے بعد الثوب یا اس کے ہم معنی لفظ نہ آئے۔ اس تسامح کے علاوہ مترجم اردو کے جملے میں "تیرے گناہوں" کا لفظ بھی محل تامل ہے۔ اَلْمُخْلِقَةُ مشتق ہے اِخْلَاقٌ سے جس کے معنی ہیں۔ ایسا ذریعہ بنانا جس سے شرم آئے۔

مِنْ اَنْ اُحْصِیَ لَکَ عُیُوْبِیْ اَوْ اَقْدِرَ عَلٰی
ذِکْرِ ذُنُوْبِیْ وَ اِنَّمَا اُوَبِّخُ بِھٰذَا نَفْسِیْ
طَمَعًا فِیْ رَاْفَتِکَ الَّتِیْ بِھَا صَلَاحُ اَمْرِ
الْمُذْنِبِیْنَ وَ رَجَآءً لِرَحْمَتِکَ الَّتِیْ بِھَا
فَکَاکُ رِقَابِ الْخَاطِئِیْنَ اَللّٰھُمَّ وَ ھٰذِہٖ
رَقَبَتِیْ قَدْ اَرَقَّتْھَا الذُّنُوْبُ فَصَلِّ عَلٰی
مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ اَعْتِقْھَا بِعَفْوِکَ وَ ھٰذَا
ظَھْرِیْ قَدْ اَثْقَلَتْہُ الْخَطَایَا فَصَلِّ عَلٰی
مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَ خَفِّفْ عَنْہُ بِمَنِّکَ یَا اِلٰھِیْ
لَوْ بَکَیْتُ اِلَیْکَ حَتّٰی تَسْقُطَ اَشْفَارُ عَیْنِیْ
وَ انْتَحَبْتُ حَتّٰی یَنْقَطِعَ صَوْتِیْ وَ قُمْتُ
لَکَ حَتّٰی تَتَنَشَّرَ قَدَمَایَ وَ رَکَعْتُ لَکَ
حَتّٰی یَنْخَلِعَ صُلْبِیْ وَ سَجَدْتُ لَکَ حَتّٰی
تَتَفَقَّاَ حَدَقَتَایَ وَ اَکَلْتُ تُرَابَ الْاَرْضِ
طُوْلَ عُمْرِیْ وَ شَرِبْتُ مَآءَ الرَّمَادِ اٰخِرَ
دَھْرِیْ وَ ذَکَرْتُکَ فِیْ خِلَالِ ذٰلِکَ حَتّٰی
یَکِلَّ لِسَانِیْ ثُمَّ لَمْ اَرْفَعْ طَرْفِیْ اِلٰی
اٰفَاقِ السَّمَآءِ اسْتِحْیَآءً مِنْکَ مَا اسْتَوْجَبْتُ
بِذٰلِکَ مَحْوَ سَیِّئَةٍ وَّاحِدَةٍ مِنْ سَیِّاٰتِیْ وَ
اِنْ کُنْتَ تَغْفِرُ لِیْ حِیْنَ اَسْتَوْجِبُ مَغْفِرَتَکَ

اور تیرے ڈرانے سے بہت ہی کم (سب سے کم) متنبہ ہوتا ہوں اور
سب سے کم اس بات پر نظر رکھتا ہوں کہ تیرے سامنے اپنے عیبوں کو
شمار کروں یا اپنے معاصی کے یاد کرنے پر قادر ہوں۔ اور نہیں ملامت کرتا
میں اپنے نفس کو اس پر (مذکورہ کمزوریوں پر) مگر صرف تیری اس مہربانی
کے لالچ میں جس سے گنہگاروں کے کام بن جاتے ہیں اور اس رحمت کی
امید پر جس سے خطاکاروں کی گلوخلاصی ہو جاتی ہے۔ اے اللہ اور یہ
میری گردن حاضر ہے، جسے گناہوں نے بے خوابی[1] میں مبتلا رکھا ہے۔ پس
رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور اسے اپنی معافی سے آزاد
کر دے۔ اور یہ میری پیٹھ ہے جسے خطاؤں نے گرانبار کر دیا ہے پس درود
بھیج تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور اپنے احسان سے اسے (پشت کو)
ہلکا کر دے۔ اے میرے معبود! اگر میں تیرے سامنے (اتنا) روؤں کہ
میری پلکیں گر پڑیں اور (اس قدر) بآواز بلند گریہ کروں کہ میری آواز
بند ہو جائے اور (اتنا) کھڑا رہوں کہ میرے پاؤں سوجھ جائیں اور (اس
قدر) جھکا رہوں (رکوع میں) کہ میری ریڑھ کی ہڈی بکھر جائے۔ اور
(اتنے) سجدے کروں کہ میری دونوں آنکھیں نکل پڑیں اور کھاؤں
زمین کی مٹی عمر بھر اور آخر وقت تک راکھ کا پانی پیوں اور تجھے یاد
کرتا رہوں اس درمیان میں (اس قدر) کہ میری زبان تھک جائے،
پھر اپنی آنکھیں آسمان کے کناروں کی طرف نہ اٹھاؤں[2]، تجھ سے[3]
شرم کرنے کے باعث، تو بھی میں اس (عبادت اور شرم) کے باوجود
اپنے گناہوں[4] میں سے ایک (بھی) گناہ کے مٹائے جانے کا سزاوار[5]

---

۱ بے خوابی کے لازم معنی انتہائی سخت کرب اور بے چینی اور تکلیف کے ہوتے ہیں۔ اسی بنا پر بطور کنایہ سخت تکلیف مراد ہے۔

۲ یہ لم ارفع کا ترجمہ ہے جو اوپر مذکور ہوا

۳ یعنی اتنی عبادت کرنے کے باعث اس قدر احساس ندامت ہو کہ آنکھ نہ اٹھ سکے۔

۴ یہ من سیّاٰتی کا ترجمہ ہے جو اگلی سطر میں ہے۔

۵ ما اسْتَوْجَبْتُ کا ترجمہ جو دو سطر اوپر مذکور ہوا۔

وَ تَعْفُوَ عَنِّيْ حِيْنَ اَسْتَحِقُّ عَفْوَكَ فَاِنَّ
ذٰلِكَ غَيْرُ وَاجِبٍ لِيْ بِاسْتِحْقَاقٍ وَلَا اَنَا
اَهْلٌ لَهُ بِاسْتِيْجَابٍ اِذْ كَانَ جَزَائِيْ
مِنْكَ فِيْ اَوَّلِ مَا عَصَيْتُكَ النَّارَ فَاِنْ
تُعَذِّبْنِيْ فَاَنْتَ غَيْرُ ظَالِمٍ لِيْ اِلٰهِيْ فَاِذْ
تَغَمَّدْتَنِيْ بِسِتْرِكَ فَلَمْ تَفْضَحْنِيْ وَتَاَنَّيْتَنِيْ
بِكَرَمِكَ فَلَمْ تُعَاجِلْنِيْ وَحَلُمْتَ عَنِّيْ
بِتَفَضُّلِكَ فَلَمْ تُغَيِّرْ نِعْمَتَكَ عَلَيَّ وَلَمْ
تُكَدِّرْ مَعْرُوْفَكَ عِنْدِيْ فَارْحَمْ طُوْلَ
تَضَرُّعِيْ وَشِدَّةَ مَسْكَنَتِيْ وَسُوْءَ مَوْقِفِيْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَقِنِيْ
مِنَ الْمَعَاصِيْ وَاسْتَعْمِلْنِيْ بِالطَّاعَةِ
وَارْزُقْنِيْ حُسْنَ الْاِنَابَةِ وَطَهِّرْنِيْ
بِالتَّوْبَةِ وَاَيِّدْنِيْ بِالْعِصْمَةِ وَاسْتَصْلِحْنِيْ
بِالْعَافِيَةِ وَاَذِقْنِيْ حَلَاوَةَ الْمَغْفِرَةِ
وَاجْعَلْنِيْ طَلِيْقَ عَفْوِكَ وَعَتِيْقَ
رَحْمَتِكَ وَاكْتُبْ لِيْ اَمَانًا مِنْ
سُخْطِكَ وَبَشِّرْنِيْ بِذٰلِكَ فِي
الْعَاجِلِ دُوْنَ الْاٰجِلِ بُشْرٰى

نہیں ہوں گا۔ اور اگر تو اسی وقت مجھے بخشنے[1] جبکہ میں تیری بخشش کا
مستحق ہوں۔ اور اسی وقت مجھے معاف کرے جبکہ تیری معافی کا استحقاق
پیدا کروں، تو یقیناً یہ میرے لیے ناممکن[2] ہے (اپنی قابلیت اور استحقاق
کی بناء پر۔ اور نہ میں اپنی قابلیت سے اس کے لائق ہوا، چونکہ تیری
جانب سے میرا بدلہ[3] پہلے اس گناہ میں جو میں نے کیا تھا، دوزخ تھا۔
پس اگر تو مجھ پر عذاب کرے تو (ایسی حالت میں) تو میرے معاملہ میں
ظالم نہ ہوگا اے میرے معبود! پس جبکہ تو نے مجھے اپنے پردے میں چھپا
لیا اور مجھے رسوا نہ کیا اور (جبکہ) اپنے کرم سے میرے ساتھ تامل کیا
اور مجھ پر (عتاب میں) جلدی نہ کی، اور (جبکہ) اپنے فضل سے میرے
ساتھ بردباری سے پیش آیا اور اپنی نعمت میں جو مجھ پر تھی تغیر نہ کیا،
اور اپنے احسان کو جو میرے پاس تھا مکدّر نہ کیا، تو رحم کر میرے دیر
تک عاجزی کرنے (پر) اور میری سخت فقیری (پر) اور میری بدحالی
پر۔ اے اللہ تو محمدؐ اور ان کی اولاد پر درود بھیج اور محفوظ رکھ مجھے گناہوں
سے اور مجھے (اپنی) فرمانبرداری کے کاموں کی توفیق[4] دے اور مجھے
نیک توبہ[5] عنایت کر اور مجھے توبہ کے ذریعہ سے پاک کر اور گناہوں
سے دور رکھنے کے ساتھ میری مدد کر اور عافیت کے ذریعہ مجھے نیکی عطا
فرما۔ اور بخشش کی مٹھاس مجھے چکھا اور بنادے مجھ کو اپنی معافی کا زرخرید کر
چھوڑا ہوا اور اپنی رحمت کا آزاد کردہ[6] غلام۔ اور میرے لیے اپنے
غصّہ سے امان تحریر کر اور اس معاملہ میں مجھے ایسی خوشخبری دنیا ہی

[1] یعنی بخشنے کا عزم کرے۔

[2] غیر واجب جس محل پر استعمال کیا گیا ہے، اس موقع پر اردو میں ناممکن بولتے ہیں۔

[3] یعنی میرے عمل کا بدلہ۔

[4] "استعملنی" کے لفظی معنی ہیں، مجھ سے عمل کرا۔ یا مجھے کام میں لا۔ دعا کے موقع پر یہ لفظ "توفیق عمل دے" کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔

[5] اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ توفیق توبہ عنایت کر۔ دوسرے یہ کہ توبہ کو اپنی قبولیت سے نیک توبہ قرار دے۔

[6] یہ عتیق کا ترجمہ ہے جو دوسطر اوپر مذکور ہوا۔

اَعْرِفُهَا وَ عَرِّفْنِیْ فِیْهِ عَلَامَةً اَتَبَیَّنُهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَا یَضِیْقُ عَلَیْكَ فِیْ وُسْعِكَ وَ لَا یَتَكَادُكَ فِیْ قُدْرَتِكَ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

میں آخرت سے پہلے دے، جسے میں پہچان لوں اور اس بارے میں مجھے ایسی علامت بتا دے جس کو میں واضح طور پر سمجھ لوں۔ بے شک یہ بات تیرے لیے تیرے دسترس کے پیش نظر مشکل نہیں ہے اور تجھے دشوار نہیں ہے تیری قدرت کے دیکھتے ہوئے یقیناً تو ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِذَا ذُكِرَ الشَّیْطَانُ فَاسْتَعَاذَ مِنْهُ وَ مِنْ عَدَاوَتِهٖ وَ كَیْدِهٖ

جب شیطان کا ذکر ہوتا تو حضرت زین العابدین اس سے اور اس کی مکاریوں سے پناہ مانگنے کے لیے یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنْ نَزَغَاتِ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ وَ كَیْدِهٖ وَ مَكَائِدِهٖ وَ مِنَ الثِّقَةِ بِاَمَانِیِّهٖ وَ مَوَاعِیْدِهٖ وَ غُرُوْرِهٖ وَ مَصَائِدِهٖ وَ اَنْ یُّطْمِعَ نَفْسَهٗ فِیْ اِضْلَالِنَا عَنْ طَاعَتِكَ وَ امْتِهَانِنَا بِمَعْصِیَتِكَ اَوْ اَنْ یَّحْسُنَ عِنْدَنَا مَا حَسَّنَ لَنَا اَوْ اَنْ یَّثْقُلَ عَلَیْنَا مَا كَرَّهَ اِلَیْنَا اَللّٰهُمَّ اخْسَاْهُ عَنَّا بِعِبَادَتِكَ وَ اكْبِتْهُ بِدُؤُوْبِنَا فِیْ مَحَبَّتِكَ وَ اجْعَلْ

اے اللہ! میں تیری پناہ کا طالب ہوں تیری بارگاہ سے نکالے ہوئے[1] شیطان کی مفسدہ پردازیوں سے، اور اس کے مکر و فریب اور اس کی چالبازیوں سے اور اس کی جھوٹی باتوں پر اور اس کے وعدوں پر بھروسا[2] کرنے سے، اور اس کے دھوکے سے، اور اس کے بچھائے ہوئے جالوں سے اور اس بات سے بھی پناہ کا طالب ہوں کہ اگر وہ لالچ[3] کرے ہمیں تیری فرمانبرداری سے گمراہ کرنے کا۔ اور تیری نافرمانی کرا کے ذلیل کرنے کا۔ یا یہ[4] کہ ہمیں خوش نما معلوم ہونے لگے وہ چیز (یعنی برائی) جسے وہ ہمارے سامنے اچھا کر کے پیش کرتا ہے۔ یا گراں ہو ہم پر وہ چیز (یعنی نیکی) جسے اس نے ہماری نگاہ میں بدنما[5] بنا دیا ہے۔ اے مالک! اسے دھتکار دے ہمارے پاس سے اپنی

---

[1] یہ الرجیم کا ترجمہ ہے جو اسی سطر میں مذکور ہے۔

[2] الثقة کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

[3] یطمع نفسہ لفظی معنی، اپنے نفس کو لالچ میں ڈالے یعنی لالچ کرے۔ مراد یہ ہے کہ مجھے اس بات سے پناہ میں رکھ کہ شیطان کے دل میں کبھی میرے بہکانے کا خیال آئے۔

[4] یعنی میں اس بات سے بھی تیری پناہ کا طالب ہوں۔

[5] یعنی بدنما بنا دینے کی کوشش کی ہے۔

بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُ سِتْرًا لَا يَهْتِكُهُ
وَ رَدْمًا مُصْمَتًا لَا يَفْتُقُهُ اَللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ وَ اشْغَلْهُ
عَنَّا بِبَعْضِ اَعْدَآئِكَ وَ اعْصِمْنَا
مِنْهُ بِحُسْنِ رِعَايَتِكَ وَ اكْفِنَا
خَتْرَهُ وَ وَلِّنَا ظَهْرَهُ وَ اقْطَعْ
عَنَّا اِثْرَهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَ اٰلِهٖ وَ اَمْتِعْنَا مِنَ الْهُدٰى
بِمِثْلِ ضَلَالَتِهٖ وَ زَوِّدْنَا مِنَ
التَّقْوٰى ضِدَّ غَوَايَتِهٖ وَ اسْلُكْ
بِنَا مِنَ التُّقٰى خِلَافَ سَبِيْلِهٖ
مِنَ الرَّدٰى اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ لَهٗ
فِيْ قُلُوْبِنَا مَدْخَلًا وَّلَا تُوْطِنَنَّ
لَهٗ فِيْمَا لَدَيْنَا مَنْزِلًا اَللّٰهُمَّ
وَ مَا سَوَّلَ لَنَا مِنْ بَاطِلٍ فَعَرِّفْنَاهُ
وَ اِذَا عَرَّفْتَنَاهُ فَقِنَاهُ وَ بَصِّرْنَا
مَا نُكَايِدُهُ بِهٖ وَ اَلْهِمْنَا مَا

عبادت کے ذریعہ[۱] اور اپنی (یعنی تیری) محبت میں ہمارے مشقت جھیلنے[۲] سے اسے ذلیل کر دے۔ اور ڈال دے ہمارے درمیان اور اس کے درمیان ایک ایسا پردہ جسے وہ چاک نہ کر سکے اور ایسی ٹھوس دیوار جسے وہ توڑ ہی نہ سکے۔ اے اللہ! تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور اس (شیطان) کو ہماری طرف سے اپنے بعض دشمنوں کی طرف پھیر[۴] دے اور ہمیں محفوظ رکھ اس سے اپنی بہترین نگہبانی کا سہارا دے کر۔ اور اس کے فریب سے ہمیں بچا۔ اور ہماری طرف اس کی پشت پھیر دے۔ اور قطع کر دے ہم سے اس کی تاثیر کو۔ اے اللہ! محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور ہمیں راسی قدر ہدایت سے بہرہ مند کر جس[۵] قدر کہ وہ گمراہ ہے۔ اور ہمیں اتنا پرہیزگاری کا توشہ عنایت کر جتنی کہ اس کی ضلالت ہے۔ اور چلا ہم کو تقویٰ[۶] کے اس راستے پر جو اس کے ہلاکت والے راستے کی ضد ہو۔ اے معبود! مت دے اس کو ہمارے دلوں میں گھسنے کا راستہ۔ اور اسے ہمارے ماحول میں وطن[۷] بنانے کا موقع مت پانے دے۔ اے اللہ! اور جن باطل چیزوں کو اس نے ہمارے سامنے سج دیا ہے، انھیں ہمیں پہچنوا دے اور جب وہ (چیزیں) ہمیں پہچنوا چکے تو ہمیں ان سے بچا اور ہمیں وہ باتیں دکھا دے (یعنی بتا دے) جن سے ہم

---

۱؎ یعنی ہمیں ہر وقت مشغول عبادت دیکھ کر وہ ہمارے قریب آنے کا عزم ہی نہ کرے۔

۲؎ یعنی ہم محبت الٰہی میں اتنی مشقت جھیلیں جسے دیکھ کر شیطان کو یقین ہو جائے کہ وہ ہمیں بہکانے میں ناکام ہوا اور وہ جھینپ کر رہ جائے۔

۳؎ توفیق خیر مراد ہے جس پر شیطان قابو نہیں پا سکتا۔

۴؎ یعنی وہ مومنین کے بجائے مشرکین و منکرین کے اضلال میں الجھ جائے۔

۵؎ اس مثال سے ہدایت کی مقدار میں مبالغہ مقصود ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح شیطان سے بڑھ کر گمراہی کسی میں نہیں پائی جاتی اسی طرح ہم میں سب سے بڑھ کر ہدایت پائی جائے۔

۶؎ ایک نسخہ مطبوعہ میں عبارت اس طرح لکھی ہے مَنِ اتَّقٰی خِلَافَ الخ اردو ترجمہ میں بھی اسی کتابت کے اعتبار سے اِتَّقٰی کو فعل ماضی فرض کر کے ترجمہ کیا گیا ہے مگر یہ قواعد عربی کے اعتبار سے درست نہیں۔ البتہ اگر سابق میں اسلک کا صلہ ب سے نہ آتا اور بنا کے بعد سبیل بھی مذکور ہوتا تو یہ عبارت اور یہ ترجمہ درست ہو سکتا تھا۔

۷؎ ایک نسخہ میں لا توطن نظر سے گزرا ہے مگر لا توطنن کو ترجیح ہے

نُعِدُّهُ لَهُ وَ اَيْقِظْنَا عَنْ سِنَةِ
الْغَفْلَةِ بِالرُّكُوْنِ اِلَيْهِ وَ اَحْسِنْ
بِتَوْفِيْقِكَ عَوْنَنَا عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ
وَ اَشْرِبْ قُلُوْبَنَا اِنْكَارَ عَمَلِهِ وَ
الْطُفْ لَنَا فِيْ نَقْضِ حِيَلِهِ اَللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ حَوِّلْ
سُلْطَانَهٗ عَنَّا وَ اقْطَعْ رَجَآءَهٗ
مِنَّا وَ ادْرَءْهُ عَنِ الْوُلُوْعِ بِنَا
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ
اجْعَلْ اٰبَآءَنَا وَ اُمَّهَاتِنَا وَ اَوْلَادَنَا
وَ اَهَالِيَنَا وَ ذَوِيْ اَرْحَامِنَا وَ
قَرَابَاتِنَا وَ جِيْرَانَنَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَ الْمُؤْمِنَاتِ فِيْ حِرْزٍ حَارِزٍ وَ
حِصْنٍ حَافِظٍ وَ كَهْفٍ مَانِعٍ وَ اَلْبِسْهُمْ
مِنْهُ جُنَنًا وَاقِيَةً وَ اَعْطِهِمْ
عَلَيْهِ اَسْلِحَةً مَاضِيَةً اَللّٰهُمَّ
وَ اعْمُمْ بِذٰلِكَ مَنْ شَهِدَ لَكَ
بِالرُّبُوْبِيَّةِ وَ اَخْلَصَ لَكَ بِالْوَحْدَانِيَّةِ

اسے اس کے مکر کا جواب دے سکیں۔ اور وہ بات ہمارے دل میں ڈال
دے جسے ہم اس کے (شر سے بچنے کے) لیے تیار رکھیں۔ اور ہمیں چونکا
دے غفلت کی نیند[1] سے جو اس (شیطان) کی طرف مائل ہونے کی وجہ
سے (پیدا ہوئی) ہے اور اپنی توفیق سے اس کی مخالفت[2] میں ہماری مدد
کر۔ اے اللہ ہمارے دلوں کے لیے اس کے کام کو ناپسند و ناخوشگوار[3]
بنا دے اور اس کی مکاریوں کو شکست دینے میں ہمیں اپنے لطف[4] سے
مستفیض کر۔ اے اللہ! محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر
اور اس (شیطان) کی حکومت کو ہم سے ہٹا دے اور امید منقطع کر دے
اس کی ہم سے۔ اور ہم پر اس کے حریص[5] ہونے کو ختم کر دے۔ اے اللہ!
تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور[6] ہمارے ماں باپ کو
اور بال بچوں کو اور ہمارے متعلقین کو اور ہمارے کنبہ والوں کو اور ہمارے
قرابت داروں کو اور ہمارے پڑوسیوں کو جو مومن یا مومنہ ہوں اس
(شیطان) سے مستحکم جائے پناہ میں اور حفاظت کرنے والے قلعے میں اور
(شیطان کو) دور کرنے والی پناہ میں رکھ اور انھیں اس (شیطان) سے
بچانے والی ڈھالیں اڑھا دے اور ان کو ایسے ہتھیار عطا کر جو اس
(شیطان) پر چل جائیں۔ اے اللہ اور عام طور پر عطا کر یہ سب باتیں
ان لوگوں کو جو گواہی دیتے ہیں تیرے رب ہونے کی اور خلوص سے تیری
وحدانیت کے قائل ہیں اور (جو) تیری رضامندی کے لیے[7] اس کے

---

[1] سِنَۃ کا ترجمہ جو کہ اوپر مذکور ہے۔

[2] علیہ کا ترجمہ۔ یہاں علیٰ بمعنی ضرر و مخالفت ہے۔

[3] لغوی معنی پلا دے۔ مجازاً شربت کی طرح خوش گوار بنا دے۔

[4] وہ مہربانی جو نہایت لطیف طریقوں سے ہو۔

[5] یعنی وہ ہماری جانب سے اس قدر مایوس ہو جائے کہ پھر ہمیں بہکانے کی حرص ہی نہ کرے۔

[6] اس جملے کے فعل اِجْعَلْ کا ترجمہ (رکھ) یہاں سے چوتھی سطر میں مذکور ہے۔

[7] یہ لکَ کا ترجمہ ہے۔

وَعَادَاهُ لَكَ بِحَقِيْقَةِ الْعُبُوْدِيَّةِ وَ
اسْتَظْهَرَ بِكَ عَلَيْهِ فِيْ مَعْرِفَةِ
الْعُلُوْمِ الرَّبَّانِيَّةِ اَللّٰهُمَّ احْلُلْ مَا
عَقَدَ وَافْتُقْ مَا رَتَقَ وَافْسَخْ مَا
دَبَّرَ وَ ثَبِّطْهُ اِذَا عَزَمَ وَانْقُضْ مَا
اَبْرَمَ اَللّٰهُمَّ وَاهْزِمْ جُنْدَهُ وَ اَبْطِلْ
كَيْدَهُ وَاهْدِمْ كَهْفَهُ وَ اَرْغِمْ اَنْفَهُ
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا فِيْ نَظْمِ اَعْدَآئِهِ وَ
اعْزِلْنَا عَنْ عِدَادِ اَوْلِيَآئِهِ لَا نُطِيْعُ لَهُ
اِذَا اسْتَهْوَانَا وَلَا نَسْتَجِيْبُ لَهُ اِذَا
دَعَانَا نَاْمُرُ بِمُنَاوَاتِهِ مَنْ اَطَاعَ اَمْرَنَا
وَنَعِظُ عَنْ مُتَابَعَتِهِ مَنِ اتَّبَعَ زَجْرَنَا
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ
وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى اَهْلِ بَيْتِهِ
الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَ اَعِذْنَا وَ
اَهَالِيْنَا وَاِخْوَانَنَا وَجَمِيْعَ الْمُؤْمِنِيْنَ

دشمن ہیں سچی بندگی کے باعث[1]۔ اور (جو) اس کے برخلاف الوہی
علموں کے جاننے (سیکھنے) میں تجھ سے مدد چاہتے ہیں۔ اے اللہ
جو گرہ اس نے باندھ رکھی ہے[2] اسے کھول دے اور جو[3] اس نے
بند کیا ہے اسے کشادہ کردے اور جو اس نے تدبیر[4] کی ہے اسے توڑ
دے اور اسے روک جبکہ ارادہ کرے اور کمزور کردے اس (منصوبے) کو
جسے وہ مستحکم بنائے۔ اے اللہ اس کے لشکر[5] کو شکست دے اور اس
کے مکر کو باطل کر اور اس کی جائے پناہ کو ڈھادے اور اس کا غرور[6] مٹا
دے۔ اے معبود! ہمیں اس کے دشمنوں کی لڑی میں شامل کر اور
ہمیں اس کے دوستوں کی گنتی سے دور رکھ (اس قدر دور کر) جب
ہمیں وہ بہکائے تو ہم اس کی اطاعت نہ کریں اور جواب نہ دیں اس
کو، جبکہ وہ ہمیں بلائے (اور ہمیں ایسا بنادے کہ) جو ہماری بات مانے
اسے ہم اس (شیطان) سے دور رہنے کا حکم دیں اور منع[7] کریں
اس کی پیروی سے اس شخص کو جو ہمارے منع کرنے پر عمل[8] کرے۔
اے اللہ! تو محمدؐ پر درود بھیج جو آخری نبی اور رسولوں کے سردار
ہیں اور ان کے اہل بیت پر درود بھیج) جو پاک و پاکیزہ ہیں اور
ہم کو اور ہمارے اہل و عیال اور بھائیوں کو اور تمام مؤمنین

---

۱ یعنی یہ عداوت شیطان کو ان سے اس لیے ہے کہ وہ سچے دل سے تیری بندگی کرتے ہیں۔

۲ یعنی دل میں رغبت خیر کی جانب سے جو تنگی شیطان نے پیدا کردی ہے اسے دور کردے۔

۳ یعنی راہِ صواب جو شیطان نے بند کردی ہے۔

۴ جہنم میں جھونکنے کی تدبیر۔

۵ شیطان کا لشکر ایک تو گناہوں کی دلکشی ہے جو انسان کے نفس پر حملہ کرتی ہے اس کے علاوہ انسانوں میں اس کے بہت سے شاگرد ہیں جو فسق و فجور اور عصیان میں حد کمال تک پہنچ چکے ہیں اور وہ بھی شیطان کی طرح لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

۶ لفظی ترجمہ اس کی ناک رگڑ دے۔

۷ نَعِظُ کے لغوی معنی 'ہم نصیحت کریں' یہاں 'منع کریں' مراد ہے۔

۸ اِتَّبَعَ کا لفظی ترجمہ ہے 'پیروی کرے' اس مقام پر اردو کے روزمرہ میں 'عمل کرے' بولتے ہیں۔

وَ الْمُؤْمِنَاتِ مِمَّا اسْتَعَذْنَا مِنْهُ وَ اَجِرْنَا مِمَّا اسْتَجَرْنَا بِكَ مِنْ خَوْفِهٖ وَ اسْمَعْ لَنَا مَا دَعَوْنَا بِهٖ وَ اَعْطِنَا مَا اَغْفَلْنَاهُ وَ احْفَظْ لَنَا مَا نَسِيْنَاهُ وَ صَيِّرْنَا بِذٰلِكَ فِيْ دَرَجَاتِ الصَّالِحِيْنَ وَ مَرَاتِبِ الْمُؤْمِنِيْنَ آمِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ

مومنات کو اس (شیطان) سے[1] متعلق ان باتوں سے پناہ دے جن سے ہم نے پناہ مانگی ہے اور پناہ میں رکھ ہم کو اس (شیطان) کے اس خوف سے، جس سے ہم نے تیری پناہ چاہی ہے۔ اور ہماری خاطر اس بات کو سن لے جس کی[2] ہم نے دعا کی ہے اور وہ چیز ہمیں عطیہ[3] کے طور پر دے جس سے ہم غافل رہے اور جسے ہم بھول گئے اسے ہمارے لیے محفوظ کر، اور بنا دے ہم کو اس (دعا) کی بدولت نیکوں کے درجوں میں اور مومنوں کی منزلوں میں۔ اے تمام جہانوں کے پالنے والے ہماری دعا کو قبول فرما۔

## وَ كَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا دُفِعَ عَنْهُ مَا يَحْذَرُ اَوْ عُجِّلَ لَهٗ مَطْلَبُهٗ

حضرت زین العابدین یہ دعا اس وقت پڑھتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ آپ سے آپ کے خوف کو دور کرتا تھا اور جلد مراد بر لاتا تھا۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حُسْنِ قَضَائِكَ وَ بِمَا صَرَفْتَ عَنِّيْ مِنْ بَلَائِكَ فَلَا تَجْعَلْ حَظِّيْ مِنْ رَحْمَتِكَ مَا عَجَّلْتَ لِيْ مِنْ عَافِيَتِكَ فَاَكُوْنَ قَدْ شَقِيْتُ بِمَا اَحْبَبْتُ وَ سَعِدَ غَيْرِيْ بِمَا كَرِهْتُ وَ اِنْ يَكُنْ مَا ظَلِلْتُ فِيْهِ

اے معبود! تو کل تعریفوں کا سزاوار ہے اپنے اچھے حکم پر اور اس بات پر کہ تو نے اپنی آزمائش کو مجھ سے پھیر دیا پس اپنی رحمت سے میرا حصہ (صرف) اپنی[4] اسی عافیت کو نہ قرار دینا جو تو نے جلدی عطا فرما دی ہے کہ (جس کے بعد) میں اس چیز[5] سے محروم رہ جاؤں جسے میں دوست رکھتا ہوں اور میرے علاوہ کوئی اور اس بات سے[6] نیکی حاصل کرلے جسے میں نے ناپسند کیا اور اگر یہ وہ بات[7]

---

[1] یہ منہ کا ترجمہ ہے جو اسی سطر میں مذکور ہے۔

[2] 'جس کی' بہ کا ترجمہ ہے جو اسی سطر میں مذکور ہے۔

[3] یعنی شیطان سے پناہ مانگنے کے سلسلے میں ہم نے جو دعا کی ہے اسے قبول فرمالے اور اس سلسلے میں جو بات ہم کہنا بھول گئے ہیں وہ بطور عطیہ بغیر مانگے عطا کر دے

[4] دنیا میں سلامتی و عافیت دینے پر بس نہ کرنا۔

[5] یعنی آخرت کی نجات

[6] یعنی اس آزمائش سے جسے میں نے ناپسند کیا۔

[7] یعنی عافیت جیسا کہ اگلی سطر میں مذکور ہے۔

أَوْ بِتُّ فِيهِ مِنْ هٰذِهِ الْعَافِيَةِ بَيْنَ يَدَيْ بَلَاءٍ لَا يَنْقَطِعُ وَوِزْرٍ لَا يَرْتَفِعُ فَقَدِّمْ لِي مَا أَخَّرْتَ وَأَخِّرْ عَنِّي مَا قَدَّمْتَ فَغَيْرُ كَثِيرٍ مَا عَاقِبَتُهُ الْفَنَاءُ وَغَيْرُ قَلِيلٍ مَا عَاقِبَتُهُ الْبَقَاءُ وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ

جس میں میں نے دن بسر کیا یا جس میں میں نے رات گزاری، یعنی یہ عافیت[1] کسی ایسی بلا ہی سے دست و گریباں جو نہ منقطع ہو اور کسی ایسے بار ہی کے ساتھ جو نہ اٹھے، تو جسے تو نے میرے لیے موخر کیا ہے[2] اسے مقدم کر دے اور جسے مقدم کیا ہے[3] اسے موخر بنا دے کیونکہ کثیر نہیں ہے وہ چیز جس کا انجام فنا ہو۔ اور کم نہیں ہے وہ شے جس کا نتیجہ بقا ہو۔ اور درود بھیج تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الْاِسْتِسْقَاءِ بَعْدَ الْجَدْبِ

حضرت زین العابدین قحط پڑنے کے بعد خدائے تعالیٰ سے طلب باراں کے لیے یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا الْغَيْثَ وَانْشُرْ عَلَيْنَا رَحْمَتَكَ بِغَيْثِكَ الْمُغْدِقِ مِنَ السَّحَابِ الْمُنْسَاقِ لِنَبَاتِ أَرْضِكَ الْمُونِقِ فِي جَمِيعِ الْآفَاقِ وَامْنُنْ عَلٰى عِبَادِكَ بِإِينَاعِ الثَّمَرَةِ وَأَحْيِ بِلَادَكَ بِبُلُوغِ الزَّهَرَةِ وَأَشْهِدْ مَلَائِكَتَكَ الْكِرَامَ السَّفَرَةَ بِسَقْيٍ مِنْكَ نَافِعٍ دَائِمٍ غُزْرُهُ وَاسِعٍ دِرَرُهُ وَابِلٍ سَرِيعٍ عَاجِلٍ تُحْيِي بِهِ

اے مالک! ہمیں بارش سے سیراب کر! اور ہم پر اپنی رحمت کو پھیلا دے اپنے بہت مینہ کے ذریعہ سے، جو اس بادل سے (برستی) ہو، جو تیری زمین کے نباتات (اگانے) کے لیے کھینچا گیا ہو[4] (اور جو) تمام اطراف عالم میں سہانا سماں پیدا کر دینے والا ہو۔ اور اپنے بندوں پر پھلوں کو پختہ کر کے احسان کر۔ اور اپنی بستیوں میں کلیوں[5] کی شگفتگی سے جان ڈال دے اور اپنے ان فرشتوں کو حاضر کر (اور بھیج دے) جو کریم ہیں اور تیری جانب سے ایسی سیرابی پر سفیر (مقرر) ہیں جو نفع دینے والی ہو (اور) جس کی کثرت ہمیشہ رہے (اور) جو وسیع (حلقے میں) جاری ہو۔ موسلادھار ہو۔ تیزی سے آئے

---

[1] یعنی اگر عافیت ملنا در اصل کسی مسلسل بلا و بار ہی پر منحصر ہے تو اس دنیاوی عافیت کو پس پشت ڈال دے اور مجھے اسی بلا میں مبتلا کر دے جو تو نے دور کر دی ہے تاکہ میں آخرت میں باقی رہنے والی عافیت پا سکوں۔

[2] یعنی آخرت کی عافیت۔

[3] دنیاوی عافیت

[4] لغوی معنی چلایا اور کھینچا گیا ہو۔

[5] یہ الزَّهَرَة کا ترجمہ ہے جو اسی سطر میں مذکور ہے۔

مَا قَدْ مَاتَ وَ تَرُدُّ بِهٖ مَا قَدْ فَاتَ
وَ تُخْرِجُ بِهٖ مَا هُوَ اٰتٍ وَ تُوَسِّعُ
بِهٖ فِي الْاَقْوَاتِ سَحَابًا مُتَرَاكِمًا
هَنِيْئًا مَرِيْئًا طَبَقًا مُجَلْجَلًا غَيْرَ
مُلِثٍّ وَدْقُهٗ وَلَا خُلَّبٍ بَرْقُهٗ اَللّٰهُمَّ
اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْعًا مُمْرِعًا
عَرِيْضًا وَاسِعًا غَزِيْرًا تَرُدُّ بِهِ
النَّهِيْضَ وَ تَجْبُرُ بِهِ الْمَهِيْضَ اَللّٰهُمَّ
اسْقِنَا سَقْيًا تُسِيْلُ مِنْهُ الظِّرَابَ
وَ تَمْلَاُ مِنْهُ الْجِبَابَ وَ تُفَجِّرُ بِهِ
الْاَنْهَارَ وَ تُنْبِتُ بِهِ الْاَشْجَارَ وَ
تُرْخِصُ بِهِ الْاَسْعَارَ فِيْ جَمِيْعِ
الْاَمْصَارِ وَ تَنْعَشُ بِهِ الْبَهَائِمَ وَ
الْخَلْقَ وَ تُكْمِلُ لَنَا بِهٖ طَيِّبَاتِ الرِّزْقِ
وَ تُنْبِتُ لَنَا بِهِ الزَّرْعَ وَ تُدِرُّ بِهِ الضَّرْعَ
وَ تَزِيْدُنَا بِهٖ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِنَا اَللّٰهُمَّ
لَا تَجْعَلْ ظِلَّهٗ عَلَيْنَا سَمُوْمًا وَلَا تَجْعَلْ
بَرْدَهٗ عَلَيْنَا حُسُوْمًا وَلَا تَجْعَلْ صَوْبَهٗ

اور جلد آئے۔ زندہ کرنے تو اس سے ان (نباتات) کو جو مر گئے ہیں اور واپس لائے تو اس کے ذریعہ سے اس (سرسبزی) کو جو فوت ہو گئی ہے اور اگائے تو اس سے اس (فصل) کو جو آنے والی ہے اور وسعت دے تو اس کی بدولت روزی میں۔ ایسا بادل ہو جو کہ گھنگھور، مبارک، خوشگوار (چاروں طرف) چھایا ہوا ہو۔ گرجتا ہو (گرج) اس کی بارش (بوندا باندی کے بعد) تھم جانے والی نہ ہو اور اس کی بجلی کی کوند دھوکا دینے والی نہ ہو۔ اے اللہ! سیراب کر ہمیں ایسی بارش سے جو نباتات کو اگانے والی ہو۔ سرسبزی کا باعث ہو۔[1] قحط کو دور کرے (اور) جل تھل ایک کر دے[2] (ایسی بارش) جس سے تو نباتات کو لوٹائے اور ٹوٹی ہوئی (ٹہنیوں)[3] کو جوڑے۔ اے اللہ تو ہمیں اس قدر (بارش سے) سیراب کر جس سے تو پہاڑوں کے چشمے بہائے، اور جس سے کنوؤں کو لبریز کر دے اور جس سے نہروں کو جاری کرے اور جس سے پودوں کو اگائے اور جس کے باعث تمام شہروں میں نرخوں کو ارزاں کرے اور جس سے تو آرام پہنچائے حیوانات کو اور (دیگر) مخلوقات کو۔ اور جس سے ہمارے لیے پاک روزی کو کامل کر دے اور جس سے ہماری کھیتی کو سرسبز کرے اور جس سے تھنوں میں بہت دودھ پیدا کرے اور جس سے ہماری قوت میں اور قوت[4] کا اضافہ کرے۔ اے اللہ! ہمارے لیے اس بادل کے سایہ کو زہریلا نہ کر دینا[5] اور اس کی ٹھنڈک کو ہم پر منحوس[6]

---

[1] مُمْرِعًا کے لغوی معنی سرسبزی لانے والے کے ہیں جس سے مجازاً دافع قحط مراد لیا ہے۔

[2] غزیرًا کے لغوی معنی بہت پانی والے کے ہیں۔

[3] المہیض لغتہً ٹوٹی ہوئی ہڈی کو کہتے ہیں جسے جوڑا گیا ہو۔ مجازاً شاخ مراد ہے۔

[4] مجاز مرسل کے طور پر اس قوت کا جو کہ بارش کی اگائی ہوئی اجناس سے پیدا ہو گی۔ بارش کی طرف انتساب کیا گیا ہے۔

[5] جس سے بیماریاں پھیل جائیں جیسا کہ برسات کے موسم میں عموماً پھیلا کرتی ہیں۔

[6] کہ ہاتھ پیر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور کاروبار معطل ہو کر رہ جائیں۔

عَلَيْنَا رُجُوْمًا وَلَا تَجْعَلْ مَآءَهُ عَلَيْنَا أُجَاجًا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَارْزُقْنَا مِنْ بَرَكَاتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

نہ بنانا اور اس کی بارش کو ہمارے حق میں پتھر[1] قرار دینا اور نہ اس کے پانی کو ہمارے واسطے کھاری[2] کرنا۔ اے اللہ تو رحمت نازل کر محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور عطا کر دے ہمیں برکتیں آسمانوں کی اور زمینوں کی۔ بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

## وَكَانَ دُعَائُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ مَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَمَرْضِيِّ الْاَفْعَالِ

حضرت زین العابدینؑ نیکی اخلاق اور خوبی افعال کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ بَلِّغْ بِاِيْمَانِيْ اَكْمَلَ الْاِيْمَانِ وَ اجْعَلْ يَقِيْنِيْ اَفْضَلَ الْيَقِيْنِ وَ انْتَهِ بِنِيَّتِيْ اِلٰى اَحْسَنِ النِّيَّاتِ وَبِعَمَلِيْ اِلٰى اَحْسَنِ الْاَعْمَالِ اَللّٰهُمَّ وَفِّرْ بِلُطْفِكَ نِيَّتِيْ وَ صَحِّحْ بِمَا عِنْدَكَ يَقِيْنِيْ وَ اسْتَصْلِحْ بِقُدْرَتِكَ مَا فَسَدَ مِنِّيْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اكْفِنِيْ مَا يَشْغَلُنِي الْاِهْتِمَامُ بِهٖ وَ اسْتَعْمِلْنِيْ

اے اللہ تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور میرے ایمان کو کمال ایمان کے درجے پر فائز کر۔ اور میرے یقین[3] کو سب سے بڑھا ہوا یقین بنا دے۔ اور میری نیت کو بہترین نیت[4] (کی منزل) پر پہنچا دے اور میرے عمل کو سب سے اچھے عمل (کی منزل) پر پہنچا دے۔ اے معبود اپنے لطف و کرم سے میری نیت[5] کو زیادہ[6] کر اور درست کر ان چیزوں کے لیے جو تیرے پاس ہیں[7] میرے یقین کو۔ اور اپنی قدرت سے میری (زندگی کے) اس پہلو کی اصلاح کر جو خراب ہے۔ اے اللہ محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور جس کام کا اہتمام مجھے مشغول رکھے[8]۔ اس میں میری مدد کر۔

---

[1] اولا۔

[2] کھاری پانی زراعت کے لیے مضر ہوتا ہے۔

[3] یعنی ایمان بالغیب کو۔

[4] جس میں سوائے اخلاص اور رضا و تسلیم کے اور کسی بات کا شائبہ نہ ہو۔

[5] میری نیت یعنی وہ نیت جس کی صفت مذکور ہوئی اور بہترین نیت کی منزل تک پہنچی ہوئی ہے۔

[6] یعنی نیک کاموں میں زیادہ کر۔ کیونکہ ایسی نیت جو بہترین نیت ہو گی سوائے نیک کاموں کے اور کسی طرف مائل نہیں ہو سکتی۔

[7] یعنی غیب کی چیزیں۔

[8] یعنی تیری عبادت سے ہٹا کر اپنی جانب مشغول رکھے۔

بِمَا تَسْئَلُنِيْ غَدًا عَنْهُ وَاسْتَفْرِغْ اَيَّامِيْ
فِيْمَا خَلَقْتَنِيْ لَهٗ وَاَغْنِنِيْ وَاَوْسِعْ عَلَيَّ
فِيْ رِزْقِكَ وَلَا تَفْتِنِّيْ بِالنَّظَرِ وَاَعِزَّنِيْ
وَلَا تَبْتَلِيَنِّيْ بِالْكِبْرِ وَعَبِّدْنِيْ لَكَ وَ
لَا تُفْسِدْ عِبَادَتِيْ بِالْعُجْبِ وَاَجْرِ
لِلنَّاسِ عَلٰى يَدَيَّ الْخَيْرَ وَلَا تَمْحَقْهُ
بِالْمَنِّ وَهَبْ لِيْ مَعَالِيَ الْاَخْلَاقِ وَ
اعْصِمْنِيْ مِنَ الْفَخْرِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَلَا تَرْفَعْنِيْ فِي
النَّاسِ دَرَجَةً اِلَّا حَطَطْتَنِيْ عِنْدَ
نَفْسِيْ مِثْلَهَا وَلَا تُحْدِثْ لِيْ عِزًّا
ظَاهِرًا اِلَّا اَحْدَثْتَ لِيْ ذِلَّةً بَاطِنَةً
عِنْدَ نَفْسِيْ بِقَدَرِهَا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّمَتِّعْنِيْ بِهُدًى
صَالِحٍ لَّا اَسْتَبْدِلُ بِهٖ وَطَرِيْقَةِ حَقٍّ
لَا اَزِيْغُ عَنْهَا وَنِيَّةِ رُشْدٍ لَا اَشُكُّ
فِيْهَا وَعَمِّرْنِيْ مَا كَانَ عُمُرِيْ بِذْلَةً فِيْ
طَاعَتِكَ فَاِذَا كَانَ عُمُرِيْ مَرْتَعًا لِّلشَّيْطَانِ

اور مجھے اس کام میں لگا جس کی بابت تو کل (روزِ قیامت) مجھ سے
بازپرس کرے گا۔ اور میری زندگی کو اس کام میں صرف کر جس کے لیے
تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور مجھے غنی[1] بنا دے اور اپنا رزق مجھ پر
وسیع کر اور مجھے نظر[2] کے فتنہ میں نہ چھوڑ[3] اور مجھے عزت دے اور
غرور میں مبتلا نہ کر اور مجھے اپنا عبادت گزار بنا اور فاسد (اور بیکار)
نہ ہونے دے میری عبادت کو خود پسندی سے اور لوگوں کے لیے میرے
ہاتھوں بھلائی جاری کر۔ اور اس (بھلائی) کو کالعدم نہ ہونے دے
(میرے) احسان جتانے سے۔ اور مجھے بلند اخلاق عنایت کر۔ اور
مجھے اترانے سے محفوظ رکھ۔ اے اللہ! محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر
رحمت بھیج اور لوگوں (کی نگاہ) میں میرا درجہ[4] بلند نہ کر لیکن یہ کہ اتنا
ہی مجھے میرے نفس کے نزدیک گھٹا دے۔ اور میرے لیے ظاہری
عزت پیدا نہ کر مگر یہ کہ اتنا ہی میرے دل میں اپنے لیے باطنی[5] ذلت
پیدا کر دے۔ اے اللہ! رحمت نازل کر محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر
اور مجھے ایسی نیک ہدایت سے مستفیض کر جسے[6] میں کسی چیز سے نہ
بدلوں اور ایسے سچے راستے سے (مستفیض کر) جس سے میں کبھی برگشتہ
نہ ہوں اور (ایسی پرخلوص[7] نیت سے (مستفیض کر) جس میں میں شک نہ
کروں اور جب تک میری زندگی ہے، مجھے ایسی زندگی دے جو تیری
عبادت میں خرچ ہو۔ پس جبکہ ہونے لگے میری عمر شیطان کی چراگاہ تو

---

۱۔ دولتمند کے معنی مراد نہیں ہیں بلکہ وہ حالت مراد ہے جس میں آدمی کسی چیز کی احتیاج محسوس نہیں کرتا اور کل کائنات سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

۲۔ نظر کو اس مناسبت سے فتنہ سے تعبیر کیا ہے کہ عشق و حسد و حرص وغیرہ کتنے ہی فتنے ہیں جو اس سے پیدا ہوتے ہیں۔

۳۔ خدائے تعالیٰ کی طرف فتنہ میں ڈالنے کا انتساب مراد قائل کے خلاف ہے کیونکہ وہ انسان کے فاعل مجبور ہونے کا قائل نہیں۔ اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا۔

۴۔ اس وقت تک درجہ بلند نہ کر جب تک مجھ میں عجز و انکسار نہ ہو۔

۵۔ یعنی ظاہری عزت عطا کرنے سے پہلے دل میں ایسا احساس پیدا کر دے کہ میں اپنے آپ کو صمیم قلب سے ایک بندۂ ذلیل و حقیر تصور کروں۔

۶۔ یعنی جسے چھوڑ کر اس کے مقابلے میں دنیا کی بڑی سے بڑی دولت و نعمت بھی میری نگاہوں پر نہ چڑھے۔

۷۔ رُشد کے لغوی معنی صواب اور راستی مجازاً پُرخلوص۔

فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ قَبْلَ أَنْ يَسْبِقَ مَقْتُكَ
إِلَيَّ أَوْ يَسْتَحْكِمَ غَضَبُكَ عَلَيَّ اللّٰهُمَّ
لَا تَدَعْ خَصْلَةً تُعَابُ مِنِّي إِلَّا أَصْلَحْتَهَا
وَلَا عَائِبَةً أُؤَنَّبُ بِهَا إِلَّا حَسَّنْتَهَا
وَلَا أُكْرُومَةً فِيَّ نَاقِصَةً إِلَّا أَتْمَمْتَهَا
اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَ
أَبْدِلْنِي مِنْ بِغْضَةِ أَهْلِ الشَّنَآنِ
الْمَحَبَّةَ وَمِنْ حَسَدِ أَهْلِ الْبَغْيِ الْمَوَدَّةَ
وَمِنْ ظِنَّةِ أَهْلِ الصَّلَاحِ الثِّقَةَ وَ
مِنْ عَدَاوَةِ الْأَدْنَيْنَ الْوَلَايَةَ وَمِنْ
عُقُوقِ ذَوِي الْأَرْحَامِ الْمَبَرَّةَ وَمِنْ خِذْلَانِ
الْأَقْرَبِينَ النُّصْرَةَ وَمِنْ حُبِّ الْمُدَارِينَ
تَصْحِيحَ الْمِقَةِ وَمِنْ رَدِّ الْمُلَابِسِينَ
كَرَمَ الْعِشْرَةِ وَمِنْ مَرَارَةِ الْخَوْفِ
الظَّالِمِينَ حَلَاوَةَ الْأَمَنَةِ اللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَاجْعَلْ لِي

مجھے اپنے پاس بلالے قبل اس کے کہ بڑھے تیری عداوت میری جانب
یا تیرا قہر و غضب مجھ پر مسلط ہو۔ اے اللہ! مت چھوڑ کسی (ایسی)
عبادت کو میری جو کہ معیوب ہے، مگر یہ کہ تو اس کی اصلاح کردے۔ اور
نہ (چھوڑ) کسی (ایسے) عیب کو جس پر میں ملعون ہوں (ہوسکوں)، مگر
یہ کہ تو اسے مستحسن[۱] بنادے اور نہ (چھوڑ) میری کسی اچھی عادت کو جو ناقص ہو
مگر تو اسے کامل کردے۔ اے اللہ رحمت نازل کر محمدؐ پر اور ان کی اولاد
پر اور مجھے کینہ رکھنے والوں کے کینے کا بدلہ محبت سے دینے (کی
توفیق) دے اور (اسی طرح) باغیوں[۳] کے حسد کے عوض میں (ان
کے ساتھ) دوستی، اور بھلے آدمیوں کے بدگمان رہنے کے بدلے
میں (ان پر) اعتماد، اور نزدیکیوں کی عداوت کے عوض میں ان کی
محبت، اور عزیزوں[۲] کی نافرمانی کے عوض میں ان کے ساتھ نیک سلوک
اور قرابت داروں کے چھوڑ دینے کے عوض میں ان کی امداد، اور
خوشامدیوں کی (خوشامدانہ) دوستی کے بدلے میں (ان کی) دوستی کی
اصلاح اور ہم نشینوں کے دھکیلنے کے عوض میں شریفانہ ہم نشینی، اور
ظالموں کے ڈر کی تلخی کے عوض بے خوفی کی مٹھاس عنایت[۴] کر۔ اے
اللہ! محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر درود بھیج اور جو شخص مجھ پر ظلم کرے،

---

۱ یعنی عیب کو دور کر کے خوبی پیدا کردے۔

۲ یہ ذوی الارحام کا ترجمہ ہے جو اگلی سطر میں مسطور ہے۔

۳ ان جملوں کا مطلب یہ ہے کہ مجھے ایسی توفیق دے کہ باغی مجھ سے حسد کریں تو میں اس کا عوض دوستی سے دوں۔ جو بھلے لوگ مجھ سے بدگمان رہیں ان پر اعتماد کروں، جو نزدیک والے دشمنی رکھیں، میں ان سے محبت کروں۔ جو عزیز قریب میرا کہنا نہ مانیں میں ان سے نیک سلوک کروں۔ جو قرابت دار مجھے چھوڑ دیں میں ان کی مدد کروں۔ جو خوشامدی بناوٹی دوستی جتائیں میں ان کی دوستی میں خلوص پیدا کرنے کی کوشش کروں جو مصاحب مجھ سے دور بھاگیں انھیں اپنے حسن سلوک سے اچھا ہم نشین بناؤں وغیرہ۔

۴ "آل محمدؐ" کے بعد سے یہاں تک سب جملے "ابدلنی" کے تحت میں ہیں جس کے معنی ہیں مجھ سے بدلہ دلا، مراد یہ ہے کہ ان کی برائی کے عوض میں ان کے ساتھ بھلائی کرنے کی مجھے توفیق دے۔

يَدًا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنِيْ وَلِسَانًا
عَلٰى مَنْ خَاصَمَنِيْ وَظَفَرًا بِمَنْ
عَانَدَنِيْ وَهَبْ لِيْ مَكْرًا عَلٰى مَنْ
كَايَدَنِيْ وَقُدْرَةً عَلٰى مَنِ اضْطَهَدَنِيْ
وَتَكْذِيْبًا لِمَنْ قَصَبَنِيْ وَسَلَامَةً
مِمَّنْ تَوَعَّدَنِيْ وَوَفِّقْنِيْ لِطَاعَةِ
مَنْ سَدَّدَنِيْ وَمُتَابَعَةِ مَنْ
اَرْشَدَنِيْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَدِّدْنِيْ لِاَنْ
اُعَارِضَ مَنْ غَشَّنِيْ بِالنُّصْحِ وَ
اَجْزِيَ مَنْ هَجَرَنِيْ بِالْبِرِّ وَاُثِيْبَ
مَنْ حَرَمَنِيْ بِالْبَذْلِ وَاُكَافِيَ مَنْ
قَطَعَنِيْ بِالصِّلَةِ وَاُخَالِفَ مَنِ
اغْتَابَنِيْ اِلٰى حُسْنِ الذِّكْرِ وَاَنْ
اَشْكُرَ الْحَسَنَةَ وَاُغْضِيَ عَنِ
السَّيِّئَةِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِهٖ وَحَلِّنِيْ بِحِلْيَةِ الصَّالِحِيْنَ

اس پر مجھے قدرت دے اور اس شخص کے مقابلے میں جو مجھ سے جھگڑا
کرے زبان دے۔ اور اس شخص پر جو مجھ سے عناد رکھے فتح یاب
کر اور مکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت دے اس شخص کے خلاف جو مجھ
سے مکاری کرے اور قدرت و طاقت دے اس شخص کے مقابلے میں
جو مجھ پر غلبہ کرنا چاہے اور اس شخص کے لیے جو مجھ پر عیب لگائے
مجھے جھٹلا دینے کی طاقت دے اور جو مجھے ڈرائے اس سے سلامتی
دے۔ اور مجھے اس شخص کی پیروی کرنے کی توفیق دے جو مجھے
درست بنا سکے۔ اور اُس[2] کی پیروی کی (توفیق دے) جو مجھے راہ نیک
دکھائے۔ اے اللہ! محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر درود بھیج اور مجھے اس
بات کی توفیق دے کہ جو کوئی مجھ سے دھوکہ کرے میں اس کا نصیحت
کرنے سے مقابلہ کروں اور جو مجھے چھوڑ دے اسے بدلے میں نیکی (دوں)
اور معاوضہ دوں اس شخص کو جو مجھے محروم کر دے بخشش (اور خرچ)
کے ساتھ۔ اور جو مجھ سے قطع رحم کرے اس کے ساتھ میں صلہ رحم
کروں۔ اور جو میری غیبت[3] اور بدگوئی کرے اس کے برخلاف میں
اسے اچھی طرح یاد کروں اور نیکی کا شکریہ ادا کروں اور چشم پوشی کروں
برائی سے۔ اے اللہ! تو رحمت نازل کر محمدؐ پر اور ان کی اولاد
پر اور آراستہ[4] کر مجھ کو صفات[5] سے نیک بندوں کی۔ اور

---

[1] هَبْ لِیْ مَکْرًا کے لفظی معنی یہ ہیں کہ "مجھے مکر عنایت فرما" مراد قائل یہ ہے کہ مجھے مکر کا مقابلہ کرنے اور جواب دینے کی طاقت دے۔ یہ معنیٰ "مشاکلت" کے اصول کے تحت مراد لیے گئے ہیں، جو اہل زبان کا ایک مانا ہوا اصول اور قاعدہ ہے جیسا کہ کلام پاک میں ہے مکروا ومکر اللہ جس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ انھوں نے مکر کیا تو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے بھی مکر کیا۔ مگر خدائے تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ انھوں نے مکر کیا تو اللہ نے بھی ان کے مکر کا جواب دیا یا مقابلہ کیا۔

[2] یہ مَن کا ترجمہ ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

[3] یہ اُخالف کا ترجمہ ہے جو اوپر کی سطر میں مذکور ہوا۔

[4] حَلِّنِیْ کے لغوی معنی ہیں مجھے زیور پہنا مجازاً آراستہ کر۔

[5] لغوی معنی زیور کے ہیں چونکہ نیکوں کا زیور ان کی خوبیاں ہوتی ہیں اس لیے اس کا ترجمہ صفات کیا گیا۔

وَ اَلْبِسْنِيْ زِيْنَةَ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ بَسْطِ
الْعَدْلِ وَ كَظْمِ الْغَيْظِ وَ اِطْفَاءِ النَّائِرَةِ
وَضَمِّ اَهْلِ الْفُرْقَةِ وَ اِصْلَاحِ ذَاتِ
الْبَيْنِ وَ اِفْشَاءِ الْعَارِفَةِ وَ سَتْرِ الْعَائِبَةِ
وَ لِيْنِ الْعَرِيْكَةِ وَ خَفْضِ الْجَنَاحِ وَ
حُسْنِ السِّيْرَةِ وَ سُكُوْنِ الرِّيْحِ وَ طِيْبِ
الْمُخَالَقَةِ وَ السَّبْقِ اِلَى الْفَضِيْلَةِ وَ اِيْثَارِ
التَّفَضُّلِ وَ تَرْكِ التَّعْيِيْرِ وَ الْاِفْضَالِ
عَلٰى غَيْرِ الْمُسْتَحِقِّ وَ الْقَوْلِ بِالْحَقِّ وَ
اِنْ عَزَّ وَ اسْتِقْلَالِ الْخَيْرِ وَ اِنْ كَثُرَ
مِنْ قَوْلِيْ وَ فِعْلِيْ وَ اسْتِكْثَارِ الشَّرِّ وَ
اِنْ قَلَّ مِنْ قَوْلِيْ وَ فِعْلِيْ وَ اَكْمِلْ
ذٰلِكَ لِيْ بِدَوَامِ الطَّاعَةِ وَ لُزُوْمِ
الْجَمَاعَةِ وَ رَفْضِ اَهْلِ الْبِدَعِ وَ مُسْتَعْمِلِ
الرَّاْيِ الْمُخْتَرَعِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّ اٰلِهٖ وَ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ
اِذَا كَبِرْتُ وَ اَقْوٰى قُوَّتِكَ فِيَّ اِذَا نَصِبْتُ
وَ لَا تَبْتَلِيَنِّيْ بِالْكَسَلِ عَنْ عِبَادَتِكَ
وَ لَا الْعَمٰى عَنْ سَبِيْلِكَ وَ لَا بِالتَّعَرُّضِ
لِخِلَافِ مَحَبَّتِكَ وَ لَا مُجَامَعَةِ مَنْ تَفَرَّقَ

پرہیزگاروں کا لباس پہنا (حسب ذیل مقامات میں) عدل کے پھیلانے
میں۔ اور غصہ کے پی جانے میں۔ اور (دشمنی کی) آگ بجھانے میں۔ اور
منتشر لوگوں کو جمع کرنے میں۔ اور باہمی عداوتوں کی اصلاح میں۔ اور نیکی
کے اظہار میں۔ اور عیب پوشی میں۔ اور طبیعت کے نرم کرنے میں۔
اور تواضع[۱] و خاکساری میں اور حسن خلق میں اور جوش[۲] پر قابو پانے
میں اور لوگوں سے اخلاق کے ساتھ پیش آنے میں، اور فضیلت
کی طرف بڑھنے میں، اور داد و دہش اختیار کرنے میں، اور عیب
لگانے (کی عادت) مجھ سے دور رہنے میں، اور غیر مستحق پر افضال و
اکرام میں، اور سچی بات کہنے میں چاہے وہ دشوار ہو، اور کم سمجھنے
میں (اپنی) زبانی یا عملی نیکی کے چاہے وہ زیادہ ہو، اور برائی کو بہت
سمجھنے میں چاہے وہ کم ہو (اور وہ برائی) زبانی برائی ہو یا عملی
اور مکمل کر دے[۳] ان (تمام) باتوں کو (جو اوپر مذکور ہوئیں) میرے
لیے اپنی دائمی عبادت سے، اور (نیک) جماعت[۴] کے ساتھ رہنے سے
اور بدعت کہنے والوں اور اپنی رائے[۵] پر عمل کرنے والوں کو چھوڑنے
سے۔ اے اللہ محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر درود بھیج اور جبکہ میں
بوڑھا ہوں تو اپنا وسیع رزق مجھ کو عنایت کر اور جبکہ میں تھک جاؤں
تو اپنی مضبوط طاقت مجھے دے اور مجھے مبتلا نہ کر سستی کرنے میں
تیری عبادت سے، اور تیری راہ سے بھٹک جانے میں، اور ان
باتوں کے سامنے آنے میں جو خلاف ہیں تیری محبت کے، اور ان
لوگوں کا شریک کار ہونے میں جو تجھ سے جدا ہو چکے اور ان سے جدا

---

۱ خفض الجناح کے لغوی معنی شانے کو جھکانے کے ہیں مگر عرب کے روزمرہ میں عاجزی و خاکساری کے معنی میں مستعمل ہے۔

۲ سکون الریح کے لغوی معنی ہوا کے ساکن ہونے کے ہیں۔ مجازاً ہوا سے وقتی جوش مراد ہے۔

۳ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب نیکیاں اس وقت مکمل ہوتی ہیں جبکہ انسان خدا کی عبادت کرے نیکوں کے ساتھ رہے اور اپنی رائے کو احکام شرع میں دخل نہ دے۔

۴ الجماعۃ، پر الف لام ہونے کی وجہ سے مخصوص جماعت مراد ہے اور وہ مخصوص جماعت نیک لوگوں کی ہے جو سیاق و سباق سے صاف سمجھ میں آتی ہے۔

۵ ان لوگوں کو جو خدا و رسولؐ کے حکم میں اپنی رائے کو دخل دیتے ہیں۔

عَنْكَ وَلَا مُفَارَقَةِ مَنِ اجْتَمَعَ اِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اَصُوْلُ بِكَ عِنْدَ الضَّرُوْرَةِ وَاَسْئَلُكَ عِنْدَ الْحَاجَةِ وَاَتَضَرَّعُ اِلَيْكَ عِنْدَ الْمَسْكَنَةِ وَلَا تَفْتِنِّيْ بِالْاِسْتِعَانَةِ بِغَيْرِكَ اِذَا اضْطُرِرْتُ وَلَا بِالْخُضُوْعِ لِسُؤَالِ غَيْرِكَ اِذَا افْتَقَرْتُ وَلَا بِالتَّضَرُّعِ اِلٰى مَنْ دُوْنَكَ اِذَا رَهِبْتُ فَاَسْتَحِقَّ بِذٰلِكَ خِذْلَانَكَ وَمَنْعَكَ وَاِعْرَاضَكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِيْ رُوْعِيْ مِنَ التَّمَنِّيْ وَالتَّظَنِّيْ وَالْحَسَدِ ذِكْرًا لِعَظَمَتِكَ وَتَفَكُّرًا فِيْ قُدْرَتِكَ وَتَدْبِيْرًا عَلٰى عَدُوِّكَ وَمَا اَجْرٰى عَلٰى لِسَانِيْ مِنْ لَفْظَةِ فُحْشٍ اَوْ هُجْرٍ اَوْ شَتْمِ عِرْضٍ اَوْ شَهَادَةِ بَاطِلٍ اَوِ اغْتِيَابِ مُؤْمِنٍ غَائِبٍ اَوْ سَبِّ حَاضِرٍ وَمَا اَشْبَهَ ذٰلِكَ نُطْقًا بِالْحَمْدِ لَكَ وَاِغْرَاقًا فِي الثَّنَاۤءِ عَلَيْكَ وَذَهَابًا فِيْ تَمْجِيْدِكَ وَشُكْرًا لِنِعْمَتِكَ وَاعْتِرَافًا بِاِحْسَانِكَ وَاِحْصَاۤءً لِمِنَنِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ

ہونے میں جو مجتمع ہوئے تیرے پاس۔ اے مالک! تو مجھے ایسا بنا دے کہ میں ضرورت کے وقت تیرے ہی بھروسے[1] پر حملہ کروں اور تجھ ہی سے سوال کروں محتاجی کے وقت۔ اور فقر و فاقہ میں تیرے ہی سامنے گڑگڑاؤں۔ اور مت مبتلا کر مجھ کو غیر اللہ سے مدد چاہنے کے فتنہ میں، جبکہ میں مضطر ہو جاؤں، اور نہ اپنے علاوہ کسی کے سامنے جھکنے میں، جبکہ میں محتاج ہوں۔ اور نہ اپنے سوا کسی کے سامنے گڑگڑانے میں جبکہ میں خوف زدہ ہوں کہ (مبادا) سزاوار ہو جاؤں میں ان باتوں سے تیرے رسوا[2] کر دینے کا اور تیرے منع کر دینے کا اور تیرے منہ پھرا لینے کا۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! اے اللہ[3]! جو کچھ شیطان میرے دل میں آرزو یا بدگمانی اور حسد ڈالے، اسے تو اپنی بزرگی کا ذکر، اور اپنی قدرت کی معرفت[4] اور اپنے دشمن کی ہلاکت[5] بنا دے اور جو کچھ میری زبان[6] پر جاری ہو فحش لفظ یا قبیح کلمہ یا کسی کی آبرو ریزی کی بات، یا باطل کی گواہی یا غائب مومن کی بدگوئی یا کسی موجود کے لیے گالی، اور اس کی مثل دوسری باتیں، ان سب کو تو اپنی حمد اور حد سے زیادہ حمد، اور اپنی بزرگی کا بیان اور اپنی نعمت کا شکر اور اپنے احسان کا اقرار اور اپنے احسانوں کا شمار بنا دے[7]۔ اے اللہ تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور (ایسا کر کہ) نہ ظلم کیا جائے مجھ پر جبکہ تو (اس ظلم کو) مجھ

---

[1] بغیرک کا ترجمہ جو اگلی سطر میں مذکور ہے۔ [a] جس طرح حملہ کر کے کسی پر قبضہ کیا جاتا ہے اسی طرح تیرا توکل میرے قبضے میں آ جائے۔

[2] یعنی اس بات کا کہ تو مجھے رسوا کرے۔

[3] اِجعل کا ترجمہ (بنا دے) یہاں سے تیسری سطر میں ہے۔

[4] بطور مجاز مرسل تفکر سے معرفت مراد ہے جو تفکر کا نتیجہ ہوتی ہے۔

[5] ترجمہ اجعل جو چار سطر اوپر مذکور ہوا۔

[6] یہاں سے بالعدد کے تمام جملے اِجعل کے تحت میں ہیں۔

[7] اجعل کا ترجمہ جو ۹ سطر پہلے مذکور ہے۔

وَلَا أُظْلَمَنَّ وَأَنْتَ مُطِيقٌ لِلدَّفْعِ عَنِّي وَلَا
أَظْلِمَنَّ وَأَنْتَ الْقَادِرُ عَلَى الْقَبْضِ مِنِّي وَ
لَا أَضِلَّنَّ وَقَدْ أَمْكَنَتْكَ هِدَايَتِي وَلَا أَفْتَقِرَنَّ
وَمِنْ عِنْدِكَ وُسْعِي وَلَا أَضِيقَنَّ وَمِنْ عِنْدِكَ
وُجْدِي اللّٰهُمَّ إِلَى مَغْفِرَتِكَ وَفَدْتُ وَإِلَى
عَفْوِكَ قَصَدْتُ وَإِلَى تَجَاوُزِكَ اشْتَقْتُ وَبِفَضْلِكَ
وَثِقْتُ وَلَيْسَ عِنْدِي مَا يُوجِبُ لِي مَغْفِرَتَكَ
وَلَا فِي عَمَلِي مَا أَسْتَحِقُّ بِهِ عَفْوَكَ وَمَا لِي
بَعْدَ أَنْ حَكَمْتُ عَلَى نَفْسِي إِلَّا فَضْلُكَ فَصَلِّ
عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَتَفَضَّلْ عَلَيَّ اللّٰهُمَّ وَ
أَنْطِقْنِي بِالْهُدَى وَأَلْهِمْنِي التَّقْوَى وَ
وَفِّقْنِي لِلَّتِي هِيَ أَزْكَى وَاسْتَعْمِلْنِي بِمَا
هُوَ أَرْضَى اللّٰهُمَّ اسْلُكْ بِيَ الطَّرِيقَةَ
الْمُثْلَى وَاجْعَلْنِي عَلَى مِلَّتِكَ أَمُوتُ وَ
أَحْيَى اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَ
مَتِّعْنِي بِالْاِقْتِصَادِ وَاجْعَلْنِي مِنْ أَهْلِ
السَّدَادِ وَمِنْ أَدِلَّةِ الرَّشَادِ وَمِنْ
صَالِحِي الْعِبَادِ وَارْزُقْنِي فَوْزَ
الْمَعَادِ وَسَلَامَةَ الْمِرْصَادِ اللّٰهُمَّ
خُذْ لِنَفْسِكَ مِنْ نَفْسِي مَا يُخَلِّصُهَا
وَأَبْقِ لِنَفْسِي مِنْ نَفْسِي مَا يُصْلِحُهَا

سے دُور کرنے کی طاقت رکھتا ہے اور نہ میں ظلم کرسکوں جبکہ تو قدرت
رکھتا ہے مجھے روک دینے کی۔ اور میں گمراہ نہ ہوں جبکہ تو مجھے راہ راست
دکھانے پر قادر ہے اور میں محتاج نہ ہوں جبکہ (روزی کی) وسعت
تیرے پاس سے ہوتی ہے۔ اور میں تنگدست نہ ہوں جبکہ میری تونگری[1]
تیری جانب سے ہے۔ اے اللہ! میں تیری بخشش کی طرف آیا ہوں
اور تیری معافی (حاصل کرنے) کا میں نے عزم کیا ہے اور تیری
درگزر کا محتاج ہوں اور تیرے فضل پر میں نے بھروسا کیا ہے اور
(صورت حال یہ ہے کہ) میرے پاس کوئی ایسا عمل نہیں ہے جو
وسیلہ ہو میرے لیے تیری مغفرت کا۔ اور نہ میرے عمل میں کوئی[2] ایسی
بات ہے جس سے میں تیری معافی کا مستحق ہوں اور نہیں ہے میرے
پاس، بعد اس[3] کے کہ میں نے اپنے نفس پر ان باتوں (یا کمزوریوں)
سے جو مذکور ہوئیں حکم لگایا ہے (کوئی اور سہارا) سوائے تیرے فضل کے
پس تو محمد پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور بغیر استحقاق[4] مہربانی
کر مجھ پر۔ اے معبود! مجھے رہنمائی میں بولنے کی طاقت دے۔ اور
میرے دل میں پرہیزگاری ڈال اور مجھے توفیق دے اس طریقت
(شریعت) کی جو پاک ہو۔ اور مجھ سے وہ کام لے جو بہت پسندیدہ ہو۔
اے اللہ! چل مجھ کو سیدھے راستے پر اور مجھے ایسا بنا دے
کہ تیری ملت پر مروں اور جیوں۔ اے اللہ محمد پر اور ان کی اولاد
پر درود بھیج اور مجھے میانہ روی سے مستفیض کر اور مجھے ان لوگوں
میں قرار دے جو ہدایت والے ہیں اور سیدھا راستہ دکھاتے ہیں اور
نیک بندے ہیں۔ اور عنایت فرما مجھ کو روز قیامت کی کامیابی اور

---

[1] موجودہ استغنا کو تونگری سے تعبیر کرنا انتہائے قناعت کا ثبوت ہے۔

[2] مقبولیت کے لیے کوئی خاص خوبی نہیں ہے۔

[3] یعنی ان کلمات سے پہلے میں نے اپنے نفس کی برائی کا جائزہ لے کر جو باتیں بیان کی ہیں ان کے ہوتے ہوئے مغفرت کا میرے پاس سوائے تیرے فضل و کرم کے کوئی وسیلہ نہیں ہے۔

[4] تفضل کے معنی ہیں اس شخص پر فضل و کرم کرنا جو اپنے اعمال کی بنا پر فضل و کرم کا مستحق نہ ہو۔

فَإِنَّ نَفْسِيْ هَالِكَةٌ أَوْ تَعْصِمَهَا اَللّٰهُمَّ
أَنْتَ عُدَّتِيْ إِنْ حَزِنْتُ وَأَنْتَ مُنْتَجَعِيْ
إِنْ حُرِمْتُ وَبِكَ اسْتِغَاثَتِيْ إِنْ
كُرِثْتُ وَعِنْدَكَ مِمَّا فَاتَ خَلَفٌ
وَلِمَا فَسَدَ صَلَاحٌ وَفِيْمَا أَنْكَرْتَ
تَغْيِيْرٌ فَامْنُنْ عَلَيَّ قَبْلَ الْبَلَاءِ
بِالْعَافِيَةِ وَقَبْلَ الطَّلَبِ بِالْجِدَةِ
وَقَبْلَ الضَّلَالِ بِالرَّشَادِ وَ
اكْفِنِيْ مَؤُوْنَةَ مَعَرَّةِ الْعِبَادِ وَ
هَبْ لِيْ أَمْنَ يَوْمِ الْمَعَادِ وَامْنَحْنِيْ
حُسْنَ الْإِرْشَادِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ وَادْرَأْ عَنِّيْ بِلُطْفِكَ
وَاغْذُنِيْ بِنِعْمَتِكَ وَأَصْلِحْنِيْ بِكَرَمِكَ
وَدَاوِنِيْ بِصُنْعِكَ وَأَظِلَّنِيْ فِيْ ذَرَاكَ
وَجَلِّلْنِيْ رِضَاكَ وَوَفِّقْنِيْ إِذَا
اشْتَكَلَتْ عَلَيَّ الْأُمُوْرُ لِأَهْدَاهَا
وَإِذَا تَشَابَهَتِ الْأَعْمَالُ لِأَزْكَاهَا
وَإِذَا تَنَاقَضَتِ الْمِلَلُ لِأَرْضَاهَا
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ
وَتَوِّجْنِيْ بِالْكِفَايَةِ وَسُمْنِيْ حُسْنَ

اس دن کی سلامتی[1] جس کا انتظار ہے۔ اے اللّٰہ! میرے نفس میں سے وہ (جزو) اپنے لیے لے لے[2] جو اُسے (یعنی میرے نفس کو) نجات دلائے اور میری جان کے لیے اُس جان کا وہ جزو چھوڑ دے جو اس کی اصلاح کرے اس لیے کہ (اگر بحال خود برقرار رہا تو) میرا نفس ہلاک ہو جائے گا ورنہ[3] تو اسے بچا لے اے اللّٰہ! اگر میں غمگین ہوں تو تُو میرا سہارا[4] ہے اور اگر میں محروم ہوں تو تُو ہی میرا امیدگاہ ہے اور اگر میں بے چین ہوں تو تُو ہی میرا فریادرس ہے اور تیرے ہی پاس فوت شدہ چیزوں کا عوض ہے اور اس چیز کی درستی کا سامان ہے جو خراب ہو گئی۔ اور ان باتوں کی تبدیلی ہے جنھیں تو ناپسند کرتا ہے پس مجھ پر احسان کر بلا سے پہلے سلامتی دے کر، اور مانگنے سے پہلے بخشش کر کے، اور گمراہی سے پہلے ہدایت فرما کر، اور مجھے لوگوں کی ناپسندیدہ باتوں کی تکلیف سے بچا اور مجھ کو قیامت کے دن کا امن عنایت کر اور مجھے بہترین رہنمائی بخش۔ اے اللّٰہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور دور رکھ مجھ سے (برائیوں کو) اپنے لطف و کرم سے اور مجھے اپنے انعام کی غذا عنایت فرما۔ اور اپنے کرم سے میری اصلاح کر اور میرا علاج کر اپنے احسان سے اور مجھے اپنی پشت پناہی کے سایہ میں لے لے اور مجھے اپنی خوشنودی کا خلعت دے اور مجھے توفیق دے درست ترین کاموں کی جبکہ امور میرے نزدیک مشتبہ ہوں۔ اور پاکیزہ ترین اعمال کی جبکہ ان میں برے بھلے کا امتیاز مشکل ہو، اور پسندیدہ تر ملت کی جبکہ ملتوں میں اختلاف

---

[1] یعنی حساب کتاب کا دن۔

[2] نفس میں دو بڑی قوتیں ہوتی ہیں ایک ارادۂ عمل دوسری ارتکاب عمل۔ دعا کے ان کلمات کا مطلب ہے کہ یا اللّٰہ میرے نفس میں جو ارادہ کی قوت ہے اسے تو اپنے قبضے میں لے اور ارتکاب عمل کی قوت جو ارادے کے تحت چلے گی میرے قبضے میں چھوڑ دے۔

[3] اصل متن میں اَوْ کا لفظ آیا ہے جس کے معنی 'یا' ہوتے ہیں۔ سیاق و سباق میں جس جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے، اس موقع پر اردو میں 'ورنہ' بولتے ہیں۔

[4] عُدَّۃ کے لغوی معنی ساز و سامان کے ہیں۔ غم کے موقع پر ایسا ساز و سامان درکار ہوتا ہے جس سے غم بٹ جائے۔ اس مناسبت سے ترجمہ میں اس کے معنی 'سہارے' کے لکھے گئے ہیں۔

الْوِلَايَةِ وَهَبْ لِيْ صِدْقَ الْهِدَايَةِ
وَلَا تَفْتِنِّيْ بِالسَّعَةِ وَامْنَحْنِيْ حُسْنَ
الدَّعَةِ وَلَا تَجْعَلْ عَيْشِيْ كَدًّا كَدًّا
وَلَا تَرُدَّ دُعَآئِيْ عَلَيَّ رَدًّا فَاِنِّيْ لَا
اَجْعَلُ لَكَ ضِدًّا وَّلَا اَدْعُوْ مَعَكَ
نِدًّا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَامْنَعْنِيْ مِنَ السَّرَفِ وَحَصِّنْ
رِزْقِيْ مِنَ التَّلَفِ وَوَفِّرْ مَلَكَتِيْ
بِالْبَرَكَةِ فِيْهِ وَاَصِبْ بِيْ سَبِيْلَ
الْهِدَايَةِ لِلْبِرِّ فِيْمَا اُنْفِقُ مِنْهُ اَللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاكْفِنِيْ مَؤُوْنَةَ
الْاِكْتِسَابِ وَارْزُقْنِيْ مِنْ غَيْرِ
احْتِسَابٍ فَلَا اَشْتَغِلُ عَنْ عِبَادَتِكَ
بِالطَّلَبِ وَلَا اَحْتَمِلُ اِصْرَ تَبِعَاتِ
الْمَكْسَبِ اَللّٰهُمَّ فَاَطْلِبْنِيْ بِقُدْرَتِكَ مَا
اَطْلُبُ وَاَجِرْنِيْ بِعِزَّتِكَ مِمَّا اَرْهَبُ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصُنْ
وَجْهِيْ بِالْيَسَارِ وَلَا تَبْتَذِلْ جَاهِيْ

ہو۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھے (اپنی)
مدد کا تاج پہنا اور (اپنی) بہترین محبت کا نشان لگا اور کرامت فرما مجھے
سچی ہدایت اور مجھے افراطِ روزی کے فتنہ میں نہ ڈال اور عطا کر مجھے
اچھا آرام اور میری زندگی کو سخت نہ بنا۔ اور میری دعا کو میری طرف
واپس نہ کر، کیونکہ میں کسی کو تیرا مدِ مقابل نہیں سمجھتا اور نہ تیرے ساتھ
کسی شریک کا مدعی ہوں۔ اے اللہ محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت
بھیج اور مجھے اسراف (فضول خرچی) سے باز رکھ۔ اور میری روزی
کی حفاظت کر برباد ہونے سے اور میری ملکیت کو اس (ملکیت) میں
برکت دے کر زیادہ کر۔ اور پہنچا دے مجھ کو راہِ راست پر نیکی کے لیے
(یعنی نیکی کے سیدھے راستے پر) اس[1] مال میں جسے میں خرچ کرتا ہوں۔
اے اللہ رحمت نازل کر محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھے روزی کمانے
کی مشقت[2] سے بچا اور مجھے اتنی روزی عطا کر جس کا حساب[3] نہ ہو۔
تاکہ تلاش (معاش) میں تیری عبادت سے روگرداں نہ ہوں اور بوجھ
نہ اٹھانا پڑے حصولِ معاش کے وبالوں کا۔ اے معبود! جو کچھ میں
مانگتا ہوں وہ اپنی قدرت سے مجھے عطا[4] کر اور جس بات سے خائف
ہوں اس سے اپنے غلبہ[5] کے ذریعہ مجھے بچا۔ اے اللہ رحمت نازل
کر محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور حفاظت کر میری آبرو کی (مجھے) کام
کرنے کی ہمت[6] دے کر۔ اور میرے مرتبہ کو مفلسی کے ذریعہ پست نہ کر

---

[1] یعنی میں جو مال خرچ کرتا ہوں اس کے مصرف میں ایسا راستہ دکھا دے کہ وہ مال نیکی ہی میں صرف ہو۔
[2] یعنی قناعت و استغنا اور فقر و فاقہ کی ہمت عطا کر تاکہ روزی کمانے کی مشقت جھیلنے کی ضرورت نہ پڑے۔
[3] یعنی اتنی قلیل روزی جس کا روزِ قیامت حساب کتاب نہ ہو۔ [4] اَطْلِبْنِیْ کے لغوی معنی ہیں میری درخواست منظور کر۔
[5] یعنی اپنی اس قوت سے جس کی بناء پر تو سب پر غالب ہے۔ [6] یسار کا ترجمہ مترجم فارسی نے دولتمندی اور توانگری کیا ہے۔ جو بظاہر اس مقام
پر درست بھی معلوم ہوتا ہے۔ مگر سیاق و سباق سے دعا کرنے والے کی سیرتِ قناعت پر جو روشنی پڑتی ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں دعا کرنے والے
توانگری کی دعا نہیں کر رہا بلکہ کام کرنے کی ہمت مانگنا چاہتا ہے۔ جو لغت کے اعتبار سے درست ہے کیونکہ 'یسار' کے لغوی معنی توانگری اور کام
کرنے کی ہمت اور تیاری، دونوں باتوں کے ہیں۔

بِالْاِفْتَارِ فَاَسْتَرْزِقَ اَهْلَ رِزْقِكَ وَاَسْتَعْطِيَ
شِرَارَ خَلْقِكَ فَاَفْتَتِنَ بِحَمْدِ مَنْ اَعْطَانِيْ
وَاُبْتَلٰى بِذَمِّ مَنْ مَنَعَنِيْ وَاَنْتَ مِنْ دُوْنِهِمْ
وَلِيُّ الْاِعْطَاءِ وَالْمَنْعِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِهٖ وَارْزُقْنِيْ صِحَّةً فِيْ عِبَادَةٍ وَفَرَاغًا
فِيْ زَهَادَةٍ وَعِلْمًا فِي اسْتِعْمَالٍ وَوَرَعًا فِيْ
اِجْمَالٍ اَللّٰهُمَّ اخْتِمْ بِعَفْوِكَ اَجَلِيْ
وَحَقِّقْ فِيْ رَجَاءِ رَحْمَتِكَ اَمَلِيْ
وَسَهِّلْ اِلٰى بُلُوْغِ رِضَاكَ سُبُلِيْ وَ
حَسِّنْ فِيْ جَمِيْعِ اَحْوَالِيْ عَمَلِيْ اَللّٰهُمَّ

کہ روزی مانگوں میں تیرے روزی لیے ہوئے لوگوں سے اور تیری
شر پسند مخلوق (دولتمندوں) سے بخشش کا طلبگار ہوں۔ اور اس شخص
کی تعریف کے فتنہ میں پڑ جاؤں جو مجھے عطا کرے[1] اور اس شخص کی
مذمت میں مبتلا ہوں جو مجھے منع کرے۔ حالانکہ تو، نہ کہ وہ لوگ عطا
کرنے اور منع کرنے کا مالک[2] ہے۔ اے اللہ! درود بھیج تو محمد پر
اور ان کی اولاد پر اور مجھے عطا کر، درستی و صحت عبادت[3] میں۔ اور
ترک دنیا میں اطمینان اور عمل میں علم اور مجملاً[4] تمام امور میں پرہیزگاری[5]
(عطا کر) اے اللہ! میری زندگی کی میعاد کو اپنی معافی پر ختم کر اور
محکم و مستحکم کر اپنی رحمت کی امید میں میری تمنا[6] کو۔ اور میرے راستوں
کو اپنی خوشنودی تک پہنچنے میں ہموار کر۔ اور قابل پسندگی بنا میرا

---

۱۔ یعنی تیرے غیر کی حمد کرنا پڑے شکرانہ کے طور پر۔

۲۔ وَلِیٌّ کا ترجمہ جو کہ اوپر مذکور ہوا۔

۳۔ عبارت میں درستی و صحت سے یہ مطلب ہے کہ عبادت کے وقت وہ خشوع و خشوع اور توجہ کامل اور اخلاص مجھ میں پیدا ہو جائے جس کے سبب عبادت سیدھی باب قبولیت تک پہنچتی ہے اور اس کے درست و قابل قبول ہونے میں کوئی نقص باقی نہیں رہتا۔

۴۔ فی اجمالٍ کا ترجمہ ہے جو اسی سطر کے شروع میں مذکور ہے۔

۵۔ وَرَع (پرہیزگاری) دیکھنے میں تین حرفوں کا مجموعہ ہے مگر اس کے معنی میں حسب ذیل باتیں شامل ہیں جن کے بغیر وَرَع اور پرہیزگاری کی تکمیل نہیں ہوتی اور وہ باتیں یہ ہیں (ا) انسان فسق و فجور سے دور رہے (ب) تمام ان باتوں کو ترک کرے جن میں معصیت کا کوئی ادنیٰ شبہ بھی پیدا ہو سکتا ہو (ج) بعض حلال چیزوں کو بھی اس خیال سے ترک کرے کہ شاید یہ معصیت کی طرف لے جائیں مثلاً غیروں کے متعلق گفتگو نہ کرے کہ مبادا اس گفتگو میں غیبت اور بدگوئی کا پہلو نکل آئے یا زیادہ چلنا پھرنا اس خیال سے ترک کرے کہ شاید کسی حرام پر نظر پڑ جائے۔ زیادہ بات چیت سے گریز کرے تاکہ کوئی لغو حرف منہ سے نکل جانے کا اندیشہ باقی نہ رہے (د) اہل و عیال کے فرائض متعلقہ انجام دینے کے علاوہ سوائے یاد الٰہی کے اور تمام باتوں سے قطع تعلق کر لے۔ جب سب ارکان منزل بہ منزل انسان میں پیدا ہو جائیں تو اس کے وَرَع اور پرہیزگاری کی تکمیل ہوتی ہے۔

۶۔ وَحَقِّقْ کا ترجمہ جو کہ اوپر کی سطر میں مذکور ہے۔

۷۔ یعنی میری تمام زندگی تیری رحمت کی امید سے وابستہ رہے اور کسی دوسری قسم کی تمنا میرے دل میں نہ پیدا ہو۔

۸۔ یعنی چاہے میں کسی بھی حال میں ہوں مگر مجھ سے نیک عمل کے علاوہ کوئی عمل سرزد نہ ہو۔

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَ نَبِّھْنِیْ لِذِکْرِكَ فِیْ اَوْقَاتِ الْغَفْلَةِ وَ اسْتَعْمِلْنِیْ بِطَاعَتِكَ فِیْ اَیَّامِ الْمُهْلَةِ وَ انْهَجْ لِیْ اِلٰی مَحَبَّتِكَ سَبِیْلًا سَهْلَةً وَاَكْمِلْ لِیْ بِهَا خَیْرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ كَاَفْضَلِ مَا صَلَّیْتَ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ قَبْلَهٗ وَاَنْتَ مُصَلٍّ عَلٰی اَحَدٍ بَعْدَهٗ وَ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ٥

میں میرے عمل کو۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور ہوشیار کر مجھ کو اپنے ذکر کے لیے میرے غافل رہنے کے اوقات میں۔ اور مجھے اپنی طاعت (و عبادت) کے کام میں لگا، مہلت کے دنوں میں۔ اور اپنی محبت کی طرف چلنے کے راستے کو میرے لیے آشکار اور سہل کر دے اور تمام کر دے میرے لیے اس (محبت) کے وسیلے سے دنیا و آخرت کی نیکی کو۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اس بہترین رحمت کی مثل، جو تو نے اپنے بندوں میں سے کسی پر ان سے پہلے نازل کی ہو۔ یا نازل کرے تو کسی پر ان کے بعد اور ہمیں دنیا میں نیکی[۲] عطا کر اور آخرت میں نیکی عطا کر اور ہمیں عذاب جہنم سے بچا۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِذَا اَحْزَنَهٗ اَوْ اَهَمَّتْهُ الْخَطَایَا

حضرت زین العابدین جب کسی بات سے غمگین ہوتے یا گناہوں کی فکر ہوتی تو اس وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ یَا كَافِیَ الْفَرْدِ الضَّعِیْفِ وَ وَاقِیَ الْاَمْرِ الْمَخُوْفِ اَفْرَدَتْنِی الْخَطَایَا فَلَا صَاحِبَ مَعِیْ وَ ضَعُفْتُ عَنْ غَضَبِكَ فَلَا مُؤَیِّدَ لِیْ وَ اَشْرَفْتُ عَلٰی خَوْفِ لِقَائِكَ فَلَا مُسَكِّنَ لِرَوْعَتِیْ وَ مَنْ

اے اللہ! اے کمزور یکہ و تنہا کی مدد کرنے والے اور[۱] خوفناک چیز سے بچانے والے! یکہ و تنہا کر دیا ہے مجھ کو گناہوں[۳] نے پس میرا کوئی غم خوار[۴] نہیں ہے اور میں تیرے غیظ و غضب (کے تحمل) کی طاقت نہیں رکھتا پس کوئی میری پشت قوی کرنے والا نہیں ہے اور میں تیری ملاقات[۵] کے خوف کے قریب آ لگا ہوں۔ اور کوئی میری دہشت کو تسکین

---

[۱] اس جگہ و (حرف عطف) بجائے اور کے یا (حرف تردید) کے معنی میں ہے۔

[۲] دنیا کی نیکی سے وسعت رزق و معاش اور حسن خلق مراد ہے اور آخرت کی نیکی سے رضائے الٰہی اور جنت کا حصول مقصد ہے۔ اس کے علاوہ بعض احادیث میں نیکی سے تین چیزیں مراد لی گئی ہیں، شکر الٰہی بجا لانے والا دل، عبادت خداوندی میں مشغول رہنے والی زبان اور باعفت اور نیک بیوی۔ جس مومن کو یہ تینوں نعمتیں مل جائیں اسے دنیا و آخرت دونوں کا حسنہ حاصل ہو گیا۔

[۳] یعنی گناہوں کی کثرت سے میرے پاس کوئی ایسا عمل صالح نہیں ہے جو قبر میں میرا مونس و غم خوار ہو۔ [۴] یعنی نیک عمل۔

[۵] یعنی موت کے دن قریب ہیں۔

يُؤْمِنُنِي مِنْكَ وَ أَنْتَ أَخَفْتَنِي وَ مَنْ
يُسَاعِدُنِي وَ أَنْتَ أَفْرَدْتَنِي وَ مَنْ يُقَوِّينِي
وَ أَنْتَ أَضْعَفْتَنِي لَا يُجِيرُ يَا إِلٰهِي إِلَّا رَبٌّ
عَلٰى مَرْبُوبٍ وَ لَا يُؤْمِنُ إِلَّا غَالِبٌ
عَلٰى مَغْلُوبٍ وَ لَا يُعِينُ إِلَّا طَالِبٌ عَلٰى
مَطْلُوبٍ وَ بِيَدِكَ يَا إِلٰهِي جَمِيعُ ذٰلِكَ
السَّبَبِ وَ إِلَيْكَ الْمَفَرُّ وَ الْمَهْرَبُ فَصَلِّ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ أَجِرْ هَرَبِي وَ أَنْجِحْ
مَطْلَبِي اللّٰهُمَّ إِنَّكَ إِنْ صَرَفْتَ عَنِّي
وَجْهَكَ الْكَرِيمَ أَوْ مَنَعْتَنِي فَضْلَكَ
الْجَسِيمَ أَوْ حَظَرْتَ عَلَيَّ رِزْقَكَ أَوْ
قَطَعْتَ عَنِّي سَبَبَكَ لَمْ أَجِدِ السَّبِيلَ
إِلٰى شَيْءٍ مِنْ أَمَلِي غَيْرَكَ وَ لَمْ أَقْدِرْ
عَلٰى مَا عِنْدَكَ بِمَعُونَةِ سِوَاكَ فَإِنِّي
عَبْدُكَ وَ فِي قَبْضَتِكَ نَاصِيَتِي بِيَدِكَ لَا

دینے والا نہیں ہے اور کون مجھے تجھ سے (تیرے عذاب سے) بچائے
گا جبکہ تو نے ہی مجھے ڈرایا ہے۔ اور کون میری امداد کرے گا جبکہ تو
نے ہی مجھ کو یکہ و تنہا چھوڑ دیا[1]۔ اور کون مجھے قوت دے گا جبکہ تو نے مجھے
کمزور کر دیا[2]۔ نہیں پناہ دے سکتا اے میرے معبود! پرورش کردہ کو
(کوئی دوسرا) سوائے پرورش کرنے والے کے۔ اور نہیں بچا سکتا مغلوب
کو (کوئی شخص) مگر وہ جو غالب ہو۔ اور نہیں اعانت کر سکتا بلائے ہوئے
(شخص) کی مگر بلانے والا[3]۔ اور تیرے ہی ہاتھ میں ہیں اے میرے اللہ
یہ تمام سبب[4]۔ اور تیری ہی طرف فرار[5] اور گریز کی جگہ ہے۔ پس رحمت
نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور میری گریز[6] کو پناہ دے اور میرا
مطلب پورا کر۔ اے میرے معبود! اگر تو نے پھیر لیا میری طرف سے اپنے
رحم و کرم کرنے والے رخ[7] کو یا اپنے فضل عظیم سے مجھے محروم رکھا یا روک
دی مجھ پر اپنی روزی یا اپنے وسیلہ کو مجھ سے قطع کر لیا تو میں اپنے کسی کام[8]
کی طرف قدم نہیں اٹھا سکتا۔ بغیر تیرے[9]۔ اور تیرے سوا کسی کی مدد سے
اس (بخشش) پر جو تیرے پاس ہے قدرت نہیں پا سکتا۔ پس میں تیرا
بندہ ہوں اور تیرے قبضے میں ہوں۔ تو مجھے جدھر[10] چاہے اور جس طرح

---

[1] یعنی میری کثرت عصیاں کے باعث تیری نظر مجھ سے پھر گئی۔

[2] یعنی میرا دل تیرے سہارے پر قوی تھا جب میری بداعمالی کے باعث تو نے میرا ساتھ چھوڑا تو وہ قوت جاتی رہی۔

[3] چونکہ موت خدا کے حکم سے انسان کو خدا کی طرف بلا کرلے جاتی ہے اس لیے خدا کو طالب اور بندے کو مطلوب قرار دیا ہے۔

[4] یعنی وہ سبب جن کے باعث امداد کی تحریک ہوتی ہے یعنی ربوبیت اور غلبہ اور طلب جس کا اوپر ذکر ہوا۔

[5] یعنی ان حالات سے بچنے کے لیے کوئی بھاگنا چاہے تو تیرے ہی دامن میں پناہ لے سکتا ہے۔

[6] یعنی میں ان مصائب سے بھاگ کر تیرے پاس آیا ہوں مجھے پناہ دے۔

[7] یعنی توجہ کو۔

[8] میں اَمَل کا مفہوم جو اگلی سطر میں ہے۔

[9] یعنی بغیر تیری اعانت کے۔

[10] نَاصِیَتِی بِیَدِکَ کے لفظی معنی یہ ہیں کہ میری پیشانی کے لمبے لمبے بال تیرے ہاتھ میں ہیں۔ یہ عرب کا روزمرہ ہے جو اس موقع پر بولتے ہیں جبکہ ایک شخص ہر اعتبار سے دوسرے کے قبضے میں ہو اور خود اپنی طاقت اور مرضی سے معمولی سی حرکت پر بھی قادر نہ ہو۔

اَمْرِيْ مَعَ اَمْرِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ
عَدْلٌ فِيَّ قَضَآؤُكَ وَلَا قُوَّةَ لِيْ عَلَى
الْخُرُوْجِ مِنْ سُلْطَانِكَ وَلَا اَسْتَطِيْعُ
مُجَاوَزَةَ قُدْرَتِكَ وَلَا اَسْتَمِيْلُ هَوَاكَ
وَلَا اَبْلُغُ رِضَاكَ وَلَا اَنَالُ مَا عِنْدَكَ
اِلَّا بِطَاعَتِكَ وَبِفَضْلِ رَحْمَتِكَ اِلٰهِيْ
اَصْبَحْتُ وَاَمْسَيْتُ عَبْدًا دَاخِرًا
لَكَ لَا اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا
ضَرًّا اِلَّا بِكَ اَشْهَدُ بِذٰلِكَ عَلٰى
نَفْسِيْ وَاَعْتَرِفُ بِضَعْفِ قُوَّتِيْ
وَقِلَّةِ حِيْلَتِيْ فَاَنْجِزْ لِيْ مَا
وَعَدْتَنِيْ وَتَمِّمْ لِيْ مَا اٰتَيْتَنِيْ
فَاِنِّيْ عَبْدُكَ الْمِسْكِيْنُ الْمُسْتَكِيْنُ
الضَّعِيْفُ الضَّرِيْرُ الْحَقِيْرُ الْمَهِيْنُ
الْفَقِيْرُ الْخَآئِفُ الْمُسْتَجِيْرُ اَللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَلَا
تَجْعَلْنِيْ نَاسِيًا لِذِكْرِكَ فِيْمَا
اَوْلَيْتَنِيْ وَلَا غَافِلًا لِاِحْسَانِكَ
فِيْمَا اَبْلَيْتَنِيْ وَلَا اٰيِسًا مِنْ
اِجَابَتِكَ لِيْ وَاِنْ اَبْطَاَتْ عَنِّيْ
فِيْ سَرَّآءَ كُنْتُ اَوْ ضَرَّآءَ اَوْ شِدَّةٍ

چاہے لے جا سکتا ہے۔ میرا کوئی معاملہ نہیں ہے تیرے معاملے کے سامنے۔ تیرا حکم مجھ میں (میری رگ و پے میں) جاری و ساری ہے۔ میرے بارے میں تیرا فیصلہ عدالت پر مبنی (اور ٹھیک) ہے اور نہیں ہے قوت مجھ میں تیری سلطنت سے نکل جانے کی اور نہیں طاقت رکھتا میں آگے بڑھ جانے کی (یا حد سے نکل جانے کی) تیری قدرت[1] سے۔ اور نہ میں اپنی طرف موڑ سکتا ہوں تیری محبت کو۔ اور نہ تیری خوشنودی تک پہنچ سکتا ہوں اور نہ اس (درجے اور مقام یا نعمت) کو جو تیرے پاس ہے بغیر تیری عبادت اور تیری زیادہ رحمت کے پا سکتا ہوں۔ اے میرے معبود! میں نے صبحیں اور شامیں تیرے ذلیل بندے کی حیثیت سے بسر کی ہیں۔ اور نہیں رکھتا ہوں اپنے نفس کے لیے کوئی نفع اور کوئی ضرر مگر تیرے وسیلہ سے۔ میں اپنے نفس[2] پر اس بات کی گواہی دیتا ہوں اور اعتراف کرتا ہوں اپنی قوت کے کمزور ہونے اور اپنی تدبیر کے ناقص ہونے کا پس تو نے جس بات کا مجھ سے وعدہ[3] کیا ہے اسے میرے لیے پورا کر اور کامل کر میرے لیے اس چیز کو جو تو نے مجھے عطا[4] کی ہے کیونکہ میں تیرا (ایسا) بندہ ہوں جو کہ غریب، عاجزی کرنے والا، کمزور بدحال ذلیل، بے قدر، رسوا، محتاج، خوف زدہ اور پناہ کا طالب ہے۔ اے معبود! تو محمد پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور مجھے ان چیزوں (یعنی نعمتوں) کے بارے میں اپنا ذکر بھلا دینے والوں میں نہ قرار دے جو تو نے مجھے عطا کی ہیں۔ اور نہ ان باتوں میں اپنے احسان کی جانب سے غفلت برتنے دے، جن میں تو نے میری آزمائش کی ہے اور نہ مایوس ہونے دے مجھے اپنی دعا کے قبول ہونے سے، اگرچہ تو میری

---

[1] یعنی تیری قدرت کی حد سے نکل جانے یا بڑھ جانے کی مجھ میں طاقت نہیں۔

[2] اپنے نفس کو اور خود کو دو فرض کر کے خود کو نفس پر گواہ بنایا۔

[3] وعدہ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی تم مجھ سے مانگو تو میں تمھیں دوں گا۔

[4] یعنی جو نعمت عبادت کے وقت مجھے تیری توفیق کی بدولت ملی ہے اسے کامل کر کیونکہ تیری عطا کی ہوئی دولت کی طرف نقص کا انتساب موزوں اور درست نہیں۔

اَوْ رَخَآءٍ اَوْ عَافِيَةٍ اَوْ بَلَآءٍ اَوْ بُؤْسٍ اَوْ نَعْمَآءَ اَوْ جِدَةٍ اَوْ لَاْوَآءَ اَوْ فَقْرٍ اَوْ غِنًى اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ اجْعَلْ ثَنَآئِىْ عَلَيْكَ وَ مَدْحِىْ اِيَّاكَ وَحَمْدِىْ لَكَ فِىْ كُلِّ حَالَاتِىْ حَتّٰى لَا اَفْرَحَ بِمَا اٰتَيْتَنِىْ مِنَ الدُّنْيَا وَ لَا اَحْزَنَ عَلٰى مَا مَنَعْتَنِىْ فِيْهَا وَ اَشْعِرْ قَلْبِىْ تَقْوَاكَ وَ اسْتَعْمِلْ بَدَنِىْ فِيْمَا تَقْبَلُهٗ مِنِّىْ وَ اشْغَلْ بِطَاعَتِكَ نَفْسِىْ عَنْ كُلِّ مَا يَرِدُ عَلَىَّ حَتّٰى لَا اُحِبَّ شَيْئًا مِنْ سُخْطِكَ وَلَا اَسْخَطَ شَيْئًا مِنْ رِضَاكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ فَرِّغْ قَلْبِىْ لِمَحَبَّتِكَ وَاشْغَلْهُ بِذِكْرِكَ وَ انْعَشْهُ بِخَوْفِكَ وَ بِالْوَجَلِ مِنْكَ وَ قَوِّهٖ بِالرَّغْبَةِ اِلَيْكَ وَ اَمِلْهُ اِلٰى

طرف (توجہیں) دیر لگائے۔[۱] خواہ میں خوشی میں رہوں یا ناخوشی میں۔ سختی میں رہوں یا نرمی میں۔ سلامتی میں رہوں یا مصیبت میں۔ تکلیف میں رہوں یا نعمت میں۔ وسعت (رزق) میں رہوں یا تنگی میں۔ فقروفاقہ میں رہوں یا تونگری میں۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مخصوص کر دے میری ستائش کو اپنے لیے۔ اور میری تعریف کو اپنے واسطے۔ اور میری حمد و ثنا کو اپنی ذات تک[۲] ہر حالت میں۔ یہاں تک کہ میں اس چیز سے جو تو نے مجھے دنیا میں دی ہے خوش نہ رہوں، اور اس چیز پر جو تو نے مجھے اس (دنیا) میں نہیں دی، رنجیدہ نہ ہوں۔ اور میرے دل کو اپنی پرہیزگاری[۳] کا لباس پہنا اور میرے جسم کو اس کام میں لگا جسے تو میری جانب سے قبول کرے۔ اور بے خبر بنا دے اپنی عبادت میں میرے نفس کو ہر اس (بری بھلی) بات سے جو مجھ پر پڑے۔ یہاں تک کہ میں تیری ناراضی کی کسی بھی بات کو پسند نہ کروں، اور نہ ناک بھوں چڑھاؤں تیری رضامندی کی کسی بات سے[۴]۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور خالی کر دے[۵] میرے دل کو اپنی محبت کے لیے۔ اور اسے اپنے ذکر میں مشغول کر اور تیرے خوف اور تجھ سے[۶] ڈرنے کی وجہ سے اس کا مرتبہ بلند کر اور اپنی طرف راغب ہونے سے اسے قوت[۷] دے اور اس کو اپنی عبادت کی طرف مائل کر اور لے چل اس کو اس

---

[۱] یعنی ان تمام حالتوں میں سے کسی بھی حالت میں رہوں، اس کا مجھے کوئی غم نہیں مگر میری یہ خواہش پوری کر دے کہ جو نعمتیں تو نے عطا کی ہیں ان کا شکر ادا کروں اور جو آزمائشیں تو دفتاً فوقتاً کرتا رہتا ہے انھیں بھی تیرا احسان جانوں اور اپنی دعا قبول ہونے سے کبھی مایوس نہ رہوں۔

[۲] یعنی مجھ میں ایسا احساس پیدا کر دے کہ چاہے میں کسی حال میں بھی مبتلا ہوں مگر تیری حمد کسی بھی وقت ترک نہ کروں۔

[۳] یعنی وہ پرہیزگاری جسے تو پسند کرتا ہے۔

[۴] چاہے وہ میری طبیعت اور خواہش کے خلاف ہو۔

[۵] یعنی دنیا کے تمام خیالات سے خالی کر دے حتیٰ کہ اہل و عیال کی فطری محبت بھی تیری محبت کی جگہ نہ لے۔

[۶] منک کا ترجمہ جو اگلی سطر میں ہے۔ [۷] یعنی اللہ کی طرف رغبت، دل کی تقویت کا وسیلہ بن جائے۔

طَاعَتِكَ وَاَجْرِبِهٖ فِيْ اَحَبِّ السُّبُلِ اِلَيْكَ
وَذَلِّلْهُ بِالرَّغْبَةِ فِيْمَا عِنْدَكَ اَيَّامَ حَيٰوتِيْ
كُلَّهَا وَاجْعَلْ تَقْوَاكَ مِنَ الدُّنْيَا زَادِيْ
وَاِلٰى رَحْمَتِكَ رِحْلَتِيْ وَفِيْ مَرْضَاتِكَ
مَدْخَلِيْ وَاجْعَلْ فِيْ جَنَّتِكَ مَثْوَايَ وَ
هَبْ لِيْ قُوَّةً اَحْتَمِلُ بِهَا جَمِيْعَ مَرْضَاتِكَ
وَاجْعَلْ فِرَارِيْ اِلَيْكَ وَرَغْبَتِيْ فِيْمَا عِنْدَكَ
وَاَلْبِسْ قَلْبِيَ الْوَحْشَةَ مِنْ شِرَارِ خَلْقِكَ
وَهَبْ لِيَ الْاُنْسَ بِكَ وَبِاَوْلِيَآئِكَ وَاَهْلِ
طَاعَتِكَ وَلَا تَجْعَلْ لِفَاجِرٍ وَلَا كَافِرٍ
عَلَيَّ مِنَّةً وَلَا لَهٗ عِنْدِيْ يَدًا وَلَا بِيْ
اِلَيْهِمْ حَاجَةً بَلِ اجْعَلْ سُكُوْنَ قَلْبِيْ وَ
اُنْسَ نَفْسِيْ وَاسْتِغْنَائِيْ وَكِفَايَتِيْ بِكَ
وَبِخِيَارِ خَلْقِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَاٰلِهٖ وَاجْعَلْنِيْ لَهُمْ قَرِيْنًا وَاجْعَلْنِيْ لَهُمْ
نَصِيْرًا وَامْنُنْ عَلَيَّ بِشَوْقٍ اِلَيْكَ وَبِالْعَمَلِ
لَكَ بِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ

راستے میں جو تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور اسے اس شے کی
طرف رغبت کرنے میں مطیع بنا جو تیرے پاس ہے میری کل زندگی میں[1]
(مرتے دم تک) اور بنا دے اپنے خوف[2] کو دنیا سے (جانے کے لیے) میرا
زادِ راہ۔ اور[3] اپنی رحمت کی طرف سواری اور اپنی خوشنودی (کے مقام) میں
میرے داخلے کا وسیلہ۔ اور قرار دے اپنی جنت میں میری منزل اور مجھے
ایسی قوت عنایت کر جس کے بل پر میں تیری تمام پسندیدہ باتوں کا بار اٹھاؤں
اور مجھے اپنی طرف[4] بھگا اور اس (نعمت و منزلت) کی طرف راغب کر جو
تیرے پاس ہے اور اوڑھنا بچھونا بنا دے میرے دل کا ان لوگوں سے وحشت
کرنے کو جو تیری مخلوق میں شریر ہیں۔ اور مجھے انس اور محبت عطا کر اپنی
اور اپنے دوستوں کی اور اپنے فرماں بردار بندوں کی۔ اور کسی بدکار اور
منکر کا مجھے ممنون احسان نہ کر۔ اور نہ ان کی مجھ پر کوئی نعمت اور نہ ان
کی جانب میری کوئی حاجت قرار دے۔ بلکہ میرے دل کا سکون اور میرے
نفس کی دلچسپی اور میرا استغنا اور بے نیازی، اور میری مدد، اپنے ذریعہ
سے اور اپنے نیک بندوں کے ذریعہ سے کر۔ اے[5] اللہ رحمت نازل کر
محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھے ان کا ہم نشین قرار دے اور مجھے ان
کا نصرت کرنے والا بنا۔ اور مجھ پر یہ احسان کر کہ میں تیرا مشتاق ہوں،
(محض) تیری رضامندی کے لیے وہ عمل کروں جسے تو دوست رکھتا ہے۔

---

[1] یعنی جب تک میں زندہ رہوں میرے دل کو ایسا ہی رکھ جیسا کہ میں نے خواہش ظاہر کی۔

[2] چند الفاظ میں اسلام کا یہ فلسفہ ظاہر فرما دیا ہے کہ جس شخص کے دل میں خدا کا خوف ہو اور جو ہر معاملے میں اس سے ڈرتا ہے، وہ دنیا سے آخرت کے لیے سب کچھ لے جائے گا اور اس کی مغفرت کے لیے، مرتے وقت اس کے پاس اعمال نیک کا کافی ذخیرہ ہوگا کیونکہ خدا سے ڈرنا ہی تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور برائیوں سے بچنے کا موجب ہے۔

[3] یعنی اپنے خوف کو تین باتوں کا وسیلہ بنا دے۔ اول یہ کہ یہی دنیا سے آخرت کے لیے زاد راہ ہو جائے۔ دوم یہ کہ یہی میری سواری کو تیری رحمت کی طرف لے جائے اور تیسرے یہ کہ اسی کی بدولت میں تیری رضامندی کے مقام پر پہنچ جاؤں۔

[4] کسی جگہ سے بھاگنے کے لیے یہ لازم ہے کہ وہاں کی چیزوں سے وحشت یا نفرت ہو۔ بنا بریں خدائے تعالیٰ سے اپنی طرف بھگانے کی دعا میں یہ خواہش مضمر ہے کہ دنیا کی چیزوں سے میرے دل میں نفرت اور وحشت پیدا کر۔

[5] اجعل کا ترجمہ چودہ سطر پہلے آ چکا ہے۔

شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّ ذٰلِكَ عَلَيْكَ يَسِيْرٌ ۔

اور پسند کرتا ہے۔ بے شک تو ہر بات پر قادر ہے اور یہ تیرے لیے بہت آسان ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ الشِّدَّةِ وَالْجَهْدِ وَتَعَسُّرِ الْاُمُوْرِ

حضرت زین العابدین سختی اور مشقت کے وقت اور کاموں میں دشواری پڑنے کے موقع پر یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ كَلَّفْتَنِيْ مِنْ نَفْسِيْ مَا اَنْتَ اَمْلَكُ بِهٖ مِنِّيْ وَ قُدْرَتُكَ عَلَيْهِ وَ عَلَيَّ اَغْلَبُ مِنْ قُدْرَتِيْ فَاَعْطِنِيْ مِنْ نَفْسِيْ مَا يُرْضِيْكَ عَنِّيْ وَ خُذْ لِنَفْسِكَ رِضًى مِنْ نَفْسِيْ فِيْ عَافِيَةٍ اَللّٰهُمَّ لَا طَاقَةَ لِيْ بِالْجَهْدِ وَلَا صَبْرَ لِيْ عَلَى الْبَلَاءِ وَلَا قُوَّةَ لِيْ عَلَى الْفَقْرِ فَلَا تَحْظُرْ عَلَيَّ رِزْقِيْ وَ لَا تَكِلْنِيْ اِلٰى خَلْقِكَ بَلْ تَفَرَّدْ بِحَاجَتِيْ وَ تَوَلَّ كِفَايَتِيْ وَ انْظُرْ اِلَيَّ فِيْ جَمِيْعِ اُمُوْرِيْ فَاِنَّكَ اِنْ وَكَلْتَنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ عَجَزْتُ عَنْهَا وَلَمْ اُقِمْ مَا فِيْهِ مَصْلَحَتُهَا وَاِنْ وَكَلْتَنِيْ اِلٰى خَلْقِكَ تَجَهَّمُوْنِيْ وَاِنْ اَلْجَاْتَنِيْ اِلٰى قَرَابَتِيْ

اے معبود! بے شک تو نے میرے نفس سے وہ بات چاہی ہے جس تو مجھ سے زیادہ قدرت رکھتا ہے[1] اور تیری طاقت اس (بات) پر اور مجھ پر میری طاقت سے زیادہ غالب ہے۔ پس مجھے میرے نفس سے وہ بات[2] عطا کر جو تجھے مجھ سے رضامند کردے اور میرے نفس سے اپنے لیے (یعنی اپنی) رضامندی کو سلامتی کے حال[3] میں لے۔ اے مالک مجھ میں مشقت جھیلنے کی طاقت نہیں ہے اور نہ میں آزمائش پر صبر کرسکتا ہوں اور نہ مجھ میں افلاس برداشت کرنے کی قوت ہے پس مجھ سے میری روزی کو نہ روک۔ اور نہ حوالے کر مجھ کو اپنی مخلوق کے،[4] بلکہ تو تنہا میری حاجت پوری کر اور خود میری مدد کا متولی بن اور میری طرف نگاہ (توجہ) منعطف کر میرے تمام کاموں میں پس اگر تو مجھ کو میرے نفس پر چھوڑ دے گا تو میں اس (نفس) سے عاجز آجاؤں گا اور نہیں قائم کرسکوں گا وہ (صورت) جس میں اس (نفس) کی بھلائی ہو۔ اور اگر تو مجھے اپنے بندوں کے حوالے کردے گا تو وہ ترش روئی[5]

---

[1] یعنی مجھے مذکورہ اعمال کی توفیق دینا۔

[2] یعنی مجھے ایسی توفیق دے کہ میں اپنے نفس کو تیری رضامندی کا کام کرنے پر بخوشی آمادہ کرلوں۔

[3] یعنی میرے نفس سے اپنی رضامندی کا کام اس طرح لے کہ میرا نفس عافیت اور سلامتی محسوس کرے اور اس کام کو تکلیف مالایطاق نہ سمجھے۔ مطلب یہ ہے کہ اس سختی کو جو میں اس امر میں محسوس کر رہا ہوں سہل بنا دے۔

[4] یعنی مجھے اپنی مخلوق سے طلب کرنے پر مجبور نہ کر یا مجھے اپنے بندوں کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ۔

[5] یعنی کبر و غرور اور رعونت سے پیش آئیں گے۔

حَرَمُوْنِيْ وَاِنْ اَعْطَوْا اَعْطَوْا قَلِيْلًا نَكِدًا وَمَنُّوْا عَلَيَّ طَوِيْلًا وَذَمُّوْا كَثِيْرًا فَبِفَضْلِكَ اللّٰهُمَّ فَاَغْنِنِيْ وَبِعَظَمَتِكَ فَانْعَشْنِيْ وَبِسَعَتِكَ فَابْسُطْ يَدِيْ وَبِمَا عِنْدَكَ فَاكْفِنِيْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَخَلِّصْنِيْ مِنَ الْحَسَدِ وَاحْصُرْنِيْ عَنِ الذُّنُوْبِ وَوَرِّعْنِيْ عَنِ الْمَحَارِمِ وَلَا تُجَرِّئْنِيْ عَلَى الْمَعَاصِيْ وَاجْعَلْ هَوَايَ فِيْمَا عِنْدَكَ وَرِضَايَ فِيْمَا يَرِدُ عَلَيَّ مِنْكَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا رَزَقْتَنِيْ وَفِيْمَا خَوَّلْتَنِيْ وَفِيْمَا اَنْعَمْتَ بِهٖ عَلَيَّ وَاجْعَلْنِيْ فِيْ كُلِّ حَالَاتِيْ مَحْفُوْظًا مَكْلُوْءًا مَسْتُوْرًا مَمْنُوْعًا مُعَاذًا مُجَارًا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاقْضِ عَنِّيْ كُلَّ مَا اَلْزَمْتَنِيْهِ وَفَرَضْتَهٗ عَلَيَّ لَكَ فِيْ وَجْهٍ مِّنْ وُّجُوْهِ طَاعَتِكَ اَوْ

کے ساتھ پیش آئیں گے۔ اور اگر تو مجھے میرے رشتہ داروں کی طرف پناہ کے لیے بھیجے گا تو وہ مجھے محروم کردیں گے۔ اور اگر دیں گے بھی تو کم دیں گے، بہت کم۔ اور مجھ پر بڑا احسان جتائیں گے۔ اور بہت مذمت کریں گے پس اپنے فضل کے ذریعہ اے میرے مالک مجھے بے نیاز کردے۔ اور اپنی بزرگی سے میرا مرتبہ بلند کر۔ اور اپنی تونگری سے مجھے تونگر بنا[1] اور اس چیز سے جو تیرے پاس ہے میری مدد کر[2]۔ اے اللہ پس درود بھیج تو محمد پر اور ان کی اولاد پر اور نجات دے مجھ کو حسد سے[3] اور مجھے گناہوں سے دور رکھ اور حرام چیزوں سے مجھے پرہیزگار بنا اور نہ جرأت کرنے دے[4] مجھے گناہوں کی۔ اور قرار دے میری والہانہ محبت اپنی طرف اور میری خوشنودی اس بات میں جو مجھ پر تیری طرف سے پڑے[5]۔ اور برکت دے مجھے اس روزی میں جو تو نے دی ہے اور اس چیز میں جو تو نے مجھے بخشی ہے اور اس نعمت میں جو تو نے مجھے عطا کی ہے اور رکھ مجھے تمام حالتوں میں محفوظ، بہ نگہبانی (اپنی) حراست (و) نگرانی میں، چھپا ہوا[6]، مضبوط حفاظت میں (اور) امن و امان کے ساتھ۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمد پر اور ان کی اولاد پر اور پوری کرا دے[7] مجھ سے ہر وہ بات جو تو نے مجھ پر لازم کی ہے

---

۱؎ فَابْسُطْ یَدِیْ کے لفظی معنی ہیں "میرا ہاتھ کھول" یہ عرب کا روزمرہ ہے جس طرح کہ اردو میں کہتے ہیں کہ آج کل فلاں شخص کا ہاتھ کھلا ہوا ہے یعنی اس کے پاس دولت ہے۔

۲؎ وہ نعمت دنیا و آخرت جس پر تجھ کو قدرت ہے۔

۳؎ حاسد اپنی حسد سے مجھے کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں۔

۴؎ بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ ان لفظوں میں کیا ہے "اور نافرمانیوں پر مجھے جرأت نہ دلا" لیکن یہ درست نہیں۔

۵؎ چاہے وہ راحت ہو یا کلفت۔

۶؎ یعنی دشمنوں اور حاسدوں سے چھپا ہوا۔

۷؎ یعنی پوری کرنے کی توفیق دے۔

لِخَلْقٍ مِنْ خَلْقِكَ وَ اِنْ ضَعُفَ عَنْ ذٰلِكَ بَدَنِيْ وَ وَهَنَتْ عَنْهُ قُوَّتِيْ وَ لَمْ تَنَلْهُ مَقْدُرَتِيْ وَ لَمْ يَسَعْهُ مَالِيْ وَ لَا ذَاتُ يَدِيْ ذَكَرْتُهُ اَوْ نَسِيْتُهُ هُوَ يَا رَبِّ مِمَّا قَدْ اَحْصَيْتَهُ عَلَيَّ وَ اَغْفَلْتُهُ اَنَا مِنْ نَفْسِيْ فَاَدِّهِ عَنِّيْ مِنْ جَزِيْلِ عَطِيَّتِكَ وَ كَثِيْرِ مَا عِنْدَكَ فَاِنَّكَ وَاسِعٌ كَرِيْمٌ حَتّٰى لَا يَبْقٰى عَلَيَّ شَيْءٌ مِنْهُ تُرِيْدُ اَنْ تُقَاصَّنِيْ بِهِ مِنْ حَسَنَاتِيْ اَوْ تُضَاعِفَ بِهِ مِنْ سَيِّاٰتِيْ يَوْمَ اَلْقَاكَ يَا رَبِّ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ ارْزُقْنِي الرَّغْبَةَ فِي الْعَمَلِ لَكَ لِاٰخِرَتِيْ حَتّٰى اَعْرِفَ صِدْقَ ذٰلِكَ

اور فرض کردی ہے مجھ پر اپنے لیے، اپنی عبادت کے طریقوں میں کسی بھی طریقے[1] سے یا اپنی مخلوق[2] میں کسی بھی مخلوق کے لیے، چاہے اس (کے برداشت کرنے) سے میرا بدن کمزور ہو اور (چاہے) اس سے میری طاقت سست ہو اور (چاہے) نہ پاسکے اس کو میری قوت و قدرت اور (چاہے) نہ گنجائش رکھتا ہو اس کی میرا مال اور نہ میرا دسترس (چاہے) یاد رکھا ہو[3] میں نے اسے یا بھلا دیا ہو، اور وہ (بات) اے میرے پالنے والے (یقیناً) ان باتوں میں سے ہو گی جو تو نے مجھے شمار[4] کرادی ہیں مگر اس سے غافل ہو گیا ہوں میں خود ہی۔ پس ادا کرادے تو اس کو مجھ سے، اپنے[5] زیادہ عطیہ سے اور اس کثیر (نعمت) سے جو تیرے پاس ہے۔ پس بے شک تو بڑی بخشش کرنے والا ہے۔ تاکہ[6] مجھ پر اس (فرض) میں سے کوئی چیز باقی نہ رہ جائے کہ (جس کے باعث) تو یہ ارادہ کرے کہ اس کے عوض میری نیکیوں میں سے (کچھ) مجرا کر دے یا اس کی بنا پر میری برائیاں (اس دن) بڑھا دے جس دن کہ میں تجھ سے ملوں[7]۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور عطا کر مجھ کو ایسے عمل کی طرف رغبت جو تیری خوشنودی کے لیے (اور) میری آخرت کے واسطے ہو۔ یہاں تک کہ[8]

---

[1] یعنی جتنے حقوق اللہ میرے ذمہ ہیں ان سب کو پورا کرنے کی توفیق عنایت کر۔

[2] یعنی حقوق العباد جو واجب ہیں۔

[3] یعنی اللہ کے اور بندوں کے جو حقوق و فرائض مجھے یاد ہیں وہ بھی ادا ہو جائیں اور جو بھول گیا ہوں انھیں بھی مجھے ادا کرنے کی ہمت دے۔

[4] یعنی بتا دی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ فرائض کے سلسلے میں ان کی تعلیم دے دی ہے۔

[5] یعنی تو نے جتنی توفیق دی ہے اس کے ہوتے ہوئے جو حقوق اللہ والعباد ادا ہونے سے رہ گئے انھیں مزید توفیق اور مزید اسباب عطا کر کے ادائگی کا جامہ پہنائے جانے کی شکل پیدا کردے۔

[6] ادا کرادے سے متعلق ہے۔

[7] یعنی تیری بارگاہ میں حساب کتاب کے لیے حاضر ہوں۔

[8] یعنی یہ رغبت اس حد تک بڑھی ہوئی ہو کہ میں اسی سے اپنے خلوص کو پہچان لوں۔

مِنْ قَلْبِىْ وَحَتّٰى يَكُوْنَ الْغَالِبُ
عَلَىَّ الزُّهْدُ فِىْ دُنْيَاىَ وَحَتّٰى
اَعْمَلَ الْحَسَنَاتِ شَوْقًا وَ اٰمَنَ
مِنَ السَّيِّئَاتِ فَرَقًا وَخَوْفًا وَهَبْ لِىْ
نُوْرًا اَمْشِىْ بِهٖ فِى النَّاسِ وَاَهْتَدِىْ
بِهٖ فِى الظُّلُمَاتِ وَاَسْتَضِيْءُ بِهٖ مِنَ
الشَّكِّ وَالشُّبُهَاتِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَارْزُقْنِىْ خَوْفَ غَمِّ
الْوَعِيْدِ وَشَوْقَ ثَوَابِ الْمَوْعُوْدِ حَتّٰى
اَجِدَ لَذَّةَ مَا اَدْعُوْكَ لَهٗ وَكَاٰبَةَ مَا
اَسْتَجِيْرُ بِكَ مِنْهُ اَللّٰهُمَّ قَدْ تَعْلَمُ مَا
يُصْلِحُنِىْ مِنْ اَمْرِ دُنْيَاىَ وَاٰخِرَتِىْ وَ
كُنْ بِحَوَائِجِىْ حَفِيًّا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَاٰلِ مُحَمَّدٍ وَارْزُقْنِى الْحَقَّ
عِنْدَ تَقْصِيْرِىْ فِى الشُّكْرِ لَكَ بِمَا
اَنْعَمْتَ عَلَىَّ فِى الْيُسْرِ وَالْعُسْرِ وَ
الصِّحَّةِ وَالسَّقَمِ حَتّٰى اَتَعَرَّفَ مِنْ

میں پہچان لوں سچائی اس (عمل) کی اپنے دل سے۔ اور یہاں تک کہ
غالب ہو جائے (اور چھا جائے) مجھ پر زہد[1] میرے دنیاوی معاملات میں۔
اور یہاں تک کہ میں (دلی) شوق سے نیک کام کروں اور بُرائیوں سے
محفوظ ہو جاؤں (تیرے) ڈر اور خوف کی بناء پر۔ اور مجھے ایسا نور[2]
عطا کر جس سے میں لوگوں کے درمیان[3] چلوں اور راستہ پاؤں اس (نور)
سے تاریکیوں[4] میں۔ اور روشنی[5] حاصل کروں اس (نور) سے شک اور
شبہوں[6] میں۔ اے اللہ! محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر
اور عطا کر مجھ کو عذاب[7] کی دھمکی کا خوف اور ثواب[8] کے وعدے کا شوق۔
یہاں تک کہ میں اس (بات) کی لذّت محسوس کر لوں جس کی تجھ سے دعا
کر رہا ہوں اور اس (بات) کی تکلیف (محسوس کر لوں) جس کی تجھ سے
پناہ مانگ رہا ہوں۔ اے اللہ! بے شک تو جانتا ہے اس بات کو جو
میری اصلاح حال کر سکتی ہے، میرے امرِ دنیا اور معاملۂ آخرت میں
پس تو میری حاجت پوری کرنے میں مہربان ہو۔ اے اللہ رحمت
نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھے حق (پر چلنے کی توفیق) عنایت
کر جبکہ میں کوتاہی کروں تیرا[9] شکر بجا لانے میں اس نعمت پر جو تو نے مجھے
خوش حالی، تنگ دستی، تندرستی اور بیماری میں عطا کی ہے، یہاں تک
کہ میں خود ہی پہچان لوں (محسوس کر لوں) تیری خوشنودی کی راحت اور

---

[1] پرہیزگاری۔ بچنا۔ وَرَع کی اس منزل کو کہتے ہیں جس میں انسان اہل و عیال کے فرائض کے علاوہ دنیا کے دیگر تعلقات بالکل ترک کر کے خدا کی عبادت میں محو ہو جاتا ہے۔ [2] ہدایت اور راہِ راست پر چلنے کی صلاحیت۔

[3] کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص لوگوں کے درمیان رہے اور برائیوں سے بچ جائے۔ [4] گمراہی کے مواقع ہیں۔

[5] مراد یقین۔ [6] یعنی شک و شبہ اور وہم جو گمراہی میں مبتلا کر دیا کرتا ہے اس سے بچنے کے لیے یقین حاصل کر سکوں۔

[7] یعنی تو نے عذابِ آخرت سے دھمکانے کے لیے جو کچھ فرمایا ہے اور اس کا خوف مخلص بندوں کے دل میں ہوتا ہے، میرے دل میں بھی وہ خوف پیدا کر۔

[8] نیک کاموں پر جو ثواب دینے کا وعدہ خدائے تعالیٰ نے کیا ہے۔

[9] لک کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔

نَفْسِيْ رَوْحَ الرِّضَا وَطُمَأْنِيْنَةَ النَّفْسِ
مِنِّيْ بِمَا يَجِبُ لَكَ فِيْمَا يَحْدُثُ فِيْ
حَالِ الْخَوْفِ وَالْاَمْنِ وَالرِّضَا وَالسُّخْطِ
وَالضَّرِّ وَالنَّفْعِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ
اٰلِهٖ وَارْزُقْنِيْ سَلَامَةَ الصَّدْرِ مِنَ الْحَسَدِ
حَتّٰى لَا اَحْسُدَ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ عَلٰى
شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِكَ وَحَتّٰى لَا اَرٰى نِعْمَةً
مِّنْ نِعَمِكَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِكَ فِيْ دِيْنٍ
اَوْ دُنْيَا اَوْ عَافِيَةٍ اَوْ تَقْوٰى اَوْ سَعَةٍ اَوْ رَخَآءٍ
اِلَّا رَجَوْتُ لِنَفْسِيْ اَفْضَلَ ذٰلِكَ بِكَ وَ
مِنْكَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَارْزُقْنِي التَّحَفُّظَ مِنَ
الْخَطَايَا وَالْاِحْتِرَاسَ مِنَ الزَّلَلِ فِي الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ فِيْ حَالِ الرِّضَا وَالْغَضَبِ حَتّٰى
اَكُوْنَ بِمَا يَرِدُ عَلَيَّ مِنْهُمَا بِمَنْزِلَةٍ سَوَآءٍ
عَامِلًا بِطَاعَتِكَ مُؤْثِرًا لِرِضَاكَ عَلٰى مَا

اپنے[1] نفس کا اطمینان، ان کاموں کے متعلق جو تیرے لیے (مجھ پر) واجب
ہیں۔ ان[2] حالتوں میں جو پیدا ہوتی ہیں ڈر اور بے خوفی کی حالت میں
اور خوشی اور ناراضی اور نقصان اور نفع کی صورت میں۔ اے اللہ!
رحمت نازل کر تو محمد پر اور ان کی اولاد پر اور میرے سینے کو حسد[3] سے
سلامت رکھ۔ یہاں تک کہ نہ حسد کروں میں تیرے بندوں میں سے کسی
پر تیری زیادہ عطا کی ہوئی کسی بھی چیز کی بنا پر۔ اور یہاں
تک کہ (مجھ میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ) نہ دیکھوں[4] میں کسی نعمت کو
تیری نعمتوں میں سے تیرے کسی بندے کے پاس، (خواہ وہ نعمت) دین
یا دنیا یا سلامتی یا پرہیزگاری یا خوش حالی یا تنگی میں (کسی سے بھی
متعلق ہو) مگر یہ کہ میں اپنے نفس کے لیے اس (نعمت) سے بھی افضل
(نعمت) کی امید رکھوں[5] تجھ سے اور فقط تجھی سے تنہا جس میں تیرا
کوئی شریک نہ ہو۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمد پر اور ان کی
اولاد پر اور مجھے غلطیوں سے دوری اور لغزشوں سے بچاؤ عطا
کر، دنیا میں اور آخرت[6] میں، خوشی[7] اور غصہ (دونوں) حالتوں میں
تاکہ[8] ان دونوں (خوشنودی اور غصہ) میں سے جو بھی مجھ پر پڑے
میں اس میں یکساں تیری عبادت پر عمل کرتا رہوں[9] (اور) اختیار کروں

---

۱ مِنِّیْ کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

۲ یعنی میرا نفس اس بات پر مطمئن ہے کہ خوف، امن، خوشی، ناخوشی، اور نفع نقصان کی حالت میں بندے پر خدائے تعالیٰ کی جانب سے جو فرائض عاید کیے گئے ہیں (کہ کب وہ شکر بجا لائے اور کب صبر کرے وغیرہ) وہ سب میں نے ادا کر دیے۔

۳ یعنی حسد کا میرے سینے میں گزر نہ ہونے پائے۔ ۴ یعنی جب بھی دیکھوں۔

۵ یعنی یہ سب نعمتیں تو نے جس بندے کو دی ہیں اس سے نہ جلوں اور یہ امید رکھوں کہ تو ان سے بھی بہتر مجھے عنایت کرے گا۔

۶ یعنی دنیا میں غلطی اور لغزش کرنے سے دور رکھ اور آخرت میں اس غلطی اور لغزش کی سزا سے محفوظ رکھ۔

۷ یعنی جبکہ میں کسی سے خوش ہوں تب بھی غلطی اور لغزش نہ کرنے پاؤں اور جب کسی سے ناراض ہوں اس وقت بھی کوئی لغزش نہ ہو۔

۸ اکون کا ترجمہ اگلی سطر میں ہے۔

۹ اکون کا ترجمہ۔

سِوَاهَا فِي الْأَوْلِيَآءِ وَالْأَعْدَآءِ حَتّٰى يَأْمَنَ عَدُوِّيْ مِنْ ظُلْمِيْ وَجَوْرِيْ وَ يَيْئَسَ وَلِيِّيْ مِنْ مَيْلِيْ وَانْحِطَاطِ هَوَايَ وَاجْعَلْنِيْ مِمَّنْ يَدْعُوْكَ مُخْلِصًا فِي الرَّخَآءِ دُعَآءَ الْمُخْلِصِيْنَ الْمُضْطَرِّيْنَ لَكَ فِي الدُّعَآءِ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَجِيْدٌ

تیری رضا کو ہر اس چیز میں جو اس کے (نیری عبادت کے) علاوہ ہے، دوست دشمن سب کے حق میں تاکہ محفوظ رہے میرا دشمن میرے ظلم وجور سے اور میرا دوست میری محبت میں افراط وتفریط پیدا ہونے سے ناامید ہو جائے۔ اور مجھے ان لوگوں میں شامل کر جو تجھے آسائش کی حالت میں (بھی) بڑی اخلاص مندی کے ساتھ اس طرح پکارتے ہیں جیسے بے سہارا لوگ خلوص دل کے ساتھ تجھ سے دعا کیا کرتے ہیں۔ بے شک تو قابل ستائش بزرگی والا ہے۔

۵

## وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا سَأَلَ اللّٰهَ الْعَافِيَةَ وَشُكْرَهَا

حضرت زین العابدین جب کہ خدائے تعالیٰ سے سلامتی طلب کرتے یا اس سلامتی کا شکر ادا کرتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَلْبِسْنِيْ عَافِيَتَكَ وَجَلِّلْنِيْ عَافِيَتَكَ وَحَصِّنِّيْ بِعَافِيَتِكَ وَاَكْرِمْنِيْ بِعَافِيَتِكَ وَاَغْنِنِيْ بِعَافِيَتِكَ وَتَصَدَّقْ عَلَيَّ بِعَافِيَتِكَ وَ هَبْ لِيْ عَافِيَتَكَ وَافْرِشْنِيْ عَافِيَتَكَ وَاَصْلِحْ لِيْ عَافِيَتَكَ وَلَا تُفَرِّقْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ عَافِيَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَعَافِنِيْ عَافِيَةً كَافِيَةً شَافِيَةً عَالِيَةً نَامِيَةً

اے اللہ! تو محمد پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور مجھے اپنی سلامتی کا جامہ پہنا اور خلعت عطا کر مجھ کو اپنی سلامتی کا۔ اور مجھے اپنی سلامتی کے قلعہ میں رکھ اور مجھے اپنی سلامتی سے مکرم فرما۔ اور مجھ کو بے نیاز (اور غنی) بنا دے اپنی سلامتی سے۔ اور مجھے اپنی سلامتی کا صدقہ دے۔ اور مجھے اپنی سلامتی مرحمت کر۔ اور اپنی سلامتی کو میرا اوڑھنا بچھونا بنا دے۔ اور اپنی سلامتی کو میرے لیے ذریعہ اصلاح بنا دے۔ اور مت جدائی ڈال میرے درمیان اور اپنی سلامتی کے درمیان۔ دنیا اور آخرت میں۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمد پر اور ان کی اولاد پر اور مجھے ایسی سلامتی دے جو

---

۱ھ ہوای کا ترجمہ جوا ئی سطر میں ہے۔

۲ھ یعنی تیری رضا حاصل کرنے کے لیے جس کسی کو میں نے دوست سمجھ لیا ہے اس کی دوستی میں دنیاوی تعلقات کی بناء پر کمی بیشی پیدا نہ ہو۔

۳ھ 'اپنی سلامتی' سے یہ مطلب ہے کہ اپنی جانب سے سلامتی عطا کر یا ایسی سلامتی عطا کر جسے تو سلامتی سمجھتا ہے۔

۴ھ ان تمام جملوں کا اصلی مفہوم یہی ایک ہے کہ مجھے سلامتی دے، مگر چونکہ یہ ذکر دعا کرنے والے کو محبوب ہے اس لیے ایک ہی بات مختلف لفظوں میں بار بار کہی ہے تاکہ محبوب ذکر سے روح ونفس متلذذ ہوں۔ ۵ھ یعنی اپنی جانب سے سلامتی عطا کر کے کل دنیا سے بے نیاز بنا دے۔

عَافِيَةً تُوَلِّدُ فِيْ بَدَنِي الْعَافِيَةَ عَافِيَةَ الدُّنْيَا وَ الْآخِرَةِ وَامْنُنْ عَلَيَّ بِالصِّحَّةِ وَالْأَمْنِ وَالسَّلَامَةِ فِيْ دِيْنِيْ وَ بَدَنِيْ وَالْبَصِيْرَةِ فِيْ قَلْبِيْ وَالنَّفَاذِ فِيْ أُمُوْرِيْ وَالْخَشْيَةِ لَكَ وَالْخَوْفِ مِنْكَ وَالْقُوَّةِ عَلٰى مَا أَمَرْتَنِيْ بِهٖ مِنْ طَاعَتِكَ وَ الْاِجْتِنَابِ لِمَا نَهَيْتَنِيْ عَنْهُ مِنْ مَعْصِيَتِكَ اَللّٰهُمَّ وَامْنُنْ عَلَيَّ بِالْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ وَ زِيَارَةِ قَبْرِ رَسُوْلِكَ صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَ رَحْمَتُكَ وَ بَرَكَاتُكَ عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ وَ اٰلِ رَسُوْلِكَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ أَبَدًا مَا أَبْقَيْتَنِيْ فِيْ عَامِيْ هٰذَا وَ فِيْ كُلِّ عَامٍ وَ اجْعَلْ ذٰلِكَ مَقْبُوْلًا مَشْكُوْرًا مَذْكُوْرًا لَدَيْكَ مَذْخُوْرًا

کافی ہو، تسکین[1] دینے والی ہو بلند مرتبہ ہو (اور) اضافہ پذیر ہو، ایسی سلامتی جو میرے بدن[2] میں دنیا اور آخرت کی سلامتی پیدا کر دے۔ اور مجھ پر احسان کر تندرستی اور بے خوفی اور میرے دین اور بدن کی سلامتی دے کر[3]۔ اور (احسان کر) میرے دل میں روشنی[4]، اور میرے امور میں جاری رہنے کی صلاحیت دے کر اور (احسان کر) ایسا خوف دے کر جو تیرے لیے[5] ہو اور ایسا خوف دے کر جو تجھ سے ہو۔ اور (احسان کر) اپنی اس اطاعت کی طاقت دے کر جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے اور اس گناہ سے بچنے[6] کی طاقت دے کر جس سے تو نے مجھے منع کیا ہے۔ اے اللہ! اور احسان کر مجھ پر حج[7] سے اور عمرے سے اور اپنے رسولؐ کے مزار کی زیارت سے، اُن پر تیرا درود اور تیری رحمت اور تیری برکتیں نازل ہوں اور ان کی اولاد پر بھی، اور اپنے رسول کی آل کے مزارات کی زیارت سے، ان سب پر سلام ہو۔ ہمیشہ[8] ہمیشہ جب تک تو مجھے زندہ رکھے۔ اسی سال[9] اور ہر سال، اور قرار دے اس (حج وغیرہ) کو مقبول، پسندیدہ اور اپنے نزدیک قابلِ

---

[1] یعنی دنیاوی معاملات میں خوف ناکامی سے تسکین دے اور آخرت میں دہشت عذاب سے سکون کا ذریعہ ہو۔

[2] یعنی دنیا میں بھی جسم ہر آزار سے محفوظ ہے اور آخرت کی تیاری کے لیے جسم میں اتنی قوت پیدا ہو کہ عبادت میں تساہل نہ کرے تاکہ یہ عبادت آخرت کے آزار سے سلامتی پانے کا سبب بنے۔

[3] بالصحت اور اس کے معطوفات میں جو "ب" آئی ہے اس کے لفظی معنی "سے" کے ہوتے ہیں جس کے بجائے اردو روزمرہ میں "دے کر" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

[4] یعنی نور ایمان و معرفت۔

[5] "تیرے لیے خوف" سے یہ مراد ہے کہ ایسا خوف دے جو عذاب کے اندیشہ سے نہ ہو بلکہ صرف تیری قدرت و قوت کے اعتراف کے طور پر اس خیال کے تحت ہو کہ تو اسی قابل ہے کہ بندے تجھ سے خوف کریں۔ بہ الفاظ دیگر خوف، رعب اور جلالت کو دل میں جگہ دینے کا مرادف ہے ۔ اور "تجھ سے خوف" آنے سے یہ مراد ہے کہ تیرے عذاب اور قہر و جلال سے خوف کیا جائے۔

[6] الاجتناب کا ترجمہ جو اوپر مذکور ہے۔

[7] یعنی حج اور اس کے مابعد عبادت کی توفیق دے اور انھیں ادا کرنے کی قوت و ہمت دے کر مجھ پر احسان کر۔

[8] یہ کلمات سلام سے متعلق ہیں یعنی ہمیشہ ہمیشہ جب تک میں زندہ ہوں میری جانب سے ان پر سلام ہو۔

[9] یعنی حج وغیرہ اسی سال مجھ سے ادا کرا دے اور ہر سال ادا کراتا رہ۔ [10] یعنی مِنْ زِيَارَةِ قَبْرِ اٰلِ رَسُوْلِكَ۔

عِنْدَكَ وَ اَنْطِقْ بِحَمْدِكَ وَشُكْرِكَ وَذِكْرِكَ
وَحُسْنِ الثَّنَآءِ عَلَيْكَ لِسَانِيْ وَ اشْرَحْ
لِرَاشِدِ دِيْنِكَ قَلْبِيْ وَاَعِذْنِيْ وَ ذُرِّيَّتِيْ
مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ وَمِنْ شَرِّ السَّآمَّةِ
وَ الْهَآمَّةِ وَالْعَآمَّةِ وَ اللَّآمَّةِ وَمِنْ
شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ مَرِيْدٍ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ
سُلْطَانٍ عَنِيْدٍ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ مُتْرَفٍ
حَفِيْدٍ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ضَعِيْفٍ وَ شَدِيْدٍ
وَمِنْ شَرِّ كُلِّ شَرِيْفٍ وَ وَضِيْعٍ وَ
مِنْ شَرِّ كُلِّ صَغِيْرٍ وَ كَبِيْرٍ وَمِنْ
شَرِّ كُلِّ قَرِيْبٍ وَ بَعِيْدٍ وَ مِنْ شَرِّ
كُلِّ مَنْ نَصَبَ لِرَسُوْلِكَ وَلِاَهْلِ
بَيْتِهٖ حَرْبًا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَمِنْ
شَرِّ كُلِّ دَآبَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا
اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اَللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَمَنْ اَرَادَنِيْ
بِسُوْٓءٍ فَاصْرِفْهُ عَنِّيْ وَ ادْحَرْ عَنِّيْ
مَكْرَهٗ وَ ادْرَاْ عَنِّيْ شَرَّهٗ وَرُدَّ كَيْدَهٗ فِيْ

ذکر اور اپنے پاس مجتمع (بطور ذخیرہ) اور گویا کر میری زبان کو اپنی
تعریف، اپنے شکر، اپنی یاد اور اپنی اچھی تعریف و ستائش میں۔ اور
میرے دل کو اپنے دین کی اچھی باتوں[1] کے لیے کشادہ کر اور محفوظ رکھ
مجھے اور میری اولاد کو شیطان سے جو کہ راندۂ درگاہ ہے اور زہریلے
جانوروں اور درندوں اور عوام اور مجنونوں کے شر سے۔ اور ہر سرکش
فتنہ انگیز کے شر سے۔ اور ہر دشمن بادشاہ کے شر سے۔ اور ہر کینہ
رکھنے والے پروردہ خادم کے شر سے۔ اور ہر کمزور اور قوت والے
کے شر سے۔ اور ہر شریف اور کمینے کے شر سے۔ اور ہر چھوٹے اور
بڑے کے شر سے۔ اور ہر نزدیک و دور کے شر سے۔ اور اس
کے شر سے جو لڑائی ٹھانے[2] تیرے رسولؐ سے اور ان کے اہل بیت
سے، چاہے وہ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے اور ہر زمین پر چلنے
والے کے شر سے کہ تو جس پر پورا[4] تسلط[3] (اور اختیار) رکھتا ہے بے شک
تو ہی سیدھے راستے پر ہے۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور
ان کی اولاد پر اور جو شخص میرے ساتھ برائی کرنے کا ارادہ کرے اسے
مجھ سے پھیر دے اور دور کر دے مجھ سے اس کے مکر کو۔ اور اس
کا شر مجھ سے دفع کر۔ اور اس کا فریب اسی کی گردن میں ڈال دے
اور بنا دے اس کے سامنے ایک دیوار اس طرح[5] کہ اندھا کر دے تو
میری طرف (دیکھنے) سے اس کی آنکھ کو اور (اس طرح کہ) بہرا کر دے

---

[1] اس سے یہ مطلب نہ نکالا جائے کہ دین میں کچھ باتیں بُری بھی ہیں بلکہ مقصود قائل یہ ہے کہ اپنے دین کی باتوں کے لیے میرے دل کو کشادہ کر جو کہ تمام تر اچھی ہی ہیں۔

[2] حرباً کا ترجمہ جو بعد کی چوتھی سطر میں مذکور ہے۔

[3] آخِذٌ بناصیتہا کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ اس کی پیشانی کے لمبے لمبے بال پکڑے ہوئے ہے۔ یہ عرب کا روزمرہ ہے اور اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو ہر اعتبار سے کسی کی طاقت اور قدرت سے دبا ہوا ہو اور اپنی مرضی سے معمولی حرکت بھی نہ کر سکے۔

[4] یعنی تیرا بنایا ہوا راستہ ہی سیدھا ہے اور اسی کا نام صراط مستقیم ہے۔

[5] حتّٰی کے لفظی معنی 'یہاں تک' اور 'تاکہ' ہیں جس کا مفہوم اس مقام پر اردو میں 'اس طرح' کے لفظ سے ادا ہوتا ہے۔

نَحْرِهٖ وَ اجْعَلْ بَيْنَ يَدَيْهِ سَدًّا حَتّٰى تُعْمِيَ عَنِّيْ بَصَرَهٗ وَ تُصِمَّ عَنْ ذِكْرِيْ سَمْعَهٗ وَ تُقْفِلَ دُوْنَ اِخْطَارِيْ قَلْبَهٗ وَ تُخْرِسَ عَنِّيْ لِسَانَهٗ وَ تَقْمَعَ رَاْسَهٗ وَ تُذِلَّ عِزَّهٗ وَ تَكْسِرَ جَبَرُوْتَهٗ وَ تُذِلَّ رَقَبَتَهٗ وَ تَفْسَخَ كِبْرَهٗ وَ تُؤْمِنَنِيْ مِنْ جَمِيْعِ ضَرِّهٖ وَ شَرِّهٖ وَ غَمْزِهٖ وَ هَمْزِهٖ وَ لَمْزِهٖ وَ حَسَدِهٖ وَ عَدَاوَتِهٖ وَ حَبَائِلِهٖ وَ مَصَائِدِهٖ وَ رَجِلِهٖ وَ خَيْلِهٖ اِنَّكَ عَزِيْزٌ قَدِيْرٌ ۞

تو میرے ذکر سے اس کے کان کو اور (اس طرح کہ) میرا خیال کرنے کے وقت اس کے دل پر تالا لگا دے اور (اس طرح کہ) میری جانب[1] سے اس کی زبان کو تو گونگا کر دے اور (اس طرح کہ) تو اس کا سر کچل دے اور (اس طرح کہ) اس کی توت[2] کو کمزور کر دے اور (اس طرح کہ) اس کے دبدبے کو توڑ دے اور (اس طرح کہ) تو اس کی گردن کو مروڑ دے اور (اس طرح کہ) تو اس کے گھمنڈ کو ڈھا دے اور (اس طرح کہ) تو محفوظ کر دے مجھ کو اس کی تمام نقصان رسانی، اس کی شرانگیزی، اس کے لعن طعن، اس کی غیبت و بدگوئی، اس کے حسد، اس کی عداوت، اس کے پھندوں، اس کی چالوں، اس کے پیدلوں اور اس کے سواروں سے۔ بے شک تو غالب (اور) قدرت رکھنے والا ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِاَبَوَيْهِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ

"حضرت زین العابدین اپنے ماں باپ کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے"۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ وَ اَهْلِ بَيْتِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَ اخْصُصْهُمْ بِاَفْضَلِ صَلَوَاتِكَ وَ رَحْمَتِكَ وَ بَرَكَاتِكَ وَ سَلَامِكَ وَ اخْصُصِ اللّٰهُمَّ وَالِدَيَّ بِالْكَرَامَةِ لَدَيْكَ وَ الصَّلٰوةِ مِنْكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَلْهِمْنِيْ عِلْمَ مَا يَجِبُ لَهُمَا عَلَيَّ اِلْهَامًا وَ اجْمَعْ لِيْ عِلْمَ

اے اللہ! رحمت نازل کر تو اپنے بندے اور رسول (یعنی) محمدؐ پر اور ان کے اہل بیت پر جو کہ پاک ہیں اور انھیں اپنی سب سے بڑھی ہوئی رحمت اور درود اور برکتوں اور سلام سے مخصوص کر دے۔ اور اے معبود! میرے والدین کو اس بزرگی سے جو تیرے نزدیک بزرگی ہے اور اپنی رحمت سے مخصوص کر دے۔ اے کل رحم[4] کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔ اے اللہ درود بھیج تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور میرے دل میں ڈال دے الہام کے ذریعہ ان باتوں کا علم،

---

[1] یعنی میرے معاملات میں  [2] عزت کا ترجمہ۔  [3] تذلل کا ترجمہ

[4] چونکہ والدین کے لیے، عدم استحقاق رحمت کا انتساب سوء ادب تھا اس لیے خدائے تعالیٰ کے ارحم الراحمین ہونے کی صفت کا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ یہ سب کچھ تو ان کے استحقاق کی بنا پر نہیں بلکہ اپنے رحم و کرم کی بنا پر کر۔

ذٰلِكَ كُلِّهِ تَمَامًا ثُمَّ اسْتَعْمِلْنِي بِمَا
تُلْهِمُنِي مِنْهُ وَ وَفِّقْنِي لِلنُّفُوذِ
فِيمَا تُبَصِّرُنِي مِنْ عِلْمِهِ حَتّٰى لَا
يَفُوتَنِي اسْتِعْمَالُ شَيْءٍ عَلَّمْتَنِيهِ
وَلَا تَثْقُلَ اَرْكَانِي عَنِ الْحُفُوفِ
فِيمَا اَلْهَمْتَنِيهِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ كَمَا شَرَّفْتَنَا بِهٖ
وَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ كَمَا
اَوْجَبْتَ لَنَا الْحَقَّ عَلَى الْخَلْقِ
بِسَبَبِهٖ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِي اَهَابُهُمَا
هَيْبَةَ السُّلْطَانِ الْعَسُوفِ وَ اَبَرُّهُمَا
بِرَّ الْاُمِّ الرَّءُوفِ وَ اجْعَلْ طَاعَتِي
لِوَالِدَيَّ وَ بِرِّي بِهِمَا اَقَرَّ لِعَيْنِي
مِنْ رَقْدَةِ الْوَسْنَانِ وَ اَثْلَجَ
لِصَدْرِي مِنْ شَرْبَةِ الظَّمْاٰنِ حَتّٰى
اُوثِرَ عَلٰى هَوَايَ هَوَاهُمَا وَ اُقَدِّمَ
عَلٰى رِضَايَ رِضَاهُمَا وَ اَسْتَكْثِرَ بِرَّهُمَا
بِي وَ اِنْ قَلَّ وَ اَسْتَقِلَّ بِرِّي بِهِمَا

جو کہ ان (والدین) کے لیے مجھ پر واجب ہیں۔ اور میرے لیے ان سب
باتوں کا مکمل علم جمع کر دے۔ پھر اس بات کے لیے جو تو نے میرے دل
میں ڈالی ہے مجھے عمل پر آمادہ کر۔ اور مجھے توفیق دے چلنے کی اُس
(واجب کے) علم پر جو تو نے مجھے بتایا ہے۔ تاکہ جو کچھ تو نے بتا دیا ہے
اس پر عمل کرنا باقی نہ رہ جائے اور میرے اعضا ان حقوق (کی ادائگی) میں
گرانی محسوس نہ کریں جنھیں تو نے میرے دل میں ڈالا ہے۔ اے اللہ
رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔ جیسا کہ شرف دیا ہے
تو نے ہم[1] کو ان (محمدؐ) کے ذریعہ[2]۔ اور رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور
ان کی اولاد پر۔ جیسا کہ تو نے ہمارا (آل محمدؐ کا) حق بندوں پر[3] ان
(محمدؐ) کے وسیلہ سے واجب کیا ہے۔ اے اللہ! تو مجھے بنا دے
ان دونوں (ماں اور باپ) سے ایسا ڈرنے والا جیسے ظالم بادشاہ سے
ڈرتے ہیں۔ اور ان دونوں کے ساتھ ایسا نیکی کا سلوک کرنے والا،
جیسے مہربان ماں نیکی کرتی ہے۔ اور میری اطاعتِ والدین اور ان
کے ساتھ نیکی کا سلوک کرنے کو، میری آنکھ کے لیے سونے والے[4] کی
نیند سے بھی زیادہ خنک[5] اور میرے سینے کے لیے پیاسے کے
پانی پینے سے بھی زیادہ خوش گوار بنا دے[6]۔ یہاں تک کہ میں اپنی
خواہش پر ان کی خواہش کو ترجیح دوں اور اپنی رضامندی پر ان
کی رضامندی کو مقدم سمجھوں اور ان کی نیکی کو جو مجھ پر (انھوں نے)

---

[1] یعنی آل محمدؐ کو جس میں قائل خود بھی شامل ہے۔

[2] یعنی جس طرح حضورؐ سے انتساب کی بناء پر ان کی آل کو تو نے لزوماً شرف عنایت کیا ہے اسی طرح تو ان پر اور ان کی آل پر درود بھیجنے کو لازم بنا۔

[3] مودت اور خمس وغیرہ کی طرف اشارہ ہے جو تمام امت پر آل محمدؐ کا حق ہے۔

[4] الوسنان کا ترجمہ ہے جو اسی سطر میں مذکور ہے۔

[5] اِجعل کا ترجمہ اگلی سطر میں دیکھیے۔

[6] اِجعل کا ترجمہ جو اوپر مذکور ہوا۔

وَاِنْ كَثُرَ اَللّٰهُمَّ خَفِّضْ لَهُمَا صَوْتِيْ
وَاَطِبْ لَهُمَا كَلَامِيْ وَاَلِنْ لَهُمَا
عَرِيْكَتِيْ وَاعْطِفْ عَلَيْهِمَا قَلْبِيْ وَ
صَيِّرْنِيْ بِهِمَا رَفِيْقًا وَعَلَيْهِمَا شَفِيْقًا
اَللّٰهُمَّ اشْكُرْ لَهُمَا تَرْبِيَتِيْ وَاَثِبْهُمَا
عَلٰى تَكْرِمَتِيْ وَاحْفَظْ لَهُمَا مَا حَفِظَاهُ
مِنِّيْ فِيْ صِغَرِيْ اَللّٰهُمَّ وَمَا
مَسَّهُمَا مِنِّيْ مِنْ اَذًى اَوْ خَلَصَ
اِلَيْهِمَا عَنِّيْ مِنْ مَكْرُوْهٍ اَوْ ضَاعَ
قِبَلِيْ لَهُمَا مِنْ حَقٍّ فَاجْعَلْهُ حِطَّةً
لِذُنُوْبِهِمَا وَعُلُوًّا فِيْ دَرَجَاتِهِمَا
وَزِيَادَةً فِيْ حَسَنَاتِهِمَا يَا مُبَدِّلَ
السَّيِّئَاتِ بِاَضْعَافِهَا مِنَ الْحَسَنَاتِ
اَللّٰهُمَّ وَمَا تَعَدَّيَا عَلَيَّ فِيْهِ مِنْ
قَوْلٍ اَوْ اَسْرَفَا عَلَيَّ فِيْهِ مِنْ
فِعْلٍ اَوْ ضَيَّعَاهُ لِيْ مِنْ حَقٍّ اَوْ

کی ہو کثیر سمجھوں چاہے کم ہو۔ اور اپنی نیکی کو جو ان کے ساتھ (میں نے)
کی ہے قلیل سمجھوں چاہے وہ کثیر ہو۔ اے معبود! ان دونوں کے سامنے
میری آواز کو ہلکا[1] کر اور میری گفتگو کو ان کے لیے مودب و تہذیب[2] بنا اور
ان کے لیے میری طبیعت کو نرم کر اور ان کے سامنے میرے دل کو جھکا
دے اور بنا دے مجھ کو ان دونوں کا ساتھ دینے والا اور ان پر مہربانی
کرنے والا۔ اے اللہ! نیک بدلہ[3] دے ان کو میرے پرورش کرنے کا
اور ثواب دے ان کو میری بزرگ داشت[4] کا۔ اور ان کی ایسی حفاظت
کر جیسی انھوں نے میرے بچپن میں میری حفاظت کی ہے۔ اے اللہ!
اور وہ اذیت جو ان دونوں کو مجھ سے ہوئی ہو، یا وہ ناپسندیدہ[5] بات جو
ان دونوں کی طرف میری جانب سے پہنچی ہو یا میرے پاس ان کا کوئی
حق ضائع ہوا ہو (پورا نہ ہوا ہو) تو بنا دے اس کو ان کے گناہوں کا
کفّارہ۔ اور ان کے درجات بلند ہونے کا ذریعہ، اور ان کی نیکیوں
میں زیادتی کا وسیلہ۔ اے برائیوں کو بدل دینے والے ان (برائیوں)
کی دو چند نیکیوں سے۔ اے اللہ! اور وہ بات[6] جس میں انھوں نے
مجھ پر ظلم کیا ہو یا وہ فعل جس میں انھوں نے مجھ پر زیادتی کی ہو یا میرا
وہ حق[7] جو انھوں نے پورا نہ کیا ہو یا واجب بات[8] جس میں میرے

---

[1] قرآن پاک کی آیت کے حکم سے ماخوذ ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ماں اور باپ کے سامنے اُف تک نہ کرو۔ نیز حدیث میں صاف صاف یہی الفاظ آئے ہیں کہ اپنی آواز کو ماں اور باپ کی آواز پر بلند نہ کرو۔

[2] اَطِبْ لَهُمَا کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ان کے لیے پاک اور طیب بنا۔ ظاہر ہے کہ ماں باپ کے مقابلے میں گفتگو کے پاک و طیب بنانے سے یہی مراد ہو سکتی ہے کہ گفتگو کو مودب و مہذب بنایا جائے۔ [3] یہ اُشکر کا ترجمہ ہے شکر جبکہ بندوں کی طرف سے ہو تو اس کے معنی شکریہ کے ہوتے ہیں اور جب خدا کی طرف سے ہو تو اس کے معنی نیک بدلہ دینے کے ہوتے ہیں۔ [4] عزت و احترام کے ساتھ تربیت کرنے کا۔

[5] مکروہ کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔

[6] قول کا ترجمہ جو اگلی سطر میں ہے۔

[7] زمانۂ تربیت کا حق۔

[8] نان و نفقہ اور تعلیم و تادیب و تنبیہ جو اولاد کے بالغ ہونے تک والدین پر واجب ہے۔

فَقَصُرَا بِيْ عَنْهُ مِنْ وَاجِبٍ فَقَدْ وَهَبْتُهُ
لَهُمَا وَجُدْتُ بِهٖ عَلَيْهِمَا وَرَغِبْتُ اِلَيْكَ
فِيْ وَضْعِ تَبِعَتِهٖ عَنْهُمَا فَاِنِّيْ لَا اَتَّهِمُهُمَا
عَلٰى نَفْسِيْ وَلَا اَسْتَبْطِئُهُمَا فِيْ بِرِّيْ وَ
لَا اَكْرَهُ مَا تَوَلَّيَاهُ مِنْ اَمْرِيْ يَا رَبِّ
فَهُمَا اَوْجَبُ حَقًّا عَلَيَّ وَاَقْدَمُ اِحْسَانًا
اِلَيَّ وَاَعْظَمُ مِنَّةً لَدَيَّ مِنْ اَنْ
اُقَاصَّهُمَا بِعَدْلٍ اَوْ اَنْ اُجَازِيَهُمَا عَلٰى
مِثْلٍ اَيْنَ اِذًا يَا اِلٰهِيْ طُوْلُ شُغْلِهِمَا
بِتَرْبِيَتِيْ وَاَيْنَ شِدَّةُ تَعَبِهِمَا فِيْ
حِرَاسَتِيْ وَاَيْنَ اِقْتَارُهُمَا عَلٰى اَنْفُسِهِمَا
لِلتَّوْسِعَةِ عَلَيَّ هَيْهَاتَ مَا يَسْتَوْفِيَانِ
مِنِّيْ حَقَّهُمَا وَلَا اُدْرِكُ مَا يَجِبُ عَلَيَّ
لَهُمَا وَلَا اَنَا بِقَاضٍ وَظِيْفَةَ خِدْمَتِهِمَا
فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَاَعِنِّيْ يَا
خَيْرَ مَنِ اسْتُعِيْنَ بِهٖ وَوَفِّقْنِيْ يَا
اَهْدٰى مَنْ رُغِبَ اِلَيْهِ وَلَا تَجْعَلْنِيْ

لیے انھوں نے کمی کی ہو، میں نے ان کو وہ سب ہبہ کر دیا اور بخش دیا اسے ان دونوں کو۔ اور اس کے انجام (عذاب) سے درگزر کرنے کی تجھ سے خواہش کی کیونکہ میں ان دونوں پر اپنے معاملے میں اتہام[1] نہیں لگاتا اور نہ اپنے ساتھ نیکی کرنے میں انھیں تاخیر کرنے والا[2] سمجھتا ہوں اور نہ ناپسند کرتا ہوں اس بات کو جو انھوں نے میرے حق میں کی۔ اے میرے پالنے والے پس وہ دونوں مجھ پر حق رکھنے کے زیادہ[3] مستحق ہیں اور مجھ پر احسان کرنے میں بہت زیادہ تقدم رکھتے[4] ہیں اور میرے نزدیک اس بات سے بالاتر ہیں کہ میں ان سے بدلہ لوں[5] انصاف کے ساتھ یا ویسا ہی انھیں بدلہ دوں۔ کہاں[6] جائے گا اے میرے مالک طویل مدت تک ان کا میری پرورش میں مشغول رہنا اور کہاں جائے گا میری حفاظت میں ان کا سخت تکلیف اٹھانا، اور کہاں جائے گا ان کا میری خوش حالی کے لیے اپنے نفسوں پر تنگی جھیلنا۔ یہ بات مجھ[7] سے بہت دور ہے، نہیں پوری طرح پا سکتے وہ دونوں مجھ سے اپنا حق۔ اور نہیں پوری[8] طرح سمجھ سکتا میں ان کے اس حق کو جو مجھ پر واجب ہے اور نہیں بجا لا سکتا میں ان کی خدمت کے شرائط۔ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور میری امداد کر اے بہتر ان تمام اشخاص سے جن سے امداد طلب کی جاتی ہے اور مجھے توفیق دے اے ان سب سے

---

[1] یعنی مجھ کو معلوم نہیں کہ انھوں نے میرے معاملے میں کبھی کوتاہی کی ہو اس لیے میں انھیں تہمت نہیں لگا سکتا۔

[2] اگر کبھی تاخیر ہوئی ہو تو بلا ارادہ ہو گئی ہوگی۔

[3] یعنی میرے حقوق کی بہ نسبت ان کا استحقاق زیادہ ہے۔

[4] یعنی مجھ سے پہلے انھوں نے مجھ پر احسانات کیے ہیں۔

[5] یعنی میرا کوئی حق واجب ان کے ذمہ رہ گیا ہو تو اس کے عوض کا خواستگار ہوں۔

[6] یعنی یہ ایسا احسان ہے جسے نہیں بھلایا جا سکتا اور جس کے برابر احسان کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

[7] یعنی میرے امکان سے باہر ہے۔

[8] لا ادرک، ادراک سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں جاننا پہچاننا اور پورے طور سمجھنا۔ مطلب یہ ہے کہ ماں باپ کے حقوق کا حد مقرر کرنا فہم انسان اور وسعت انسان سے بالاتر ہے۔

فِيْ أَهْلِ الْعُقُوْقِ لِلْآبَاءِ وَ الْأُمَّهَاتِ يَوْمَ
تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا
يُظْلَمُوْنَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ آلِهٖ
وَ ذُرِّيَّتِهٖ وَ اخْصُصْ أَبَوَيَّ بِأَفْضَلِ مَا
خَصَصْتَ بِهٖ آبَاءَ عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ
وَ أُمَّهَاتِهِمْ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ
لَا تُنْسِنِيْ ذِكْرَهُمَا فِيْ أَدْبَارِ صَلَوَاتِيْ وَ
فِيْ إِنًى مِنْ آنَاءِ لَيْلِيْ وَ فِيْ سَاعَةٍ مِنْ
سَاعَاتِ نَهَارِيْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَ آلِهٖ وَ اغْفِرْ لِيْ بِدُعَائِيْ لَهُمَا وَ اغْفِرْ لَهُمَا
بِبِرِّهِمَا بِيْ مَغْفِرَةً حَتْمًا وَ ارْضَ عَنْهُمَا
بِشَفَاعَتِيْ لَهُمَا رِضًى عَزْمًا وَ بَلِّغْهُمَا
بِالْكَرَامَةِ مَوَاطِنَ السَّلَامَةِ
اَللّٰهُمَّ وَ إِنْ سَبَقَتْ مَغْفِرَتُكَ لَهُمَا
فَشَفِّعْهُمَا فِيَّ وَ إِنْ سَبَقَتْ مَغْفِرَتُكَ
لِيْ فَشَفِّعْنِيْ فِيْهِمَا حَتّٰى نَجْتَمِعَ

بڑھ کر راہ بتانے والے جن کی طرف رہنمائی کے لیے، توجہ کی جاتی ہے،
اور مت قرار دے مجھ کو ان لوگوں میں جو باپوں[1] اور ماؤں کے نافرمان ہیں
اس روز جبکہ بدلہ دیا جائے گا ہر ایک کو اس عمل کا جو اس نے کمایا ہے
اور ان پر ظلم[2] نہ کیا جائے گا۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان
کی آل[3] پر اور ذریت پر۔ اور میرے والدین کو اس سے بڑھ کر بات[4]
کے ساتھ مخصوص کر جس سے تو نے مخصوص کیا ہے، اپنے مومن بندوں
کے والدین کو۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے!
اے اللہ! مت بھولنے دے مجھے ان کی یاد، اپنی نمازوں کے بعد[5] اور
کسی وقت اپنے اوقاتِ شب میں۔ اور کسی ساعت اپنے دن کی ساعتوں
میں[6]۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھے ان
کے لیے دعا کرنے کے صلے میں بخش دے اور انھیں میرے ساتھ نیکی کرنے
کے عوض بخش دے ایسی بخشش جو حتمی (اور لازمی) ہو اور ان دونوں
کے لیے میرے سفارش کرنے کی بنا پر ان سے یقینی طور پر رضامند ہو
جا۔ اور پہنچا دے ان کو اعزاز و اکرام کے ساتھ سلامتی[7] کے مقامات تک۔
اے میرے مالک! اگر پہلے پا لیا[8] ہے تیری مغفرت نے ان کو، تو انھیں
میری بخشش کی بابت سفارشی بنا۔ اور اگر تیری مغفرت[9] پہلے مجھے پالے

---

[1] "باپ اور ماں" (واحد) کے بجائے باپوں اور ماؤں (جمع) استعمال کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ باپ اور ماں کے علاوہ ان کے باپ اور ماں کا حقوق بھی بوجب معصیت ہے۔

[2] یعنی ہر عمل کا منصفانہ بدلہ ملے گا۔

[3] آل سے وہ ہستیاں مراد ہیں جنھیں آنحضرتؐ نے کملی میں لے کر دعا فرمائی تھی اور ذریت سے تمام بنی فاطمہ جو حق پر قائم رہے۔

[4] فضیلت اور مرتبہ اور اجر نیک مراد ہے۔

[5] یعنی ہر نماز کے بعد مجھے ان کے لیے دعائے مغفرت کی توفیق دے۔

[6] یعنی نمازوں کے بعد ہمیشہ اور رات اور دن دونوں میں ایک نہ ایک وقت انھیں یاد کرکے ان کے لیے دعائے مغفرت کر لیا کروں۔

[7] نجات اور مغفرت مراد ہے۔

[8] اگر مجھ سے پہلے یا میری دعا سے پہلے ان کی مغفرت ہو چکی ہے۔

[9] یعنی والدین سے پہلے میری مغفرت ہو جائے۔

بِرَاْفَتِكَ فِيْ دَارِ كَرَامَتِكَ وَ مَحَلِّ مَغْفِرَتِكَ وَ رَحْمَتِكَ اِنَّكَ ذُوا الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ وَ الْمَنِّ الْقَدِيْمِ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۝

تو مجھے ان کا سفارشی قرار دے تاکہ ہم سب جمع ہو جائیں تیری مہربانی سے۔ تیری بزرگی کے گھر[۱] میں اور تیری بخشش اور تیری رحمت کی منزل میں۔ بے شک تو بڑے فضل والا اور قدیم احسان والا ہے۔ اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم والا ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِوُلْدِهٖ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

حضرت زین العابدین اپنے فرزندوں کے لیے ان سب پر سلام ہو، یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ وَمُنَّ عَلَيَّ بِبَقَاءِ وُلْدِيْ وَ بِاِصْلَاحِهِمْ لِيْ وَ بِاِمْتَاعِيْ بِهِمْ اِلٰهِيْ اُمْدُدْ لِيْ فِيْ اَعْمَارِهِمْ وَ زِدْ لِيْ فِيْ اٰجَالِهِمْ وَ رَبِّ لِيْ صَغِيْرَهُمْ وَ قَوِّ لِيْ ضَعِيْفَهُمْ وَ اَصِحَّ لِيْ اَبْدَانَهُمْ وَ اَدْيَانَهُمْ وَ اَخْلَاقَهُمْ وَ عَافِهِمْ فِيْ اَنْفُسِهِمْ وَ فِيْ جَوَارِحِهِمْ وَ فِيْ كُلِّ مَا عُنِيْتُ بِهٖ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ اَدْرِرْ لِيْ وَ عَلٰى يَدِيْ اَرْزَاقَهُمْ وَ اجْعَلْهُمْ اَبْرَارًا اَتْقِيَاءَ بُصَرَاءَ سَامِعِيْنَ مُطِيْعِيْنَ لَكَ

اے اللہ! اور احسان کر مجھ پر میرے فرزندوں کے باقی رکھنے، اور میرے[۲] لیے ان کی اصلاح کرنے اور ان[۳] سے میرے فائدہ اٹھانے کے ساتھ۔ اے معبود! میرے نفع[۴] کے لیے ان کی عمریں بڑھا اور میرے فائدے کے لیے ان کی مدت (حیات) میں اضافہ اور پرورش کر میری خاطر ان کے چھوٹے[۵] کی اور میرے لیے ان میں سے کمزور کو قوت دے اور صحیح رکھ میرے (کام آنے کے) لیے ان کے بدنوں کو اور ان کے دینوں کو اور ان کے خصائل کو اور ان کو عافیت (اور سلامتی) دے ان کی جانوں میں، ان کے اعضا میں اور ہر ایک ایسے کام میں ان کے جس کا میں ارادہ[۶] رکھتا ہوں۔ اور میرے لیے اور میرے ہاتھ پر[۷] ان کے رزق کو وسیع کر اور ان کو نیک، پرہیزگار، صاحب عقل و فہم، بات کو سننے والا، اپنا مطیع و فرمانبردار بنا اور اپنے

---

[۱] مراد بہشت۔

[۲] یعنی میرے کام آنے کے لیے اور میرا نام باقی رکھنے کے لیے۔

[۳] بھم کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔

[۴] لی کا ترجمہ جس میں ل نفع کے معنی میں ہے۔

[۵] یعنی جو فرزند ابھی چھوٹا ہے اور محتاج پرورش ہے اس کی میری خاطر پرورش کر۔

[۶] یعنی ان کے مستقبل کے متعلق میرے جو ارادے ہیں ان تمام میں سلامتی اور عافیت دے۔

[۷] یعنی ان کے حصے کا رزق میرے ذریعہ سے عطا کر کیونکہ میں ان کا متولی ہوں۔

وَلِأَوْلِيَائِكَ مُحِبِّينَ مُنَاصِحِينَ وَلِجَمِيعِ
أَعْدَائِكَ مُعَانِدِينَ وَمُبْغِضِينَ آمِينَ
اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ بِهِمْ عَضُدِي وَأَقِمْ بِهِمْ
أَوَدِي وَكَثِّرْ بِهِمْ عَدَدِي وَزَيِّنْ بِهِمْ
مَحْضَرِي وَأَحْيِ بِهِمْ ذِكْرِي وَاكْفِنِي
بِهِمْ فِي غَيْبَتِي وَأَعِنِّي بِهِمْ عَلَى
حَاجَتِي وَاجْعَلْهُمْ لِي مُحِبِّينَ وَعَلَيَّ
حَدِبِينَ مُقْبِلِينَ مُسْتَقِيمِينَ لِي مُطِيعِينَ
غَيْرَ عَاصِينَ وَلَا عَاقِّينَ وَلَا مُخَالِفِينَ
وَلَا خَاطِئِينَ وَأَعِنِّي عَلَى تَرْبِيَتِهِمْ وَ
تَأْدِيبِهِمْ وَبِرِّهِمْ وَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ
مَعَهُمْ أَوْلَادًا ذُكُورًا وَاجْعَلْ ذٰلِكَ خَيْرًا
لِي وَاجْعَلْهُمْ لِي عَوْنًا عَلَى مَا سَأَلْتُكَ
وَأَعِذْنِي وَذُرِّيَّتِي مِنَ الشَّيْطَانِ
الرَّجِيمِ فَإِنَّكَ خَلَقْتَنَا وَأَمَرْتَنَا وَ
نَهَيْتَنَا وَرَغَّبْتَنَا فِي ثَوَابِ مَا أَمَرْتَنَا
وَرَهَّبْتَنَا عِقَابَهُ وَجَعَلْتَ لَنَا عَدُوًّا
يَكِيدُنَا سَلَّطْتَهُ مِنَّا عَلَى مَا لَمْ

دوستوں کا دوست اور نصیحت کرنے والا اور اپنے تمام دشمنوں کا مخالف
اور کینہ رکھنے والا بنا، قبول کر (یہ دعا)۔ اے مالک! ان کے ذریعہ
سے میرے بازو میں قوت دے اور میری کجی[1] کو ان کے ذریعہ درست کر
اور ان کے ذریعہ میرے شمار کو زیادہ کر اور ان سے میری صحبت کو آراستہ
کر اور ان کے ذریعہ میرے تذکرے کو زندہ رکھ اور میری غیبت میں ان
کے ذریعہ سے میری مدد کر اور ان کے ذریعہ سے میری حاجت پوری
ہونے میں میری مدد کر اور انھیں قرار دے مجھ سے محبت کرنے والا، اور
مجھ سے شفقت کے ساتھ پیش آنے والا، میری طرف توجہ کرنے والا،
راہ راست پر چلنے والا، فرمانبردار، نافرمانی نہ کرنے والا، اور نہ سرتابی
کرنے والا، اور نہ مخالفت کرنے والا اور نہ خطا کار۔ اور اعانت کر میری
ان کی پرورش کرنے، اور ادب سکھانے اور ان کو نیک بنانے میں اور
عطا کر مجھے اپنے پاس سے ان کے ساتھ (اور) اولاد نرینہ اور اس
(اولاد نرینہ) کو میرے لیے بہتری کا ذریعہ بنا اور قرار دے ان (سب)
کو میرا مددگار ان باتوں[2] میں جو میں نے تجھ سے طلب کی ہیں۔ اور پناہ
دے مجھے اور میری اولاد کو شیطان سے جو کہ راندۂ درگاہ ہے۔ کیونکہ
بلاشک تو نے ہمیں پیدا کیا اور حکم[3] دیا اور منع کیا اور ہمیں رغبت
دلائی اس کام کے ثواب کی جانب جس کا تو نے حکم دیا ہے اور ہمیں اس
کے عقاب[4] سے ڈرایا اور ہمارا ایک دشمن[5] بنا دیا جو ہم سے مکر کرتا ہے

---

[1] یعنی تنہائی اور بے خوبی کے باعث میرے مسائل میں جو کجی اور پیچیدگی ہے اسے فرزندوں کی قوت اور شیرازہ بندی سے دور کر دے۔

[2] یعنی میرے تمام فرزند جو اس وقت پیدا ہو چکے ہیں یا آئندہ ہوں ان تمام مقاصد کے حصول اور تکمیل میں میری مدد کریں جن کے لیے میں تجھ سے دعا کر رہا ہوں۔

[3] کچھ اعمال بجالانے کے لیے احکام بھیجے اور کچھ چیزوں کی نہی (ممانعت) فرمائی۔

[4] حکم بجالانے کی صورت میں عقاب سے ڈرانا مراد ہے جیسا کہ سیاق و سباق سے ظاہر ہے۔

[5] شیطان جو نفس امارہ پر حکمران ہے۔

تُسَلِّطْنَا عَلَيْهِ مِنْهُ اَسْكَنْتَهُ صُدُوْرَنَا
وَ اَجْرَيْتَهُ مَجَارِيَ دِمَائِنَا لَا يَغْفُلُ
اِنْ غَفَلْنَا وَ لَا يَنْسٰى اِنْ نَسِيْنَا
يُؤْمِنُنَا عِقَابَكَ وَ يُخَوِّفُنَا بِغَيْرِكَ
اِنْ هَمَمْنَا بِفَاحِشَةٍ شَجَّعَنَا عَلَيْهَا
وَ اِنْ هَمَمْنَا بِعَمَلٍ صَالِحٍ ثَبَّطَنَا
عَنْهُ يَتَعَرَّضُ لَنَا بِالشَّهَوَاتِ وَ
يَنْصِبُ لَنَا بِالشُّبُهَاتِ اِنْ وَعَدَنَا
كَذَبَنَا وَ اِنْ مَنَّانَا اَخْلَفَنَا وَ اِلَّا
تَصْرِفْ عَنَّا كَيْدَهُ يُضِلَّنَا وَ اِلَّا
تَقِنَا خَبَالَهُ يَسْتَزِلَّنَا اَللّٰهُمَّ
فَاقْهَرْ سُلْطَانَهُ عَنَّا بِسُلْطَانِكَ
حَتّٰى تَحْبِسَهُ عَنَّا بِكَثْرَةِ الدُّعَاءِ
لَكَ فَنُصْبِحَ مِنْ كَيْدِهٖ فِي
الْمَعْصُوْمِيْنَ بِكَ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ
كُلَّ سُؤْلِيْ وَ اقْضِ لِيْ حَوَائِجِيْ
وَ لَا تَمْنَعْنِيَ الْاِجَابَةَ وَ قَدْ
ضَمِنْتَهَا لِيْ وَ لَا تَحْجُبْ دُعَائِيْ
عَنْكَ وَ قَدْ اَمَرْتَنِيْ بِهٖ وَ

(اور) تو نے اسے ہماری اُن[1] چیزوں پر مسلط کر دیا کہ اس کی جن چیزوں
پر ہمیں تسلط نہیں دیا۔ اور گھر بنا دیا تو نے اس (دشمن) کا ہمارے دلوں
میں اور جاری کر دیا تو نے اس کو ہماری رگوں میں[2]۔ نہیں غافل ہوتا
وہ اگر ہم غافل ہو جائیں۔ اور نہیں بھولتا وہ اگر ہم بھول جائیں۔
بے خوف بناتا ہے وہ ہم کو تیرے عذاب سے اور ڈراتا ہے ہم کو تیرے
غیر سے[3]۔ اگر ہم کسی برائی کا قصد کرتے ہیں تو وہ ہمیں اس پر دلیر بناتا
ہے اور اگر ارادہ کرتے ہیں کسی نیک کام کا تو اس سے ہمیں روکتا ہے
نفسانی خواہشوں کے ساتھ ہمارے درپے ہوتا ہے اور قائم کرتا ہے
ہمارے لیے (طرح طرح کے) شکوک[4]۔ اگر ہم سے (کسی بات کا) وعدہ کرتا
ہے تو ہم سے جھوٹ بولتا ہے اور اگر ہمیں امید دلاتا ہے تو ہمارے
ساتھ (اس کے) خلاف اور اگر تو اس کے مکر کو ہم سے روگرداں
نہیں کر دے گا تو وہ ہمیں گمراہ کر دے گا اور اگر تو اس کے فساد سے ہمیں
محفوظ نہیں رکھے گا تو وہ ہمیں لغزش میں ڈال دے گا۔ اے اللہ! تو
اس کی حکومت کو اپنی حکومت کے ذریعہ ہماری طرف سے پست کر دے،
تا اینکہ تو اس کو ہم سے بالکل روک دے، اپنی بارگاہ میں (ہمارے)
زیادہ دعا کرنے کے ذریعہ سے۔ تاکہ ہم اس کے مکر سے تیرے بچائے
ہوئے لوگوں میں ہو جائیں۔ اے اللہ! مجھے میرے تمام مطلب عطا
کر دے اور میری سب حاجتیں پوری کر دے اور نہ روک مجھ سے قبولیت
(دعا) کو جبکہ بلاشک تو اس (قبولیت) کا میرے لیے ضامن[5] ہے اور

---

۱ تمام اعضا و جوارح اور خواہشیں علی الخصوص نفس امّارہ جنہیں شیطان بہکا کر اپنی مرضی پر چلاتا ہے مگر انسان کو شیطان کے اعضا و جوارح اور خواہشوں اور نفس پر کسی قسم کا تسلط حاصل نہیں۔

۲ مَجَارِيَ دِمَائِنَا کے لفظی معنی خون کے جاری ہونے کی جگہوں کے ہیں جس سے رگیں مراد ہیں۔

۳ اکثر شیطان بدی پر انسان کو اس قسم کے وسوسہ اُس کے دل میں پیدا کر کے ابھارتا ہے کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو فلاں نقصان ہوگا۔ ۴ تاکہ عقائد میں خلل پڑے۔

۵ خدائے تعالیٰ نے کلام پاک میں وعدہ کیا ہے اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ تم مجھ سے دعا کرو تو میں تمہاری دعا قبول کروں گا اس سے بڑھ کر قبولیت دعا کی اور کیا ضمانت ہوگی۔

اٰمُنُنْ عَلَيَّ بِكُلِّ مَا يُصْلِحُنِيْ
فِيْ دُنْيَايَ وَ اٰخِرَتِيْ مَا ذَكَرْتُ
مِنْهُ وَ مَا نَسِيْتُ اَوْ اَظْهَرْتُ اَوْ
اَخْفَيْتُ اَوْ اَعْلَنْتُ اَوْ اَسْرَرْتُ وَاجْعَلْنِيْ
فِيْ جَمِيْعِ ذٰلِكَ مِنَ الْمُصْلِحِيْنَ بِسُؤَالِيْ
اِيَّاكَ الْمُنْجِحِيْنَ بِالطَّلَبِ اِلَيْكَ
غَيْرِ الْمَمْنُوْعِيْنَ بِالتَّوَكُّلِ عَلَيْكَ
الْمُعَوَّذِيْنَ بِالتَّعَوُّذِ بِكَ الرَّابِحِيْنَ
فِي التِّجَارَةِ عَلَيْكَ الْمُجَارِيْنَ بِعِزِّكَ
الْمُوَسَّعِ عَلَيْهِمُ الرِّزْقُ الْحَلَالُ
مِنْ فَضْلِكَ الْوَاسِعِ بِجُوْدِكَ
وَ كَرَمِكَ الْمُعَزِّيْنَ مِنَ الذُّلِّ
بِكَ وَ الْمُجَارِيْنَ مِنَ الظُّلْمِ بِعَدْلِكَ
وَالْمُعَافِيْنَ مِنَ الْبَلَاءِ بِرَحْمَتِكَ
وَ الْمُغْنِيْنَ مِنَ الْفَقْرِ بِغِنَاكَ وَالْمَعْصُوْمِيْنَ
مِنَ الذُّنُوْبِ وَ الزَّلَلِ وَ الْخَطَاءِ بِتَقْوَاكَ
وَالْمُوَفَّقِيْنَ لِلْخَيْرِ وَ الرُّشْدِ وَ الصَّوَابِ
بِطَاعَتِكَ وَالْمُحَالِ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الذُّنُوْبِ

مت دور کر میری دعا کو اپنی بارگاہ سے۔ درآنحالیکہ بتحقیق تو نے ہی مجھے
اس (دعا) کا حکم[1] دیا ہے۔ اور احسان کر مجھ پر ان تمام باتوں سے جو میری
دنیا اور میری آخرت میں میرے لیے اچھی ہوں، وہ (باتیں) بھی جن
کا میں نے (اپنی دعا میں) ذکر کیا اور وہ بھی جنھیں بھول گیا یا (جنھیں)
میں نے ظاہر کیا یا میں نے چھپایا یا میں نے علی الاعلان کہا یا بطور راز[2]
بیان کیا۔ اور ان تمام حالتوں میں مجھے ان (لوگوں) میں قرار دے جو
نیکوکار ہیں تجھی[3] سے مانگنے کے باعث۔ (اور جو) کامیاب ہیں تجھ سے
طلب کرنے کی بناء پر (اور جو) محروم نہیں ہوئے تجھی پر توکل کرنے کی
وجہ سے، (اور جو) تیری پناہ میں ہیں تجھ سے پناہ مانگنے کے باعث۔
(اور جو) نفع اٹھا چکے ہیں تجارت[4] کر کے تجھ سے۔ (اور جو) تیرے غلبہ
کی حفاظت میں ہیں۔ (اور) روزی حلال نے ان پر فراخی پیدا کر دی
ہے تیرے[5] وسیع فضل سے تیری بخشش اور سخاوت کے باعث۔
(اور جو) عزت[6] پا چکے ہیں ذلت کے بعد تیری بدولت۔ (اور جو) تیرے
عدل کی وجہ سے ظلم و ستم سے بچ گئے ہیں۔ (اور جو) بلا سے سلامتی
حاصل کر چکے ہیں تیری رحمت سے۔ (اور جو) تیری تونگری کی بدولت
افلاس سے (چھوٹ کر) غنی بن گئے ہیں (اور جو) تجھ سے ڈرنے کی
وجہ سے گناہوں، لغزش اور خطا سے محفوظ ہیں (اور جو) توفیق
پائے ہوئے ہیں، نیکی کی اور ہدایت کی اور ٹھیک بات کی تیری

---

[1] مذکورہ بالا آیت میں جو صفحہ ۱۱۸ کے حاشیہ ۳ میں مندرج ہے۔

[2] دل ہی دل میں دہرایا جس کو خدائے تعالیٰ کے علاوہ کسی نے نہ سنا۔

[3] ایاک کا ترجمہ اوپر کی سطر میں ہے مطلب یہ کہ جو اس لیے نیک ہیں کہ تیرے علاوہ کسی اور سے نہیں مانگتے۔

[4] یہ اسی تجارت کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر قرآن پاک نے ان لفظوں میں کیا ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ یعنی کچھ بندے ایسے بھی ہیں جو اپنے نفس کو بیچ ڈالتے ہیں، خدا کی خوشنودی (قیمت کے طور پر) حاصل کرنے کے لیے۔

[5] روزی حلال کی صفت ہے یعنی ایسی روزی حلال جو انھیں وسیع فضل سے تیری بخشش اور سخاوت کے باعث ملی ہے۔

[6] کفر کے بعد اسلام پایا ہے۔

بِقُدْرَتِكَ التَّارِكِيْنَ لِكُلِّ مَعْصِيَتِكَ السَّاكِنِيْنَ فِيْ جِوَارِكَ اَللّٰهُمَّ اَعْطِنَا جَمِيْعَ ذٰلِكَ بِتَوْفِيْقِكَ وَرَحْمَتِكَ وَ اَعِذْنَا مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ وَ اَعْطِ جَمِيْعَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ مِثْلَ الَّذِيْ سَاَلْتُكَ لِنَفْسِيْ وَلِوُلْدِيْ فِيْ عَاجِلِ الدُّنْيَا وَاٰجِلِ الْاٰخِرَةِ اِنَّكَ قَرِيْبٌ مُجِيْبٌ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ عَفُوٌّ غَفُوْرٌ رَءُوْفٌ رَحِيْمٌ وَّ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ه

فرمانبرداری کی وجہ سے[1] (اور) جن کے اور گناہوں کے درمیان رکاوٹیں ہیں تیری قدرت سے (اور جو) ہر گناہ کو ترک کیے ہوئے (اور جو)[2] تیرے قرب میں رہنے والے ہیں۔ اے معبود! عطا کر ہم کو یہ تمام چیزیں اپنی توفیق اور رحمت سے۔ اور پناہ دے ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔ اور عطا فرما تمام مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں اور ایمان والوں اور ایمان والیوں کو، وہی سب چیزیں جو میں نے تجھ سے طلب کی ہیں اپنے اور اپنی اولاد کے لیے۔ موجودہ دنیا میں اور آنے والی عقبیٰ میں بیشک تو نزدیک ہے، قبول کرنے والا ہے، سنتا ہے، جانتا ہے، معاف کرتا ہے، بخشتا ہے، مہربان ہے اور رحم کرنے والا ہے۔ اور ہمیں دنیا میں نیکی[3] دے اور آخرت میں نیکی کا نیک اجر دے۔ اور ہمیں عذاب دوزخ سے محفوظ رکھ۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِجِيْرَانِهٖ وَاَوْلِيَائِهٖ اِذَا ذَكَرَهُمْ

"حضرت زین العابدین جب پڑوسیوں اور دوستوں کو یاد کرتے تو ان کے لیے یہ دعا پڑھتے تھے۔"

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ تَوَلَّنِيْ فِيْ جِيْرَانِيْ وَمَوَالِيَّ الْعَارِفِيْنَ بِحَقِّنَا وَالْمُنَابِذِيْنَ لِاَعْدَائِنَا بِاَفْضَلِ وَلَايَتِكَ وَ وَفِّقْهُمْ لِاِقَامَةِ سُنَّتِكَ وَالْاَخْذِ بِمَحَاسِنِ اَدَبِكَ فِيْ اِرْفَاقِ

اے اللہ! تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور سرپرستی[4] کر میری میرے پڑوسیوں اور دوستوں کے معاملہ میں (ایسے دوست) جو ہمارے حق کو پہچاننے والے، اور ہمارے دشمنوں سے لڑنے والے ہیں، تیری ایسی سرپرستی[5] جو ہر سرپرستی سے بڑھ کر ہو۔ اور توفیق عطا کر ان کو تیری سنت (شریعت) کے قائم کرنے اور تیرے

---

[1] خدا کی عبادت اور فرمانبرداری کی کثرت سے توفیق الٰہی بندے کے شامل حال ہو جاتی ہے۔

[2] یعنی ان اعمال کی بناء پر جو کہ مذکور ہوئے تیرے قرب کے مستحق ہیں۔

[3] دنیا میں حسنہ سے مراد نیک عمل ہوتا ہے اور آخرت کا حسنہ نیک عمل کا نیک صلہ ہے۔

[4] یعنی جب میں اپنے پڑوسیوں اور دوستوں کے کام کا متولی بنوں تو اس وقت تو میرا متولی بن کر اس کام کو سرانجام تک پہنچا دے۔

[5] بافضل ولایتک کا ترجمہ ہے اور یہ اس سرپرستی کی مزید توضیح ہے جس کے لیے خدائے تعالیٰ سے دعا کی ہے۔

ضَعِيفِهِمْ وَ سَدِّ خَلَّتِهِمْ وَعِيَادَةِ
مَرِيضِهِمْ وَ هِدَايَةِ مُسْتَرْشِدِهِمْ
وَمُنَاصَحَةِ مُسْتَشِيرِهِمْ وَتَعَهُّدِ
قَادِمِهِمْ وَكِتْمَانِ أَسْرَارِهِمْ وَسَتْرِ
عَوْرَاتِهِمْ وَنُصْرَةِ مَظْلُومِهِمْ وَ
حُسْنِ مُوَاسَاتِهِمْ بِالْمَاعُونِ وَالْعَوْدِ
عَلَيْهِمْ بِالْجِدَةِ وَ الْإِفْضَالِ
وَ إِعْطَاءِ مَا يَجِبُ لَهُمْ قَبْلَ
السُّؤَالِ وَاجْعَلْنِي اللَّهُمَّ أَجْزِي
بِالْإِحْسَانِ مُسِيئَهُمْ وَ أُعْرِضُ
بِالتَّجَاوُزِ عَنْ ظَالِمِهِمْ وَأَسْتَعْمِلُ
حُسْنَ الظَّنِّ فِي كَافَّتِهِمْ وَأَتَوَلَّى
بِالْبِرِّ عَامَّتَهُمْ وَأَغُضُّ بَصَرِي
عَنْهُمْ عِفَّةً وَأُلِينُ جَانِبِي
لَهُمْ تَوَاضُعًا وَأَرِقُّ عَلَى أَهْلِ
الْبَلَاءِ مِنْهُمْ رَحْمَةً وَأُسِرُّ لَهُمْ
بِالْغَيْبِ مَوَدَّةً وَ أُحِبُّ بَقَاءَ
النِّعْمَةِ عِنْدَهُمْ نُصْحًا وَ أُوجِبُ
لَهُمْ مَا أُوجِبُ لِحَامَّتِي وَأَرْعَى لَهُمْ

اچھے اخلاق کے اختیار کرنے کی[1] (حسب ذیل باتوں میں) اپنے کمزوروں
کے ساتھ نرمی کرتے ہیں۔ اور ان کی محتاجی دور کرتے ہیں۔ اور ان کے
بیمار کی عیادت ہیں۔ اور ہدایت میں ان کے طالب ہدایت کی۔ اور ان
کے مشورہ چاہنے والے کو نیک صلاح دیتے ہیں۔ اور ان کے مہمان کی
پذیرائی ہیں۔ اور ان کے بھیدوں کو چھپاتے ہیں۔ اور ان کے مقامات
حرمت کو (یا عیوب کو) چھپاتے ہیں اور ان کے ستائے ہوئے کی امداد
کرتے ہیں۔ اور ان کی خوب غم خواری کرتے ہیں نیکی کے ساتھ اور ان کو بار
بار بخشش اور عطیہ دیتے ہیں۔ (ان سب دوستوں کو اخلاق ایسے اختیار
کرنے کی توفیق دے) اور ان کے واجبی حقوق طلب کرنے سے پہلے عطا کرتے ہیں۔
اور مجھے ایسا بنا اے میرے مالک کہ میں بدلہ دوں ان کے برائی کرنے
والے کو احسان کے ساتھ اور ان کے ظالم کو معاف کر کے سپر پھیر لوں
اور کام میں لاؤں ان تمام (لوگوں) کے بارے میں اچھا گمان۔ اور ان
کے عوام سے نیکی کا برتاؤ کروں۔ اور بند کر لوں اپنی آنکھ[2] ان (کے عیب)
سے پاک دامنی کی بنا[3] پر۔ اور ان سے خاکساری کے ساتھ جھک[4] کر
ملوں اور نرم دلی سے پیش آؤں ان میں سے ان لوگوں کے ساتھ رحم
کھا کر جو بلا میں مبتلا ہوں۔ اور ان کی غیبت[5] میں ان سے محبت ظاہر
کروں اور پسند کروں بنا بر خلوص ان کے پاس نعمت کے باقی رہنے کو
اور ان کے لیے وہ بات لازم سمجھوں[6] جو اپنے قرابت داروں کے لیے
لازم جانوں اور ان کے لیے اس بات کی رعایت کروں جن کی اپنے

---

۱۔ 'فی' کا ترجمہ اگلی سطر میں ہے۔

۲۔ چونکہ 'غض بصر' ہمیشہ معیوب بات ہی سے کیا جاتا ہے اس لیے لفظوں میں اس کے ذکر کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ سیاق و سباق سے خود ہی یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہاں 'عیب سے چشم پوشی' مراد ہے۔

۳۔ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ پاک دامنی کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ عیب جوئی نہ کی جائے اور کسی کا عیب معلوم ہو تو اس سے چشم پوشی کر لی جائے۔

۴۔ 'اُلینُ جانبی' کے لفظی معنی یہ ہیں کہ 'میں اپنے کو نرم کروں' یہ عرب کا روزمرہ ہے جو تواضع سے جھکنے کے محل و مقام پر بولا جاتا ہے۔

۵۔ یعنی ان کی غیبت میں ان کے لیے ایسے کام انجام دوں جن سے محبت ظاہر ہو۔ ۶۔ اپنے عزیزوں میں اور ان میں کسی قسم کا فرق نہ کروں۔

مَا أَرْعَىٰ لِخَاصَّتِي اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَارْزُقْنِي مِثْلَ ذٰلِكَ مِنْهُمْ وَاجْعَلْ لِي أَوْفَى الْحُظُوظِ فِيمَا عِنْدَهُمْ وَزِدْهُمْ بَصِيرَةً فِي حَقِّي وَمَعْرِفَةً بِفَضْلِي حَتَّىٰ يَسْعَدُوا بِي وَأَسْعَدَ بِهِمْ آمِينَ رَبَّ الْعَالَمِينَ

مخصوصین کے لیے رعایت کروں۔ اے اللہ! محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور دلا کر مجھ کو ایسا ہی[1] ان سے اور میرے لیے اس (نعمت) میں پورا پورا حصہ قرار دے جو ان کے پاس ہے اور انھیں میرا حق پہچاننے کی بصیرت دے اور میرے فضل کی معرفت دے تاکہ وہ میرے ذریعے[2] سے نیک بخت ہوں اور میں ان کے وسیلہ سے سعادت[3] پاؤں۔ قبول کر لے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِأَهْلِ الثُّغُورِ

وہ حضرت زین العابدینؑ سرحد والوں کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَحَصِّنْ ثُغُورَ الْمُسْلِمِينَ بِعِزَّتِكَ وَأَيِّدْ حُمَاتَهَا بِقُوَّتِكَ وَأَسْبِغْ عَطَايَاهُمْ مِنْ جِدَتِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَكَثِّرْ عِدَّتَهُمْ وَاشْحَذْ أَسْلِحَتَهُمْ وَاحْرُسْ حَوْزَتَهُمْ وَامْنَعْ حَوْمَتَهُمْ وَأَلِّفْ جَمْعَهُمْ وَدَبِّرْ أَمْرَهُمْ وَوَاتِرْ بَيْنَ مِيَرِهِمْ وَتَوَحَّدْ بِكِفَايَةِ مُؤَنِهِمْ وَاعْضُدْهُمْ بِالنَّصْرِ وَأَعِنْهُمْ

اے اللہ! تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور حفاظت فرما سرحدِ مسلمین کی اپنے غلبہ (اور قوت) سے اور اس کے حمایت کرنے والوں کی اپنی قوت سے مدد کر۔ اور اپنے جود و کرم سے ان کے عطیوں کو کامل کر دے[4]۔ اے اللہ محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور ان[5] کی تعداد میں اضافہ کر اور ان کے ہتھیاروں کو تیز کر اور ان کے حدود کی حفاظت کر اور ان کے اطراف[6] (مملکت) کو محکم کر اور ان کی جماعت کو متحد کر اور ان کے معاملات کو درست کر۔ اور ان کی رسد پے در پے پہنچا اور ان کی مشکلات کو تنہا تو[7] ہی دور کر اور ان کا بازو قوی کر (ان کی) امداد کر کے۔ اور (انھیں) صبر دے کر ان کی مدد کر۔ اور

---

[1] یعنی پڑوسیوں اور دوستوں کی جانب سے بھی میرے ساتھ ویسا ہی سلوک ہو جیسا سلوک میری طرف سے ہو۔

[2] یعنی مجھ سے علوم و معارف حاصل کر کے سعید ہو جائیں۔

[3] کیونکہ علوم دینیہ کی تعلیم دینا اور احکام دینیہ سے مطلع کرنا عین سعادت ہے۔

[4] یعنی ان عطیوں کو جو انھیں تیری جانب سے دیے گئے ہیں یعنی سلطنت اور حکومت وغیرہ۔

[5] سرحد والوں کی۔ [6] یعنی سرحدوں کو۔

[7] یعنی ان کے لیے موجودہ مشکلات دور نہ ہوں گی، اس لیے تو ہی اپنی قدرت سے ان کی مشکلات دور فرما۔

بِالصَّبْرِ وَالْطُفْ لَهُمْ فِي الْمَكْرِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَعَرِّفْهُمْ مَا يَجْهَلُوْنَ وَعَلِّمْهُمْ مَا لَا يَعْلَمُوْنَ وَبَصِّرْهُمْ مَا لَا يُبْصِرُوْنَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَنْسِهِمْ عِنْدَ لِقَآئِهِمُ الْعَدُوَّ ذِكْرَ دُنْيَاهُمُ الْخَدَّاعَةِ الْغَرُوْرِ وَامْحُ عَنْ قُلُوْبِهِمْ خَطَرَاتِ الْمَالِ الْفَتُوْنِ وَاجْعَلِ الْجَنَّةَ نَصْبَ اَعْيُنِهِمْ وَلَوِّحْ مِنْهَا لِاَبْصَارِهِمْ مَا اَعْدَدْتَ فِيْهَا مِنْ مَسَاكِنِ الْخُلْدِ وَمَنَازِلِ الْكَرَامَةِ وَالْحُوْرِ الْحِسَانِ وَالْاَنْهَارِ الْمُطَّرِدَةِ بِاَنْوَاعِ الْاَشْرِبَةِ وَالْاَشْجَارِ الْمُتَدَلِّيَةِ بِصُنُوْفِ الثَّمَرِ حَتّٰى لَا يَهُمَّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ بِالْاِدْبَارِ وَلَا يُحَدِّثَ نَفْسَهٗ عَنْ قِرْنِهٖ بِفِرَارٍ اَللّٰهُمَّ افْلُلْ بِذٰلِكَ عَدُوَّهُمْ وَاقْلِمْ عَنْهُمْ اَظْفَارَهُمْ

(ان کے ساتھ) مکر[1] (کیے جانے) کی صورت میں ان کے موافق لطیف تدبیر کر۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور جس بات سے وہ ناواقف ہیں وہ انھیں بتادے اور جس چیز کو وہ نہیں جانتے اس کی انھیں تعلیم دے۔ اور جو کچھ وہ نہیں دیکھتے وہ انھیں[2] دکھادے۔ اے اللہ محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور بھلا دے ان کو، انھیں دھوکہ دینے والی فریبی[3] دنیا کی یاد، اس وقت جبکہ وہ اپنے دشمن سے ملاقات[4] کریں۔ اور مٹا دے ان کے دلوں سے فتنہ[5] برپا کرنے والے مال کا خیال۔ اور جنت کو ان کا نصب العین[6] بنادے اور تصور[7] پیش کر، ان کی آنکھوں کے سامنے اس (جنت) میں سے، ان چیزوں کا جو تو نے اس (جنت) میں مہیا کی ہیں یعنی مکاناتِ خلد[8] اور بزرگی کی منزلیں۔ اور خوب صورت حوریں اور بہنے والی نہریں۔ طرح طرح کے شربتوں[9] کے ساتھ۔ اور قسم قسم کے پھلوں سے لدے ہوئے (یا جھکے ہوئے) درخت تاکہ ان میں سے کوئی پشت پھرانے کا ارادہ نہ کرے اور اپنے دل سے بھی اپنے جیسے (پہلوان) سے (ڈر کر) بھاگنے[10] کا ذکر نہ کرے۔ اے اللہ اس[11] سے ان کے دشمن کو مفلوج کر دے اور ان (اہل سرحد) سے

---

[1] یعنی جب مخالف مکر و فریب سے انھیں مغلوب کرنا چاہیں اور وہ اس مکر کو نہ سمجھ سکیں تو تو اپنے لطف و کرم سے ایسی تدبیر کر کہ وہ مکر ان کے موافق پڑے اور دشمن خود اپنے ہی مکر میں پھنس جائیں۔ صہ اہل ثغور (سرحد)۔

[2] یعنی دشمن کی جن چالوں سے وہ ناواقف ہیں اور اس کی جن تدبیروں سے وہ بالکل بے خبر ہیں اس سے انھیں اپنی قدرت سے آگاہ کر دے۔

[3] یعنی جب وہ دشمن سے جنگ کریں تو ان کے پیش نظر اسلام اور مسلمین کا حقیقی مفاد ہے اور مال غنیمت کے لالچ میں پڑ کر فتح کو شکست نہ بنادیں۔

[4] یعنی میدان جنگ میں مقابلہ کریں۔

[5] جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ فِتْنَةٌ الخ یعنی مال اور اولاد حیاتِ دنیا میں فتنہ برپا کرنے والی چیزیں ہیں۔

[6] اَعْيُنِهِمْ کا ترجمہ۔ [7] یعنی دشمن سے مقابلہ کرنے کے وقت ان کی نگاہوں کے سامنے جنت کی نعمتوں کا تصور رہے۔

[8] ہمیشہ باقی رہنے والے۔ [9] دودھ اور شہد وغیرہ

[10] بِفِرَارٍ کا ترجمہ جو اسی سطر میں آیا ہے۔

[11] یعنی اس جنت کے تصور اور اس تصور کے باعث جنگ میں استقامت سے۔

وَ فَرِّقْ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ اَسْلِحَتِهِمْ وَ اخْلَعْ
وَ ثَائِقَ اَفْئِدَتِهِمْ وَ بَاعِدْ بَيْنَهُمْ وَ
بَيْنَ اَزْوِدَتِهِمْ وَحَيِّرْهُمْ فِيْ سُبُلِهِمْ وَ
ضَلِّلْهُمْ عَنْ وَجْهِهِمْ وَ اقْطَعْ عَنْهُمُ
الْمَدَدَ وَ انْقُصْ مِنْهُمُ الْعَدَدَ وَ امْلَاْ
اَفْئِدَتَهُمُ الرُّعْبَ وَ اقْبِضْ اَيْدِيَهُمْ وَ
اخْزِمْ اَلْسِنَتَهُمْ عَنِ النُّطْقِ وَ شَرِّدْ بِهِمْ
مَنْ خَلْفَهُمْ وَ نَكِّلْ بِهِمْ مَنْ وَرَآءَهُمْ
وَ اقْطَعْ بِخِزْيِهِمْ اَطْمَاعَ مَنْ بَعْدَهُمْ
اَللّٰهُمَّ عَقِّمْ اَرْحَامَ نِسَآئِهِمْ وَ يَبِّسْ
اَصْلَابَ رِجَالِهِمْ وَ اقْطَعْ نَسْلَ دَوَآبِّهِمْ
وَ اَنْعَامِهِمْ لَا تَاْذَنْ لِسَمَآئِهِمْ فِيْ
قَطْرٍ وَلَا لِاَرْضِهِمْ فِيْ نَبَاتٍ اَللّٰهُمَّ
وَ قَوِّ بِذٰلِكَ مَحَالَ اَهْلِ الْاِسْلَامِ
وَحَصِّنْ بِهٖ دِيَارَهُمْ وَ ثَمِّرْ
بِهٖ اَمْوَالَهُمْ وَ فَرِّغْهُمْ عَنْ
مُحَارَبَتِهِمْ لِعِبَادَتِكَ وَ عَنْ

ان کے ہاتھ[1] کٹوادے اور تفرقہ ڈال دے ان (دشمنوں) کے اور ان کے
ہتھیاروں کے درمیان اور ان کے دلوں کے شیرازے بکھیر دے اور
دوری پیدا کردے ان کے اور ان کی رسدوں کے درمیان۔ اور انھیں
ان کی راہوں سے متحیر[2] کردے اور ان کو گم کردہ راہ بنادے ان کی (اختیار
کی ہوئی) سمت[3] میں۔ اور ان کی کمک (کا سلسلہ) منقطع کردے اور ان
کی تعداد گھٹا[4] دے اور ان کے دل میں رعب بٹھا دے۔ اور ان کے ہاتھ
باندھ[5] دے۔ اور ان کی زبانیں بند کردے بولنے[6] سے۔ اور پراگندہ کر
دے ان کے سبب سے ان[7] لوگوں کو (بھی) جو ان کی پشت پر ہوں۔ اور
سخت تکلیف میں ڈال دے ان کی وجہ سے ان لوگوں کو جو ان کے
پیچھے ہوں اور ان کی رسوائی سے بعد میں (حملہ کے ارادہ سے) آنے والوں
کی طمع (بھی) قطع کردے۔ اے اللہ! بانجھ بنادے ان کی عورتوں کے رحم
کو۔ اور ان کے مردوں کی صلبوں کو خشک[8] کردے اور نسل منقطع کردے،
ان کے گھوڑوں کی، اور ان کے چوپایوں کی۔ ان کے آسمان کو ایک قطرہ
برسانے کی اجازت نہ دے۔ اور نہ ان کی زمین کو ایک پتہ اگانے کی۔
اے اللہ! اور اس[9] سے مسلمانوں کی قوت کو قوی بنادے۔ اور ان کے
شہروں کو محکم کردے۔ اور ان کی دولت بڑھادے اور فارغ کردے انھیں
ان (دشمنوں) کی جنگ سے اپنی عبادت کے لیے اور ان (کفار) کے

---

[1] اظفار جمع ظفر کی یعنی پنجہ۔ [2] مطلب یہ ہے کہ منتشر ہوکر بھٹکتے پھریں۔

[3] یعنی جس سمت کو جائیں راستہ بھول کر ٹھوکریں کھاتے پھریں۔

[4] یعنی بھاگ کر یا قتل ہوکر کم رہ جائیں۔

[5] یعنی اس طرح معطل کردے جیسے ہاتھ باندھ دیئے گئے۔

[6] یعنی اتنے بدحواس ہوں کہ جو کہنا چاہیں نہ کہہ سکیں۔

[7] یعنی ان کی بھگدڑ سے ان کے عقب میں پشت پناہ بن کر آنے والے بھی منتشر ہوجائیں یا ان کی شکست سے عبرت پکڑ کر ان کے بعد حملہ کرنے کا ارادہ کرنے والے لشکر کو بھی حملہ کی ہمت نہ ہو۔ [8] یعنی ان کی نسل منقطع ہوجائے جیسا کہ کلام پاک نے پیش گوئی کی ہے اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ یعنی اے رسولؐ تیرا دشمن ہی منقطع النسل رہے۔ [9] یعنی اس فتح مسلمین سے۔

مُنَابَذَتِهِمْ لِلْخَلْوَةِ بِكَ حَتّٰى لَا يُعْبَدَ
فِيْ بِقَاعِ الْاَرْضِ غَيْرُكَ وَ لَا تُعَفَّرَ
لِاَحَدٍ مِنْهُمْ جَبْهَةٌ دُوْنَكَ اَللّٰهُمَّ
اغْزُ بِكُلِّ نَاحِيَةٍ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ عَلٰى
مَنْ بِاِزَآئِهِمْ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ اَمْدِدْهُمْ
بِمَلٰٓئِكَةٍ مِنْ عِنْدِكَ مُرْدِفِيْنَ حَتّٰى
يَكْشِفُوْهُمْ اِلٰى مُنْقَطَعِ التُّرَابِ قَتْلًا فِيْ
اَرْضِكَ وَ اَسْرًا اَوْ يُقِرُّوْا بِاَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ
الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ
لَكَ اَللّٰهُمَّ وَ اعْمُمْ بِذٰلِكَ اَعْدَآءَكَ فِيْ
اَقْطَارِ الْبِلَادِ مِنَ الْهِنْدِ وَ الرُّوْمِ وَ
التُّرْكِ وَ الْخَزَرِ وَ الْحَبَشِ وَ النُّوْبَةِ وَ
الزَّنْجِ وَ السَّقَالِبَةِ وَ الدَّيَالِمَةِ وَ سَآئِرِ
اُمَمِ الشِّرْكِ الَّذِيْنَ تَخْفٰى اَسْمَآؤُهُمْ وَ
صِفَاتُهُمْ وَ قَدْ اَحْصَيْتَهُمْ بِمَعْرِفَتِكَ وَ
اَشْرَفْتَ عَلَيْهِمْ بِقُدْرَتِكَ اَللّٰهُمَّ اشْغَلِ
الْمُشْرِكِيْنَ بِالْمُشْرِكِيْنَ عَنْ تَنَاوُلِ اَطْرَافِ
الْمُسْلِمِيْنَ وَ خُذْهُمْ بِالنَّقْصِ عَنْ تَنَقُّصِهِمْ
وَ ثَبِّطْهُمْ بِالْفُرْقَةِ عَنِ الْاِحْتِشَادِ
عَلَيْهِمْ اَللّٰهُمَّ اَخْلِ قُلُوْبَهُمْ مِنَ الْاَمَنَةِ

جھگڑوں سے اپنی خلوت کے لیے۔[1] یہاں تک کہ روئے زمین پر تیرے
سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے اور تیرے علاوہ کسی کے لیے ان کی
پیشانی خاک میں آلودہ نہ ہو۔ اے اللہ فتح یاب[2] کر ہر گوشے میں مسلمانوں
کو اُن مشرکوں پر جو ان کے مقابل ہوں اور مدد کر ان کی اپنے پاس
سے ملائکہ بھیج کر جو پے درپے آتے رہیں یہاں تک کہ دھکیل دیں وہ
(ملائکہ) تیرے دشمنوں کو منتہائے زمین تک۔ قتل کر کے تیری زمین میں۔
اور قید کر کے۔ یا یہ کہ اقرار کریں وہ (مشرکین) اس بات کا کہ "تو ہی معبود
ہے، ایسا معبود کہ تنہا تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ (اور) تیرا کوئی شریک
نہیں ہے" اے اللہ! اور عام طور سے پھیلادے اس[3] (صورت اور
حالت) کو اپنے دشمنوں میں جو تمام شہروں میں ہیں، (یعنی) ہندوستان
میں، روم میں، ترکستان میں، خزر میں، حبش میں، نوبہ میں، زنجبار میں،
سقالیہ میں، دیلم میں۔ اور ان مشرکوں کی تمام جماعتوں[4] میں کہ پوشیدہ ہیں،
(ہم سے) جن کے نام اور جن کے اوصاف اور بلاشک تو ان پر اپنی
شناخت سے حاوی ہے اور آگاہ ہے ان سے اپنی قدرت کی بناء
پر۔ اے اللہ مشرکوں کو، مشرکوں سے لڑا کر، باز رکھ قبضہ کرنے سے
مسلمانوں کے حدود پر۔ اور انھیں ان کی تعداد[5] کم کر کے مسلمانوں کے
گھٹانے سے روک اور باز رکھ ان کو پراگندہ کر کے، مسلمانوں پر مجتمعاً
ٹوٹ پڑنے سے۔ اے اللہ! خالی کر دے ان (مشرکوں) کے دلوں
کو اطمینان سے اور ان کے جسموں کو قوت سے۔ اور ان کے دلوں
کو حیلہ و تدبیر کرنے سے غافل بنا دے۔ اور کمزور کر دے ان کے

---

[1] انھیں یہاں تک قوت دے کہ وہ تمام روئے زمین کو فتح کر لیں۔

[2] اغز کے اصلی معنی ہیں جنگ کر۔ یہاں بطور محاورہ لازم معنی (فتح یابی) مراد ہیں کیونکہ خدائے تعالیٰ جب کسی سے جنگ کرے گا تو اس کے لیے فتح یابی لازم ہے۔

[3] یعنی مشرکوں کی شکست یا اقرار وحدت کو۔

[4] یہ جملہ بھی مذکورہ بالا فعل 'عام طور سے پھیلادے' کے تحت میں ہے۔

[5] یعنی جب وہ آپس میں لڑیں گے تو چھوٹے چھوٹے لشکروں میں بٹ جائیں گے اس کے علاوہ باہمی جنگ میں قتل ہونے سے بھی ان کی تعداد گھٹتی رہے گی۔

وَأَهْدِ أَنَّهُمْ مِنَ الْقُوَّةِ وَأَذْهِلْ قُلُوْبَهُمْ عَنِ الْاِحْتِيَالِ وَأَوْهِنْ أَرْكَانَهُمْ عَنْ مُنَازَلَةِ الرِّجَالِ وَجَبِّنْهُمْ عَنْ مُقَارَعَةِ الْأَبْطَالِ وَابْعَثْ عَلَيْهِمْ جُنْدًا مِنْ مَلَائِكَتِكَ بِبَأْسٍ مِنْ بَأْسِكَ كَفِعْلِكَ يَوْمَ بَدْرٍ تَقْطَعُ بِهٖ دَابِرَهُمْ وَتَحْصُدُ بِهٖ شَوْكَتَهُمْ وَتُفَرِّقُ بِهٖ عَدَدَهُمْ اَللّٰهُمَّ وَامْزُجْ مِيَاهَهُمْ بِالْوَبَاءِ وَأَطْعِمَتَهُمْ بِالْأَدْوَاءِ وَارْمِ بِلَادَهُمْ بِالْخُسُوْفِ وَأَلِحَّ عَلَيْهَا بِالْقُذُوْفِ وَافْرَعْهَا بِالْمُحُوْلِ وَاجْعَلْ مِيَرَهُمْ فِيْ أَحَصِّ أَرْضِكَ وَأَبْعَدِهَا عَنْهُمْ وَامْنَعْ حُصُوْنَهَا مِنْهُمْ أَصِبْهُمْ بِالْجُوْعِ الْمُقِيْمِ وَالسُّقْمِ الْأَلِيْمِ اَللّٰهُمَّ وَأَيُّمَا غَازٍ غَزَاهُمْ مِنْ أَهْلِ مِلَّتِكَ أَوْ مُجَاهِدٍ جَاهَدَهُمْ مِنْ أَتْبَاعِ سُنَّتِكَ لِيَكُوْنَ دِيْنُكَ الْأَعْلٰى وَحِزْبُكَ الْأَقْوٰى وَحَظُّكَ الْأَوْفٰى فَلَقِّهِ الْيُسْرَ وَهَيِّئْ لَهُ الْأَمْرَ وَتَوَلَّهُ بِالنُّجْحِ وَتَخَيَّرْ لَهُ الْأَصْحَابَ وَاسْتَقْوِ لَهُ الظَّهْرَ وَأَسْبِغْ عَلَيْهِ فِي النَّفَقَةِ وَمَتِّعْهُ بِالنَّشَاطِ وَأَطْفِ عَنْهُ حَرَارَةَ الشَّوْقِ وَأَجِرْهُ مِنْ

اعضاء کو مردوں[1] کے ساتھ مقابلہ کرنے سے۔ اور خوف زدہ[2] (یا بزدل) کر دے ان کو دلیروں کے ساتھ مڈبھیڑ کرنے سے۔ اور ان پر اپنے ملائکہ کا ایک لشکر اپنے رعب و دبدبہ کے ساتھ بھیج جیسا کہ تو نے جنگ بدر میں کیا تھا۔ قطع کر دے تو اس سے ان کے بقیہ[3] کو اور ختم کر دے تو اس سے ان کی شان و شوکت کو اور منتشر کر دے اس سے ان کے شمار کو۔ اے اللہ مخلوط کر دے ان کے پانیوں کو بیماریوں سے اور ان کی غذاؤں کو امراض سے۔ اور ان کے شہروں کو غرق کر دے (یا دھنسا دے) اور لگاتار بھیج[4] ان (شہروں) پر آسمانی بلائیں اور انھیں (شہروں کو) خشک سالی کے سبب خالی کر دے اور قرار دے ان (مشرکین) کی خوراک اپنی خشک ترین زمین میں اور اس زمین میں جو ان[5] سے بہت دور ہو اور ان کے قلعوں کو ان سے روک دے اور پہنچا ان کو دوامی بھوک اور تکلیف دہ بیماری۔ اے اللہ اور جو کوئی غازی ان پر چڑھائی کرے تیرے ملت والوں میں سے، یا تیری سنت کی پیروی کرنے والوں میں سے کوئی مجاہد ان سے اس غرض سے جہاد کرے کہ تیرا دین بلند ہو اور تیرا گروہ قوی ہو اور تیرا حصہ پورا[6] ہو تو اسے آسانی دے اور اس کے لیے اس کام کا سامان مہیا کر اور حاجت پوری کرنے میں اس کی سرپرستی کر اور اس کے لیے ساتھی منتخب کر اور مضبوط کر اس کی پشت۔ اور اس کا نان و نفقہ پورا دے اور اسے خوشی سے بہرہ مند کر اور بجھا دے[7] اس کے شعلۂ اشتیاق کو

---

[1] مردوں سے مراد مسلمان ہیں۔ صدر اسلام میں رَجُل کا لفظ جس کے لغوی معنی مرد کے ہیں، مسلم غازی کے معنی میں اکثر استعمال کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ خود حضورؐ نے جنگ خیبر میں فرمایا تھا لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَةَ غَدًا رَجُلًا کَرَّارًا یعنی کل میں ایک مسلم کرار کو علم دوں گا۔

[2] ایک نسخہ میں جَنِّبْهُمْ (بجیم و نون و با) نظر سے گزرا جس کے معنی مترجم نے "روک اور باز رکھ" لکھے ہیں۔ لیکن دراصل یہ لفظ جَبِّنْهُمْ (بجیم و با و نون) ہے جس کے معنی ہیں انھیں خوف زدہ کر دے یا انھیں بزدل بنا دے۔ [3] یعنی نسل کو۔

[4] اَلِحَّ لگاتار برسا۔ اَلْقُذُوْف دور سے مراد آسمانی بلائیں جو اس مقام پر لازم معنی کی حیثیت رکھتی ہیں۔

[5] ان کے موطن اور مرکز سے۔ [6] یعنی اقرار وحدت عالمگیر اور ہمہ گیر ہو جائے۔ [7] یعنی اس کے دل میں مشرکین پر فتح یاب ہونے اور تیرے دین کو بلند کر کے تیرے نام لیواؤں کا شمار بڑھانے کا جو شوق ہے اسے پورا کر دے۔

غَمِّ الْوَحْشَةِ وَ آنِسْهُ ذِكْرَ الْاَهْلِ وَ الْوَلَدِ
وَ اَثُرْ لَهُ حُسْنَ النِّيَّةِ وَ تَوَلَّهُ بِالْعَافِيَةِ وَ
اَصْحِبْهُ السَّلَامَةَ وَ اَعْفِهِ مِنَ الْجُبْنِ وَ
اَلْهِمْهُ الْجُرْاَةَ وَ ارْزُقْهُ الشِّدَّةَ وَ اَيِّدْهُ
بِالنُّصْرَةِ وَ عَلِّمْهُ السِّيَرَ وَ السُّنَنَ وَ سَدِّدْهُ
فِي الْحُكْمِ وَ اَعْزِلْ عَنْهُ الرِّيَاءَ وَ خَلِّصْهُ
مِنَ السُّمْعَةِ وَ اجْعَلْ فِكْرَهُ وَ ذِكْرَهُ وَ ظَعْنَهُ
وَ اِقَامَتَهُ فِيكَ وَ لَكَ فَاِذَا صَافَّ عَدُوَّكَ
وَ عَدُوَّهُ فَقَلِّلْهُمْ فِي عَيْنِهِ وَ صَغِّرْ شَأْنَهُمْ
فِي قَلْبِهِ وَ اَدِلْ لَهُ مِنْهُمْ وَ لَا تُدِلْهُمْ
مِنْهُ فَاِنْ خَتَمْتَ لَهُ بِالسَّعَادَةِ وَ قَضَيْتَ
لَهُ بِالشَّهَادَةِ فَبَعْدَ اَنْ يَجْتَاحَ عَدُوَّكَ
بِالْقَتْلِ وَ بَعْدَ اَنْ يَجْهَدَ بِهِمُ الْاَسْرُ وَ
بَعْدَ اَنْ تَأْمَنَ اَطْرَافُ الْمُسْلِمِينَ وَ بَعْدَ
اَنْ يُوَلِّيَ عَدُوُّكَ مُدْبِرِينَ اَللّٰهُمَّ وَ اَيُّمَا
مُسْلِمٍ خَلَفَ غَازِيًا اَوْ مُرَابِطًا فِي دَارِهِ
اَوْ تَعَهَّدَ خَالِفِيهِ فِي غَيْبَتِهِ اَوْ اَعَانَهُ
بِطَائِفَةٍ مِنْ مَالِهِ اَوْ اَمَدَّهُ بِعِتَادٍ
اَوْ شَحَذَهُ عَلَى جِهَادٍ اَوْ اَتْبَعَهُ فِي وَجْهِهِ

اور اس کو وحشت[1] کے اندوہ سے بچا اور بھلا دے اس کو یاد بیوی بچوں
کی۔ اور اس (کو عطا کرنے) کے[2] لیے نیک نیتی پسند کر اور سلامتی (دینے)
میں اس کی سرپرستی فرما۔ اور صحت کو اس کے ساتھ کر دے۔ اور اسے
بزدلی سے دور رکھ اور اس کے دل میں دلیری ڈال دے اور اسے سختی[3]
عنایت کر۔ اور (اپنی) مدد سے اس کی تائید کر اور اسے (اپنے دین کے)
طریقے اور سنتیں تعلیم دے اور حکم (یا فیصلہ) کرنے میں اس کی رہنمائی کر
اور اس سے دکھاوے کو دور رکھ اور سنی سنائی بات سے اس کو بچا۔ اور
اس کی قوت فکر، اس کا حافظہ، اس کا سفر اور قیام اپنی راہ میں اور اپنی
خوشنودی کے لیے قرار دے۔ پس جبکہ وہ تیرے اور اپنے دشمن سے لڑے[4]
تو ان (دشمنوں) کو اس کی نگاہ میں تھوڑا کر دے اور کم کر دے ان کی
شوکت کو اس کے دل میں۔ اور اس کو ان پر غلبہ دے اور ان کو اس پر
غالب نہ کر پس اگر خاتمہ کرے تو اس کا نیک بختی پر اور اس کی شہادت کا
حکم جاری کرے تو (یہ) اس کے بعد ہو کہ وہ جڑ سے اکھاڑ دے۔ تیرے
دشمن کو قتل کر کے، اور اس کے بعد ہو کہ انتہا تک پہنچ جائے، ان
(دشمنوں) کی گرفتاری۔ اور اس کے بعد ہو کہ ہم بے خوف ہو جائیں
مسلمانوں کے شہر اور اس کے بعد ہو کہ تیرے دشمن پیٹھ پھرا کر
بھاگ جائیں۔ اے اللہ اور جو مسلمان کسی غازی کا یا دشمن کی سرحد[5] پر
پڑاؤ ڈالنے والے مسلم کا اس کے گھر میں قائم مقام ہو یا اس کے اہل و[6]
عیال کی کفالت کرے اس کی غیبت میں یا اپنے کچھ مال سے اس کی

---

[1] مراد مسافرت اور عالم غربت کی تنہائی۔

[2] یعنی اسے نیک نیتی عطا کر۔

[3] دشمن سے جنگ کرنے کے موقع پر مقابل کے ساتھ سخت گیری اور اپنے لیے پامردی اور برداشت۔

[4] تیرے دشمن اور اپنے دشمن سے ایک ہی دشمن مراد ہے جو خدا کا دشمن ہونے کے باعث جنگ میں اس شخص کا مدمقابل ہے۔

[5] مرابط کے معنی ہیں دشمن کی سرحد پر دائمی طور پر پڑاؤ ڈالنے والا۔

[6] خالفیہ کے لغوی معنی ہیں اس کے جانشین اور اخلاف۔

دَعْوَةً اَوْ دَعَا لَهُ مِنْ وَرَآئِهٖ حُرْمَةً
فَاَجْرِ لَهُ مِثْلَ اَجْرِهٖ وَزْنًا بِوَزْنٍ وَمِثْلًا
بِمِثْلٍ وَعَوِّضْهُ مِنْ فِعْلِهٖ عِوَضًا حَاضِرًا
يَتَعَجَّلُ بِهٖ نَفْعَ مَا قَدَّمَ وَسُرُوْرَ مَا
اَتٰى بِهٖ اِلٰى اَنْ يَنْتَهِىَ بِهِ الْوَقْتُ اِلٰى مَا
اَجْرَيْتَ لَهٗ مِنْ فَضْلِكَ وَاَعْدَدْتَ لَهُ مِنْ
كَرَامَتِكَ اَللّٰهُمَّ وَاَيُّمَا مُسْلِمٍ اَهَمَّهٗ
اَمْرُ الْاِسْلَامِ وَاَحْزَنَهٗ تَخَرُّبُ اَهْلِ
الشِّرْكِ عَلَيْهِمْ فَنَوٰى غَزْوًا اَوْ هَمَّ بِجِهَادٍ
فَقَعَدَ بِهٖ ضَعْفٌ اَوْ اَبْطَاَتْ بِهٖ فَاقَةٌ
اَوْ اَخَّرَهٗ عَنْهُ حَادِثٌ اَوْ عَرَضَ لَهٗ دُوْنَ
اِرَادَتِهٖ مَانِعٌ فَاكْتُبِ اسْمَهٗ فِى الْعَابِدِيْنَ
وَاَوْجِبْ لَهٗ ثَوَابَ الْمُجَاهِدِيْنَ وَاجْعَلْهُ
فِىْ نِظَامِ الشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ اَللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ وَاٰلِ
مُحَمَّدٍ صَلٰوةً عَالِيَةً عَلَى الصَّلَوٰتِ مُشْرِفَةً
فَوْقَ التَّحِيَّاتِ صَلٰوةً لَا يَنْتَهِىْ اَمَدُهَا وَ
لَا يَنْقَطِعُ عَدَدُهَا كَاَتَمِّ مَا مَضٰى مِنْ
صَلَوَاتِكَ عَلٰى اَحَدٍ مِنْ اَوْلِيَآئِكَ اِنَّكَ
الْمَنَّانُ الْحَمِيْدُ الْمُبْدِئُ الْمُعِيْدُ الْفَعَّالُ
لِمَا تُرِيْدُ ۵

مدد کرے یا زادِ راہ سے اس کی اعانت کرے یا اسے جہاد پر اُبھارے یا اس کے پیچھے اس کے بارے میں دعا کرے یا حفاظت کرے اس کے پیچھے اُس[1] کی حرمت کی تو اس کو بھی اس (غازی) کے ثواب کے برابر ثواب دے، ہر طرح برابر، اور ویسے کا ویسا۔ اور اس کو اس کے (اس) عمل کا فوری عوض دے۔ تاکہ جلد پائے وہ اس کام کا نفع جو اس نے کیا اور اس عمل کی خوشی جسے وہ بجا لایا۔ یہاں تک کہ وقت اس کو اس بزرگی[2] اور فضیلت تک پہنچا دے جو تو نے اس کے لیے جاری کی ہے اور جسے تو نے اس کے لیے مہیّا کیا ہے۔ اے اللہ اور جس کسی مسلمان کو اسلام اور اہلِ اسلام کا معاملہ فکرمند کرے اور مسلمانوں پر مشرکوں کا ہجوم غمگین بنائے پس وہ (مشرکوں پر) حملہ کرنے کی نیت کرلے یا جہاد کا عزم کر لے پھر اس سے کمزوری روک دے یا (اس ارادے کی تکمیل میں) تاخیر کرا دے مفلسی، یا کوئی حادثہ اس کام سے روک دے یا اس کے عزم کے سامنے کوئی مانع آ جائے۔ تو اس کا نام بھی تو عبادت[3] ادا کرنے والوں میں لکھ اور اُس کے لیے مجاہدوں کا ثواب واجب کر اور اسے شہیدوں اور نیک بندوں کی فہرست میں شامل فرما۔ اے معبود! رحمت نازل کر محمدؐ پر جو تیرے بندے اور رسولؐ ہیں اور ان کی اولاد پر، ایسی رحمت جو ہر رحمت سے اعلیٰ ہو اور تمام درودوں سے بالا ہو (ایسی رحمت) جس کی مدت ختم نہ ہو اور تمام نہ ہو جس کا شمار۔ تیری اس تمام ترین رحمت کے مثل جو ماضی میں تیرے دوستوں میں سے کسی پر (نازل) ہوئی ہو بے شک تو احسان کرنے والا لائقِ ستائش، پیدا کرنے والا، لوٹانے[4] والا اور جس بات کا ارادہ کرے اسے پوری طرح کرنے والا ہے۔

---

[1] "لہ" کا ترجمہ جو اوپر مذکور ہوا۔ [2] مِنْ فَضْلِكَ اور مِنْ كَرَامَتِكَ کا ترجمہ جو ان بعد سطروں میں آیا ہیں۔ [3] عبادت سے اس جگہ اگرچہ ہر ایک عبادت مراد لے سکتے ہیں مگر سیاق و سباق اس کا مقتضی ہے کہ عبادتِ جہاد مراد لی جائے اور تصریحات شریعت کی روشنی میں بھی یہی زیادہ قریب بصحت ہے کہ خود جہاد نہ کر سکے مگر مجاہدین کی کسی بھی نہج سے مدد کرے اسے بھی جہاد کا ثواب عطا ہوتا ہے نہ کہ صلوٰۃ و صوم و دیگر عبادات کا۔ [4] یعنی روزِ معاد تمام اجسام میں روح پھونک کر زندہ کرنے والا ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ مُتَفَزِّعًا اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى

حضرت زین العابدین خدائے غالب و برتر کے خوف
سے بے قرار ہو کر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَخْلَصْتُ بِانْقِطَاعِيْ اِلَيْكَ وَاَقْبَلْتُ بِكُلِّيْ عَلَيْكَ وَصَرَفْتُ وَجْهِيْ عَمَّنْ يَّحْتَاجُ اِلٰى رِفْدِكَ وَقَلَبْتُ مَسْئَلَتِيْ عَمَّنْ لَّمْ يَسْتَغْنِ عَنْ فَضْلِكَ وَرَاَيْتُ اَنَّ طَلَبَ الْمُحْتَاجِ اِلَى الْمُحْتَاجِ سَفَهٌ مِّنْ رَّاْيِهٖ وَضَلَّةٌ مِّنْ عَقْلِهٖ فَكَمْ قَدْ رَاَيْتُ يَا اِلٰهِيْ مِنْ اُنَاسٍ طَلَبُوا الْعِزَّ بِغَيْرِكَ فَذَلُّوْا وَرَامُوا الثَّرْوَةَ مِنْ سِوَاكَ فَافْتَقَرُوْا وَحَاوَلُوا الْاِرْتِفَاعَ فَاتَّضَعُوْا فَصَحَّ بِمُعَايَنَةِ اَمْثَالِهِمْ حَازِمٌ وَّفَّقَهُ اعْتِبَارُهٗ وَاَرْشَدَهٗ اِلٰى طَرِيْقِ صَوَابِهِ اخْتِيَارُهٗ فَاَنْتَ يَا مَوْلَايَ دُوْنَ كُلِّ مَسْئُوْلٍ مَّوْضِعُ مَسْئَلَتِيْ وَدُوْنَ كُلِّ مَطْلُوْبٍ اِلَيْهِ وَلِيُّ حَاجَتِيْ اَنْتَ الْمَخْصُوْصُ قَبْلَ كُلِّ مَدْعُوٍّ بِدَعْوَتِيْ لَا يُشْرِكُكَ اَحَدٌ فِيْ

اے اللہ! بے شک میں نے سب سے منقطع ہو کر صرف تجھ سے خلوص کیا اور سراپا متوجہ ہوا تیری جانب۔ اور اپنا منہ اس (مخلوق) سے پھیر لیا[1] جو تیری بخشش کا محتاج ہے اور واپس کر لیا اپنے سوال کو اس شخص سے جو تیرے فضل سے مستغنی[2] (اور بے نیاز) نہیں۔ اور میں نے یہ دیکھا کہ مانگنا کسی ضرورت مند کا (دوسرے) ضرورت مند سے اس کی احمقانہ رائے اور عقل کی گمراہی ہے پس کتنے ہی لوگوں کو[3] میں نے دیکھا اے میرے مالک کہ انھوں نے تیرے علاوہ اور کسی سے غلبہ طلب کیا تو پست ہوئے اور تیرے سوا کسی اور سے دولت مانگی تو فقیر ہو گئے اور بلند ہونے کا ارادہ کیا تو نیچے گر پڑے پس صحیح نتیجے پر پہنچا ان کی مثالوں کو دیکھ کر وہ عقیل جسے اس کے عبرت حاصل کرنے نے (سمجھنے کی) توفیق دی اور جسے اس کے سیدھے راستے پر اس کے انتخاب نے[4] راہ نمائی کی پس تو ہی اے میرے مالک، نہ کہ ہر وہ شخص جس سے سوال کیا جاتا ہے،[5] میرے سوال کی جگہ ہے اور ہر ایک اس شخص کے برخلاف جس سے طلب کیا جاتا ہے میری حاجت کا مرجع ہے تو ہی تمام ان لوگوں سے پہلے جنھیں پکارا جاتا ہے، میری دعا

---

[1] یعنی نہ کسی بندے سے کوئی حاجت طلب کی اور نہ غیر اللہ کو اپنی حاجتوں کا برلانے والا سمجھا جیسا کہ اصنام پرست خیال کرتے ہیں۔

[2] یعنی جسے خود تیرے فضل و کرم کی ضرورت ہے۔

[3] یہ مِنْ اُنَاسٍ کا ترجمہ ہے جو اگلی سطر میں ہے۔

[4] یعنی اس قوت نے جو دو یا زیادہ متضاد باتوں میں مفید ترین بات کو منتخب کرتی ہے۔

[5] جس سے دوسرے لوگ سوال کرتے ہیں اور مانگتے ہیں۔

رَجَآئِيْ وَلَا يَتَّفِقُ اَحَدٌ مَعَكَ فِيْ
دُعَآئِيْ وَلَا يَنْظِمُهُ وَاِيَّاكَ نِدَآئِيْ
لَكَ يَا اِلٰهِيْ وَحْدَانِيَّةُ الْعَدَدِ وَمَلَكَةُ
الْقُدْرَةِ الصَّمَدِ وَفَضِيْلَةُ الْحَوْلِ وَ
الْقُوَّةِ وَدَرَجَةُ الْعُلُوِّ وَالرِّفْعَةِ وَ
مَنْ سِوَاكَ مَرْحُوْمٌ فِيْ عُمْرِهٖ مَغْلُوْبٌ
عَلٰى اَمْرِهٖ مَقْهُوْرٌ عَلٰى شَاْنِهٖ مُخْتَلِفُ

سے مخصوص ہے میری امید[۱] میں تیرا کوئی شریک نہیں۔ اور میری دعا میں تیرے ساتھ کوئی ملا ہوا[۲] نہیں ہے اور نہ میرا پکارنا تجھے اور اسے[۳] (یعنی تیرے غیر کو) جمع کر سکتا ہے۔ اور اے میرے مالک تیرے ہی لیے شمار میں[۴] یکتائی ہے، اور بے نیاز قدرت کی اہلیت ہے۔ اور قوت و طاقت کی زیادتی ہے، اور تیرے ہی لیے منزل ہے بلندی اور رفعت کی۔ اور جو تیرے علاوہ ہیں وہ سب اپنی زندگی میں محتاج رحم ہیں اور (تجھ سے) دبے ہوئے ہیں اپنے کام میں، نیز اپنے حالات میں[۵]۔ (نیز)

---

[۱] یعنی میں نے کسی دوسرے سے تیرے علاوہ امید ہی نہیں کی اس لیے میری امید تنہا تیری ذات سے وابستہ ہے۔

[۲] یعنی میں نے تیرے علاوہ کسی اور سے دعا نہیں مانگی۔

[۳] یعنی اگر میں بفرض محال تیرے ساتھ کسی اور کو پکار بھی لوں (جو کہ ناجائز ہے) تو میرے اس عمل سے تیرا غیر تیری منزل اور مقام کو نہیں پا سکتا۔

[۴] وحدانیۃ العدد، یعنی شمار میں یکتا ہونا ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں علمائے اسلام اور دیگر مذاہب کے علماء نے نہایت بسیط بحثیں قلم بند کی ہیں اور آخر کار وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی ذات وحدت عددی سے بالاتر ہے لیکن باب العلم حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے ایک سائل کے سوال کا جواب دیتے ہوئے یہ مسئلہ بالکل واضح اور صاف کر دیا ہے جس کے بعد علماء کو کسی بحث کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس مسئلے کی وضاحت کا واقعہ مورخین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک عرب نے جنگ جمل کے دوران حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ اے علی کیا آپ یہ کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ واحد ہے؟ اس وقت حضرت علی فوج کو ہدایات دینے میں مصروف تھے۔ لوگوں نے ایسے نازک اور اہم موقع پر اس عرب کی مداخلت کو اس بات پر محمول کیا کہ یہ آپ کی توجہ جنگ سے ہٹا کر دوسری طرف مبذول کرانا چاہتا ہے اور دشمن ہے، یہ خیال کر کے حضرت علی کے انصار اس شخص کو لپٹ گئے اور جھڑک کر کہنے لگے کہ اے بے وقوف عرب! کیا تجھے یہ نہیں سوجھتا کہ اس وقت آپ کتنے اہم کام میں مصروف ہیں؟ حضرت علی نے اپنے انصار سے فرمایا کہ اس شخص کو چھوڑ دو کیونکہ اس نے جو بات ہم سے دریافت کی ہے۔ در اصل یہی تو ہماری تمام تر جدوجہد کی اصلی وجہ ہے کیونکہ ہم تمام انسانوں سے دو ہی باتوں کے طالب ہیں ایک یہ کہ وہ خدا کی وحدت کے قائل ہوں، دوسرے جو کچھ نہیں جانتے وہ ہم سے پوچھیں۔ پھر آپ نے اس عرب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہاں، ہم کہتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ واحد ہے مگر یہ یاد رکھو کہ "واحد" کے چار معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی شخص اس سے یہ مطلب نکالے کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ بہت سے "خداؤں" کا ایک ہے اس معنی میں خدائے تعالیٰ واحد نہیں کیونکہ اس کا کوئی ثانی ہی نہیں ہے پھر اسے "بہت سے" اعداد میں کیونکر شامل کیا جا سکتا ہے دوسرے یہ کہ "واحد" سے یہ مطلب سمجھا جائے کہ وہ کسی جنس کی نوع ہے جس سے ملتی جلتی دوسری نوعیں بھی اس جنس کے تحت داخل ہیں۔ اس معنی میں بھی ہم خدا کو واحد نہیں سمجھتے۔ تیسرے یہ کہ واحد سے یہ معنی مراد لیے جائیں کہ وہ ایسا یکتا ہے جس کی کوئی مثال نہیں اور شبیہ و نظیر سے بالکل مبرا ہے۔ ان معنی میں خدا کو واحد کہنا ہمارے نزدیک درست ہے۔ چوتھے یہ کہ واحد سے یہ مراد لیں کہ اس کی کنہ حقیقت احدی اور ناقابل تقسیم ہے جس کی نہ تقسیم وجودی ہو سکتی ہے۔ نہ تقسیم عقلی اور نہ تقسیم وہمی۔ ہمارا خدا اس معنی میں بھی واحد ہے کیونکہ اس کی کسی بھی اعتبار سے تقسیم نہیں ہو سکتی ــــ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس توضیح و تشریح کے بعد یہ بات ثابت ہو گئی کہ خدائے تعالیٰ کی "واحدنیۃ العدد" پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا مگر اس سے مراد یہی ہو گی کہ وہ ایسا واحد ہے جس کی کوئی مثال اور شبہ و نظیر نہیں اور کسی بھی حیثیت سے اس کی تقسیم نہیں کی جا سکتی۔

[۵] یعنی ان پر جو حالات طاری ہوتے ہیں تیرے ہی حکم اور مرضی سے پیدا ہوتے ہیں۔

اَلْحَالَاتِ مُتَنَقِّلٌ فِی الصِّفَاتِ فَتَعَالَيْتَ عَنِ الْاَشْبَاهِ وَ الْاَضْدَادِ وَ تَكَبَّرْتَ عَنِ الْاَمْثَالِ وَالْاَنْدَادِ فَسُبْحَانَكَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ۔

ان کی حالتیں اولتی بدلتی رہتی ہیں اور تغیر پذیر ہیں وہ اپنی صفتوں کے اعتبار سے لیکن تو بالاتر ہے مشابہ اور مدمقابل سے اور بہت بزرگ ہے مثل اور مانند سے پس تو پاک ہے تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا قُتِرَ عَلَيْهِ الرِّزْقُ

حضرت زین العابدین رزق کی کمی ہو جانے کے موقع پر یہ دعا پڑھا کرتے تھے ۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ ابْتَلَيْتَنَا فِیْ اَرْزَاقِنَا بِسُوْءِ الظَّنِّ وَ فِیْ اٰجَالِنَا بِطُوْلِ الْاَمَلِ حَتّٰی الْتَمَسْنَا اَرْزَاقَكَ مِنْ عِنْدِ الْمَرْزُوْقِيْنَ

اے اللہ بے شک تو نے امتحان کیا ہمارا اپنی روزی کے مسئلے میں (ہمارے) خیال باطل کے ذریعہ اور ہماری مدت حیات کے بارے میں امیدوں کے طول کے ذریعہ۔ یہاں تک کہ ہم نے طلب کیا تیری

ایک مترجم نے اس جملے کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے کہ "اے معبود! ضرور تو نے ہم کو ہماری روزی کی بابت بدگمانی میں مبتلا کیا" مترجم مذکور کے یہ الفاظ تسلیم پر مبنی اور سوء ادب پر مشتمل ہیں۔ صحیح مطلب وہی ہے جو زیر نظر متن ترجمہ اور اس کے حاشیہ میں بیان کیا گیا ہے ۔

سُوءُ الظن میں سُوء کے معنی برائی اور فساد — اور ظن کے معنی یقین کے ہیں۔ دونوں لفظوں سے یہاں خیال باطل مراد ہے۔ جملے کا مطلب یہ ہے کہ حصول رزق کے مسئلے میں خدائے تعالیٰ نے ہمارے سامنے دو وسیلے پیش کر کے ہمیں اختیار دیا کہ جس وسیلے کو چاہیں اختیار کریں۔ ایک یہ وسیلہ کہ خود خدائے تعالیٰ پر بھروسا کریں کہ وہ رزق دے گا اور اسی سے طلب کرنا چاہیئے اور دوسرا یہ کہ اس کے مالدار بندوں سے طلب کریں۔ پہلا وسیلہ صحیح اور درست تھا اور دوسرا خیال باطل کی حیثیت رکھتا تھا ہم اس امتحان کے موقع پر خیال باطل میں پڑ گئے اور مالدار بندوں سے روزی طلب کر بیٹھے ۔

اپنی مدت عمر کے معاملہ میں دو خیال ہمارے سامنے آئے ایک یہ کہ اپنی عمر کے متعلق تصور کریں کہ وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ نہ جانے کس وقت ختم ہو جائے اور یہ سوچ کر جو کچھ زاد راہ عقبیٰ جمع کرنا ہے جلد جمع کر لیں اور دنیا میں اپنی امیدوں کو طول نہ دیں۔ دوسرے یہ کہ ہم یہ سوچیں کہ انسان کی عمر طبعی اتنی اور اتنی ہوتی ہے اس لیے زاد راہ عقبیٰ جمع کرنے کی کیا جلدی ہے۔ ابھی اس کے لیے بہت مدت پڑی ہے۔ کیوں نہ اس مدت مہلت سے لطف اندوز ہوں اور فلاں اور فلاں لذتوں سے محظوظ ہو لیں۔ ہم اسی خواب خرگوش میں پڑے رہے اور خلاف امید موت کی منزل سے بہت جلد جا لگے ۔

"تیری روزیوں" سے مراد یہ ہے کہ وہ روزیاں جو ہر نہج اور ہر اعتبار سے تیرے (خدا کے) ہاتھ میں ہیں اور کسی دوسرے کے ہاتھ میں ذرہ بھر نہیں۔ مثلاً کسان اگر یہ سمجھے کہ وہ کھیتی کر کے رزق پیدا کرتا ہے تو غلط ہے کیونکہ اگر خدائے تعالیٰ کھیت میں بکھیرے ہوئے دانوں کو نہ اگائے تو ایک دانہ بھی کسان نہیں پیدا کر سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی دولتمند یہ سمجھے کہ وہ اپنے ملازم کو تنخواہ دیتا ہے جس سے اس کی گزر اوقات ہوتی ہے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ اگر خدائے تعالیٰ اس دولتمند کو چشم زدن میں مفلس بنا دے تو پھر وہ کسی کو کیا دے سکے گا ؟

وَ طَمَعْنَا بِآمَالِنَا فِي أَعْمَارِ الْمُعَمَّرِينَ
فَصَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ هَبْ لَنَا يَقِينًا
صَادِقًا تَكْفِينَا بِهِ مِنْ مَؤُونَةِ الطَّلَبِ
وَ أَلْهِمْنَا ثِقَةً خَالِصَةً تُعْفِينَا بِهَا مِنْ
شِدَّةِ النَّصَبِ وَ اجْعَلْ مَا صَرَّحْتَ بِهِ
مِنْ عِدَاتِكَ فِي وَحْيِكَ وَ أَتْبَعْتَهُ مِنْ
قَسَمِكَ فِي كِتَابِكَ قَاطِعًا لِاهْتِمَامِنَا
بِالرِّزْقِ الَّذِي تَكَفَّلْتَ بِهِ وَ حَسْمًا
لِلِاشْتِغَالِ بِمَا ضَمِنْتَ الْكِفَايَةَ لَهُ
فَقُلْتَ وَ قَوْلُكَ الْحَقُّ الْأَصْدَقُ وَ
أَقْسَمْتَ وَ قَسَمُكَ الْأَبَرُّ الْأَوْفَى وَ فِي
السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَ مَا تُوعَدُونَ ثُمَّ
قُلْتَ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَ الْأَرْضِ إِنَّهُ
لَحَقٌّ مِثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنْطِقُونَ
ط
۵

روزیوں کو ان لوگوں کے پاس سے جو (خود) تیرے روزی دیے ہوئے ہیں اور اپنی امیدوں سے بڑی عمر پانے کی طمع کی۔ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور ہمیں (ایسا) سچا یقین دے جس کے ذریعہ بچائے تو ہم کو زحمت سے مانگنے کی۔ اور ہمارے دل میں (ایسا) خالص اعتماد ڈال دے جس سے تو ہم کو محنت کی سختی سے محفوظ رکھے اور اپنے وعدے کو[1] جس کی تو نے اپنی وحی میں صراحت کی ہے اور اس کے بعد پھر دی (وعدہ) کیا ہے اپنی کتاب میں قسم کھا کر، روزی سے متعلق ہماری لمبی چوڑی[2] فکر کا قطع کرنے والا بنا دے (ایسی روزی) جس کا تو ضامن ہو چکا ہے۔ اور (اس وعدے کو) اس کام میں ہماری محویت[3] ختم کرنے والا بنا دے) جس کی تو نے ذمہ داری[4] لی ہے کیونکہ تو نے فرمایا ہے اور تیرا فرمانا حق اور بالکل سچ ہے اور تو نے قسم کھائی ہے اور تیری قسم مستحکم اور بہت پوری ہونے والی ہے (اور وہ یہ ہے) "اور تمہاری روزی جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے آسمانوں میں ہے[5]" پھر تو نے کہا ہے "پس قسم ہے زمین اور آسمان کے پالنے والے کی کہ بے شک وہ (وعدہ) حق ہے، جیسے یہ بات (درست) ہے، کہ تم بولتے ہو۔"

---

[1] اس مقام پر اِجعل کا ترجمہ نہیں کیا گیا بلکہ چوتھی سطر میں "قاطعًا" کے ساتھ اور اس سے اگلی سطر میں "حسمًا" کے ساتھ کیا گیا ہے۔

[2] اصل متن دعا میں اهتمام کا لفظ آیا ہے جس کے معنی بہت پھیلاؤ کے ساتھ کسی بات کا انتظام کرنے کے ہیں اور اردو روزمرہ میں اس مقام پر "لمبی چوڑی فکر" کے الفاظ سے یہ مفہوم ادا ہو جاتا ہے۔

[3] اصل متن میں "اشتغال" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہر ایک سے روگرداں ہو کر کسی چیز میں بالکل مصروف و مشغول ہو جانے کے ہیں۔ اس مفہوم کو "محویت" کا لفظ اچھی طرح ادا کر دیتا ہے۔ [4] اس دعا کے ظاہرا الفاظ سے یہ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ شاید ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہنے کی حالت میں رزق ملتے رہنے کی خواہش کی گئی ہے لیکن در اصل قائل کا یہ مقصود نہیں ہے بلکہ اصل مدعا یہ ہے کہ روزی طلب کرنے کے لیے جو لمبا چوڑا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں انسان محو ہو کر رہ جاتا ہے، ایسی مشغولیت اور محویت سے ہم کو بچا تاکہ عبادت کے لیے وقت مل سکے اور معمولی اسباب مہیا کرنے سے بقدر ضرورت روزی عنایت کر دے تاکہ کسب معاش تیرے احکام کی تعمیل سے مانع نہ ہو۔ [5] سورۂ ذاریات میں خدائے تعالیٰ فرماتا ہے وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ

[5] مذکورہ آیت کے بعد فرماتا ہے فورب السماء والارض انہ لحق مثل ما انکم تنطقون۔

[6] یعنی آسمانی احکام سے ملتی ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْمَعُونَةِ عَلٰى قَضَاءِ الدَّيْنِ

حضرت زین العابدین قرض کے ادا کرنے میں مدد طلب
کرنے کے لیے یہ دُعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَهَبْ لِيَ الْعَافِيَةَ مِنْ دَيْنٍ تُخْلِقُ بِهٖ وَجْهِيْ وَ يَحَارُ فِيْهِ ذِهْنِيْ وَ يَتَشَعَّبُ لَهٗ فِكْرِيْ وَ يَطُوْلُ بِمُمَارَسَتِهٖ شُغْلِيْ وَ اَعُوْذُبِكَ يَا رَبِّ مِنْ هَمِّ الدَّيْنِ وَفِكْرِهٖ وَ شُغْلِ الدَّيْنِ وَ سَهَرِهٖ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَعِذْنِيْ مِنْهُ وَ اَسْتَجِيْرُبِكَ يَا رَبِّ مِنْ ذِلَّتِهٖ فِي الْحَيٰوةِ وَمِنْ تَبِعَتِهٖ بَعْدَ الْوَفَاةِ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ اَجِرْنِيْ مِنْهُ بِوُسْعٍ فَاضِلٍ اَوْ كَفَافٍ وَاصِلٍ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ احْجُبْنِيْ عَنِ السَّرَفِ وَ الْاِزْدِيَادِ وَقَوِّمْنِيْ بِالْبَذْلِ وَ الْاِقْتِصَادِ وَ عَلِّمْنِيْ حُسْنَ التَّقْدِيْرِ وَ اقْبِضْنِيْ بِلُطْفِكَ عَنِ التَّبْذِيْرِ وَ اَجْرِ مِنْ اَسْبَابِ الْحَلَالِ اَرْزَاقِيْ وَ وَجِّهْ فِيْ اَبْوَابِ الْبِرِّ اِنْفَاقِيْ وَ ازْوِعَنِّيْ مِنَ الْمَالِ مَا يُحْدِثُ لِيْ مَخِيْلَةً اَوْ تَاَدِّيًا اِلٰى بَغْيٍ اَوْمَا اَتَعَقَّبُ مِنْهُ طُغْيَانًا اَللّٰهُمَّ

اے اللہ رحمت نازل کر محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھے قرض سے سلامتی عطا کر (ایسا قرض) جس سے میری آبرو ریزی ہوتی ہے اور جس میں میرا دماغ حیران ہے اور جس کے باعث میرا خیال منتشر (اور پریشان) ہے اور جس کی عادت[1] میں میرا کام بڑھ گیا ہے اور پناہ مانگتا ہوں تجھ سے اے میرے معبود قرض کے اندوہ سے اور اس کی فکر سے اور قرض کے شغل سے اور اس کی بے خوابی[2] سے پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور پناہ دے مجھ کو اس (قرض) سے اور پناہ کا طالب ہوں تجھ سے اے میرے پالنے والے اس کی ذلت سے زندگی میں، اور اس کے (بُرے) انجام سے مرنے کے بعد۔ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور پناہ دے مجھ کو اس سے زیادہ توانگری یا کافی ملنے والی روزی کے ذریعہ۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور باز رکھ مجھ کو فضول خرچی اور زیادتی (مصارف) سے۔ اور راہ راست پر لا مجھ کو خرچ[3] کرنے اور میانہ روی اختیار کرنے کے ذریعہ۔ اور مجھ کو اچھا موازنہ مقرر کرنے کی تعلیم دے اور اپنی عنایت سے مجھے فضول خرچی کرنے سے روک اور جاری کر حلال ذریعوں سے میری روزی اور نیک باتوں میں میرے خرچ کرنے کو پھیر دے اور روک لے مجھ سے وہ مال جو میرے لیے غرور کا باعث ہو یا سرکشی تک پہنچائے یا جس کے بعد میں حد سے

---

[1] مُمَارَسَت کے لغوی معنی تجربہ، عمل اور مشق کے ہیں جس سے مجازاً عادت اور برقرار رہنا مراد لے سکتے ہیں۔

[2] یعنی اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ قرض ادا کرنے کی فکر میں اکثر نیند اُڑ جاتی ہے۔

[3] یعنی کنجوس بھی نہ بن جاؤں کہ خرچ ہی نہ کروں۔

حَبِّبْ اِلَيَّ صُحْبَةَ الْفُقَرَآءِ وَ اَعِنِّيْ عَلٰى صُحْبَتِهِمْ بِحُسْنِ الصَّبْرِ وَ مَا زَوَيْتَ عَنِّيْ مِنْ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْفَانِيَةِ فَاذْخَرْهُ لِيْ فِيْ خَزَآئِنِكَ الْبَاقِيَةِ وَ اجْعَلْ مَا خَوَّلْتَنِيْ مِنْ حُطَامِهَا وَ عَجَّلْتَ لِيْ مِنْ مَتَاعِهَا بُلْغَةً اِلٰى جِوَارِكَ وَ وُصْلَةً اِلٰى قُرْبِكَ وَ ذَرِيْعَةً اِلٰى جَنَّتِكَ اِنَّكَ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ وَ اَنْتَ الْجَوَادُ الْكَرِيْمُ

بڑھاؤں۔ اے اللہ! میری نظر میں فقیروں کی صحبت کو محبوب بنادے اور پسندیدہ صبر کے ساتھ ان کی صحبت اختیار کرنے میں میری اعانت کر اور جو کچھ تو نے مجھ سے روک لیا ہے، دنیائے فانی کے مال و اسباب[1] میں سے اسے اپنے باقی رہنے والے خزانوں میں جمع رکھ[2] اور جو کچھ تو نے مجھے اس کے مال سے عطا کیا ہے اور اس کے متاع میں سے جو کچھ مجھے دے دیا ہے، اُسے بنادے اپنے قرب تک پہنچنے کا زادِ راہ اور اپنی نزدیکی کا وسیلہ۔ اور ذریعہ اپنی جنّت کا۔ بے شک تو بڑا فضل کرنے والا ہے اور تو سخی اور کریم ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ ذِكْرِ التَّوْبَةِ وَطَلَبِهَا

حضرت زین العابدین توبہ کی یاد میں اور اس کے طلب کرنے کے موقع پر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ يَا مَنْ لَا يَصِفُهُ نَعْتُ الْوَاصِفِيْنَ وَ يَا مَنْ لَا يُجَاوِزُهُ رَجَآءُ الرَّاجِيْنَ وَ يَا مَنْ لَا يَضِيْعُ لَدَيْهِ اَجْرُ الْمُحْسِنِيْنَ وَ يَا مَنْ هُوَ مُنْتَهٰى خَوْفِ الْعَابِدِيْنَ وَ يَا مَنْ هُوَ غَايَةُ خَشْيَةِ الْمُتَّقِيْنَ هٰذَا مَقَامُ مَنْ تَدَاوَلَتْهُ اَيْدِي الذُّنُوْبِ وَ قَادَتْهُ اَزِمَّةُ الْخَطَايَا وَ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِ الشَّيْطَانُ فَقَصَّرَ عَمَّا اَمَرْتَ بِهٖ تَفْرِيْطًا وَ تَعَاطٰى مَا نَهَيْتَ عَنْهُ تَغْرِيْرًا كَالْجَاهِلِ

اے اللہ! اے وہ ذات، جس کے اوصاف تعریف کرنے والوں کی تعریف نہیں بتا سکتی۔ اور اے وہ کہ نہیں آگے بڑھ سکتی جس سے، امید کرنے والوں کی آرزو۔ اور اے وہ کہ جس کی بارگاہ میں نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔ اور اے وہ کہ جو عبادت کرنے والوں کے خوف کی حد ہے۔ اور اے وہ کہ جو پرہیزگاروں کے ڈر کا منتہا ہے، یہ[3] اس شخص کا مقام ہے جس کو گناہوں کے ہاتھوں نے یکے بعد دیگرے پکڑ رکھا ہے اور کھینچا ہے اس کو باگوں نے غلطیوں کی۔ اور غلبہ کر لیا ہے اس پر شیطان نے۔ پس ان چیزوں سے جن کا تو نے حکم دیا تھا کوتاہی کی بہت زیادہ ۔۔ اور ان باتوں کو دھوکا کھا کر بجا لایا جن سے تو

---

[1] یعنی دنیا کی جو نعمتیں اور دولتیں نہیں عطا فرمائی ہیں۔

[2] آخرت کے لیے اٹھا رکھ اور اس کا عوض وہاں دینے کے لیے محفوظ رکھ۔

[3] یعنی میں اس منزل اور مقام میں ہوں جہاں تیرے اطاعت گزار بندے کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک ایسے گناہگار اور نافرمان کی حیثیت سے کھڑا ہوں جس میں وہ عیوب پائے جاتے ہیں جو اس کے بعد مذکور ہیں۔

بِقُدْرَتِكَ عَلَيْهِ اَوْ كَالْمُنْكِرِ فَضْلَ اِحْسَانِكَ
اِلَيْهِ حَتّٰى اِذَا انْفَتَحَ لَهٗ بَصَرُ
الْهُدٰى وَ تَقَشَّعَتْ عَنْهُ سَحَائِبُ
الْعَمٰى اَحْصٰى مَا ظَلَمَ بِهٖ نَفْسَهٗ
وَ فَكَّرَ فِيْمَا خَالَفَ بِهٖ رَبَّهٗ فَرَاٰى
كَبِيْرَ عِصْيَانِهٖ كَبِيْرًا وَ جَلِيْلَ
مُخَالَفَتِهٖ جَلِيْلًا فَاَقْبَلَ نَحْوَكَ مُؤَمِّلًا
لَكَ مُسْتَحْيِيًا مِنْكَ وَ وَجَّهَ رَغْبَتَهٗ
اِلَيْكَ ثِقَةً بِكَ فَاَمَّكَ بِطَمَعِهٖ
يَقِيْنًا وَ قَصَدَكَ بِخَوْفِهٖ اِخْلَاصًا
قَدْ خَلَا طَمَعُهٗ مِنْ كُلِّ مَطْمُوْعٍ
فِيْهِ غَيْرِكَ وَ اَفْرَخَ رَوْعُهٗ مِنْ
كُلِّ مَحْذُوْرٍ مِنْهُ سِوَاكَ فَمَثَلَ بَيْنَ
يَدَيْكَ مُتَضَرِّعًا وَ غَمَّضَ بَصَرَهٗ
اِلَى الْاَرْضِ مُتَخَشِّعًا وَطَاْطَاَ رَاْسَهٗ
لِعِزَّتِكَ مُتَذَلِّلًا وَ اَبَثَّكَ مِنْ سِرِّهٖ
مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنْهُ خُضُوْعًا وَ عَدَّدَ
مِنْ ذُنُوْبِهٖ مَا اَنْتَ اَحْصٰى لَهَا خُشُوْعًا

نے منع کر دیا تھا، اس شخص کی طرح جو اپنے[1] اوپر تیرے قابو یافتہ ہونے سے ناواقف ہو یا اس شخص کی مانند جو اپنے اوپر تیرے احسان کی زیادتی کا منکر ہو۔ یہاں تک کہ جب کھل گئی اس کی چشم ہدایت[2] اور اندھے پن کے بادل اس کے سامنے سے پھٹ گئے تو اس نے اُن ظلموں کو گنا جو اس نے کیے تھے اپنے نفس پر۔ اور ان باتوں کو سوچا، جن میں اس نے اپنے پالنے والے کی مخالفت کی تھی تو (اس وقت) اس نے سمجھا ہے اپنے گناہ کبیرہ کو بڑا بھاری گناہ۔ اور اپنی بڑی مخالفت کو عظیم۔[3] جس کے بعد[4] متوجہ ہوا ہے تیری جانب امید کر کے تجھ سے۔ اس حالت میں کہ وہ تجھ سے شرمسار ہے اور اپنی رغبت کو تیری طرف متوجہ کیا ہے تجھ پر بھروسا کر کے پس تیرا قصد کیا ہے اس نے اپنے لالچ[5] پر یقین کر کے اور بڑے خلوص سے ڈر ڈر کر تیرا ارادہ کیا ہے اس حال میں کہ خالی ہے اس کا لالچ ہر اس شخص[6] سے جس سے طمع کی جاتی ہے اور دور ہو گیا ہے اس کا خوف ہر اس شخص سے جس سے ڈرا جاتا ہے تیرے علاوہ۔ پس کھڑا ہوا ہے تیرے سامنے گریاں۔ اور جھکالی ہے اپنی آنکھ زمین کی جانب خاکساری کے ساتھ اور نہوڑا لیا ہے تیری عزت کے سامنے ذلت سے اپنا سر۔ اور تجھ پر ظاہر کر دیا ہے اپنا بھید بڑی عاجزی کے ساتھ (وہ بھید) جسے تو اس سے زیادہ جانتا ہے اور گنا دیے ہیں اپنے گناہ بڑے انکسار کے ساتھ (ایسے گناہ) جن کا تو (اس سے) زیادہ

---

[1] علیہ کا ترجمہ ہے جو دسویں سطر میں مسطور ہے۔

[2] چشم ہدایت میں اضافتِ استعارہ ہے جیسے دل کی آنکھ، عقل کی آنکھ۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس شخص کو راہ راست نظر آئی اور اس نے ہدایت پائی۔

[3] خدا کی مخالفت کرنے کو جو کہ بجائے خود بڑی عظیم بات ہے عظیم سمجھا اور محسوس کیا کہ اس نے بڑا بھاری قصور کیا ہے۔

[4] فاقبل کی ف کا ترجمہ ہے۔

[5] یعنی توبہ کے بعد تیرے رضامند ہو جانے کا لالچ۔

[6] یعنی تیرے علاوہ کسی اور کی ذات سے اس لالچ کو وابستہ نہیں کیا۔

وَ اسْتَغَاثَ بِكَ مِنْ عَظِيْمِ مَا وَقَعَ بِهٖ فِيْ عِلْمِكَ وَ قَبِيْحِ مَا فَضَحَهٗ فِيْ حُكْمِكَ مِنْ ذُنُوْبٍ اَدْبَرَتْ لَذَّاتُهَا فَذَهَبَتْ وَ اَقَامَتْ تَبِعَاتُهَا فَلَزِمَتْ لَا يُنْكِرُ يَا اِلٰهِيْ عَدْلَكَ اِنْ عَاقَبْتَهٗ وَ لَا يَسْتَعْظِمُ عَفْوَكَ اِنْ عَفَوْتَ عَنْهُ وَ رَحِمْتَهٗ لِاَنَّكَ الرَّبُّ الْكَرِيْمُ الَّذِيْ لَا يَتَعَاظَمُهٗ غُفْرَانُ الذَّنْبِ الْعَظِيْمِ اَللّٰهُمَّ فَهَا اَنَا ذَا قَدْ جِئْتُكَ مُطِيْعًا لِاَمْرِكَ فِيْمَا اَمَرْتَ بِهٖ مِنَ الدُّعَاءِ مُتَنَجِّزًا وَعْدَكَ فِيْمَا وَعَدْتَ بِهٖ مِنَ الْاِجَابَةِ اِذْ تَقُوْلُ اُدْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ وَ الْقَنِيْ بِمَغْفِرَتِكَ كَمَا لَقِيْتُكَ بِاِقْرَارِيْ وَ ارْفَعْنِيْ عَنْ مَصَارِعِ الذُّنُوْبِ كَمَا وَضَعْتُ لَكَ نَفْسِيْ وَ اسْتُرْنِيْ بِسِتْرِكَ كَمَا

شمار کرنے والا ہے اور فریاد کر رہا ہے تجھ سے اس عظیم مصیبت[1] کی جس میں وہ، جیسا کہ تجھے معلوم ہے، مبتلا ہوگیا ہے اور ان قبیح گناہوں کی جنھوں نے اسے رسوا کر دیا ہے تیرے حکم کے تحت (ایسے گناہ کہ) کہ منہ موڑ لیا، جن[2] کی لذتوں نے پس چلی گئیں اور ان کے برے انجام چمٹ کر باقی رہ گئے نہیں انکار کرتا وہ (شخص) اے میرے معبود تیرے انصاف[3] کا اگر تو اس پر عقاب کرے اور تیری معافی کو کوئی بڑی بات نہیں سمجھتا اگر تو اسے معاف کر دے اور اس پر رحم کرے اس لیے کہ تو بے شک ایسا کرم کرنے والا پروردگار ہے جس کے لیے کوئی بڑا کام نہیں بخشش دینا کسی بڑے گناہ کو۔ اے میرے اللہ! اب میں تیرے پاس آگیا ہوں۔ تیرے حکم کو مانتا ہوا، اس دعا[4] کے متعلق جس کا تو نے حکم دیا ہے (اور) اس وعدے کی وعدہ وفائی چاہتا ہوا جس کا تو نے وعدہ کیا ہے دعا قبول کرنے کے متعلق۔ کیونکہ تو فرماتا ہے "مجھ سے دعا کرو تو میں تمہارے حق میں قبول کروں گا۔" اے اللہ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھ سے اپنی بخشش کے ساتھ ملاقات[5] کر جیسا کہ ملا ہوں میں تجھ سے اپنے اقرار (گناہ) کے ساتھ۔ اور مجھے گناہوں کی قتل[6] گاہوں سے دور کر جیسا کہ میں نے[7] تیرے سامنے اپنے نفس کو ختم کر دیا ہے۔ اور چھپا لے مجھ کو اپنی پردہ پوشی سے جیسے کہ

---

[1] یعنی گناہوں کی کثرت جو بڑی مصیبت ہے۔

[2] یعنی ان کا مزہ ذرا سی دیر کا تھا جو اسی وقت ختم ہوگیا تھا۔

[3] یعنی دل سے اس بات کا معترف ہے کہ انصاف اسی بات کا مقتضی ہے کہ ان گناہوں کے ہوتے ہوئے عقاب ہی کیا جائے۔

[4] یعنی اس حکم کو مانتا ہوا جو تو نے دعا کے متعلق دیا ہے، جو متن دعا میں آگے چل کر مذکور ہے۔

[5] مراد یہ ہے کہ اپنی بخشش کے ذریعہ میری طرف متوجہ ہو۔

[6] یعنی اس منزل سے دور کر جہاں گناہ انسانوں کی انسانیت کو مجروح و مقتول کرتے ہیں۔

[7] اس مقام پر جیسا حرف تشبیہ نہیں ہے بلکہ روزمرہ ہے۔ مراد یہ ہے کہ جیسے میں تیرے سامنے عاجزی کر رہا ہوں ویسے ہی تو مجھے گناہوں سے دور کر دے۔

تَأَنَّيْتَنِيْ عَنِ الْاِنْتِقَامِ مِنِّيْ اَللّٰهُمَّ وَثَبِّتْ فِيْ طَاعَتِكَ نِيَّتِيْ وَاَحْكِمْ فِيْ عِبَادَتِكَ بَصِيْرَتِيْ وَوَفِّقْنِيْ مِنَ الْاَعْمَالِ لِمَا تَغْسِلُ بِهٖ دَنَسَ الْخَطَايَا عَنِّيْ وَتَوَفَّنِيْ عَلٰى مِلَّتِكَ وَمِلَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا تَوَفَّيْتَنِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَتُوْبُ اِلَيْكَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا مِنْ كَبَآئِرِ ذُنُوْبِيْ وَصَغَآئِرِهَا وَبَوَاطِنِ سَيِّاٰتِيْ وَظَوَاهِرِهَا وَسَوَالِفِ زَلَّاتِيْ وَحَوَادِثِهَا تَوْبَةَ مَنْ لَا يُحَدِّثُ نَفْسَهٗ بِمَعْصِيَةٍ وَلَا يُضْمِرُ اَنْ يَعُوْدَ فِيْ

تو نے مجھ سے (گناہوں کا) بدلہ لینے میں ڈھیل دی ہے۔ اے اللہ! اور مستحکم بنا دے اپنی عبادت میں میری نیت کو اور محکم کر دے اپنی اطاعت میں میری معرفت کو اور توفیق دے مجھے[1] کو ان اعمال کی جن سے تو غلطیوں کی گند گی مجھ سے دھو ڈالے اور موت دے مجھ کو اپنے دین پر اور اپنے نبی حضرت محمد علیہ السلام کے دین پر جبکہ تو میری موت کا حکم بھیجے۔ اے اللہ! میں بے شک توبہ کرتا ہوں تجھ سے اپنے اسی مقام[2] پر اپنے گناہان[3] کبیرہ اور صغیرہ سے اور اپنی چھپی ہوئی اور ظاہری برائیوں سے اور پرانی اور تازہ لغزشوں سے، اس شخص کی سی توبہ جو اپنے نفس سے (آئندہ) گناہ (کرنے) کی بات نہ کرتا ہو اور نہ یہ خیال کرتا ہو کہ دوہرائے گا وہ کسی غلطی کو۔ اور بے شک کہا

---

[1] من کا ترجمہ اگلی سطر میں ہے۔

[2] یعنی ابھی ابھی یہیں جہاں کہ میں کھڑا ہوا یہ دعا پڑھ رہا ہوں۔

[3] گناہوں کی دو قسمیں ہیں ایک گناہ کبیرہ۔ دوسری صغیرہ جن میں سے گناہان کبیرہ یہ ہیں (۱) شرک فی التوحید یعنی خدائے تعالیٰ کی خدائی میں کسی کو شریک سمجھنا یا ایک سے زیادہ خدا ماننا۔ (۲) وجود خدا سے انکار کرنا (۳) شرک فی الرسالۃ یعنی رسولِ خدا کی رسالت میں کسی دوسرے کو شریک قرار دینا۔ (۴) ضروریات دین اور مسلمات اسلام سے انکار کرنا (۵) کسی کو ناحق قتل کرنا یا سزاوار قتل کو بغیر حاکم شرع کے حکم کے قتل کر دینا (۶) زنا و اغلام (۷) کسی پاک دامن عورت یا مرد کو زنا کی تہمت لگانا (۸) یتیم اور بیوہ کا مال زبردستی کھانا (۹) واجبات کا بجا نہ لانا اور محرمات کا ارتکاب کرنا (۱۰) والدین کی نافرمانی کرنا (۱۱) جادو کرنا (۱۲) سود کھانا (۱۳) غیبت کرنا (۱۴) چوری کرنا (۱۵) رشوت لینا یا دینا (۱۶) جھوٹی قسم کھانا (۱۷) شراب پینا (۱۸) جھوٹی گواہی دینا۔ (۱۹) خانہ کعبہ یا مساجد یا دیگر مقامات مقدسہ و مقابر مومنین کی بے حرمتی کرنا (۲۰) مقررہ بھاؤ کو توڑنا یعنی گراں فروشی (۲۱) بلاد کفر سے ہجرت کرنے کے بعد پھر وہیں واپس چلا جانا۔ (۲۲) خدائی رحمت سے ناامید ہونا (۲۳) خدا کے عذاب سے نہ ڈرنا (۲۴) مردار کھانا (۲۵) سور کا گوشت کھانا (۲۶) جوا کھیلنا یا بازی لگا کر کوئی اور کھیل کھیلنا (۲۷) شطرنج کھیلنا (۲۸) خون پینا (۲۹) اس ذبیحہ کا گوشت کھانا جو اسلام کے طریق پر ذبح نہ کیا گیا ہو (۳۰) جلق لگانا (۳۱) کم تولنا یا کم گننا (۳۲) کسی کا حق دبا بیٹھنا (۳۳) فضول خرچی کرنا۔ (۳۴) ظالم اور فاسق کی مدد کرنا (۳۵) خیانت کرنا (۳۶) کنجوسی کرنا (۳۷) گانے بجانے اور دوسرے ملاہی میں مشغول ہونا (۳۸) شعائر کی توہین کرنا (۳۹) اسلام اور اس کے احکام کی بے حرمتی کرنا یا سبک سمجھنا (۴۰) انبیاء اور اولیاء کی شان میں گستاخی کرنا (۴۱) گناہان صغیرہ پر اصرار کرنا۔ یعنی ایک دفعہ چھوٹا سا گناہ کرنے کے بعد نادم ہونے کے بجائے بار بار وہی گناہ کرنا (۴۲) علی الاعلان یا ارادۃً گناہان صغیرہ کا مرتکب ہونا۔

خَطِيْئَتِيْ وَقَدْ قُلْتَ يَا اِلٰهِيْ فِيْ مُحْكَمِ
كِتَابِكَ اِنَّكَ تَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِكَ
وَتَعْفُوْ عَنِ السَّيِّئَاتِ وَتُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ
فَاقْبَلْ تَوْبَتِيْ كَمَا وَعَدْتَ وَاعْفُ عَنْ
سَيِّئَاتِيْ كَمَا ضَمِنْتَ وَاَوْجِبْ لِيْ مَحَبَّتَكَ كَمَا
شَرَطْتَ وَلَكَ يَا رَبِّ شَرْطِيْ اَلَّا اَعُوْدَ
فِيْ مَكْرُوْهِكَ وَضَمَانِيْ اَلَّا اَرْجِعَ فِيْ
مَذْمُوْمِكَ وَعَهْدِيْ اَنْ اَهْجُرَ جَمِيْعَ
مَعَاصِيْكَ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَعْلَمُ بِمَا عَمِلْتُ
فَاغْفِرْ لِيْ مَا عَلِمْتَ وَاصْرِفْنِيْ بِقُدْرَتِكَ
اِلٰى مَا اَحْبَبْتَ اَللّٰهُمَّ وَعَلَيَّ تَبِعَاتٌ قَدْ
حَفِظْتُهُنَّ وَتَبِعَاتٌ قَدْ نَسِيْتُهُنَّ وَكُلُّهُنَّ
بِعَيْنِكَ الَّتِيْ لَا تَنَامُ وَعِلْمِكَ الَّذِيْ لَا
يَنْسٰى فَعَوِّضْ مِنْهَا اَهْلَهَا وَاحْطُطْ عَنِّيْ
وِزْرَهَا وَخَفِّفْ عَنِّيْ ثِقْلَهَا وَاعْصِمْنِيْ
مِنْ اَنْ اُقَارِفَ مِثْلَهَا اَللّٰهُمَّ وَ
اِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِيْ بِالتَّوْبَةِ اِلَّا
بِعِصْمَتِكَ وَلَا اسْتِمْسَاكَ بِيْ عَنِ
الْخَطَايَا اِلَّا عَنْ قُوَّتِكَ فَقَوِّنِيْ

ہے تونے اے میرے معبود! اپنی محکم[1] کتاب میں کہ ضرور تو قبول کرتا ہے،
توبہ اپنے بندوں کی۔ اور گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور توبہ کرنے والوں
کو دوست رکھتا ہے۔ پس میری توبہ قبول کر جیسا کہ تونے وعدہ کیا ہے۔
اور میرے گناہوں سے درگزر کر جیسا کہ تونے (اس کی) ذمہ داری لی
ہے اور میرے لیے اپنی محبت[2] واجب و لازم کر دے جیسا کہ تونے (اس
بات کا) عہد کیا ہے۔ اور تجھ سے اے میرے معبود میرا عہد یہ ہے کہ ان باتوں
کو جو تجھے ناپسند ہیں اور میں (اس کا) ذمہ دار ہوں کہ تیرے برا سمجھے ہوئے
کام پھر نہ کروں گا اور میرا وعدہ ہے میں نہیں دوہراؤں گا کہ میں تیری
تمام نافرمانیاں چھوڑ دوں گا۔ اے اللہ تو اس[3] عمل کو (مجھ سے بھی)
زیادہ جانتا ہے جو کہ میں نے کیا پس معاف کر دے مجھ کو جو کچھ[4] تو نے
جانا ہے اور مجھے اپنی قدرت سے اس کی طرف پھیر دے جسے تو پسند
کرتا ہے۔ اے اللہ! مجھ پر (بہت سے) ایسے مظلمہ ہیں جو مجھے یاد
ہیں اور (بہت سے) ایسے مظلمے ہیں جنھیں میں بھول گیا ہوں اور وہ سب
کے سب تیری نگاہ میں ہیں جو کہ سوتی نہیں ہے اور تیرے علم میں ہیں،
جسے بھول عارض نہیں ہوتی پس ان کا بدلہ ان کے مستحقین[5] کو دے دے
اور مجھ سے اس کا بوجھ اتار دے۔ اور اس کا بار مجھ سے ہلکا کر دے
اور بچا مجھ کو اس بات سے کہ پھر میں ان جیسے مظلموں کے قریب جاؤں۔
اے اللہ! اور یقیناً میں (اپنی) توبہ کو پورا نہیں کر سکتا، مگر تیرے محفوظ[6]
رکھنے سے اور نہ غلطیوں سے بچ سکتا ہوں مگر تیری قوت سے پس تو

---

[1] یعنی اس آیت میں جس کے معنی صاف اور واضح ہیں اور اس میں کسی قسم کے التباس یا تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

[2] یعنی جبکہ تونے یہ فرمایا ہے کہ میں توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہوں تو مجھے اپنے اس قول کے مطابق اپنی محبت سے وجوباً ولزوماً مستفیض کر۔

[3] یعنی تو واقف ہے کہ میں نے کیا عمل کیا اور کس نیت سے کیا۔

[4] اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر اس عمل میں کوئی نقص ہو جس کا تجھے علم ہے تو اسے معاف کر دے۔

[5] یعنی جس کے کسی کے حق کا کوئی بوجھ میری گردن پر ہے، اسے میری جانب سے ادا فرما دے۔

[6] یعنی جب تک تو گناہوں سے محفوظ رہنے اور بچنے کی توفیق نہیں دے گا توبہ پوری نہیں ہو سکے گی۔

بِقُوَّةٍ كَافِيَةٍ وَ تَوَلَّنِي بِعِصْمَةٍ مَا نِعَةٍ اَللّٰهُمَّ اَيُّمَا عَبْدٍ تَابَ اِلَيْكَ وَهُوَ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ فَاسِخٌ لِتَوْبَتِهٖ وَ عَائِدٌ فِي ذَنْبِهٖ وَخَطِيْئَتِهٖ فَاِنِّي اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اَكُوْنَ كَذٰلِكَ فَاجْعَلْ تَوْبَتِي هٰذِهٖ تَوْبَةً لَا اَحْتَاجُ بَعْدَهَا اِلٰى تَوْبَةٍ تَوْبَةً مُوْجِبَةً لِمَحْوِ مَا سَلَفَ وَ السَّلَامَةِ فِيْمَا بَقِيَ اَللّٰهُمَّ اِنِّي اَعْتَذِرُ اِلَيْكَ مِنْ جَهْلِي وَ اَسْتَوْهِبُكَ سُوْءَ فِعْلِي فَاضْمُمْنِي اِلٰى كَنَفِ رَحْمَتِكَ تَطَوُّلًا وَاسْتُرْنِي بِسِتْرِ عَافِيَتِكَ تَفَضُّلًا اَللّٰهُمَّ وَاِنِّي اَتُوْبُ اِلَيْكَ مِنْ كُلِّ مَا خَالَفَ اِرَادَتَكَ اَوْزَالَ عَنْ مَحَبَّتِكَ مِنْ خَطَرَاتِ قَلْبِي وَلَحَظَاتِ عَيْنِي وَحِكَايَاتِ لِسَانِي تَوْبَةً تَسْلَمُ بِهَا كُلُّ جَارِحَةٍ عَلٰى حِيَالِهَا مِنْ تَبِعَاتِكَ وَتَاْمَنُ مِمَّا يَخَافُ الْمُعْتَدُوْنَ مِنْ اَلِيْمِ سَطَوَاتِكَ اَللّٰهُمَّ فَارْحَمْ وَحْدَتِي

مجھے کافی قوت دے اور ایسی عصمت[۱] سے میری سرپرستی کر جو (گناہ سے) روک دے۔ اے اللہ! اور جو کوئی بندہ تجھ سے توبہ کرتا ہے اور وہ تیرے غیب کے علم میں اپنی توبہ کو توڑنے والا ہوتا ہے اور اپنے گناہ اور اپنی خطا کو دوہرانے والا ہوتا ہے، تو میں تیری پناہ کا طالب ہوں اس بات سے کہ ثابت ہوں میں ایسا۔ پس بنا دے میری اس توبہ کو کہ ضرورتمند ہوں میں اس کے بعد کسی توبہ کا ۔۔ (اور) ایسی توبہ جو اگلے گناہوں کے محو ہو جانے کا وسیلہ ہو اور باقی زمانہ (حیات) میں سلامتی[۲] کا۔ اے اللہ! میں تجھ سے اپنی جہالت[۳] کی معافی چاہتا ہوں اور اپنے برے اعمال کی بخشش کا طالب ہوں پس تو احسان کر کے مجھے اپنی رحمت کے پہلو میں ضم کرلے اور چھپالے مجھ کو پردے میں اپنی سلامتی کے از راہِ عنایت[۴] و مہربانی۔ اے اللہ! اور بے شک توبہ کرتا ہوں میں تجھ سے ہر اس بات سے جو تیرے ارادے کے برخلاف (مجھ سے سرزد) ہوئی یا تیری محبت سے ہٹ گئی، میرے دل کے وسوسوں اور میری نگاہوں کی کجی[۵] اور میری زبان کے بیانات کی وجہ سے۔ ایسی توبہ کہ بچ جائیں جس کے بعد تمام اعضاء اپنی اپنی جگہ پر تیرے عذاب[۶] سے اور بے خوف ہو جائیں (وہ اعضاء) اس چیز سے کہ جس سے سرکش (لوگ) ڈرتے رہتے ہیں یعنی[۷] تیرے دردناک قہر سے۔ اے اللہ! پس رحم کر

---

۱؎ بے گناہی اور پاک دامنی۔

۲؎ یعنی گناہوں سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہو۔

۳؎ کیونکہ اس سے بڑھ کر جہالت کیا ہو گی کہ گناہ کے گناہ ہونے کا علم رکھتے ہوئے اس کا ارتکاب کیا۔

۴؎ استحقاق و عدل کی بنا پر نہیں بلکہ مجھ پر تفضل کر کے مجھے عافیت کے پردے میں چھپالے۔

۵؎ لحظات العین کے معنی گوشۂ چشم سے دیکھنے کے ہیں چونکہ گوشۂ چشم سے دیکھنے میں نگاہ کا کج ہو جانا لازم ہے اس لیے بطور مجاز اس جگہ لازم یعنی نگاہ کی کجی مراد ہے۔

۶؎ 'تبعات' کے لغوی معنی نتائج کے ہیں۔ تبعاتک، وہ انجام جو تیری طرف سے ملے یعنی عقاب و سزا۔

۷؎ مِنْ کا ترجمہ ہے۔

بَيْنَ يَدَيْكَ وَ وَجِيْبَ قَلْبِيْ مِنْ خَشْيَتِكَ وَ اضْطِرَابَ اَرْكَانِيْ مِنْ هَيْبَتِكَ فَقَدْ اَقَامَتْنِيْ يَا رَبِّ ذُنُوْبِيْ مَقَامَ الْخِزْيِ بِفِنَائِكَ فَاِنْ سَكَتُّ لَمْ يَنْطِقْ عَنِّيْ اَحَدٌ وَاِنْ شَفَعْتُ فَلَسْتُ بِاَهْلِ الشَّفَاعَةِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ شَفِّعْ فِيْ خَطَايَايَ كَرَمَكَ وَعُدْ عَلٰى سَيِّاٰتِيْ بِعَفْوِكَ وَ لَا تَجْزِنِيْ جَزَآئِيْ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَ ابْسُطْ عَلَيَّ طَوْلَكَ وَجَلِّلْنِيْ بِسِتْرِكَ وَافْعَلْ بِيْ فِعْلَ عَزِيْزٍ تَضَرَّعَ اِلَيْهِ عَبْدٌ ذَلِيْلٌ فَرَحِمَهٗ اَوْ غَنِيٍّ تَعَرَّضَ لَهٗ عَبْدٌ فَقِيْرٌ فَنَعَشَهٗ اَللّٰهُمَّ لَا خَفِيْرَ لِيْ مِنْكَ فَلْيَخْفُرْنِيْ عِزُّكَ وَلَا شَفِيْعَ لِيْ اِلَيْكَ فَلْيَشْفَعْ لِيْ فَضْلُكَ وَقَدْ اَوْجَلَتْنِيْ خَطَايَايَ فَلْيُؤْمِنِّيْ عَفْوُكَ فَمَا كُلُّ مَا نَطَقْتُ بِهٖ عَنْ جَهْلٍ مِنِّيْ بِسُوْءِ اَثَرِيْ وَلَا نِسْيَانٍ لِمَا سَبَقَ مِنْ ذَمِيْمِ فِعْلِيْ لٰكِنْ لِتَسْمَعَ

تو اپنی بارگاہ میں میری تنہائی (کی حالت)[1] پر اور تیرے خوف سے میرے دل کے کانپنے پر اور تیری ہیبت سے میرے اعضا کے لرزنے پر پس شک نہیں اے میرے مالک کہ مجھے تیرے سامنے[2] رسوائی کے مقام میں میرے گناہوں نے کھڑا کیا ہے پس اگر میں خاموش رہوں تو کوئی بھی میری طرف[3] سے بات نہیں کرے گا اور اگر میں (اپنی خود) سفارش کروں تو میں شفاعت کرنے کا مستحق نہیں ہوں۔ اے اللہ! پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور اپنی مہربانی کو میری خطاؤں کے معاملے[4] میں سفارش بنا اور میرے گناہوں پر اپنے عفو سے تفضل کر۔ اور اپنے عذاب سے مجھ کو میرے کردار کا بدلہ نہ دے۔ اور مجھ پر اپنی بخشش کو وسیع کر اور مجھے اپنے پردے میں چھپا لے اور میرے ساتھ وہ سلوک کر جو (ایک) قوت اور غلبہ والا شخص اس ذلیل بندے کے ساتھ کرتا ہے جو اس کے سامنے گڑگڑائے اور وہ (اس بندے پر) رحم کرے یا وہ دولت مند (کرتا ہے) جس کے سامنے آئے ایک محتاج بندہ اور وہ (دولت مند) اسے سربلند کر دے۔ اے اللہ! مجھے تجھ سے کوئی پناہ دلانے والا نہیں ہے پس ضروری ہے کہ پناہ دے مجھ کو تیرا غلبہ (اور قوت)۔ اور نہ تیرے سامنے میرا کوئی سفارشی ہے پس لازم ہے کہ تیرا فضل میری سفارش کرے۔ اور بے شک خوفزدہ کر دیا ہے مجھ کو میری غلطیوں نے پس چاہیئے کہ تیری معافی مجھے بے خوف کر دے اور جو کچھ میں[5] نے کہا وہ اس بنا پر نہیں ہے کہ میں نہیں جانتا اپنے بُرے کردار کو، اور نہ اس وجہ سے کہ میں اپنے سابقہ برے عمل کو بھول گیا، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ

---

[1] یعنی میری اس حالت پر رحم کر کہ میں تنہا تیری بارگاہ میں حاضر ہوں اور میرا دل تیرے ڈر سے کانپ رہا ہے اور تیری ہیبت سے بوٹی بوٹی لرز رہی ہے۔

[2] بِفِنَائِكَ کے لغوی معنی "تیرے صحن میں" ہیں مجازاً "تیرے سامنے" مراد ہے۔

[3] یعنی میرے پاس اپنے علاوہ کوئی سفارشی نہیں ہے جو میری طرف سے کچھ کہے سنے۔

[4] یعنی تیرے کریم ہونے کا مقتضا اور مفہوم ہی یہ ہے کہ تو بغیر کسی وسیلے اور شفیع کے اپنے گنہگار بندوں کو بخشتا ہے اور ان سے درگزر کرتا ہے۔

[5] یعنی اپنی معافی کے لازم ہونے پر مختلف الفاظ میں جو زور دیا اور جن الفاظ میں گناہوں کا اعتراف کیا۔

سَمَآءُكَ وَ مَنْ فِيهَا وَ اَرْضُكَ وَ مَنْ عَلَيْهَا مَا اَظْهَرْتُ لَكَ مِنَ النَّدَمِ وَ لَجَاْتُ اِلَيْكَ فِيهِ مِنَ التَّوْبَةِ فَلَعَلَّ بَعْضَهُمْ بِرَحْمَتِكَ يَرْحَمُنِي لِسُوْءِ مَوْقِفِي اَوْ تُدْرِكُهُ الرِّقَّةُ عَلَيَّ لِسُوْءِ حَالِي فَيَنَالُنِي مِنْهُ بِدَعْوَةٍ هِيَ اَسْمَعُ لَدَيْكَ مِنْ دُعَآئِي اَوْ شَفَاعَةٍ اَوْكَدَ عِنْدَكَ مِنْ شَفَاعَتِي تَكُوْنُ بِهَا نَجَاتِي مِنْ غَضَبِكَ وَ فَوْزَتِي بِرِضَاكَ اَللّٰهُمَّ اِنْ يَكُنِ النَّدَمُ تَوْبَةً اِلَيْكَ فَاَنَا اَنْدَمُ النَّادِمِيْنَ وَ اِنْ يَكُنِ التَّرْكُ لِمَعْصِيَتِكَ اِنَابَةً فَاَنَا اَوَّلُ الْمُنِيبِيْنَ وَ اِنْ يَكُنِ الْاِسْتِغْفَارُ حِطَّةً لِلذُّنُوْبِ فَاِنِّي لَكَ مِنَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ اَللّٰهُمَّ فَكَمَا اَمَرْتَ بِالتَّوْبَةِ وَ ضَمِنْتَ الْقَبُوْلَ وَ حَثَثْتَ عَلَى الدُّعَآءِ وَ وَعَدْتَ الْاِجَابَةَ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ وَ اقْبَلْ تَوْبَتِي وَ لَا تَرْجِعْنِي مَرْجِعَ الْخَيْبَةِ مِنْ رَحْمَتِكَ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ عَلَى الْمُذْنِبِيْنَ وَ الرَّحِيْمُ لِلْخَاطِئِيْنَ الْمُنِيبِيْنَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ كَمَا هَدَيْتَنَا بِهٖ وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ كَمَا اسْتَنْقَذْتَنَا بِهٖ

سن رکھے تیرا آسمان اور اس کے باشندے اور تیری زمین اور اس کے رہنے والے، اس بات کو جو ظاہر کی میں نے تیرے سامنے ندامت سے[صہ]، اور تیری پناہ چاہی جس بات میں توبہ سے، تو ضرور ہے کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری رحمت کی وجہ سے میرے برے موقف[1] پر رحم کھائے یا اس کو رقت آجائے مجھ پر میری بدحالی کی وجہ سے جس کے بعد میرے حق میں اس کی جانب سے کوئی ایسی دعا[2] پہنچے جو تیری بارگاہ میں میری دعا سے زیادہ سنے جانے کی مستحق ہو یا کوئی ایسی سفارش ہو جائے جو تیرے نزدیک میری سفارش سے زیادہ مضبوط ہو جس کے باعث ہو جائے میری نجات تیرے غضب سے۔ اور میری کامیابی تیری خوشنودی سے۔ اے معبود! اگر ندامت ہی کے معنی توبہ ہیں تو میں تمام شرمندہ ہونے والوں سے زیادہ نادم ہوں اور اگر تیری نافرمانی کو ترک کر دینا، توبہ (کہلاتا) ہے تو میں پہلا توبہ[3] کرنے والا ہوں۔ اور اگر مغفرت طلب کرنا گناہوں کے ساقط ہونے[4] کا ذریعہ ہے تو بے شک میں تجھ سے طالب مغفرت ہوں۔ اے اللہ! پس جس طرح تو نے حکم دیا ہے توبہ (کرنے) کا اور (اسے) قبول کرنے کی ضمانت کی ہے اور دعا کرنے پر آمادہ کیا اور وعدہ فرمایا قبول کر لینے کا تو رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور میری توبہ قبول کر لے اور مت واپس کر مجھ کو ناامید کر کے اپنی رحمت سے۔ بے شک تو ہی گناہگاروں کی توبہ کا بڑا قبول کرنے والا ہے اور خطا کر کے معافی چاہنے والوں پر رحم کرنے والا ہے۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر جس طرح تو نے ان (محمدؐ) کے ذریعہ سے ہمیں ہدایت کی ہے اور رحمت نازل کر محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر جس طرح

---

[1] مقام اور حالت مراد ہے۔ [صہ] یعنی آسمان و زمین سب کو معلوم ہو جائے کہ میں اپنے افعال پر شرمندہ ہوں۔

[2] یعنی میرے حق میں وہ کوئی ایسی دعا کرے۔

[3] یعنی میں سب سے پہلے نافرمانی کو ترک کرنے کا عہد کرتا ہوں۔

[4] حِطَّۃً کا ترجمہ ساقط ہونے کا ذریعہ۔ مراد گناہوں کی معافی کا وسیلہ۔

وَ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ صَلٰوةً تَشْفَعُ لَنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ يَوْمَ الْفَاقَةِ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَ هُوَ عَلَيْكَ يَسِيْرٌ ۵

تو نے ہم کو ان کے وسیلہ سے نجات دی ہے اور رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔ ایسی رحمت جو سفارشی بنے ہماری قیامت کے دن، اور (ہماری) احتیاج کے دن[1] تیری بارگاہ میں۔ بے شک تو ہر بات پر قدرت رکھتا ہے اور وہ تیرے نزدیک آسان ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ صَلٰوةِ اللَّيْلِ لِنَفْسِهٖ فِي الْاِعْتِرَافِ بِالذَّنْبِ

حضرت زین العابدینؑ نماز شب[2] سے فارغ ہو کر اعتراف گناہ میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ يَا ذَا الْمُلْكِ الْمُتَاَبِّدِ بِالْخُلُوْدِ وَ السُّلْطَانِ الْمُمْتَنِعِ بِغَيْرِ جُنُوْدٍ وَّلَا اَعْوَانٍ وَ الْعِزِّ الْبَاقِيْ عَلٰى مَرِّ الدُّهُوْرِ وَ خَوَالِي الْاَعْوَامِ وَ مَوَاضِي الْاَزْمَانِ وَ الْاَيَّامِ عَزَّ سُلْطَانُكَ عِزًّا لَاحَدَّ لَهٗ بِاَوَّلِيَّةٍ وَلَامُنْتَهٰى لَهٗ بِاٰخِرِيَّةٍ وَ اسْتَعْلٰى مُلْكُكَ عُلُوًّا سَقَطَتِ الْاَشْيَاءُ دُوْنَ بُلُوْغِ اَمَدِهٖ وَلَا يَبْلُغُ اَدْنٰى مَا اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ مِنْ ذٰلِكَ اَقْصٰى نَعْتِ النَّاعِتِيْنَ ضَلَّتْ فِيْكَ الصِّفَاتُ وَ تَفَسَّخَتْ

اے اللہ! اے ہمیشہ باقی رہنے والی حکومت کے مالک! اور اے مستحکم سلطنت والے! (ایسی سلطنت) جسے نہ لشکر کی ضرورت ہے اور نہ سپاہیوں کی۔ اور اے غلبہ والے جو باقی رہے گا زمانوں کے گزرنے اور برسوں کے گزرنے اور دنوں اور مدتوں کے گزرنے پر بھی، تیری سلطنت غالب ہے۔ ایسی غالب کہ نہ جس کی ابتدا کی کوئی حد ہے اور نہ خاتمہ کی۔ اور بلند ہے تیرا ملک۔ اس قدر کہ جس کے نقطہ اوج تک پہنچنے سے تمام چیزیں پست رہیں اور نہیں پہنچ سکتی ادنیٰ اس مقام تک جو تو نے ان[3] باتوں میں اختیار کیا ہے، تعریف کرنے والوں کی انتہائی تعریف تیرے معاملے میں صفتیں[4] گمراہ ہو کر رہ

---

[1] یوم کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

[2] نماز شب کے فضائل اور وقت و ارکان آخر کتاب میں دیکھیے۔

[3] یعنی ازلیت و ابدیت اور علوئے مرتبت میں تیرا جو مقام اور منزل ہے، تعریف کرنے والے اس کے آس پاس تک بھی نہیں پہنچ سکتے۔

[4] اس مسئلے کی جانب اشارہ ہے کہ جب کسی کی صفت بیان کی جاتی ہے تو صفت اپنے موصوف کا غیر ہوتی ہے۔ اگر خدا کی صفتیں بھی اسی طرح مانی جائیں، تو صفات کا مجموعہ ہو جائے گا اور توحید باقی نہ رہے گی اسی لیے تو خدا کی صفات کو عین ذات مانا گیا ہے۔ اور صفت کے یہ معنی جس میں صفت اور موصوف من جمیع الوجوہ شے واحد ہوں، اس کے معنی مفروضہ کی حقیقت سے خارج ہیں۔ اس لیے گو خدائے تعالیٰ کی صفات کمالیہ کے لیے مجازاً صفت کا لفظ بولا جاتا ہے مگر درحقیقت 'صفت' اپنے عام معنی اور مفہوم کے ساتھ اس کی منزل اور اس کے مقام میں پہنچ کر بھٹکتی ہی پھرتی ہے اور خدا سے من حیث الموصوف ملاقی نہیں ہوتی۔

دُوْنَكَ النُّعُوتُ وَحَارَتْ فِيْ كِبْرِيَائِكَ لَطَائِفُ الْاَوْهَامِ كَذٰلِكَ اَنْتَ اللّٰهُ الْاَوَّلُ فِيْ اَوَّلِيَّتِكَ وَعَلٰى ذٰلِكَ اَنْتَ دَآئِمٌ لَا تَزُوْلُ وَاَنَا الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ عَمَلًا الْجَسِيْمُ اَمَلًا خَرَجَتْ مِنْ يَدِيْ اَسْبَابُ الْوُصْلَاتِ اِلَّا مَا وَصَلَهٗ رَحْمَتُكَ وَ تَقَطَّعَتْ عَنِّيْ عِصَمُ الْاٰمَالِ اِلَّا مَا اَنَا مُعْتَصِمٌ بِهٖ مِنْ عَفْوِكَ قَلَّ عِنْدِيْ مَا اَعْتَدُّ بِهٖ مِنْ طَاعَتِكَ وَكَثُرَ عَلَيَّ مَا اَبُوْءُ بِهٖ مِنْ مَعْصِيَتِكَ وَلَنْ يَضِيْقَ عَلَيْكَ عَفْوٌ عَنْ عَبْدِكَ وَاِنْ اَسَآءَ فَاعْفُ عَنِّيْ اَللّٰهُمَّ وَ قَدْ اَشْرَفَ عَلٰى خَفَايَا الْاَعْمَالِ عِلْمُكَ وَ انْكَشَفَ كُلُّ مَسْتُوْرٍ دُوْنَ خُبْرِكَ وَلَا تَنْطَوِيْ عَنْكَ دَقَآئِقُ الْاُمُوْرِ وَلَا تَعْزُبُ عَنْكَ غَيِّبَاتُ السَّرَآئِرِ وَ قَدِ اسْتَحْوَذَ عَلَيَّ عَدُوُّكَ الَّذِيْ اسْتَنْظَرَكَ لِغَوَايَتِيْ فَاَنْظَرْتَهٗ وَاسْتَمْهَلَكَ اِلٰى يَوْمِ

گئی ہیں اور تیرے سامنے تمام تعریفیں ٹوٹ کر رہ گئی ہیں اور حیران ہیں تیری بزرگی کے معاملے میں خیالات کی باریکیاں۔ ایسا ہی ہے۔ تو ہی وہ اللہ ہے جو پہلا ہے اپنی ابتدا میں۔ اور اسی نہج پر تو ہمیشہ رہے گا۔ (کبھی) زوال نہ ہوگا اور میں (ایک ایسا) بندہ ہوں کہ عمل کے اعتبار سے تو کمزور ہوں مگر (تجھ سے) امید رکھنے[1] کے اعتبار سے بڑا ہوں۔ نکل گئی ہیں میرے ہاتھ[2] سے رسیاں (یعنی سلسلے) رسائی کی۔ مگر جس[3] قدر تیری رحمت نے جوڑ دی ہیں۔ اور منقطع ہوگیا ہے مجھ سے سررشتۂ[4] امیدوں کا۔ مگر تیری وہ معافی (باقی ہے) جس کو میں پکڑے[5] ہوئے ہوں۔ کم ہے میرے پاس وہ تیری فرمانبرداری جو میں نے مہیا کی ہے اور میری وہ نافرمانی جس کا میں معترف ہوں کثیر ہے اور کسی بندے کا معاف کرنا تجھے مشکل نہیں ہے، چاہے وہ بدکار ہو۔ پس تو معاف کر دے مجھے۔ اے اللہ! اور بلاشک واقف ہے پوشیدہ اعمال سے تیرا علم، اور تیری آگاہی کے سامنے ہر پردے کی بات ظاہر ہے اور نہیں مخفی ہیں تجھ سے باریک سے باریک باتیں اور بلاشک مجھ پر تیرا وہ دشمن[6] غالب آگیا ہے جس نے تجھ سے میرے[7] بہکانے کے لیے مہلت مانگی تھی اور تو نے اسے مہلت دے دی تھی اور اس نے تجھ سے

---

[1] یعنی دل میں تجھ سے بڑی بڑی امیدیں ہیں۔ اور خدا سے نیک امید رکھنا بھی مغفرت کا ایک وسیلہ ہوتا ہے۔

[2] یعنی اعمال نیک جو بندے کو خدا تک پہنچا دیتے ہیں ان سے میرا دامن خالی ہے۔

[3] یعنی سوائے اس وسیلے کے جو تیری رحمت پر بھروسا رکھنے کی بنا پر بندہ گنہگار کو ہوتا ہے میرا کوئی اور وسیلہ نہیں۔

[4] یعنی اپنی کثرت عصیاں کے باعث اس امید کا سہارا جو نیکو کاروں کو اپنے عمل کے بھروسے پر ہوتی ہے ختم ہوگیا ہے اور اپنی مغفرت کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ سوائے اس کے کہ تو عفو کر دے اور بخش دے۔

[5] یعنی جس کا مجھے یقین ہے۔

[6] شیطان ملعون جس نے اس وقت جبکہ وہ سجدۂ آدم سے انکار کے موقع پر راندۂ درگاہ ہوا تھا، خدائے تعالیٰ سے مہلت مانگی تھی کہ قیامت تک اپنے بندوں کو گمراہ کرنے کا موقع دے چنانچہ قدرت نے اس کی یہ خواہش منظور کر لی تھی۔

[7] یعنی انسان کے۔

الدِّیْنِ لِاِضْلَالِیْ فَاَمْهَلْتَهٗ فَاَوْقَعَنِیْ وَ قَدْ
هَرَبْتُ اِلَیْكَ مِنْ صَغَائِرِ ذُنُوْبٍ مُوْبِقَةٍ وَ
كَبَائِرِ اَعْمَالٍ مُرْدِیَةٍ حَتّٰی اِذَا قَارَفْتُ
مَعْصِیَتَكَ وَ اسْتَوْجَبْتُ بِسُوْٓءِ سَعْیِیْ سَخْطَتَكَ
فَتَلَ عَنِّیْ عِذَارَ غَدْرِهٖ وَ تَلَقَّانِیْ بِكَلِمَةِ
كُفْرِهٖ وَ تَوَلَّی الْبَرَآءَةَ مِنِّیْ وَ اَدْبَرَ
مُوَلِّیًا عَنِّیْ فَاَصْحَرَنِیْ لِغَضَبِكَ فَرِیْدًا
وَ اَخْرَجَنِیْ اِلٰی فِنَآءِ نَقِمَتِكَ طَرِیْدًا
لَا شَفِیْعٌ یَشْفَعُ لِیْ اِلَیْكَ وَ لَا خَفِیْرٌ
یُؤْمِنُنِیْ عَلَیْكَ وَ لَا حِصْنٌ یَحْجُبُنِیْ
عَنْكَ وَ لَا مَلَاذٌ اَلْجَاُ اِلَیْهِ
مِنْكَ فَهٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ
وَ مَحَلُّ الْمُعْتَرِفِ لَكَ فَلَا
یَضِیْقَنَّ عَنِّیْ فَضْلُكَ وَ لَا یَقْصُرَنَّ

روزِ قیامت تک میرے گمراہ کرنے کی مدّت چاہی تھی تو تُو نے اسے رخصت دے دی تھی پھر اس نے مجھ کو (گناہ میں) ڈالا۔ اور بے شک میں تیری طرف بھاگا ہلاک کر دینے والے گناہانِ صغیرہ سے اور ایسے بڑے گناہوں[1] سے جو دوزخ میں جھونک دینے والے ہیں یہاں تک کہ جب میں تیری نافرمانی کرنے[2] لگا اور مستحق ہوا اپنی بری کوشش کے باعث تیرے غصّے کا تو اس کے بعد اس نے اپنے حیلہ[3] کی باگ میری جانب سے موڑ لی اور ڈال دیا مجھ میں اپنے کلمہ کفر[4] کو، اور مجھ سے جدا ہو گیا اور میرے پاس سے پیٹھ پھیر کر بھاگ گیا اور مجھے تیرے غیظ و غضب کے جنگل میں یکہ و تنہا چھوڑ دیا اور تیرے انتقام لینے کے میدان تک بھگا[5] کر نکال دیا اس حالت میں کہ نہ کوئی سفارشی ہے جو تجھ سے میری سفارش کرے۔ اور نہ کوئی بچانے والا ہے جو مجھے تیرے خوف سے امان دلائے اور نہ کوئی قلعہ ہے جو مجھے تجھ سے چھپائے اور نہ کوئی جائے پناہ ہے جہاں جا کر میں تجھ سے چھپ جاؤں پس یہ تجھ سے پناہ مانگنے والے کی منزل[6] ہے اور تیرے سامنے اقرارِ گناہ کرنے والے

---

[1] اعمال سے مراد اس مقام پر گناہ کے ہیں۔

[2] تمام مطبوعہ نسخوں میں اِذَا فَارَقْتُ مَعْصِیَتَكَ چھپا ہوا ہے اور اس کے معنی یہ لکھے ہوتے ہیں کہ "جب میں تیری مخالفت سے الگ ہوا" مگر سیاق و سباق اور محل و مقام اس کے خلاف مفہوم کا متقضی ہے۔ ایک قلمی نسخے میں اس کی جگہ یہ الفاظ لکھے ہوئے ملے اِذَا قَارَفْتُ مَعْصِیَتَكَ جس کے معنی ہیں سبکہ میں تیری نافرمانی سے قریب ہوا۔ یہ مضمون اِدھر اُدھر کے مفہوم سے بالکل مرتبط ہے۔

[3] یعنی بہکا کر اور اپنا کام بنا کر چلتا بنا۔

[4] کلمہ کفر سے اس جگہ وہ بے پروائی مراد ہے جو انسان کے دل سے خدا کا خوف نکال کر اسے گناہوں پر دلیر کر دیتی ہے مراد جملہ یہ ہے کہ شیطان نے میرے دل میں احکامِ الٰہی پر عمل کرنے اور منہیات سے دور رہنے کی عظمت کو سبک بنا دیا۔

[5] طریدًا کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

[6] یعنی جب شیطان بندہ کو بہکا کر ان برے حالوں میں پھنسا دیتا ہے اور اپنا کام کر کے چل دیتا ہے اور پھر بندہ کو اپنے گناہگار ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے تو اس وقت بندے کو خدا کی رحمت کے علاوہ اپنی بخشش کا کوئی وسیلہ نظر نہیں آتا اور وہ تجھ سے پناہ مانگنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ دعا کے جملوں کا مقصد یہ ہے کہ میں اب اسی منزل میں ہوں۔

دُوْنِيْ عَفْوُكَ وَلَا اَكُنْ اَخْيَبَ عِبَادِكَ التَّائِبِيْنَ وَلَا اَقْنَطَ وُفُوْدِكَ الْاٰمِلِيْنَ وَاغْفِرْلِيْ اِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَمَرْتَنِيْ فَتَرَكْتُ وَنَهَيْتَنِيْ فَرَكِبْتُ وَسَوَّلَ لِيَ الْخَطَايَا خَاطِرُ السُّوْٓءِ فَفَرَّطْتُ وَلَا اَسْتَشْهِدُ عَلٰى صِيَامِيْ نَهَارًا وَلَا اَسْتَجِيْرُ بِتَهَجُّدِيْ لَيْلًا وَلَا تُثْنِيْ عَلَيَّ بِاِحْيَائِهَا سُنَّةٌ حَاشَا فُرُوْضِكَ الَّتِيْ مَنْ ضَيَّعَهَا هَلَكَ وَلَسْتُ اَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ بِفَضْلِ نَافِلَةٍ مَعَ كَثِيْرِ مَا اَغْفَلْتُ مِنْ وَظَائِفِ فُرُوْضِكَ وَتَعَدَّيْتُ عَنْ مَقَامَاتِ حُدُوْدِكَ اِلٰى حُرُمَاتٍ انْتَهَكْتُهَا وَكَبَائِرِ ذُنُوْبٍ اجْتَرَحْتُهَا كَانَتْ عَافِيَتُكَ لِيْ

کامل ہے۔ پس ضروری ہے کہ نہ تنگی کرے مجھ سے تیرا فضل اور میرے پاس آنے سے تیری معافی اور بخشش کوتاہی نہ کرے۔ اور نہ ہو جاؤں میں تیرے ان بندوں میں ناکام (بندہ) جو توبہ کرتے ہیں اور نہ ان امید واروں میں ناامید شخص جو تیرے پاس امید باندھ کر آتے ہیں اور مجھے بخش دے۔ بے شک تو سب بخشنے والوں سے بہتر ہے۔ اے اللہ تو نے مجھے حکم دیا[1] تو میں نے پورا نہ کیا[2] اور منع کیا[3] تو میں مرتکب ہوا اور خیال فاسد نے میری نظر میں گناہ کو آراستہ کر دیا تو میں جلدی سے (اس کی طرف) بڑھ گیا[4] اور نہیں گواہ بنا سکتا میں اپنے روزوں پر دنوں کو[5] اور نہیں پناہ لے سکتا میں اپنی تہجد[6] گزاری پر کسی رات کی اور نہ تعریف کر سکتی ہے میری کوئی سنت[7] اس کے قائم کرنے کی بنا پر (پھر) ان واجبات کا ذکر ہی کیا کیا جائے کہ جس نے انھیں ضائع[8] کیا وہ ہلاک ہو گیا اور نہیں وسیلہ بنا سکتا میں تیری جانب کسی نافلہ[9] کی فضیلت کو، مع بہت سے ان تیرے فرضوں کے جن سے میں نے غفلت برتی، اور بڑھ گیا میں تیری حدود[10] کے مقامات[11] سے ان کاموں کی طرف جن سے

---

[1] یعنی عمل صالح کے احکام دیے۔

[2] ترکتُ کے لغوی معنی میں نے ترک کر دیا مجازاً پورا نہ کیا، بجا نہ لایا۔

[3] یعنی کچھ کاموں کی ممانعت کی یعنی منہیات کی۔

[4] فَرَّطْتُ کا ترجمہ "میں نے کمی کی" جیسا کہ مترجمین نے اپنے تراجم میں لکھا ہے، اس مقام پر درست نہیں۔

[5] یعنی روزوں سے اتنا غافل رہا کہ ایک دن بھی میرے روزہ دار ہونے کی شہادت نہ دے گا۔

[6] یعنی کوئی رات یہ نہیں کہے گی کہ میں نے تہجد ادا کیا۔

[7] یعنی سنت ہائے الٰہیہ بھی میں نے قائم نہیں کیں۔

[8] یعنی تلف کیا اور بجا نہ لایا۔

[9] یعنی نافلہ بھی نہیں ادا کیا۔

[10] حدودک کا ترجمہ جو کہ اوپر تیسری سطر میں آیا ہے۔

[11] حدود کے مقامات، یعنی وہ افعال جن کے ارتکاب سے حد شرع جاری ہوتی ہے۔

مِنْ فَضَائِحِهَا سِتْرًا وَ هٰذَا مَقَامُ
مَنِ اسْتَحْيٰى لِنَفْسِهٖ مِنْكَ وَ سَخِطَ
عَلَيْهَا وَ رَضِيَ عَنْكَ فَتَلَقَّاكَ بِنَفْسٍ
خَاشِعَةٍ وَ رَقَبَةٍ خَاضِعَةٍ وَ ظَهْرٍ مُثْقَلٍ
مِنَ الْخَطَايَا وَاقِفًا بَيْنَ الرَّغْبَةِ
إِلَيْكَ وَ الرَّهْبَةِ مِنْكَ وَ أَنْتَ أَوْلٰى
مَنْ رَجَاهُ وَ أَحَقُّ مَنْ خَشِيَهُ وَ اتَّقَاهُ
فَأَعْطِنِيْ يَا رَبِّ مَا رَجَوْتُ وَ آمِنِّيْ
مَا حَذِرْتُ وَ عُدْ عَلَيَّ بِعَائِدَةِ
رَحْمَتِكَ إِنَّكَ أَكْرَمُ الْمَسْئُوْلِيْنَ
اَللّٰهُمَّ وَ إِذْ سَتَرْتَنِيْ بِعَفْوِكَ
وَ تَغَمَّدْتَنِيْ بِفَضْلِكَ فِيْ دَارِ الْفَنَاءِ
بِحَضْرَةِ الْأَكْفَاءِ فَأَجِرْنِيْ مِنْ
فَضِيْحَاتِ دَارِ الْبَقَاءِ عِنْدَ مَوَاقِفِ
الْأَشْهَادِ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ الْمُقَرَّبِيْنَ
وَ الرُّسُلِ الْمُكَرَّمِيْنَ وَ الشُّهَدَاءِ وَ الصَّالِحِيْنَ
مِنْ جَارٍ كُنْتُ أُكَاتِمُهٗ سَيِّئَاتِيْ وَ مِنْ
ذِيْ رَحِمٍ كُنْتُ أَحْتَشِمُ مِنْهُ فِيْ سَرِيْرَاتِيْ
لَمْ أَثِقْ بِهِمْ رَبِّ فِي السِّتْرِ عَلَيَّ

میں نے اپنا چال چلن بگاڑ لیا۔ اور گناہان کبیرہ کی طرف جن کا میں مرتکب
ہوا، (اور) جن کی رسوائیوں سے میرے لیے تیری سلامتی پردہ پوش رہی۔
اور یہ اس[1] شخص کا مقام ہے جو اپنے دل میں تجھ سے شرمندہ ہے۔ اور
اس (دل) سے ناراض ہے اور تجھ سے[2] راضی ہے۔ پس تیرے سامنے
حاضر ہے۔ عاجزی کرنے والے نفس اور جھکی ہوئی گردن اور گناہوں کے
بوجھ سے دبی ہوئی پشت کے ساتھ۔ اس عالم میں کہ امید و بیم[3] کے
درمیان کھڑا ہوا ہے اور تو بہترین ہستی ہے جس سے وہ امید کر سکتا ہے
اور سزاوار ترین ذات ہے جس سے وہ ڈر اور خوف رکھ سکتا ہے، پس
عطا کر مجھ کو اے میرے مالک وہ چیز جس کی میں امید کرتا ہوں۔ اور بےخوف
بنا دے مجھ کو اس چیز سے جس سے میں ڈرتا ہوں۔ اور مجھے اپنی رحمت
کے عطیہ سے نفع پہنچا دے۔ بے شک تو ان سب سے زیادہ کریم ہے
جن سے سوال کیا جاتا ہے۔ اے اللہ جب کہ تو نے اپنے فضل سے
میری پردہ[4] پوشی کی اور مجھے چھپا[5] لیا برابر والوں کی نگاہ سے اس فنا ہونے
والی دنیا میں اپنے فضل و کرم سے، تو (اسی طرح) مجھے بچا لے باقی رہنے
والے عالم (آخرت) کی رسوائیوں سے (جو وہاں) حاضر ہونے والوں کی
موجودگی میں (ہوں گی) جو مقرب فرشتوں، بزرگ پیغمبروں، شہیدوں،
اور نیکوں میں سے ہوں گے۔ اور اس پڑوسی سے (مجھے بچا لے) جس
سے میں اپنی برائیاں چھپاتا تھا اور اس رشتہ دار سے بچا لے جس سے
میں اپنے پوشیدہ کاموں میں شرماتا[6] تھا۔ اے میرے مالک! میں نے

---

[1] یعنی توبہ اور احساس گناہ کے بعد ندامت۔

[2] خدائے تعالیٰ کے بندے کے راضی ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ تیری طرف خلوص سے متوجہ ہے اور سچی نیت سے تیری عبادت و اطاعت میں سر جھکائے ہوئے ہے۔

[3] وَاقِفًا بَيْنَ الرَّغْبَةِ إِلَيْكَ وَالرَّهْبَةِ مِنْكَ کے لفظی معنی یہ ہیں کہ تیری طرف رغبت اور تجھ سے ڈرنے کے درمیان کھڑا ہوا ہے۔

[4] یعنی ارتکاب گناہ کے وقت میرا عیب اپنے بندوں میں طشت از بام نہ کیا۔

[5] یعنی میرے گناہ کو پوشیدہ رکھا۔

[6] یعنی شرم کے باعث اسے اپنی برائیوں سے مطلع نہیں ہونے دیتا تھا۔

وَ وَثِقْتُ بِكَ رَبِّ فِي الْمَغْفِرَةِ لِي وَ أَنْتَ أَوْلَى مَنْ وُثِقَ بِهِ وَ أَعْطَى مَنْ رُغِبَ إِلَيْهِ وَ أَرْأَفُ مَنِ اسْتُرْحِمَ فَارْحَمْنِي اللّٰهُمَّ وَ أَنْتَ حَدَرْتَنِي مَاءً مَهِينًا مِنْ صُلْبٍ مُتَضَائِقِ الْعِظَامِ حَرِجِ الْمَسَالِكِ إِلَى رَحِمٍ ضَيِّقَةٍ سَتَرْتَهَا بِالْحُجُبِ تُصَرِّفُنِي فِيهَا حَالًا عَنْ حَالٍ حَتَّى انْتَهَيْتَ بِي إِلَى تَمَامِ الصُّورَةِ وَ أَثْبَتَّ فِيَّ الْجَوَارِحَ كَمَا نَعَتَّ فِي كِتَابِكَ نُطْفَةً ثُمَّ عَلَقَةً ثُمَّ مُضْغَةً ثُمَّ عَظْمًا ثُمَّ كَسَوْتَ الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْتَنِي خَلْقًا آخَرَ كَمَا شِئْتَ حَتَّى إِذَا احْتَجْتُ إِلَى رِزْقِكَ وَ لَمْ أَسْتَغْنِ عَنْ غِيَاثِ فَضْلِكَ جَعَلْتَ لِي قُوتًا مِنْ فَضْلِ طَعَامٍ وَ شَرَابٍ أَجْرَيْتَهُ لِأَمَتِكَ الَّتِي أَسْكَنْتَنِي جَوْفَهَا وَ أَوْدَعْتَنِي قَرَارَ رَحِمِهَا وَ لَوْ تَكِلُنِي يَا رَبِّ فِي تِلْكَ الْحَالَاتِ إِلَى حَوْلِي أَوْ تَضْطَرُّنِي إِلَى قُوَّتِي لَكَانَ الْحَوْلُ عَنِّي مُعْتَزِلًا وَ لَكَانَتِ الْقُوَّةُ مِنِّي

ان پر اعتماد نہیں کیا اپنے (برے کاموں کے) چھپانے میں۔ اور میرے پالنے والے میں نے اپنی مغفرت ہو جانے میں تجھ پر بھروسا کیا۔ اور تو بہترین ذات ہے جس پر بھروسا کیا جائے۔ اور بہترین بخشنے والا ہے جس کی طرف (بخشش کے لیے) رغبت کی جائے اور بہترین مہربان ہے جس سے رحم کی خواہش کی جائے پس تو مجھ پر رحم کر۔ اے اللہ! اور تو نے پہنچایا[1] مجھ کو جبکہ میں (ایک) قطرۂ حقیر تھا تنگ ہڈیوں[2] والی صُلب سے جس کے راستے تنگ ہیں، تنگ بچہ دان تک جسے تو نے پردوں میں چھپایا ہے، (اور وہاں) پھیرتا رہا تو مجھ کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف یہاں تک کہ مجھے مکمل صورت (انسانی) تک پہنچا دیا اور میرے اعضاء بنائے جیسا کہ تو نے اپنی کتاب میں (ان لفظوں میں) بیان کیا ہے (کہ) نطفہ تھا پھر خون کا لختہ پھر لوتھڑا پھر ہڈیاں، اس کے بعد ہڈیوں کو تو نے گوشت کا لباس پہنایا پھر بنایا[3] تو نے مجھ کو ایک نئی مخلوق[4] جس طرح کہ تو نے چاہا، یہاں تک کہ جب میں تیری ذات کا محتاج ہوا اور نہ بے نیاز رہ سکا تیرے فضل کی فریادرسی[5] سے تو تو نے میری غذا مقرر کی بچے ہوئے کھانے اور پانی سے، جو تو نے اپنی اس کنیز[6] کو دیا تھا، جس کے شکم میں مجھے ٹھہرایا تھا، اور جس کے رحم میں مجھے امانت رکھا تھا اور اگر تو مجھ کو اے میرے پالنے والے ان حالات میں چھوڑ دیتا میری طاقت پر۔ یا مضطر (مجبور) کر دیتا مجھ کو میری قوت کی جانب تو یقیناً میری طاقت

---

[1] حَدَرْتَنِي کے لغوی معنی ہیں تو نے اتارا مجھ کو۔

[2] العظام کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

[3] یعنی شکم مادر میں جان ڈالی۔

[4] مرد یا عورت، گورا یا کالا وغیرہ۔

[5] یعنی میں نے شکم مادر کے اندر اپنی بھوک مٹانے کے لیے بے زبانی سے تیرے فضل سے لو لگا کر فریاد کی۔

[6] یعنی اس ماں کو جس کے پیٹ میں تھا۔

بَعِيدَةً فَغَذَوْتَنِي بِفَضْلِكَ غِذَاءَ الْبَرِّ اللَّطِيفِ. تَفْعَلُ ذٰلِكَ بِي تَطَوُّلًا عَلَيَّ إِلَى غَايَتِي هٰذِهِ لَا أَعْدَمُ بِرَّكَ وَلَا يُبْطِئُ بِي حُسْنُ صَنِيعِكَ وَلَا تَتَأَكَّدُ مَعَ ذٰلِكَ ثِقَتِي فَأَتَفَرَّغَ لِمَا هُوَ أَحْظَى لِي عِنْدَكَ قَدْ مَلَكَ الشَّيْطَانُ عِنَانِي فِي سُوءِ الظَّنِّ وَضَعْفِ الْيَقِينِ فَأَنَا أَشْكُو سُوءَ مُجَاوَرَتِهِ لِي وَطَاعَةَ نَفْسِي لَهُ وَأَسْتَعْصِمُكَ مِنْ مَلَكَتِهِ وَأَتَضَرَّعُ إِلَيْكَ فِي أَنْ تُسَهِّلَ إِلَى رِزْقِي سَبِيلًا فَلَكَ الْحَمْدُ عَلَى ابْتِدَائِكَ بِالنِّعَمِ الْجِسَامِ وَإِلْهَامِكَ الشُّكْرَ عَلَى الْإِحْسَانِ وَالْإِنْعَامِ فَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَسَهِّلْ عَلَيَّ رِزْقِي وَأَنْ تُقَنِّعَنِي بِتَقْدِيرِكَ لِي وَأَنْ تُرْضِيَنِي بِحِصَّتِي فِيمَا قَسَمْتَ لِي وَأَنْ تَجْعَلَ مَا ذَهَبَ مِنْ جِسْمِي

زائل ہو جاتی اور میری قوت مجھ سے رخصت[1] ہو جاتی۔ پس تو نے اپنے فضل سے مجھ کو غذا دی۔ ایسی غذا جو اچھی اور لطیف تھی۔ یہ سب (عنایت) تو مجھ پر اپنے تفضل سے کرتا رہا۔ تا اینکہ اس انتہا تک پہنچا۔ نہیں گم کیا میں نے (اب تک) تیری نیکی کو۔ اور تیرا نیک سلوک مجھ تک (پہنچنے میں) دیر نہیں لگاتا اور باوجود اس کے نہیں مستحکم[2] ہوا میرا اعتماد۔ تاکہ[3] میں اس کام کے لیے فرصت پاؤں جو تیرے نزدیک میرے لیے زیادہ مفید ہے۔ بے شک مالک بن گیا ہے شیطان بدگمانی اور یقین کی کمزوری میں میری باگ کا۔ پس میں شکایت کرتا ہوں اس کے ساتھ اپنی بری ہمسائیگی[4] کی اور اپنے نفس کے اس کا اتباع کرنے کی۔ اور تجھ سے پناہ کا طالب ہوں اس (شیطان) کے تسلط سے اور تجھ سے اس بارے میں عاجزی کے ساتھ فریاد کرتا ہوں کہ تو میری روزی کی راہ کو سہل کر دے۔ پس تو ہی ہر تعریف کا سزاوار ہے اس بات پر کہ بڑی نعمتوں[5] کے ساتھ تو نے ابتدا کی اور (پھر) احسان اور انعام[6] پر شکر ادا کرنے کا خیال دل میں ڈالا[7]۔ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھ پر میرا رزق آسان بنا دے اور مجھے قناعت عطا کر اس پر جو تو نے میرے لیے مقدر کیا ہے۔ اور میرے اس حصے پر جو تو نے میرے مقسوم میں رکھا ہے مجھے خوشنود[8] کر اور قرار دے میرے جسم اور عمر کے اس حصے کو جو گزرا، اپنی

---

۱؎ یعنی میں وہیں شکم مادر میں بے طاقت ہو کر مر جاتا۔

۲؎ یعنی ان مسلسل اور پے در پے انعامات کے بعد انسان کو یقین اور بھروسا نہیں ہوتا کہ خدائے تعالیٰ اس کا رزق، اس تک بہرحال پہنچا دے گا۔

۳؎ یعنی میں ہر وقت کسب معاش اور حصول دولت کی فکر میں پڑا رہتا ہوں جس کے باعث عبادت سے غافل ہو جاتا ہوں۔

۴؎ مُجَاوَرَتِهٖ لِي کا ترجمہ جو کہ اسی سطر میں ہے۔

۵؎ یعنی اس بات پر کہ تو نے ابتدا سے عظیم نعمتیں عطا فرمائیں۔ جیسا کہ اس سے پہلے اس کی ادنیٰ تفصیل مذکور ہوئی۔

۶؎ الانعام کا ترجمہ جو کہ اگلی سطر میں ہے۔

۷؎ یعنی جو کچھ میسر ہے اس پر خوش ہو کر قناعت کر لینے کا جذبہ پیدا کر۔

وَ عُمُرِيْ فِيْ سَبِيْلِ طَاعَتِكَ اِنَّكَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ نَارٍ تَغَلَّظْتَ بِهَا عَلٰى مَنْ عَصَاكَ وَ تَوَعَّدْتَ بِهَا مَنْ صَدَفَ عَنْ رِضَاكَ وَ مِنْ نَارٍ نُوْرُهَا ظُلْمَةٌ وَ هَيِّنُهَا اَلِيْمٌ وَ بَعِيْدُهَا قَرِيْبٌ وَ مِنْ نَارٍ يَاْكُلُ بَعْضَهَا بَعْضٌ وَ يَصُوْلُ بَعْضُهَا عَلٰى بَعْضٍ وَ مِنْ نَارٍ تَذَرُ الْعِظَامَ رَمِيْمًا وَ تَسْقِيْ اَهْلَهَا حَمِيْمًا وَ مِنْ نَارٍ لَا تُبْقِيْ عَلٰى مَنْ تَضَرَّعَ اِلَيْهَا وَ لَا تَرْحَمُ مَنِ اسْتَعْطَفَهَا وَ لَا تَقْدِرُ عَلَى التَّخْفِيْفِ عَمَّنْ خَشَعَ لَهَا وَ اسْتَسْلَمَ اِلَيْهَا تَلْقٰى سُكَّانَهَا بِاَحَرِّ مَا لَدَيْهَا مِنْ اَلِيْمِ النَّكَالِ وَ شَدِيْدِ الْوَبَالِ وَ اَعُوْذُ بِكَ

عبادت[1] کی راہ میں۔ ضرور تو بہترین روزی دینے والا ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے اس آتشِ جہنم سے پناہ مانگتا ہوں جسے تو نے بھڑکایا ہے اس بندے کے لیے جو تیری نافرمانی کرے۔ اور اس شخص کو ڈرایا ہے جو تیری رضا سے برگشتہ ہو۔ ایسی آگ سے (پناہ کا طالب ہوں) کہ جس کی چمک[2] بھی تاریک ہے اور اس کی آسان سے آسان چیز بھی دردناک ہے اور اس کا دور والا جز[3] بھی قریب ہے۔ ایسی آگ سے کہ کھا لیتا ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو اور ایک جزو دوسرے پر حملہ کرتا ہے۔ ایسی آگ سے جو چھوڑے گی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر کے اور اپنے رہنے والوں کو گرم پانی پلائے گی اور ایسی آگ سے جو نہیں رحم[4] کھائے گی اس شخص پر جو فریاد کرے گا اس کی طرف اور جو اس سے مہربانی کا خواہاں ہوگا اس پر مہربانی نہیں کرے گی اور نہ اس شخص کے تخفیف (عذاب) کرنے پر قادر ہوگی جو اس کے سامنے فروتنی کرے گا اور اس کی اطاعت کرے گا۔ ملے گی وہ (آگ) اپنے رہنے والوں سے گرم ترین[5] تکالیف اور سخت وبال کے ساتھ جو کہ اس کے پاس ہوگا

---

[1] یعنی میری عمر کے گزرے ہوئے حصے کو اپنی عبادت میں بسر ہونے والی عمروں میں درج کر۔ [2] چمک کے تاریک ہونے کی حقیقت یہ ہے کہ ایک دن جبرئیل نے آنحضرتؐ کو خبر دی کہ خدائے تعالیٰ کے حکم سے آتشِ دوزخ ایک ہزار سال تک مشتعل کی جاتی رہی جس سے اس کا رنگ سفید ہوگیا۔ پھر ایک ہزار برس تک مشتعل کی گئی تو وہ سرخ ہوگئی اور اس کے بعد پھر ایک ہزار برس مشتعل رکھی گئی تو سیاہ ہوگئی۔ اب اس کا رنگ اتنا سیاہ اور اتنا تاریک ہے کہ اس میں رہنے والوں کو سوائے تاریکی کے کچھ نظر نہیں آئے گا۔

[3] یعنی دور کے شعلوں کی آنچ بھی اتنی ہے جو بالکل پاس معلوم ہوتی ہے۔ [4] لا تبقی کے معنی بعض اہل ترجمہ نے نہیں باقی رکھے گی تحریر کیے ہیں۔ لغتِ عرب میں یہ لفظ نہیں رحم کھائے گی کے معنی میں آیا ہے جو اس جگہ موزوں ترین ہے۔ [5] اس کی ہر سزا ایسی ہوگی جس میں آگ کا عذاب بھی شامل ہوگا مثلاً سر پر گرز پڑے گا تو وہ بھی آگ کا ہوگا سانپ ڈسیں گے تو وہ بھی آگ کے ہوں گے۔ احادیث میں آیا ہے کہ جہنم کے کل سات طبقات ہیں۔ پہلے طبقے کا نام جحیم ہے جس سے گنہگاروں کا بھیجا اس طرح کھول جائے گا جس طرح دیگچی کے اندر پانی کھولنے لگتا ہے۔ دوسرا طبقہ لظیٰ ہے جس کی شدید گرمی جوڑ بند الگ کر دے گی۔ تیسرا سقر ہے جو جلا کر خاکستر کر دے گا۔ چوتھا حطمہ ہے جس سے آگ کے بڑے بڑے ٹکڑے اڑ کر جسم پر گولیوں کی طرح لگتے ہوں گے۔ پانچواں ہاویہ ہے اس طبقے والے ایسی صعوبتوں سے دوچار ہوں گے کہ تڑپ تڑپ کر مالک جہنم سے فریاد کریں گے اور پینے کے لیے پانی مانگیں گے۔ اس وقت مالک آگ کے بنے ہوئے ایک برتن میں انھیں پانی دے گا۔ یہ پانی ہی غلیظ مادہ ہوگا جو ان کے جسموں سے بہا ہے۔ جب وہ اسے پینے کے لیے اپنے منہ کے پاس لائیں گے تو اس کی حرارت سے چہرے کا گوشت گل جائے گا۔ چھٹا طبقہ سعیر ہے جس میں آگ کے تین سو پردے ہیں ہر پردے میں تین سو آگ کے مکانات، ہر مکان میں تین سو کوٹھڑیاں اور ہر کوٹھڑی میں تین سو طرح کے عذاب ہیں جن میں آگ کے بچھو، آگ کے سانپ، آگ کے طوق، آگ کی زنجیریں بھی ہیں جیسا کہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ساتواں طبقہ فلق ہے جو دراصل ایک کنواں ہے جسے بار بار کھولا جائے گا اور بند کیا جائے گا۔ جس جس وقت یہ کھلے گا اس سے آگ کے بھبکے نکلیں گے اور شعلے بلند ہوں گے اور دوزخیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیں گے۔ یہ ایسا عذاب ہوگا جو تمام تکالیف دوزخ سے زیادہ شدید ہوگا — دعائے زیرِ ترجمہ میں اَلِيْمِ النَّكَالِ اور شَدِيْدِ الْوَبَالِ سے یہی سب تکالیف مراد ہیں۔

مِنْ عَقَارِبِهَا الْفَاغِرَةِ أَفْوَاهُهَا
وَحَيَّاتِهَا الصَّالِقَةِ بِأَنْيَابِهَا وَ
شَرَابِهَا الَّذِي يُقَطِّعُ أَمْعَاءَ
وَ أَفْئِدَةَ سُكَّانِهَا وَ يَنْزِعُ قُلُوبَهُمْ
وَ أَسْتَهْدِيكَ لِمَا بَاعَدَ مِنْهَا وَ
أَخَّرَ عَنْهَا اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ
آلِهِ وَ أَجِرْنِي مِنْهَا بِفَضْلِ رَحْمَتِكَ
وَ أَقِلْنِي عَثَرَاتِي بِحُسْنِ إِقَالَتِكَ وَلَا
تَخْذُلْنِي يَا خَيْرَ الْمُجِيرِينَ إِنَّكَ تَقِي
الْكَرِيهَةَ وَ تُعْطِي الْحَسَنَةَ وَ تَفْعَلُ مَا
تُرِيدُ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اللَّهُمَّ
صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ إِذَا ذُكِرَ الْأَبْرَارُ
وَ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ مَا اخْتَلَفَ
اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ صَلَاةً لَا يَنْقَطِعُ مَدَدُهَا
وَلَا يُحْصَى عَدَدُهَا صَلَاةً تَشْحَنُ الْهَوَاءَ
وَ تَمْلَأُ الْأَرْضَ وَ السَّمَاءَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ

اور پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے اس کے بچھوؤں سے جو کھولے ہوئے ہیں اپنے
منہ[1]۔ اور اس کے سانپوں سے جو اپنے دانتوں سے[2] ڈسیں گے اور اس
آگ کے اس پانی سے جو کاٹے گا اپنے رہنے والوں کی آنتوں کو اور دل
کو اور ان کے کلیجوں کو نکال پھینکے گا[3] اور (اے اللہ) میں تجھ سے ہدایت
چاہتا ہوں اس چیز کی طرف جو دور کرے اس (آگ) سے اور ان سے
پیچھے ہٹائے (یعنی بچائے) اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی
اولاد پر اور مجھے اس آگ سے پناہ دے اپنی رحمت کے تفضل سے۔
اور اپنی اچھی درگزر کے ساتھ میری لغزشوں سے درگزر کر۔ اور مت
رسوا کر مجھ کو اے بہترین پناہ دینے والے۔ بے شک تو (ہی) مکروہات
سے بچاتا ہے اور نیکیاں عطا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔
اور تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت
نازل کر جب تک ذکر کیا جائے[4] نیک بندوں کا۔ اور محمدؐ پر اور
ان کی اولاد پر رحمت نازل کر جب تک دن اور رات آتے جاتے رہیں
ایسی رحمت جس کا طول منقطع نہ ہو اور جس کا عدد شمار میں نہ آئے۔ ایسی
رحمت جو فضا کو بھر دے[5] اور تمام زمین و آسمان میں بھر جائے۔ خدا
ان پر اتنی رحمت نازل کرے کہ وہ خوش ہو جائیں۔ اور خدا ان پر

---

[1] مراد ڈنک۔

[2] جناب رسالتمآب سے مروی ہے کہ جہنم کے ہر گھر میں ستر ہزار سانپ (اژدہے) ہیں جن کا طول اتنا ہے کہ اگر کوئی شخص ان کے ایک سرے سے چلے تو تین دن میں ان کے دوسرے سرے تک پہنچ سکے گا (ہو سکتا ہے کہ انسان جہنم کی صعوبتوں میں رک رک کر گرتا پڑتا جس رفتار سے چل سکتا ہے اس کے اعتبار سے یہ راہ اتنی مدت میں طے ہو) ان سانپوں کے دانت کھجور کے لٹھوں کی طرح لمبے مگر نوکدار ہیں۔ جب اہل جہنم اپنے گھر میں داخل ہوں گے تو یہ سانپ ان کی طرف لپکیں گے اور اپنے ہونٹوں سے پکڑ کر دانتوں کو ان کے بدن میں گاڑ دیں گے اور کھال کھینچ لیں گے۔

[3] یعنی جیسے پیتے ہی تے ہو جائے گی جس سے ان کی آنتیں اور کلیجے نکل پڑیں گے۔

[4] یعنی جب تک دنیا میں نیکوں کا وجود باقی ہے جو کہ الہٰی پیش گوئیوں کی بناء پر قیامت تک ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔

[5] یعنی اتنی کثیر رحمت ہو جو تمام فضا میں چھا جائے۔

| | |
|---|---|
| حَتّٰی یَرْضٰی وَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ بَعْدَ الرِّضَا صَلٰوۃً لَا حَدَّ لَھَا وَ لَا مُنْتَھٰی یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ؕ | اور ان کی آل پر خوش ہو جانے کے بعد بھی رحمت بھیجے۔ ایسی رحمت کہ جس کی کوئی حد نہ ہو اور نہ انتہا ہو۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! |

## وَکَانَ مِنْ دُعَآئِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی الْاِسْتِخَارَۃِ

حضرت زین العابدین خدائے تعالیٰ سے طلبِ خیر
کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

| | |
|---|---|
| اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَاقْضِ لِیْ بِالْخِیَرَۃِ وَ اَلْھِمْنَا مَعْرِفَۃَ الْاِخْتِیَارِ وَ اجْعَلْ ذٰلِکَ ذَرِیْعَۃً اِلَی الرِّضَا بِمَا قَضَیْتَ لَنَا وَ التَّسْلِیْمِ بِمَا حَکَمْتَ فَاَزِحْ عَنَّا رَیْبَ الْاِرْتِیَابِ وَ اَیِّدْنَا بِیَقِیْنِ الْمُخْلِصِیْنَ وَلَا تَسُمْنَا عَجْزَ الْمَعْرِفَۃِ عَمَّا تَخَیَّرْتَ فَنَغْمِطَ قَدْرَکَ وَ نَکْرَہَ مَوْضِعَ رِضَاکَ وَ نَجْنَحَ اِلَی الَّتِیْ ھِیَ | اے اللہ! میں تجھ سے طلبِ خیر کرتا ہوں تیرے علم سے۔ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور حکم دے مجھ کو نیکی کا۔ اور (نیک راہ کے) اختیار کرنے کا خیال میرے دل میں ڈال دے اور اس (علم) کو ذریعہ بنا دے اس حکم پر راضی رہنے کا جو تو نے ہمارے لیے جاری کیا ہے اور اس حکم پر گردن جھکا دینے کا جو تو نے دیا ہے۔ پس دور کر ہم سے شک اور وسوسہ کو۔ اور پرخلوص بندوں کے یقین سے ہماری مدد کر اور اس بات کے نہ پہچاننے کا دھبہ ہم پر نہ لگنے دے جسے تو نے ہمارے حق میں اختیار کیا ہے کہ (اس کی بھلائی کو نہ پہچان کر) ہم تیرے حکم کو سبک سمجھیں اور تیری خوشنودی کو برا خیال |

---

[۱] مطلب یہ ہے کہ جس کسی کو اتنا اجر مل جاتا ہے جس کو پاکر اجیر خوش ہو جاتا ہے تو پھر مزید اجر اسے نہیں دیا جاتا۔ لیکن حضرت محمد مصطفیٰؐ کے ساتھ یہ اصول نہ برتا جائے اور وہ جب اتراء رحمت سے خوش ہو جائیں تو اس کے بعد بھی ان پر اور ان کی اولاد پر مزید رحمت نازل ہوتی ہے۔

[۲] نیز اصطلاحی استخارہ کے موقع پر بھی اول یہ دعا پڑھتے تھے۔ اصطلاحی استخارہ سے مراد وہ مشورہ ہے جو کسی اہم کام کے موقع پر مخصوص دعا پڑھ کر قرآن پاک وغیرہ سے کیا جاتا ہے اس کی صورتیں اپنے مقام پر کتب دینیہ میں مذکور ہیں۔

[۳] یعنی اپنے لیے نیک مشورہ چاہتا ہوں کیونکہ امر معلوم کا انجام تیرے علم میں ہے۔

[۴] یعنی استخارہ میں مقررہ طریقہ پر حکم اور ممانعت کے جو طریقے مقرر ہیں ان کے ذریعہ مجھے ایسی بات کا حکم دے جو میرے حق میں بہتر ہو۔

[۵] یعنی مخلصین کا یقین ہمارے دل میں پیدا کر دے کہ ہم تیرے اس حکم کو جو استخارہ سے ماخوذ ہو بہر حال بہتری پر مبنی سمجھیں چاہے ظاہرا کوئی بہتری نظر نہ آئے۔

[۶] یعنی ہم تیرے حکم کو سن کر یا اس پر عمل کرنے کے بعد ظاہرا اپنے لیے کوئی بہتری کا پہلو نہ پا کر یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ اس حکم میں ہمارے لیے کیا بھلائی ہے اور اس طرح تیرے حکم میں شک کرنے کا ہم پر دھبا لگ جائے۔

اَبْعَدُ مِنْ حُسْنِ الْعَاقِبَةِ وَ اَقْرَبُ اِلٰی ضِدِّ الْعَافِیَةِ حَبِّبْ اِلَیْنَا مَا نَكْرَهُ مِنْ قَضَآئِكَ وَ سَهِّلْ عَلَیْنَا مَا نَسْتَصْعِبُ مِنْ حُكْمِكَ وَ اَلْهِمْنَا الْاِنْقِیَادَ لِمَا اَوْرَدْتَ عَلَیْنَا مِنْ مَشِیَّتِكَ حَتّٰی لَا نُحِبَّ تَاْخِیْرَ مَا عَجَّلْتَ وَ لَا تَعْجِیْلَ مَا اَخَّرْتَ وَ لَا نَكْرَهَ مَا اَحْبَبْتَ وَلَا نَتَخَیَّرَ مَا كَرِهْتَ وَاخْتِمْ لَنَا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْمَدُ عَاقِبَةً وَ اَكْرَمُ مَصِیْرًا اِنَّكَ تُفِیْدُ الْكَرِیْمَةَ وَ تُعْطِی الْجَسِیْمَةَ وَ تَفْعَلُ مَا تُرِیْدُ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

کر بیٹھیں اور مائل ہوں اس بات[1] کی طرف جو اچھے انجام سے دور ہو۔ اور سلامتی کے مخالف پہلو سے قریب ہو اور تیرے جس حکم کو ہم ناپسند کرتے ہیں اسے ہمارے لیے پسندیدہ[2] بنا۔ اور آسان بنا دے ہمارے لیے اپنے اس حکم کو جسے ہم دشوار سمجھتے ہیں اور جو تیری مشیت ہے۔ اس کی پابندی ہمارے دل میں ڈال دے۔ تاکہ جس بات میں تو نے جلدی کی ہے اس میں دیر کرنا ہم پسند نہ کریں اور نہ اس بات میں جلدی کرنا پسند کریں جسے تو نے موخر[3] کیا ہے۔ اور جس بات کو تو نے پسند کیا ہے اس سے ناخوش نہ ہوں اور جسے تو نے ناپسند کیا ہے اسے اختیار نہ کریں۔ اور ہمیں اس بات کے اچھے انجام تک پہنچا دے جو تیرے نزدیک اچھے نتیجے اور بہتر بازگشت پر مشتمل ہو۔ بے شک تو بڑی نعمتیں دیتا ہے اور عظیم عطیہ عنایت کرتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے اور تو ہر بات پر قادر ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِذَا ابْتُلِیَ اَوْ رَاٰی مُبْتَلًی بِفَضِیْحَةٍ بِذَنْبٍ

حضرت زین العابدین جب خود کو یا کسی کو گناہ کی رسوائی میں مبتلا دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰی سِتْرِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ وَ مُعَافَاتِكَ بَعْدَ خُبْرِكَ فَكُلُّنَا قَدِ اقْتَرَفَ الْعَآئِبَةَ فَلَمْ تَشْهَرْهُ وَ ارْتَكَبَ الْفَاحِشَةَ فَلَمْ تَفْضَحْهُ وَ تَسَتَّرَ

اے اللہ! تو ہر تعریف کا سزاوار ہے اس بات پر کہ (گناہ کو) جاننے کے بعد پردہ پوشی کرتا ہے اور عافیت دیتا ہے باوجود آگاہی کے۔ پس ہم سب نے عیب[4] کے کام کیے۔ مگر تو نے انھیں مشہور نہ کیا اور مرتکب ہوئے برُے کام کے۔ مگر تو نے اسے نیزے[5] پر نہ چڑھایا اور برُائیوں کو

---

[1] یعنی تیرے حکم کے مخالف پہلو کی طرف مائل ہوں۔ [2] یعنی ہم اسے پسند کرنے لگیں۔ [3] اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان اپنے معاملات میں کسی کام کو پہلے انجام دینے میں اپنی بھلائی سمجھتا ہے اور دوسرے کام کو بعد کے لیے اٹھا رکھنا چاہتا ہے مگر درحقیقت اس کی بہتری اس کے برعکس عمل کرنے میں ہوتی ہے جیسا کہ تجربات روزمرہ سے یہ بات تجربہ میں آتی رہتی ہے۔ ایسے موقع پر اگر استخارہ کیا جائے اور اس میں اپنی خواہش کے خلاف حکم نکلے تو اے معبود! اس وقت ہمیں ایسا یقین عطا کر جیسا کہ دعا میں مذکور ہے۔

[4] معیوب باتیں اور گناہ۔

[5] یعنی شہرت دے کر رسوا نہ کیا۔

بِالْمَسَاوِیْ فَلَمْ تَدُلَّ عَلَیْهِ كَمْ نَهْیٍ لَكَ قَدْ اَتَیْنَاهُ وَ اَمْرٍ قَدْ وَقَفْتَنَا عَلَیْهِ فَتَعَدَّیْنَاهُ وَ سَیِّئَةٍ اكْتَسَبْنَاهَا وَ خَطِیْئَةٍ ارْتَكَبْنَاهَا كُنْتَ الْمُطَّلِعَ عَلَیْهَا دُوْنَ النَّاظِرِیْنَ وَ الْقَادِرَ عَلٰی اِعْلَانِهَا فَوْقَ الْقَادِرِیْنَ كَانَتْ عَافِیَتُكَ لَنَا حِجَابًا دُوْنَ اَبْصَارِهِمْ وَ رَدْمًا دُوْنَ اَسْمَاعِهِمْ فَاجْعَلْ مَا سَتَرْتَ مِنَ الْعَوْرَةِ وَ اَخْفَیْتَ مِنَ الدَّخِیْلَةِ وَاعِظًا لَنَا وَ زَاجِرًا عَنْ سُوْٓءِ الْخُلْقِ وَ اقْتِرَافِ الْخَطِیْئَةِ وَ سَعْیًا اِلَی التَّوْبَةِ الْمَاحِیَةِ وَ الطَّرِیْقِ الْمَحْمُوْدَةِ وَ قَرِّبِ الْوَقْتَ فِیْهِ وَ لَا تَسِمْنَا الْغَفْلَةَ عَنْكَ اِنَّا اِلَیْكَ رَاغِبُوْنَ وَ مِنَ الذُّنُوْبِ تَائِبُوْنَ وَ صَلِّ عَلٰی خِیَرَتِكَ اللّٰهُمَّ مِنْ خَلْقِكَ مُحَمَّدٍ وَ عِتْرَتِهِ الصَّفْوَةِ مِنْ بَرِیَّتِكَ الطَّاهِرِیْنَ وَ اجْعَلْنَا لَهُمْ سَامِعِیْنَ وَ مُطِیْعِیْنَ كَمَا اَمَرْتَ ۝

ہم نے اوڑھنا بچھونا بنا لیا پس نہ راہ دکھائی تو نے (لوگوں کو ہماری) ان برائیوں پر[1] تیری کتنی ہی ممانعتیں ہیں جنھیں ہم نے کر لیا اور (کتنے ہی) تیرے احکام ہیں کہ تو نے ہم کو ان سے باخبر کیا مگر ہم نے انھیں نظر انداز کر دیا۔ اور (کتنی ہی) برائیاں ہیں جن کے ہم مرتکب ہوئے اور (کتنی ہی) خطائیں ہیں جو ہم نے کیں۔ تو ہی ان سے واقف تھا، نہ کہ (دوسرے) آنکھوں والے اور (تو) ان کے اعلان پر قدرت رکھتا تھا نہ کہ دوسرے قدرت و قوّت رکھنے والے۔ تیری[2] سلامتی اُن[3] کی آنکھوں کے سامنے ہمارا پردہ بنی ہوئی تھی اور ان کے کانوں کے قریب روک بن گئی تھی۔ پس بنا دے (ہمارے) اس عیب کو جو تو نے چھپایا، اور (ہماری) اس خرابی باطن کو جو تو نے مخفی رکھی، ہمارے لیے نصیحت اور منع کرنے والا بد خلقی اور ارتکاب گناہ سے، اور چلنے کا ذریعہ گناہوں کو مٹانے والی توبہ کی طرف اور پسندیدہ راہ کی طرف اور اس (توبہ کی تکمیل) کے وقت کو قریب لے آ اور تیری جانب سے غفلت برتنے کا دھبّا[4] ہم پر نہ آنے دے۔ بے شک ہم تیری طرف راغب ہیں اور گناہوں[5] سے توبہ کر رہے ہیں۔ اور رحمت نازل کر تو اے اللہ! اپنی خلق میں سے اپنے منتخب[6] کیے ہوئے (بندے) محمدؐ پر اور ان کی عترت پر جو تیری مخلوق سے برگزیدہ (اور) پاک ہیں اور ہمیں ان (کی بات کا) سننے والا اور پیروی کرنے والا بنا جیسا کہ تو نے حکم دیا ہے[7]۔

---

[1] یعنی لوگ ان برائیوں سے آگاہ نہ ہوئے۔

[2] یعنی جو سلامتی تو نے ہمیں باوصف گناہ اپنی پردہ پوشی کے تحت عطا فرمائی تھی۔

[3] یعنی عوام الناس کی۔

[4] لَا تَسِمْنَا ہم پر دھبّا نہ لگا۔ دھبّا لگانے کا انتساب خدائے تعالیٰ کی طرف درست نہیں۔ مراد یہ ہے کہ ایسا موقع نہ آنے دے کہ ہم پر دھبّا لگ جائے۔

[5] الذنوب کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

[6] خِیَرَتِكَ کا ترجمہ جو اوپر مذکور ہوا۔

[7] یعنی ان کے اتباع کا حکم دیا ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الرِّضَا بِقَضَاءِ اللّٰهِ اِذَا نَظَرَ اِلٰى اَصْحَابِ الدُّنْيَا

حضرت زین العابدین جب دنیا دار لوگوں کو دیکھتے تو قضائے الٰہی پر راضی رہنے کے متعلق یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رِضًا بِحُكْمِ اللّٰهِ شَهِدْتُ اَنَّ اللّٰهَ قَسَمَ مَعَايِشَ عِبَادِهٖ بِالْعَدْلِ وَ اَخَذَ عَلٰى جَمِيْعِ خَلْقِهٖ بِالْفَضْلِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَلَا تَفْتِنِّيْ بِمَا اَعْطَيْتَهُمْ وَلَا تَفْتِنْهُمْ بِمَا مَنَعْتَنِيْ فَاَحْسُدَ خَلْقَكَ وَ اَغْمِطَ حُكْمَكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ طَيِّبْ بِقَضَآئِكَ نَفْسِيْ وَ وَسِّعْ بِمَوَاقِعِ حُكْمِكَ صَدْرِيْ وَ هَبْ لِيَ الثِّقَةَ لِاُقِرَّ مَعَهَا بِاَنَّ قَضَآءَكَ

خدائے تعالیٰ (ہماری) تمام تعریفوں کا سزاوار ہے (اس بات پر) کہ ہم اس کے حکم پر راضی[1] اور خوشنود ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے اسبابِ معیشت[2] انصاف کے ساتھ تقسیم کیے ہیں۔ اور (اس کے بعد) گرفت کی ہے اپنی تمام مخلوق کی فضل وکرم کے ساتھ۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھ کو فتنہ میں نہ پڑنے[3] دے اس چیز کے ذریعہ جو تو نے ان کو (یعنی دوسروں کو) عطا کی ہے اور ان کو فتنہ میں نہ پڑنے دے اس متاع[4] کے ذریعہ جو تو نے مجھے دیا ہے، کہ میں[5] تیرے بندوں پر حسد کروں اور تیرے حکم کو سبک سمجھوں۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور خوش کر[6] دے اپنے حکم پر میرے نفس کو اور اپنے حکم کے موقعوں پر میرے سینے[7] کو کشادہ کر دے اور مجھے ایسا اعتماد عطا فرما دے جس کے

---

[1] یعنی ہم اس وجہ سے اسے مستحق تعریف سمجھتے ہیں کہ اس نے ہم میں یہ جذبہ پیدا کیا کہ ہم اس کے حکم پر ہر حال میں راضی ہیں چاہے اچھا ہو یا بُرا۔

[2] روزی کمانے کے وسائل۔

[3] یعنی حسد میں مبتلا ہونے دے۔

[4] مطبوعہ نسخوں میں اس مقام پر منعتنی لکھا ہے اور مترجم نے بھی اسی کا ترجمہ کیا ہے۔ ترجمہ کے پورے الفاظ یہ ہیں — "مجھ کو مفتون نہ کر اس نعمت پر جو تو نے ان کو دی ہے اور نہ ان کو مفتون کر اس نعمت پر جو مجھے نہیں دی ہے" سیاق وسباق اس کا مقتضی ہے کہ جب پہلا جملہ یہ ہے کہ "مجھے مفتون نہ کر اس نعمت پر جو ان کو دی ہے"۔ تو دوسرا جملہ یہ ہونا چاہیئے کہ "ان کو مفتون نہ کر اس نعمت پر جو مجھے دی ہے"۔ ہمارے نزدیک کاتب متن صحیفہ نے غلطی کی ہے جس کے باعث مترجم سے بھی تسامح ہوا ہے۔ دراصل یہ لفظ منعتنی نہیں بلکہ متّعتنی ہے جس کے وہی معنی ہوتے ہیں جن کا سیاق وسباق مقتضی ہے۔

[5] یعنی تاکہ میں تیرے بندوں پر حسد نہ کروں۔

[6] یعنی میرے نفس میں اتنی خوشی رضا پیدا کر دے کہ وہ تیرے ہر حکم پر خوش اور رضامند رہے۔

لَمْ يَجْرِ إِلَّا بِالْخِيَرَةِ وَاجْعَلْ شُكْرِي لَكَ عَلَى مَا زَوَيْتَ عَنِّي أَوْفَرَ مِنْ شُكْرِي إِيَّاكَ عَلَى مَا خَوَّلْتَنِي وَاعْصِمْنِي مِنْ أَنْ أَظُنَّ بِذِي عُدْمٍ خَسَاسَةً أَوْ أَظُنَّ بِصَاحِبِ ثَرْوَةٍ فَضْلًا فَإِنَّ الشَّرِيفَ مَنْ شَرَّفَتْهُ طَاعَتُكَ وَ الْعَزِيزَ مَنْ أَعَزَّتْهُ عِبَادَتُكَ فَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَمَتِّعْنَا بِثَرْوَةٍ لَا تَنْفَدُ وَ أَيِّدْنَا بِعِزٍّ لَا يُفْقَدُ وَ اسْرَحْنَا فِي مُلْكِ الْأَبَدِ إِنَّكَ الْوَاحِدُ الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ

سبب میں یہ اقرار کروں کہ تیرا حکم (میری) بھلائی ہی کے ساتھ جاری ہُوا ہے اور شکر گزار بنا مجھ کو اپنا اس (نعمت) پر جو تو نے مجھ سے رو ک لی ہے، اس نعمت پر میرے شکر گزار ہونے سے بھی زیادہ، جو تو نے مجھے دی ہے۔ اور مجھے اس بات سے بچا کہ میں کسی مفلس و محتاج کو پست سمجھوں یا دولتمند کو بڑا خیال کروں اس لیے کہ شریف تو وہی ہے جسے شرف عطا کیا تیری فرمانبرداری نے۔ اور صاحب عزّت وہ ہے جسے تیری عبادت نے معزز کیا پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھے ایسی دولت سے بہرہ مند کر جو ختم نہ ہو۔ اور اس عزّت سے ہماری مدد کر جو کم نہ ہو۔ اور چراگاہ بنا دے ہماری ملکِ ابد[1] میں۔ بے شک تو یکتا، یگانہ اور بے نیاز ہے۔ تیرا نہ کوئی فرزند ہے اور نہ خود تو کسی کا فرزند ہے اور نہ اس کا (یعنی تیرا) کوئی مثل و نظیر ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا نَظَرَ إِلَى السَّحَابِ وَالْبَرْقِ وَسَمِعَ صَوْتَ الرَّعْدِ

حضرت زین العابدین جب بادل اور بجلی کو دیکھتے تھے اور گرج کی آواز سُنتے تھے تو یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَيْنِ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِكَ وَ هٰذَيْنِ عَوْنَانِ مِنْ أَعْوَانِكَ يَبْتَدِرَانِ طَاعَتَكَ بِرَحْمَةٍ نَافِعَةٍ أَوْ نَقِمَةٍ ضَارَّةٍ فَلَا تُمْطِرْنَا بِهِمَا

اے اللہ! یہ دونوں (بادلوں میں یکایک بجلی کا کوندنا اور پھر گرج کی آواز پیدا ہونا) تیری نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں اور دو مددگار[2] ہیں تیرے پیدا کیے ہوئے مددگاروں میں سے۔ جو تیزی سے بڑھ رہے ہیں تیرا حکم بجالانے کے لیے ایسی رحمت کو لے کر جو نفع[3]

---

[1] یعنی ہم ہر وقت بعد الموت کی ابدی زندگی کے سبزہ زار کی ہوا کھاتے رہیں اور اسی کے خیال میں محو رہیں۔

[2] یعنی تو نے انسان کے اسباب معیشت مہیا کرنے کے سلسلے میں جو مددگار پیدا کیے ہیں انھیں میں سے یہ دونوں بھی ہیں۔ یا یہ کہ جو نشانیاں تیری معرفت میں انسان کی مددگار ہوتی ہیں یہ دونوں بھی ان میں شامل ہیں۔ یا یہ کہ تیرا خوف دلانے اور انسان کو غفلت سے چونکا کر تیری طرف متوجہ کرنے میں جو چیزیں ممد و معاون ہوتی ہیں، ان دونوں کا بھی ان میں شمار ہے۔

[3] یعنی اگر اعتدال کے ساتھ بقدر ضرورت بارش ہوئی تو کھیتی کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔

مَطَرَ السَّوْءِ وَ لَا تُلْبِسْنَا بِهِمَا لِبَاسَ
الْبَلَاءِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ
وَ اَنْزِلْ عَلَيْنَا نَفْعَ هٰذِهِ السَّحَائِبِ وَ
بَرَكَتَهَا وَ اصْرِفْ عَنَّا اَذَاهَا وَ
مَضَرَّتَهَا وَ لَا تُصِبْنَا فِيْهَا بِاٰفَةٍ وَ
لَا تُرْسِلْ عَلٰى مَعَايِشِنَا عَاهَةً اَللّٰهُمَّ
وَ اِنْ كُنْتَ بَعَثْتَهَا نِقْمَةً وَ اَرْسَلْتَهَا
سَخْطَةً فَاِنَّا نَسْتَجِيْرُكَ مِنْ غَضَبِكَ
وَ نَبْتَهِلُ اِلَيْكَ فِيْ سُؤَالِ عَفْوِكَ فَمِلْ
بِالْغَضَبِ اِلَى الْمُشْرِكِيْنَ وَ اَدِرْ رَحٰى نَقِمَتِكَ
عَلَى الْمُلْحِدِيْنَ اَللّٰهُمَّ اَذْهِبْ مَحْلَ
بِلَادِنَا بِسُقْيَاكَ وَ اَخْرِجْ وَحَرَ
صُدُوْرِنَا بِرِزْقِكَ وَ لَا تَشْغَلْنَا عَنْكَ
بِغَيْرِكَ وَ لَا تَقْطَعْ عَنْ كَافَّتِنَا مَادَّةَ
بِرِّكَ فَاِنَّ الْغَنِيَّ مَنْ اَغْنَيْتَ وَ اِنَّ السَّالِمَ
مَنْ وَقَيْتَ مَا عِنْدَ اَحَدٍ دُوْنَكَ دِفَاعٌ
وَ لَا بِاَحَدٍ عَنْ سَطْوَتِكَ امْتِنَاعٌ تَحْكُمُ
بِمَا شِئْتَ عَلٰى مَنْ شِئْتَ وَ تَقْضِيْ
بِمَا اَرَدْتَ فِيْمَنْ اَرَدْتَ فَلَكَ الْحَمْدُ
عَلٰى مَا وَقَيْتَنَا مِنَ الْبَلَاءِ وَ لَكَ الشُّكْرُ

دے گی یا ایسی عقوبت کے ساتھ جو ضرر[1] پہنچائے گی پس نہ برسانا ہمارے
لیے ان دونوں سے بُری (مضر) بارش۔ اور نہ پہنا دینا ہمیں ان
دونوں کے ذریعہ مصیبت کا لباس۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر
اور ان کی اولاد پر۔ اور نازل کر تا ہم پر اس بادل کا نفع اور اس کی
برکت اور پھیر دینا ہماری جانب سے اس کے آزار اور نقصان کو۔
اور نہ پہنچا دینا ہم کو اس میں کسی آفت تک۔ اور نہ بھیجنا ہمارے اسباب
معیشت پر کوئی خلل[2]۔ اے اللہ اور اگر تو نے اس ابر کو اٹھایا ہے،
بطور عذاب اور بھیجا ہے غضب ناک ہو کر، تو ہم تجھ سے ہی تیرے
غضب سے پناہ مانگتے ہیں اور رو رو کر مانگتے ہیں تجھی سے تیری معافی۔
پس اس غیظ و غضب کو مشرکوں کی طرف پھیر دے اور چلا دے اپنے
انتقام کی چکی منکروں پر۔ اے اللہ! ہماری بستیوں کا قحط دور کر
دے اپنی بارش کے ذریعہ۔ اور ہمارے دلوں کا تکدر[3] اپنی روزی کے
ذریعہ نکال دے۔ اور نہ مشغول کر ہم کو بجائے اپنے اور کی طرف۔ اور
ہم سب سے اپنے احسان کے مادہ کو منقطع نہ کر۔ پس بے شک مالدار تو
وہی ہے جسے تو غنی کر دے۔ اور یقیناً صحیح سلامت وہی ہے جسے
تو بچائے نہیں ہے تیرے علاوہ کسی کے پاس دفعیہ۔ اور نہ کسی کے
پاس تیرے غصے[4] سے بچنے کی طاقت ہے۔ تو حکم کرتا ہے، جو کچھ
چاہتا ہے، (اور) جس پر چاہتا ہے۔ اور جاری کر دیتا ہے جو
کچھ ارادہ کرتا ہے۔ اور جس شخص کی بابت کرتا ہے۔ پس تو سزاوار حمد
ہے اس بات پر کہ تو نے ہمیں بلا سے بچایا۔ اور تیرے ہی لیے شکر ہے

---

[1] اگر خلاف موسم بارش ہوئی یا اتنی زیادہ ہوئی کہ طوفان آگیا تو اس سے انسانوں کو ضرر پہنچے گا۔

[2] یعنی ایسا نہ ہو کہ اس بارش سے فصل ماری جائے اور ہمارے اسباب معیشت میں کمی آئے۔

[3] وحر کے لغوی معنی غصہ اور کینہ کے ہیں مجازاً تکدر مراد ہے۔

[4] ایک مترجم نے "سطوت" کے معنی حملے کے لکھے ہیں اور جملے کا مطلب یہ لکھا ہے کہ "نہ کسی کے پاس تیرے حملے سے بچنے کی طاقت ہے"۔ ہمارے خیال سے یہ معنی تسامح پر مبنی ہیں اور "حملہ" سے جو مفہوم ہمارے روز مرہ میں متبادر ہوتا ہے اس کا انتساب خدائے تعالیٰ کی جانب سوءِ ادب ہے۔

عَلٰی مَا خَوَّلْتَنَا مِنَ النَّعْمَآءِ حَمْدًا يُّخَلِّفُ حَمْدَ الْحَامِدِيْنَ وَرَآءَهٗ حَمْدًا يَّمْلَأُ اَرْضَهٗ وَ سَمَآءَهٗ اِنَّكَ الْمَنَّانُ بِجَسِيْمِ الْمِنَنِ الْوَهَّابُ لِعَظِيْمِ النِّعَمِ الْقَابِلُ يَسِيْرَ الْحَمْدِ الشَّاكِرُ قَلِيْلَ الشُّكْرِ الْمُحْسِنُ الْمُجْمِلُ ذُوا الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ[۵]

ان نعمتوں کا جو تو نے ہمیں دی ہیں۔ ایسی حمد جو تمام حمد کرنے والوں کی حمد کو اپنے پیچھے ڈال دے۔ ایسی حمد جو بھر جائے اسؔ کی زمین میں اور اس کے آسمان میں۔ بے شک تو بڑا احسان کرنے والا ہے عظیم احسانات کے ساتھ۔ اور بڑی نعمتوں کا بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے۔ تھوڑی سی حمد کو قبول کرنے والا ہے۔ کم شکر کی جزا دینےؔ والا ہے۔ احسان کرنے والا ہے۔ نیکی کرنے والا ہے۔ صاحب جود و کرم ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے۔ تیری ہی طرف بازگشت ہوگی۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِذَا اعْتَرَفَ بِالتَّقْصِيْرِ عَنْ تَأْدِيَةِ الشُّكْرِ

حضرت زین العابدین جس وقت ادائے شکر میں کمی کا اعتراف کرتے تھے تو اس وقت یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّ اَحَدًا لَا يَبْلُغُ مِنْ شُكْرِكَ غَايَةً اِلَّا حَصَلَ عَلَيْهِ مِنْ اِحْسَانِكَ مَا يُلْزِمُهٗ شُكْرًا وَلَا يَبْلُغُ مَبْلَغًا مِنْ طَاعَتِكَ وَاِنِ اجْتَهَدَ اِلَّا كَانَ مُقَصِّرًا دُوْنَ اسْتِحْقَاقِكَ بِفَضْلِكَ فَاَشْكَرُ عِبَادِكَ عَاجِزٌ عَنْ شُكْرِكَ وَاَعْبَدُهُمْ مُقَصِّرٌ عَنْ طَاعَتِكَ لَا يَجِبُ لِاَحَدٍ اَنْ تَغْفِرَ لَهٗ بِاسْتِحْقَاقِهٖ وَلَا اَنْ تَرْضٰى عَنْهُ بِاسْتِيْجَابِهٖ فَمَنْ غَفَرْتَ لَهٗ

اے اللہ! بے شک نہیں پہنچ پاتاؔ کوئی بھی تیرا شکر بجالانے کی کسی حد تک۔ مگر یہ کہ پہنچ جاتی ہے اس پر (یعنی اس کے پاس، تیرے تازہ) احسان کی وہ بات جس پر دینا شکر لازم ہو جاتا ہے اور نہیں پہنچتا تیری فرمانبرداری کی کسی حد پر، چاہے (کتنی ہی) کوشش کر لے، مگر قاصر رہ جاتا ہے تیرے استحقاق کے نزدیک جو (تجھے) اپنے فضل کی وجہ سے حاصل ہے۔ پس تیرے بندوں میں سب سے زیادہ شکر کرنے والا (بھی) عاجز ہے تیرے شکر سے۔ اور ان میں سب سے زیادہ عبادت کرنے والا بھی قاصر ہے تیری عبادت سے۔ کسی کے لیے بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ تو اس کو اس کے استحقاق کی بنا پر بخشے۔

---

[۱] اس کی ضمیر خدا کے لیے لائی گئی ہے۔

[۲] الشاکر کے لغوی معنی شکر کرنے والے کے ہیں لیکن اصول بلاغت کی رو سے قلیل الشکر کے ساتھ مذکور ہونے کی بنا پر اس کے معنی جزائے شکر دینے والا، کے ہو گئے جیسے مکروا و مکر اللّٰہ یعنی انھوں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے مکر کا بدلہ دیا۔

[۳] چاہے ملک ہو یا انسان۔ نبی ہو یا ولی۔

[۴] یعنی تیری نعمتیں پے در پے اور مسلسل ہمہ اوقات نازل ہوتی رہتی ہیں۔

فَبِطَوْلِكَ وَ مَنْ رَضِيْتَ عَنْهُ
فَبِفَضْلِكَ تَشْكُرُ يَسِيْرَ مَا
تُشْكَرُ بِهٖ وَ تُثِيْبُ عَلٰى قَلِيْلِ مَا
تُطَاعُ فِيْهِ حَتّٰى كَاَنَّ شُكْرَ
عِبَادِكَ الَّذِىْ اَوْجَبْتَ عَلَيْهِ ثَوَابَهُمْ
وَ اَعْظَمْتَ عَنْهُ جَزَآءَهُمْ اَمْرٌ
مَلَكُوا اسْتِطَاعَةَ الْاِمْتِنَاعِ مِنْهُ
دُوْنَكَ فَكَافَيْتَهُمْ اَوْلَمْ يَكُنْ
سَبَبُهٗ بِيَدِكَ فَجَازَيْتَهُمْ بَلْ مَلَكْتَ
يَآ اِلٰهِىْ اَمْرَهُمْ قَبْلَ اَنْ يَمْلِكُوْا
عِبَادَتَكَ وَ اَعْدَدْتَ ثَوَابَهُمْ قَبْلَ
اَنْ يُفِيْضُوْا فِىْ طَاعَتِكَ وَ ذٰلِكَ اَنَّ
سُنَّتَكَ الْاِفْضَالُ وَ عَادَتَكَ الْاِحْسَانُ
وَ سَبِيْلَكَ الْعَفْوُ فَكُلُّ الْبَرِيَّةِ مُعْتَرِفَةٌ

اور نہ یہ کہ تو اس سے اس کے حقدار ہونے کی بناء پر راضی ہو پس جس[1]
کو تو بخش دے تو یہ تیری عطا کی وجہ سے ہے اور جس سے تو راضی ہو تو
وہ تیرے فضل کی بناء پر ہے۔ تو قبول کر لیتا ہے تھوڑی اس بات کو
جس سے تیرا شکر کیا جائے اور ثواب دے دیتا ہے ادنیٰ اس چیز پر
جس میں تیری اطاعت کی جائے۔ یہاں[2] تک کہ گویا[3] تیرے بندوں کا
وہ شکر جس پر تو نے ان کو ثواب دینا لازم کیا ہے اور اس شکر سے
زیادہ ان کو جزا دے دی ہے ایک ایسا عمل ہے کہ وہ تیرے نزدیک
اس سے باز رہنے کی طاقت رکھتے تھے، پس[4] تو نے انھیں جزا دے
دی یا نہ تھا اس کا ذریعہ[5] تیرے ہاتھ میں اس لیے تو نے انھیں جزا دے
دی بلکہ مالک تھا تو اے میرے معبود ان کے (اس) عمل[6] کا، قبل اس کے
کہ وہ تیری عبادت کے مالک ہوں اور تیار کر دیا تھا تو نے ان کا ثواب[7]
قبل اس کے کہ شروع کریں وہ تیری عبادت کو۔ اور یہ اس لیے ہوا کہ
تیری سیرت فضل کرنا اور تیری عادت احسان کرنا، اور تیرا مسلک
معاف کر دینا ہے۔ پس تمام مخلوق اس بات کی معترف ہے کہ بے شک

[1] لہٗ، کا ترجمہ جو پچھلی سطر میں ہے۔

[2] یعنی جزائے خیر دینے میں تیری بخشش یہاں تک فیاض ہے۔

[3] شکو کا ترجمہ جو دو سطر پہلے ہے۔

[4] یعنی ان کا شکر کوئی اہمیت اور عظمت نہیں رکھتا کیونکہ وہ تیری نعمت کے مقابل بہت کم ہیں مگر چونکہ وہ اس شکر سے باز رہنے کی طاقت رکھتے تھے
مگر باز نہ رہے اور بجا لائے اس لیے تو نے ان کی نیک نیتی پر انھیں جزا دے دی۔

[5] یعنی زبان جس سے بندوں نے شکر ادا کیا انھیں کے قبضے میں تھی اور وہ فاعل مختار تھے اس لیے ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی زبان کو شکر کے لیے حرکت نہ دیتے۔
مگر چونکہ انھوں نے ایسا نہیں کیا اور اپنی زبان کو تیرے شکر میں حرکت دی اس لیے تو نے انھیں جزا دے دی۔

[6] کیونکہ انسان کے فاعل مختار ہونے کے باوجود خدائے تعالیٰ تمام کائنات کی ہر فعل و حرکت پر قادر و قابض ہے اس لیے انسان کا ہر عمل بھی اس کے اختیار
میں ہے۔ اگر چاہے تو اسے مجبور کر کے روک دے۔ مگر وہ ایسا نہیں کرتا اور فاعل مختار کے اختیار میں کوئی مداخلت نہیں کرتا۔

[7] یعنی یہ بات علم باری تعالیٰ میں تھی کہ وہ ایسا عمل کرنے والے ہیں اور اس کا اس قدر ثواب انھیں دینا ہے۔ اس بناء پر عمل ابھی وجود پذیر بھی نہیں ہوا مگر
اس کا ثواب علم باری تعالیٰ میں موجود و محفوظ تھا۔

بِأَنَّكَ غَيْرُ ظَالِمٍ لِمَنْ عَاقَبْتَ وَ
شَاهِدَةٌ بِأَنَّكَ مُتَفَضِّلٌ عَلَى مَنْ
عَافَيْتَ وَ كُلٌّ مُقِرٌّ عَلَى نَفْسِهِ
بِالتَّقْصِيرِ عَمَّا اسْتَوْجَبْتَ فَلَوْ لَا
أَنَّ الشَّيْطَانَ يَخْتَدِعُهُمْ عَنْ طَاعَتِكَ
مَا عَصَاكَ عَاصٍ وَ لَوْ لَا أَنَّهُ
صَوَّرَ لَهُمُ الْبَاطِلَ فِي مِثَالِ الْحَقِّ
مَا ضَلَّ عَنْ طَرِيقِكَ ضَالٌّ فَسُبْحَانَكَ
مَا أَبْيَنَ كَرَمَكَ فِي مُعَامَلَةِ مَنْ
أَطَاعَكَ أَوْ عَصَاكَ تَشْكُرُ لِلْمُطِيعِ مَا
أَنْتَ تَوَلَّيْتَهُ لَهُ وَ تُمْلِي لِلْعَاصِي
فِيمَا تَمْلِكُ مُعَاجَلَتَهُ فِيهِ أَعْطَيْتَ
كُلًّا مِنْهُمَا مَا لَمْ يَجِبْ لَهُ وَ تَفَضَّلْتَ
عَلَى كُلٍّ مِنْهُمَا بِمَا يَقْصُرُ عَمَلُهُ
عَنْهُ وَ لَوْ كَافَأْتَ الْمُطِيعَ عَلَى مَا أَنْتَ
تَوَلَّيْتَهُ لَأَوْشَكَ أَنْ يَفْقِدَ ثَوَابَكَ
وَ أَنْ تَزُولَ عَنْهُ نِعْمَتُكَ وَ لَكِنَّكَ
بِكَرَمِكَ جَازَيْتَهُ عَلَى الْمُدَّةِ الْقَصِيرَةِ
الْفَانِيَةِ بِالْمُدَّةِ الطَّوِيلَةِ الْخَالِدَةِ وَ عَلَى

تو ظلم نہیں کرتا اس شخص پر جسے تو مبتلائے عذاب کرتا ہے۔ اور اس
بات کی (وہ مخلوق) گواہ ہے کہ تو جسے سلامتی دیتا ہے اس پر تفضل[1] کرتا
ہے اور ہر شخص بجائے خود اس (عبادت اور فرمانبرداری) سے جس کا تو
سزاوار ہے کوتاہ رہنے کا معترف ہے پس اگر نہ ہوتی یہ بات کہ شیطان
انھیں تیری فرمانبرداری سے فریب دیتا ہے تو کوئی گنہگار تیری نافرمانی نہ
کرتا اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ وہ (شیطان) باطل کی تصویر حق کی شکل میں
کھینچ دیتا ہے تو نہ گمراہ ہوتا تیرے راستے سے کوئی بھٹکنے والا۔ پس پاک[2] ہے
تو کس قدر روشن ہے تیرا کرم اس شخص کے معاملے میں جو تیری
اطاعت کرے یا نافرمانی کرے۔ جزا[3] دیتا ہے تو فرمانبردار (بندے) کو
اس بات کی جس میں خود تو نے اس کی سرپرستی کی[4] ہے اور مہلت دیتا
ہے تو گنہگار کو اس بات[5] میں کہ جس میں تجھے جلدی کرنے کا اختیار حاصل
ہے۔ عطا کیا ہے تو نے ہر ایک کو ان دونوں (مطیع اور عاصی) میں سے
وہ (صلہ) جس کے وہ سزاوار نہ تھے اور ان میں سے ہر ایک پر اس قدر
تفضل کیا ہے کہ کوتاہ ہے جس سے اس کا کردار۔ اور اگر بدلہ دیتا تو
فرمانبردار بندے کو اس اعتبار سے کہ تو نے (عمل خیر میں) اس کی سرپرستی
فرمائی تو قریب تھا کہ وہ تیرا ثواب نہ پاتا۔ اور اس سے تیری نعمت دور
ہو جاتی۔ اور لیکن تو نے اپنے کرم سے اسے کم (اور) فنا ہونے والی
مدت کے صلے میں، ایسی مدت عطا فرمائی جو کہ طویل اور ہمیشہ رہنے والی
ہے اور نہ زائل ہونے والی قریب کی انتہا کے (صلے میں) ایسی انتہا (دی)

---

[1] یعنی استحقاق کے بغیر اور استحقاق سے زیادہ مہربانی کرتا ہے۔

[2] یعنی تمام عیوب ونقائص سے بالاتر ہے۔

[3] تشکر کا ترجمہ کیونکہ خدائے تعالیٰ کی جانب سے بندے کے عمل صالح کا شکریہ یہی ہے کہ وہ اسے جزائے خیر دے۔

[4] کیونکہ عمل صالح بجا لانے کے وقت توفیق الٰہی شامل حال تھی۔

[5] گناہ کے بعد توبہ کا موقع دیتا ہے۔

الْغَايَةِ الْقَرِيبَةِ الزَّائِلَةِ بِالْغَايَةِ
الْمَدِيدَةِ الْبَاقِيَةِ ثُمَّ لَمْ تَسُمْهُ الْقِصَاصَ
فِيمَا أَكَلَ مِنْ رِزْقِكَ الَّذِي يَقْوَى بِهِ
عَلَى طَاعَتِكَ وَلَمْ تَحْمِلْهُ عَلَى الْمُنَاقَشَاتِ
فِي الْآلَاتِ الَّتِي تَسَبَّبَ بِاسْتِعْمَالِهَا إِلَى
مَغْفِرَتِكَ وَلَوْ فَعَلْتَ ذٰلِكَ بِهِ لَذَهَبَ
بِجَمِيعِ مَا كَدَحَ لَهُ وَجُمْلَةِ مَا سَعَى فِيهِ
جَزَاءً لِلصُّغْرَى مِنْ أَيَادِيكَ وَمِنَنِكَ وَ
لَبَقِيَ رَهِينًا بَيْنَ يَدَيْكَ بِسَائِرِ نِعَمِكَ
فَمَتَى كَانَ يَسْتَحِقُّ شَيْئًا مِنْ ثَوَابِكَ
لَا مَتَى هٰذَا يَا إِلٰهِي حَالُ مَنْ أَطَاعَكَ
وَسَبِيلُ مَنْ تَعَبَّدَ لَكَ فَأَمَّا الْعَاصِي
أَمْرَكَ وَالْمُوَاقِعُ نَهْيَكَ فَلَمْ تُعَاجِلْهُ
بِنَقِمَتِكَ لِكَيْ يَسْتَبْدِلَ بِحَالِهِ فِي
مَعْصِيَتِكَ حَالَ الْإِنَابَةِ إِلَى طَاعَتِكَ وَ
لَقَدْ كَانَ يَسْتَحِقُّ فِي أَوَّلِ مَا هَمَّ بِعِصْيَانِكَ
كُلَّ مَا أَعْدَدْتَ لِجَمِيعِ خَلْقِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ
فَجَمِيعُ مَا أَخَّرْتَ عَنْهُ مِنْ وَقْتِ الْعَذَابِ
وَأَبْطَأْتَ بِهِ عَلَيْهِ مِنْ سَطَوَاتِ النَّقِمَةِ
وَالْعِقَابِ تَرْكٌ مِنْ حَقِّكَ وَرِضًى
بِدُونِ وَاجِبِكَ فَمَنْ أَكْرَمُ يَا إِلٰهِي مِنْكَ

جو طویل اور دائمی ہے[1]۔ پھر نہ لازم کیا تو نے اس پر معاوضہ اپنے اس
رزق کا جو اس نے کھایا۔ ایسا رزق جس سے اس نے تیری عبادت
کی قوت پائی اور نہ بار ڈالا تو نے اس پر حساب کتاب کا ان آلات[2] کے
جن کے استعمال سے اس نے تیری مغفرت کا وسیلہ پیدا کیا اور اگر
کرتا تو ایسا، تو ضرور لے جاتا[3] ان تمام اعمال کو جن کے لیے اس
نے تکلیف جھیلی اور تمام ان کاموں کو جن میں اس نے کوشش کی،
عوض میں اپنی چھوٹی سی نعمت اور ادنیٰ احسان کے۔ اور یقیناً وہ
(بندہ) تیرے پاس گروی ہو کر رہ جاتا تیری باقی نعمتوں میں۔ وہ تیرے
ثواب میں سے کچھ بھی پانے کا کہاں مستحق ہوتا۔ نہیں کبھی نہ ہوتا۔ یہ ہے
اے میرے معبود اس شخص کی حقیقت حال جو تیرا فرمانبردار ہو۔ اور
اس شخص کا وسیلہ جو تیری عبادت کرے — اور لیکن نافرمانی کرنے
والا تیرے حکم کی اور ممنوع کاموں کو بجا لانے والا (شخص) پس[4] تو نے
اسے سزا دینے میں جلدی نہیں کی تاکہ تبدیل کر دے وہ اپنی نافرمانی
کے حال کو تیری عبادت کی جانب متوجہ ہونے کے حال سے۔
درآنحالیکہ یقیناً وہ پہلی ہی بار جبکہ اس نے تیری نافرمانی کا قصد کیا
تھا، تمام ان باتوں کا سزاوار ہو چکا تھا جو تو نے اپنے بندوں کے
لیے مہیا کی ہیں اپنے عقاب کے سلسلے میں۔ پس یہ تمام تاخیر جو تو
نے اس پر عذاب کرنے میں کی ہے اور ڈھیل دی ہے اس پر (اپنے)
سخت قہر اور عتاب میں، اپنے حق کو چھوڑ دینا (اور بحل کر دینا)
ہے اور واجب مقدار سے کم پر رضامند ہو جانا ہے پس اے میرے
معبود! تجھ سے زیادہ کریم کون ہوگا؟ اور کون اس سے زیادہ

[1] یعنی دنیائے فانی کے عوض میں عالم جاودانی عطا فرمایا۔
[2] اعضا و جوارح اور قوائے احساس و شعور وغیرہ۔
[3] یعنی ان تمام انعامات و احسانات کا صلہ مانگنا۔
[4] اس کا فاعل عمل داتلہم باری تعالیٰ ہے۔ مراد یہ ہے کہ تیرا یہ اقدام اس کے کل اعمال حسنہ کو لے جاتا۔

وَ مَنْ اَشْقٰی مِمَّنْ هَلَكَ عَلَيْكَ لَا مَنْ فَتَبَارَكْتَ اَنْ تُوْصَفَ اِلَّا بِالْاِحْسَانِ وَ كَرُمْتَ اَنْ يُخَافَ مِنْكَ اِلَّا الْعَدْلُ لَا يُخْشٰى جَوْرُكَ عَلٰى مَنْ عَصَاكَ وَ لَا يُخَافُ اِغْفَالُكَ ثَوَابَ مَنْ اَرْضَاكَ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ هَبْ لِيْ اَمَلِيْ وَ زِدْنِيْ مِنْ هُدَاكَ مَا اَصِلُ بِهٖ اِلَى التَّوْفِيْقِ فِيْ عَمَلِيْ اِنَّكَ مَنَّانٌ كَرِيْمٌ

بدبخت ہوگا جو تیری مخالفت[1] میں ہلاک ہوا۔ نہیں کوئی نہیں۔ پس تو اس بات سے بالاتر ہے کہ تیری تعریف کی جائے[2] سوائے احسان کے اور تو اس بات سے (بھی) بالاتر ہے کہ خوف کیا جائے[3] تجھ سے سوائے عدل کے۔ نہیں خوف کیا جاسکتا تیرے ظلم کا اس شخص پر جو تیری نافرمانی کرے اور نہ اس شخص کے ثواب سے تیرے غافل رہنے کا ڈر ہے جو تجھے خوش رکھے پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔ اور مجھے میری امید عطا کر اور مجھ پر اپنی ہدایت کا اضافہ کر جس سے میں تیری توفیق تک پہنچ جاؤں اپنے عمل میں۔ بے شک تو بڑا احسان کرنے والا اور کریم ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْاِعْتِذَارِ مِنْ تَبِعَاتِ الْعِبَادِ وَمِنَ التَّقْصِيْرِ فِيْ حُقُوْقِهِمْ وَفِيْ فَكَاكِ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ

حضرت زین العابدین بندوں کی ذمہ داریوں[4] کی معذرت اور ان کے حقوق میں کوتاہی کرنے اور اپنی گردن کو دوزخ سے چھڑانے کی بابت یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعْتَذِرُ اِلَيْكَ مِنْ مَظْلُوْمٍ ظُلِمَ بِحَضْرَتِيْ فَلَمْ اَنْصُرْهُ وَ مِنْ مَعْرُوْفٍ اُسْدِيَ اِلَيَّ فَلَمْ اَشْكُرْهُ وَ مِنْ مُسِيْءٍ اِعْتَذَرَ اِلَيَّ فَلَمْ اَعْذِرْهُ وَ مِنْ ذِيْ

خداوندا! ضرور بالضرور میں تجھ سے معذرت چاہتا ہوں (اعتراف قصور کے ساتھ عذر خواہ ہوں) اس مظلوم سے جس پر میرے سامنے ظلم ہوا ہو اور میں نے اس کی مدد نہ کی ہو، اور اس نیکی سے جو کی گئی ہو میرے ساتھ اور میں نے اس کا شکر نہ کیا ہو۔ اور اس بدی کرنے والے

---

[1] ایک مترجم اردو نے "هَلَكَ عَلَيْكَ لَا مَنْ" کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے "جو تیرے دروازے پر ہلاک ہوا" اور ایک مترجم نے اپنے ترجمے میں یہ الفاظ لکھے ہیں "ہلاک شد بر تو نہ ہیچ کس" مگر ان ترجموں میں علیک کا مفہوم واضح نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ مترجم اردو نے لا من کا ترجمہ ہی نہیں کیا اور اس فقرے کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ دراصل اس مقام پر علیٰ ضرر کے لیے ہے جس کے معنی مخالفت کے ہیں۔

[2] یعنی سوائے ذکر احسان و انعام کے اور کچھ تیری تعریف جو بھی کی جائے گی وہ تیرے مرتبہ اور منزلت سے پست ہوگی۔

[3] یعنی تیرے عدل کے سوا اور کسی اعتبار سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ بالفاظ دیگر مطلب یہ ہے کہ جب تو اتنا رحیم و کریم ہے تو پھر اپنے بندوں کو اسی وقت مبتلائے عذاب کرسکتا ہے جبکہ عدل کرے۔ اور جب تک عدل نہ کرے اور رحم و تفضل سے بندوں کے معاملات کا حساب کتاب کرتا رہے سوائے رحمت پر بھروسا رکھنے کے خوف کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

[4] یعنی بندوں کی جو ذمہ داریاں آپ پر تھیں ان کے پورا نہ کرنے کی معذرت۔

فَاقَةٍ سَأَلَنِيْ فَلَمْ اُوْثِرْهُ وَمِنْ حَقِّ ذِيْ حَقٍّ لَزِمَنِيْ لِمُؤْمِنٍ فَلَمْ اُوَفِّرْهُ وَمِنْ عَيْبِ مُؤْمِنٍ ظَهَرَ لِيْ فَلَمْ اَسْتُرْهُ وَمِنْ كُلِّ اِثْمٍ عَرَضَ لِيْ فَلَمْ اَهْجُرْهُ اَعْتَذِرُ اِلَيْكَ يَا اِلٰهِيْ مِنْهُنَّ وَمِنْ نَظَائِرِهِنَّ اعْتِذَارَ نَدَامَةٍ يَكُوْنُ وَاعِظًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنْ اَشْبَاهِهِنَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاجْعَلْ نَدَامَتِيْ عَلٰى مَا وَقَعْتُ فِيْهِ مِنَ الزَّلَّاتِ وَعَزْمِيْ عَلٰى تَرْكِ مَا يَعْرِضُ لِيْ مِنَ السَّيِّئَاتِ تَوْبَةً تُوْجِبُ لِيْ مَحَبَّتَكَ يَا مُحِبَّ التَّوَّابِيْنَ ٥

سے جس نے میرے سامنے عذر کیا ہو اور میں نے اس کا عذر نہ مانا ہو اور اس مبتلائے فاقہ سے جس نے مجھ سے سوال کیا ہو اور میں نے اسے اپنے اوپر ترجیح نہ دی ہو اور اس حق دار مومن کے حق سے جو مجھ پر لازم ہو اور نہ پہنچایا ہو میں نے اس تک۔ اور اس مومن کے عیب سے جو مجھ پر ظاہر ہوا ہو اور میں نے اسے نہ چھپایا ہو۔ اور ہر گناہ سے[1] جو میرے سامنے آیا ہو اور میں نے اس سے دوری نہ کی ہو۔ معذرت خواہ ہوں میں تجھ سے اے میرے اللہ! ان باتوں سے اور ان جیسی باتوں سے۔ ایسی شرمساری پر مشتمل معذرت، جو اس وقت میری ناصح ہو جبکہ ایسی باتیں[2] میرے سامنے آئیں پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور میری ندامت کو ان لغزشوں پر جن میں کہ میں پڑ گیا ہوں[3]، اور میرے ارادے کو جو پیش آنے والی برائیوں کے ترک کر دینے پر کیا ہے، ایسی توبہ قرار دے جو واجب و لازم کر دے میرے لیے تیری محبت[4] کو۔ اے توبہ کرنے والوں کو دوست رکھنے والے!

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ طَلَبِ الْعَفْوِ وَالرَّحْمَةِ

حضرت زین العابدین خدائے تعالیٰ سے معافی اور اس کی رحمت طلب کرنے کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاكْسِرْ شَهْوَتِيْ عَنْ كُلِّ مَحْرَمٍ وَّازْوِ حِرْصِيْ عَنْ كُلِّ مَاْثَمٍ وَّامْنَعْنِيْ عَنْ اَذٰى كُلِّ

اے اللہ! تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر۔ اور میری خواہش نفس کو توڑ دے ہر حرام چیز[5] کے متعلق۔ اور میری حرص کو ہر گناہ سے دور کر دے۔ اور باز رکھ مجھ کو اذیت دینے سے ہر مومن مرد اور

---

[1] جیسی کہ اوپر عذر خواہی کے مقام پر بیان کی گئیں۔

[2] بَیْنَ یَدَیَّ کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

[3] اِجْعَلْ کا ترجمہ تیسری سطر میں توبہ کے ساتھ مذکور ہے۔

[4] یعنی جس کے انعام میں تو ضرور مجھ سے محبت کرے۔

[5] یعنی اس خواہش نفس کو توڑ دے جو کسی بھی حرام چیز کے متعلق پیدا ہو۔

مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ وَمُسْلِمٍ وَمُسْلِمَةٍ
اَللّٰهُمَّ وَاَيُّمَا عَبْدٍ نَالَ مِنِّيْ مَا حَظَرْتَ
عَلَيْهِ وَانْتَهَكَ مِنِّيْ مَا حَجَرْتَ عَلَيْهِ
فَمَضٰى بِظُلَامَتِيْ مَيِّتًا اَوْحَصَلَتْ لِيْ
قِبَلَهٗ حَيًّا فَاغْفِرْ لَهٗ مَا اَلَمَّ بِهٖ
مِنِّيْ وَاعْفُ لَهٗ عَمَّا اَدْبَرَ بِهٖ عَنِّيْ وَ
لَا تَقِفْهُ عَلٰى مَا ارْتَكَبَ فِيَّ وَلَا تَكْشِفْهُ
عَمَّا اكْتَسَبَ بِيْ وَاجْعَلْ مَا سَمَحْتُ بِهٖ
مِنَ الْعَفْوِ عَنْهُمْ وَتَبَرَّعْتُ بِهٖ مِنَ
الصَّدَقَةِ عَلَيْهِمْ اَزْكٰى صَدَقَاتِ
الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَاَعْلٰى صِلَاتِ الْمُتَقَرِّبِيْنَ
وَعَوِّضْنِيْ مِنْ عَفْوِيْ عَنْهُمْ عَفْوَكَ وَ
مِنْ دُعَائِيْ لَهُمْ رَحْمَتَكَ حَتّٰى يَسْعَدَ
كُلُّ وَاحِدٍ مِنَّا بِفَضْلِكَ وَيَنْجُوَ كُلٌّ مِنَّا

عورت اور ہر مسلمان مرد اور عورت کے۔ اے اللہ! اور ہر وہ بندہ جس نے
لے لی ہو میری[1] وہ چیز جو اس پر حرام[2] ہے، اور جس نے میری آبرو ریزی
کی ہو جو اس پر ممنوع ہے، پھر میرا مظلمہ لیکر مر گیا[3] ہو یا اس سے پہلے
زندگی میں اس پر میرا کوئی حق رہ گیا ہو، پس تو اسے بخش دے، اس
ارادے[4] کو جو کیا ہو اس نے میرے متعلق۔ اور اسے میرا وہ حق معاف کر دے
جو وہ لے گیا ہے۔ اور اسے اس زیادتی پر مطلع[5] نہ کر جس کا وہ مرتکب ہوا
میرے ساتھ۔ اور اس برائی کو جو اس نے میرے ساتھ کی اس پر ظاہر نہ
کر۔ اور اس[6] جوانمردی کو جو میں نے انہی کے معاف کرنے میں کی ہے، اور
اس بے غرض تصدق کو جو میں نے ان کے ساتھ کیا ہے، صدقہ دینے
والوں[7] کے تمام صدقوں سے زیادہ بے لوث، اور (تیری) نزدیکی چاہنے
والوں کے تمام عطیات سے زیادہ بلند بنا دے۔ اور میرے معاف کر دینے کا
مجھے عوض دے اپنی معافی میں سے۔ اور ان کے لیے میرے دعا کرنے
کا بدلہ دے اپنی رحمت سے۔ تاکہ نیک بخت بن جائے ہر ایک ہم میں[8] سے
تیرے فضل کی بدولت۔ اور نجات پائے ہر ایک ہم میں سے تیرے

---

[1] یعنی جس نے میرا کوئی حق یا مال دبا لیا ہو یا لے لیا ہو۔

[2] اس جملہ کا ترجمہ ایک مترجم نے ان الفاظ میں کیا ہے "جو کوئی بندہ مجھ سے وہ بات کرے جو تو نے اس پر حرام کی ہے"۔ یہ ترجمہ تسامح پر مبنی اور اس دعا کے مفہوم سے بعید ہے۔ دراصل دعا کا مقصد یہ ہے کہ جس بندہ نے میرا حق لے لیا ہو نہ یہ کہ جس بندہ نے میرے ساتھ بدسلوکی کی ہو جیسا کہ مترجم مذکور کے الفاظ سے متبادر ہوتا ہے۔ ناظرین دونوں ترجموں کا سیاق و سباق سے مقابلہ کر کے اصل معنی اخذ کریں۔

[3] مضیٰ کا ترجمہ بعد کی سطر میں ہے۔

[4] یعنی اس کی بدنیتی کو معاف کر دے۔

[5] ایک مترجم اردو نے لا تقفہ کا ترجمہ "اسے اس گناہ پر نہ ٹھہرا" تحریر کیا ہے جو ظاہراً درست ہو سکتا ہے مگر مابعد کے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے۔

[6] اجعل کا ترجمہ یہاں سے چوتھی سطر میں "زیادہ بلند" کے بعد مذکور ہے۔

[7] متصدقین کا ترجمہ جو اگلی سطر میں ہے۔

[8] یعنی وہ شخص جس پر میرا حق تھا اس طرح بار سے سبکدوش ہو جائے کہ میں نے اسے اپنا حق معاف کیا اور میں اس طرح ماجور ہوں کہ تو مجھے ایثار کا عوض اپنے فضل و رحمت کے خزانے سے عطا کر۔

بِمَنِّكَ اللّٰهُمَّ وَاَيُّمَا عَبْدٍ مِنْ
عَبِيْدِكَ اَدْرَكَهُ مِنِّيْ دَرَكٌ
اَوْ مَسَّهُ مِنْ نَاحِيَتِيْ اَذًى اَوْ
لَحِقَهُ بِيْ اَوْ بِسَبَبِيْ ظُلْمٌ فَفُتُّهُ
بِحَقِّهِ اَوْ سَبَقْتُهُ بِمَظْلَمَتِهِ
فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ وَاَرْضِهِ
عَنِّيْ مِنْ وُجْدِكَ وَاَوْفِهِ حَقَّهُ
مِنْ عِنْدِكَ ثُمَّ قِنِيْ مَا يُوْجِبُ لَهُ
حُكْمُكَ وَخَلِّصْنِيْ مِمَّا يَحْكُمُ بِهِ
عَدْلُكَ فَاِنَّ قُوَّتِيْ لَا تَسْتَقِلُّ
بِنَقِمَتِكَ وَاِنَّ طَاقَتِيْ لَا تَنْهَضُ
بِسُخْطِكَ فَاِنَّكَ اِنْ تُكَافِنِيْ بِالْحَقِّ
تُهْلِكْنِيْ وَاِلَّا تَغَمَّدْنِيْ بِرَحْمَتِكَ
تُوْبِقْنِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَوْهِبُكَ يَا
اِلٰهِيْ مَا لَا يَنْقُصُكَ بَذْلُهُ وَ
اَسْتَحْمِلُكَ مَا لَا يَبْهَظُكَ حَمْلُهُ
اَسْتَوْهِبُكَ يَا اِلٰهِيْ نَفْسِيَ الَّتِيْ
لَمْ تَخْلُقْهَا لِتَمْتَنِعَ بِهَا مِنْ سُوْٓءٍ اَوْ
لِتَطَرَّقَ بِهَا اِلٰى نَفْعٍ وَلٰكِنْ اَنْشَاْتَهَا
اِثْبَاتًا لِقُدْرَتِكَ عَلٰى مِثْلِهَا وَاحْتِجَاجًا
بِهَا عَلٰى شَكْلِهَا وَاَسْتَحْمِلُكَ مِنْ ذُنُوْبِيْ
مَا قَدْ بَهَظَنِيْ حَمْلُهُ وَاَسْتَعِيْنُ

احسان کی بنا پر۔ اے اللہ جس بندے کو تیرے بندوں میں سے
کوئی برائی مجھ سے پہنچی ہو یا اس کو میری جانب سے کوئی اذیت ہوئی
ہو یا مجھ سے یا میرے سبب سے اس پر کوئی ظلم ہوا ہو اور میں نے اس
کا کوئی حق لیا ہو یا اس کے مظلمہ پر میں نے قدم بڑھایا ہو پس رحمت
نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور اپنی تونگری سے (کچھ دے کر)
اسے میری طرف سے راضی کر دے اور اس کو اس کا پورا حق دے دے،
اپنے پاس سے پھر مجھے اس سزا سے بچا جسے تیرا حکم اس (شخص) کی وجہ
سے واجب کرتا ہے اور مجھے اس (عذاب) سے چھڑا جس کا حکم دیتا ہے
تیرا انصاف کیونکہ میری طاقت نہیں برداشت کر سکتی تیری سزا کو اور بیشک
میری طاقت نہیں اٹھا سکتی تیری ناراضی (کے بوجھ) کو
یقیناً بلاشبہ اگر تو نے مجھے حق کے مطابق بدلہ دیا تو (پھر)
تو نے مجھے ہلاک[1] ہی کر دیا اور اگر تو نے مجھے اپنی رحمت
(کے پردے) سے نہ چھپایا تو (پھر) تو نے مجھے
مار[2] ہی دیا۔ اے اللہ! میں تجھ سے ضرور
اس عطیہ کا طالب ہوں اے میرے مالک! جس کا عطا کر دینا تجھے
نقصان نہیں پہنچا سکتا جس کا اٹھانا تجھ پر بھاری نہیں۔ اے میرے
معبود! میں تجھ سے اپنی اس جان کا عطیہ چاہتا ہوں، جسے تو نے اس
غرض سے نہیں پیدا کیا تھا کہ تو اس[3] کے ذریعہ کسی برائی سے بچے یا اس کی
بدولت کسی نفع کی طرف راہ پائے لیکن تو نے اسے پیدا کیا تھا، ویسا پیدا
کرنے پر اپنی قدرت کا ثبوت دینے کے لیے اور اس (کی تخلیق) سے (یہ)
استدلال کرنے کے لیے (کہ) اس جیسی شکل بنانے پر (قادر ہے) اور میں
(تجھ سے) اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھوانا چاہتا ہوں جس کا بار مجھ پر گراں ہے

---

[1] یعنی حق و انصاف کے مطابق میں جس سزا کا مستحق ہوں وہ مجھے مار ڈالنے سے کم نہیں ہو سکتی۔

[2] یعنی سوائے تیری رحمت کے اور کسی طرح میری جان نہیں بچ سکتی۔

[3] یعنی جان کو پیدا کرنے سے تیری کوئی ذاتی غرض وابستہ نہیں تھی۔

بِكَ عَلٰى مَا قَدْ فَدَحَنِىْ ثِقْلُهٗ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ
اٰلِهٖ وَهَبْ لِنَفْسِىْ عَلٰى ظُلْمِهَا نَفْسِىْ وَ وَكِّلْ
رَحْمَتَكَ بِاحْتِمَالِ اِصْرِىْ فَكَمْ قَدْ لَحِقَتْ رَحْمَتُكَ
بِالْمُسِيْئِيْنَ وَكَمْ قَدْ شَمِلَ عَفْوُكَ الظَّالِمِيْنَ
فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاجْعَلْنِىْ اُسْوَةَ مَنْ قَدْ
اَنْهَضْتَهٗ بِتَجَاوُزِكَ عَنْ مَصَارِعِ الْخَاطِئِيْنَ وَ
خَلَّصْتَهٗ بِتَوْفِيْقِكَ وَرَطَاتِ الْمُجْرِمِيْنَ فَاَصْبَحَ
طَلِيْقَ عَفْوِكَ مِنْ اِسَارِ سُخْطِكَ وَ عَتِيْقَ
صُنْعِكَ مِنْ وَ ثَاقِ عَدْلِكَ اِنَّكَ اِنْ
تَفْعَلْ ذٰلِكَ يَآ اِلٰهِىْ تَفْعَلْهُ بِمَنْ لَا
يَجْحَدُ اسْتِحْقَاقَ عُقُوْبَتِكَ وَلَا يُبَرِّئُ
نَفْسَهٗ مِنِ اسْتِيْجَابِ نِقْمَتِكَ تَفْعَلْ ذٰلِكَ
يَآ اِلٰهِىْ بِمَنْ خَوْفُهٗ مِنْكَ اَكْثَرُ مِنْ
طَمَعِهٖ فِيْكَ وَ بِمَنْ يَأْسُهٗ مِنَ النَّجَاةِ
اَوْكَدُ مِنْ رَجَآئِهٖ لِلْخَلَاصِ لَا اَنْ يَكُوْنَ

اور مدد چاہتا ہوں تجھ سے اس کام میں جس کی سنگینی[1] نے مجھے آفت میں ڈال
دیا ہے۔ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور بخش دے اپنے
نفس پر میرے ظلم کرنے کو۔ اور اپنی رحمت کو میرا بار گناہ اٹھانے پر وکیل بنا
دے۔ پس اکثر تیری رحمت برے لوگوں تک پہنچی ہے اور بسا اوقات تیری
معافی ظالموں کے شامل حال ہوئی ہے[2]۔ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور
ان کی اولاد پر اور مجھے ان لوگوں کا نمونہ قرار دے جنھیں تو نے اپنی معافی
سے ہٹا دیا ہے گنہگاروں کے مقتل[3] سے۔ اور چھڑا دیا ہے ان کو اپنی
توفیق کے ذریعہ مجرموں[4] کے مقام ہلاکت[5] سے پس ہو گئے وہ تیرے
غصے کی قید سے تیری معافی کے چھڑائے ہوئے، اور تیرے انصاف
کی بندش سے تیرے احسان کے آزاد کرائے ہوئے۔ بے شک اے
معبود اگر تو[6] ایسا کرے گا تو اسی شخص کے ساتھ کرے گا جو تیرے عذاب
کے مستوجب ہونے کا منکر نہ ہو اور (جو) اپنے آپ کو بری نہ کرے،
تیرے انتقام کے لازم ہونے سے۔ اے میرے مالک! تو ایسا اسی شخص
کے ساتھ کرے گا جسے تیرا خوف[7] زیادہ ہوتا ہے تیری نعمت[8] حاصل کرنے
سے۔ اور اس شخص کے ساتھ (کرے گا) جس کی نجات سے نا امیدی[9] اس

---

[1] مراد گناہ اور ان کی معافی۔

[2] کسی نکتہ پر جو پسند آگیا ظالموں کو اکثر بخش دیا ہے۔

[3] چونکہ گناہ انسان کے ضمیر کو مردہ کر دیتے ہیں اس لیے گنہگاروں کے مبتلائے گناہ ہو چکنے کی منزل و مقام کو قتل گاہ سے تعبیر کیا ہے۔

[4] جو اپنے گناہوں کے باعث مستوجب عقاب ہو چکے تھے۔

[5] وَرَطَات کا ترجمہ جو اوپر مذکور ہوا۔

[6] یعنی باوصف معاصی بخش دے گا۔

[7] چونکہ خوف الٰہی میں اس کی تمام صفات کمالیہ کا اعتراف مضمر ہوتا ہے اس لیے اسے مقبولیت کی منزل میں ہر اعتقاد پر فوقیت حاصل ہے۔

[8] "مِنْ طَمَعِهٖ فِيْكَ" کے لفظی معنی ہیں "تجھ میں اس کی طمع سے"۔ یہ فقرہ جس محل و مقام پر استعمال ہوا ہے اس سے مقصود قائل "تیری نعمت کی طمع" ہے۔

[9] چونکہ امید کے بالمقابل نا امیدی کے زیادہ ہونے میں اپنے گناہ کی اہمیت کا اعتراف مضمر ہوتا ہے اس لیے اسے امید پر ترجیح حاصل ہے۔

يَأْسُهُ قُنُوطًا أَوْ أَنْ يَكُوْنَ طَمَعُهُ اغْتِرَارًا بَلْ لِقِلَّةِ حَسَنَاتِهٖ بَيْنَ سَيِّاٰتِهٖ وَ ضُعْفِ حُجَجِهٖ فِيْ جَمِيْعِ تَبِعَاتِهٖ فَأَمَّا أَنْتَ يَا إِلٰهِيْ فَأَهْلٌ أَلَّا يَغْتَرَّ بِكَ الصِّدِّيْقُوْنَ وَ لَا يَيْأَسَ مِنْكَ الْمُجْرِمُوْنَ لِأَنَّكَ الرَّبُّ الْعَظِيْمُ الَّذِيْ لَا يَمْنَعُ أَحَدًا فَضْلَهُ وَ لَا يَسْتَقْصِيْ مِنْ أَحَدٍ حَقَّهُ تَعَالٰى ذِكْرُكَ عَنِ الْمَذْكُوْرِيْنَ وَ تَقَدَّسَتْ أَسْمَاؤُكَ عَنِ الْمَنْسُوْبِيْنَ وَ فَشَتْ نِعْمَتُكَ فِيْ جَمِيْعِ الْمَخْلُوْقِيْنَ فَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى ذٰلِكَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ ⁵

کے رہائی پانے کی امید[1] سے زیادہ استوار ہوتی ہے رہائی پانے کے متعلق (لیکن) نہ اس قدر کہ اس کی مایوسی بالکل بے آس ہونا بن جائے۔ یا اس کی طمع فریب کی حد تک پہنچ جائے بلکہ برائیوں[2] کے درمیان نیکیوں کے کم ہونے کی وجہ سے، اور اس کے تمام گناہوں میں اس کی دلیلیں کمزور ہونے کی وجہ[3] سے ہو پس لیکن تو اے میرے معبود (اس کا) مستحق ہے کہ وہ لوگ بھی جو صدیق (بہت سچے) ہیں تیرے سامنے مغرور نہ ہوں، اور نہ مایوس ہوں تجھ سے گنہگار۔ کیونکہ تو بڑا پالنے والا ہے۔ ایسا پالنے والا (کہ کسی کو نہیں محروم[4] کرتا اپنے فضل سے۔ اور نہ کسی سے اپنا حق پورا کرانا چاہتا ہے۔ تیرا ذکر تمام ان ہستیوں سے جن کا ذکر کیا جاتا ہے، بالاتر ہے۔ اور تیرے نام تمام نام والوں سے زیادہ مقدس ہیں۔ اور تیری نعمت تمام مخلوقات میں پھیلی ہوئی ہے پس اس صفت پر تو ہی حمد کا سزاوار ہے، اے تمام جہانوں کے پالنے والے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا نُعِيَ إِلَيْهِ مَيِّتٌ أَوْ ذَكَرَ الْمَوْتَ

حضرت زین العابدین کے سامنے جب کسی شخص کے مرنے کی خبر بیان کی جاتی یا موت کا ذکر آتا تو آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاكْفِنَا طُوْلَ الْاَمَلِ وَ قَصِّرْهُ عَنَّا بِصِدْقِ الْعَمَلِ حَتّٰى لَا نُؤَمِّلَ اسْتِتْمَامَ سَاعَةٍ بَعْدَ

اے اللہ تو محمد پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر۔ اور بچا ہم کو لمبی امید سے اور اس (طولانی امید) کو ہم سے (رہا ہے) سچے عمل کے ذریعہ کوتاہ کر یہاں تک کہ نہ امید کریں ہم پورے ہونے کی ایک ساعت[5]

---

[1] بارگاہ الٰہی میں یہ جذبہ تو ممدوح ہے کہ اپنے گناہوں کی زیادتی کے دیکھتے ہوئے بندے کو ناامیدی نہ ہو اور امید کم مگر بالکل بے آس ہو جانا مذموم و ممنوع ہے کیونکہ اس میں رحمت الٰہی کی اہانت اور سبکی کا پہلو نکلتا ہے۔

[2] یہ ناامیدی اس وجہ سے ہو کہ اس کی برائیاں زیادہ اور نیکیاں کم ہیں۔

[3] نیز یہ ناامیدی اس وجہ سے ہو کہ وہ گناہوں کے ارتکاب پر اپنے مجبور ہو جانے کی کوئی معقول وجہ نہیں رکھتا۔

[4] ہر برے بھلے کو روزی دیتا ہے۔

[5] یعنی امید کو اتنا کم کردے کہ ہم ایک لمحہ کے بعد دوسرے لمحہ تک زندہ رہنے کی بھی امید نہ کریں۔

سَاعَةٍ وَلَا اسْتِيفَاءَ يَوْمٍ بَعْدَ يَوْمٍ
وَلَا اتِّصَالَ نَفَسٍ بِنَفَسٍ وَلَا لُحُوقَ
قَدَمٍ بِقَدَمٍ وَسَلِّمْنَا مِنْ غُرُوْرِهٖ وَ
اٰمِنَّا مِنْ شُرُوْرِهٖ وَانْصِبِ الْمَوْتَ
بَيْنَ اَيْدِيْنَا نَصْبًا وَلَا تَجْعَلْ ذِكْرَنَا
لَهٗ غِبًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ صَالِحِ الْاَعْمَالِ
عَمَلًا نَسْتَبْطِئُ مَعَهُ الْمَصِيْرَ اِلَيْكَ وَ
نَحْرِصُ لَهٗ عَلٰى وَشْكِ اللِّحَاقِ بِكَ حَتّٰى
يَكُوْنَ الْمَوْتُ مَاْنَسَنَا الَّذِيْ نَاْنَسُ بِهٖ
وَمَاْلَفَنَا الَّذِيْ نَشْتَاقُ اِلَيْهِ وَحَامَّتَنَا
الَّتِيْ نُحِبُّ الدُّنُوَّ مِنْهَا فَاِذَا اَوْرَدْتَهٗ عَلَيْنَا
وَاَنْزَلْتَهٗ بِنَا فَاَسْعِدْنَا بِهٖ زَائِرًا وَاٰنِسْنَا
بِهٖ قَادِمًا وَلَا تُشْقِنَا بِضِيَافَتِهٖ وَلَا
تُخْزِنَا بِزِيَارَتِهٖ وَاجْعَلْهُ بَابًا مِنْ اَبْوَابِ
مَغْفِرَتِكَ وَمِفْتَاحًا مِنْ مَفَاتِيْحِ رَحْمَتِكَ
اَمِتْنَا مُهْتَدِيْنَ غَيْرَ ضَآلِّيْنَ طَآئِعِيْنَ
غَيْرَ مُسْتَكْرِهِيْنَ تَآئِبِيْنَ غَيْرَ عَاصِيْنَ
وَلَا مُصِرِّيْنَ يَا ضَامِنَ جَزَآءِ الْمُحْسِنِيْنَ
وَمُسْتَصْلِحَ عَمَلِ الْمُفْسِدِيْنَ ؕ

کے بعد دوسری ساعت کے اور نہ ایک دن کے بعد دوسرے دن کے کامل ہونے
کی اور نہ متصل ہونے کی ایک سانس سے دوسری سانس کے۔ اور نہ ایک
قدم کے دوسرے قدم تک پہنچنے کی۔ اور ہمیں اُس کے دھوکے سے[1] محفوظ
رکھ اور پناہ دے ہم کو اس کی برائیوں سے اور موت کو ہمارے سامنے
ہر وقت[2] کھڑا رکھ۔ اور مت قرار دے ہمارے یاد کرنے[3] کو اس کے وقفہ
کے ساتھ اور ہمارے لیے نیک کاموں میں سے وہ عمل مقرر کر کہ جس کے
ہوتے ہوئے ہم دیر سمجھیں تیرے پاس پہنچنے[4] کو۔ اور اس کی وجہ سے جلد تجھ
سے ملنے کے مشتاق ہوں۔ یہاں تک کہ بن جائے موت ہماری ایسی آرام گاہ
جس سے ہم آرام پائیں۔ اور ایسا دل بستگی کا محل جس کے ہم مشتاق ہوں۔
اور ہمارا ایسا عزیز جس سے قربت کو ہم محبوب رکھیں۔ پس جبکہ تو اس کو
ہم پر نازل کرے اور اسے ہمارے پاس بھیجے تو ہمیں اس کے دیدار سے
نیک بخت کر اور اس کے آنے سے ہم کو مانوس کر۔ اور مت بد بخت کر
تو ہمیں اس کے خیر مقدم[5] سے۔ اور مت رسوا کر ہمیں اس کی زیارت[6] سے
اور اسے ایک دروازہ بنا دے، دروازوں میں سے، ہماری بخشش کے۔
اور ایک کنجی بنا دے اپنی رحمت کی کنجیوں میں سے۔ اور ہمیں دنیا سے
اس حالت میں (اٹھا) کہ ہدایت یافتہ ہوں نہ کہ گمراہ۔ (اور) فرمانبردار
ہوں نہ کہ گریز کرنے والے (اور) توبہ کرنے والے ہوں نہ کہ گناہگار اور نہ
گناہوں پر اصرار کرنے والے۔ اے نیکوں کو بدلہ دینے کے ضامن اور
مفسدین کے عمل کی اصلاح کرنے والے!

---

[1] یعنی طولِ امل کے دھوکے سے۔

[2] انصب نصبًا میں جو تاکید ہے اس کا یہ مفہوم ہے کہ موت ہمارے سامنے کھڑی ہی رہے یہ مفہوم اردو میں "ہر وقت" کے لفظ سے ادا ہو جاتا ہے۔

[3] یعنی موت کی یاد ہمیں وقفہ کے ساتھ نہ ہو مسلسل اور ہمیشہ ہم اسے یاد کرتے رہیں۔

[4] یعنی تیرے پاس پہنچنے اور موت آنے میں اس عمل کے بعد جتنا بھی وقفہ ہو اسے دیر خیال کریں اور تیری بارگاہ میں آنے کی ہر وقت جلدی ہو۔

[5] یعنی ایسا نہ ہو کہ ہم اپنے گناہوں کے باعث یا دنیا سے دلچسپی کے باعث اس سے گھبرائیں۔

[6] یعنی اس کے ورود کے وقت ہمیں تیرے پاس آنے میں کثرت عصیاں کے باعث رسوائی محسوس نہ ہو۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي طَلَبِ السِّتْرِ وَالْوِقَايَةِ

حضرت زین العابدین گناہوں کی پردہ پوشی اور امان طلب کرنے
کے موقع پر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَافْرُشْنِيْ
مِهَادَ كَرَامَتِكَ وَاَوْرِدْنِيْ مَشَارِعَ رَحْمَتِكَ
وَاَحْلِلْنِيْ بُحْبُوحَةَ جَنَّتِكَ وَلَا تَسُمْنِيْ
بِالرَّدِّ عَنْكَ وَلَا تَحْرِمْنِيْ بِالْخَيْبَةِ مِنْكَ
وَلَا تُقَاصِّنِيْ بِمَا اجْتَرَحْتُ وَلَا تُنَاقِشْنِيْ
بِمَا اكْتَسَبْتُ وَلَا تُبْرِزْ مَكْتُوْمِيْ وَلَا
تَكْشِفْ مَسْتُوْرِيْ وَلَا تَحْمِلْ عَلٰى مِيْزَانِ
الْاِنْصَافِ عَمَلِيْ وَلَا تُعْلِنْ عَلٰى عُيُوْنِ الْمَلَاِ
خَبَرِيْ اَخْفِ عَنْهُمْ مَا يَكُوْنُ نَشْرُهٗ عَلَيَّ
عَارًا وَاطْوِ عَنْهُمْ مَا يُلْحِقُنِيْ عِنْدَكَ شَنَارًا
شَرِّفْ دَرَجَتِيْ بِرِضْوَانِكَ وَاَكْمِلْ كَرَامَتِيْ
بِغُفْرَانِكَ وَانْظِمْنِيْ فِيْ اَصْحَابِ الْيَمِيْنِ

اے اللہ تو محمد پر اور ان کی اولاد پر رحمت بھیج اور میرے
لیے اپنی بخشش کا بستر بچھا دے اور مجھے اپنی رحمت کے گھاٹوں پر اتار
اور اپنی جنت کے عین وسط[1] میں جگہ دے اور مجھے رنجیدہ دل نہ کر اپنے
سے دور کر کے۔ اور اپنے سے ناامید کر کے مجھے محروم نہ کر۔ اور مت بدلہ
لے مجھ سے اس گناہ کا جو میں نے کیا۔ اور میں نے جو عمل کیا اس پر مجھ
سے عداوت[2] نہ کر۔ اور میرے چھپے ہوئے عیب کو ظاہر نہ کر۔ اور نہ میری
پوشیدہ برائی کو کھول۔ اور میرے عمل کو انصاف کی ترازو[3] میں مت تول۔
اور نہ اعلان کر لوگوں کی آنکھوں کے سامنے میری (پوشیدہ) باتوں کا۔
(کیونکہ) میں ان کی جانب سے اس تشہیر سے ڈرتا ہوں جو میرے لیے
باعث رسوائی ہے۔ اور ان سے (میری) اس رسوائی کے عمل کو چھپا لے جو
تیرے پاس پہنچتا ہے۔ (اور) میرا درجہ بلند کر اپنی خوشنودی سے۔ اور
اپنی مغفرت سے میری بخشش کو کامل کر دے۔ اور مجھے اہلِ

---

۱ جس کے آس پاس ہر طرف نیکوکار آباد ہوں اور پورا ماحول نیکی پر مشتمل ہو۔

۲ لَا تُنَاقِشْنِيْ کے اصلی معنی "مت جھگڑا کر" کے ہیں۔ لیکن جھگڑے کا لفظ اردو میں دو متساوی یا قریب بہ تساوی طاقتوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ عربی میں جس جگہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے اس محل پر اردو میں عداوت کرنا یا مخالفت کا برتاؤ کرنا بولتے ہیں۔

۳ کیونکہ انصاف سے کام لیا تو سوائے اس کے کہ میرے گناہوں کے باعث مجھ پر عتاب کیا جائے اور کوئی صورت نہیں ہوگی۔ البتہ اگر تو نے اپنے فضل و کرم اور رحمت سے دیکھا تو بیشک نجات کی امید ہو سکتی ہے۔

وَوَجِّهْنِيْ فِيْ مَسَالِكِ الْاٰمِنِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ فِيْ فَوْجِ الْفَائِزِيْنَ وَاعْمُرْبِيْ مَجَالِسَ الصَّالِحِيْنَ اٰمِيْنَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

جنت[1] میں منسلک کر اور مجھے امن پانے والوں کے راستوں کی جانب متوجہ فرما۔ اور قرار دے مجھ کو کامیاب لوگوں کے گروہ میں۔ اور مجھ سے نیکوں کی محفلوں کو آباد کر۔ اے جہانوں کے پالنے والے (یہ دعا) قبول کر۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ عِنْدَ خَتْمِ الْقُرْاٰنِ

حضرت زین العابدین قرآن ختم کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَعَنْتَنِيْ عَلٰى خَتْمِ كِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَهٗ نُوْرًا وَجَعَلْتَهٗ مُهَيْمِنًا عَلٰى كُلِّ كِتَابٍ اَنْزَلْتَهٗ وَفَضَّلْتَهٗ عَلٰى كُلِّ حَدِيْثٍ قَصَصْتَهٗ وَفُرْقَانًا فَرَقْتَ بِهٖ بَيْنَ حَلَالِكَ وَحَرَامِكَ وَقُرْاٰنًا اَعْرَبْتَ بِهٖ عَنْ شَرَائِعِ اَحْكَامِكَ وَكِتَابًا فَصَّلْتَهٗ لِعِبَادِكَ تَفْصِيْلًا وَوَحْيًا

اے اللہ تو نے ہی اپنی اس کتاب کے ختم کرنے میں میری مدد کی جسے تو نے نور[2] بنا کر اتارا ہے اور (جسے) تو نے ہر اس کتاب[3] کا گواہ بنایا ہے جو اس سے پہلے نازل کی تھی اور (جسے) فضیلت دی ہے تو نے ہر اس کلام[4] پر جو تو نے بیان کیا اور (جسے) ایسا فرق کرنے والا بنایا ہے جس کے ذریعہ اس حلال و حرام میں فرق کر دیا۔ اور ایسا مجموعہ (بنایا ہے) جس سے اپنے احکام کے طریقوں کو ظاہر کر دیا۔ اور ایسی کتاب (بنایا ہے) جسے مفصل کیا ہے تو نے اپنے بندوں کے لیے

---

[1] یہ "اصحاب الیمین" کا ترجمہ ہے (جو صحیفہ کی آخری سطر میں ہے) اہل جنت کو "اصحاب الیمین" کئی وجوہ سے کہتے ہیں۔ اول اس لیے کہ عربی زبان میں "یمین" کا لفظ برکت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اصحاب الیمین برکت والوں کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اہل جنت برکت والے ہوتے ہیں۔ دوسرے اس لیے کہ اہل عرب کا روزمرہ ہے "ھو بالیمین" یعنی اس کا مرتبہ بلند ہے۔ اس اعتبار سے "اصحاب الیمین" بلند مرتبہ والوں کو کہا جاتا ہے۔ اہل جنت بلند مرتبہ ہوتے ہیں لہٰذا انھیں "اصحاب الیمین" کہنا اس معنی میں بھی درست ہے۔ تیسرے اس لیے کہ روز قیامت نجات پانے والوں کو ان کا نامہ عمل داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اور جہنمیوں کو بائیں ہاتھ میں۔ یمین کے معنی داہنے کے اور شمال کے معنی بائیں کے ہیں۔ لہٰذا جنتیوں اور دوزخیوں میں امتیاز کے لیے اہل جنت کو "اصحاب الیمین" اور اہل جہنم کو "اصحاب النار" کہنا درست ہے۔

[2] اس مقام پر نور بمعنی منوّر ہے یعنی نور دینے والا۔

[3] توریت و انجیل و زبور اور انبیاء کے صحیفے۔

[4] حدیث قدسی وغیرہ۔

اَنْزَلْتَهُ عَلٰی نَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَوٰتُكَ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ تَنْزِیْلًا وَ جَعَلْتَهُ نُوْرًا نَهْتَدِیْ بِهٖ مِنْ ظُلَمِ الضَّلَالَةِ وَالْجَهَالَةِ بِاتِّبَاعِهٖ وَشِفَآءً لِمَنْ اَنْصَتَ بِفَهْمِ التَّصْدِیْقِ اِلٰی اسْتِمَاعِهٖ وَمِیْزَانَ قِسْطٍ لَا یَحِیْفُ عَنِ الْحَقِّ لِسَانُهٗ وَنُوْرَ هُدًی لَا یُطْفَأُ عَنِ الشَّاهِدِیْنَ بُرْهَانُهٗ وَعَلَمَ نَجَاةٍ لَا یَضِلُّ مَنْ اَمَّ قَصْدَ سُنَّتِهٖ وَلَا تَنَالُ اَیْدِی الْهَلَكَاتِ مَنْ تَعَلَّقَ بِعُرْوَةِ عِصْمَتِهٖ

پوری طرح[1]۔ اور جو ایسی وحی ہے جسے تو نے نازل کیا کامل طور پر[2] اپنے رسول محمدؐ پر، تیری رحمت نازل ہو ان پر اور ان کی اولاد پر اور تو نے اسے ایسا نور بنایا ہے کہ ہدایت پاتے ہیں ہم تاریکیوں سے گمراہی اور جہالت کی، اسی کی پیروی کر کے۔ اور شفا (بنایا ہے) اس شخص کے لیے جو کہ خاموشی کے ساتھ کان لگائے (اسے)[3] سچ جاننے کی سمجھ[4] کے ساتھ اس کو سننے کے لیے۔ اور انصاف کی ایسی ترازو (بنایا ہے) کہ حق سے نہیں پھرتی جس کی زبان[5] اور ایسا نور ہدایت (بنایا ہے) کہ گواہوں سے اس کی روشن دلیل پھیکی نہیں پڑتی۔ اور ایسا نجات کا نشان[6] (بنایا ہے) کہ جو اس کے بتائے ہوئے راستے[7] کا عزم کر لے وہ گمراہ نہیں ہوتا اور نہیں پا سکتے ہلاکتوں کے ہاتھ اس شخص کو جو اس کی حفاظت کی رسی میں لٹک جائے۔ اے اللہ!

---

[1] فَصَّلْتَهُ تَفْصِیْلًا میں تَفْصِیْلًا کا لفظ تفصیل کی تاکید کے لیے ہے جس کا مفہوم اردو ترجمہ میں "اچھی طرح" کے لفظ سے پورا ہو جاتا ہے۔

[2] تَنْزِیْلًا کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔ اَنْزَلْتَهُ تَنْزِیْلًا میں تَنْزِیْلًا تاکید کے لیے آیا ہے جس کا مطلب اردو ترجمہ میں "کامل طور پر" کے الفاظ سے پورا ہو جاتا ہے۔

[3] قرآن پاک کے الفاظ میں یہ تاثیر ہے کہ جو قرآن پر اعتقاد رکھتا ہو اور اسے غور سے سنے تو اس کا دل خود بخود نرم ہوتا ہے اور خوف الٰہی سے کانپ اٹھتا ہے اور عبرت پکڑتا ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس مقصد کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ یعنی اگر ہم یہ قرآن پہاڑ پر نازل کر دیں تو تو دیکھے گا کہ وہ خوف الٰہی سے رونے لگا اور پاش پاش ہو گیا۔

[4] یعنی ایسی سمجھ اور عقل کے ساتھ جو قرآن پاک کی سچائی پر ایمان لا چکی ہو اور اس عقل کے ساتھ نہیں جو اس کے مطالب میں مین میخ نکالے یا محض مسلمان ہونے کی وجہ سے رسماً سچ سمجھتا ہو۔

[5] ترازو کی زبان اس کی ڈنڈی کا وہ حصہ کہلاتا ہے جسے تولنے میں پکڑتے ہیں۔

[6] یہ عَلَم کا ترجمہ ہے۔ عَلَم اس نشان کو کہتے ہیں جو راستوں میں لگایا جاتا ہے اور جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ راستہ کس طرف جاتا ہے۔ جیسے آج کل ان راستوں میں جہاں سے کئی راستے ادھر ادھر جاتے ہیں ایک کھمبے پر تختیاں لگاتے ہیں۔

[7] سُنَّتِهٖ اس کا راستہ یعنی اس کا بتایا ہوا راستہ۔

اَللّٰهُمَّ فَاِذَا اَفَدْتَنَا الْمَعُوْنَةَ عَلٰى
تِلَاوَتِهٖ وَسَهَّلْتَ جَوَاسِيَ اَلْسِنَتِنَا
بِحُسْنِ عِبَارَتِهٖ فَاجْعَلْنَا مِمَّنْ يَرْعَاهُ
حَقَّ رِعَايَتِهٖ وَيَدِيْنُ لَكَ بِاعْتِقَادِ
التَّسْلِيْمِ لِمُحْكَمِ اٰيَاتِهٖ وَيَفْزَعُ اِلَى
الْاِقْرَارِ بِمُتَشَابِهِهٖ وَمُوْضِحَاتِ بَيِّنَاتِهٖ
اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ اَنْزَلْتَهٗ عَلٰى نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ مُجْمَلًا وَاَلْهَمْتَهٗ
عِلْمَ عَجَائِبِهٖ مُكَمَّلًا وَوَرَّثْتَنَا
عِلْمَهٗ مُفَسَّرًا وَفَضَّلْتَنَا عَلٰى مَنْ
جَهِلَ عِلْمَهٗ وَقَوَّيْتَنَا عَلَيْهِ لِتَرْفَعَنَا
فَوْقَ مَنْ لَمْ يُطِقْ حَمْلَهٗ اَللّٰهُمَّ
فَكَمَا جَعَلْتَ قُلُوْبَنَا لَهٗ حَمَلَةً وَ
عَرَّفْتَنَا بِرَحْمَتِكَ شَرَفَهٗ وَفَضْلَهٗ
فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ الْخَطِيْبِ بِهٖ وَ
عَلٰى اٰلِهِ الْخُزَّانِ لَهٗ وَاجْعَلْنَا

پس جبکہ تو نے مدد دی ہم کو اس کے پڑھنے میں اور اس کے اچھی طرح
ادا کرنے کو ہماری زبان کی سختی پر آسان کر دیا تو پھر ہمیں قرار دے ان
لوگوں میں سے جو اس کی رعایت کے حق کو ملحوظ رکھتے ہیں اور اس کی
محکم[1] آیات[2] کے مان لینے کے اعتقاد کے ساتھ تیری بندگی کرتے
ہیں اور اس کی متشابہ آیتوں[3] اور اس کی واضح دلیلوں[4] کے اقرار کے
لیے بے چین[5] رہتے ہیں۔ اے اللہ بے شک تو نے اس (قرآن)
کو اپنے نبی محمد (ان پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل ہو) پر نازل
کیا بالاجمال اور اس کے عجیب نکتوں کا علم مکمل طور پر ان کے دل میں
ڈالا۔ اور ہمیں وارث قرار دیا ان کے علم کا، جو تفسیر پر مشتمل تھا،
اور ان لوگوں پر جو اس کے علم سے جاہل ہیں ہمیں فضیلت دی اور
ہمیں[6] اس (قرآن) پر قابو عطا کیا تاکہ ہمیں بلند کرے اس شخص پر
جو اس (قرآن) کے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اے اللہ پس
جس طرح کہ تو نے قرار دیا ہے ہمارے دلوں کو اس کا حامل (اور بوجھ
اٹھانے والا) اور ہمیں اپنی رحمت سے اس کا شرف اور اس کا فضل
پہنچوا دیا ہے، اسی طرح محمد پر رحمت نازل کر جو اس کے بیان
کرنے والے تھے اور ان کی آل پر (رحمت نازل کر) جو اس کے خزانچی[7]

---

[1] وہ آیات جن کا مفہوم واضح ہے اور ان کے مطالب میں کسی تاویل یا التباس کی گنجائش نہیں۔

[2] آیات کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

[3] وہ آیات جن کا مفہوم تاویل و تفسیر کا محتاج ہے۔

[4] وہ دلیلیں جو اپنے مقام پر واضح ہیں اور مطلب کی طرف راہ نمائی کرتی ہیں مگر بہر حال ان میں غور و فکر و تدبر کی ضرورت ہے جس کے بعد ان کی وضاحت سمجھ میں آتی ہے۔

[5] یعنی متشابہات میں اور قرآن کی بیان کی ہوئی واضح دلیلوں میں غور و فکر کرتے ہیں اور اس بات کے لیے بے قرار رہتے ہیں کہ ان کی درستی اور حقانیت میں جو کچھ التباس اپنے قصور فہم کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے وہ باقی نہ رہے اور جلد سے جلد دور ہو جائے۔

[6] یعنی اس کے وہ مطالب و تفسیر بیان کرنے پر قدرت دی جو آنحضرتؐ کو تیرے الہام کرنے سے معلوم ہوئے تھے۔

[7] یعنی جس کے پاس اس کے مطالب محفوظ ہیں۔

مِمَّنْ يَعْتَرِفُ بِاَنَّهُ مِنْ عِنْدِكَ حَتّٰى لَا يُعَارِضَنَا الشَّكُّ فِيْ تَصْدِيْقِهٖ وَ لَا يَخْتَلِجَنَا الزَّيْغُ عَنْ قَصْدِ طَرِيْقِهٖ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاجْعَلْنَا مِمَّنْ يَعْتَصِمُ بِحَبْلِهٖ وَ يَاْوِيْ مِنَ الْمُتَشَابِهَاتِ اِلٰى حِرْزِ مَعْقِلِهٖ وَ يَسْكُنُ فِيْ ظِلِّ جَنَاحِهٖ وَيَهْتَدِيْ بِضَوْءِ صَبَاحِهٖ وَ يَقْتَدِيْ بِتَبَلُّجِ اَسْفَارِهٖ وَ يَسْتَصْبِحُ بِمِصْبَاحِهٖ وَلَا يَلْتَمِسُ الْهُدٰى فِيْ غَيْرِهٖ اَللّٰهُمَّ وَ كَمَا نَصَبْتَ بِهٖ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ عَلَمًا لِلدَّلَالَةِ عَلَيْكَ وَ اَنْهَجْتَ بِاٰلِهٖ سُبُلَ الرِّضَا اِلَيْكَ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اجْعَلِ الْقُرْاٰنَ وَسِيْلَةً لَنَا اِلٰى اَشْرَفِ مَنَازِلِ الْكَرَامَةِ وَ سُلَّمًا نَعْرُجُ فِيْهِ اِلٰى مَحَلِّ السَّلَامَةِ وَ سَبَبًا نُجْزٰى بِهِ النَّجَاةَ فِيْ عَرْصَةِ الْقِيٰمَةِ وَ ذَرِيْعَةً نَقْدُمُ بِهَا عَلٰى نَعِيْمِ دَارِ الْمُقَامَةِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى

ہیں۔ اور ہمیں ان لوگوں میں سے قرار دے جو اعتراف کرتے ہیں اس بات کا کہ وہ تیری طرف سے (آیا) ہے۔ تاکہ ہمیں اس کی تصدیق میں شک عارض نہ ہو اور نہ خلجان میں ڈالے ہم کو کج روی اس کے راستے (پر چلنے) کے ارادے سے۔ اے اللہ! تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور ہمیں ان لوگوں میں قرار دے جو اس (قرآن) کی رسّی کو مضبوط پکڑتے ہیں۔ اور متشابہات[1] سے پناہ ڈھونڈتے ہیں اس (قرآن) کی محفوظ جائے پناہ کی طرف[2]۔ اور اس (قرآن) کی حمایت کے سایہ میں ساکن ہوتے ہیں اور راہ پاتے ہیں جلوے سے اس کی صبح کے[3] اور اس کی روشنیوں کی چمک کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ اور اس کے چراغ سے روشنی کے طالب ہوتے ہیں اور نہیں ہدایت پاتے اس کے غیر سے۔ اے اللہ جس طرح بنادیا[4] ہے تو نے اس (قرآن) کے ساتھ محمدؐ کو، رحمت نازل کرے اللہ ان پر اور ان کی اولاد پر اپنی طرف راستہ دکھانے کا نشان، اور (جس طرح) ظاہر کیے ہیں ان کی اولاد کے ذریعہ سے، راستے اپنی خوشنودی کے پس اسی طرح محمدؐ پر اور ان کی آل پر رحمت نازل کر اور بنا دے قرآن کو ذریعہ ہمارے لیے بزرگی کی اعلیٰ ترین منزل کا۔ اور (بنا دے اس کو) ایسی سیڑھی کہ چڑھ جائیں ہم جس کے ذریعہ مقام سلامتی تک اور (بنا دے اس کو) ایسا وسیلہ جس سے ہم میدان قیامت میں نجات پائیں اور (بنا دے اس کو) ایسا ذریعہ کہ ہم جس سے (ہمیشہ) رہنے کے گھر (جنت) کی نعمتوں تک جاسکیں۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور قرآن کے صدقہ

---

[1] یعنی متشابہات کے مطلب میں الجھ کر بھٹک جانے سے۔

[2] یعنی قرآن پاک کی محکم آیات میں کل قرآن پر ایمان لانے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کی روشنی میں متشابہات پر ایمان لاتے ہیں اور یہ سوچ لیتے ہیں کہ ان کا مطلب جو کہ بجائے خود حق ہے ہم اپنی فہم کے قصور سے نہیں سمجھ سکے اور جس وقت خدا چاہے گا سمجھ جائیں گے۔

[3] یعنی جب سمجھنے والوں کے ذہن پر اس کے مطالب اس طرح نمایاں ہوتے ہیں جس طرح صبح کو سورج نکلتا ہے تو انھیں ان مطالب کی روشنی میں راہ ہدایت نظر آجاتی ہے۔

[4] نَصَبْتَ کا ترجمہ ہے جس کے لغوی معنی ہیں گاڑا اور قائم کیا۔

مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاحْطُطْ بِالْقُرْاٰنِ عَنَّا
ثِقْلَ الْاَوْزَارِ وَهَبْ لَنَا حُسْنَ شَمَآئِلِ
الْاَبْرَارِ وَاقْفُ بِنَا اٰثَارَ الَّذِيْنَ قَامُوْا لَكَ
بِهٖ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ حَتّٰى
تُطَهِّرَنَا مِنْ كُلِّ دَنَسٍ بِتَطْهِيْرِهٖ وَتَقْفُوَبِنَا
اٰثَارَ الَّذِيْنَ اسْتَضَآءُوْا بِنُوْرِهٖ وَلَمْ
يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ عَنِ الْعَمَلِ فَيَقْطَعَهُمْ
بِخُدَعِ غُرُوْرِهٖ. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِهٖ وَاجْعَلِ الْقُرْاٰنَ لَنَا فِيْ ظُلَمِ اللَّيَالِيْ
مُوْنِسًا وَمِنْ نَزَغَاتِ الشَّيْطَانِ وَخَطَرَاتِ
الْوَسَاوِسِ حَارِسًا وَلِاَقْدَامِنَا عَنْ نَقْلِهَا اِلَى
الْمَعَاصِيْ حَابِسًا وَلِاَلْسِنَتِنَا عَنِ الْخَوْضِ
فِي الْبَاطِلِ مِنْ غَيْرِ مَا اٰفَةٍ مُخْرِسًا وَ
لِجَوَارِحِنَا عَنِ اقْتِرَافِ الْاٰثَامِ زَاجِرًا وَلِمَا
طَوَتِ الْغَفْلَةُ عَنَّا مِنْ تَصَفُّحِ الْاِعْتِبَارِ

میں ہم پر سے گناہوں کا بوجھ اتار دے اور عطا کر مجھ کو نیکو کاروں کی عمدہ خصلتیں۔ اور ہمیں ان لوگوں کے قدم بقدم چلا جنھوں نے تیری خوشنودی کے لیے اس (قرآن) کے ساتھ قیام[1] کیا راتوں کے درمیان اور دن کے اطراف[2] میں تاکہ پاک کر دے تو ہم کو ہر گندگی (باطن) سے قرآن کے پاک کر دینے[3] کے ذریعہ۔ اور (تاکہ) چلائے تو ہم کو ان لوگوں کے نقش قدم پر جنھوں نے اس کے نور سے روشنی حاصل کی اور نہ غافل بنایا ان کو امید[4] نے عمل[5] سے۔ تاکہ انھیں وہ (امید) اپنے دھوکے سے (تجھ سے) منقطع کر سکے۔

اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور بنا دے قرآن کو ہمارے لیے رات کی تاریکیوں میں مونس، اور (بنا دے اسے) شیطان کے فسادات اور توہمات اور وسوسوں سے نگہبان۔ اور (بنا دے اسے) ہمارے قدموں کو گناہوں کی طرف لے جانے سے روکنے والا اور (بنا دے اسے) فضول (لغو) باتوں میں دخل دینے سے ہماری زبانوں کو بند کر دینے والا (مگر) بغیر کسی آفت[6] کے۔ اور (بنا دے اسے) ہمارے اعضاء کے لیے گناہوں کے ارتکاب سے منع کرنے والا، اور غفلت[7] نے جو عبرتوں کی تلاش ہمارے سامنے سے تہہ[8] کر دی ہے اس کا پھیلانے والا (بنا دے)،

---

۱ؔ یعنی نمازیں پڑھیں جن میں قرآن کی تلاوت کی، یا قرآن کی تلاوت میں کھڑے رہے۔ نیز یہ کہ قَامُوْا لَكَ بِهٖ میں قَامُوْا بِهٖ کے معنی "انھوں نے اسے اختیار کیا" اور لک کے معنی "تیری خوشنودی کے واسطے" لیے جائیں تو جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ انھوں نے تیری خوشنودی کے لیے رات دن قرآن کی تلاوت کی۔

۲ؔ دن کے اطراف سے صبح و شام مراد ہیں۔

۳ؔ یعنی تعلیمات قرآن کی بدولت تو ہم کو ہر نجاست باطنی سے پاک کر دے۔

۴ؔ یعنی دنیا کی امیدوں کے طول نے اور موہوم آرزوؤں اور تمناؤں نے۔

۵ؔ مراد عمل نیک ہے۔

۶ؔ یعنی ہماری زبان لغویات میں بولنے سے تو بند ہو جائے مگر گونگا ہو جانے کی مستقل آفت میں مبتلا نہ ہو۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن پاک میں خدائے تعالیٰ نے آگ سے خطاب کر کے کہا ہے کہ اے آگ سرد ہو جا مگر (اس قدر کہ) ابراہیم صحیح سلامت رہیں یعنی خنکی سے جم نہ جائیں۔

۷ؔ لِمَا طَوَتِ کا ترجمہ بعد کی سطر میں ہے۔

۸ؔ طَوَتَ کا ترجمہ

نَاشِرًا حَتّٰی تُوصِلَ اِلٰی قُلُوبِنَا فَهْمَ عَجَآئِبِهٖ
وَ زَوَاجِرَ اَمْثَالِهِ الَّتِیْ ضَعُفَتِ الْجِبَالُ الرَّوَاسِیْ
عَلٰی صَلَابَتِهَا عَنِ احْتِمَالِهٖ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَ اَدِمْ بِالْقُرْاٰنِ صَلَاحَ ظَاهِرِنَا
وَاحْجُبْ بِهٖ خَطَرَاتِ الْوَسَاوِسِ عَنْ صِحَّةِ
ضَمَآئِرِنَا وَ اغْسِلْ بِهٖ دَرَنَ قُلُوبِنَا وَعَلَائِقَ
اَوْزَارِنَا وَ اجْمَعْ بِهٖ مُنْتَشَرَ اُمُوْرِنَا وَ اَرْوِبِهٖ
فِیْ مَوْقِفِ الْعَرْضِ عَلَيْكَ ظَمَأَ هَوَاجِرِنَا وَ
اكْسُنَا بِهٖ حُلَلَ الْاَمَانِ يَوْمَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ
فِیْ نُشُوْرِنَا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ
وَ اجْبُرْ بِالْقُرْاٰنِ خَلَّتَنَا مِنْ عَدَمِ
الْاِمْلَاقِ وَ سُقْ اِلَيْنَا بِهٖ رَغَدَ الْعَيْشِ وَ
خِصْبَ سَعَةِ الْاَرْزَاقِ وَجَنِّبْنَا بِهِ الضَّرَآئِبَ
الْمَذْمُوْمَةَ وَمَدَانِیَ الْاَخْلَاقِ وَاعْصِمْنَا بِهٖ
مِنْ هُوَّةِ الْكُفْرِ وَدَوَاعِی النِّفَاقِ حَتّٰی

تا اینکہ اتار دے[۱] تو ہمارے دلوں میں اس کے نکتوں اور ان جھڑکنے[۲] والی مثالوں کا مفہوم[۳] کہ عاجز ہیں محکم و مستحکم پہاڑ بھی، باوجود اپنی سختی کے ان کا بوجھ اٹھانے سے۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور ہمیشہ جاری رکھ قرآن کے ذریعہ ہمارے ظاہر کی اصلاح اور روک اس (قرآن) کے ذریعہ وسوسوں کے دل میں گزرنے کو، ہمارے باطن[۴] کو صحت دے کر۔ اور اس کے ذریعہ ہمارے دلوں کا میل[۵] اور ہمارے گناہوں کے نشانات[۶] دھو دے اور ہمارے پراگندہ کاموں کو اس کے ذریعہ جمع کر۔ اور بجھا دے اس کے ذریعہ سے اپنے سامنے پیش ہونے کے موقع پر ہماری سخت گرمی کی پیاس[۷] کو۔ اور ہمیں اس کے ذریعہ امن و امان کا لباس پہنا دے سب سے بڑے خوف کے دن ہمارے (قبروں سے) اٹھنے کے وقت۔ اے اللہ! تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل فرما اور قرآن کے ذریعہ سے ہماری احتیاج کا تدارک کر، عدم احتیاج[۸] سے۔ اور ہنکا دے ہماری طرف اس کی برکت سے فراخی عیش کو اور رفاہیت زیادتی رزق کو۔ اور ہمیں اس کے ذریعہ بری عادتوں سے اور پست اخلاق سے محفوظ رکھ۔ اور اس کے ذریعہ[۹] کفر کے گڑھے سے اور نفاق کے اسباب

---

۱ پوری طرح ذہن نشین کر دے۔

۲ فہم کا ترجمہ بعد کی سطر میں ہے۔

۳ فہم سے مفہوم مراد ہے۔

۴ یعنی باطن کے امراض جو گناہ اور تسلط شیطان سے پیدا ہوتے ہیں ان کو قرآن پاک کے ذریعہ سے صحت دے کر ہمارے دلوں میں وسوسوں کا گزر بند کر دے۔

۵ یعنی وہ سیاہی قلب جو گناہوں کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے اور جس کے باعث حق و صدق کی جانب سے ایک طرح کا انقباض دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔

۶ گناہوں کے بعد عبادت و اطاعت سے جو بے اعتنائی کی جاتی ہے بجائے خود گناہان سابق کی ایک علامت ہوتی ہے۔

۷ یعنی دنیا میں ہمیشہ تلاوت قرآن پاک میں مصروف رہنے کی برکت سے ہماری زبان میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ روز قیامت کی سخت گرمی میں وہ پیاس سے مضمحل نہ ہو اور ایسا محسوس ہو جیسے ہم سیراب ہیں۔

۸ یعنی تعلیمات قرآن سے ہم میں قناعت پیدا کر دے یا اس کی تلاوت کی برکت سے ہمارے رزق میں وسعت دے۔

۹ یعنی اس کی تعلیمات کے ذریعہ۔

يَكُوْنَ لَنَا فِي الْقِيٰمَةِ اِلٰى رِضْوَانِكَ وَجِنَانِكَ قَائِدًا وَّلَنَا فِي الدُّنْيَا عَنْ سَخَطِكَ وَتَعَدِّيْ حُدُوْدِكَ ذَائِدًا وَلِمَا عِنْدَكَ بِتَحْلِيْلِ حَلَالِهٖ وَتَحْرِيْمِ حَرَامِهٖ شَاهِدًا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَهَوِّنْ بِالْقُرْاٰنِ عِنْدَ الْمَوْتِ عَلٰى اَنْفُسِنَا كَرْبَ السِّيَاقِ وَجَهْدَ الْاَنِيْنِ وَتَرَادُفَ الْحَشَارِجِ اِذَا بَلَغَتِ النُّفُوْسُ التَّرَاقِيَ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ وَتَجَلّٰى مَلَكُ الْمَوْتِ لِقَبْضِهَا مِنْ حُجُبِ الْغُيُوْبِ وَرَمَاهَا عَنْ قَوْسِ الْمَنَايَا بِاَسْهُمِ وَحْشَةِ الْفِرَاقِ وَدَافَ لَهَا مِنْ ذُعَافِ الْمَوْتِ كَاْسًا مَسْمُوْمَةَ الْمَذَاقِ وَدَنَا مِنَّا اِلَى الْاٰخِرَةِ رَحِيْلٌ وَّانْطِلَاقٌ وَصَارَتِ الْاَعْمَالُ قَلَائِدَ فِي الْاَعْنَاقِ وَكَانَتِ الْقُبُوْرُ هِيَ الْمَاْوٰى اِلٰى يَوْمِ التَّلَاقِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَبَارِكْ لَنَا فِيْ حُلُوْلِ دَارِ الْبِلٰى وَطُوْلِ الْمُقَامَةِ بَيْنَ اَطْبَاقِ الثَّرٰى وَاجْعَلِ الْقُبُوْرَ بَعْدَ فِرَاقِ الدُّنْيَا خَيْرَ مَنَازِلِنَا

سے ہماری حفاظت کرے تاکہ وہ ہمارے لیے بن جائے قیامت میں تیری خوشنودی اور تیری جنت کی طرف لے جانے والا رہبر۔ اور (بن جائے) ہمارے لیے دنیا میں تیرے عذاب سے اور تیرے احکام کو نہ ماننے سے روکنے والا۔ اور جس طرح (نفس الامر میں) تیرے نزدیک[1] ہے (اس طرح) تیرے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنے کا گواہ (بن جائے) اے اللہ تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور آسان کر دے قرآن کے ذریعہ ہمارے نفسوں پر موت کے وقت، کوچ کرنے کی تکلیف کو، اور کراہنے[2] کے کرب کو اور پے در پے ہچکیوں کو جبکہ ساری جان کھنچ کر حلق تک آجائے اور کہا جائے کہ (اب) کون ہے جو جادو[3] کر سکے اور موت کا فرشتہ غیب کے پردوں سے قبض روح کے لیے نازل ہو اور موت کی کمان سے جدائی کی وحشت کے تیر اس (نفس) کی طرف پھینکے اور مخلوط کرے اس (نفس) کے لیے موت کی تلخی[4] سے ایک ایسا پیالہ جس میں زہر کا مزہ ہو، اور قریب ہو جائے ہم سے آخرت کی طرف کوچ اور روانگی۔ اور اعمال[5] گردنوں کا ہار بن جائیں اور قبریں روز قیامت کے وقت تک کے لیے ہماری آرام گاہ بنیں[6]۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔ اور مبارک بنا دے ہمارے لیے بوسیدہ[7] مکان (قبر) میں اترنے کو اور زمین کے طبقوں میں طویل مدت تک رہنے کو۔ اور قرار دے قبروں کو دنیا کے چھوٹنے کے بعد ہماری بہترین منزل۔

---

[1] یعنی اس بات کا گواہ بن جائے کہ حلال و حرام کی حقیقت نفس الامری جس طرح ہے اسی طرح ہم نے اسے سمجھا اور اس پر عمل کیا۔

[2] الانین کا ترجمہ اور تیسری سطر میں ہے۔

[3] یعنی جادو سے بچالے۔

[4] ذعاف کے لغوی معنی زہر کے ہیں جس سے یہاں وہ تلخی مراد ہے جو زہر میں ہوتی ہے۔

[5] مراد برے اعمال۔

[6] ان سب اوقات کی سختی کو ہم پر قرآن کے ذریعہ سے آسان کر دے۔

[7] بِلا (بکسر با) بمعنی بوسیدہ۔ ایک مطبوعہ نسخے میں بَلا (بفتح با) لکھا ہے جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

وَافْسَحْ لَنَا بِرَحْمَتِكَ فِيْ ضِيْقِ مَلَاحِدِنَا وَ
لَا تَفْضَحْنَا فِيْ حَاضِرِي الْقِيٰمَةِ بِمُوْبِقَاتِ
اٰثَامِنَا وَارْحَمْ بِالْقُرْاٰنِ فِي الْعَرْضِ
عَلَيْكَ ذُلَّ مَقَامِنَا وَثَبِّتْ بِهٖ عِنْدَ
اضْطِرَابِ جِسْرِ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْمَجَازِ عَلَيْهَا
زَلَلَ اَقْدَامِنَا وَنَجِّنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ وَشَدَائِدِ اَهْوَالِ يَوْمِ الطَّامَّةِ
وَبَيِّضْ وُجُوْهَنَا يَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْهُ الظَّلَمَةِ
فِيْ يَوْمِ الْحَسْرَةِ وَالنَّدَامَةِ وَاجْعَلْ لَنَا
فِيْ صُدُوْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وُدًّا وَلَا تَجْعَلِ الْحَيٰوةَ
عَلَيْنَا نَكَدًا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا بَلَّغَ رِسَالَتَكَ
وَصَدَعَ بِاَمْرِكَ وَنَصَحَ لِعِبَادِكَ اَللّٰهُمَّ
اجْعَلْ نَبِيَّنَا صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ وَعَلٰى
اٰلِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَقْرَبَ النَّبِيِّيْنَ
مِنْكَ مَجْلِسًا وَاَمْكَنَهُمْ مِنْكَ شَفَاعَةً
وَاَجَلَّهُمْ عِنْدَكَ قَدْرًا وَاَوْجَهَهُمْ
عِنْدَكَ جَاهًا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاٰلِ
مُحَمَّدٍ وَشَرِّفْ بُنْيَانَهُ وَعَظِّمْ بُرْهَانَهُ

اور اپنی رحمت سے ہمارے لیے ہماری قبروں کی تنگی میں وسعت دے
اور مت رسوا کر ہم کو قیامت کے مجمع میں ہمارے مہلک گناہوں کے
سبب سے۔ اور رحم کر قرآن کے صدقہ میں، اپنے سامنے پیشی کے موقع
پر ہمیں پست جگہ ملنے پر[1]۔ اور روک دے اس (قرآن) کی بدولت پل
صراط کے ڈگمگانے کے وقت، (یعنی) اس روز جبکہ اس پر چلنا ہوگا،
ہمارے قدموں کی لغزش کو۔ اور نجات دے ہمیں اس کے ذریعہ ہر اندوہ
سے قیامت کے دن۔ اور (نجات دے) یوم حوادث کے خوفوں کی
سختیوں سے۔ اور ہمیں سرخرو کر[2] اس دن جبکہ ظالموں کے چہرے حسرت
اور شرمندگی کے روز سیاہ ہو جائیں گے اور مومنوں کے دلوں میں
ہماری محبت ڈال[3] اور زندگی کو ہم پر تنگ نہ بنا۔ اے اللہ! محمدؐ پر
جو کہ تیرے بندے اور رسول ہیں رحمت نازل کر جس طرح کہ انھوں
نے تیرا پیغام پہنچایا اور تیرے امر کو ظاہر کیا اور تیرے بندوں کو نصیحت
کی۔ اے اللہ قرار دے ہمارے نبی کو، تیری رحمت ہو ان پر اور ان
کی اولاد پر، قیامت کے دن سب نبیوں سے زیادہ قریب مقام میں
اپنے آپ سے۔ اور قرار دے انھیں سب سے زیادہ مؤثر اپنی
بارگاہ میں شفاعت کے موقع پر۔ اور سب سے زیادہ وقیع اپنے
نزدیک قدر و منزلت میں۔ اور ان سب سے زیادہ وجیہہ اپنے نزدیک
جاہ و منزلت میں۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی
اولاد پر اور بلند کر ان کی بنیاد کو اور ان کی دلیل کو عظمت دے اور

---

[1] یعنی تیرے سامنے روز قیامت پیش ہونے کے موقع پر ہمیں پست جگہ کا سزاوار سمجھا جائے اس وقت تلاوت قرآن کے صدقے میں ہم پر رحم کر
اور ہمیں بلند جگہ عنایت فرما۔

[2] وَبَيِّضْ وُجُوْهَنَا کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ ہمارے چہروں کو سفید کر۔ چونکہ اردو روزمرہ میں چہروں کے سفید کرنے میں ذم کا پہلو نکلتا ہے اس لیے
اس مقام پر لفظی ترجمہ کر دینا درست نہیں۔ اردو میں اس موقع پر سرخرو کرنا بولتے ہیں۔

[3] اِجْعَلْ کا ترجمہ اگلی سطر میں ہے۔

وَثَقِّلْ مِيْزَانَهٗ وَتَقَبَّلْ شَفَاعَتَهٗ وَقَرِّبْ
وَسِيْلَتَهٗ وَبَيِّضْ وَجْهَهٗ وَاَتِمَّ نُوْرَهٗ وَ
ارْفَعْ دَرَجَتَهٗ وَاَحْيِنَا عَلٰى سُنَّتِهٖ وَتَوَفَّنَا
عَلٰى مِلَّتِهٖ وَخُذْ بِنَا مِنْهَاجَهٗ وَاسْلُكْ
بِنَا سَبِيْلَهٗ وَاجْعَلْنَا لَهٗ مِنْ اَهْلِ طَاعَتِهٖ
وَاحْشُرْنَا فِيْ زُمْرَتِهٖ وَاَوْرِدْنَا حَوْضَهٗ وَ
اسْقِنَا بِكَاْسِهٖ وَصَلِّ اللّٰهُمَّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِهٖ صَلٰوةً تُبَلِّغُهٗ بِهَا اَفْضَلَ مَا يَاْمُلُ
مِنْ خَيْرِكَ وَفَضْلِكَ وَكَرَامَتِكَ اِنَّكَ
ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ وَّفَضْلٍ كَرِيْمٍ اَللّٰهُمَّ
اجْزِهٖ بِمَا بَلَّغَ مِنْ رِسَالَاتِكَ وَاَدّٰى
مِنْ اٰيَاتِكَ وَنَصَحَ لِعِبَادِكَ وَجَاهَدَ
فِيْ سَبِيْلِكَ اَفْضَلَ مَا جَزَيْتَ اَحَدًا مِّنْ
مَلٰٓئِكَتِكَ الْمُقَرَّبِيْنَ وَاَنْبِيَآئِكَ الْمُرْسَلِيْنَ
الْمُصْطَفَيْنَ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ
الطَّاهِرِيْنَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ ؕ

ان کی ترازو کو بھاری کر اور ان کی سفارش کو روزِ قیامت قبول کر
اور ان کے وسیلے کو نزدیک کر اور انھیں سرخرو[1] فرما اور ان کے نور[2] کو
کامل کر اور ان کے درجہ کو بلند کر اور ہمیں ان کی سنت[3] پر حیات
پر زندہ رکھ اور ان ہی کی ملت پر موت دے اور ہمیں ان ہی راہ پر
قائم رکھ اور ہمیں ان کے راستے پر چلا۔ اور ہمیں ان کے فرمانبرداروں
میں سے قرار دے اور ہمیں ان کے گروہ میں محشور کر۔ اور ہمیں ان کے
حوض[4] پر وارد کر اور ہمیں اس (حوض) کے پیالے سے سیراب فرما۔ اور
رحمت نازل کر اے اللہ محمد پر اور ان کی اولاد پر ایسی رحمت جس
سے پہنچا دے تو انھیں اس سے (بھی) افضل خیر اور فضل اور کرامت
پر جس کی وہ تجھ سے امید رکھتے ہیں۔ بے شک تو وسیع[5] رحمت والا،
اور اچھے فضل والا ہے۔ اے اللہ! جزا دے ان کو اس بات کی کہ
انھوں نے تیرے پیغام پہنچائے اور تیری آیتیں پہنچائیں (یعنی بتائیں)
اور تیرے بندوں کو نصیحت کی اور تیری راہ میں جہاد[6] کیا، وہ بہترین
جزا جو تو نے اپنے ملائکہ و مقربین، اور اپنے انبیاء مرسلین میں سے
کسی کو بھی دی ہو (ایسے انبیاء) جو کہ منتخب[7] ہیں۔ اور سلام ہو ان پر اور
ان کی اولاد پر جو کہ پاک و پاکیزہ ہیں۔ اور خدا کی رحمتیں اور برکتیں ہوں

---

[1] دیکھیے زیرِ نظر دعا میں "بَيِّضْ وُجُوْهَنَا" کا حاشیہ جو صفحہ ١٧٦ پر ہے۔

[2] مراد ہدایت ہے۔

[3] اگرچہ نور بجائے خود کامل ہے مگر اس جگہ مراد یہ ہے کہ ان کے نور کو پوری طرح پھیلا دے اور دنیا کو ان کی ہدایت سے پُر کر دے۔

[4] یعنی روزِ قیامت ہمیں حوضِ کوثر پر جس کے مالک رسولؐ ہوں گے، وارد ہونے اور اس سے سیراب ہونے کی عزت دے۔

[5] وَاسِعَةٍ کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔

[6] یعنی خود زبان سے جہاد کیا اور لشکر کشی کے موقع پر مجاہدین کی سرپرستی اور رہنمائی اور قیادت کر کے جہاد قائم کیا۔

[7] حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

# وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا نَظَرَ إِلَى الْهِلَالِ

حضرت زین العابدین جب چاند رات کو چاند دیکھتے تو یہ دُعا پڑھتے تھے۔

أَيُّهَا الْخَلْقُ الْمُطِيعُ الدَّائِبُ السَّرِيعُ الْمُتَرَدِّدُ فِي مَنَازِلِ التَّقْدِيرِ الْمُتَصَرِّفُ فِي فَلَكِ التَّدْبِيرِ آمَنْتُ بِمَنْ نَوَّرَ بِكَ الظُّلَمَ وَ أَوْضَحَ بِكَ الْبُهَمَ وَجَعَلَكَ آيَةً مِنْ آيَاتِ مُلْكِهِ وَعَلَامَةً مِنْ عَلَامَاتِ سُلْطَانِهِ وَ امْتَهَنَكَ بِالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ وَالطُّلُوعِ وَ الْأُفُولِ وَ الْإِنَارَةِ وَالْكُسُوفِ فِي كُلِّ ذَلِكَ أَنْتَ لَهُ مُطِيعٌ وَإِلَى إِرَادَتِهِ سَرِيعٌ سُبْحَانَهُ مَا أَعْجَبَ مَا دَبَّرَ فِي أَمْرِكَ وَ أَلْطَفَ مَا صَنَعَ فِي شَأْنِكَ جَعَلَكَ

اے وہ مخلوق جو خدائے تعالیٰ کی اور اس کے مقرر کردہ نظام کی فرماں بردار ہے، جو (خدا کی) مقرر و معین کی ہوئی منزلوں[1] میں مشقت جھیلتی ہوئی، تیزی[2] کے ساتھ آتی جاتی (اور دوڑتی) رہتی ہے، اور گھومتی ہے نظام مخصوص[3] کے دائرے میں۔ میں اس (خدا) پر ایمان لایا جس نے تیرے ذریعہ سے تاریکیوں کو روشن کیا ہے اور نمایاں کر دیا تیرے ذریعے مشتبہ مقلات کو اور قرار دیا تجھ کو اپنی سلطنت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی۔ اور ایک علامت اپنی حکومت (اور غلبہ) کی علامت میں سے اور تیرا عجز[4] ثابت کیا بڑھنے اور گھٹنے اور نکلنے اور ڈوبنے اور چمکنے اور گہن[5] لگنے سے ان تمام حالتوں میں تو اس کا مطیع ہے اور اسی کے ارادے کی طرف تیزی سے بڑھتا رہتا ہے۔ سبحان اللہ! اس نے کیسی اچھی تدبیر کی ہے تیرے

---

[1] چاند ہر مہینے اٹھائیس منزلوں سے گزرتا ہے جن کے نام ہیں۔ (۱) شرطان: (۲) بطین (۳) ثریا (۴) دبران (۵) ہقعہ (۶) ذراع (۷) نثرہ (۸) طرف (۹) جبہہ (۱۰) زبرہ (۱۱) صرفہ (۱۲) عواء (۱۳) سماک اعزل (۱۴) سماک رامح (۱۵) غفر (۱۶) زبانا (۱۷) اکلیل (۱۸) قلب (۱۹) شولہ (۲۰) نعائم (۲۱) بلدہ (۲۲) سعد ذابح (۲۳) سعد بلع (۲۴) سعد السعود (۲۵) سعد الاخبیہ (۲۶) فرغ مقدم (۲۷) فرغ موخر (۲۸) رشاء۔

[2] علمائے فلکیات نے تحقیق کر کے بتایا ہے کہ چاند دوسرے سیاروں کی بہ نسبت تیز حرکت کرتا ہے چنانچہ ایک ماہ میں پورے بارہ برجوں کا دور ختم کر لیتا ہے جبکہ یہ دورہ آفتاب ایک سال میں اور زہرہ و عطارد بھی تقریباً اتنی ہی مدت میں اور مریخ ۱۰ ½ ماہ میں ختم کرتا ہے یہی دورہ مشتری بارہ برس میں اور زحل تیس برس میں تمام کرتا ہے۔ غرض چاند کے مقابلے میں کل سیاروں کی حرکت سست اور کمزور ہے۔

[3] "التَّدْبِير" انتظام کرنا۔ فلک التدبیر۔ انتظام کا دائرہ۔ مقررہ نظام کا دائرہ۔

[4] امْتَهَنَكَ کے لغوی معنی ہیں تجھے ذلیل کیا مگر اس جگہ مراد یہ ہے کہ چونکہ بعض لوگ چاند کو معبود تصور کرتے تھے اس لیے خدائے تعالیٰ نے مابعد باتوں سے چاند کا عجز ثابت کر کے یہ بتا دیا کہ وہ ایک اپنے سے بالاتر قوت کا مطیع ہے۔

[5] یعنی نکلنے کے بعد گہن لگنے سے۔

مِفْتَاحُ شَهْرٍ حَادِثٍ لِأَمْرٍ حَادِثٍ
فَأَسْئَلُ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكَ وَ خَالِقِيْ
وَ خَالِقَكَ وَ مُقَدِّرِيْ وَ مُقَدِّرَكَ وَ
مُصَوِّرِيْ وَ مُصَوِّرَكَ اَنْ يُّصَلِّيَ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَنْ يَّجْعَلَكَ
هِلَالَ بَرَكَةٍ لَا تَمْحَقُهَا الْاَيَّامُ
وَ طَهَارَةٍ لَا تُدَنِّسُهَا الْاٰثَامُ هِلَالَ
اَمْنٍ مِّنَ الْاٰفَاتِ وَ سَلَامَةٍ مِّنَ
السَّيِّئَاتِ هِلَالَ سَعْدٍ لَا نَحْسَ فِيْهِ
وَ يُمْنٍ لَا نَكَدَ مَعَهُ وَ يُسْرٍ
لَا يُمَازِجُهُ عُسْرٌ وَ خَيْرٍ لَا يَشُوْبُهُ
شَرٌّ هِلَالَ اَمْنٍ وَ اِيْمَانٍ وَ نِعْمَةٍ
وَ اِحْسَانٍ وَ سَلَامَةٍ وَ اِسْلَامٍ اَللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ وَ
اجْعَلْنَا مِنْ اَرْضٰى مَنْ طَلَعَ عَلَيْهِ
وَ اَزْكٰى مَنْ نَظَرَ اِلَيْهِ وَ اَسْعَدَ
مَنْ تَعَبَّدَ لَكَ فِيْهِ وَ وَفِّقْنَا فِيْهِ
لِلتَّوْبَةِ وَ اعْصِمْنَا فِيْهِ مِنَ الْحَوْبَةِ وَ
احْفَظْنَا فِيْهِ مِنْ مُبَاشَرَةِ مَعْصِيَتِكَ وَ
اَوْزِعْنَا فِيْهِ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَ اَلْبِسْنَا
فِيْهِ جُنَنَ الْعَافِيَةِ وَ اَتْمِمْ عَلَيْنَا بِاسْتِكْمَالِ

نظام میں۔ اور کتنی لطیف ہے[1] کاریگری جو تیری صورت حال میں انجام دی ہے۔ تجھے نئے مہینے کی کنجی بنایا ہے نئے کام کے لیے پس میں سوال کرتا ہوں اللہ سے جو میرا پالنے والا اور تیرا (بھی) پالنے والا ہے اور میرا پیدا کرنے والا اور تیرا (بھی) پیدا کرنے والا ہے اور میرا نظام قائم کرنے والا اور تیرا (بھی) نظام قائم کرنے والا ہے اور میری شکل بنانے والا اور تیری (بھی) شکل بنانے والا ہے یہ کہ وہ محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کرے اور تجھے ایسی برکت کا چاند بنائے جسے نہ مٹا سکے گردش ایام، اور ایسی طہارت کا (چاند بنائے) جسے گناہ نجس نہ کر سکیں۔ اور آفتوں سے امن پانے کا ہلال (بنائے) اور برائیوں سے بچے رہنے کا ہلال (بنائے) اور ایسی نیکی کا ہلال (بنائے) جس میں نحوست نہ ہو، اور ایسا مبارک (ہلال) بنائے جس میں رنج نہ ہو اور ایسا آسانی کا (ہلال) بنائے جس میں دشواری نہ ہو اور ایسا بہتری کا (چاند بنائے) جو شر سے مخلوط نہ ہو (اور) امن، ایمان[2]، نعمت، احسان، سلامتی اور اسلام کا چاند[3] بنائے۔ اے اللہ! تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر اور ہمیں ان تمام لوگوں سے زیادہ پسندیدہ قرار دے جن پر چاند چمکا ہے اور ان سب لوگوں سے زیادہ پاکیزہ بنا دے جنھوں نے اسے دیکھا ہے اور ان سب لوگوں سے زیادہ نیک بخت (کر دے) جنھوں نے اس کی چاندنی میں تیری عبادت کی ہے، اور توفیق دے ہم کو اس مہینے میں توبہ کی اور ہمیں اس چاند میں گناہ سے محفوظ رکھ اور حفاظت کر ہماری اس ماہ میں (تیری) نافرمانی کے قریب جانے سے۔ اور اس چاند میں اپنی نعمت کے شکر کا خیال ہمارے دل میں پیدا کر۔ اور لگا دے ہم پر اس ماہ میں سلامتی کی ڈھالیں۔ اور کامل کر دے ہم

---

۱ حادث کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

۲ مطلب یہ ہے کہ ایسا مبارک چاند ہو جس میں ایمان بڑھے اور اس کے صلے میں بندوں کو اللہ کی خوب نعمتیں ملیں اور اس کے احسانات سے ہم مستفیض ہوں۔ دین و دنیا میں سلامتی پائیں اور ان سب باتوں کے نتیجے میں اسلام اور مسلمین کی ترقی ہو۔

۳ ہلال کا ترجمہ جو کہ اوپر کی سطر میں مذکور ہوا۔

طَاعَتِكَ فِيْهِ الْمِنَّةَ اِنَّكَ الْمَنَّانُ الْحَمِيْدُ
وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ
الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ ۞

پر اپنی فرمانبرداری مکمل کر لے اس مہینے میں (اپنا) احسان۔ بے شک تو بڑا
احسان کرنے والا (اور) قابلِ تعریف ہے۔ اور رحمت نازل کرے اللہ
محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر جو کہ پاک و پاکیزہ ہیں۔

## دُعَائُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِذَا دَخَلَ شَہْرُ رَمَضَانَ

حضرت زین العابدینؑ رمضان کا مہینہ آتے
ہی یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِحَمْدِهٖ وَ
جَعَلَنَا مِنْ اَهْلِهٖ لِنَكُوْنَ لِاِحْسَانِهٖ
مِنَ الشَّاكِرِيْنَ وَ لِيَجْزِيَنَا عَلٰى
ذٰلِكَ جَزَآءَ الْمُحْسِنِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ
الَّذِیْ حَبَانَا بِدِيْنِهٖ وَ اخْتَصَّنَا بِمِلَّتِهٖ
وَ سَبَّلَنَا فِیْ سُبُلِ اِحْسَانِهٖ لِنَسْلُكَهَا
بِمَنِّهٖ اِلٰى رِضْوَانِهٖ حَمْدًا يَتَقَبَّلُهٗ مِنَّا
وَ يَرْضٰى بِهٖ عَنَّا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ
جَعَلَ مِنْ تِلْكَ السُّبُلِ شَهْرَهٗ شَهْرَ
رَمَضَانَ شَهْرَ الصِّيَامِ وَ شَهْرَ الْاِسْلَامِ وَ

ہر گونہ حمد کا سزاوار وہی معبود ہے جس نے ہمیں اپنی حمد کی
ہدایت[1] فرمائی اور ہمیں حمد کرنے والوں میں قرار دیا تاکہ ہم اس کے احسان
کا شکر ادا کریں اور تاکہ وہ ہمیں اس عمل پر وہ بدلہ دے جو نیکی کرنے والوں
کو دیتا ہے۔ اور ہر تعریف کا مستحق وہ معبود ہے جس نے ہمیں اپنا دین عطا
کیا اور ہمیں اپنی ملت[2] سے مخصوص فرمایا اور چلایا ہم کو اپنے احسان[3] کے
راستوں میں تاکہ ہم ان راستوں میں اس کے احسان[4] سے اس کی
خوشنودی کی طرف جائیں۔ ایسی تعریف، جسے قبول کرے وہ ہم سے،
اور اس کے صدقے میں ہم سے راضی ہو جائے۔ اور ہر حمد اسی معبود کے لیے
ہے جس نے قرار دیا ان راستوں میں سے (ایک) راستہ اپنے مہینے[5] ماہ
رمضان کو جو روزے کا مہینہ ہے۔ اسلام[6] کا مہینہ ہے۔ اور مہینہ ہے

---

ا۔ یعنی توفیق دے کر اپنی حمد بجا لانے میں رہنمائی کی۔

۲۔ یعنی ملتِ اسلام کے رموز و نکات اور علوم قرآن و حدیث عطا کر کے ہماری خدمات اپنی ملت کے لیے مخصوص کر دیں۔

۳۔ اس جگہ احسان سے حسنات کا بجا لانا مراد ہے۔

۴۔ اس مقام پر احسان سے منت مراد ہے۔

۵۔ بارہ مہینوں میں ماہ رمضان خدائے تعالیٰ کا مہینہ کہلاتا ہے بعض علمائے اسلام نے یہاں تک کہا ہے کہ خدائے تعالیٰ کے ۹۹ اسمائے پاک ہیں۔ ان کا ایک نام رمضان بھی ہے اور اسی بناء پر علماء قائل ہوئے ہیں کہ اس مہینے کو تنہا رمضان کہنا درست نہیں بلکہ مہینہ ماہ رمضان یا شہر رمضان کہنا چاہیے۔

۶۔ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں رضا و تسلیم کے ساتھ گردن جھکانے کا مہینہ ہے۔

شَهْرَ الطَّهُوْرِ وَ شَهْرَ التَّمْحِيْصِ وَ شَهْرَ
الْقِيَامِ الَّذِيْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى
لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ
فَاَبَانَ فَضِيْلَتَهٗ عَلٰى سَآئِرِ الشُّهُوْرِ بِمَا
جَعَلَ لَهٗ مِنَ الْحُرُمَاتِ الْمَوْفُوْرَةِ وَ
الْفَضَائِلِ الْمَشْهُوْرَةِ فَحَرَّمَ فِيْهِ مَا
اَحَلَّ فِيْ غَيْرِهٖ اِعْظَامًا وَ حَجَرَ فِيْهِ
الْمَطَاعِمَ وَ الْمَشَارِبَ اِكْرَامًا وَ جَعَلَ لَهٗ
وَقْتًا بَيِّنًا لَا يُجِيْزُ جَلَّ وَ عَزَّ اَنْ يُّقَدَّمَ
قَبْلَهٗ وَ لَا يَقْبَلُ اَنْ يُّؤَخَّرَ عَنْهُ ثُمَّ
فَضَّلَ لَيْلَةً وَّاحِدَةً مِّنْ لَيَالِيْهِ عَلٰى
لَيَالِيْ اَلْفِ شَهْرٍ وَ سَمَّاهَا لَيْلَةَ الْقَدْرِ
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ
رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلَامٌ دَآئِمُ الْبَرَكَةِ اِلٰى

پاکیزگی کا۔ اور گناہوں کے دور کرنے[1] کا مہینہ اور وہ عبادت کا مہینہ ہے
جس میں نازل کیا گیا ہے قرآن۔ جو بندوں کے لیے رہنما ہے۔ اور ہدایت
کی روشن دلیل ہے اور فرق کرنے والا ہے (حق و باطل میں) پھر تمام
مہینوں سے اس (ماہ رمضان) کی افضلیت کو نمایاں کیا اُن باتوں کے
ذریعہ جو اس کے لیے مقرر کر دی ہیں یعنی حرمتیں لاتعداد اور مشہور فضیلتیں[2]۔
پس حرام کر دیں اس مہینے میں (بعض) وہ باتیں جو حلال کی ہیں اس کے
علاوہ مہینوں میں اس کی عظمت کی وجہ سے۔ اور ممنوع کر دیا اس ماہ[3] میں
کھانے اور پینے کی چیزوں کو اس کے اکرام کی وجہ سے۔ اور قرار دیا اس
کے[4] لیے ایک کھلا اور نمایاں وقت۔ کہ وہ بزرگ و غالب (خدا) نہ اس
سے پہلے کی اجازت دیتا ہے اور نہ قبول کرتا ہے یہ کہ اس (وقت) کے
بعد کیا جائے[5]۔ پھر اس کی راتوں میں سے ایک رات[6] کو فضیلت دے
دی ہزار مہینوں کی راتوں پر[7]۔ اور اس کا نام شب قدر رکھ دیا۔ نازل
ہوتے ہیں ملائکہ اور (خصوصاً) روح الامین اس رات میں خدا کی اجازت
سے ہر امر لے کر (وہ رات) دائمی برکت والی سلامتی ہے صبح نکلنے تک۔

---

١ احادیث سے ثابت ہے کہ ماہ رمضان میں جب روزہ دار بندہ عبادت الٰہی میں مصروف ہوتا ہے تو ہر حسنہ اس کے گناہوں کا کفارہ بنتا جاتا ہے۔

٢ ماہ رمضان کی ادنیٰ فضیلت یہ ہے کہ اور مہینوں میں عبادت کا جتنا اجر ملتا ہے، اس ماہ میں اس سے دہ چند اجر و ثواب دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس مہینے میں اور بھی خصوصیات ہیں جو اپنے مقام پر کتب اسلامی میں مذکور ہیں منجملہ ان خصوصیات کے ایک خاص وصف یہ ہے جو مثال کے طور پر "پس حرام کر دیں" کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔

٣ ماہ کا لفظ عام ہے جو رات اور دن دونوں پر حاوی ہے مگر یہاں صرف دن مراد ہے جس میں روزہ رکھا جاتا ہے۔

٤ خورد و نوش کے لیے۔

٥ یعنی روزہ میں سحر و افطار کا جو وقت مقرر ہے اسی وقت خورد و نوش جائز ہے بلکہ ثواب ہے۔

٦ مراد شب قدر۔

٧ جیسا کہ سورہ قدر میں فرمانا ہے لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ یعنی شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

یعنی ... [illegible] ... پروگرام کے کر وہ راہ ہوتے ہیں جو کارکنان قضا و قدر کو جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوقات عالم کے منتظم ہیں اور کارکنان ... حتیٰ کہ ... ان کی حرکت پر معین ہیں۔ وہ ان احکام سے ذرہ بھر باہر قدم نہیں رکھ سکتے جو انھیں تفویض کر دیے گئے ہیں۔

طُلُوْعِ الْفَجْرِ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ
بِمَا اَحْكَمَ مِنْ قَضَآئِهٖ اَللّٰهُمَّ صَلِّ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَلْهِمْنَا مَعْرِفَةَ
فَضْلِهٖ وَاِجْلَالَ حُرْمَتِهٖ وَ التَّحَفُّظَ
مِمَّا حَظَرْتَ فِيْهِ وَ اَعِنَّا عَلٰى صِيَامِهٖ
بِكَفِّ الْجَوَارِحِ عَنْ مَعَاصِيْكَ وَاسْتِعْمَالِهَا
فِيْهِ بِمَا يُرْضِيْكَ حَتّٰى لَا نُصْغِيَ
بِاَسْمَاعِنَا اِلٰى لَغْوٍ وَّلَا نُسْرِعَ بِاَبْصَارِنَا
اِلٰى لَهْوٍ وَحَتّٰى لَا نَبْسُطَ اَيْدِيَنَا اِلٰى
مَحْظُوْرٍ وَلَا نَخْطُوَ بِاَقْدَامِنَا اِلٰى مَحْجُوْرٍ
وَحَتّٰى لَا تَعِيَ بُطُوْنُنَا اِلَّا مَآ اَحْلَلْتَ وَلَا
تَنْطِقَ اَلْسِنَتُنَا اِلَّا بِمَا مَثَّلْتَ وَ لَا
نَتَكَلَّفَ اِلَّا مَا يُدْنِيْ مِنْ ثَوَابِكَ وَلَا
نَتَعَاطٰى اِلَّا الَّذِيْ يَقِيْ مِنْ عِقَابِكَ ثُمَّ
خَلِّصْ ذٰلِكَ كُلَّهٗ مِنْ رِيَآءِ الْمُرَآئِيْنَ وَ
سُمْعَةِ الْمُسْمِعِيْنَ لَا نُشْرِكُ فِيْهِ اَحَدًا
دُوْنَكَ وَلَا نَبْتَغِيْ فِيْهِ مُرَادًا سِوَاكَ اَللّٰهُمَّ

بندوں میں سے ہر اس شخص کے لیے جس کے واسطے وہ چاہتا ہے، ہر اس
حکم میں جو اس نے جاری کیا ہے[1]۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر
اور ان کی اولاد پر۔ اور ہمارے دلوں میں ڈال دے، اس (ماہ رمضان)
کی فضیلت کی معرفت اور اس کی حرمت[2] کی بزرگی اور اس بات سے پرہیز
جسے تو نے اس مہینے میں حرام کیا ہے اور مدد کر ہماری اس (ماہ) میں
روزہ کی حالت میں، اعضا کو اپنی نافرمانیوں سے روکنے[3] اور ان کو اس
بات میں استعمال کرنے پر جو تجھے خوشنود کردیں، تاکہ ہم اپنے کانوں
سے کوئی لغو بات نہ سنیں اور نہ اپنی آنکھوں کو لہو ولعب میں لگائیں اور
تاکہ ہم اپنے ہاتھوں کو ممنوع باتوں کی طرف نہ پھیلائیں اور اپنے پاؤں سے
محرمات کی طرف نہ جائیں اور تاکہ نہ جگہ دیں ہمارے پیٹ مگر ان چیزوں
کو جو تو نے حلال کی ہیں اور نہ ادا کریں ہماری زبانیں مگر وہ مثالیں جو
تو نے بیان کی ہیں اور نہ مشقت اٹھائیں ہم مگر اس کام کی جو تیرے ثواب
سے قریب کردے اور نہ مرتکب ہوں ہم مگر اس چیز کے جو تیرے عذاب
سے بچالے۔ پھر ان تمام اعمال کو پاک وصاف کردے ریاکاروں کے
دکھاوے سے اور سنانے والوں کی شہرت سے۔ نہ شریک کریں[4] ہم اس
(عمل) میں تیرے علاوہ کسی کو۔ اور نہ خواہش مند ہوں ہم اس (کام)
میں تیرے سوا کسی اور مقصد کے۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر

---

[1] یعنی یہ رات ہر اس حکم میں جو خدا نے تعالیٰ نے جاری کیا ہے، اس بندے کے لیے دائمی سلامتی ہے جس کو وہ سلامتی دینا چاہتا ہے۔ اور اس سے
ان بندوں کی طرف اشارہ ہے جو نیکوکار اور پرہیزگار ہیں۔

[2] یعنی احترام و عزت [illegible]

[3] [illegible]

[4] یعنی ان [illegible] اعمال [illegible] ہیں۔

[5] بات کی طرف اشارہ [illegible] ریاکاری [illegible] یا شہرت حاصل کرنے کی غرض سے کوئی نیکی سرانجام دی تو اس میں [illegible]
ان کے [illegible] شریک ہوگئے جنھیں دکھانے اور جن میں شہرت پانے کے لیے یہ عمل کیا گیا ہے۔

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَوَفِّقْنَا فِيْهِ عَلٰى
مَوَاقِيْتِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ بِحُدُوْدِهَا الَّتِيْ
حَدَّدْتَ وَ فُرُوْضِهَا الَّتِيْ فَرَضْتَ وَ وَظَائِفِهَا
الَّتِيْ وَظَّفْتَ وَ اَوْقَاتِهَا الَّتِيْ وَقَّتَّ وَاَنْزِلْنَا
فِيْهَا مَنْزِلَةَ الْمُصِيْبِيْنَ لِمَنَازِلِهَا الْحَافِظِيْنَ
لِاَرْكَانِهَا الْمُؤَدِّيْنَ لَهَا فِيْ اَوْقَاتِهَا عَلٰى
مَا سَنَّهٗ عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ صَلَوَاتُكَ عَلَيْهِ
وَاٰلِهٖ فِيْ رُكُوْعِهَا وَ سُجُوْدِهَا وَ
جَمِيْعِ فَوَاضِلِهَا عَلٰى اَتَمِّ الطُّهُوْرِ
وَاَسْبَغِهٖ وَ اَبْيَنِ الْخُشُوْعِ وَاَبْلَغِهٖ
وَوَفِّقْنَا فِيْهِ لِاَنْ نَّصِلَ اَرْحَامَنَا بِالْبِرِّ
وَالصِّلَةِ وَ اَنْ نَّتَعَاهَدَ جِيْرَانَنَا بِالْاِفْضَالِ
وَالْعَطِيَّةِ وَاَنْ نُّخَلِّصَ اَمْوَالَنَا مِنَ
التَّبِعَاتِ وَ اَنْ نُّطَهِّرَهَا بِاِخْرَاجِ الزَّكَوَاةِ
وَ اَنْ نُّرَاجِعَ مَنْ هَاجَرَنَا وَ اَنْ
نُّنْصِفَ مَنْ ظَلَمَنَا وَ اَنْ نُّسَالِمَ
مَنْ عَادَانَا حَاشَا مَنْ عُوْدِيَ فِيْكَ

اور ان کی اولاد پر توفیق[1] دے ہم کو اس ماہ میں پنج گانہ نماز کے اوقات پر
مع ان حدوں کے جو تو نے مقرر کی ہیں اور مع ان واجبات کے جنھیں
تو نے واجب کیا ہے اور مع ان وظیفوں کے جو تو نے مقرر کیے ہیں اور
مع نمازوں کے اوقات کے جو تو نے متعین فرمائے ہیں۔ اور ہمیں ان
(نمازوں) کے معاملے میں اُن لوگوں کی منزل میں اتار جو ان کی (تمام[2])
منزلوں میں راہ راست پر چلتے ہیں، (اور) حفاظت کرتے ہیں اُن کے
ارکان کی۔ اور انھیں مقررہ اوقات[3] میں اس طریقے پر ادا کرتے ہیں جیسے
سنت کیا ہے (یا مقرر کیا ہے) تیرے بندے اور تیرے رسولؐ نے۔
ان پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل ہو، ان[4] کے رکوع اور سجدوں میں
اور ان کے تمام اعمالِ فضیلت میں (ہو کر) کامل طہارت اور پوری پاکیزگی
اور نمایاں تر عاجزی اور حد درجہ کی خاکساری کے ساتھ (ادا ہوں) اور
ہمیں اس ماہ میں توفیق دے کہ ہم اپنے قرابت داروں کے ساتھ نیکی کے
سلوک اور بھلائی سے پیش آئیں۔ اور اپنے پڑوسیوں کے لیے احسان اور
بخشش کو ملحوظ رکھیں۔ اور خالص کریں ہم اپنے مالوں کو لوگوں کے
حقوق[5] سے۔ اور ہم ان کو زکوٰۃ نکال کر پاک کرلیں اور جس نے ہمیں
چھوڑ دیا ہے اسے واپس[6] لائیں اور جس نے ہم پر ظلم کیا ہے اس پر ہم ظلم نہ[7]
کریں۔ اور اس شخص سے صلح کرلیں جو ہمیں دشمن رکھتا ہے لیکن اس

---

۱؎ اوقاتِ نماز میں نماز ادا کرنے کی توفیق دے اور تمام واجبات و وظائف کے بجا لانے کی ہمت دے۔

۲؎ یعنی نماز کے ہر جزو کو بالکل اسی طرح خضوع و خشوع سے ادا کرتے ہیں جس طرح رسالتمآب نے تعلیم دیا ہے۔

۳؎ اوقاتِ فضیلت نماز میں ہر نماز ادا کرتے ہیں۔

۴؎ 'طریقہ' سے متعلق ہے یعنی وہ طریقہ جو رسولؐ نے رکوع و سجود وغیرہ میں مسنون کیا ہے۔

۵؎ یعنی بندگانِ خدا کا ہمارے مال میں جس قدر حق ہے اسے ادا کردیں۔

۶؎ یعنی روٹھے ہوؤں کو مناکر اپنے دل کو کینہ اور کدورت سے پاک و صاف کرلیں۔

۷؎ نُنْصِفَ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ ہم انصاف کریں مگر یہاں اس لفظ کے لازم معنی مراد ہیں یعنی انصاف کرنے کے لیے یہ لازم ہے کہ ظلم نہ کیا جائے۔ بنا بریں اس لفظ کا ترجمہ ان لفظوں میں کرنا چاہیئے کہ ہم ظلم نہ کریں۔

وَ لَكَ فَاِنَّهُ الْعَدُوُّ الَّذِيْ لَا نُوَالِيْهِ وَ الْحِزْبُ الَّذِيْ لَا نُصَافِيْهِ وَ اَنْ نَتَقَرَّبَ اِلَيْكَ فِيْهِ مِنَ الْاَعْمَالِ الزَّاكِيَةِ بِمَا تُطَهِّرُنَا بِهِ مِنَ الذُّنُوْبِ وَ تَعْصِمُنَا فِيْهِ مِمَّا نَسْتَاْنِفُ مِنَ الْعُيُوْبِ حَتّٰى لَا يُوْرِدَ عَلَيْكَ اَحَدٌ مِنْ مَلٰٓئِكَتِكَ اِلَّا دُوْنَ مَا نُوْرِدُ مِنْ اَبْوَابِ الطَّاعَةِ لَكَ وَ اَنْوَاعِ الْقُرْبَةِ اِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ هٰذَا الشَّهْرِ وَ بِحَقِّ مَنْ تَعَبَّدَ لَكَ فِيْهِ مِنِ ابْتِدَآئِهٖ اِلٰى وَقْتِ فَنَآئِهٖ مِنْ مَلَكٍ قَرَّبْتَهُ اَوْ نَبِيٍّ اَرْسَلْتَهُ اَوْ عَبْدٍ صَالِحٍ اخْتَصَصْتَهُ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ اَهِّلْنَا فِيْهِ لِمَا وَعَدْتَ اَوْلِيَآءَكَ مِنْ كَرَامَتِكَ وَ اَوْجِبْ لَنَا فِيْهِ مَا اَوْجَبْتَ لِاَهْلِ الْمُبَالَغَةِ فِيْ طَاعَتِكَ وَ اجْعَلْنَا فِيْ نَظْمِ مَنِ اسْتَحَقَّ الرَّفِيْعَ الْاَعْلٰى بِرَحْمَتِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَ جَنِّبْنَا الْاِلْحَادَ فِيْ

(شخص) سے ہرگز نہیں جس سے تیری راہ میں دشمنی ہے[1] یا جو تیرا دشمن ہے پس بلاشک وہ ایسا دشمن ہے جسے ہم دوست نہیں بنائیں گے اور ایسا مخالف ہے جس سے ہم صاف نہیں ہوں گے۔ اور (یہ توفیق) دے کہ ہم تیرے مقرب بن جائیں اس ماہ میں پاکیزہ اعمال کر کے، اس قدر کہ ان کے ذریعہ تو ہمیں گناہوں سے پاک کر دے اور ان عیوب سے اس ماہ میں جو ہم نے ابتداءً کیے ہیں، یہاں تک کہ نہ پہنچائے تیرے پاس تیرا کوئی بھی فرشتہ[2] مگر صرف تیری اطاعت کے وہ کام جن میں ہم مشغول ہوں اور تیری قربت کے اعمال (جو ہم بجا لائیں)، اے اللہ! میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اس مہینے[3] کے وسیلے سے اور اس شخص کا واسطہ دے کر جو اپنی ابتدا سے اپنی موت کے وقت تک تیری عبادت کرے، چاہے وہ کوئی ایسا فرشتہ ہو جسے تو نے مقرب بنایا، یا کوئی نبی ہو جسے تو نے بھیجا، یا کوئی نیک بندہ ہو جسے تو نے مختص کیا، یہ[4] کہ رحمت نازل کرے تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مستحق بنا دے تو ہم کو اس مہینے میں اس چیز کا جس کا تو نے اپنے دوستوں سے وعدہ کیا ہے، یعنی اپنی کرامت کا۔ اور واجب کر تو ہمارے لیے اس مہینے میں وہ (اجر) جو تو نے ان لوگوں کے لیے واجب کیا ہے جو بہت زیادہ مشغول رہتے ہیں تیری عبادت میں۔ اور ہمیں ان لوگوں کی فہرست میں شامل کر جو اپنے بلند مرتبے کے مستحق ہوئے ہیں تیری رحمت[5] سے۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور محفوظ رکھ تو ہم کو کفر کرنے سے

---

[1] یعنی جو اسلام کا اور شعائر اسلام کا دشمن ہے اس سے صلح نہ کریں۔

[2] لک کا ترجمہ جو کہ بعد کی سطر میں ہے۔

[3] الشھر کا ترجمہ جو اگلی سطر میں ہے۔

[4] یعنی یہ سوال کرتا ہوں۔

[5] ترجمہ مذکور میں اس فقرے کا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ تیری رحمت سے بلند مرتبے کے مستحق ہوئے اور اگر برحمتک کو واجعلنا سے متعلق مانا جائے تو یہ معنی ہو جائیں گے کہ ہمیں ان لوگوں میں اپنی رحمت سے شامل کر جو بلند مرتبے کے مستحق ہوئے۔

تَوْحِيدِكَ وَ التَّقْصِيرَ فِي تَمْجِيدِكَ وَالشَّكَّ
فِي دِينِكَ وَ الْعَمَى عَنْ سَبِيلِكَ وَالْإِغْفَالَ
لِحُرْمَتِكَ وَالْانْخِدَاعَ لِعَدُوِّكَ الشَّيْطَانِ
الرَّجِيمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَ
إِذَا كَانَ لَكَ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ مِنْ لَيَالِي
شَهْرِنَا هٰذَا رِقَابٌ يُعْتِقُهَا عَفْوُكَ أَوْ
يَهَبُهَا صَفْحُكَ فَاجْعَلْ رِقَابَنَا مِنْ تِلْكَ
الرِّقَابِ وَ اجْعَلْنَا لِشَهْرِنَا مِنْ خَيْرِ
أَهْلٍ وَ أَصْحَابٍ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ
وَآلِهِ وَ امْحَقْ ذُنُوبَنَا مَعَ امِّحَاقِ هِلَالِهِ
وَاسْلَخْ عَنَّا تَبِعَاتِنَا مَعَ انْسِلَاخِ أَيَّامِهِ
حَتّٰى يَنْقَضِيَ عَنَّا وَقَدْ صَفَّيْتَنَا فِيهِ مِنَ
الْخَطِيئَاتِ وَ أَخْلَصْتَنَا فِيهِ مِنَ السَّيِّئَاتِ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَإِنْ مِلْنَا
فِيهِ فَعَدِّلْنَا وَإِنْ زُغْنَا فِيهِ فَقَوِّمْنَا
وَإِنِ اشْتَمَلَ عَلَيْنَا عَدُوُّكَ الشَّيْطَانُ
فَاسْتَنْقِذْنَا مِنْهُ اَللّٰهُمَّ اشْحَنْهُ بِعِبَادَتِنَا
إِيَّاكَ وَزَيِّنْ أَوْقَاتَهُ بِطَاعَتِنَا لَكَ وَ
أَعِنَّا فِي نَهَارِهِ عَلَى صِيَامِهِ وَفِي لَيْلِهِ عَلَى

تیری توحید میں، اور تیری بزرگی کے اقرار[1] میں کوتاہی کرنے سے اور تیرے
دین میں شک کرنے سے، اور تیری راہ میں بھٹک جانے سے، اور تیری
حرمت میں غفلت برتنے سے، اور تیرے دشمن کے دھوکے میں آجانے
سے یعنی راندۂ درگاہ شیطان کے (دھوکے سے) اے اللہ! رحمت نازل
کر محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور جبکہ ہوں ہمارے اس مہینے کی راتوں میں سے
کسی رات میں کچھ ایسی گردنیں جنھیں آزاد کردے تیری معافی یا انھیں بخش
دے تیری درگزر تو ہماری گردنوں کو بھی ان ہی گردنوں میں سے قرار
دے اور ہمیں اس مہینے میں بہترین لوگوں اور شخصوں میں سے قرار دے۔
اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مٹادے ہمارے
گناہوں کو اس مہینے کے چاند کے اختتام[2] تک۔ اور چھڑا لے ہم سے
ہماری بدانجامیوں کو اس (مہینے) کے دن ختم ہونے کے ساتھ ساتھ۔ اس
حد تک کہ (جب) یہ مہینہ ہم سے گزرے تو ہم اس میں پاک ہو چکے ہوں
خطاؤں سے۔ اور صاف کر دیا ہو تو نے ہمیں اس مہینے میں برائیوں سے۔
اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور اگر مائل ہوں[3]
ہم اس مہینے میں (کسی گناہ کی طرف) تو ہمیں درست کردے اور اگر کجی
میں پڑیں ہم اس مہینے میں تو ہمیں سیدھا کردے۔ اور اگر ہمیں تیرا دشمن
شیطان لپٹ جائے تو چھڑا دے ہم کو اس سے۔ اے اللہ! اس مہینے
کو ہماری عبادتوں سے بھر دے جو تیرے لیے کی ہوں۔ اور اس کے شب و
روز کو ہماری فرمانبرداری سے آراستہ کردے (ایسی فرمانبرداری) جو

---

[1] اس فقرے کے معنی ایک مترجم اُردو نے ان الفاظ میں لکھے ہیں "اپنی توحید میں کفر کرلے سے اور اپنی تمجید کرنے سے . . . . . . . . ہمیں بچا۔"
معلوم ہوتا ہے کہ یہ یا تو مترجم کا تسامح ہے یا پھر کاتب کچھ الفاظ نقل کرنا بھول گیا ہے اور یہی زیادہ قرین قیاس ہے۔ ورنہ تمجید کرنے سے بچانے
کی دعا کا کوئی مفہوم نہیں ہو سکتا۔

[2] 'امحاق' قمری مہینے کی آخری رات یا آخر کی تین راتوں میں ہوتا۔

[3] مِلنا کے لغوی معنی صرف اس قدر ہیں کہ "ہم مائل ہوں" مگر اس جگہ گناہوں کی طرف مائل ہونا مراد ہے جب کھلا قرینہ موجود ہو تو اکثر مفعول کو حذف کر دیا کرتے ہیں۔ چونکہ
یہاں قبل و بعد کا مفہوم اس بات کی طرف رہنمائی کر رہا ہے کہ قائل نے گناہوں کی جانب مائل ہونا مراد لیا ہے اس لیے مفعول حذف کر دیا گیا۔

الصَّلٰوۃِ وَ التَّضَرُّعِ اِلَیْکَ وَ الْخُشُوْعِ
لَکَ وَ الذِّلَّۃِ بَیْنَ یَدَیْکَ حَتّٰی لَا یَشْہَدَ
نَہَارُہٗ عَلَیْنَا بِغَفْلَۃٍ وَّ لَا لَیْلُہٗ بِتَفْرِیْطٍ
اَللّٰھُمَّ وَ اجْعَلْنَا فِیْ سَآئِرِ الشُّہُوْرِ وَ الْاَیَّامِ
کَذٰلِکَ مَا عَمَّرْتَنَا وَ اجْعَلْنَا مِنْ عِبَادِکَ
الصَّالِحِیْنَ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ھُمْ
فِیْھَا خَالِدُوْنَ وَ الَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا
وَ قُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ اَنَّھُمْ اِلٰی رَبِّھِمْ
رَاجِعُوْنَ وَ مِنَ الَّذِیْنَ یُسَارِعُوْنَ فِی
الْخَیْرَاتِ وَ ھُمْ لَھَا سَابِقُوْنَ اَللّٰھُمَّ
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ وَ
کُلِّ اَوَانٍ وَّ عَلٰی کُلِّ حَالٍ عَدَدَ مَا صَلَّیْتَ
عَلٰی مَنْ صَلَّیْتَ عَلَیْہِ وَ اَضْعَافَ ذٰلِکَ
کُلِّہٖ بِالْاَضْعَافِ الَّتِیْ لَا یُحْصِیْھَا غَیْرُکَ
اِنَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا تُرِیْدُ

۵

تیری ہو[1]۔ اور مدد کر ہماری اس مہینے کی دنوں میں روزہ رکھنے پر اور
راتوں میں نماز پر اور تیری بارگاہ میں گریہ وزاری اور عاجزی کرنے پر
اور تیرے سامنے اپنے آپ کو ذلیل سمجھنے پر تاکہ اس کا کوئی دن ہماری
غفلت کی اور کوئی رات کوتاہی کی گواہی نہ دے۔ اے اللہ! اور جب
تک ہم زندہ رہیں ہمیں تمام مہینوں اور دنوں میں ایسا ہی بنا دے۔ اور
ہمیں اپنے ان نیک بندوں میں قرار دے جو بہشت کے وارث ہیں۔
(اور) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان لوگوں میں (قرار دے) جو
(خدا کی راہ میں) دیتے ہیں جو کچھ[2] دیتے ہیں۔ اس حالت میں کہ ان کے
دل ڈرتے رہتے ہیں کہ وہ اپنے پالنے والے کی طرف واپس جائیں گے۔
اور ان لوگوں میں (قرار دے) جو نیکیوں کی طرف دوڑتے ہیں اور وہ ان
ہی (نیکیوں) کی طرف سبقت لے جاتے ہیں۔ اے اللہ! رحمت نازل
کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر ہر وقت اور ہمہ اوقات اور ہر حال میں۔
اس رحمت کی تعداد کے برابر جو تو نے نازل کی[3]، جس شخص پر بھی نازل
کی۔ اور اس کل تعداد کی دو چند[4] سہ چند چہار چند۔ اتنی چند در چند[5] جسے
تیرے علاوہ کوئی شمار نہ کر سکے۔ بے شک تو جس بات کا ارادہ کرے اس کا
کر گزرنے والا ہے۔

---

[1] یعنی تیری فرماں برداری یعنی صوم وصلوٰۃ وخضوع وخشوع وتضرع کا پابند بنا دے۔
[2] یعنی جو میسر آتا ہے خدا کی راہ میں دیتے ہیں۔
[3] یعنی اب سے پہلے جس جس پر اور جب جب رحمت نازل کی اس کے مجموعہ کے برابر، محمد مصطفیٰؐ اور ان کی اولاد پر رحمت بھیج۔
[4] اَضْعَافُ، ضعف کی جمع ہے ضعف دو چند کو کہتے ہیں چونکہ لفظ جمع کم سے کم تین کے لیے بولا جاتا ہے اس لیے اضعاف کا ترجمہ دو چند سہ چند چہار چند کیا گیا۔
[5] بِالْاَضْعَافِ کا ترجمہ۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ وَدَاعِ شَهْرِ رَمَضَانَ

حضرت زین العابدین ماہ رمضان کو رخصت کرتے وقت
یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ يَا مَنْ لَا يَرْغَبُ فِي الْجَزَآءِ وَ يَا مَنْ لَا يَنْدَمُ عَلَى الْعَطَآءِ وَ يَا مَنْ لَا يُكَافِئُ عَبْدَهٗ عَلَى السَّوَآءِ مِنَّتُكَ ابْتِدَآءٌ وَ عَفْوُكَ تَفَضُّلٌ وَ عُقُوْبَتُكَ عَدْلٌ وَّ قَضَآءُكَ خِيَرَةٌ اِنْ اَعْطَيْتَ لَمْ تَشُبْ عَطَآءَكَ بِمَنٍّ وَ اِنْ مَنَعْتَ لَمْ يَكُنْ مَنْعُكَ تَعَدِّيًا تَشْكُرُ مَنْ شَكَرَكَ وَ اَنْتَ اَلْهَمْتَهٗ شُكْرَكَ وَ تُكَافِئُ مَنْ حَمِدَكَ وَ اَنْتَ عَلَّمْتَهٗ حَمْدَكَ تَسْتُرُ عَلٰى مَنْ لَوْ شِئْتَ فَضَحْتَهٗ وَ تَجُوْدُ عَلٰى مَنْ لَوْ شِئْتَ مَنَعْتَهٗ وَ كِلَاهُمَا اَهْلٌ مِنْكَ لِلْفَضِيْحَةِ وَ الْمَنْعِ غَيْرَ اَنَّكَ بَنَيْتَ اَفْعَالَكَ عَلَى التَّفَضُّلِ وَ

اے اللہ! اے وہ ہستی جو صلہ لینے کی طرف راغب نہیں اور اے وہ جو بخشش کرکے[1] شرمندہ نہیں ہوتا اور اے وہ، کہ اپنے بندے سے برابر کا بدلہ نہیں چاہتا۔ تیرا احسان، ابتدا[2] ہے اور تیری معافی تفضل[3] ہے۔ اور تیری سزا عین انصاف ہے، تیرا فیصلہ نیک اور بہتر ہے۔ اگر تو عطا کرتا ہے تو اپنی بخشش کو احسان جتانے سے نہیں ملاتا۔ اور اگر تو منع کرتا ہے تو تیرا منع کر دینا ظلم نہیں ہوتا۔ جو تیرا شکر کرے تو اسے شکر کا بدلہ دیتا ہے حالانکہ تو نے ہی اپنے شکر کا خیال اس کے دل میں ڈالا ہے۔ اور جو تیری حمد کرے تو اسے جزا دیتا ہے۔ حالانکہ تو نے ہی اسے اپنی حمد تعلیم دی ہے۔ تو اس شخص کی پردہ پوشی کرتا ہے جسے اگر چاہے تو رسوا کردے اور بخشش کرتا ہے تو اس شخص پر جسے اگر چاہے تو منع کردے۔ حالانکہ وہ دونوں تیری جانب سے رسوائی کے اور منع[4] کیے جانے کے مستحق ہوتے ہیں (یہ سب افضال) سوائے[5] اس کے اور کیا ہے کہ تو نے اپنے افعالات

---

[1] بخشش کرکے شرمندہ نہ ہونے سے ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو چیز بخش دی ہے، بخشنے کے بعد کبھی خود اس چیز کی احتیاج نہیں ہوتی جس کی بنا پر یہ سوچنا پڑے کہ اگر نہ بخشتے تو ہمارے کام آتی، جیسا کہ انسانوں کو اکثر اس قسم کا احساس پیدا ہوتا رہتا ہے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ تیری بخشش مقدار میں اتنی کم نہیں ہوتی جسے بخشتے وقت بخشنے والا سائل کے سامنے شرمسار ہو کہ اس نے کیا ناک بخشش کی ہے۔

[2] عبد و معبود کے رابطہ کی ابتدا اور پہل تیرے احسان سے ہوتی ہے کیونکہ وجود کا لباس عطا کرنا بھی ایک احسان ہے۔

[3] وہ فضل و کرم ... استحقاق عنایت کے طور پر کیا جائے۔

[4] اَلْمَنْعِ کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔

[5] غَيْرَ اَنَّكَ کے لفظی معنی "مگر یہ کہ تو" ہیں۔ لیکن عربی عبارت میں جس مقام پر یہ لفظ مستعمل ہوا ہے، اس موقع پر اردو میں "سوائے اس کے اور کیا ہے" بولتے ہیں۔

اَجْرَيْتَ قُدْرَتَكَ عَلَى التَّجَاوُزِ وَ تَلَقَّيْتَ مَنْ عَصَاكَ بِالْحِلْمِ وَ اَمْهَلْتَ مَنْ قَصَدَ لِنَفْسِهٖ بِالظُّلْمِ تَسْتَنْظِرُهُمْ بِاَنَاتِكَ اِلَى الْاِنَابَةِ وَ تَتْرُكُ مُعَاجَلَتَهُمْ اِلَى التَّوْبَةِ لِكَيْ لَا يَهْلِكَ عَلَيْكَ هَالِكُهُمْ وَلَا يَشْقٰى بِنِعْمَتِكَ شَقِيُّهُمْ اِلَّا عَنْ طُوْلِ الْاِعْذَارِ اِلَيْهِ وَ بَعْدَ تَرَادُفِ الْحُجَّةِ عَلَيْهِ كَرَمًا مِنْ عَفْوِكَ يَا كَرِيْمُ وَ عَائِدَةً مِنْ عَطْفِكَ يَا حَلِيْمُ اَنْتَ الَّذِيْ فَتَحْتَ لِعِبَادِكَ بَابًا اِلٰى عَفْوِكَ وَ سَمَّيْتَهُ التَّوْبَةَ جَعَلْتَ عَلٰى ذٰلِكَ الْبَابِ دَلِيْلًا مِنْ وَحْيِكَ

کی بنیاد تفضل پر رکھی ہے اور جاری کیا ہے اپنی قدرت کو درگزر اور معافی پر۔ اور اس شخص سے جو تیری نافرمانی کرے بردباری کے ساتھ پیش آتا ہے اور ڈھیل دیتا ہے اس شخص کو جو ارادہ کرے اپنے نفس پر[1] ظلم کرنے کا۔ تو ان کو اپنی تاخیر[2] سے توبہ کر لینے کی مہلت دیتا ہے۔ اور چھوڑ دیتا ہے ان کے ساتھ جلدی[3] کرنے کو توبہ تک۔ تاکہ ان میں سے کوئی ہلاک ہونے والا تجھ سے ہلاک نہ[4] ہونے پائے۔ اور نہ محروم رہے تیری نعمت[5] سے ان کا بدبخت (رہی) مگر دیر تک اس کو موقع معذرت دینے[6] کے بعد۔ اور پے در پے اس پر[7] حجت[8] تمام کرنے کے بعد اپنے عفو[9] کے کرم سے۔ اے کرم کرنے والے اور اپنی عنایت کی مہربانی سے اے بُردبار۔ تو ہی وہ ہستی ہے جس نے اپنے بندوں کے لیے اپنی معافی کا دروازہ کھول دیا ہے اور اس کا نام توبہ رکھا ہے اور اس دروازے پر اپنی وحی کا ایک[10] رہنما مقرر کر دیا ہے تاکہ

---

۱ یعنی جو شخص گناہ کر کے اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔

۲ عذاب اور محاسبہ میں تاخیر۔

۳ یعنی سزا میں جلدی کرنے کو توبہ کے انتظار میں چھوڑ دیتا ہے۔

۴ ہلاکت سے اعمال صالحہ اور ان کے ثواب کی زندگی میں کلیتۂ محروم و ناکام رہنا مراد ہے۔

۵ نعمت سے مراد مغفرت اور ثواب آخرت ہے۔

۶ یعنی ایک طویل مدت تک معذرت اور معافی کا موقع دینے کے بعد ہی اس نعمت سے محروم کرتا ہے جسے مغفرت اور اجر و ثواب سے تعبیر کرتے ہیں۔

۷ علیہ کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔

۸ حجت تمام کرنے سے یہ مراد ہے کہ کسی کو اس کی غلطی پر بار بار متنبہ کر کے ندامت اور طلب عفو کا موقع دیا جائے۔

۹ یعنی ایسا اتمام حجت جو محض اپنے عفو کے کرم سے اور اپنی عنایت کی مہربانی سے کرتا ہے اس لیے نہیں کرتا کہ وہ بندہ اس کا مستحق ہوتا ہے۔

۱۰ یعنی اس وحی میں واضح طور سے یہ فرما دیا ہے کہ جو صدق دل سے توبہ کرے گا اس کا گناہ معاف ہو جائے گا اور اس طرح بندوں کو مغفرت کا سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔

لِئَلَّا يَضِلُّوْا عَنْهُ فَقُلْتَ تَبَارَكَ اسْمُكَ تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ فَمَا عُذْرُ مَنْ اَغْفَلَ دُخُوْلَ ذٰلِكَ الْمَنْزِلِ بَعْدَ فَتْحِ الْبَابِ وَاِقَامَةِ الدَّلِيْلِ وَاَنْتَ الَّذِيْ زِدْتَ فِي السَّوْمِ عَلٰى نَفْسِكَ لِعِبَادِكَ تُرِيْدُ رِبْحَهُمْ فِيْ مُتَاجَرَتِهِمْ

وہ گمراہ نہ ہو جائیں اس[۱] سے پس کہا ہے تو نے ہمیشہ رہے گا تیرا نام، توبہ کرو اللہ کی بارگاہ میں خالص توبہ یقین ہے کہ تمھارا پالنے والا تمھارے گناہوں کو تم سے دور کر دے گا اور تم کو جنت میں داخل کرے گا (ایسی جنت) کہ بہہ رہی ہیں جس کے نیچے نہریں۔ اس دن جبکہ اللہ تعالےٰ نہیں مایوس[۲] کرے گا نبی کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اس (نبی) کے ساتھ۔ ان کا نور[۳] بڑھتا ہو گا ان کے سامنے اور ان کے داہنی[۴] جانب۔ وہ کہتے ہوں گے کہ "اے پالنے والے! کامل کر دے ہمارے لیے ہمارے نور کو اور ہمیں بخش دے۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔" پس کیا عذر ہو گا اس شخص کے پاس جو غفلت برتے[۵] دروازہ کھلنے اور رہنما مل جانے کے بعد اس منزل میں داخل ہونے سے[۶]۔ اور (اے اللہ) تو ہی وہ ہے جس نے اس سودے میں اپنے آپ سے اپنے بندوں کو زیادہ نفع دے دیا ہے۔ تو چاہتا ہے ان کی منفعت ان کے

---

[۱] تَوْبَةً نَّصُوْحًا میں نصوح سے ایسی توبہ مراد ہے جو خلوص کے ساتھ محض خدا کی خوشنودی کے لیے کی جائے اور پھر قدم قدم پر تائب بندہ کو اپنی یاد دلا کر گناہ سے دور رہنے کی نصیحت کرتی رہے۔ (نصوح کے معنی بہت نصیحت کرنے والا) احادیث میں آیا ہے کہ توبہ نصوح وہ ہوتی ہے جس میں چھ باتیں پائی جاتی ہیں۔ اوّل یہ کہ انسان صدق دل سے اپنے گزشتہ گناہوں سے شرمسار ہو۔ دوسرے یہ کہ جو واجبات اس نے قضا کیے ہیں انھیں ادا کرے یا ادا کرنا شروع کرے اور نیت یہ ہو کہ جب تک ادا نہ ہو جائیں گے ادا کرتا رہے گا۔ تیسرے یہ کہ اللہ اور بندوں کے جتنے حقوق اس کے ذمہ ہوں ان کا بوجھ اپنی گردن سے اتار دے یا پوری کوشش اور توجہ سے ان کے اتار دینے کی طرف متوجہ ہو جائے اور اتارنا شروع کرے۔ چوتھے یہ کہ جن لوگوں کے دل کو اس کی کسی بات سے دکھ پہنچا ہو اُن سے معاف کرائے یا معاف کرانے کا پختہ عزم کر کے عمل شروع کرے۔ پانچویں یہ کہ صدق نیت سے یہ عہد کرے کہ آئندہ دانستہ طور پر کوئی گناہ نہیں کرے گا۔ چھٹے اپنے نفس کو عبادت و ریاضت کے لیے اتنی ہی مشقت میں مبتلا کرے جتنا کہ وہ گناہوں سے متلذذ و محظوظ ہوا ہے۔

[۲] کیونکہ نبی کریم میدان قیامت میں "اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ" کہتے ہوئے یہ تمنا لے کر آئیں گے کہ ان کی امت کو مغفرت نصیب ہو گی اور وہ پختہ ایمان رکھنے والوں کی شفاعت کر کے انھیں بخشوائیں گے۔ یہی آرزو مومنین مخلصین کے دل میں ہو گی کہ خدائے تعالیٰ انھیں مغفرت کی نعمت سے بہرہ اندوز کرے۔ اب اگر خدا نخواستہ یہ آرزوئیں پوری نہ ہوں تو ان سب کے لیے بڑی مایوسی کی بات ہو جائے۔

[۳] یعنی اعمال حسنہ کی جلوہ ریزیاں۔

[۴] کیونکہ جنت میدان حساب و کتاب سے داہنی جانب میں ہو گی۔

[۵] یعنی توبہ کرنے سے غافل ہو جائے۔ [۶] یعنی اس دروازے سے بھٹک نہ جائیں۔

لَكَ وَ فَوْزَهُمْ بِالْوِفَادَةِ عَلَيْكَ وَالزِّيَادَةِ مِنْكَ. فَقُلْتَ تَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالَيْتَ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَ قُلْتَ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ وَ اللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَقُلْتَ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ لَهُ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً وَ مَا اَنْزَلْتَ مِنْ نَظَائِرِهِنَّ فِي الْقُرْاٰنِ مِنْ تَضَاعِيْفِ الْحَسَنَاتِ وَاَنْتَ الَّذِيْ دَلَلْتَهُمْ بِقَوْلِكَ مِنْ غَيْبِكَ وَ تَرْغِيْبِكَ الَّذِيْ فِيْهِ حَظُّهُمْ عَلٰى مَالَوْ سَتَرْتَهُ عَنْهُمْ لَمْ تُدْرِكْهُ اَبْصَارُهُمْ وَلَمْ تَعِهِ

ساتھ اپنی تجارت میں، اور ان کی کامیابی اپنے پاس بلانے میں، اور اپنی طرف سے مزید انعام دینا چاہتا ہے (پس کہا ہے تو نے ہمیشہ رہے گا تیرا نام اور تو بلند مرتبہ ہے کہ "جو کوئی ایک نیکی کرے گا پس اسے دس اس جیسی نیکیاں ملیں گی۔ اور جو ایک برائی کرے گا اُسے ایسی ہی ایک برائی ملے گی۔"[1] اور تو نے فرمایا ہے "ان لوگوں کی مثال جو اپنے مال خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانے کی مانند ہے جو اگائے سات بالیاں، ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ چند در چند کر دیتا ہے جس کو (فائدہ پہنچانا) چاہتا ہے۔" اور تو نے (یہ بھی) فرمایا ہے "جو شخص اللہ کو قرض دے تو وہ اسے (اصل) بڑھا کر دیتا ہے چند در چند کی صورت میں" اور (فرمایا ہے تو نے) ایسی ہی آیتیں اتار کر قرآن پاک میں نیکیوں کے چند در چند ہونے سے متعلق۔ اور تو ہی وہ ہے جس نے ان کو راستہ دکھایا، اپنے غیب کے کلام سے[2] اور اس چیز میں اپنے رغبت دلانے سے جس میں ان کا فائدہ ہے، اس عمل[3] کی جانب کہ اگر تو اسے ان سے چھپا لیتا تو نہ اس کو ان کی آنکھیں پا سکتی تھیں اور نہ ان کے کان اس کو سن سکتے تھے اور نہ اس تک ان کا خیال پہنچ سکتا تھا۔ پس (اسی لیے) تو نے کہا ہے۔ "مجھے

---

[1] اس آیت میں اور ما قبل آیت میں ظاہر تضاد سا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اُس میں یہ کہا گیا ہے کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملے گا اور اس میں جو مثال دی گئی ہے اس سے کم از کم سات سو گنا ثواب ملنے کا یقین ہوتا ہے۔ یہ تضاد جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث سے دور ہو جاتا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ صدقہ کی پانچ قسمیں ہیں۔ پہلا وہ صدقہ ہے جو عام طور سے کیا جاتا ہے۔ اس کا ثواب دس گنا ملتا ہے۔ دوسرا وہ صدقہ ہے جو آفت زدہ اور مظلوم لوگوں کو دیا جاتا ہے۔ اس کا ثواب ستر گنا ملتا ہے۔ تیسرا وہ صدقہ ہے جو عزیزوں قریبوں کو دیا جاتا ہے اس کا ثواب سات سو گنا ملتا ہے۔ چوتھا وہ صدقہ ہے جو علمائے دین کو دیا جاتا ہے، جو اپنا وقت خدمت دین اور تبلیغ و ہدایت میں صرف کرتے ہیں۔ اس کا ثواب سات ہزار گنا ملتا ہے۔ پانچواں وہ صدقہ ہے جو مرنے والوں کو دیا جاتا ہے، جن کے لیے سوائے ذاتی احساس کے کوئی سفارش کرنے والا اور محرک نہیں ہوتا۔ مثلاً ان کے لیے قرآن پاک یا نماز پڑھانا یا ان کے نام پر فقیروں اور محتاجوں کو کچھ دینا وغیرہ اس صدقہ کا ثواب ستر ہزار گنا ملتا ہے۔

[2] اس کلام سے جو منزل غیب سے نازل ہوا ہے یعنی قرآن۔

[3] یعنی اس عمل کی جانب راستہ دکھایا۔

اَسْمَاعَهُمْ وَ لَمْ تَلْحَقْهُ اَوْهَامُهُمْ فَقُلْتَ
اذْكُرُوْنِيْ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا
تَكْفُرُوْنِ وَ قُلْتَ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ
وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ وَ
قُلْتَ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ
يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ
جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ فَسَمَّيْتَ دُعَآءَكَ عِبَادَةً
وَ تَرْكَهُ اسْتِكْبَارًا وَ تَوَعَّدْتَ عَلٰى تَرْكِهٖ
دُخُوْلَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ فَذَكَرُوْكَ بِمَنِّكَ
وَ شَكَرُوْكَ بِفَضْلِكَ وَ دَعَوْكَ بِاَمْرِكَ
وَ تَصَدَّقُوْا لَكَ طَلَبًا لِمَزِيْدِكَ وَ فِيْهَا
كَانَتْ نَجَاتُهُمْ مِنْ غَضَبِكَ وَ فَوْزُهُمْ
بِرِضَاكَ وَلَوْ دَلَّ مَخْلُوْقٌ مَخْلُوْقًا
مِنْ نَفْسِهٖ عَلٰى مِثْلِ الَّذِيْ دَلَلْتَ عَلَيْهِ
عِبَادَكَ مِنْكَ كَانَ مَوْصُوْفًا بِالْاِحْسَانِ
وَ مَنْعُوْتًا بِالْاِمْتِنَانِ وَ مَحْمُوْدًا بِكُلِّ
لِسَانٍ فَلَكَ الْحَمْدُ مَا وُجِدَ فِيْ حَمْدِكَ
مَذْهَبٌ وَ مَا بَقِيَ لِلْحَمْدِ لَفْظٌ تُحْمَدُ بِهٖ
وَ مَعْنًى يَنْصَرِفُ اِلَيْهِ يَا مَنْ تَحَمَّدَ اِلٰى

یاد کرو تو میں[1] (بھی) تمھیں یاد رکھوں گا۔ اور میرا شکر کرو تو میں تمھیں شکر کا
بدلہ دوں گا اور ناشکری نہ کرو" اور تو نے کہا ہے "اگر تم میرا شکر کرو گے
تو ضرور میں تم کو زیادہ دوں گا اور اگر تم کفرانِ نعمت کرو گے تو (یاد رکھو)
میرا عذاب بہت سخت ہے"۔ اور تو نے کہا ہے "مجھے پکارو میں تمھاری
دعا قبول کروں گا۔ بے شک جو لوگ میری عبادت[2] سے غرور کرتے ہیں
وہ عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے"۔ پس تو نے اپنے پکارے
جانے کا نام عبادت رکھا ہے اور اس (دعا) کے ترک کا نام غرور رکھا
ہے) اور اس کے ترک پر، ذلت کے ساتھ جہنم میں جھونک دینے سے،
ڈرایا ہے پس انھوں نے (بندوں نے) تجھ کو تیرے ہی احسان سے یاد
کیا اور تیرے ہی فضل سے تیرا شکر کیا اور تیرے ہی حکم سے تجھے پکارا اور
تجھ سے زیادہ پانے کے لیے تیری راہ میں صدقہ دیا اور ان ہی باتوں میں
تیرے غضب سے ان کی نجات ہوئی اور وہ تیری خوشنودی پر فائز ہوئے
اور اگر ایک مخلوق دوسری مخلوق کو راستہ دکھاتا، ایسی باتوں کی طرف
جس کا تو نے اپنے بندوں کو اپنی خوشی سے، راستہ دکھایا ہے تو اس کی
صفت بیان کی جاتی احسان[3] کے ساتھ۔ اور وہ شکر گزاری کے ساتھ
قابلِ ستائش ہوتا۔ اور ہر زبان پر اس کی تعریفیں ہوتیں۔ پس تیرے ہی لیے
حمد ہے، جب تک بھی تیری حمد کی کوئی راہ پائی جا سکے۔ اور جب تک حمد
کے لیے الفاظ مل سکیں جن[4] سے تیری تعریف کی جائے (اور جب تک)
کوئی مفہوم اس حمد کو ادا کر سکے۔ اے وہ (معبود) جس نے انعام دیا،

---

[1] احادیث سے ثابت ہے کہ جو شخص خدائے تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتا اور اسے یاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی توفیق اس کے شاملِ حال ہوتی ہے جو اسے نئی نئی نیکیوں کی طرف راستہ دکھاتی ہے اور برے اعمال سے بچاتی ہے۔

[2] یعنی خدائے تعالیٰ کو پکارنا کسرِ شان سمجھتے ہیں یا اپنی شان و شوکت اور سطوتِ ظاہری کے غرور میں اللہ سے غافل ہو جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ اللہ سے غافل ہو جانا بھی خدائے تعالیٰ کے نزدیک بندے کے غرور میں شامل ہے۔

[3] یعنی اس کا احسان مانا جاتا اور کہا جاتا کہ اس نے بہت بڑا احسان کیا ہے۔

[4] بہٖ کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔

عِبَادِهٖ بِالْاِحْسَانِ وَالْفَضْلِ وَغَمَرَهُمْ
بِالْمَنِّ وَالطَّوْلِ مَا اَفْشٰى فِيْنَا نِعْمَتَكَ وَ
اَسْبَغَ عَلَيْنَا مِنَّتَكَ وَاَخَصَّنَا بِبِرِّكَ هَدَيْتَنَا
لِدِيْنِكَ الَّذِى اصْطَفَيْتَ وَمِلَّتِكَ الَّتِىْ
ارْتَضَيْتَ وَسَبِيْلِكَ الَّذِىْ سَهَّلْتَ وَبَصَّرْتَنَا
الزُّلْفَةَ لَدَيْكَ وَالْوُصُوْلَ اِلٰى كَرَامَتِكَ
اَللّٰهُمَّ وَاَنْتَ جَعَلْتَ مِنْ صَفَايَا تِلْكَ
الْوَظَآئِفِ وَخَصَآئِصِ تِلْكَ الْفُرُوْضِ
شَهْرَ رَمَضَانَ الَّذِىْ اخْتَصَصْتَهٗ مِنْ سَآئِرِ
الشُّهُوْرِ وَتَخَيَّرْتَهٗ مِنْ جَمِيْعِ الْاَزْمِنَةِ وَ
الدُّهُوْرِ وَاٰثَرْتَهٗ عَلٰى كُلِّ اَوْقَاتِ السَّنَةِ
بِمَا اَنْزَلْتَ فِيْهِ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَالنُّوْرِ وَ
ضَاعَفْتَ فِيْهِ مِنَ الْاِيْمَانِ وَفَرَضْتَ فِيْهِ
مِنَ الصِّيَامِ وَرَغَّبْتَ فِيْهِ مِنَ الْقِيَامِ
وَاَجْلَلْتَ فِيْهِ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ الَّتِىْ هِىَ
خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ثُمَّ اٰثَرْتَنَا بِهٖ عَلٰى
سَآئِرِ الْاُمَمِ وَاصْطَفَيْتَنَا بِفَضْلِهٖ دُوْنَ

اپنے بندوں کو نیکی کا اور فضل کا۔ اور انھیں احسان اور بخشش سے
ڈھانک لیا ہے۔ تیری نعمت[1] ہمارے درمیان کس قدر (زیادہ) پھیلی
ہوئی ہے! اور تیرا احسان ہم پر کتنا (زیادہ) مکمل ہے! اور تیری نیکی
ہمارے ساتھ کس قدر خصوصیت رکھتی ہے! ہدایت کی تونے ہم کو اپنے
اس دین کی، جسے تونے چن لیا ہے، اور اس ملت کی جسے تونے پسند
کیا ہے اور اس راستے کی جسے تونے آسان کردیا ہے، اور یہ بات
ہم کو دکھادی کہ کس طرح تیری بارگاہ میں پہنچیں اور تیری کرامت تک
رسائی کریں۔ اے اللہ! اور تونے بنایا ہے ان تمام عبادات[2] میں سے
منتخب، اور ان واجبات[3] میں سے مخصوص، رمضان کے مہینے کو۔
ایسا رمضان کا مہینہ جسے تونے تمام مہینوں میں سے خاص کرلیا ہے
اور اسے تمام زمانوں اور وقتوں سے منتخب کیا ہے، اور اسے سال[4]
کے تمام وقتوں پر ترجیح دی ہے اس اعتبار سے کہ تونے اس
مہینے میں قرآن کو اور نور[5] کو نازل کیا اور دوچند کردیا اس ماہ میں
ایمان کو۔ اور اس میں روزے فرض کیے اور رغبت دلائی اس میں
نماز[6] کی طرف۔ اور اسی میں شب قدر کو بزرگی عطا کی (ایسی شب قدر)
جو کہ بہتر ہے ایک ہزار مہینوں سے۔ پھر ہم کو اس کی بدولت[7] تمام
امتوں پر ترجیح دی اور اس کی فضیلت کے صدقہ میں ہم کو چن لیا۔

---

۱ یہ جملہ بطور تعجب ہے یعنی بہت زیادہ پھیلی ہوئی ہے۔

۲ اَلْوَظَآئِفِ سے مراد عبادات ہیں۔

۳ اَلْفُرُوْضِ کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے

۴ اَلسَّنَةِ کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔

۵ نور سے رحمت بھی مراد ہوسکتی ہے جو ماہ رمضان میں نازل ہوتی ہے اور جو نور کی طرح جنت کا سیدھا راستہ دکھا دیتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس سے بھی قرآن ہی مراد ہو جو کہ نور کی طرح رہنمائی کرتا ہے اور کفر و گناہ کی ظلمتوں سے نکال کر نیکی اور ثواب کے جلووں کی سیر دکھاتا ہے۔

۶ اَلْقِيَامِ سے مراد نماز ہے۔

۷ ماہ رمضان کے تیس روزے اور ان روزوں کے فضائل و برکات دین محمدی کے ان خصوصیات سے ہیں جو سابقہ ادیان میں بایں صورت نہ تھے۔

اَهْلِ الْمِلَلِ فَصُمْنَا بِاَمْرِكَ نَهَارَهُ وَ قُمْنَا بِعَوْنِكَ لَيْلَهُ مُتَعَرِّضِيْنَ بِصِيَامِهٖ وَقِيَامِهٖ لِمَا عَرَّضْتَنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِكَ وَ تَسَبَّبْنَا اِلَيْهِ مِنْ مَثُوْبَتِكَ وَاَنْتَ الْمَلِیْٓءُ بِمَا رُغِبَ فِيْهِ اِلَيْكَ الْجَوَادُ بِمَا سُئِلْتَ مِنْ فَضْلِكَ الْقَرِيْبُ اِلٰى مَنْ حَاوَلَ قُرْبَكَ وَقَدْ اَقَامَ فِيْنَا هٰذَا الشَّهْرُ مَقَامَ حَمْدٍ وَصَحِبَنَا صُحْبَةَ مَبْرُوْرٍ وَاَرْبَحَنَا اَفْضَلَ اَرْبَاحِ الْعَالَمِيْنَ ثُمَّ قَدْ فَارَقَنَا عِنْدَ تَمَامِ وَقْتِهٖ وَانْقِطَاعِ مُدَّتِهٖ وَوَفَآءِ عَدَدِهٖ فَنَحْنُ مُوَدِّعُوْهُ وَدَاعَ مَنْ عَزَّ فِرَاقُهُ عَلَيْنَا وَغَمَّنَا وَاَوْحَشَنَا انْصِرَافُهُ عَنَّا وَلَزِمَنَا لَهُ الذِّمَامُ الْمَحْفُوْظُ وَالْحُرْمَةُ الْمَرْعِيَّةُ وَالْحَقُّ الْمَقْضِيُّ فَنَحْنُ قَآئِلُوْنَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَهْرَ اللّٰهِ الْاَكْبَرَ وَيَا عِيْدَ اَوْلِيَآئِهٖ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَكْرَمَ مَصْحُوْبٍ مِنَ الْاَوْقَاتِ وَيَا خَيْرَ شَهْرٍ فِي الْاَيَّامِ وَالسَّاعَاتِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ شَهْرٍ قَرُبَتْ فِيْهِ

نہ کہ دوسری اُمتوں کو۔ پس ہم اس کے دن میں تیرے حکم سے روزہ رکھتے ہیں اور اس کی رات میں تیری اعانت سے نماز قائم کرتے ہیں۔ اس حالت میں کہ ہم اس کے روزوں اور نمازوں کے ساتھ تیری اس رحمت[1] سے ملے جس سے تو نے ہمیں دوچار کیا ہے۔ اور اس کو ہم نے تیرے ثواب کا وسیلہ بنایا۔ اور تو اس چیز سے بھرپور ہے جس کی خواہش کی جائے تجھ سے۔ بہت بخشنے والا ہے اس فضل کا جو تجھ سے مانگا جائے۔ نزدیک ہے اس شخص سے جو ارادہ کرے تیری نزدیکی کا۔ اور بے شک یہ مہینہ ہم میں قابل تعریف[2] منزل کے ساتھ ٹھہرا رہا۔ اور ہمارے[3]۔۔ الخ اس نے نیکیوں کی صحبت رکھی۔ اور ہمیں اس نے تمام جہانوں کے نفعوں سے بہترین نفع دیا۔ پھر ہم سے جدا ہوا[4] اپنا وقت ختم کر کے اور اپنی مدت تمام کر کے۔ اور اپنا عدد کامل کر کے۔ پس ہم اسے رخصت کرتے ہیں ایسے (دوست) کو رخصت کرنے کی طرح جس کی جدائی ہم پر شاق ہے اور ہمارے پاس سے جس کی واپسی نے ہمیں غم اور وحشت میں ڈال دیا ہے، اور (ایسے دوست کی طرح) لازم ہوئی[5] ہے ہم پر جس کی محفوظ ذمہ داری اور قابل لحاظ حرمت اور ایسا حق جس کی ادائیگی ضروری ہے۔ پس ہم کہتے ہیں کہ تجھ پر سلام ہو اے اللہ کے سب سے بزرگ مہینے! اور اے اس کے دوستوں کی عید! سلام ہو تجھ پر اے تمام وقتوں[6] سے زیادہ گرامی ساتھی! اور اے دنوں اور گھڑیوں میں (سب سے) اچھے مہینے۔ سلام ہو

---

لہ یعنی ماہ رمضان کے روزوں اور نمازوں کی برکت سے خدا کی رحمتیں دنیا میں اتر چکی ہیں جن سے روزہ داروں کا برابر سامنا ہوتا ہے اور وہ رحمتیں روزہ داروں کو ملتی ہیں۔

ٹہ یعنی ایسا مہمان بن کر رہا جس سے ہمیں بہت فوائد پہنچے اور اس بنا پر ہم میں سے ہر شخص اسے مستحق تعریف سمجھتا ہے۔

ٹہ مَبْرُوْرٍ کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

ٹہ عِنْدَ کا ترجمہ اوپر کی سطر میں ہے۔

ٹہ یعنی رسمی دوست کی طرح نہیں بلکہ اس مخلص دوست کی طرح جسے ہم دل سے چاہتے ہیں اور جس کی حفاظت اور جس کے احترام کی پوری پوری ذمہ داری محسوس کرتے ہیں۔

ٹہ الْاَوْقَاتِ کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

الْآمَالُ وَ نُشِرَتْ فِيهِ الْأَعْمَالُ السَّلَامُ
عَلَيْكَ مِنْ قَرِينٍ جَلَّ قَدْرُهُ مَوْجُودًا وَ
أَفْجَعَ فَقْدُهُ مَفْقُودًا وَ مَرْجُوٍّ آلَمَ فِرَاقُهُ
السَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ أَلِيفٍ آنَسَ مُقْبِلًا فَسَرَّ
وَ أَوْحَشَ مُنْقَضِيًا فَمَضَّ السَّلَامُ عَلَيْكَ
مِنْ مُجَاوِرٍ رَقَّتْ فِيهِ الْقُلُوبُ وَ قَلَّتْ فِيهِ
الذُّنُوبُ السَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ نَاصِرٍ أَعَانَ
عَلَى الشَّيْطَانِ وَ صَاحِبٍ سَهَّلَ سُبُلَ
الْإِحْسَانِ السَّلَامُ عَلَيْكَ مَا أَكْثَرَ عُتَقَاءَ
اللَّهِ فِيكَ وَ مَا أَسْعَدَ مَنْ رَعَى حُرْمَتَكَ
بِكَ السَّلَامُ عَلَيْكَ مَا كَانَ أَمْحَاكَ
لِلذُّنُوبِ وَ أَسْتَرَكَ لِأَنْوَاعِ الْعُيُوبِ السَّلَامُ
عَلَيْكَ مَا كَانَ أَطْوَلَكَ عَلَى الْمُجْرِمِينَ وَ
أَهْيَبَكَ فِي صُدُورِ الْمُؤْمِنِينَ السَّلَامُ عَلَيْكَ
مِنْ شَهْرٍ لَا تُنَافِسُهُ الْأَيَّامُ السَّلَامُ عَلَيْكَ
مِنْ شَهْرٍ هُوَ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ السَّلَامُ
عَلَيْكَ غَيْرَ كَرِيهِ الْمُصَاحَبَةِ وَلَا ذَمِيمِ

تجھ پر (اے وہ) مہینے جس میں امیدیں[1] قریب ہوئیں اور جس میں اعمال[2]
پھیلائے گئے۔ سلام ہو تجھ پر (اے وہ) دوست جس کی قدر اس کی موجودگی
میں جلیل رہی۔ اور جس کے نہ ہونے نے چلے جانے[3] کے وقت دردناک کیا۔
اور (اے وہ) امید گاہ جس کے فراق نے تکلیف دی۔ سلام ہو تجھ پر
(اے وہ) غم خوار جس نے اپنی آمد[4] سے راحت پہنچائی پھر (خوب) خوش
کیا۔ اور اپنی روانگی سے وحشت بڑھادی۔ پھر دردناک[5] کیا۔ سلام ہو تجھ
پر (اے وہ) پاس رہنے والے جس (کی صحبت) میں نرم ہو گئے دل۔
اور اس میں گناہ گھٹ گئے۔ سلام ہو تجھ پر (اے وہ) مددگار! جس نے
شیطان کے مقابلے[6] پر مدد کی اور (اے وہ) رفیق! جس نے احسان کی
راہیں آسان کردیں۔ سلام ہو تجھ پر کس[7] قدر زیادہ ہیں تجھ میں خدا کے
(نار جہنم سے) آزاد کیے ہوئے! اور کتنے نیک بخت ہیں وہ لوگ جنھوں
نے تیری حرمت ملحوظ رکھی! سلام ہو تجھ پر۔ تو کس قدر گناہوں[8] کا مٹانے
والا ہے! اور کتنا چھپانے والا ہے طرح طرح کے (ہمارے) عیبوں
کو! سلام ہو تجھ پر۔ تو کس قدر مہربانی کرنے والا ہے مجرموں پر! اور کتنا
تیرا رعب وداب ہے مومنوں کے دلوں میں! سلام ہو تجھ پر اے وہ
مہینے کہ نہیں برابری کرسکتے جس کی دن۔ سلام ہو تجھ پر اے وہ مہینے جو
ہر چیز سے سلامتی (کا مہینہ) ہے۔ سلام ہو تجھ پر (اے وہ) جس کی صحبت

---

[1] یعنی رحمت الٰہی اور مغفرت کی امیدوں کے بر آنے کی آس بندھی
[2] اعمال صالح مراد ہیں۔
[3] مَفْقُودًا کے لغوی معنی گم شدہ کے ہیں۔ مراد چلا جانا اور دور ہوجانا۔
[4] ایک مترجم اردو نے اٰنَسَ مُقْبِلًا کا ترجمہ" اپنی حالت میں دلچسپی پیدا کی" تحریر کیا ہے۔ اس ترجمہ کی ذمہ داری مترجم مذکور ہی پر ہے۔ اصل ترجمہ وہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔
[5] ایک مطبوعہ صحیفہ میں" مَضَّ" کے مقام پر" اَمَضَّ" طبع ہوا ہے جو اس مقام پر بالکل غلط اور بے معنی ہے۔
[6] یہ عَلٰی کا ترجمہ ہے۔
[7] استفہام نہیں بلکہ استعجاب ہے۔ یعنی بہت زیادہ ہیں۔
[8] بطور استعجاب ہے نہ کہ بطور استفہام۔

الْمُلَابَسَةِ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ كَمَا وَفَدْتَ عَلَيْنَا
بِالْبَرَكَاتِ وَ غَسَلْتَ عَنَّا دَنَسَ الْخَطِيْئَاتِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ غَيْرَ مُوَدَّعٍ بَرَمًا وَلَا مَتْرُوْكٍ
صِيَامُهٗ سَاَمًا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مِنْ مَطْلُوْبٍ
قَبْلَ وَقْتِهٖ وَ مَحْزُوْنٍ عَلَيْهِ قَبْلَ فَوْتِهٖ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ كَمْ مِنْ سُوْٓءٍ صُرِفَ بِكَ عَنَّا
وَكَمْ مِنْ خَيْرٍ اُفِيْضَ بِكَ عَلَيْنَا اَلسَّلَامُ
عَلَيْكَ وَعَلٰى لَيْلَةِ الْقَدْرِ الَّتِيْ هِيَ خَيْرٌ
مِنْ اَلْفِ شَهْرٍ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ مَا كَانَ
اَحْرَصَنَا بِالْاَمْسِ عَلَيْكَ وَ اَشَدَّ شَوْقَنَا
غَدًا اِلَيْكَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى فَضْلِكَ
الَّذِيْ حُرِمْنَاهُ وَ عَلٰى مَاضٍ مِنْ بَرَكَاتِكَ
سُلِبْنَاهُ اَللّٰهُمَّ اِنَّا اَهْلُ هٰذَا الشَّهْرِ الَّذِيْ
شَرَّفْتَنَا بِهٖ وَ وَفَّقْتَنَا بِمَنِّكَ لَهٗ حِيْنَ
جَهِلَ الْاَشْقِيَآءُ وَقْتَهٗ وَحُرِمُوْا لِشَقَآئِهِمْ
فَضْلَهٗ اَنْتَ وَلِيُّ مَا اٰثَرْتَنَا بِهٖ مِنْ مَعْرِفَتِهٖ
وَهَدَيْتَنَا لَهٗ مِنْ سُنَّتِهٖ وَقَدْ تَوَلَّيْنَا
بِتَوْفِيْقِكَ صِيَامَهٗ وَقِيَامَهٗ عَلٰى تَقْصِيْرٍ

ناپسندیدہ نہیں اور نہ مل کر بیٹھنا برا ہے۔ سلام ہو تجھ پر جس طرح[1] کہ تو ہمارے
اوپر برکتیں لایا اور ہمیں پاک کر دیا خطاؤں کی نجاست سے۔ سلام ہو تجھ پر
(اے وہ) جس کو جی بھر جانے کے بعد رخصت نہیں کیا اور نہ چھوڑے
گئے اس کے روزے تھک کر۔ سلام ہو تجھ پر (اے وہ) جسے اس کے
وقت سے پہلے[2] بلایا جاتا ہے اور جس پر اس کے رخصت[3] ہونے سے پہلے
افسوس کیا جاتا ہے۔ سلام ہو تجھ پر کتنی ہی برائیاں ہیں جو ٹالی گئی ہیں
تیرے طفیل میں ہم سے۔ اور کتنی ہی نیکیاں ہیں جو تیری وجہ سے ہم پر
جاری ہوئیں۔ سلام ہو تجھ پر اور شب قدر پر (ایسی شب قدر) جو کہ ہزار
مہینے سے بہتر ہے۔ سلام ہو تجھ پر۔ کس قدر حریص تھے ہم کل کے دن
تجھ پر! اور کل ہمیں تیرا کس قدر زیادہ اشتیاق ہوگا! سلام ہو تجھ پر اور
تیری اس فضیلت پر جس سے ہم محروم ہو گئے اور تیری گزشتہ برکتوں پر
جو ہم سے چھین لی گئیں۔ اے اللہ! ہم اس مہینے والے ہیں جس سے تو
نے ہمیں مشرف کیا اور ہمیں تو نے توفیق دی اپنے احسان سے اس کے
لیے[4]۔ جبکہ بھول گئے بدنصیب اس کے وقت کو اور محروم ہو گئے اپنی
بدبختی کی بنا پر اس کی فضیلت سے۔ تو ہی سرپرست[5] ہے (ہمارا) اس
بات میں کہ تو نے ہمیں اس کی معرفت کرا کے اس کی بدولت ہمیں ترجیح دی
اور (اس بات میں کہ) ہدایت کی ہم کو اس کے لیے اپنی سنت کی۔ اور
بے شک تیری ہی توفیق سے ہم اس کے روزوں اور نماز پر قادر ہوئے

---

[1] یعنی جس طرح تو نے ہمیں برکتیں دیں اسی طرح ہم تجھے سلام کر رہے ہیں۔

[2] یعنی ماہ رمضان کے دن قریب آتے ہی انتظار کیا جانے لگتا ہے۔

[3] اصل میں "قبل فوتہ" کے الفاظ آئے ہیں جن کے معنی ہیں اس کے فوت اور فنا ہونے سے پہلے۔ یہاں رخصت ہونا مراد ہے۔

[4] اس مہینے میں روزہ رکھنے اور عبادت کرنے کے لیے توفیق دی۔

[5] یعنی تیری ہی سرپرستی سے ہم ماہ رمضان کی قدر پہچان سکے۔ اور اسی کی بدولت ہمیں ترجیح کا شرف حاصل ہوا۔ اور تیری ہی سرپرستی سے ہم نے تیری سنت کی جانب ہدایت پائی۔

وَ اَدَّيْنَا فِيهِ قَلِيلاً مِنْ كَثِيرٍ اَللّٰهُمَّ
فَلَكَ الْحَمْدُ اِقْرَاراً بِالْاِسَاءَةِ وَ اعْتِرَافاً
بِالْاِضَاعَةِ وَ لَكَ مِنْ قُلُوبِنَا عَقْدُ النَّدَمِ
وَ مِنْ اَلْسِنَتِنَا صِدْقُ الْاِعْتِذَارِ فَاْجُرْنَا
عَلٰى مَا اَصَابَنَا فِيهِ مِنَ التَّفْرِيطِ اَجْراً
نَسْتَدْرِكُ بِهِ الْفَضْلَ الْمَرْغُوبَ فِيهِ وَ
نَعْتَاضُ بِهِ مِنْ اَنْوَاعِ الذُّخْرِ الْمَحْرُوصِ
عَلَيْهِ وَ اَوْجِبْ لَنَا عُذْرَكَ عَلٰى مَا قَصَّرْنَا
فِيهِ مِنْ حَقِّكَ وَ ابْلُغْ بِاَعْمَارِنَا مَا بَيْنَ
اَيْدِينَا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ الْمُقْبِلِ فَاِذَا
بَلَّغْتَنَاهُ فَاَعِنَّا عَلٰى تَنَاوُلِ مَا اَنْتَ اَهْلُهُ
مِنَ الْعِبَادَةِ وَ اَدِّنَا اِلَى الْقِيَامِ بِمَا يَسْتَحِقُّهُ
مِنَ الطَّاعَةِ وَ اَجْرِ لَنَا مِنْ صَالِحِ الْعَمَلِ

(مگر) کمی[1] کے ساتھ اور (تیری ہی توفیق سے) ہم نے بہت میں سے تھوڑا
اس ماہ میں ادا کیا۔ اے اللہ! پس تیرے ہی لیے حمد ہے، (اپنی) بدی
کے اقرار اور (وقت عبادت کو) ضائع کرنے کے اعتراف کے[2] لیے۔ اور
تیرے لیے ہمارے دلوں میں ندامت[3] کی گرہیں ہیں اور ہماری زبانوں کی
پُرخلوص معذرت ہے پس ہمیں اس کمی کا جو اس مہینے میں ہمیں پہنچی[4] ہے
اجر دے ایسا اجر جس کی وجہ سے ہم (تیرے) اس فضل و کرم کا پالیں جس کی
طرف رغبت[5] کی گئی ہے اور عوض پا سکیں ہم ان طرح طرح کے ذخیروں
میں سے[6] جن کا لالچ کیا جاتا ہے اور واجب و لازم کر ہمارے لیے اپنی
معافی[7] کو اپنے اس حق پر جس میں ہم نے کوتاہی کی ہے۔ اور ہماری عمروں
کو جو ہمارے سامنے (یعنی آئندہ) ہیں آنے والے ماہ رمضان تک پہنچا دے۔
پس جبکہ تو ہمیں اس تک پہنچائے تو اطاعت کرنا ہماری عبادت[8] کے بجا لانے
پر جس کا تو اہل ہے اور پہنچا دینا ہم کو اس فرمانبرداری[9] کے قائم کرنے تک
جس کا تو مستحق ہے اور ہمارے لیے وہ نیک کام جاری کرنا جو تیرے حق

---

[1] یعنی جی بھر کر یہ اعمال ادا نہ کر سکے۔

[2] یعنی اس بات پر تیری حمد ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھ میں بدی کے اقرار کا اور فرصت عبادت ضائع کرنے کے اعتراف کا احساس پیدا کیا۔

[3] یعنی ہم ندامت کوتاہی و تقصیر میں یہ محسوس کرتے ہیں کہ جیسے ہمارا دل بجھا بجھا سا ہے۔ اور اس میں ایک طرح کا انقباض پایا جاتا ہے جو شرمساری کی حالت میں ہوا کرتا ہے۔

[4] یعنی جی بھر کر اعمال کرنے میں جو کمی رہ گئی ہے اس کا اجر دے۔ اور یہ اجر اس وجہ سے ہمیں ملنا چاہیئے کہ ہم اس کمی اور قصور کے معترف ہیں۔ اور تیری بارگاہ میں اعتراف قصور کی بڑی قدر و منزلت ہے۔

[5] یعنی جو ہمیں مرغوب ہے اور پسند ہے اور جس کی طرف ہم راغب ہیں۔

[6] جنت و کوثر و حور و قصور کی طرف اشارہ ہے۔

[7] یہ عُذْرَكَ کا ترجمہ ہے۔ عُذْر کے معنی معذرت کرنے کے بھی ہیں لیکن جب عذر کا صلہ "علیٰ" کے ساتھ آتا ہے جیسا کہ دعا میں عُذْرَكَ کے بعد عَلٰى آیا ہے۔ اس وقت اس کے معنی "عذر سے بری کرنے" کے ہو جاتے ہیں۔ یعنی معاف کر دینا۔

[8] مِنَ الْعِبَادَةِ کا ترجمہ جو کہ اگلی سطر میں ہے۔ [9] اَلطَّاعَةِ کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

مَا يَكُونُ دَرَكًا لِحَقِّكَ فِي الشَّهْرَيْنِ مِنْ
شُهُورِ الدَّهْرِ اَللّٰهُمَّ وَمَا اَلْمَمْنَا بِهٖ فِيْ
شَهْرِنَا هٰذَا مِنْ لَمَمٍ اَوْ اِثْمٍ اَوْ وَاقَعْنَا
فِيْهِ مِنْ ذَنْبٍ وَاكْتَسَبْنَا فِيْهِ مِنْ خَطِيْئَةٍ
عَلٰى تَعَمُّدٍ مِنَّا اَوْ عَلٰى نِسْيَانٍ ظَلَمْنَا فِيْهِ
اَنْفُسَنَا اَوِ انْتَهَكْنَا بِهٖ حُرْمَةً مِنْ غَيْرِنَا
فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَاسْتُرْنَا بِسِتْرِكَ
وَاعْفُ عَنَّا بِعَفْوِكَ وَلَا تَنْصِبْنَا فِيْهِ لِاَعْيُنِ
الشَّامِتِيْنَ وَلَا تَبْسُطْ عَلَيْنَا فِيْهِ اَلْسُنَ الطَّاعِنِيْنَ
وَاسْتَعْمِلْنَا بِمَا يَكُونُ حِطَّةً وَكَفَّارَةً لِمَا
اَنْكَرْتَ مِنَّا فِيْهِ بِرَاْفَتِكَ الَّتِيْ لَا تَنْفَدُ
وَفَضْلِكَ الَّذِيْ لَا يَنْقُصُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَاٰلِهٖ وَاجْبُرْ مُصِيْبَتَنَا بِشَهْرِنَا وَبَارِكْ
لَنَا فِيْ يَوْمِ عِيْدِنَا وَفِطْرِنَا وَاجْعَلْهُ مِنْ خَيْرِ
يَوْمٍ مَرَّ عَلَيْنَا اَجْلَبِهٖ لِعَفْوٍ وَاَمْحَاهُ
لِذَنْبٍ وَاغْفِرْ لَنَا مَا خَفِيَ مِنْ ذُنُوْبِنَا
وَمَا عَلَنَ اَللّٰهُمَّ اسْلَخْنَا بِانْسِلَاخِ

کے پا لینے[1] کا نتیجہ ہو زمانے کے مہینوں میں سے دونوں مہینوں[2] میں۔ اے اللہ! اور ہم نے اپنے اس[3] مہینے میں جو چھوٹے یا بڑے گناہ کیے یا ہم اس میں کسی جرم میں پڑ گئے اور مرتکب ہو گئے کسی غلطی کے، اپنے ارادے سے، یا بھول کر تو چاہے[4] ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا یا ہم نے اس سے اپنے غیر کی بے حرمتی کی، پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور چھپا لے ہم کو اپنے پردے میں اور معاف کر ہم کو اپنی معافی سے اور نہ کھڑا کر ہم کو اس میں شماتت کرنے والوں[5] کی آنکھوں کے سامنے اور نہ کھلنے دے ہم پر اس میں، طعنے دینے والوں کی زبانوں کو۔ اور ہمیں وہ کام کرنے[6] کی جو ہمارے اس عمل کا کفارہ اور تلافی ہو جو تو نے اس (مہینے) میں ناپسند کیا ہے، توفیق دے اپنی مہربانی[7] سے، ایسی مہربانی جو ختم نہیں ہوتی اور اپنے فضل سے جو ناقص نہیں ہوتا۔ اے اللہ! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور ہمیں اپنے اس مہینے میں جو تکلیف جھیلنا پڑی ہے اس کا عوض دے، اور برکت دے ہم کو ہمارے عید کے دن اور ہمارے افطار کے دن۔ اور اسے ہمارے ان بہترین دنوں میں سے قرار دے جو ہم پر گزرے، (ایسا بہترین دن) جو سب سے زیادہ معافی کا کھینچ لانے والا اور سب سے بڑھ کر گناہ کا مٹانے والا ہو۔ اور ہمارے وہ گناہ بخش دے جو چھپے ہوئے ہیں (اور وہ بھی) جو ظاہر ہیں۔

---

[1] یعنی پہچان لینے کا نتیجہ۔

[2] ایک ماہ رمضان کا مہینہ جو ابھی رخصت ہوا اور دوسرا ماہ رمضان کا مہینہ جو آئے گا اور جس میں نیک عمل کرنے کے لیے زندہ رہنے کی دعا کی جا رہی ہے۔

[3] هٰذَا کا ترجمہ جو لعد کی سطر میں ہے۔

[4] یعنی ان مذکورہ گناہوں کا چاہے تنہا ہمیں نقصان پہنچا اور چاہے کسی اور کی بے حرمتی ہوئی دونوں حالتوں میں صلواۃ کے بعد ہماری یہ خواہش ہے کہ تو ہی ہمارے ان گناہوں کو اپنی عفو کے پردے میں چھپا لے۔

[5] اَلشَّامِتِيْنَ کا ترجمہ جو اگلی سطر میں ہے۔

[6] اَسْتَعْمِلْنَا کے لفظی معنی یہ ہیں کہ ہم سے وہ کام لے۔ مراد یہ ہے کہ ہمیں اس کام کی توفیق دے۔

[7] اَسْتَعْمِلْنَا سے متعلق ہے یعنی ہمیں اپنی مہربانی سے وہ کام کرنے کی توفیق دے۔

هٰذَا الشَّهْرِ مِنْ خَطَايَانَا وَ اَخْرِجْنَا
بِخُرُوْجِهٖ مِنْ سَيِّاٰتِنَا وَ اجْعَلْنَا مِنْ اَسْعَدِ
اَهْلِهٖ بِهٖ وَ اَجْزَلِهِمْ قِسْمًا فِيْهِ وَ اَوْفَرِهِمْ
حَظًّا مِنْهُ اَللّٰهُمَّ وَمَنْ رَعٰى حَقَّ هٰذَا
الشَّهْرِ حَقَّ رِعَايَتِهٖ وَحَفِظَ حُرْمَتَهٗ حَقَّ
حِفْظِهَا وَقَامَ بِحُدُوْدِهٖ حَقَّ قِيَامِهَا وَاتَّقٰى
ذُنُوْبَهٗ حَقَّ تُقَاتِهَا اَوْ تَقَرَّبَ اِلَيْكَ بِقُرْبَةٍ
اَوْجَبَتْ رِضَاكَ لَهٗ وَ عَطَفَتْ رَحْمَتُكَ
عَلَيْهِ فَهَبْ لَنَا مِثْلَهٗ مِنْ وُجْدِكَ وَاَعْطِنَا
اَضْعَافَهٗ مِنْ فَضْلِكَ فَاِنَّ فَضْلَكَ لَا
يَغِيْضُ وَاِنَّ خَزَآئِنَكَ لَا تَنْقُصُ بَلْ تَفِيْضُ
وَاِنَّ مَعَادِنَ اِحْسَانِكَ لَا تَفْنٰى وَ اِنَّ
عَطَآءَكَ لَلْعَطَآءُ الْمُهَنَّا اَللّٰهُمَّ
صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاكْتُبْ
لَنَا مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ صَامَهٗ اَوْ تَعَبَّدَ
لَكَ فِيْهِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَللّٰهُمَّ
اِنَّا نَتُوْبُ اِلَيْكَ فِيْ يَوْمِ فِطْرِنَا

اے اللہ! دور کردے[1] ہم سے اس مہینے کے دور ہوتے ہی ہماری خطاؤں
کو اور اس (مہینے) کے نکلتے ہی ہمیں ہماری برائیوں سے نکال دے۔
اور قرار دے ہم کو ان لوگوں میں سے جو نیک بخت ترین ہیں، اس کی
وجہ[2] سے۔ اور (جو) بہت زیادہ حصہ[3] پانے والے ہیں اس مہینے میں۔
اور سب سے زیادہ حظ حاصل کرنے والے ہیں اس مہینے میں۔ اے اللہ
اور جس شخص نے اس مہینے کے حق کا لحاظ رکھا، جیسا کہ[4] لحاظ رکھنے کا حق
ہے، اور (جس نے) اس کی حرمت کی حفاظت کی جیسا کہ حق ہے اس کی
حفاظت کا، اور (جس نے) اس کی حدوں کو قائم کیا، جیسا کہ اس کے
قائم کرنے کا حق ہے، اور اس کے گناہوں سے بچا، جیسا کہ حق ہے ان
سے بچنے کا۔ یا تجھ سے اتنا قریب ہوا جس سے تو نے اپنی رضامندی اس
کے لیے لازم کردی اور تیری رحمت اس پر مہربان ہوئی پس ہمیں بھی
اس (جیسا) (اجر) اپنے خزانے[5] سے بخش دے اور عطا کر ہم کو اس سے
چند در چند (اجر) اپنے فضل سے پس بے شک تیرا فضل نہیں گھٹتا۔
اور یقیناً تیرے خزانے کم نہیں ہوتے۔ بلکہ جاری رہتے ہیں۔ اور بے شک
تیرے احسان کی کانیں تمام نہیں ہوتیں اور یقیناً تیری بخشش با برکت
بخشش ہے۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور
لکھ ہمارے لیے اس شخص کے اجر و ثواب[6] کے برابر جو اس مہینے

---

[1] اِسْلَخْنَا کے لغوی معنی ہیں، ہم سے کھینچ لے یعنی ہم سے دور کردے۔

[2] یعنی جو اس مہینے کی برکت سے بہت نیک بخت ہیں۔

[3] مراد نیکی کی جزا۔

[4] یعنی پوری طرح لحاظ رکھا۔

[5] وُجْدِكَ کے لغوی معنی 'تیری تونگری کے' ہیں۔ اس مقام پر تونگری سے خزانہ غیب مراد ہے۔

[6] ایک مترجم نے 'اُجُوْرِ' کا ترجمہ "مزدوریوں" سے کیا ہے مگر ہمارے خیال سے وہ 'اجر' جو خدائے تعالیٰ اپنی عبادت پر بندوں کو دیتا ہے اس کو 'مزدوری' سے تعبیر کرنا 'عبادت' اور 'عابد' دونوں کی سبکی پر مشتمل ہے۔ اس کے لیے اردو میں مناسب لفظ 'اجر و ثواب' ہے نہ کہ مزدوری۔

الَّذِیْ جَعَلْتَهٗ لِلْمُؤْمِنِیْنَ عِیْدًا وَّ سُرُوْرًا وَّلِاَهْلِ مِلَّتِكَ مَجْمَعًا وَّ مُحْتَشَدًا مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ اَذْنَبْنَاهُ اَوْ سُوْٓءٍ اَسْلَفْنَاهُ اَوْ خَاطِرِ شَرٍّ اَضْمَرْنَاهُ تَوْبَةَ مَنْ لَّا یَنْطَوِیْ عَلٰی رُجُوْعٍ اِلٰی ذَنْبٍ وَّلَا یَعُوْدُ بَعْدَهَا فِیْ خَطِیْٓئَةٍ تَوْبَةً نَّصُوْحًا خَلَصَتْ مِنَ الشَّكِّ وَالْاِرْتِیَابِ فَتَقَبَّلْهَا مِنَّا وَارْضَ عَنَّا وَثَبِّتْنَا عَلَیْهَا اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا خَوْفَ عِقَابِ الْوَعِیْدِ وَشَوْقَ ثَوَابِ الْمَوْعُوْدِ حَتّٰی نَجِدَ لَذَّةَ مَا نَدْعُوْكَ بِهٖ وَكَاٰبَةَ مَا نَسْتَجِیْرُكَ مِنْهُ وَاجْعَلْنَا عِنْدَكَ مِنَ التَّوَّابِیْنَ الَّذِیْنَ اَوْجَبْتَ لَهُمْ مَحَبَّتَكَ وَقَبِلْتَ مِنْهُمْ مُرَاجَعَةَ طَاعَتِكَ یَا اَعْدَلَ الْعَادِلِیْنَ اَللّٰهُمَّ تَجَاوَزْ عَنْ اٰبَآئِنَا وَاُمَّهَاتِنَا وَاَهْلِ دِیْنِنَا جَمِیْعًا مَنْ سَلَفَ مِنْهُمْ وَمَنْ غَبَرَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ نَبِیِّنَا وَاٰلِهٖ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی مَلٰٓئِكَتِكَ الْمُقَرَّبِیْنَ وَصَلِّ عَلَیْهِ وَ

میں روزہ رکھے یا تیری عبادت کرے قیامت[1] کے دن تک۔ اے اللہ ہم تجھ سے توبہ کرتے ہیں اپنے اس افطار کے دن میں جسے تو نے قرار دیا ہے مومنین کے لیے عید اور خوشی کا دن۔ اور اپنے ملت[2] والوں کے لیے جمع ہونے اور اکٹھا ہونے کا دن، ہر اس[3] گناہ سے جس کے ہم مرتکب ہوئے، یا برائی سے جو ہم نے پہلے کی۔ یا بُرے خیال سے جو ہم نے دل میں گزارا، اس شخص[4] کی سی توبہ جو گناہ کا اعادہ کرنے کا خیال دل میں نہ رکھتا ہو اور اس (توبہ) کے بعد اعادہ نہ کرے اپنی خطا کا۔ ایسی توبہ جو خالص ہے۔ شک اور شبہ سے پاک ہے۔ پس ہماری اس توبہ کو قبول کر اور ہم سے راضی ہو اور ہمیں اس پر ثابت قدم رکھ۔ اے اللہ عطا کر ہم کو خوف (اپنے) وعید کے عذاب کا۔ اور شوق وعدہ کیے ہوئے ثواب کا۔ تا کہ ہم محسوس کریں لذت اس دعا کی جو ہم تجھ سے کرتے ہیں۔ اور تکلیف اس (گناہ) کی جس سے ہم پناہ کے طالب ہیں۔ اور قرار دے ہم کو اپنے نزدیک توبہ کرنے والوں میں سے۔ ایسے توبہ کرنے والے جن کے لیے تو نے اپنی محبت لازم کی ہے اور جن کے اپنی طاعت[5] کی طرف واپس آنے کو تو نے قبول کیا ہے[6]۔ اے تمام انصاف کرنے والوں سے زیادہ انصاف کرنے والے! اے اللہ درگزر کر ہمارے باپ دادا اور ماں، نانی دادی سے اور ہمارے تمام مذہب والوں سے، جو ان میں سے گزر گئے اور جو ہوں گے قیامت کے دن تک۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر جو ہمارے نبی ہیں اور ان کی اولاد پر۔ جیسے کہ رحمت نازل کی تو نے اپنے مقرب فرشتوں پر۔ اور رحمت نازل کر ان (محمدؐ) پر

---

[1] یعنی قیامت تک ماہ رمضان میں جو لوگ روزہ رکھیں اور عبادت کریں، ان میں سے ہر ایک کو تو جتنا ثواب عنایت کرے اسی کے برابر ہمیں مرحمت کر اور کسی سے کم ثواب نہ دے۔

[2] مسلمانوں۔

[3] یعنی ہر اس گناہ سے توبہ کرتے ہیں۔

[4] مَن کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

[5] طاعتِک کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

[6] یعنی جن کی توبہ قبول ہو گئی ہے۔

اٰلِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اَنْبِیَآئِکَ الْمُرْسَلِیْنَ وَصَلِّ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ وَاَفْضَلَ مِنْ ذٰلِکَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ صَلٰوۃً تَبْلُغُنَا بَرَکَتُھَا وَیَنَالُنَا نَفْعُھَا وَیُسْتَجَابُ لَھَا دُعَآئُنَا اِنَّکَ اَکْرَمُ مَنْ رُغِبَ اِلَیْہِ وَاَکْفٰی مَنْ تُوُکِّلَ عَلَیْہِ وَاَعْطٰی مَنْ سُئِلَ مِنْ فَضْلِہٖ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

اور ان کی اولاد پر جیسے کہ رحمت نازل کی تو نے اپنے بھیجے ہوئے نبیوں پر۔ اور رحمت نازل کر تو ان (محمدؐ) پر اور ان کی اولاد پر جیسے کہ رحمت نازل کی تو نے اپنے نیک بندوں پر۔ اور ان سب سے (بھی) افضل (رحمت نازل کر) اے تمام جہانوں کے پالنے والے! ایسی رحمت جس کی برکت ہم کو (بھی) پہنچے اور جس کا نفع ہمیں (بھی) ملے اور قبول ہو جس کی بدولت ہماری دعا۔ بے شک تو ان سب سے زیادہ کریم ہے۔ جن کی طرف رغبت[1] کی گئی اور ان سب سے بڑھ کر مددگار ہے جن پر بھروسا کیا گیا۔ اور ان سب سے زیادہ عطا کرنے والا ہے، جن کے فضل سے سوال کیا گیا۔ اور تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۵

## وَکَانَ مِنْ دُعَآئِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوۃِ الْعِیْدَیْنِ وَصَلٰوۃِ الْجُمُعَۃِ وَقَدِ اسْتَقْبَلَ الْقِبْلَۃَ قَالَ

حضرت زین العابدین ؑ عیدین کی نماز سے اور جمعہ کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد قبلہ کی طرف منہ کر کے یہ دعا پڑھتے تھے۔

یَا مَنْ یَرْحَمُ مَنْ لَا یَرْحَمُہُ الْعِبَادُ وَیَا مَنْ یَقْبَلُ مَنْ لَا تَقْبَلُہُ الْبِلَادُ وَیَا مَنْ لَا یَحْتَقِرُ اَھْلَ الْحَاجَۃِ اِلَیْہِ وَیَا مَنْ لَا یُخَیِّبُ الْمُلِحِّیْنَ عَلَیْہِ وَیَا مَنْ لَا یَجْبَہُ بِالرَّدِّ اَھْلَ الدَّالَّۃِ عَلَیْہِ وَیَا مَنْ یَجْتَبِیْ صَغِیْرَ مَا یُتْحَفُ بِہٖ وَیَشْکُرُ یَسِیْرَ مَا یُعْمَلُ لَہٗ وَیَا مَنْ یَشْکُرُ عَلَی الْقَلِیْلِ وَیُجَازِیْ بِالْجَلِیْلِ وَ

اے وہ (معبود) جو اس شخص پر (بھی) رحم کرتا ہے جس پر بندے رحم نہیں کرتے، اور اے وہ، جو اسے (بھی) قبول کرتا ہے جسے شہر قبول نہیں کرتے۔ اور اے وہ، جو ذلیل نہیں سمجھتا، اپنی طرف حاجت لانے والوں کو۔ اور اے وہ، جو اپنے سامنے عاجزی اور گریہ وزاری کرنے والوں کو محروم نہیں کرتا اور اے وہ جو سینہ پر نہیں مارتا رد کر کے، ان لوگوں کو جو اس پر ناز کرتے ہیں۔ اور اے وہ، جو قبول کر لیتا ہے حقیر سی[2] اس چیز کو بھی جو اسے تحفہ میں دی جائے۔ اور ادنیٰ عمل کی بھی / جو اس کے لیے کیا جائے جزا[3] دیتا ہے۔ اور

---

[1] یعنی ہمارے علاوہ دنیا کے اور لوگوں نے رغبت کی۔ اسی طرح بعد کے جملوں میں اور لوگ مراد ہیں۔

[2] مراد عبادت و حمد و شکر وغیرہ۔

[3] یشکر کا ترجمہ یوں ہی معنی شکر کرنا ہے لیکن خدا کی طرف منسوب کر کے جب یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس کے معنی جزائے شکر دینے کے ہوتے ہیں۔

يَا مَنْ يَدْنُوْ اِلٰى مَنْ دَنَا مِنْهُ وَ يَا مَنْ يَدْعُوْ اِلٰى نَفْسِهٖ مَنْ اَدْبَرَ عَنْهُ وَ يَا مَنْ لَا يُغَيِّرُ النِّعْمَةَ وَ لَا يُبَادِرُ بِالنِّقْمَةِ وَ يَا مَنْ يُثْمِرُ الْحَسَنَةَ حَتّٰى يُنْمِيَهَا وَ يَتَجَاوَزُ عَنِ السَّيِّئَةِ حَتّٰى يُعَفِّيَهَا انْصَرَفَتِ الْاٰمَالُ دُوْنَ مَدٰى كَرَمِكَ بِالْحَاجَاتِ وَ امْتَلَاَتْ بِفَيْضِ جُوْدِكَ اَوْعِيَةُ الطَّلِبَاتِ وَ تَفَسَّخَتْ دُوْنَ بُلُوْغِ نَعْتِكَ الصِّفَاتُ فَلَكَ الْعُلُوُّ الْاَعْلٰى فَوْقَ كُلِّ عَالٍ وَ الْجَلَالُ الْاَمْجَدُ فَوْقَ كُلِّ جَلَالٍ كُلُّ جَلِيْلٍ عِنْدَكَ صَغِيْرٌ وَ كُلُّ شَرِيْفٍ فِيْ جَنْبِ شَرَفِكَ حَقِيْرٌ خَابَ الْوَافِدُوْنَ عَلٰى غَيْرِكَ وَ خَسِرَ الْمُتَعَرِّضُوْنَ اِلَّا لَكَ وَ ضَاعَ الْمُلِمُّوْنَ اِلَّا بِكَ وَ اَجْدَبَ الْمُنْتَجِعُوْنَ اِلَّا مَنِ انْتَجَعَ فَضْلَكَ

اے وہ جو تھوڑے (عمل) کو قبول کرتا[1] اور بڑا صلہ دیتا ہے۔ اور اے وہ، جو خود اس کے قریب آجاتا ہے جو اس کے قریب جائے۔ اور اے وہ جو اپنی طرف[2] پکارتا ہے، اس شخص کو جو اس کے جانب سے منہ پھرائے اور اے وہ جو (اپنی دی ہوئی) نعمت میں تغیر[3] نہیں کرتا اور نہ جلدی کرتا ہے انتقام (گناہ) لینے میں۔ اور اے وہ جو نیکی کا پھل دیتا ہے تاکہ اُسے[4] بڑھائے اور بدی سے درگزر کرتا ہے تاکہ اسے مٹائے۔ امیدیں واپس آگئیں بغیر تیرے[5] کرم کی انتہا کے (پائے ہوئے) اپنی حاجتیں پاکر۔ اور بھر گئے تیری بخشش کے فیض سے خواہشوں کے ظروف۔ اور بے کار ہوگئیں بغیر تیری صفت تک پہنچے، تعریفیں[6]۔ پس تیرے ہی لیے سب سے اعلیٰ بلندی ہے جو ہر بلندی سے بالا ہے اور (تیرے ہی لیے) بزرگ تر جلال ہے جو ہر جلال سے بلند ہے۔ ہر جلیل، تیرے نزدیک چھوٹا ہے اور ہر صاحب شرف تیرے شرف کے سامنے حقیر ہے۔ محروم رہے وہ لوگ جو گئے تیرے غیر کے پاس۔ اور ناکام ہو گئے تیرے سوا کسی کے پاس جانے والے اور برباد ہو گئے تیرے غیر کا قصد کرنے والے۔ اور تلاش رزق میں نکلنے والے[7]، مہمان

---

[1] مَنْ يَّشْكُرُ عَلَى الْقَلِيْلِ وَ يُجَازِيْ بِالْجَلِيْلِ کا ترجمہ ایک مترجم نے ان الفاظ میں کیا ہے "تھوڑے عمل پر شکریہ ادا کرتا ہے اور بڑے عمل کا بدلہ دیتا ہے" ان الفاظ سے یہ متبادر ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ تھوڑے عمل پر محض شکریہ ادا کر دیتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تھوڑے کا بھی اجر دیتا ہے اور کثیر کا بھی۔ ہمارے نزدیک صحیح ترجمہ وہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔

[2] اِلٰى نَفْسِهٖ کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

[3] یعنی بندے کے گناہ سے غضب ناک ہو کر اپنی نعمت اس سے نہیں چھینتا۔

[4] کیونکہ انسان کی فطرت ہوتی ہے کہ جس کام کا پھل ملے اسے پھر کرتا ہے۔

[5] یعنی تیرے کرم کی انتہا تک نہ پہنچ سکیں۔

[6] یعنی بندوں کی تعریفیں تیری صفت تک پہنچنے میں بیکار ثابت ہوئیں مطلب یہ ہے کہ تیری تعریف جیسا کہ تعریف کا حق ہے کوئی نہیں کر سکتا۔

[7] اَلْمُنْتَجِعُوْنَ لغوی معنی چراگاہ کی تلاش میں جانے والے بخشش طلب کرنے کے لیے کسی کے پاس آنے والے۔

بَابُكَ مَفْتُوحٌ لِلرَّاغِبِيْنَ وَجُوْدُكَ
مُبَاحٌ لِلسَّآئِلِيْنَ وَاِغَاثَتُكَ قَرِيْبَةٌ
مِنَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ لَا يَخِيْبُ مِنْكَ الْاٰمِلُوْنَ
وَلَا يَيْاَسُ مِنْ عَطَآئِكَ الْمُتَعَرِّضُوْنَ
وَلَا يَشْقٰى بِنِقْمَتِكَ الْمُسْتَغْفِرُوْنَ
رِزْقُكَ مَبْسُوْطٌ لِمَنْ عَصَاكَ وَحِلْمُكَ
مُعْتَرِضٌ لِمَنْ نَاوَاكَ عَادَتُكَ
الْاِحْسَانُ اِلَى الْمُسِيْئِيْنَ وَسُنَّتُكَ
الْاِبْقَآءُ عَلَى الْمُعْتَدِيْنَ حَتّٰى لَقَدْ
غَرَّتْهُمْ اَنَاتُكَ عَنِ الرُّجُوْعِ
وَصَدَّهُمْ اِمْهَالُكَ عَنِ النُّزُوْعِ وَ
اِنَّمَا تَاَنَّيْتَ بِهِمْ لِيَفِيْئُوْا اِلٰى
اَمْرِكَ وَاَمْهَلْتَهُمْ ثِقَةً بِدَوَامِ
مُلْكِكَ فَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ
خَتَمْتَ لَهٗ بِهَا وَمَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ
الشِّقَاوَةِ خَذَلْتَهٗ لَهَا كُلُّهُمْ صَآئِرُوْنَ
اِلٰى حُكْمِكَ وَاُمُوْرُهُمْ آئِلَةٌ اِلٰى

بنائے جانے[1] سے محروم رہے سوائے ان کے جنھوں نے تیرے فضل
سے روزی مانگی۔ تیرا دروازہ مائل ہونے والوں کے لیے کھلا ہے۔
اور تیری بخشش سوال کرنے والوں کے لیے حلال ہے۔ اور تیری فریاد
رسی، فریاد کرنے والوں سے قریب ہے۔ تجھ سے امید کرنے والے محروم
نہیں ہوتے اور تیرے پاس آنے والے تیری عطا سے مایوس نہیں ہوتے
اور مغفرت چاہنے والے تیری سزا (یا انتقام) سے بدبخت نہیں ہوتے۔
تیرا رزق جاری ہے اس شخص کے لیے (بھی) جو تیری نافرمانی کرتا ہے
اور تیری بردباری حاضر ہے اس شخص کے لیے (بھی) جو تجھ سے عداوت
رکھے۔ تیری عادت احسان کرنا ہے بدکاروں کے ساتھ (بھی) اور تیرا
اصول سرکشوں[2] پر مہربانی کرنا ہے۔ یہاں تک کہ مغرور کر دیتا[3] ہے ان کو
تیرا ڈھیل دینا واپس آنے سے۔ اور روک دیتا ہے ان کو تیرا مہلت دینا
ترکِ گناہ سے۔ حالانکہ تو نے ان کے ساتھ صرف اس لیے دیر کی تھی
کہ وہ تیرے حکم کی طرف لوٹ کر آ جائیں۔ اور مہلت دی تھی تو نے ان
کو اپنی حکومت کے ہمیشہ باقی رہنے پر اعتماد[4] رکھنے کی وجہ سے پس
جو شخص نیک[5] بخت تھا اس کے لیے تو نے اس (نیک بختی کو) لازم کر
دیا اور جو شخص بدقسمتوں میں سے تھا اس کو اس کی بدبختی کی وجہ سے
رسوا کر دیا۔ وہ سب کے سب تیرے حکم کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

---

[1] اَجْدَبَ کے لغوی معنی بارش نہ ہونے سے خشک ہوا۔ قحط زدہ ہوا۔ جہاں داری تہ پانی۔

[2] ایک مترجم نے اَلْاِبْقَاء کے معنی "ڈھیل دینے اور حال پر چھوڑ دینے" کے لکھے ہیں۔ جو عربی زبان کے عام مزاج کے مطابق درست معلوم ہوتے ہیں۔ "لغتہً" یہ معنی درست نہیں کیونکہ عرب کے روزمرہ میں یہ لفظ رحم کرنے ہی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔

[3] یعنی تو گناہوں کے عذاب میں اور محاسبہ میں اتنی ڈھیل دیتا ہے، اور توبہ کے لیے اتنی مہلت دیتا ہے کہ اکثر لوگ تیری طرف سے بالکل غافل ہو کر مغرور ہو جاتے ہیں اور پھر توبہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں محسوس کرتے ہیں۔ سے یعنی توبہ کرتے ہے۔

[4] ثقۃً کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں مذکور ہے۔

[5] یعنی جس شخص نے تیرے ڈھیل دینے کے بعد عبرت حاصل کی اور اپنی بدکاری کو محسوس کیا اور توبہ کر لی اس کے ساتھ تو نے اپنی سعادت مخصوص کر دی اور جس شخص نے اتنا موقع ملنے کے بعد بھی توبہ نہ کی وہ مبتلائے عذاب ہو گیا۔

أَمْرِكَ لَمْ يَهِنْ عَلَى طُولِ مُدَّتِهِمْ
سُلْطَانُكَ وَلَمْ يَدْحَضْ لِتَرْكِ
مُعَاجَلَتِهِمْ بُرْهَانُكَ حُجَّتُكَ قَائِمَةٌ
لَا تُدْحَضُ وَسُلْطَانُكَ ثَابِتٌ لَا
يَزُولُ فَالْوَيْلُ الدَّائِمُ لِمَنْ جَنَحَ
عَنْكَ وَالْخَيْبَةُ الْخَاذِلَةُ لِمَنْ خَابَ
مِنْكَ وَالشَّقَاءُ الْأَشْقَى لِمَنِ اغْتَرَّ
بِكَ مَا أَكْثَرَ تَصَرُّفَهُ فِي عَذَابِكَ وَ
مَا أَطْوَلَ تَرَدُّدَهُ فِي عِقَابِكَ وَمَا
أَبْعَدَ غَايَتَهُ مِنَ الْفَرَجِ وَمَا أَقْنَطَهُ
مِنْ سُهُولَةِ الْمَخْرَجِ عَدْلًا مِنْ قَضَائِكَ
لَا تَجُورُ فِيهِ وَإِنْصَافًا مِنْ حُكْمِكَ
لَا تَحِيفُ عَلَيْهِ فَقَدْ ظَاهَرْتَ الْحُجَجَ
وَأَبْلَيْتَ الْأَعْذَارَ وَقَدْ تَقَدَّمْتَ
بِالْوَعِيدِ وَتَلَطَّفْتَ فِي التَّرْغِيبِ وَ
ضَرَبْتَ الْأَمْثَالَ وَأَطَلْتَ الْإِمْهَالَ
وَأَخَّرْتَ وَأَنْتَ مُسْتَطِيعٌ لِلْمُعَاجَلَةِ وَ
تَأَنَّيْتَ وَأَنْتَ مَلِيءٌ بِالْمُبَادَرَةِ لَمْ تَكُنْ
أَنَاتُكَ عَجْزًا وَلَا إِمْهَالُكَ وَهْنًا وَلَا

اور ان کے معاملات تیرے احکام کی طرف لوٹنے[1] والے ہیں۔ نہیں کمزور
ہوگی ان کی مدت طویل ہونے سے تیری سلطنت۔ اور نہیں باطل ہوگی
ان کے ساتھ جلدی نہ کرنے سے تیری روشن دلیل[2] تیری دلیل قائم[3]
ہے جو باطل نہیں کی جا سکتی۔ اور تیری سلطنت مستحکم ہے جو نہیں زائل
ہو سکتی۔ پس دوامی حسرت و افسوس ہے اس شخص پر جو تجھ سے برگشتہ
ہو اور ذلیل کرنے والی ناکامی ہے اس شخص کے لیے جو تیری بارگاہ
سے محروم ہو۔ اور سخت ترین بدبختی ہے اس شخص کے لیے جو تیرے
مقابل غرور کرے۔ کتنا[4] زیادہ مبتلا رہے گا وہ شخص تیرے عذاب
میں! اور کتنی طویل گردش کرتا رہے گا وہ تیرے عقاب میں! اور
کس قدر دور ہوگی اس کی حد، کشائش (اور خوشی) سے!
اور کس قدر ناامید ہوگا وہ بسہولت نجات پانے سے! (یہ سب)
تیرے منصفانہ حکم سے ہوگا جس میں تو کبھی ظلم نہیں کرتا۔ اور تیرے
مبنی بر انصاف فیصلہ سے ہوگا جس میں تو کبھی زیادتی نہیں کرتا۔
پس یقیناً تو نے حجتوں کو ظاہر کر دیا ہے اور عذروں کو جانچ لیا[5] ہے
اور پہلے ہی عذاب سے ڈرا دیا ہے۔ اور (نیکیوں کی طرف) راغب
کرنے میں مہربانی کی گفتگو کر لی ہے اور مثالیں دے دی ہیں اور
طولانی مہلت عطا کر دی ہے اور تاخیر کی ہے۔ حالانکہ تو جلدی (عذاب)
کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ اور تامل کیا ہے حالانکہ تو قادر
ہے ہاتھ کے ہاتھ سزا دینے پر۔ تیرا ڈھیل دینا عاجز ہونے کی

---

[1] یعنی آخر میں ہر پھر کر ان سب کے معاملے اور وہ سب خود ہی تیری طرف پلٹیں گے۔

[2] یعنی تیری حقانیت اور خدائی پر اس بات سے کہ تو انھیں برابر ڈھیل دیتا رہا اور توبہ کے لیے موقع عنایت کرتا رہا کوئی حرف نہیں آتا۔

[3] یعنی باقی رہنے والی ہے۔

[4] "استعجاب ہے نہ کہ استفہام۔

[5] ابلیت، تو نے آزمائش کر لی ہے۔ ایک مترجم اردو نے "ابلیت" کے معنی "تو نے پہنچا دیا ہے" لکھے ہیں اور ایک مترجم فارسی نے اس کا ترجمہ "کہنہ کردہ" تحریر کیا ہے لیکن ظاہراً وہ معنی زیادہ منطبق ہیں جو زیر نظر ترجمہ میں لکھے گئے۔

اِمْسَاكُكَ غَفْلَةً وَلَا انْتِظَارُكَ
مُدَارَاةً بَلْ لِتَكُوْنَ حُجَّتُكَ اَبْلَغَ
وَكَرَمُكَ اَكْمَلَ وَاِحْسَانُكَ اَوْفٰى وَ
نِعْمَتُكَ اَتَمَّ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ وَلَمْ
تَزَلْ وَهُوَ كَآئِنٌ وَلَا تَزَالُ حُجَّتُكَ
اَجَلُّ مِنْ اَنْ تُوْصَفَ بِكُلِّهَا وَمَجْدُكَ
اَرْفَعُ مِنْ اَنْ يُحَدَّ بِكُنْهِهٖ وَنِعْمَتُكَ
اَكْثَرُ مِنْ اَنْ تُحْصٰى بِاَسْرِهَا وَاِحْسَانُكَ
اَكْثَرُ مِنْ اَنْ تُشْكَرَ عَلٰى اَقَلِّهٖ وَقَدْ
قَصَّرَ بِيَ السُّكُوْتُ عَنْ تَحْمِيْدِكَ وَ
فَهَّهَنِيَ الْاِمْسَاكُ عَنْ تَمْجِيْدِكَ وَ
قُصَارَايَ الْاِقْرَارُ بِالْحُسُوْرِ لَا رَغْبَةً
يَآ اِلٰهِيْ بَلْ عَجْزًا فَهَا اَنَاذَا اَؤُمُّكَ
بِالْوِفَادَةِ وَاَسْئَلُكَ حُسْنَ الرِّفَادَةِ
فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاسْمَعْ
نَجْوَايَ وَاسْتَجِبْ دُعَآئِيْ وَلَا تَخْتِمْ
يَوْمِيْ بِخَيْبَتِيْ وَلَا تَجْبَهْنِيْ بِالرَّدِّ
فِيْ مَسْئَلَتِيْ وَاَكْرِمْ مِنْ عِنْدِكَ مُنْصَرَفِيْ
وَاِلَيْكَ مُنْقَلَبِيْ اِنَّكَ غَيْرُ ضَآئِقٍ

وجہ سے نہیں ہے اور نہ تیری تاخیر سستی کی بنا پر ہے اور نہ تیرا روکنا (عذاب کو) غفلت کے باعث ہے اور نہ تیرا مہلت دینا مدارات کی بنا پر ہے بلکہ اس لیے ہے کہ تیری حجت تمام ہو جائے[1] اور تیرا کرم مکمل ہو جائے اور تیرا احسان پورا پورا ہو جائے اور تیری نعمت کامل ہو جائے۔ یہ تمام باتیں ہوئیں اور تو بدستور موجود رہا اور وہ (باتیں) ہوتی رہیں گی۔ اور تو بدستور موجود رہے گا۔ تیری حجت اس سے بالاتر ہے کہ مکمل طور پر بیان ہو سکے اور تیری بزرگی اس سے بلند ہے کہ اس کی حقیقت بیان کی جا سکے۔ اور تیری نعمت اس سے زیادہ ہے کہ کُل کی کُل شمار کی جائے اور تیرا احسان اس سے بیشتر ہے کہ تیرا شکر کیا جائے۔ اس کے کم سے کم جزو پر (بھی)۔ اور بے شک قاصر کر دیا ہے مجھ کو سکوت[2] نے تیری حمد سے اور خاموش کر دیا مجھ کو رکاوٹ[3] نے تیری بزرگی بیان کرنے سے اور میری انتہائی کوشش یہ ہے کہ درماندہ ہونے کا اقرار کروں خوشی اور رغبت[4] سے نہیں۔ بلکہ عاجز ہو جانے کی وجہ سے ہے۔ پس میں اب اس وقت تیری بارگاہ میں حاضری کا ارادہ رکھتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں اچھی بخشش کا۔ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔ اور میرے دل کی بات سن۔ اور قبول کر میری دعا کو اور میرے آج کے دن کو ناامیدی پر ختم نہ کر۔ اور میرا سوال میرے منہ پر مار کر رد نہ فرما۔ اور اپنے پاس سے میرا واپس جانا اور (پھر) اپنی جانب میری بازگشت کو مکرم کر۔ بے شک تجھے کوئی تنگی لاحق نہیں

---

[1] لِتکون جو اوپر کی سطر میں مذکور ہُوا اس میں سے تکون کا ترجمہ یہ ہے۔

[2] یعنی مجھے تیری حمد میں ایسے الفاظ نہیں ملتے جن میں حمد ادا ہو سکے اس لیے ساکت ہو کر رہ جاتا ہوں۔

[3] یعنی تیری بزرگی بیان کرنے کے وقت جب اس کے شایان شان لفظ سمجھ میں نہیں آتے تو خود بخود ایک رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے جس کے باعث میں تیری بزرگی بیان کرتے کرتے رک جاتا ہوں۔

[4] یعنی یہ اقرار عاجزی کی کوشش اپنی خوشی سے رغبت کی بنا پر نہیں ہے بلکہ اس لیے ہے کہ میں تیری حمد اور تمجید کے لیے الفاظ تلاش کرنے سے قاصر اور درماندہ ہوں اور مجبوراً حمد و تمجید میں کمی واقع ہونے کے باعث اپنے قصور کا اعتراف کر لینا ضروری خیال کرتا ہوں۔

بِمَا تُرِيْدُ وَ لَا عَاجِزٍ عَمَّا تُسْئَلُ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

ہوتی اس بات میں جس کا تو ارادہ کرے۔ اور نہ تو اس چیز کے دینے سے عاجز ہے جس کا تجھ سے سوال کیا جائے۔ اور تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور نہیں کوئی طاقت اور نہ کوئی قوت مگر اللہ ہی کی طرف سے جو بلند مرتبہ ہے اور بزرگ ہے۔

۵

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ يَوْمِ عَرَفَةَ

حضرت زین العابدین عرفہ کے دن (نویں ذی الحجہ کو) یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ بَدِيْعَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ رَبَّ الْاَرْبَابِ وَ اِلٰهَ كُلِّ مَأْلُوْهٍ وَ خَالِقِ كُلِّ مَخْلُوْقٍ وَ وَارِثَ كُلِّ شَيْءٍ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ عِلْمُ شَيْءٍ وَ هُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُحِيْطٌ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَقِيْبٌ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَحَدُ الْمُتَوَحِّدُ الْفَرْدُ الْمُتَفَرِّدُ وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْكَرِيْمُ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اے اللہ ہر حمد تیرے ہی لیے زیب ہے۔ اے ایجاد کرنے والے آسمانوں کے اور زمینوں کے۔ بزرگی اور کرم کے مالک! تمام پالنے والوں کے پالنے والے![1] اور ہر مجازی[2] خدا کے خدا۔ اور ہر مخلوق کے پیدا کرنے والے! اور ہر شے کے وارث! جس کی مثل کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔ اور نہ اس سے کسی چیز کا علم غائب ہوتا ہے۔ اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اور وہ ہر شے کا نگہبان ہے۔ تو ہی اللہ ہے۔ تیرے سوا کوئی اللہ نہیں۔ تو ہی یکتا، یگانہ طاق اور اکیلا ہے نہیں ہے کوئی معبود تیرے علاوہ بخشش والا ہے، صاحب کرم ہے،

---

[1] یعنی دنیا کے وہ لوگ جو مجازاً پالنے والے کہلاتے ہیں جیسے ماں باپ آقا وغیرہ۔

[2] یہ مالوہ کا ترجمہ ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ اس ذات کو کہتے ہیں جس کی طرف تمام کائنات سے امیدیں منقطع ہونے کے وقت خود بخود انسان کا دل رجوع کرتا ہے۔ جیسے کوئی شخص جہاز میں چلا جا رہا ہو اور وہ طوفان میں گھر کر ٹوٹ پھوٹ جائے اور اس وقت یہ یقین ہو جائے کہ اب غرق ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا مگر انسان فطرتاً اس حالت میں بھی ہاتھ پاؤں مارتا رہتا ہے اور دل کی گہرائی میں ایک سہارا مخفی ہوتا ہے جو بار بار یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ شاید بچ جاؤں پس جو ذات اس سہارے کا مرکز ہوتی ہے اسے اللہ کہتے ہیں۔ اللہ کا یہ مفہوم واضح ہونے کے بعد اب مالوہ کے مفہوم پر غور کیا جائے۔ یہ اسم مفعول کا صیغہ جس کے معنی ہیں امید گاہ۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں انسان کی امیدیں ہزاروں انسانوں سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اور اس اعتبار سے وہ سب لوگ اس کے مالوہ اور امید گاہ ہوتے ہیں اور تھوڑی دیر کے لیے مجازاً ان میں امید گاہ بننے کی صفت پیدا ہو جاتی ہے جو عارضی ہوتی ہے اور دائمی نہیں ہوتی۔ زیر نظر ترجمہ میں مجازی خدا سے یہی مراد ہے۔

الْمُتَكَرِّمُ الْعَظِيْمُ الْمُتَعَظِّمُ الْكَبِيْرُ الْمُتَكَبِّرُ
وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْعَلِيُّ الْمُتَعَالِ
الشَّدِيْدُ الْمِحَالِ وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا
اَنْتَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ وَ
اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ
الْقَدِيْمُ الْخَبِيْرُ وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا
اَنْتَ الْكَرِيْمُ الْاَكْرَمُ الدَّآئِمُ الْاَدْوَمُ
وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْاَوَّلُ قَبْلَ
كُلِّ اَحَدٍ وَ الْاٰخِرُ بَعْدَ كُلِّ عَدَدٍ
وَ اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الدَّانِيْ
فِيْ عُلُوِّهٖ وَ الْعَالِيْ فِيْ دُنُوِّهٖ وَ اَنْتَ
اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ ذُو الْبَهَآءِ
وَ الْمَجْدِ وَ الْكِبْرِيَآءِ وَ الْحَمْدِ وَ
اَنْتَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الَّذِيْ
اَنْشَاْتَ الْاَشْيَآءَ مِنْ غَيْرِ سِنْخٍ
وَ صَوَّرْتَ مَا صَوَّرْتَ مِنْ غَيْرِ مِثَالٍ
وَ ابْتَدَعْتَ الْمُبْتَدَعَاتِ بِلَا احْتِذَآءٍ

بزرگ ہے اور عظمت والا ہے۔ بڑا ہے اور کبریائی والا ہے۔ اور تو ہی
وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی اللہ نہیں۔ بلند مرتبہ ہے، بلندی والا ہے
سخت عذاب[1] والا ہے۔ اور تو ہی وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی اللہ
نہیں۔ اپنے عام اور خاص (سب) بندوں پر رحم کرنے والا ہے۔ علم
اور حکمت والا ہے۔ اور تو ہی وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی اللہ نہیں۔
سننے اور دیکھنے والا ہے، ہمیشگی والا اور خبر رکھنے والا ہے اور تو ہی وہ
اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی اللہ نہیں۔ سخاوت والا اور سب سے بڑھ
کر سخاوت والا ہے ہمیشہ رہنے والا اور سب سے زیادہ ہمیشگی رکھنے
والا ہے۔ اور تو ہی وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی اللہ نہیں۔ ایسا اول
ہے جو پہلے ہے ہر یکتا (ہستی) سے۔ اور ایسا آخر ہے جو ہر شمار کے
بعد ہے۔ اور تو ہی وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی اللہ نہیں۔ قریب[2]
ہے باوجود اپنی بلندی کے اور بلند ہے باوجود اپنے قرب کے اور تو
ہی وہ اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی اللہ نہیں۔ ذاتی نیکی[3] اور بزرگی اور
کبریائی اور تعریف[4] والا ہے۔ اور تو ہی وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی
اللہ نہیں۔ ایسا اللہ جس نے اشیاء کو بغیر کسی اصل یا مادہ[5] کے پیدا کیا۔
اور نہ تصویر بنائی جس کی بھی تصویر بنائی بغیر کسی نمونے کے، اور نیست
سے ہست میں لایا مخلوقات کو بغیر کسی ابتدائی مثال کے۔ تو ہی وہ ہے

---

[1] المحال، کے معنی عذاب و مصیبت ہیں۔ ایک مترجم نے محال کے معنی طاقت کے لکھے ہیں جو کسی لغت میں نظر سے نہیں گذرے۔

[2] یعنی باوجود فہم سے بلند اور بالاتر ہونے کے اتنا قریب ہے کہ شہ رگ گردن بھی اتنی قریب نہیں (جیسا کہ قرآن میں خود فرمایا ہے) اور باوجود اتنا قریب ہونے کے اتنا قریب ہے بالاتر از فہم ہے کہ آج تک کسی کو کما حقہ معرفت نہیں ہو سکی۔ دوسرے الفاظ میں اس اعتبار سے قریب ہے کہ وہ اور اس کی کارفرمائیاں ہم سے قریب تر ہیں مگر ہم محسوس نہیں کر سکتے اور اس اعتبار سے دور ہے کہ ہم اسے اس کی ہزار قربتوں کے بعد بھی نہیں دیکھ سکتے۔

[3] ایسی نیکی والا ہے جو اضافی یا عارضی یا ذات سے زائد نہیں کہ جدا ہو سکے۔

[4] یعنی مستحق تعریف ہے۔

[5] سنخ کے لغوی معنی جڑ بنیاد اور اگنے کی جگہ کے ہیں۔

أَنْتَ الَّذِي قَدَّرْتَ كُلَّ شَيْءٍ تَقْدِيرًا
وَيَسَّرْتَ كُلَّ شَيْءٍ تَيْسِيرًا وَدَبَّرْتَ مَا
دُونَكَ تَدْبِيرًا أَنْتَ الَّذِي لَمْ يُعِنْكَ
عَلَى خَلْقِكَ شَرِيكٌ وَلَمْ يُوَازِرْكَ فِي
أَمْرِكَ وَزِيرٌ وَلَمْ يَكُنْ لَكَ مُشَاهِدٌ وَلَا
نَظِيرٌ أَنْتَ الَّذِي أَرَدْتَ فَكَانَ حَتْمًا مَا
أَرَدْتَ وَقَضَيْتَ فَكَانَ عَدْلًا مَا قَضَيْتَ
وَحَكَمْتَ فَكَانَ نَصَفًا مَا حَكَمْتَ أَنْتَ
الَّذِي لَا يَحْوِيكَ مَكَانٌ وَلَمْ يَقُمْ
لِسُلْطَانِكَ سُلْطَانٌ وَلَمْ يُعْيِكَ بُرْهَانٌ
وَلَا بَيَانٌ أَنْتَ الَّذِي أَحْصَيْتَ كُلَّ شَيْءٍ
عَدَدًا وَجَعَلْتَ لِكُلِّ شَيْءٍ أَمَدًا وَقَدَّرْتَ
لِكُلِّ شَيْءٍ تَقْدِيرًا أَنْتَ الَّذِي قَصُرَتِ
الْأَوْهَامُ عَنْ ذَاتِيَّتِكَ وَعَجَزَتِ الْأَفْهَامُ
عَنْ كَيْفِيَّتِكَ وَلَمْ تُدْرِكِ الْأَبْصَارُ مَوْضِعَ

جس نے ہر چیز کا اندازہ[1] مقرر کر دیا اور ہر شے کو[2] آسان کر دیا جیسا کہ آسان
کر دینے کا حق ہے اور خوب تدبیر کے تحت چلایا[3] ان چیزوں کو جو تیرے سامنے
ہیں۔ تو ہی وہ (خالق) ہے کہ تیرے (مخلوقات کو) پیدا کرنے میں کسی
شریک نے تیری مدد نہیں کی اور تیرے امر میں کسی بوجھ بٹانے والے
نے تیرا بوجھ نہیں بٹایا۔ اور نہ کوئی تیرا دیکھنے والا اور نہ مثل و نظیر تھا۔
تو ہی وہ ہے جس نے ارادہ کیا تو وہ حتمی[4] اور یقینی ہو گیا اور فیصلہ کیا تو
جو کچھ فیصلہ کیا وہ سراسر عدل تھا اور حکم دیا تو جو کچھ حکم دیا وہ عین انصاف
تھا۔ تو ہی وہ ہے جسے کوئی مکان نہیں گھیرتا اور نہ تیری سلطنت پر[5]
کوئی سلطنت قائم ہوئی اور نہ عاجز کیا تجھ کو کسی دلیل اور کسی بیان نے
تو ہی وہ ہے جو حاوی ہے ہر چیز کے شمار[6] پر۔ اور جس نے ہر چیز کی
ایک مدت اور میعاد قرار دی ہے اور ہر شے کا ایک اندازہ[7] مقرر کر دیا
ہے تو ہی وہ ہے جس کی کنہ ذات سے خیالات (و تصورات) قاصر ہیں۔
اور عاجز ہیں فہم و عقل جس کی کیفیت سے۔ اور آنکھوں نے جس کے رہنے
کے مکان کو ہرگز نہیں دیکھا۔ تو ہی وہ ہے جس کی حد نہیں بتائی جا سکتی کہ
(جس کے بعد محدود ہو جائے اور نہ مثال بیان کی جا سکتی ہے (جس کے بعد) وجود جسمی[8]

---

[1] یعنی ایک نظام قائم کر دیا جس کے تحت تمام مخلوقات اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے۔

[2] نظام سے متعلق وہ مشکل باتیں جن کو سمجھنے سے بھی عقل انسانی قاصر ہے آسانی سے حل کر دیں کہ اب اس نظام کے چلنے میں کسی قسم کی دشواری نہیں پڑتی۔

[3] تدبیراً کا ترجمہ جو کہ بعد کی سطر میں ہے۔

[4] خدا کے ارادہ کا مفہوم ہمارے ارادہ سے بالکل مختلف ہے کیونکہ ہمارے ارادے اور اس کے عملی جامہ پہننے میں کچھ نہ کچھ وقفہ ضرور ہوتا ہے مگر خدا کا ارادہ عین اس کے
عمل و اقدام کا نام ہے کہ ارادۂ شے اور وجود شے میں لمحہ کے ہزارویں اور تصوراتی حصہ کے برابر بھی فرق نہیں ہوتا۔

[5] یعنی تیری سلطنت سے بالاتر۔

[6] کائنات کے جملہ ذرات کا شمار جانتا ہے کہ وہ کتنے ہیں۔

[7] تقدیر سے نظام معین و مقرر مراد ہے۔

[8] کیونکہ اگر کوئی مثال ملے گی تو وہ یقیناً محسوسات و مجسمات میں سے ہوگی تو ظاہر ہے کہ کسی مثال کے ملنے اور منطبق ہونے کے بعد اس ذات کا بھی جسم ہونا
لازم ہو جائے گا جس پر وہ مثال منطبق ہو۔

اَبْتَيْتَكَ اَنْتَ الَّذِیْ لَا تُحَدُّ فَتَكُوْنَ مَحْدُوْدًا
وَلَمْ تُمَثَّلْ فَتَكُوْنَ مَوْجُوْدًا وَلَمْ تَلِدْ فَتَكُوْنَ
مَوْلُوْدًا اَنْتَ الَّذِیْ لَا ضِدَّ مَعَكَ فَيُعَانِدَكَ
وَلَا عِدْلَ لَكَ فَيُكَاثِرَكَ وَلَا نِدَّ لَكَ فَيُعَارِضَكَ
اَنْتَ الَّذِیْ ابْتَدَاَ وَاخْتَرَعَ وَاسْتَحْدَثَ وَ
اَبْتَدَعَ وَاَحْسَنَ صُنْعَ مَا صَنَعَ سُبْحَانَكَ مَا
اَجَلَّ شَاْنَكَ وَاَسْنٰى فِی الْاَمَاكِنِ مَكَانَكَ
وَاَصْدَعَ بِالْحَقِّ فُرْقَانَكَ سُبْحَانَكَ مِنْ
لَطِيْفٍ مَا اَلْطَفَكَ وَرَءُوْفٍ مَا اَرْاَفَكَ وَ
حَكِيْمٍ مَا اَعْرَفَكَ سُبْحَانَكَ مِنْ مَلِيْكٍ
مَا اَمْنَعَكَ وَجَوَادٍ مَا اَوْسَعَكَ وَرَفِيْعٍ
مَا اَرْفَعَكَ ذُو الْبَهَاۤءِ وَالْمَجْدِ وَالْكِبْرِيَاۤءِ وَ
الْحَمْدِ سُبْحَانَكَ بَسَطْتَ بِالْخَيْرَاتِ يَدَكَ
وَعُرِفَتِ الْهِدَايَةُ مِنْ عِنْدِكَ فَمَنِ الْتَمَسَكَ
لِدِيْنٍ اَوْ دُنْيَا وَجَدَكَ سُبْحَانَكَ خَضَعَ لَكَ
مَنْ جَرٰى فِیْ عِلْمِكَ وَخَشَعَ لِعَظَمَتِكَ مَا
دُوْنَ عَرْشِكَ وَانْقَادَ لِلتَّسْلِيْمِ لَكَ كُلُّ

ثابت ہو سکے۔ اور نہ تو (کسی عورت کے شکم سے) پیدا ہوا[1] ہے جس کے بعد
تو مولود بنے۔ تو ہی وہ ہے کہ تیرے ساتھ تیرا کوئی ضد (مدِ مقابل) نہیں
ہے جو تجھ سے دشمنی کرے اور نہ تیرا کوئی ہمسر ہے جو تجھ پر غالب آسکے۔
اور نہ کوئی تیرا مثل و نظیر ہے جو تیری برابری کر سکے۔ تو ہی وہ ہے جس
نے شروعات کی اور ایجاد کیا اور پہلے پہل پیدا کیا اور بغیر مادے کے پیدا
کیا اور جو کچھ بنایا اس میں بڑی اچھی صناعی کی۔ تو پاک ہے۔ تیری شان
کتنی بزرگ[2] ہے! اور تیری منزل، منزلوں میں کتنی بلند (یا روشن) ہے۔
اور کس قدر حق کو نمایاں کرتا ہے تیرا قرآن۔ تو پاک ہے۔ اے مہربانی
کرنے والے! تو کس قدر مہربان ہے! اور عنایت کرنے والے تو کس قدر
عنایتیں کرتا ہے! اور اے حکمت والے تو کس قدر جانتا ہے! تو پاک ہے
اے بادشاہ! تو کس قدر غالب ہے! اور اے سخی تو کس قدر فراخ حوصلہ
ہے! اور اے بلند مرتبہ تو کتنا عالی منزلت ہے! (تو) ذاتی نیکی، بزرگی،
کبریائی اور حمد کا اہل ہے۔ تو پاک ہے۔ نیکیوں کے ساتھ تو نے اپنا
ہاتھ پھیلا دیا[3] ہے اور ہدایت تیرے ہی پاس سے پہچانی گئی ہے۔ پس
جس کسی نے تجھے دین یا دنیا میں تلاش کیا، پالیا۔ تو پاک ہے۔ جو لوگ
تیرے علم میں گزرے[4] وہ سب تیرے سامنے عاجزی سے جھکے ہوئے
ہیں۔ اور تیری عظمت کے سامنے پستی کا اعتراف کیا ہے ہر اس چیز نے

---

[1] لَمْ تَلِدْ کے اصل معنی "تو نے پیٹ سے نہیں پیدا کیا" ہوتے ہیں مگر اس جگہ "تو پیدا نہیں ہوا" مراد ہے جن کی صحت دو تاویلوں سے محقق ہو سکتی ہے۔ اول یہ کہ اس کے بعد میں مذکور ہونے والے "مولودًا" کے قرینہ سے "تَلِدْ" کو "تُوْلَدْ" کے معنی میں لیا جائے جیسا کہ وحدت و جمع و تذکیر و تانیث میں اس قسم کے استعمالات کھلے ہوئے قرائن ہونے کی صورت میں درست ہیں۔ مثلاً یہ کہ جس عورت کو ماہواری آتی ہو اسے بجائے حائضۃ (مؤنث) کے اکثر حائض (مذکر) کہتے ہیں کیونکہ حائض سے عورت مراد ہونے کے لیے کھلا ہوا قرینہ ہے کہ مرد کو حیض نہیں آتا۔ دوسرے یہ کہ "تَلِدْ" کو واحد مؤنث کا صیغہ مانیں اور اس کا فاعل اَمراۃ (عورت) محذوف ہو۔ اس وقت اس کے یہ معنی ہوں گے کہ کسی عورت نے تجھ کو ہرگز پیدا نہیں کیا۔

[2] استعجاب کے طور پر ہے نہ کہ استفہام کے طور پر۔

[3] تاکہ جس کا جی چاہے تجھ سے نیکیاں لے لے۔

[4] یعنی پیدا ہو چکے یا ابھی نہیں پیدا ہوئے اور آئندہ پیدا ہوں گے۔

خَلْقِكَ سُبْحَانَكَ لَا تُحَسُّ وَلَا تُجَسُّ وَ
لَا تُمَسُّ وَلَا تُكَادُ وَلَا تُمَاطُ وَلَا تُنَازَعُ
وَلَا تُجَارٰى وَلَا تُمَارٰى وَلَا تُخَادَعُ وَلَا
تُمَاكَرُ سُبْحَانَكَ سَبِيْلُكَ جَدَدٌ وَ اَمْرُكَ
رَشَدٌ وَاَنْتَ حَيٌّ صَمَدٌ سُبْحَانَكَ قَوْلُكَ
حُكْمٌ وَقَضَاۗؤُكَ حَتْمٌ وَ اِرَادَتُكَ عَزْمٌ
سُبْحَانَكَ لَا رَآدَّ لِمَشِيَّتِكَ وَلَا مُبَدِّلَ
لِكَلِمَاتِكَ سُبْحَانَكَ بَاهِرَ الْاٰيَاتِ فَاطِرَ
السَّمٰوٰتِ بَارِئَ النَّسَمَاتِ لَكَ الْحَمْدُ
حَمْدًا يَدُوْمُ بِدَوَامِكَ وَلَكَ الْحَمْدُ
حَمْدًا خَالِدًا بِنِعْمَتِكَ وَ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا
يُوَازِيْ صُنْعَكَ وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا يَزِيْدُ
عَلٰى رِضَاكَ وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا مَعَ حَمْدِ
كُلِّ حَامِدٍ وَّ شُكْرًا يَقْصُرُ عَنْهُ شُكْرُ كُلِّ
شَاكِرٍ حَمْدًا لَا يَنْبَغِيْ اِلَّا لَكَ وَلَا يُتَقَرَّبُ
بِهٖ اِلَّا اِلَيْكَ حَمْدًا يُسْتَدَامُ بِهِ الْاَوَّلُ وَ
يُسْتَدْعٰى بِهٖ دَوَامُ الْاٰخِرِ حَمْدًا يَتَضَاعَفُ
عَلٰى كُرُوْرِ الْاَزْمِنَةِ وَ يَتَزَايَدُ اَضْعَافًا

جو تیرے عرش[1] کے نیچے ہے۔ اور تیری تمام مخلوق نے تیری فرمانبرداری
کی ہے رضا و تسلیم کے ساتھ۔ پاک ہے تو نہ تو محسوس[2] ہو سکتا ہے نہ تولا
جا سکتا ہے، نہ چھوا جا سکتا ہے اور نہ مکر کیا جا سکتا ہے اور نہ ظلم[3] کیا
جا سکتا ہے اور نہ نزاع کیا جا سکتا ہے اور نہ مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور نہ
جھگڑا کیا جا سکتا ہے اور نہ فریب دیا جا سکتا ہے اور نہ دھوکا کیا جا سکتا
ہے۔ تو پاک ہے تیرا راستہ سیدھا ہے اور تیرا کام صواب پر مبنی ہے اور
تو زندہ ہے اے بے نیاز ہے۔ تو پاک ہے۔ تیرا قول حکم ہے۔ اور تیرا فیصلہ
ناطق ہے۔ اور تیرا ارادہ بختہ ہے۔ تو پاک ہے۔ تیری مرضی کو کوئی رد نہیں
کر سکتا۔ اور تیرے کلمات کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ تو پاک ہے۔ اے کھلی
نشانیوں والے۔ آسمانوں کے خالق۔ جانداروں کے تخلیق فرمانے والے!
ہر حمد تیرے ہی لیے ہے۔ ایسی حمد جو تیری ہمیشگی کے ساتھ ہمیشہ رہے
گی اور تو ہی تعریف کا اہل ہے۔ ایسی تعریف جو تیری نعمت کے ساتھ
جاودانی ہے۔ اور تو ہی حمد کا مستحق ہے۔ ایسی حمد جو تیری کاریگری کے
ہم وزن[4] ہو۔ اور تیرے ہی لیے ہر تعریف ہے۔ ایسی حمد جو تیری خوشنودی کو
بڑھائے اور ہر حمد تیرے ہی لیے ہے۔ ایسی حمد جو ہر حمد کرنے والے کی
تعریف کے ساتھ ہو۔ اور ایسا شکر جس سے ہر شکر گزار کا شکر کم ہو۔ ایسی
حمد جو نہیں زیبا ہے مگر تیرے ہی لیے اور نہیں تقرب حاصل کیا جا سکتا
اس کے ذریعہ مگر تجھ سے۔ ایسی حمد کہ ہمیشگی[5] چاہی جائے جس سے ابتدا

---

[1] یعنی جو بھی چیز تیرے تحت میں ہے مراد کل کائنات کیونکہ سبھی اس کے تحت میں ہیں۔

[2] حواس سے۔

[3] ایک مترجم نے لَا تُمَاطُ کا ترجمہ "نہ مکر کیا جا سکتا ہے" اور دوسرے نے "نہ معزول کیا جا سکتا ہے" تحریر کیا ہے۔ ان دونوں مفاہیم کی ذمہ داری ان ہی پر
ہے کیونکہ لغت عرب ان معنی کی طرف رہنمائی نہیں کرتا۔

[4] یعنی وہ حمد جو تیری کاریگری کو دیکھ کر کی جائے اور وہ اس قدر ہو جس قدر کہ تیری کاریگری ہے۔

[5] یعنی ایسی حمد جو اس وقت سے تیری بارگاہ میں محسوب ہو جب سے کہ تو ہے یعنی ازل سے۔ اور اس وقت تک محسوب کی جاتی رہے جب تک کہ تو رہے گا یعنی
ابد تک۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس حمد کا ثواب ازل سے ابد تک ہمارے نامہ عمل میں درج کیا جائے۔

مُتَرَادِفَةً حَمْدًا يَعْجِزُ عَنْ اِحْصَآئِهِ
الْحَفَظَةُ وَيَزِيْدُ عَلٰى مَا اَحْصَتْهُ
فِيْ كِتَابِكَ الْكَتَبَةُ حَمْدًا يُوَازِنُ
عَرْشَكَ الْمَجِيْدَ وَيُعَادِلُ كُرْسِيَّكَ
الرَّفِيْعَ حَمْدًا يَكْمُلُ لَدَيْكَ ثَوَابُهٗ
وَيَسْتَغْرِقُ كُلَّ جَزَآءٍ جَزَآؤُهٗ حَمْدًا
ظَاهِرُهٗ وَفْقٌ لِبَاطِنِهٖ وَبَاطِنُهٗ وَفْقٌ
لِصِدْقِ النِّيَّةِ فِيْهِ حَمْدًا لَمْ
يَحْمَدْكَ خَلْقٌ مِثْلَهٗ وَلَا يَعْرِفُ
اَحَدٌ سِوَاكَ فَضْلَهٗ حَمْدًا يُعَانُ
مَنِ اجْتَهَدَ فِيْ تَعْدِيْدِهٖ وَيُؤَيَّدُ
مَنْ اَغْرَقَ نَزْعًا فِيْ تَوْفِيَتِهٖ
حَمْدًا يَجْمَعُ مَا خَلَقْتَ مِنَ الْحَمْدِ
وَيَنْتَظِمُ مَا اَنْتَ خَالِقُهٗ مِنْ بَعْدُ
حَمْدًا لَا حَمْدَ اَقْرَبُ اِلٰى قَوْلِكَ
مِنْهُ وَلَا اَحْمَدُ مِمَّنْ يَحْمَدُكَ بِهٖ
حَمْدًا يُوْجِبُ بِكَرَمِكَ الْمَزِيْدَ بِوُفُوْرِهٖ

کی اور دوام چاہا جائے جس سے انتہا کا۔ ایسی حمد جو زمانے کے اُلٹ پلٹ میں چند در چند زیادہ ہوتی رہے۔ اور پے در پے کئی گنا بڑھتی رہے۔ ایسی حمد جس کے شمار سے حفظ[1] یاد رکھنے والے عاجز رہیں اور بڑھ جائے اس سے جسے تیری[2] کتاب میں لکھنے والوں[3] نے لکھ دیا ہے۔ ایسی حمد جو ہموزن ہو تیرے بزرگ عرش کے۔ اور تیری بلند مرتبہ کرسی کے مساوی ہو۔ ایسی حمد کہ کامل ہو تیرے نزدیک جس کا ثواب۔ اور جس کی جزا ہر جزا کو گھیر لے۔ ایسی حمد کہ جس کا ظاہر موافق ہو اس کے باطن کے۔ اور اس کا باطن اس (کے ادا کرنے) میں سچی نیت کے مطابق ہو۔ ایسی حمد کہ نہ حمد کی ہو کسی بندے نے اس کی مثل۔ اور تیرے علاوہ کوئی اس (حمد) کے فضل کو نہ جانتا ہو۔ ایسی حمد کہ مدد کی جائے اس شخص کی جو اسے شمار کرنے کی کوشش کرے۔ اور اس شخص کو تقویت پہنچائی جائے جو اس کا پورا حساب کرنے کی حد سے زیادہ کوشش کرے۔ ایسی حمد جو اس تعریف کی جامع ہو جسے تو نے پیدا کیا ہے اور منسلک کیے ہوئے ہو اس حمد کو جسے تو بعد میں پیدا کرے گا۔ ایسی حمد کہ کوئی حمد تیرے قول[4] سے اس کی بہ نسبت قریب نہ ہو اور نہ کوئی حمد کرنے والا بہ نسبت اس شخص کے (تجھ سے قریب ہو) جو یہ حمد ادا کرے۔ ایسی حمد جو اپنی زیادتی کی بنا پر تیرے زیادہ کرم کی موجب ہو۔ اور تو اس[5] (زیادہ کرم) سے پے در پے ملاتا ہے اضافہ

---

[1] یعنی وہ فرشتے جو حمد کرنے والوں کی حمد کا حساب کتاب یاد رکھنے پر معین ہیں۔

[2] یعنی حساب کتاب کے لیے تیری عطا کی ہوئی کتاب جو تو نے فرشتوں کو دی ہے۔

[3] یعنی ان فرشتوں نے جو لکھنے پر معین ہیں۔

[4] یعنی ان الفاظ سے جو خود تو نے اپنی تعریف میں کہے ہیں۔

[5] ایک مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ "زیادتی پر زیادتی اس سے ملا دیں (مگر) تیری بخشش سے" یہ ترجمہ لکھنے کے بعد "ملا دیں" پر یہ حاشیہ تحریر کیا ہے کہ "یہ ملانا نہیں ہو سکتا مگر تیری ہی بخشش سے"۔ یہ ترجمہ اور اس کے حاشیے کو سمجھنے سے میری سمجھ قاصر ہے ممکن ہے کہ اس سے ناظرین استفادہ کر سکیں۔ اس لیے حرف بحرف لکھ دیا گیا۔ اس مقام پر مترجم فارسی نے یہ الفاظ لکھے ہیں "و برسانی آں را، با فزودنی پس از افزودنی از روئے تفضل"۔

وَ نَصِلُهُ بِمَزِيدٍ بَعْدَ مَزِيدٍ طَوْلًا
مِنْكَ حَمْدًا يَجِبُ لِكَرَمِ وَجْهِكَ وَ
يُقَابِلُ عِزَّ جَلَالِكَ رَبِّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ
وَّآلِ مُحَمَّدٍ الْمُنْتَجَبِ الْمُصْطَفَى الْمُكَرَّمِ
الْمُقَرَّبِ اَفْضَلَ صَلَوَاتِكَ وَ بَارِكْ عَلَيْهِ
اَتَمَّ بَرَكَاتِكَ وَ تَرَحَّمْ عَلَيْهِ اَمْتَعَ
رَحَمَاتِكَ رَبِّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ
صَلٰوةً زَاكِيَةً[1] لَا تَكُوْنُ صَلٰوةٌ اَزْكٰى
مِنْهَا وَصَلِّ عَلَيْهِ صَلٰوةً نَامِيَةً لَا
تَكُوْنُ صَلٰوةٌ اَنْمٰى مِنْهَا وَصَلِّ
عَلَيْهِ صَلٰوةً رَاضِيَةً لَا تَكُوْنُ صَلٰوةٌ
فَوْقَهَا رَبِّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ صَلٰوةً
تُرْضِيْهِ وَ تَزِيْدُ عَلٰى رِضَاهُ وَصَلِّ عَلَيْهِ
صَلٰوةً مَرْضِيَّةً تُرْضِيْكَ وَ تَزِيْدُ عَلٰى
رِضَاكَ لَهُ وَصَلِّ عَلَيْهِ صَلٰوةً لَا تَرْضٰى
لَهُ اِلَّا بِهَا وَلَا تَرٰى غَيْرَهُ لَهَا اَهْلًا
رَبِّ صَلِّ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِهٖ صَلٰوةً تُجَاوِزُ

کو، اپنی طرف سے عطیہ کے طور پر۔ ایسی حمد جو تیری ذات کی کرامت کے لیے شایاں ہے۔ اور ہموزن ہے تیرے غلبۂ بزرگی کے۔ اے میرے پالنے والے! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور آل محمدؐ پر (ایسے محمدؐ) جو کہ برگزیدہ، پسندیدہ، گرامی اور (تیرے) مقرب ہیں۔ اپنی بہترین رحمت۔ اور برکت نازل کر ان پر اپنی کامل ترین برکت۔ اور رحم کر ان پر اپنی مفید ترین رحمت سے۔ اے میرے پالنے والے! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔ ایسی رحمت جو بڑھتی[1] رہے، (اور) کوئی رحمت اس سے زیادہ بڑھنے والی نہ ہو۔ اور رحمت نازل کر ان پر ایسی رحمت جو نشو و نما پاتی رہے۔ (اور) نہ ہو کوئی رحمت اس سے زیادہ نشو و نما پانے والی۔ اور رحمت نازل کر ان پر ایسی پسندیدہ رحمت کہ نہ ہو کوئی رحمت اس سے بالاتر۔ اے میرے پالنے والے! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر ایسی رحمت جو انھیں خوشنود کر دے اور ان کی خوشنودی کو بڑھا دے۔ اور رحمت نازل کر ان پر ایسی خوشنود کرنے والی رحمت جو تجھے خوشنود کر دے اور ان کے لیے تیری خوشنودی کو بڑھا دے۔ اور رحمت نازل کر ان پر ایسی رحمت کہ نہ خوشنود[2] ہو تو ان کے لیے مگر اسی رحمت سے۔ اور نہ تو ان (حضرتؐ) کے غیر کو (اس رحمت) کا اہل سمجھے۔ اے میرے پالنے والے! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر ایسی رحمت جو آگے[3] نکل جائے تیری

---

[1] یہ زاکیۃ کا ترجمہ ہے۔ واضح ہو کہ ارباب ترجمہ نے زاکیۃ کے معنی "پاک" لکھے ہیں۔ یہ لغت کے اعتبار سے یہ معنی درست بھی ہوتے ہیں مگر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ "رحمت" کے ساتھ "پاک" کی صفت بڑھانے سے رحمت میں کیا خاص وصف پیدا ہو جاتا ہے، جبکہ "رحمت" کا لفظ بجائے خود ایک ایسی حقیقت نفس لامری کا مفہوم پیش کرتی ہے جو تمام پاکیوں سے بالاتر منزل میں ہے۔ لغت میں اس لفظ (زاکیۃ) کے دوسرے معنی "نشو و نما پانے والی" اور "بڑھنے والی" کے بھی آئے ہیں۔ جو "رحمت" کی صفت بنائے جا سکتے ہیں۔ اس لیے زیر نظر ترجمہ میں یہی مفہوم پیش کیا گیا ہے۔ خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ اس کے فوراً بعد "نامیۃ" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی "بڑھنے والی اور زیادہ ہونے والی" کے ہیں اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس مقام پر قائل کے پیش نظر بھی یہی معنی ہوں گے۔

[2] یعنی آنحضرتؐ کے لیے اس رحمت سے کم کو تو خود ناپسند کرے۔

[3] کیونکہ خدا کی رضامندی جس بندے کو اس کے استحقاق کے بقدر جنت کی کسی ادنیٰ یا اعلیٰ منزل تک پہنچا دیتی ہے تو پھر اس کی رحمت کی حد بندی ہو جاتی ہے اور مزید رحمت طلب کرنے کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہتا۔

رِضْوَانَكَ وَ يَتَّصِلُ اتِّصَالُهَا بِبَقَائِكَ وَ لَا يَنْفَدُ كَمَا لَا تَنْفَدُ كَلِمَاتُكَ رَبِّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ صَلٰوةً تَنْتَظِمُ صَلَوٰتِ مَلٰٓئِكَتِكَ وَ اَنْبِيَآئِكَ وَ رُسُلِكَ وَ اَهْلِ طَاعَتِكَ وَ تَشْتَمِلُ عَلٰى صَلَوٰتِ عِبَادِكَ مِنْ جِنِّكَ وَ اِنْسِكَ وَ اَهْلِ اِجَابَتِكَ وَ تَجْتَمِعُ عَلٰى صَلٰوةِ كُلِّ مَنْ ذَرَاْتَ وَ بَرَاْتَ مِنْ اَصْنَافِ خَلْقِكَ رَبِّ صَلِّ عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ صَلٰوةً تُحِيْطُ بِكُلِّ صَلٰوةٍ سَالِفَةٍ وَ مُسْتَاْنَفَةٍ وَ صَلِّ عَلَيْهِ وَ عَلٰى اٰلِهٖ صَلٰوةً مَرْضِيَّةً لَكَ وَ لِمَنْ دُوْنَكَ وَ تُنْشِئُ مَعَ ذٰلِكَ صَلَوٰةً تُضَاعِفُ مَعَهَا تِلْكَ الصَّلٰوةَ عِنْدَهَا وَ تَزِيْدُهَا عَلٰى كُرُوْرِ الْاَيَّامِ زِيَادَةً فِيْ تَضَاعِيْفَ لَا يُحْصِيْهَا وَ لَا يَعُدُّهَا غَيْرُكَ رَبِّ صَلِّ عَلٰى اَطَائِبِ اَهْلِ بَيْتِهِ الَّذِيْنَ اخْتَرْتَهُمْ لِاَمْرِكَ وَ جَعَلْتَهُمْ خَزَنَةَ عِلْمِكَ وَ حَفَظَةَ دِيْنِكَ وَ خُلَفَآءَكَ فِيْ اَرْضِكَ وَ حُجَجَكَ عَلٰى عِبَادِكَ وَ طَهَّرْتَهُمْ مِنَ الرِّجْسِ وَ الدَّنَسِ تَطْهِيْرًا بِاِرَادَتِكَ وَ

رضامندی سے۔ اور اس کا سلسلہ تیری بقا[1] سے مل جائے۔ اور نہ فنا ہو جیسے کہ نہیں فنا ہوں گے تیرے کلمات۔ اے میرے پالنے والے رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔ ایسی رحمت کہ جو اپنے میں لیے ہوئے ہو[2] تیرے فرشتوں، اور تیرے نبیوں اور تیرے رسولوں اور تیرے عبادت کرنے والوں کی رحمت کو۔ اور مشتمل ہو تیرے جن اور انسان بندوں کی اور مقبول[3] بارگاہ لوگوں کی دعائے رحمت پر۔ اور مجموعہ ہو تیری تمام اس مخلوقات کی دعائے رحمت کا جسے تو نے پیدا کیا اور خلق کیا اے میرے پالنے والے رحمت نازل کر تو ان (محمدؐ) پر اور ان کی اولاد پر ایسی رحمت جو احاطہ کیے ہوئے ہو تمام اگلی رحمت کا اور آنے والی رحمت کا۔ اور رحمت نازل کر تو ان (محمدؐ) پر اور ان کی اولاد پر ایسی رحمت جو پسند ہو تجھ کو اور تیرے علاوہ اوروں کو بھی)۔ اور ایسی رحمت کو) پیدا کرے تو مع[4] اس کے ایک اور رحمت کہ دو چند کر دے تو اس کے ساتھ (ملا کر) اس رحمت کو۔ اور زیادہ کرے تو اس رحمت کو دنوں کی آمد و شد کے ساتھ، ایسی زیادتی کے طور پر جو چند در چند کی صورت میں ہو (اور) جس کا تیرے سوا کوئی شمار اور احاطہ نہ کر سکے۔ اے میرے پالنے والے رحمت نازل کر تو ان (محمدؐ) کے ان پاک اہل بیت پر جنھیں تو نے اپنے امر[5] کے لیے منتخب کیا ہے اور بنایا ہے ان کو خزانہ اپنے علم کا اور محافظ اپنے دین کا اور اپنا خلیفہ اور جانشین زمین میں۔ اور اپنی حجت اپنے بندوں کے لیے اور پاک کیا ہے ان کو اپنے ارادے کے تحت[6] ادنیٰ برائی اور عیب سے

---

[1] یعنی جب تک تیری ذات باقی ہے، رسولِ کریمؐ پر رحمت نازل ہونے کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ مراد ہے ہمیشہ ہمیشہ۔

[2] صلوات کا ترجمہ چوتھی سطر میں ہے۔

[3] یا مستجاب الدعوات یعنی وہ لوگ جن کی دعا قبول ہوتی ہے۔

[4] یعنی اسی کے ساتھ یا اسی میں سے شاخ در شاخ کے طور پر۔ [5] یعنی قرآن و شریعت۔

[6] جیسا کہ کلام پاک میں آیا ہے اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا یعنی اے اہل بیت محمدؐ! اللہ تعالیٰ (تمھارے بارے میں) سوائے اس کے کچھ اور ارادہ نہیں کرتا کہ تم سے ادنیٰ برائی کو بھی دور رکھے اور تمھیں اس طرح پاکیزگی دے جس طرح پاکیزہ ہونے کا حق ہے۔

جَعَلْتَهُمُ الْوَسِيْلَةَ اِلَيْكَ وَ الْمَسْلَكَ
اِلٰى جَنَّتِكَ رَبِّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَّ اٰلِهٖ صَلٰوةً تُجْزِلُ لَهُمْ بِهَا
مِنْ نُحْلِكَ وَ كَرَامَتِكَ وَ تُكْمِلُ
لَهُمُ الْاَشْيَاۤءَ مِنْ عَطَايَاكَ وَ نَوَافِلِكَ
وَ تُوَفِّرُ عَلَيْهِمُ الْحَظَّ مِنْ عَوَآئِدِكَ
وَ فَوَآئِدِكَ رَبِّ صَلِّ عَلَيْهِ وَ
عَلَيْهِمْ صَلٰوةً لَا اَمَدَ فِيْ اَوَّلِهَا
وَ لَا غَايَةَ لِاَمَدِهَا وَ لَا نِهَايَةَ
لِاٰخِرِهَا رَبِّ صَلِّ عَلَيْهِمْ زِنَةَ
عَرْشِكَ وَ مَا دُوْنَهٗ وَ مِلْاَ
سَمٰوٰتِكَ وَ مَا فَوْقَهُنَّ وَ عَدَدَ
اَرَضِيْكَ وَ مَا تَحْتَهُنَّ وَ مَا
بَيْنَهُنَّ صَلٰوةً تُقَرِّبُهُمْ مِنْكَ
زُلْفٰى وَ تَكُوْنُ لَكَ وَ لَهُمْ رِضًا
وَّ مُتَّصِلَةً بِنَظَآئِرِهِنَّ اَبَدًا اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ
اَيَّدْتَ دِيْنَكَ فِيْ كُلِّ اَوَانٍ بِاِمَامٍ
اَقَمْتَهٗ عَلَمًا لِعِبَادِكَ وَ مَنَارًا فِيْ بِلَادِكَ

جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے اور ان کو اپنی طرف آنے کا وسیلہ اور اپنی
جنت (پانے) کا راستہ بنا دیا ہے۔ اے میرے پالنے والے! رحمت
نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر۔ ایسی رحمت کہ زیادہ کر دے تو اس
(رحمت) کے باعث ان کے لیے اپنی بخشش اور عطا کو۔ اور کامل کر دے
تو ان کے لیے اپنے عطیوں اور انعامات کو اور وافر کر دے تو ان کے
لیے حصہ اپنی نفع بخشیوں اور فائدہ رسانیوں کا۔ اے میرے پالنے والے
رحمت نازل کر تو ان (محمدؐ) پر اور ان (کے اہل بیت پر)۔ ایسی رحمت
کہ نہ اس کی ابتدا کی کوئی مدت ہو اور نہ اس کے طول کی کوئی حد ہو۔ اور نہ
انتہا کا کوئی خاتمہ ہو۔ اے میرے پالنے والے! تو ان پر رحمت نازل کر اپنے
عرش کے اور جو اس کے تحت ہے اس کے ہم وزن۔ اور اپنے آسمانوں
کے خلا اور جو کچھ ان کے اوپر ہے[1] اس کے بقدر۔ اور اپنی زمینوں کے
اور جو کچھ ان کے تحت ہے اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، ان سب
کی تعداد کے بقدر۔ ایسی رحمت جو قریب کر دے ان کو تجھ سے پوری پوری
طرح۔ اور وہ تیرے لیے اور ان کے لیے باعث خوشنودی ہو۔ اور
اپنی مثل رحمتوں سے متصل رہے ہمیشہ۔ اے اللہ! بے شک تو نے مدد
کی ہے اپنے دین کی ہر وقت میں ایک امام کے ذریعہ جسے بنایا ہے تو نے اپنے
بندوں کے لیے نشان[2] اور اپنے شہروں میں مشعل راہ[3]۔ بعد اس کے کہ ملایا
ہے تو نے اس کے سلسلے[4] کو اپنے سلسلے سے۔ اور اس کو اپنی خوشنودی کا

---

[1] فوقھن کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

[2] یعنی راستہ دکھانے اور بتانے والا کیونکہ علم اس نشان کو کہتے ہیں جو ان مقامات پر جہاں سے کئی راستے جاتے ہوں اور آنے جانے والوں کی منزل مشتبہ ہو سکتی ہو نصب کیا جاتا ہے اور اس کی رہنمائی سے لوگ منزل مقصود کی راہ چلتے ہیں۔

[3] منار کے لغوی معنی روشن جگہ کے ہیں جس سے تاریکی میں انسانوں کی رہبری ہوتی ہے۔ یہی کچھ مشعل راہ کا مفہوم ہے۔

[4] حبل کے لغوی معنی رسی کے ہیں۔ مطلب یہ کہ تو نے امام کو علم قرآن و علم ماکان و ما یکون عطا کر کے اپنے آپ سے اس طرح وابستہ کیا ہے کہ براہ راست تیری جانب سے اس پر الہام ہوتا ہے اور وہ آیات قرآنی اور شرائع کے مسائل سے متعلق جو فیصلہ کرتا ہے وہ حق ہی ہوتا ہے۔

بَعْدَ اَنْ وَصَلْتَ حَبْلَهُ بِحَبْلِكَ وَ
جَعَلْتَهُ الذَّرِيْعَةَ اِلٰى رِضْوَانِكَ وَ
افْتَرَضْتَ طَاعَتَهُ وَحَذَّرْتَ مَعْصِيَتَهُ
وَ اَمَرْتَ بِامْتِثَالِ اَوَامِرِهٖ وَالْاِنْتِهَآءِ عِنْدَ
نَهْيِهٖ وَ اَلَّا يَتَقَدَّمَهُ مُتَقَدِّمٌ وَلَا يَتَاَخَّرَ
عَنْهُ مُتَاَخِّرٌ فَهُوَ عِصْمَةُ اللَّآئِذِيْنَ وَ
كَهْفُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَعُرْوَةُ الْمُتَمَسِّكِيْنَ
وَبَهَآءُ الْعَالَمِيْنَ اَللّٰهُمَّ فَاَوْزِعْ لِوَلِيِّكَ
شُكْرَ مَآ اَنْعَمْتَ بِهٖ عَلَيْنَا وَاَوْزِعْنَا مِثْلَهُ
فِيْهِ وَاٰتِهٖ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا وَ
افْتَحْ لَهُ فَتْحًا يَسِيْرًا وَاَعِنْهُ بِرُكْنِكَ الْاَعَزِّ
وَاشْدُدْ اَزْرَهُ وَقَوِّ عَضُدَهُ وَ رَاعِهٖ
بِعَيْنِكَ وَاحْمِهٖ بِحِفْظِكَ وَانْصُرْهُ
بِمَلٰٓئِكَتِكَ وَامْدُدْهُ بِجُنْدِكَ الْاَغْلَبِ وَ
اَقِمْ بِهٖ كِتَابَكَ وَحُدُوْدَكَ وَشَرَآئِعَكَ وَ

ذریعہ بنایا ہے اور اس کی فرمانبرداری فرض کی ہے اور اس کی نافرمانی
سے ڈرایا ہے۔ اور حکم دیا ہے، اس کے احکام بجا لانے کا اور باز رہنے
کا اس کی منع کی ہوئی بات سے۔ اور یہ (حکم دیا ہے) کہ کوئی آگے بڑھنے
والا اس کے آگے نہ بڑھے اور کوئی پیچھے رہ جانے والا اس سے پیچھے نہ
رہ جائے[1] پس وہ محافظ ہے پناہ مانگنے والوں کا اور مومنوں کا پشت پناہ ہے
اور تمسک کرنے والوں کا سہارا[2] ہے اور تمام جہانوں کے لیے چراغ
ہے۔ اے اللہ پس اپنے ولی[3] کے دل میں اس نعمت کا شکر ڈال جو تو نے
اس (کے وجود) سے ہمیں[4] عطا کی ہے۔ اور ہمارے دل میں ڈال[5] اس
(شکر) کی مثل جو تو نے اس کے دل میں ڈالا ہے۔ اور اسے اپنی طرف
سے مدد پایا ہوا غلبہ عطا کر۔ اور اس کو ایسی فتح دے جو آسان ہو۔ اور
اس کی اعانت کر اپنی غالب قوت سے۔ اور اس کی پیٹھ مضبوط کر اور
قوی کر اس کا بازو اور خود اپنی دیکھ بھال[6] سے اس کی حفاظت کر
اور اپنی حفاظت سے اس کی حمایت کر اور اپنے فرشتوں کے ذریعہ
اس کی نصرت فرما اور اس کی مدد کر اپنے غالب لشکروں کے ذریعہ[7]
اور قائم کر اس کے ذریعہ سے اپنی کتاب اور اپنی حدیں[8] اور اپنے

---

[1] یعنی ہدایت امام سے محروم نہ رہ جائے۔

[2] عُروۃ کے لغوی معنی دست آویز اور لوٹے کے دستے ہیں جسے پکڑنے سے لوٹا گرفت میں آتا ہے۔ مراد سہارا۔

[3] مراد وہی امام جس کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ چونکہ حضرت زین العابدین خود بھی ان ہی ائمہ میں سے ایک، امام تھے۔ جن کا دعا میں آپ نے تذکرہ فرمایا۔ اس لیے بطور انکسار اپنے لیے صراحۃً یہ لفظ دعا میں استعمال نہیں فرمایا۔ جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس امام کے دل میں یعنی میرے دل میں یہ خیال پیدا کر کہ میں نعمت امامت کا شکر ادا کروں۔

[4] "ہمیں" کی ضمیر کا مرجع جمیع مومنین و مسلمین ہیں۔

[5] یعنی مومنوں اور مسلمانوں کے دل میں یہ خیال پیدا کر کہ وہ اس امام کے وجود پر تیرا شکر ادا کریں۔

[6] بعینک کے ظاہری معنی یہ ہیں "اپنی آنکھ سے" اس کی حفاظت کر۔ مگر چونکہ خدا جسم و جسمانیات سے منزہ ہے اس لیے دیکھ بھال اور نگرانی مراد لی گئی۔

[7] اب چاہے وہ لشکر کسی بھی چیز کے ہوں، کیونکہ وہ کبھی ابابیل کے لشکر کو ہاتھیوں کی فوج پر غلبہ دیتا ہے اور کبھی مچھروں کو نمرود کے لشکر پر مسلط فرماتا ہے۔

[8] احکام اور منہیات (وہ باتیں جن کی ممانعت کی گئی ہے)۔

سُنَنَ رَسُوْلِكَ صَلَوٰاتُكَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْهِ وَ
اٰلِهٖ وَاَحْيِ بِهٖ مَا اَمَاتَهُ الظَّالِمُوْنَ مِنْ
مَعَالِمِ دِيْنِكَ وَاجْلُ بِهٖ صَدَاءَ الْجَوْرِ
عَنْ طَرِيْقَتِكَ وَاَبِنْ بِهِ الضَّرَّاءَ عَنْ
سَبِيْلِكَ وَ اَزِلْ بِهِ النَّاكِبِيْنَ عَنْ صِرَاطِكَ
وَامْحَقْ بِهٖ بُغَاةَ قَصْدِكَ عِوَجًا وَ اَلِنْ
جَانِبَهٗ لِاَوْلِيَآئِكَ وَابْسُطْ يَدَهٗ عَلٰى
اَعْدَآئِكَ وَهَبْ لَنَا رَاْفَتَهٗ وَ رَحْمَتَهٗ وَ
تَعَطُّفَهٗ وَتَحَنُّنَهٗ وَاجْعَلْنَا لَهٗ سَامِعِيْنَ
مُطِيْعِيْنَ وَفِيْ رِضَاهُ سَاعِيْنَ وَ اِلٰى
نُصْرَتِهٖ وَالْمُدَافَعَةِ عَنْهُ مُكْنِفِيْنَ وَ
اِلَيْكَ وَاِلٰى رَسُوْلِكَ صَلَوٰتُكَ اَللّٰهُمَّ
عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ بِذٰلِكَ مُتَقَرِّبِيْنَ اَللّٰهُمَّ
وَصَلِّ عَلٰى اَوْلِيَآئِهِمُ الْمُعْتَرِفِيْنَ
بِمَقَامِهِمُ الْمُتَّبِعِيْنَ مَنْهَجَهُمُ الْمُقْتَفِيْنَ
اٰثَارَهُمُ الْمُسْتَمْسِكِيْنَ بِعُرْوَتِهِمُ
الْمُتَمَسِّكِيْنَ بِوِلَايَتِهِمُ الْمُؤْتَمِّيْنَ
بِاِمَامَتِهِمُ الْمُسَلِّمِيْنَ لِاَمْرِهِمُ
الْمُجْتَهِدِيْنَ فِيْ طَاعَتِهِمُ الْمُنْتَظِرِيْنَ

طریقے اور اپنے رسولؐ کی سنتیں تیری رحمت ہو اے اللہ ان پر، اور
ان کی اولاد پر۔ اور زندہ کردے اس (امام) کے ذریعہ ان باتوں کو
جنھیں مردہ کر دیا ہے ظالموں نے یعنی اپنے دین کی نشانیوں کو۔ اور
مٹادے اس کے ذریعہ ظلم کے زنگ کو اپنی شریعت سے اور اس کے ذریعہ
اپنے راستے سے مضرتوں کو جدا کردے اور دور کردے اس کے ذریعہ ہٹ
جانے والوں کو اپنی صراط (سیدھے راستے) سے، اور ان لوگوں کو مٹا
دے جو تیری راہ راست میں کجی کے خواہاں ہیں۔ اور نرم کردے اس کے
پہلو کو اپنے دوستوں کے لیے۔ اور اس کے ہاتھ کو اپنے دشمنوں پر کھول
دے۔ اور عطا کر ہمیں اس کی مہربانی اور (اس کی) رحمت اور اس کی شفقت
اور اس کا رحم۔ اور بنادے اس کا سننے والا، (اس کا) کہا ماننے والا۔
اور اس کی خوشنودی کی کوشش کرنے والا۔ اور اس کی نصرت، اور اس
(کے دشمن کو اس) سے دور کرنے کا حمایتی۔ اور (بنادے ہم کو) اپنی طرف
اور اپنے رسولؐ کی طرف (اے اللہ! تیری رحمت نازل ہو ان پر اور
ان کی اولاد پر) اس (امام) کے ذریعہ سے نزدیک ہونے والا۔ اور
اے اللہ رحمت نازل کر اپنے دوستوں پر جو ان (اماموں) کے مقام کو
پہچاننے والے ان کے راستے کی پیروی کرنے والے۔ پیچھے چلنے والے
ان کے نشانات قدم کے ان کے حلقے کے مضبوط پکڑنے والے۔ ان
کی دوستی سے تمسک کرنے والے۔ ان کی امارت کی اقتدا کرنے والے۔
ان کے حکم کے سامنے گردن جھکا دینے والے۔ کوشش کرنے والے۔

---

۱ دوبارہ رائج کردے۔

۲ یعنی ظالموں نے شریعت میں تحریف کرکے تیرے دین کے نام سے جو باتیں رائج کردی ہیں انھیں امام کے ذریعہ سے مٹادے۔

۳ "ہمیں" کا مرجع مومنین اور مسلمین ہیں۔

۴ اس کی بات سننے والا اور اس کا حکم ماننے والا۔

۵ یہ جملہ بھی اسی فعل "اجعلنا" کے تحت میں ہے جو اوپر "سامعین" سے پہلے آچکا ہے۔

اَیَّامِهِمُ السَّادِیْنَ اِلَیْهِمْ اَعْیُنَهُمُ الصَّلَوَاتِ الْمُبَارَکَاتِ الزَّاکِیَاتِ النَّامِیَاتِ الْغَادِیَاتِ الرَّائِحَاتِ وَسَلِّمْ عَلَیْهِمْ وَ عَلٰی اَرْوَاحِهِمْ وَاجْمَعْ عَلَی التَّقْوٰی اَمْرَهُمْ وَ اَصْلِحْ لَهُمْ شُؤُوْنَهُمْ وَتُبْ عَلَیْهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَخَیْرُ الْغَافِرِیْنَ وَاجْعَلْنَا مَعَهُمْ فِیْ دَارِ السَّلَامِ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَللّٰهُمَّ هٰذَا یَوْمُ عَرَفَةَ یَوْمٌ شَرَّفْتَهُ وَ کَرَّمْتَهُ وَعَظَّمْتَهُ نَشَرْتَ فِیْهِ رَحْمَتَكَ وَمَنَنْتَ فِیْهِ بِعَفْوِكَ وَاَجْزَلْتَ فِیْهِ عَطِیَّتَكَ وَتَفَضَّلْتَ بِهٖ عَلٰی عِبَادِكَ اَللّٰهُمَّ وَ اَنَا عَبْدُكَ الَّذِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ قَبْلَ خَلْقِكَ لَهُ وَبَعْدَ خَلْقِكَ اِیَّاهُ فَجَعَلْتَهُ مِمَّنْ هَدَیْتَهُ لِدِیْنِكَ وَ وَفَّقْتَهُ لِحَقِّكَ وَعَصَمْتَهُ بِحَبْلِكَ وَ اَدْخَلْتَهُ فِیْ حِزْبِكَ وَ اَرْشَدْتَهُ لِمُوَالَاةِ اَوْلِیَائِكَ وَ مُعَادَاةِ

ان کی فرمانبرداری میں۔ ان (کی کشائش) کے دنوں کا انتظار کرنے والے اور ان کی طرف اپنی آنکھیں لگانے والے ہیں۔ ایسی رحمت جو بابرکت ہو بڑھنے والی ہو، نشو ونما پانے والی اور صبح کے بادل کی طرح (خوش گوار) ہو۔ اور خوشبو پھیلانے والی ہو۔ اور سلامتی بھیج ان (دوستوں) پر اور ان کی روحوں[1] پر۔ اور جمع کر پرہیز گاری[2] پر ان کے امر کو۔ اور اصلاح کر ان کے لیے ان کے حالات کی۔ اور ان کی توبہ کو قبول کر۔ بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور بہترین بخشنے والا ہے۔ اور قرار دے[3] ہم کو ان کے ساتھ سلامتی کے گھر (بہشت) میں اپنی رحمت سے اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔ اے اللہ یہ عرفہ[4] کا دن، وہ دن ہے کہ تو نے جسے شرف دیا ہے۔ اور کرامت عطا کی ہے۔ اور عظمت دی ہے۔ اور بکھیر دی ہے تو نے اس (دن) میں اپنی رحمت۔ اور احسان کیا ہے اس میں اپنی معافی سے۔ اور اس میں اپنے عطیہ کو وافر کر دیا ہے اور تفضل کیا ہے اس کے وسیلہ سے اپنے بندوں پر۔ اے اللہ اور میں تیرا وہ بندہ ہوں جس کو تو نے نعمت دی ہے، اس کے پیدا کرنے[5] سے پہلے اور اس کے پیدا کرنے کے بعد پس قرار دیا ہے تو نے اس کو (مجھ کو) ان لوگوں میں جنھیں ہدایت کی تو نے اپنے دین کی۔ اور اسے اپنے حق[6] کی توفیق دی۔ اور اپنی رسّی[7] سے اس کی حفاظت کی۔ اور داخل کیا اس کو اپنی جماعت میں۔ اور راستہ دکھایا اسے اپنے دوستوں کی محبت کی

---

[1] یعنی جو دوست دنیا سے اٹھ چکے ہیں ان پر بھی سلامتی بھیج۔

[2] یعنی ائمہ کے جو دوست زندہ ہیں ان کا ہر کام تقویٰ اور پرہیزگاری پر مبنی ہو اور جو دنیا سے کوچ کر چکے ہیں ان کے اعمال کو تقویٰ اور پرہیزگاری پر محمول کر۔

[3] یعنی سب مؤمنین و مسلمین کو۔

[4] شرفتہ کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

[5] یعنی قطرہ ناچیز سے انسان بنا کر اور عدم سے وجود میں لا کر اپنی نعمتوں سے سرفراز کیا۔

[6] یعنی حق اللہ کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دی۔

[7] یعنی اپنی رسّی اور اپنے دین کے سلسلے میں منسلک کر کے گمراہی اور عذاب دوزخ سے بچا لیا۔

أَعْدَآئِكَ ثُمَّ أَمَرْتَهُ فَلَمْ يَأْتَمِرْ وَ
زَجَرْتَهُ فَلَمْ يَنْزَجِرْ وَ نَهَيْتَهُ عَنْ
مَعْصِيَتِكَ فَخَالَفَ أَمْرَكَ إِلَى نَهْيِكَ لَا
مُعَانَدَةً لَكَ وَ لَا اسْتِكْبَارًا عَلَيْكَ بَلْ
دَعَاهُ هَوَاهُ إِلَى مَا زَيَّلْتَهُ وَ إِلَى مَا حَذَّرْتَهُ
وَ أَعَانَهُ عَلَى ذٰلِكَ عَدُوُّكَ وَ عَدُوُّهُ فَأَقْدَمَ
عَلَيْهِ عَارِفًا بِوَعِيدِكَ رَاجِيًا لِعَفْوِكَ
وَاثِقًا بِتَجَاوُزِكَ وَ كَانَ أَحَقَّ عِبَادِكَ
مَعَ مَا مَنَنْتَ عَلَيْهِ أَلَّا يَفْعَلَ وَ هَا
أَنَا ذَا بَيْنَ يَدَيْكَ صَاغِرًا ذَلِيلًا خَاضِعًا
خَاشِعًا خَائِفًا مُعْتَرِفًا بِعَظِيمٍ مِنَ
الذُّنُوبِ تَحَمَّلْتُهُ وَ جَلِيلٍ مِنَ الْخَطَايَا
اجْتَرَمْتُهُ مُسْتَجِيرًا بِصَفْحِكَ
لَائِذًا بِرَحْمَتِكَ مُوقِنًا أَنَّهُ لَا
يُجِيرُنِي مِنْكَ مُجِيرٌ وَ لَا يَمْنَعُنِي
مِنْكَ مَانِعٌ فَعُدْ عَلَيَّ بِمَا
تَعُودُ بِهِ عَلَى مَنِ اقْتَرَفَ مِنْ
تَغَمُّدِكَ وَ جُدْ عَلَيَّ بِمَا تَجُودُ
بِهِ عَلَى مَنْ أَلْقَى بِيَدِهِ إِلَيْكَ
مِنْ عَفْوِكَ وَ امْنُنْ عَلَيَّ بِمَا

طرف اور اپنے دشمنوں[1] کی عداوت کی جانب پھر تو نے اسے حکم دیا تو اسے وہ
بجا نہ لایا اور تو نے اسے منع کیا تو باز نہ رہا اور روکا تو نے اس کو اپنی
نافرمانی سے تو اس نے تیرے امر کے برخلاف نہی پر عمل کیا (مگر) تجھ سے
دشمنی کر کے نہیں اور نہ تیرے مقابل غرور کر کے، بلکہ اسے اس کی خواہش
نفس نے بلایا اس کام کی طرف جس سے تو نے ہٹایا تھا اور اس چیز کی
طرف جس سے تو نے اسے ڈرایا تھا، اور اس بات پر تیرے دشمن[2] اور
اس کے دشمن نے اس کی مدد کی پس چلا گیا اس (نافرمانی) کی طرف -
در آنحالیکہ تیرے ڈرانے سے واقف تھا (مگر) تیرے عفو کی امید
اور تیری درگزر پر یقین رکھتا تھا۔ حالانکہ وہ ان احسانوں کے ہوتے ہوئے
جو تو نے اس پر کیے ہیں تیرے بندوں میں سب سے زیادہ سزاوار تھا کہ
ایسا نہ کرے۔ اور اب[3] یہ میں تیرے سامنے ہوں، اس حال[4] میں کہ خوار و
ذلیل ہوں۔ روتا ہوں۔ عاجزی کر رہا ہوں (تجھ سے) ڈرا ہوا ہوں۔ ان
بڑے گناہوں کا معترف ہوں جن کا بوجھ میں نے (اپنے اوپر) لاد لیا ہے
اور ان بڑی خطاؤں کا (معترف ہوں) جن کا میں نے ارتکاب کیا ہے تیری
درگزر سے پناہ کا طالب ہوں۔ تیری رحمت سے جائے پناہ کا خواستگار
ہوں۔ اس بات کا یقین رکھتا ہوں کہ نہیں پناہ دے سکتا مجھ کو تجھ سے
(تیرے عذاب سے) کوئی پناہ دینے والا۔ اور نہیں روک سکتا مجھ کو تجھ سے
کوئی روکنے والا پس بخش مجھ کو وہ چیز جو عطا کیا کرتا ہے تو اس شخص کو
جو گناہ کرتا ہے یعنی اپنی پردہ پوشی (بخشش) اور عطا کر مجھ کو وہ شے جو
عطا کیا کرتا ہے تو اس شخص[5] کو جو تجھ سے امیدوار ہوتا ہے۔ یعنی

[1] اعدائک کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

[2] یعنی شیطان نے جس کے لیے قرآن میں خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ پس بے شک شیطان تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

[3] یعنی وہ بندہ جس کا اوپر ذکر کیا، میں ہوں اور تیرے سامنے توبہ کے لیے حاضر ہوں۔

[4] یعنی اس احساس کے ساتھ۔

[5] أَلْقَى بِيَدِهِ إِلَيْكَ کے لفظی معنی ہیں جس شخص نے اپنا ہاتھ تیری طرف ڈالا یعنی اپنا ہاتھ تیرے سامنے پھیلایا۔ مراد امیدوار ہو کر آیا۔

لَا يَتَعَاظَمُكَ اَنْ تَمُنَّ بِهٖ عَلٰى مَنْ اَمَّلَكَ مِنْ غُفْرَانِكَ وَ اجْعَلْ لِىْ فِىْ هٰذَا الْيَوْمِ نَصِيْبًا اَنَالُ بِهٖ حَظًّا مِنْ رِضْوَانِكَ وَ لَا تَرُدَّنِىْ صِفْرًا مِمَّا يَنْقَلِبُ بِهِ الْمُتَعَبِّدُوْنَ لَكَ مِنْ عِبَادِكَ وَ اِنِّىْ وَ اِنْ لَمْ اُقَدِّمْ مَا قَدَّمُوْهُ مِنَ الصَّالِحَاتِ فَقَدْ قَدَّمْتُ تَوْحِيْدَكَ وَ نَفْيَ الْاَضْدَادِ وَ الْاَنْدَادِ وَ الْاَشْبَاهِ عَنْكَ وَ اَتَيْتُكَ مِنَ الْاَبْوَابِ الَّتِىْ اَمَرْتَ اَنْ تُؤْتٰى مِنْهَا وَ تَقَرَّبْتُ اِلَيْكَ بِمَا لَا يَقْرُبُ اَحَدٌ مِنْكَ اِلَّا بِالتَّقَرُّبِ بِهٖ ثُمَّ اَتْبَعْتُ ذٰلِكَ بِالْاِنَابَةِ اِلَيْكَ وَ التَّذَلُّلِ وَ الْاِسْتِكَانَةِ لَكَ وَ حُسْنِ الظَّنِّ بِكَ وَ الثِّقَةِ بِمَا عِنْدَكَ وَ شَفَعْتُهٗ بِرَجَائِكَ الَّذِىْ قَلَّ مَا يَخِيْبُ عَلَيْهِ رَاجِيْكَ وَ سَئَلْتُكَ مَسْئَلَةَ الْحَقِيْرِ الذَّلِيْلِ الْبَائِسِ الْفَقِيْرِ الْخَائِفِ الْمُسْتَجِيْرِ وَ مَعَ ذٰلِكَ

اپنی معافی (عطا کر) اور احسان کر مجھ پر اپنی اس مغفرت[1] سے جو تیرے لیے کوئی بڑی بات نہیں کہ تو اس (مغفرت) سے ایسے شخص پر احسان کرے جس نے تجھ سے امید باندھی ہے۔ اور قرار دے میرے لیے اس دن میں ایسا حصہ جس سے میں تیری خوشنودی سے بہرہ مند ہوں۔ اور نہ واپس کر مجھ کو خالی ہاتھ اس چیز سے جسے تیرے عبادت گزار بندے کر (ہی) واپس جاتے ہیں۔ اور بے شک میں نے، اگرچہ آگے نہیں بھیجی ہیں وہ نیکیاں جو انھوں نے بھیجی ہیں، لیکن آگے بھیجا ہے میں نے تیری توحید کو،[2] اور تیری ذات سے مثل و نظیر اور شریک کی نفی کو۔ اور میں تیرے پاس ان دروازوں[3] سے آیا ہوں جن سے آنے کا تو نے حکم دیا ہے اور قریب ہوا ہوں تجھ سے اسی راہ سے کہ جس کے بغیر کوئی بھی تجھ سے قریب نہیں ہو سکتا۔ پھر ابعد اس[4] کے میں نے تجھ سے توبہ کی۔ اور تیرے سامنے عاجزی اور گریہ وزاری کی اور نیک گمان تیرے[5] متعلق رکھا اور اس (مغفرت) پر بھروسا کیا جو تیرے پاس ہے اور لے[6] تیری طرف سے ایسی امید رکھنے کے ساتھ ملحق کیا کہ جس پر بہت کم تیرے امیدوار محروم ہوئے ہیں اور تجھ سے اس طرح سوال کیا جیسے کوئی حقیر ذلیل حاجت مند فقیر خوف زدہ اور طالب امان (سوال کرتا ہے) اور اسی کے ساتھ خائف ہوں، گریہ وزاری

---

[1] لِغُفْرَانِكَ کا ترجمہ جو کہ بعد کی سطر میں ہے۔

[2] یعنی بے شک اعمال درست نہیں مگر عقیدہ درست اور مستحکم ہے حضرت زین العابدین کے اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ عقائد کی درستگی اور پختگی ہی مغفرت کی جڑ ہے۔

[3] یعنی میرا اقرار توحید اور نفی شریک کوئی رسمی بات نہیں بلکہ میں نے یہ معرفت باقاعدہ طور پر تیرے رسولؐ اور ان کی کتاب اور ائمہ کے رحمٰن کا ذکر رسولؐ کے بعد اوپر آچکا ہے) تعلیم دیئے ہوئے طریقوں سے حاصل کی ہے۔ حضرت زین العابدین کے ان کلمات سے یہ اور بھی واضح ہو گیا کہ توحید باری تعالیٰ کا عقیدہ اس وقت تک کسی انسان کو مستحق اجر نہیں بنا سکتا جب تک وہ رسالت کا اور اس کے ملحقات کا قائل اور معتقد نہ ہو۔

[4] اَتْبَعْتُ ذٰلِكَ کا ترجمہ

[5] قرآن و حدیث سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر صدق دل سے بھروسا کرے اس کی مغفرت سے بدگمان نہ ہو اور اس کی طرف سے نیکی ہی کی امید رکھے، اس پر خدائے تعالیٰ کی چشم رحمت ملتفت ہوتی ہے اور جو بدگمانی کرے وہ اس کے غیظ و غضب کو جوش میں لاتا ہے۔

[6] یعنی مغفرت پر بھروسا رکھنے کے دوش بدوش تیری رحمت سے اپنے نجات پانے کی قوی امید بھی رکھی۔

خِيفَةً وَ تَضَرُّعًا وَ تَعَوُّذًا وَ تَلَوُّذًا لَا
مُسْتَطِيلًا بِتَكَبُّرِ الْمُتَكَبِّرِينَ وَ لَا مُتَعَالِيًا
بِدَالَّةِ الْمُطِيعِينَ وَ لَا مُسْتَطِيلًا بِشَفَاعَةِ
الشَّافِعِينَ وَ أَنَا بَعْدُ أَقَلُّ الْأَقَلِّينَ وَ أَذَلُّ
الْأَذَلِّينَ وَ مِثْلُ الذَّرَّةِ أَوْ دُونَهَا فَيَا مَنْ
لَمْ يُعَاجِلِ الْمُسِيئِينَ وَ لَا يَنْدَهُ الْمُتْرَفِينَ
وَ يَا مَنْ يَمُنُّ بِإِقَالَةِ الْعَاثِرِينَ وَ يَتَفَضَّلُ
بِإِنْظَارِ الْخَاطِئِينَ أَنَا الْمُسِيءُ الْمُعْتَرِفُ
الْخَاطِئُ الْعَاثِرُ أَنَا الَّذِي أَقْدَمَ عَلَيْكَ
مُجْتَرِئًا أَنَا الَّذِي عَصَاكَ مُتَعَمِّدًا أَنَا
الَّذِي اسْتَخْفَى مِنْ عِبَادِكَ وَ بَارَزَكَ أَنَا
الَّذِي هَابَ عِبَادَكَ وَ أَمِنَكَ أَنَا الَّذِي لَمْ
يَرْهَبْ سَطْوَتَكَ وَ لَمْ يَخَفْ بَأْسَكَ أَنَا
الْجَانِي عَلَى نَفْسِهِ أَنَا الْمُرْتَهَنُ بِبَلِيَّتِهِ
أَنَا الْقَلِيلُ الْحَيَاءِ أَنَا الطَّوِيلُ الْعَنَاءِ
بِحَقِّ مَنِ انْتَجَبْتَ مِنْ خَلْقِكَ وَ بِمَنِ
اصْطَفَيْتَهُ لِنَفْسِكَ بِحَقِّ مَنِ اخْتَرْتَ
مِنْ بَرِيَّتِكَ وَ مَنِ اجْتَبَيْتَ لِشَأْنِكَ بِحَقِّ
مَنْ وَصَلْتَ طَاعَتَهُ بِطَاعَتِكَ وَ مَنْ

کرتا ہوں، پناہ مانگتا ہوں، جائے پناہ کا طلب گار ہوں۔ گھمنڈیوں کے گھمنڈ
کی طرح سرکشی نہیں کرتا اور نہ فرمانبرداری کے ناز کی طرح گردن اٹھاتا ہوں
اور نہ مغرور ہوں سفارش پر سفارش کرنے والوں کی۔ اور میں اب یہ سب کچھ
اعتراف کرنے کے بعد کمتر سے کمتر اور ناچیز سے ناچیز ہوں اور چیونٹی کی مثل
یا اس سے بھی کم ہوں پس اے وہ کہ جو بدکاروں پر جلد عذاب نہیں کرتا اور
نہ خوش حالی میں بسر کرنے والوں کو دھتکارتا ہے۔ اور اے وہ جو
لغزش کرنے والوں کی خطا پر احسان کرتا ہے اور تفضل فرماتا ہے خطاکاروں
کو مہلت دے کر، میں بدکار گناہوں کا معترف، خطاکار لغزش کرنے
والا ہوں۔ میں وہ ہوں کہ جو تیرے پاس[1] جرأت کرکے آگیا۔ میں وہ ہوں
جس نے عمداً[2] تیری نافرمانی کی ہے۔ میں وہ ہوں جس نے تیرے بندوں
سے گناہ چھپایا اور تیرے سامنے ظاہر کیا۔ میں وہ ہوں جو تیرے بندوں
سے ڈرا اور تجھ سے بے خوف رہا۔ میں وہ ہوں جو تیرے دبدبہ سے نہ ڈرا
اور تیرے غضب سے خائف نہ ہوا۔ میں وہ ہوں جس نے ظلم کیا اپنے اوپر۔
میں وہ ہوں جو اپنے بلا میں گروہ ہے۔ میں ہی کم شرم والا ہوں۔ میں ہی طویل
رنج و بلا ہوں۔ واسطہ اس (رسول) کے حق کا جسے تونے اپنی مخلوق
سے چن لیا ہے۔ اور اس کے حق کا جسے اپنے لیے منتخب کرلیا ہے اور
واسطہ اس کے حق کا جسے تو نے اپنی کائنات سے پسند کرلیا ہے اور
جسے اپنے کام کے لیے انتخاب کیا ہے۔ واسطہ اس کے حق کا جس کی
فرمانبرداری کو تونے اپنی فرمانبرداری کے ساتھ ملا[3] دیا ہے۔ اور اس کے

---

[1] جو اس بات کی دلیل ہے کہ مجھے اتنے زیادہ معاصی ہونے کے باوجود کچھ تو بھروسا ہے جس کی بنا پر تیرے سامنے حاضر ہو جانے کی جرأت کی ہے۔ اور جب مجھے تیرے کرم پر بھروسا ہے تو پھر تو مجھے ناامید نہ کر۔

[2] لیکن اسی طرح جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ نافرمانی تیری مخالفت کی بنا پر یا تیرے حکم کو حقیر سمجھ کر نہیں کی بلکہ خواہش نفس نے اور شیطان نے ایسا کرنے پر مجبور کردیا۔

[3] جیسا کہ کلام پاک میں فرمایا ہے "اَطِيعُوا اللهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ" یعنی تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اس کے علاوہ عمل کی دنیا میں آنحضرت کی شہادت، خدا کی شہادت کے ساتھ اذان میں شامل ہے۔ نیز نماز میں جو خالصتہً اللہ تعالیٰ کی بندگی ہے رسول پر درود و سلام بھیجنا فرض کیا ہے۔

جَعَلْتَ مَعْصِيَتَهُ كَمَعْصِيَتِكَ بِحَقِّ مَنْ تَرَنْتَ مُوَالَاتَهُ بِمُوَالَاتِكَ وَ مَنْ نُطْتَ مُعَادَاتَهُ بِمُعَادَاتِكَ تَغَمَّدْنِي فِي يَوْمِي هٰذَا بِمَا تَتَغَمَّدُ بِهٖ مَنْ حَبَارَ إِلَيْكَ مُتَنَصِّلًا وَ عَاذَ بِاسْتِغْفَارِكَ تَائِبًا وَ تَوَلَّنِي بِمَا تَتَوَلَّى بِهٖ أَهْلَ طَاعَتِكَ وَالزُّلْفَى لَدَيْكَ وَالْمَكَانَةِ مِنْكَ وَ تَوَحَّدْنِي بِمَا تَتَوَحَّدُ بِهٖ مَنْ وَفَى بِعَهْدِكَ وَ أَتْعَبَ نَفْسَهُ فِي ذَاتِكَ وَ أَجْهَدَهَا فِي مَرْضَاتِكَ وَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِتَفْرِيطِي فِي جَنْبِكَ وَ تَعَدِّي طَوْرِي فِي حُدُودِكَ وَ مُجَاوَزَةِ أَحْكَامِكَ وَ لَا تَسْتَدْرِجْنِي بِإِمْلَائِكَ لِي اسْتِدْرَاجَ

حق کا جس کی نافرمانی کو اپنی نافرمانی کی مثل بتایا ہے۔ واسطہ اس کے حق کا جس کی محبت سے نزدیک کر دیا ہے[1] اور اس کے حق کا کہ منسلک کر دیا ہے جس کی دشمنی کو اپنی دشمنی سے، آج ہی میری پردہ پوشی کر۔ اس پردے سے جس میں تو اس شخص کو چھپاتا ہے جو عاجزی کرے تیرے سامنے، اپنے گناہوں سے بیزاری کرکے، اور تیرے سامنے استغفار سے پناہ طلب کرکے، توبہ کے ساتھ۔ اور سرپرستی کر میری اس چیز کے ساتھ کہ سرپرستی کرتا ہے تو جس سے اپنے فرمانبرداروں کی۔ اور اپنے پاس رہنے والوں کی اور اپنی بارگاہ میں منزلت رکھنے والوں کی۔ اور تو میرا اکیلا مددگار بن اس (مدد) کے ساتھ جس سے تو اکیلا اس شخص کی مدد کیا کرتا ہے جو تیرے عہد[2] کو پورا کرے اور اپنے نفس کو تیری ذات[3] کے معاملہ میں تکلیف میں مبتلا کرے اور تیری خوشنودی میں اس[4] کے ساتھ جہاد کرے اور نہ مواخذہ کر مجھ سے میرے اس قصور پر جو تیری جناب[5] میں ہوا اور اپنی حد سے تیرے حدود[6] میں بڑھ جانے پر اور تیرے احکام کو چھوڑ دینے پر (مواخذہ نہ کر) اور مت

---

۱۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا ہے کہ "اے رسول تم ان سے یہ کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو مجھ سے محبت کرو، اس کے بعد اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔"

۲۔ یعنی جو تجھ سے کیے ہوئے اپنے عہدِ معرفت و عبادت کو پورا کرتا ہے جو کہ روزِ الست تیرے سوال کے جواب میں "بلیٰ" کہہ کر محکم کیا گیا تھا۔

۳۔ یعنی تیری اطاعت و عبادت میں طرح طرح کی تکلیفیں اپنے نفس کو دیں۔

۴۔ یعنی نفس کے ساتھ جہاد کرے۔ جہادِ نفس کے معنی یہ ہیں کہ نفس کی خواہشوں سے جنگ کرے اور انھیں خدا ...شنودی کے لیے پامال کر دے۔

۵۔ جَنْبِكَ، تیری جناب، ایک مترجم نے اس جملے کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے "...ے پہلو میں میرے کمی کرنے پر مجھ سے مواخذہ نہ کر" اگرچہ لغت کے اعتبار سے 'جنب' پہلو کے معنی میں بھی آیا ہے مگر 'جناب' کے ...نی کو اس پر بہرحال ترجیح ہے تاکہ مجاز کی ضرورت نہ پڑے۔

۶۔ احکام و منہیات۔

مَنْ مَنَعَنِي خَيْرَ مَا عِنْدَهُ وَ لَمْ
يَشْكُرْكَ فِي حُلُولِ نِعْمَتِهِ بِي وَ
نَبِّهْنِي مِنْ رَقْدَةِ الْغَافِلِينَ وَ سِنَةِ
الْمُسْرِفِينَ وَ نَعْسَةِ الْمَخْذُولِينَ وَ خُذْ
بِقَلْبِي إِلَى مَا اسْتَعْمَلْتَ بِهِ الْقَانِتِينَ
وَ اسْتَعْبَدْتَ بِهِ الْمُتَعَبِّدِينَ وَ
اسْتَنْقَذْتَ بِهِ الْمُتَهَاوِنِينَ وَ
أَعِذْنِي مِمَّا يُبَاعِدُنِي عَنْكَ وَ
يَحُولُ بَيْنِي وَ بَيْنَ حَظِّي مِنْكَ
وَ يَصُدُّنِي عَمَّا أُحَاوِلُ لَدَيْكَ
وَ سَهِّلْ لِي مَسْلَكَ الْخَيْرَاتِ
إِلَيْكَ وَ الْمُسَابَقَةَ إِلَيْهَا مِنْ حَيْثُ
أَمَرْتَ وَ الْمُشَاحَّةَ فِيهَا عَلَى مَا
أَرَدْتَ وَ لَا تَمْحَقْنِي فِيمَنْ تَمْحَقُ
مِنَ الْمُسْتَخِفِّينَ بِمَا أَوْعَدْتَ

رفتہ رفتہ تنزل دے مجھ کو اپنے مہلت دینے[1] سے، اس شخص کے نزدیک بھی
تنزل کی طرح جو مجھ سے اس نیکی کو جو اس کے پاس ہے روکے
اور اپنی نعمت کو میری طرف پہنچانے میں تیرا شریک سمجھے[2]۔ اور مجھے
ہوشیار کر غافلوں کی سی نیند سے اور فضول خرچوں کی غفلت سے اور
رسواؤں کی بے پرواہی سے اور میرے دل کو اس کام کی طرف متوجہ کر
جو تو نے فرمانبرداروں کے ذمہ کیا ہے اور جس سے تو نے عبادت
گزاروں سے عبادت چاہی ہے اور جس سے تو نے سستی کرنے والوں کو
بچا لیا ہے۔ اور مجھے اس چیز سے پناہ دے جو مجھ کو تجھ سے دور کرے
اور جو میرے اور مجھے تیری طرف سے حصہ ملنے کے درمیان حائل ہو
جائے اور مجھے اس[3] بات سے روکے جس کا میں تیرے سامنے مقصد
رکھتا ہوں اور آسان کر میرے لیے نیکیوں کی راہ اپنی طرف۔ اور
ان (نیکیوں) کی طرف سبقت کرنا آسان کر جس طرح کہ تو نے حکم[4]
دیا ہے، اور ان میں باہم مقابلہ کرنا آسان کر جس طرح کہ تیری
خواہش ہے اور مت مٹا مجھ کو ان لوگوں[5] میں جنھیں تو مٹائے گا
یعنی اس چیز (عذاب) کو سبک کرنے[6] والے جس سے تو نے ڈرایا

---

[1] مطلب یہ ہے کہ تو گناہ کے بعد توبہ کے لیے بندہ کو جو مہلت دیتا ہے اس سے بندہ گناہ پر اور دلیر ہوتا ہے اور اس طرح مزید گناہ کرکے رفتہ رفتہ وہ تنزل کی طرف آتا رہتا ہے۔ اس کی مثال بالکل اس شخص کی ہے جس کے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہو اور وہ اپنی نعمتوں کا کچھ حصہ مستحقین و مساکین کو نہ دے اور بخل کرے تو رفتہ رفتہ اس کی نعمت زائل ہونا شروع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بخل سے جمع کی ہوئی دولت ایک نہ ایک دن دھری کی دھری رہ جاتی ہے اور اس سے وہ شخص کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا۔

[2] یعنی جس طرح تو اپنی نعمتیں بندوں کو دیتا ہے اس طرح وہ شخص جو صاحب نعمت ہے اپنی نعمت لوگوں کو تقسیم نہیں کرتا۔

[3] یعنی عبادت سے۔

[4] یعنی جس طرح تو نے اپنی طرف لے جاتے والی نیکیوں کی راہ پر چلنے کا۔ اور ان کی جانب سبقت کرنے کا حکم دیا ہے۔

[5] یعنی ان لوگوں میں شامل کر کے یا ان کے ساتھ۔

[6] مراد یہ ہے کہ جو لوگ خدائے تعالیٰ کے عذاب کو جس سے اس نے ڈرایا ہے سبک سمجھتے ہیں اور جنھیں وہ ان کے تمرد اور سرکشی کی بنا پر ضرور مٹائے گا ان میں مجھے شامل نہ کر۔

وَلَا تُهْلِكْنِي مَعَ مَنْ تُهْلِكُ مِنَ الْمُتَعَرِّضِينَ لِمَقْتِكَ وَلَا تُتَبِّرْنِي فِيمَنْ تُتَبِّرُ مِنَ الْمُنْحَرِفِينَ عَنْ سُبُلِكَ وَ نَجِّنِي مِنْ غَمَرَاتِ الْفِتْنَةِ وَخَلِّصْنِي مِنْ لَهَوَاتِ الْبَلْوٰى وَ اَجِرْنِي مِنْ اَخْذِ الْاِمْلَاءِ وَحُلْ بَيْنِي وَ بَيْنَ عَدُوٍّ يُضِلُّنِي وَهَوًى يُوبِقُنِي وَ مَنْقَصَةٍ تَرْهَقُنِي وَلَا تُعْرِضْ عَنِّي اِعْرَاضَ مَنْ لَا تَرْضٰى عَنْهُ بَعْدَ غَضَبِكَ وَ لَا تُؤْيِسْنِي مِنَ الْاَمَلِ فِيكَ فَيَغْلِبَ عَلَيَّ الْقُنُوطُ مِنْ رَحْمَتِكَ وَلَا تَمْنَحْنِي بِمَا لَا طَاقَةَ لِي بِهٖ فَتَبْهَظَنِي مِمَّا تُحَمِّلُنِيهِ مِنْ فَضْلِ مَحَبَّتِكَ وَلَا تُرْسِلْنِي مِنْ يَدِكَ اِرْسَالَ مَنْ لَا خَيْرَ فِيهِ وَلَا حَاجَةَ بِكَ اِلَيْهِ وَ

ہے۔ اور مت ہلاک کر تو مجھ کو ان کے ساتھ جنھیں تو ہلاک کرے گا۔ یعنی تیری دشمنی کے درپے ہونے والے لوگ۔ اور مت برباد کر مجھ کو ان لوگوں میں جنھیں تو برباد کرے گا، یعنی منحرف ہونے والے تیرے راستے سے۔ اور مجھے فتنہ کی سختیوں سے نجات دے اور مجھے آزمائش[1] کے منہ سے چھڑا اور پناہ دے مجھ کو ڈھیل دینے[2] کی گرفت سے۔ اور حائل ہو جا میرے اور میرے اس دشمن کے درمیان جو مجھے گمراہ کرتا ہے، اور اس خواہش نفس کے درمیان جو مجھے موت کے گھاٹ اتارتی ہے اور اس عیب کے درمیان جو میرے پاس آنے میں جلدی[3] کرتا ہے اور مت منہ پھرا مجھ سے اس شخص سے منہ پھرانے کی طرح جس سے تو اپنے غصے کے بعد راضی نہ ہوگا اور مجھ کو اپنے[4] سے امید کرنے میں مایوس نہ کر جس سے مجھ پر تیری رحمت کی طرف سے ناامیدی چھا جائے اور مت عطا کر مجھ کو وہ چیز کہ نہیں ہے طاقت جس کی مجھ میں کہ بوجھل کر دے تو مجھ کو اپنی محبت کی زیادتی سے جسے تو مجھ پر بار کرے۔ اور مت چھوڑ مجھ کو اپنے ہاتھ سے اس شخص کو چھوڑ دینے کی طرح جس میں کسی قسم کی نیکی نہ ہو اور نہ تیرا کوئی سوال[5] متعلق

---

[1] البلویٰ کا ترجمہ۔

[2] ڈھیل دینے سے یہ مراد ہے کہ خدائے تعالیٰ جب گناہ پر متنبہ کرنے میں ڈھیل دیتا ہے تاکہ بندہ توبہ کرے تو اس ڈھیل سے بندہ کی جسارت اور جرأت بڑھتی ہے اور اسے دوسرا گناہ کرنے پر دلیر بناتی ہے۔ تا اینکہ رفتہ رفتہ وہ گناہوں کا عادی ہو جاتا ہے۔ اس بناء پر یہ دعا کی ہے کہ مجھے سزا دینے میں تامل کرنے اور مہلت دینے سے محفوظ رکھ تاکہ ایک دفعہ گناہ کے بعد دوبارہ اس کا عزم نہ کروں۔

[3] ایک مترجم نے تَرْهَقُنِي کے معنی یہ لکھے ہیں "جو مجھے گھیر لے"۔ ایک مترجم فارسی نے بھی تقریباً ایسا ہی ترجمہ کیا ہے اور "فرد میگرد مرا" کے الفاظ تحریر کیے ہیں۔ مگر لغت میں یہ معنی کسی جگہ نظر سے نہیں گزرے۔

[4] فیک کا ترجمہ۔ [5] حاجة کا ترجمہ۔ ظاہر ہے کہ اگر حاجت کے معنی ضرورت کے مراد لیے جائیں اور یہ کہا جائے کہ "نہ تیری کوئی حاجت اس بے خیر شخص سے متعلق ہو" تو اس سے یہ شک پیدا ہوتا ہے کہ خیر والے شخص سے (نعوذ باللہ) خدائے تعالیٰ کی کوئی حاجت متعلق ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ دراصل یہاں "حاجت" بمعنی "سوال" ہے اور جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا کوئی سوال اپنی عبادت و اطاعت وغیرہ کے سلسلے میں اس سے متعلق نہ رہا ہو کیونکہ اس کی کثرت عصیاں کے باعث اس کا دل سیاہ ہو گیا ہو اور اس کی جانب سے "خیر" کی قطعاً امید نہ رہی ہو۔

لَا اِنَابَةَ لَهٗ وَلَا تَرْمِ بِیْ رَمْیَ مَنْ سَقَطَ مِنْ
عَیْنِ رِعَایَتِکَ وَ مَنِ اشْتَمَلَ عَلَیْهِ الْخِزْیُ مِنْ
عِنْدِکَ بَلْ خُذْ بِیَدِیْ مِنْ سَقْطَةِ الْمُتَرَدِّیْنَ
وَ وَهْلَةِ الْمُتَعَسِّفِیْنَ وَزَلَّةِ الْمَغْرُوْرِیْنَ وَ
وَرْطَةِ الْهَالِکِیْنَ وَعَافِنِیْ مِمَّا ابْتَلَیْتَ بِهٖ
طَبَقَاتِ عَبِیْدِکَ وَاِمَائِکَ وَ بَلِّغْنِیْ مَبَالِغَ
مَنْ عُنِیْتَ بِهٖ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ وَرَضِیْتَ
عَنْهُ فَاَعَشْتَهٗ حَمِیْدًا وَ تَوَفَّیْتَهٗ سَعِیْدًا
وَ طَوِّقْنِیْ طَوْقَ الْاِقْلَاعِ عَمَّا یُحْبِطُ
الْحَسَنَاتِ وَیَذْهَبُ بِالْبَرَکَاتِ وَ
اَشْعِرْ قَلْبِیَ الْاِزْدِجَارَ عَنْ قَبَائِحِ
السَّیِّئَاتِ وَ فَوَاضِحِ الْحَوْبَاتِ وَ لَا
تَشْغَلْنِیْ بِمَا لَا اُدْرِکُهٗ اِلَّا بِکَ عَمَّا لَا

ہو اس سے۔ اور نہ وہ توبہ کرتا ہے اور مجھ کو اس شخص کی طرح نہ پھینک
دے جو تیری رعایت کی نظر سے گر گیا ہو۔ اور تیری جانب سے رسوائی
جس کے شامل حال ہو گئی ہو، بلکہ میرا ہاتھ پکڑ لے[1]، گرنے والوں کی طرح
گر پڑنے سے اور گمراہوں کے خوف سے اور فریب خوردہ لوگوں کی سی
لغزش سے اور ہلاک ہونے والوں کی سی ہلاکت سے۔ اور عافیت میں
رکھ مجھ کو اس امتحان سے جس میں تو نے مبتلا کیا ہے اپنے بندوں اور
کنیزوں کو درجہ[2] بدرجہ۔ اور مجھے اس شخص کے مدارج پر پہنچا جس پر تو نے
عنایت کی اور نعمت عطا کی جس کو۔ اور جس سے تو راضی ہوا، پھر اسے اچھی[3]
زندگی عنایت کی۔ اور اسے نیک بخت بنا کر موت دی۔ اور ان چیزوں سے
دور رہنے کا طوق[4] میری گردن میں ڈال دے جو نیکیوں کو زائل کرتی ہے اور
جو دور کر دیتی ہے برکتوں کو اور میرے دل کو شعور دے باز رہنے کا بُری
باتوں سے اور رسوا کن گناہوں سے اور مجھے اس چیز میں مشغول نہ ہونے
دے[5] جسے میں بغیر تیرے نہیں پا سکتا، اس کام[6] کے بجائے کہ نہیں راضی کر

---

[1] مِنْ کا ترجمہ اگلی سطر میں ہے۔

[2] 'طبقات' کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔ آیۂ قرآنی میں کہا گیا ہے کہ خدائے تعالیٰ کسی نفس کو اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر شخص کی تکلیف دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی طرح حدیث میں وارد ہوا ہے کہ بندوں کو ان کی عقل کے بقدر جزا ملے گی۔ ٹھیک اسی طرح امتحان و آزمائش کا معاملہ ہے کہ جتنی جس کی معرفت ہے اور جتنا جس میں تحمل کا مادہ ہے، اسی کے اعتبار سے اس کی آزمائش کی جاتی ہے۔ مذکورہ بالا عبارت میں 'طبقات' سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

[3] وہ زندگی جو قابل تعریف ہو۔

[4] یعنی جس طرح گردن میں طوق پڑا ہونے کی حالت میں انسان کو ہر قسم کی نقل و حرکت سے تکلیف و اذیت محسوس ہوتی ہے کیونکہ اس کے ہلنے ہی طوق بھی حرکت کرتا ہے اور گردن اور ہنسلی کو چھیل دیتا ہے اس لیے کوئی آدمی طوق پہنے ہونے کی حالت میں حرکت نہیں کرنا چاہتا، اسی طرح مجھے نیکیوں کی زائل کر دینے والی باتوں کی طرف بڑھنے سے تکلیف محسوس ہو اور ان باتوں سے کچھ ایسی نفرت دل میں پیدا ہو جائے جو مجھے ان کی طرف بڑھنے سے طوق کی طرح برابر روکتی رہے۔

[5] مترجمین فارسی و اردو نے لَا تَشْغَلْنِیْ کا ترجمہ عام رواج کے مطابق 'مشغول نہ کر' لکھا ہے۔ حالانکہ خدا کی طرف برائی میں مشغول کرنے کا انتساب درست نہیں اور یہ مراد تامل کے خلاف ہے۔ [6] عَمَّا کا ترجمہ۔ مراد یہ ہے کہ جو کام تیری رضامندی کا باعث ہے اس سے روگرداں ہو کر ایسے کام میں مشغول نہ ہونے دے جسے میں بغیر تیری مدد کے نہیں پا سکتا۔

يُرْضِيكَ عَنِّي غَيْرُهُ وَانْزِعْ مِنْ قَلْبِي
حُبَّ دُنْيَا دَنِيَّةٍ تَنْهَى عَمَّا عِنْدَكَ وَتَصُدُّ
عَنِ ابْتِغَاءِ الْوَسِيلَةِ إِلَيْكَ وَتُذْهِلُ عَنِ
التَّقَرُّبِ مِنْكَ وَزَيِّنْ لِيَ التَّفَرُّدَ بِمُنَاجَاتِكَ
بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهَبْ لِي عِصْمَةً تُدْنِينِي
مِنْ خَشْيَتِكَ وَتَقْطَعُنِي عَنْ رُكُوبِ
مَحَارِمِكَ وَتَفُكُّنِي مِنْ اَسْرِ الْعَظَائِمِ
وَهَبْ لِيَ التَّطْهِيرَ مِنْ دَنَسِ الْعِصْيَانِ
وَاَذْهِبْ عَنِّي دَرَنَ الْخَطَايَا وَسَرْبِلْنِي
بِسِرْبَالِ عَافِيَتِكَ وَرَدِّنِي رِدَاءَ مُعَافَاتِكَ
وَجَلِّلْنِي سَوَابِغَ نَعْمَائِكَ وَظَاهِرْ لَدَيَّ
فَضْلَكَ وَطَوْلَكَ وَاَيِّدْنِي بِتَوْفِيقِكَ وَ
تَسْدِيدِكَ وَاَعِنِّي عَلَى صَالِحِ النِّيَّةِ وَمَرْضِيِّ
الْقَوْلِ وَمُسْتَحْسَنِ الْعَمَلِ وَلَا تَكِلْنِي اِلَى حَوْلِي
وَقُوَّتِي دُونَ حَوْلِكَ وَقُوَّتِكَ وَلَا تُخْزِنِي
يَوْمَ تَبْعَثُنِي لِلِقَائِكَ وَلَا تَفْضَحْنِي بَيْنَ يَدَيَّ

سکتا تجھ کو مجھ سے اس کام کے سوائے کوئی اور کام اور میرے دل سے
دنیائے دنی کی محبت دور کر دے جو کہ روکتی ہے اس (نعمت) سے جو
تیرے پاس ہے اور تجھ تک (پہنچنے) کا وسیلہ ڈھونڈھنے سے باز رکھتی ہے
اور جو غافل بناتی ہے تیرا قرب حاصل کرنے سے۔ اور آراستہ کر دے میری[1]
نگاہ میں اس تنہائی[2] کو جو تجھ سے رو در رو دعا کرنے کے وقت ہوتی ہے
رات میں اور دن میں۔ اور مجھے وہ معصومیت (اور گناہوں سے دوری)
عطا کر جو مجھے تیرے خوف[3] سے قریب کر دے۔ اور جو الگ کر دے مجھ کو
تیری حرام کی ہوئی چیزوں کے ارتکاب سے۔ اور جو بڑے گناہوں کی قید
سے چھڑا دے۔ اور عطا کر مجھ کو گناہوں کے میل سے پاکیزگی۔ اور دور کر
مجھ سے خطاؤں کی کثافت۔ اور مجھے اپنی عافیت کا جامہ پہنا دے۔
اور مجھے اپنی سلامتی کی چادر اڑھا دے اور خلعت دے مجھ کو اپنی کامل
نعمتوں[4] کا۔ اور اپنے فضل اور عطا و کرم کو میرا پشت پناہ بنا دے اور مدد کر
میری اپنی توفیق اور اپنی اصلاح سے۔ اور میری اعانت کر نیک نیت[5] پر
اور پسندیدہ گفتگو پر اور اچھے عمل پر۔ اور مت چھوڑ مجھ کو میری قوت پر
سوائے اپنی قوت اور طاقت کے اور اس دن مجھے رسوا نہ کر جبکہ تو
اپنی ملاقات[6] کے لیے مجھے اٹھائے گا۔ اور مت فضیحت کر میری[7] اپنے

---

[1] یعنی میری نگاہ اس تنہائی کو صحبتوں اور محفلوں کی طرح آراستہ اور بارونق محسوس کرنے لگے جو کہ شب و روز تجھ سے رو در رو دعا کرنے کے وقت ہوتی ہے۔

[2] التفرد کا ترجمہ۔ مراد وہ یکسوئی جس میں نہ کوئی دوسرا شخص پاس موجود ہو اور نہ کسی بات کا خیال دل میں گزرے بلکہ رجوع قلب سے بندہ ایسی کیفیت محسوس کرے کہ جیسے وہ تنہا ہر قسم کے تعلقات و معاملات دنیا سے برطرف ہو کر خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے۔

[3] جب انسان گناہوں سے دور اور اعمال صالح میں منہمک رہتا ہے تو خود بخود قصد گناہ سے اس کا دل لرزنے لگتا ہے مگر یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ وہ عصمت کی حد سے قریب ہو جائے۔

[4] اس مقام پر نعمتوں سے مراد کھانے کی لذیذ چیزیں اور مال و دولت نہیں بلکہ محاسن اخلاق و مکارم عبادات مراد ہیں۔

[5] یعنی ان سب باتوں کے حصول میں میری امداد کر۔

[6] حساب و کتاب کے لیے میدان حشر میں بلائے جانے کو مجازاً ملاقات سے تعبیر کیا ہے۔

[7] بَیْنَ یَدَیَّ کا ترجمہ اگلی سطر میں ہے۔

اَوْلِيَائِكَ وَ لَا تُنْسِنِيْ ذِكْرَكَ وَ لَا
تُذْهِبْ عَنِّيْ شُكْرَكَ بَلْ اَلْزِمْنِيْهِ فِيْ
اَحْوَالِ السَّهْوِ عِنْدَ غَفَلَاتِ الْجَاهِلِيْنَ
لِاٰلَآئِكَ وَ اَوْزِعْنِيْ اَنْ اُثْنِيَ بِمَا
اَوْلَيْتَنِيْهِ وَ اَعْتَرِفَ بِمَا اَسْدَيْتَهُ اِلَيَّ وَ
اجْعَلْ رَغْبَتِيْ اِلَيْكَ فَوْقَ رَغْبَةِ الرَّاغِبِيْنَ
وَ حَمْدِيْ اِيَّاكَ فَوْقَ حَمْدِ الْحَامِدِيْنَ
وَ لَا تَخْذُلْنِيْ عِنْدَ فَاقَتِيْ اِلَيْكَ وَ لَا
تُهْلِكْنِيْ بِمَا اَسْدَيْتُهُ اِلَيْكَ وَ لَا تَجْبَهْنِيْ
بِمَا جَبَهْتَ بِهِ الْمُعَانِدِيْنَ لَكَ فَاِنِّيْ
لَكَ مُسَلِّمٌ اَعْلَمُ اَنَّ الْحُجَّةَ لَكَ وَ اَنَّكَ
اَوْلٰى بِالْفَضْلِ وَ اَعْوَدُ بِالْاِحْسَانِ
وَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ
وَ اَنَّكَ بِاَنْ تَعْفُوَ اَوْلٰى مِنْكَ
بِاَنْ تُعَاقِبَ وَ اِنَّكَ بِاَنْ تَسْتُرَ
اَقْرَبُ مِنْكَ اِلٰى اَنْ تَشْهَرَ فَاَحْيِنِيْ
حَيٰوةً طَيِّبَةً تَنْتَظِمُ بِمَا اُرِيْدُ

دوستوں کے سامنے۔ اور مجھے اپنی یاد مت بھولنے دے۔ اور اپنا شکر مت فراموش
کرنے دے۔ بلکہ بھول جانے کی حالت میں اس (یاد اور شکر) کو مجھ پر مسلط
کر دے[1] جس وقت کہ جاہل لوگ تیری نعمتوں سے غافل ہوں۔ اور یہ بات
میرے دل میں راسخ کر دے کہ میں اس بات کی تعریف کروں جو تو نے مجھے عطا
کی ہے۔ اور اس چیز کا اعتراف کروں جو تو نے مجھے دی[2] ہے اور بنا دے
اپنی طرف میری رغبت کو تمام رغبت کرنے والوں کی رغبت سے زیادہ، اور
میری حمد کو اپنے لیے، تمام حمد کرنے والوں کی حمد سے بالاتر۔ اور مت چھوڑ
مجھ کو جس وقت کہ مجھے تیری احتیاج ہو۔ اور مت ہلاک کر مجھ کو اس چیز
کے باعث[3] جو میں نے تیری طرف بھیجی ہے اور مجھے اس طرح دفع[4] نہ کر جس
طرح تو نے دفع کیا ہے اپنے مخالفوں (اور دشمنوں) کو۔ کیونکہ میں تیرا مطیع
ہوں۔ یہ بات جانتا ہوں کہ دلیل[5] تیرے ہی لیے ہے اور یہ بات (بھی) کہ تو
ہی فضل و کرم (کرنے) کا اہل ہے۔ اور (تو ہی) بار بار احسان کرنے والا ہے
اور پرہیزگاری[6] اور مغفرت والا ہے۔ اور یہ بات (بھی جانتا ہوں) کہ تو اس
بات سے کہ عقاب کرے اس بات کا زیادہ اہل ہے کہ معاف کر دے۔ اور یہ
(بھی جانتا ہوں) کہ تو اس بات سے کہ (بندے کا گناہ) چھپائے زیادہ قریب
ہے اس بات کی بہ نسبت کہ تشہیر (اور رسوا) کرے پس مجھے ایسی پاک
زندگی دے جو اس بات پر مشتمل ہو جسے میں چاہتا ہوں۔ اور اس ...

[1] یعنی اپنی یاد اور اپنے شکر کا مجھے اس قدر عادی بنا دے کہ وہ میری زندگی کا ایسا لازمہ بن جائے کہ بھول جانے کی حالت میں بھی میری زبان خود بخود تیری یاد
اور تیرے شکر میں معروف ہو جائے۔

[2] اِلَیَّ کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔

[3] یعنی جو اعمال بد میں نے کیے ہیں ان کے مواخذہ میں مجھ کو ہلاکت ابدی میں مبتلا نہ کر اور معاف کر دے۔

[4] لَا تَجْبَهْنِيْ کے لغوی معنی ہیں کہ میری پیشانی پر نہ مار۔ یا میرے منہ پر نہ مار۔ مطلب یہ ہے کہ جو برائیاں میں نے کی ہیں ان کو میرے منہ پر مار کر مجھے
اپنی بارگاہ سے مت نکال۔

[5] یعنی دلیل سے یہ بات ثابت ہے کہ تو ہی قابل اطاعت ہے اور کوئی دوسرا تیرے مقابلے پر قابل اطاعت نہیں۔

[6] یعنی جملہ برائیوں سے پاک و صاف ہے اور بخشش کرنے والا ہے کسی سے برائی نہیں کرتا۔ یا یہ کہ تقویٰ اور بخشش عطا کرنے والا ہے۔

وَ تَبْلُغُ مَا اُحِبُّ مِنْ حَيْثُ لَا اٰتِيْ مَا
تَكْرَهُهُ وَلَا اَرْتَكِبُ مَا نَهَيْتَ عَنْهُ وَ
اَمِتْنِيْ مِيْتَةَ مَنْ يَسْعٰى نُوْرُهُ بَيْنَ
يَدَيْهِ وَعَنْ يَمِيْنِهٖ وَ ذَلِّلْنِيْ بَيْنَ
يَدَيْكَ وَ اَعِزَّنِيْ عِنْدَ خَلْقِكَ وَضَعْنِيْ
اِذَا خَلَوْتُ بِكَ وَارْفَعْنِيْ بَيْنَ عِبَادِكَ
وَ اَغْنِنِيْ عَمَّنْ هُوَ غَنِيٌّ عَنِّيْ وَ زِدْنِيْ
اِلَيْكَ فَاقَةً وَفَقْرًا وَاَعِذْنِيْ مِنْ
شَمَاتَةِ الْاَعْدَآءِ وَمِنْ حُلُوْلِ الْبَلَآءِ
وَمِنَ الذُّلِّ وَالْعَنَآءِ وَتَغَمَّدْنِيْ فِيْمَا اطَّلَعْتَ
عَلَيْهِ مِنِّيْ بِمَا يَتَغَمَّدُ بِهِ الْقَادِرُ عَلَى الْبَطْشِ
لَوْلَا حِلْمُهُ وَالْاٰخِذُ عَلَى الْجَرِيْرَةِ لَوْلَا اَنَاتُهُ
وَاِذَا اَرَدْتَ بِقَوْمٍ فِتْنَةً اَوْ سُوْٓءً فَنَجِّنِيْ
مِنْهَا لِوَاذًا بِكَ وَاِذْ لَمْ تُقِمْنِيْ مَقَامَ فَضِيْحَةٍ

پہنچے جسے میں پسند کرتا ہوں (مگر) اس طرح[1] پر کہ اس چیز کے پاس نہ جاؤں جسے تو ناپسند کرتا ہے اور نہ مرتکب ہوں اس بات کا جس سے تو نے منع کیا ہے۔ اور مجھے اس شخص کی سی موت دے جس کا نور[2] چلے اس کے سامنے اور اس کے داہنی جانب[3]۔ اور مجھے اپنے سامنے جھکا اور اپنی مخلوق کے سامنے عزت دے۔ اور پست[4] کر مجھ کو جبکہ میں تجھ سے تنہائی میں ملوں اور بلند کر مجھ کو اپنے بندوں کے درمیان۔ اور مجھے اس شخص سے بے نیاز کر جو بے پروا ہے مجھ[5] سے۔ اور اپنی طرف میری احتیاج اور درویشی کو زیادہ کر۔ اور پناہ دے مجھ کو دشمنوں کے طعنوں سے، اور (مجھ پر) بلا کے نازل ہونے سے اور ذلت اور رنج سے۔ (اور) میرے[6] اس کام میں میری پردہ پوشی کر جس[7] سے کہ تو مطلع ہے[8]۔ اس پردے سے جس میں وہ شخص چھپا لیتا ہے جو مواخذہ پر قدرت رکھتا ہے، اگر وہ بردباری نہ کر جائے۔ اور گرفتار کر سکتا ہے گناہ پر اگر درگزر (اور تامل) نہ کر گزرے۔ اور جب کہ تو کسی قوم پر فتنہ یا برائی ڈالنے کا ارادہ کرے تب مجھے اس سے بچا اس لیے کہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور جب کہ تو نے مجھے اپنی دنیا میں رسوائی کے مقام

---

[1] یعنی مجھے اپنی خواہش کے مطابق زندگی حاصل کرنے میں ایسی راہوں پر چلا جن میں تیری نافرمانی اور ناپسندیدگی کا کوئی پہلو پیدا نہ ہو سکے۔

[2] یعنی وہ تجلیاں جو اعمال صالحہ کی برکت سے پیدا ہوتی ہیں اور جنھیں دل کی آنکھیں دیکھتی ہیں۔

[3] کامیابی اور فیروزمندی کی چیزوں کو یمین (داہنی طرف) سے منسوب کرنا عرب کا روزمرہ ہے جیسا کہ کتب دینیہ میں کہا گیا ہے کہ روز حشر اہل جنت کو ان کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔

[4] یعنی مجھے ایسی توفیق اور مجھ میں ایسا جذبہ دے کہ جب میں تجھ سے خلوت میں باتیں کروں اور تیری بارگاہ میں رجوع ہوں تو پھر اپنے آپ کو انتہائی پست سمجھوں اور تیرے بالمقابل اپنے لیے ہر قسم کی عاجزی، خاکساری اور ذلت و پستی کی حالت کو پسند کروں۔

[5] یعنی جو شخص میری جانب متوجہ نہ ہو مجھے اس کا حاجت مند نہ کر۔

[6] مِنّی کا ترجمہ جو بیان نہیں، تیسری سطر میں ہے۔

[7] علیہ کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

[8] یعنی میرے گناہ اور عیوب جن سے کہ تو واقف ہے لوگوں سے چھپا۔

فِیْ دُنْیَاكَ فَلَا تُقِمْنِیْ مِثْلَهُ فِی اٰخِرَتِكَ وَ اشْفَعْ لِیْ اَوَائِلَ مِنَنِكَ بِاَوَاخِرِهَا وَ قَدِیْمَ فَوَائِدِكَ بِحَوَادِثِهَا وَ لَا تَمْدُدْ لِیْ مَدًّا یَقْسُوْ مَعَهُ قَلْبِیْ وَ لَا تَقْرَعْنِیْ قَارِعَةً یَذْهَبُ لَهَا بَهَائِیْ وَ لَا تَسُمْنِیْ خَسِیْسَةً یَصْغُرُ لَهَا قَدْرِیْ وَ لَا نَقِیْصَةً یُجْهَلُ مِنْ اَجْلِهَا مَكَانِیْ وَ لَا تَرُعْنِیْ رَوْعَةً اُبْلِسُ بِهَا وَ لَا خِیْفَةً اُوْجِسُ دُوْنَهَا اِجْعَلْ هَیْبَتِیْ فِیْ وَعِیْدِكَ وَ حَذَرِیْ مِنْ اِعْذَارِكَ وَ اِنْذَارِكَ وَ رَهْبَتِیْ عِنْدَ تِلَاوَةِ اٰیَاتِكَ وَ اعْمُرْ لَیْلِیْ بِاِیْقَاظِیْ فِیْهِ لِعِبَادَتِكَ وَ تَفَرُّدِیْ

میں نہیں قائم کیا تو اسی طرح مجھے اپنی آخرت میں بھی قائم نہ کر۔ اور سفارشی بنا[1] دے میرے حق میں اپنے اگلے احسانوں کو پچھلے احسانوں کے لیے اور قدیم فیوض کو نئے فیوض کے واسطے۔ اور مجھ[2] کو اتنی مہلت نہ دے جس کے بعد میرا دل سخت ہو جائے اور نہ مجھ کو اتنی سزا[3] دے جس سے میری آبرو جاتی رہے اور مجھے ایسی پستی نہ دے کہ جس سے میری[4] قدر گھٹ جائے۔ اور نہ ایسا نقص (دے) کہ جس کی وجہ سے میرا مقام اور مرتبہ گمنامی میں پڑ کر رہ جائے اور مجھ کو ایسا[5] خوف نہ دلا[6] جس کے باعث میں ناامید ہو جاؤں اور نہ ایسا خوف کہ اس سے میں سہم کر رہ جاؤں؛ بلکہ قرار دے میرا خوف اپنے ڈراوے کی باتوں میں[7]۔ اور میرا ڈر تجھ سے عذر خواہی کے موقع پر۔ اور میرا خوف تیری آیتیں پڑھنے کے وقت۔ اور آباد کر میری رات کو اس بات سے کہ میں اس میں تیری عبادت کے لیے جاگوں[8]۔ اور اس بات

---

[1] یعنی تیرے جو احسانات ہیں، ان پر نظر کر کے مزید احسان کر کیونکہ وہ احسان بھی تو نے کسی استحقاق کی بناء پر نہیں بلکہ تفضل کے طور پر کیے تھے۔ اسی طرح اب بھی تفضل کے طور پر احسان فرما اور استحقاق پر نظر نہ کر۔

[2] یہاں سے چند سطروں میں جو کلمات دعا میں استعمال کیے گئے ہیں ان میں دراصل یہ کہنا مقصود ہے کہ مجھ سے میانہ روی کے ساتھ پیش آ۔ نہ تو گناہ کرنے کا موقع دے اور نہ بالکل راہب اور زاہد خشک بنا دے بلکہ اعتدال پر رکھ۔ یہ مفہوم چند جملوں میں ادا کیا ہے جس کی تفصیل متن و حاشیہ میں مسطور ہے۔

[3] یعنی گناہ کے بعد اتنی مہلت نہ دے کہ میں پھر گناہ کروں اور گناہ کرتے کرتے دل سخت ہو جائے اور پھر حق بات کے لیے نرم ہی نہ ہو۔ بلکہ جیسے ہی میں ایک دفعہ گناہ کروں تو مجھے توبہ کی طرف مائل و راغب کر دے اور انتباہ کر کے ہوشیار کر دے۔

[4] لَا تَقْرَعْنِیْ قَارِعَةً کے لغوی معنی ہیں مجھ کو اتنا نہ مار دے یعنی یہ ہے کہ مجھے اتنی سزا نہ دے۔ چونکہ اس سے پہلے جملے میں اللہ سے یہ دعا کی ہے کہ اگر میں گناہ کروں تو مجھے انتباہ کر کے ہوشیار کر دے اس لیے فوراً ہی یہ دعا کی کہ وہ انتباہ معمولی ہو جس سے میں ہوش میں آ جاؤں۔ اتنا سخت نہ ہو جس سے آبرو ریزی ہو جائے۔

[5] لَهَا قَدْرِیْ کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

[6] یہ رَوْعَةً (تاکید) کا مفہوم ہے جو بعد کی سطر میں ہے۔

[7] یعنی میرے دل میں ایسا خوف راسخ نہ کر جس کے بعد مغفرت سے ناامیدی ہو جائے۔ بلکہ خوف کے ساتھ ساتھ توبہ کی مقبولیت کا بھروسا بھی رہے۔

[8] یعنی جب میں تیرے ڈرانے کی باتیں یاد کروں تو ڈر جاؤں مگر اس کے بعد ہی جب رحمت کا خیال آئے تو پرامید ہو کر توبہ کرنے لگوں اور معروف عبادت ہو جاؤں۔ یہ نہیں کہ جب ڈراوے کی باتوں کو یاد کر کے ڈروں تو بس پھر ہمیشہ اور ہر وقت ڈرتا ہی رہوں۔

بِالتَّهَجُّدِ لَكَ وَ تَجَرُّدِيْ بِسُكُوْنِيْ إِلَيْكَ وَاِنْزَالِ حَوَائِجِيْ بِكَ وَ مُنَازَلَتِيْ إِيَّاكَ فِيْ فَكَاكِ رَقَبَتِيْ مِنْ نَارِكَ وَاِجَارَتِيْ مِمَّا فِيْهِ أَهْلُهَا مِنْ عَذَابِكَ وَلَا تَذَرْنِيْ فِيْ طُغْيَانِيْ عَامِهًا وَلَا فِيْ غَمْرَتِيْ سَاهِيًا حَتّٰى حِيْنٍ وَلَا تَجْعَلْنِيْ عِظَةً لِمَنِ اتَّعَظَ وَلَا نَكَالًا لِمَنِ اعْتَبَرَ وَلَا فِتْنَةً لِمَنْ نَظَرَ وَلَا تَمْكُرْ بِيْ فِيْمَنْ تَمْكُرُ بِهٖ وَلَا تَسْتَبْدِلْ بِيْ غَيْرِيْ وَلَا تُغَيِّرْ لِيْ اِسْمًا وَلَا تُبَدِّلْ لِيْ جِسْمًا وَلَا تَتَّخِذْنِيْ هُزُوًا لِخَلْقِكَ وَلَا سُخْرِيًّا لَكَ وَلَا تَبَعًا اِلَّا لِمَرْضَاتِكَ وَلَا مُمْتَهَنًا اِلَّا بِالْاِنْتِقَامِ لَكَ وَ

سے کہ میں تنہا تیرے لیے نماز شب پڑھوں اور (اس بات سے کہ) اکیلا تیرے ساتھ اطمینان[1] کی باتیں کروں۔ اور (اس بات سے کہ) اپنی حاجتیں تجھ سے بیان کروں اور (اس بات سے کہ) میں اپنی گردن کو تیرے عذاب جہنم سے چھڑانے کے لیے تجھ سے جھگڑتا رہوں۔ اور (اس بات سے کہ) میں پناہ مانگوں تیرے اس عذاب سے جس میں معذبین گرفتار ہیں۔ اور مت چھوڑ دے مجھ کو میری سرکشی میں اندھا بنا کر اور نہ میرے اندھے پن میں مجھ کو غافل اور بے خبر بنا کر موت کے[2] وقت تک۔ اور مت بنا مجھ کو نصیحت[3] ان لوگوں کے لیے جو نصیحت حاصل کریں اور نہ محل عبرت (بنا) ان لوگوں کے لیے جو عبرت حاصل کریں اور نہ محل امتحان[4] (بنا) ان لوگوں کے لیے جو غور کریں۔ اور نہ مجھے مکر کی سزا دے ان لوگوں میں شامل کر کے جنھیں تو مکر کی سزا دیتا ہے اور میرے[5] بدلے میں میرے غیر کو نہ لے۔ اور میرے[6] لیے میرے نام کو تبدیل نہ کر اور نہ میرے جسم[7] میں تغیر پیدا کر۔ اور مت بنا مجھ کو اپنے بندوں کے لیے ہنسی اڑانے کے قابل اور نہ اپنا محل تمسخر۔ اور نہ اپنی خوشنودی کے علاوہ کسی اور کا تابع (بنا) اور نہ کسی سے، حقیر و ذلیل، مگر اپنی سزا

---

[1] لسکونی الیک، سے مراد یہ ہے کہ میں سکون کے ساتھ تیری طرف متوجہ رہوں۔

[2] یعنی زندگی میں کبھی بھی میرے ساتھ ایسا طریقہ اختیار نہ کرنا۔

[3] یعنی مجھے ایسے حال میں مبتلا نہ کر جو لوگوں کے لیے محل عبرت ہو۔

[4] الفتنۃ کا ترجمہ۔ اس کے لغوی معنی، گمراہی، کفر، رسوائی، رنج، دیوانگی، عذاب، عبرت، مرض، مال و اولاد، اختلاف آراء، وقوع جنگ و جدال اور امتحان کے ہیں جن میں سے اس مقام پر امتحان اور عبرت مراد لے سکتے ہیں۔

[5] مراد یہ ہے کہ مجھے ایسے عذاب میں نہ ڈال جس سے لوگ عبرت پکڑیں بلکہ ایسا انتباہ کر کہ میں ہی اس سے عبرت پکڑوں اور توبہ کر کے نیکوکار بن جاؤں۔

[6] یعنی جو میرا نام ہے، میری صفات بالکل اس کے مطابق ہوں، اور ایسا نہ ہو کہ میں برعکس نہند نام زنگی کافور کا مصداق بنوں (دوسرے لفظوں میں) میرا نام زین العابدین اور علی ہے تو میں صحیحت عبادت کی زینت اور عالی مرتبہ بن کر ہی رہوں۔

[7] یعنی میرا ظاہر ہمیشہ باطن کے مطابق رہے۔

أَوْجِدْنِي بَرْدَ عَفْوِكَ وَحَلَاوَةَ رَحْمَتِكَ
وَرَوْحِكَ وَرَيْحَانِكَ وَجَنَّةَ نَعِيمِكَ وَأَذِقْنِي
طَعْمَ الْفَرَاغِ لِمَا تُحِبُّ بِسَعَةٍ مِنْ سَعَتِكَ
وَالْاِجْتِهَادِ فِيمَا يُزْلِفُ لَدَيْكَ وَعِنْدَكَ
وَأَتْحِفْنِي بِتُحْفَةٍ مِنْ تُحَفَاتِكَ وَاجْعَلْ
تِجَارَتِي رَابِحَةً وَكَرَّتِي غَيْرَ خَاسِرَةٍ وَ
أَخِفْنِي مَقَامَكَ وَشَوِّقْنِي لِقَاءَكَ وَ
تُبْ عَلَيَّ تَوْبَةً نَصُوحًا لَا تُبْقِ مَعَهَا
ذُنُوبًا صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً وَلَا تَذَرْ مَعَهَا
عَلَانِيَةً وَلَا سَرِيرَةً وَانْزِعِ الْغِلَّ مِنْ صَدْرِي
لِلْمُؤْمِنِينَ وَاعْطِفْ بِقَلْبِي عَلَى الْخَاشِعِينَ

بنے[1]۔ اور مجھے بر ومند (اور کامیاب) کر اپنی معافی کی خنکی سے اور اپنی
راحت اور روزی[2] کی مٹھاس سے، اور اپنی نعمتوں والی جنت سے۔ اور
ذائقہ چکھا مجھ کو اس کام کا جسے تو پسند کرتا ہے، اپنی بخشش کی وسعت سے
اور اس بات کی کوشش کا (ذائقہ چکھا) جو تیرے سامنے اور تیرے پاس
قرب عطا کرے۔ اور مجھے اپنے تحفوں میں سے کوئی تحفہ[3] دے۔ اور قرار دے
میری تجارت[4] کو نفع بخش اور میرے دوبارہ واپس آنے (یعنی توبہ) کو سود مند[5]
اور مجھے اپنے مقام و مرتبہ کا خوف[6] دلا۔ اور مجھے اپنی ملاقات کا شوق عطا[7]
کر اور میری توبہ قبول کر خالص[8] توبہ بنا کر۔ (اس طرح کہ) اس کے بعد
میرا کوئی چھوٹا یا بڑا گناہ باقی نہ رکھ اور مت چھوڑ اس کے بعد کوئی کھلا
ہوا یا خفیہ عیب اور دور کر دے میرے سینے سے مومنوں[9] کے کینہ کو اور
میرے دل کو عاجزی کرنے والوں پر مہربان کر اور میرے لیے ایسا ہو جا

---

[1] یعنی میں تیری سزا کے مقابلے میں بے شک حقیر و ذلیل ہوں مگر دنیا میں اس کے علاوہ اور کسی کے مقابل مجھے حقیر و ذلیل نہ بنا۔

[2] رَيْحَانِكَ کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔

[3] یعنی اپنی پسندیدہ باتوں میں سے کوئی ایک پسندیدہ بات عنایت کر۔ یا اپنے اوصاف رحمت میں سے کسی ایک صفت رحمت کا رخ میری طرف موڑ دے کہ ایک بندے کے لیے بس اتنا ہی بہت ہے۔

[4] مراد یہ ہے کہ میں اپنے نفس اور اپنی خواہشوں کو تیری مرضی کے ہاتھ بیچ رہا ہوں۔ اس تجارت کو میرے لیے نفع بخش بنا دے۔

[5] غَيْرَ خَاسِرَةٍ کے لغوی معنی ہیں "نقصان نہ دینے والا" یعنی سود مند۔

[6] یعنی میرے دل میں اپنی منزلت کی ہیبت بٹھا دے۔

[7] یہ ایک فطری اصول ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کسی بزرگ کے پاس جانے والا ہوتا ہے اور اس شخص کے پاس ایسی چیزیں ہوتی ہیں جو اس بزرگ کو پسند اور مرغوب ہوں تو جانے والے کو اس بزرگ کے پاس جلد از جلد پہنچ جانے کا شوق ہوا کرتا ہے۔ اس مقام پر ملاقات کا شوق عطا کرنے سے لازم معنی کے طور پر یہ مراد ہے کہ مجھے ایسے اعمال سے آراستہ ہونے کی توفیق دے جو تجھے پسند ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ایسے اعمال میرے پاس ہوں گے تو خود بخود دل میں تیرے پاس پہنچنے کا شوق پیدا ہو گا۔

[8] یعنی میری توبہ کو ایسی توبہ بنا کر قبول کر جو خالصتاً صرف تیری رضا مندی کے لیے کی گئی ہو اور اس میں جہنم کا خوف یا جنت کی ہوس مضمر نہ ہو۔

[9] لِلْمُؤْمِنِينَ کا ترجمہ جو کہ بعد کی سطر میں ہے۔ مراد عبارت یہ ہے کہ وہ لوگ جو خدا اور رسول پر ایمان لائے ہیں اور ان کی طرف سے مجھے کوئی صدمہ پہنچا ہے جس کے باعث دل میں ان کی جانب سے تکدر پیدا ہو گیا ہے، اس تکدر کو دل سے دور کر دے۔

وَكُنْ لِي كَمَا تَكُونُ لِلصَّالِحِينَ وَحَلِّنِي
حِلْيَةَ الْمُتَّقِينَ وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ
فِي الْغَابِرِينَ وَذِكْرًا نَامِيًا فِي الْآخِرِينَ وَوَافِ
بِي عَرْصَةَ الْأَوَّلِينَ وَتَمِّمْ سُبُوغَ نِعْمَتِكَ
عَلَيَّ وَظَاهِرْ كَرَامَاتِهَا لَدَيَّ امْلَأْ مِنْ
فَوَائِدِكَ يَدَيَّ وَسُقْ كَرَائِمَ مَوَاهِبِكَ إِلَيَّ
وَجَاوِرْ بِيَ الْأَطْيَبِينَ مِنْ أَوْلِيَائِكَ فِي
الْجِنَانِ الَّتِي زَيَّنْتَهَا لِأَصْفِيَائِكَ وَجَلِّلْنِي
شَرَائِفَ نُحَلِكَ فِي الْمَقَامَاتِ الْمُعَدَّةِ
لِأَحِبَّائِكَ وَاجْعَلْ لِي عِنْدَكَ مَقِيلًا آوِي
إِلَيْهِ مُطْمَئِنًّا وَمَثَابَةً أَتَبَوَّأُهَا وَأَقَرُّ
عَيْنًا وَلَا تُقَايِسْنِي بِعَظِيمَاتِ الْجَرَائِرِ وَلَا

جیساکہ تو نیک بندوں کے لیے ہے[1]۔ اور مجھے پرہیزگار بندوں کے لباس[2]
سے آراستہ کر اور مجھے ایسی زبان دے جو سراپا سچائی ہو، آنے والے لوگوں
میں[3]۔ اور ایسا ذکر دے جو بعد کے لوگوں میں باقی رہے[4]۔ اور پہنچا دے مجھ کو میدان
میں اگلے لوگوں کے[5]۔ اور اپنی نعمت کے اتمام کو[6] مجھ پر کامل کر۔ اور (اس
نعمت) کی کرامتیں مجھے میری آنکھوں سے دکھا دے اور اپنے فیوض سے
میرے دونوں ہاتھوں کو بھر دے اور اپنی بزرگ بخشش میری طرف کھینچ لا۔
اور پڑوس میں رکھ مجھ کو اپنے پاکیزہ دوستوں کے اس جنت میں جسے تو
نے اپنے منتخب بندوں کے لیے سجایا ہے اور مجھے ان مقامات میں
جو تیرے دوستوں کے لیے مختص[7] ہیں اپنے شریف عطیوں کا خلعت دے
اور میری خواب گاہ[8] اپنے قرب میں قرار دے، جہاں میں آرام سے رہوں، اور
اور ایسے محل میں (قرار دے) جہاں میں (سکون سے) بیٹھوں اور اپنی
آنکھیں ٹھنڈی کروں۔ اور مت اندازہ[9] کر میرے بڑے گناہوں کا اور نہ

---

۱۔ تَكُونَ کا ترجمہ جو کہ اوپر مذکور ہوا۔

۲۔ یعنی زہد و تقویٰ سے۔

۳۔ یعنی آنے والے لوگ میری زبان کو مجسمہ صدق سمجھیں اور میرے اقوال کو صادق سمجھیں۔

۴۔ یعنی میرے محاسن اخلاق اور زہد و ورع کی بناء پر لوگ مجھے یاد کیا کریں۔

۵۔ یعنی مجھ کو اگلے لوگوں کی صف میں جگہ دے۔ اگلے لوگوں سے اس جگہ اپنے گھرانے کے وہ بزرگ مراد ہیں جو اہل اللہ میں نمایاں طور پر نیک نام ہوئے۔ یعنی حسنین و علی و رسالتمآبؐ تا حضرت ابراہیمؑ و حضرت آدم علیہما السلام۔

۶۔ یعنی کلام پاک میں جس نعمت کو اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (میں نے تم پر اپنی نعمت کو تمام کر دیا) سے تعبیر کیا ہے وہ نعمت مجھ کو تا بدرجہ کمال عطا کر دے۔

۷۔ اَلْمُعَدَّةِ کے لغوی معنی ہیں "مہیا کیے گئے" اور "تیار کیے گئے" مراد مختص اور مخصوص ۸ے بطور مجازیہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ مرنے کے بعد مجھ کو اپنے تقرب کا وہ درجہ عطا کر جو ابدیت کی منزلیں کامیابی کے ساتھ طے کرنے والے مخصوص بندوں کو تیری بارگاہ میں ملا کرتا ہے۔

۹۔ ایک نسخے میں لَا تُقَايِسْنِي کے بجائے لَا تُفَاتِشْنِي لکھا ہے اور جملے کا ترجمہ مترجم نے ان لفظوں میں کیا ہے کہ میرے بڑے گناہوں کی تفتیش نہ کر۔ ہمارے نزدیک تفتیش کرنے کا انتساب خدائے تعالیٰ کی جانب درست نہیں کیونکہ وہ عالم مطلق ہے اور اسے تفتیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اس کے ماسوا لَا تُفَاتِشْنِي کے غلط ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ لغت عرب میں فَتَّشَ اور فَتَشَ مستعمل ہے مگر فَاتَشَ کوئی لغت نہیں جس سے لَا تُفَاتِشْنِي بنایا جا سکے۔

تُهْلِكُنِيْ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ وَ اَزِلْ عَنِّيْ
كُلَّ شَكٍّ وَ شُبْهَةٍ وَ اجْعَلْ لِيْ فِي الْحَقِّ
طَرِيْقًا مِنْ كُلِّ وِجْهَةٍ وَ اَجْزِلْ لِيْ قِسَمَ
الْمَوَاهِبِ مِنْ نَوَالِكَ وَ وَفِّرْ عَلَيَّ حُظُوْظَ
الْاِحْسَانِ مِنْ اِفْضَالِكَ وَ اجْعَلْ قَلْبِيْ
وَاثِقًا بِمَا عِنْدَكَ وَ هَمِّيْ مُسْتَفْرَغًا لِمَا
هُوَ لَكَ وَ اسْتَعْمِلْنِيْ بِمَا تَسْتَعْمِلُ بِهٖ
خَالِصَتَكَ وَ اَشْرِبْ قَلْبِيْ عِنْدَ ذُهُوْلِ
الْعُقُوْلِ طَاعَتَكَ وَ اجْمَعْ لِيَ الْغِنٰى وَ الْعَفَافَ
وَ الدَّعَةَ وَ الْمُعَافَاةَ وَ الصِّحَّةَ وَ السَّعَةَ
وَ الطُّمَاْنِيْنَةَ وَ الْعَافِيَةَ وَ لَا تُحْبِطْ
حَسَنَاتِيْ بِمَا يَشُوْبُهَا مِنْ مَعْصِيَتِكَ

ہلاک کر مجھ کو اس[1] دن جبکہ پوشیدہ باتوں (عیوب) کی جانچ کی جائے گی۔ اور مجھ سے ہر شک[2] و شبہ کو دور رکھ اور میرے لیے ہر طرف[3] سے حق میں (جانے کا) راستہ بنا۔ اور زیادہ کر میرے لیے بخششوں کے حصے اپنی عطا سے۔ اور مجھے اپنے افضال سے احسان اور نیکی کے بہت سے حصے عطا کر۔ اور میرے دل کو اس بات پر اعتماد رکھنے والا قرار دے جو کہ تیرے پاس ہے اور میری فکر کو اس امر کے لیے فارغ (قرار دے) جو کہ تیری خوشنودی کے لیے ہے۔ اور مجھ سے وہ کام لے[4] جو تو نے اپنے مخلص[5] بندوں سے لیا ہے اور جوش پیدا[6] کر دے میرے دل میں، جس وقت کہ عقل[7] زائل ہو، اپنی عبادت کا، اور اکٹھا[8] کر دے میرے لیے بے نیازی، پاک دامنی، راحت، ایک دوسری کو بلا[9] اور آفت سے بچانے کی عادت، صحت، فراخی عیش، اطمینان اور عافیت کو۔ اور میری نیکیوں کو اس گناہ کے سبب باطل نہ کر جو ان (نیکیوں) سے مخلوط ہو جائے اور

---

[1] یعنی روز قیامت جبکہ حساب کتاب ہوگا۔

[2] یعنی دین و شریعت میں جن ضروریات پر یقین لازمی ہے ان کے بارے میں شک و شبہ سے مجھ کو دور رکھ۔

[3] ایک نسخے میں وِجْهَةٍ کی جگہ وَجْهَةٍ نظر سے گزرا مگر اس کا مفہوم سمجھنے سے ذہن ناقص قاصر رہا۔

[4] یعنی اس کام کے کرنے کی توفیق دے۔

[5] ایک نسخہ مطبوعہ میں خَالِصَتَكَ کے مقام پر خَاصَّتَكَ نظر سے گزرا۔ یہ بھی درست ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ تو مجھ سے وہ کام لے جو اپنے خاص بندوں سے لیتا ہے۔

[6] اَشْرِبْ کے لغوی معنی ہیں سیراب کر دے، پلا دے، مجازاً جوش پیدا کر دے۔

[7] عقل زائل ہونے سے وہ عالم مراد ہے جبکہ انسان خواہش نفس سے مغلوب ہو کر کسی کام کا ارتکاب کرتا ہے اور اپنی عقل سے کام نہیں لیتا۔

[8] ایک نسخے میں اِجْمَعْ لِيْ کی جگہ اِجْعَلْ لِيْ نظر سے گزرا جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ سب چیزیں جن کا بعد میں ذکر ہے، میرے لیے قرار دے۔ مفہوم جملہ میں اس طرح بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔

[9] یہ الْمُعَافَاةَ کا ترجمہ ہے۔ ایک مترجم فارسی نے اس لفظ کے معنی بے نیازی کے اور دوسرے مترجم اردو نے معافی کے لکھے ہیں۔ مگر لغت عرب ان دونوں معانی کی تائید نہیں کرتا۔

وَلَا تُخْلِوَانِيْ بِمَا يَعْرِضُ لِيْ مِنْ نَزَغَاتِ
نِتْنَتِكَ[۱] وَصُنْ وَجْهِيْ عَنِ الطَّلَبِ اِلٰى
اَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِيْنَ وَ ذَبِّبْنِيْ عَنِ الْتِمَاسِ
مَا عِنْدَ الْفَاسِقِيْنَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ لِلظَّالِمِيْنَ
ظَهِيْرًا وَلَا لَهُمْ عَلٰى مَحْوِ كِتَابِكَ يَدًا وَّ
نَصِيْرًا وَحُطْنِيْ مِنْ حَيْثُ لَا اَعْلَمُ حِيَاطَةً
تَقِيْنِيْ بِهَا وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ تَوْبَتِكَ وَ
رَحْمَتِكَ وَرَأْفَتِكَ وَرِزْقِكَ الْوَاسِعِ اِنِّيْ
اِلَيْكَ مِنَ الرَّاغِبِيْنَ وَاَتْمِمْ لِيْ اِنْعَامَكَ
اِنَّكَ خَيْرُ الْمُنْعِمِيْنَ وَاجْعَلْ بَاقِيَ عُمْرِيْ
فِي الْحَجِّ وَالْعُمْرَةِ ابْتِغَاءَ وَجْهِكَ يَا رَبَّ
الْعَالَمِيْنَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهِ
الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَالسَّلَامُ عَلَيْهِ وَ
عَلَيْهِمْ اَبَدَ الْاٰبِدِيْنَ ۝

زمیری خلوتوں کو اپنی ان آزمائشوں[۱] کی پیدا کردہ برائیوں کے باعث رباطل
کر) جو ان (خلوتوں) کو عارض ہو جاتی ہیں۔ اور میری آبرو کو دنیا والوں
میں کسی سے بھی کچھ طلب[۲] کرنے سے بچا۔ اور مجھے اس چیز کے طلب سے
دور[۳] رکھ جو فاسقوں کے پاس ہے۔ اور مجھے ظالموں کا پشت پناہ نہ
بنا۔ اور نہ اپنی کتاب (قرآن پاک) کے مٹانے میں ان کا ناصر و مددگار
قرار دے۔ اور مجھے اس[۴] طریقے سے احاطہ کرلے جسے میں نہیں جانتا،
ایسا احاطہ جس کے ذریعہ[۵] تو مجھے بچا سکے۔ اور میرے لیے اپنی توبہ،
اپنی رحمت، اپنی مہربانی، اور اپنی وسیع[۶] روزی کے دروازے کھول
دے۔ بے شک میں تیری طرف راغب ہوں۔ اور مجھ پر اپنا انعام کامل
کر۔ یقیناً تو انعام دینے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ اور قرار دے
میری باقی زندگی کو حج اور عمرہ میں، اپنی رضامندی حاصل کرنے[۷] کی
غرض سے۔ اے تمام جہانوں کے پالنے والے! اور رحمت نازل کر
اے اللہ محمد پر اور ان کی اولاد پر جو کہ پاک و پاکیزہ ہیں۔ اور سلام ہو
ان (محمد) پر اور ان سب (آل) پر ہمیشہ ہمیشہ۔

---

[۱] یعنی میں خلوت میں جو زہد و ریاضت کے[ع] لوازم بجا لاتا ہوں ان کے درمیان تیری جانب سے جو آزمائشیں وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہیں اور میں ان آزمائشوں کے موقع پر لغزش میں پڑ جاتا ہوں تو، اس لغزش کے بدلے میں میری خلوتوں والی زہد و ریاضت کو باطل نہ کر۔ ع= تیری آزمائشیں۔

[۲] یہ صُنْ اور عَنِ الطَّلَبِ کا ترجمہ ہے جو اوپر کی سطر میں آئے ہیں۔

[۳] ذَبِّبْنِيْ کا ترجمہ جو تَذْبِيْبٌ (مصدر) سے بنا ہے۔ ایک نسخے میں اس کی جگہ ذَبِّبْنِيْ لکھا ہے جو لغت عرب میں دور رکھ یا اس کے مرادف معنی میں مستعمل نہیں۔ اسی طرح ایک اور نسخے میں اس کی جگہ دَيِّنِيْ لکھا ہوا ہے جس کا مفہوم سمجھنے سے ذہن ناقص قاصر ہے۔

[۴] یعنی میری دعا تو صرف اتنی ہے کہ تو مجھے چاروں طرف سے گھیر لے تاکہ میں تیری مرضی سے باہر قدم نہ رکھ سکوں۔ اب رہی یہ بات کہ اس طرح گھیرنے کے لیے تو کیا طریقہ اختیار کرے تو اس کے متعلق میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ یہ تیرا کام ہے اس کے لیے تو خود ہی کوئی مناسب راہ پیدا کر۔

[۵] بِهَا کا ترجمہ جو کہ اسی سطر میں ہے۔

[۶] یہ الوَاسِع کا ترجمہ ہے جو اسی سطر میں مذکور ہے۔

[۷] ابتغاء کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔

# وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْجُمُعَةِ

حضرت زین العابدین عید الضحیٰ اور جمعہ کے دن یہ
دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ هٰذَا يَوْمٌ مُبَارَكٌ وَّالْمُسْلِمُوْنَ فِيْهِ مُجْتَمِعُوْنَ فِيْ اَقْطَارِ اَرْضِكَ يَشْهَدُ السَّائِلُ مِنْهُمْ وَالطَّالِبُ وَالرَّاغِبُ وَالرَّاهِبُ وَاَنْتَ النَّاظِرُ فِيْ حَوَائِجِهِمْ فَاَسْئَلُكَ بِجُوْدِكَ وَكَرَمِكَ وَهَوَانِ مَا سَاَلْتُكَ عَلَيْكَ اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَسْئَلُكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا بِاَنَّ لَكَ الْمُلْكَ وَلَكَ الْحَمْدَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ الْحَنَّانُ الْمَنَّانُ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَهْمَا قَسَمْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ خَيْرٍ اَوْ عَافِيَةٍ اَوْ بَرَكَةٍ اَوْ هُدًى اَوْ عَمَلٍ بِطَاعَتِكَ اَوْ خَيْرٍ تَمُنُّ بِهٖ عَلَيْهِمْ

اے اللہ! یہ مبارک دن ہے اور مسلمان اس (دن) میں مجتمع ہیں تیری زمین کے ہر گوشے میں (اس طرح کہ) حاضر ہیں ان میں سے (تجھ سے) سوال کرنے والے، طلب کرنے والے، رغبت کرنے والے اور ڈرنے والے۔ اور تو ان کی حاجتوں کو دیکھ رہا ہے پس[1] سوال کرتا ہوں میں تجھ سے تیری بخشش اور تیرے کرم کے بھروسے[2] پر اور (نیز) اس وجہ سے کہ جو کچھ میں نے سوال کیا وہ تیرے[3] لیے آسان ہے، یہ کہ تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر رحمت نازل کر، اور سوال کرتا ہوں میں تجھ سے اے ہمارے پالنے والے معبود، اس اعتقاد[4] پر کہ تیرے ہی لیے بادشاہت ہے اور تو ہی مستحق حمد ہے، (اور اس لیے کہ) تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے (اور) تو بردبار[5] ہے بخشش والا ہے۔ مہربان ہے۔ احسان کرنے والا ہے۔ صاحب[6] جلال اور صاحب عظمت ہے (اور) آسمانوں اور زمینوں کا موجد وخالق ہے (یہ) کہ جب بھی تقسیم کرے تو اپنے ان بندوں میں جو کہ مومن ہیں (کوئی) نیکی یا عافیت یا برکت یا ہدایت یا اپنی طاعت پر عمل (کرنے کی توفیق) یا کوئی ایسی نیکی جس سے تو ان پر یہ احسان کرے کہ

---

[1] یعنی پس ایسے مبارک دن میں جبکہ سبھی تجھ سے مانگ رہے ہیں، میں بھی تجھ سے سوال کرتا ہوں۔

[2] ب کا ترجمہ جو کہ اسی سطر میں بجودک کے ساتھ آئی ہے۔

[3] یعنی اس کا پورا کرنا۔

[4] بِاَنَّ کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔

[5] خدائے تعالیٰ کی بردباری کو اپنے سوال کرنے کی وجہ قرار دینے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تو گناہوں سے چشم پوشی کر کے میرے سوال کو سنے گا اور پورا کرے گا۔

[6] خدائے تعالیٰ کے جلال کو اپنے سوال کرنے کا سبب قرار دینے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو جلال وعظمت والے ہوتے ہیں ان کی بارگاہ میں ہر شخص کا سوال سنا جاتا ہے اور وہ اپنے پرائے کسی کو محروم نہیں کرتے۔

تَهْدِيْهِمْ بِهٖ اِلَيْكَ اَوْ تَرْفَعُ لَهُمْ
عِنْدَكَ دَرَجَةً اَوْ تُعْطِيْهِمْ بِهٖ خَيْرًا
مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ اَنْ تُوَفِّرَ
حَظِّيْ وَ نَصِيْبِيْ مِنْهُ اَسْئَلُكَ اللّٰهُمَّ بِاَنَّ
لَكَ الْمُلْكَ وَ الْحَمْدَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَنْ
تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَ رَسُوْلِكَ وَ
حَبِيْبِكَ وَ صَفْوَتِكَ وَ خِيَرَتِكَ مِنْ خَلْقِكَ
وَ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ الْاَبْرَارِ الطَّاهِرِيْنَ
الْاَخْيَارِ صَلٰوةً لَا يَقْوٰى عَلٰى اِحْصَآئِهَا
اِلَّا اَنْتَ وَ اَنْ تُشْرِكَنَا فِيْ صَالِحِ مَنْ
دَعَاكَ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ مِنْ عِبَادِكَ
الْمُؤْمِنِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَ اَنْ تَغْفِرَ
لَنَا وَ لَهُمْ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ
اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ تَعَمَّدْتُ بِحَاجَتِيْ وَ بِكَ
اَنْزَلْتُ الْيَوْمَ فَقْرِيْ وَ فَاقَتِيْ وَ مَسْكَنَتِيْ وَ
اِنِّيْ بِمَغْفِرَتِكَ وَ رَحْمَتِكَ اَوْثَقُ مِنِّيْ
بِعَمَلِيْ وَ لَمَغْفِرَتُكَ وَ رَحْمَتُكَ اَوْسَعُ مِنْ
ذُنُوْبِيْ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ تَوَلَّ قَضَآءَ

انھیں اس (نیکی) کے ذریعہ اپنی طرف راستہ دکھائے یا (اس کے ذریعہ) بلند کرے اپنے نزدیک ان کا درجہ یا اس کے ذریعہ انھیں دنیا و آخرت کی کوئی نیکی عطا فرمائے تو زیادہ[1] فرمادے اس (نیکی و احسان) میں میرا حصّہ (پھر) سوال کرتا ہوں میں تجھ سے اے میرے معبود! اس بھروسے پر کہ تیرے ہی لیے ملک اور حمد ہے (اور) نہیں ہے تیرے علاوہ کوئی (دوسرا) معبود، یہ کہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر جو کہ تیرے بندے، رسول، دوست، برگزیدہ اور تیری تمام مخلوق میں منتخب ہیں۔ اور محمدؐ کی اولاد پر جو کہ نیک، پاک (اور) پسندیدہ ہیں۔ اتنی (کثیر) رحمت جس کے احاطے پر تیرے علاوہ کوئی قادر نہ ہو۔ اور یہ (سوال کرتا ہوں) کہ تو ہم کو اپنے ان نیک بندوں میں شامل کر جنھوں نے تیرے ایمان والے بندوں میں سے آج کے دن تجھ سے دعا مانگی ہے۔ اے تمام جہانوں کے پالنے والے! اور یہ (سوال کرتا ہوں) کہ تو ہم کو اور ان (مومنین[2]) کو بخش دے۔ بے شک تو ہر بات[3] پر قدرت رکھتا ہے۔ اے میرے معبود! میں تیری ہی طرف اپنے قصد[4] و ارادہ سے اپنی حاجت لایا ہوں اور تیرے ہی سامنے پیش کر رہا ہوں آج کے دن، اپنی احتیاج، اپنے فقر اور اپنی مسکینی کو۔ اور یقیناً میں تیری مغفرت اور تیری رحمت پر زیادہ بھروسا رکھتا ہوں اپنے عمل[5] کے مقابلے میں۔ اور بے شک تیری مغفرت اور تیری رحمت میرے گناہوں سے زیادہ وسیع ہے۔ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر اور میری ہر حاجت کو تو خود ہی پورا

---

ل اَنْ تُوَفِّرَ کا ترجمہ۔ یہ کلمہ اَسْئَلُكَ سے متعلق ہے جو ۲۳۳ سطر ۱ میں مذکور ہوا۔ مراد یہ ہے کہ میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ ان تمام نیکیوں اور احسانوں میں مجھے وافر حصّہ مرحمت فرما۔

ل الْمُؤْمِنِيْنَ کا ترجمہ جو بعد کی تیسری سطر میں ہے۔

ل شَيْءٍ کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

ل یعنی میرا یہ عمل اتفاقی یا اضطراری نہیں ہے بلکہ اپنے ارادے کے تحت ایسا کر رہا ہوں کیونکہ مجھے یہ معلوم ہے کہ تیرے علاوہ کوئی اور حاجتوں کا بر لانے والا نہیں ہے۔

ل یعنی مجھے اپنے عمل پر بھروسا نہیں ہے کہ وہ قابل قبول ہوگا یا اس کے وسیلے سے میرا سوال سن لیا جائے گا بلکہ بھروسا صرف تیری رحمت و مغفرت پر ہے۔

كُلِّ حَاجَةٍ هِيَ لِي بِقُدْرَتِكَ عَلَيْهَا وَ
تَيْسِيرِ ذٰلِكَ عَلَيْكَ وَبِفَقْرِي إِلَيْكَ وَغِنَاكَ
عَنِّي فَإِنِّي لَمْ أُصِبْ خَيْرًا قَطُّ إِلَّا مِنْكَ
وَلَمْ يَصْرِفْ عَنِّي سُوْءًا قَطُّ أَحَدٌ غَيْرُكَ
وَلَا أَرْجُو لِأَمْرِ آخِرَتِي وَدُنْيَايَ سِوَاكَ
اَللّٰهُمَّ مَنْ تَهَيَّأَ وَتَعَبَّأَ وَأَعَدَّ وَاسْتَعَدَّ
لِوِفَادَةٍ إِلَى مَخْلُوقٍ رَجَاءَ رِفْدِهِ وَنَوَافِلِهِ
وَطَلَبَ نَيْلِهِ وَجَائِزَتِهِ فَإِلَيْكَ يَا مَوْلَايَ
كَانَتِ الْيَوْمَ تَهْيِئَتِي وَتَعْبِيَتِي وَإِعْدَادِي
وَاسْتِعْدَادِي رَجَاءَ عَفْوِكَ وَرِفْدِكَ وَطَلَبَ
نَيْلِكَ وَجَائِزَتِكَ اَللّٰهُمَّ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَآلِ مُحَمَّدٍ وَلَا تُخَيِّبِ الْيَوْمَ ذٰلِكَ مِنْ
رَجَائِي يَا مَنْ لَا يُحْفِيهِ سَائِلٌ وَلَا يَنْقُصُهُ
نَائِلٌ فَإِنِّي لَمْ آتِكَ ثِقَةً مِنِّي بِعَمَلٍ صَالِحٍ
قَدَّمْتُهُ وَلَا شَفَاعَةِ مَخْلُوقٍ رَجَوْتُهُ إِلَّا

کر اس لیے کہ تو اس[1] پر قادر ہے اور (اس لیے) کہ یہ بات تیرے نزدیک
آسان ہے اور (اس لیے) کہ میں تیرا محتاج ہوں اور تو مجھ سے بے نیاز ہے
پس یقیناً مجھے کبھی کوئی بھلائی سوائے تیرے کسی سے نہیں ملی اور میری کسی
برائی کو کبھی کسی[2] نے نہیں دور[3] کیا سوائے تیرے۔ اور نہ میں اپنے کسی دنیاوی
یا اخروی کام کے لیے تیرے غیر سے کوئی امید رکھتا ہوں۔ اے اللہ! جو شخص[4]
آمادہ اور مہیا اور مستعد اور تیار ہوا ہو کسی بندے کے پاس جانے کے لیے
اس (بندہ) کے صلہ اور بخشش[5] کی امید کر کے اور اس (بندے) کا انعام و
اکرام طلب کرنے کے لیے (تو ہوا کرے) لیکن میں آج کے دن اے میرے
مالک تیری جانب آمادہ اور مہیا اور مستعد اور تیار ہوں تیری معافی اور تیرے[6] صلہ
کی امید پر، اور تجھ سے انعام و اکرام طلب کرنے کے لیے۔ اے میرے معبود!
پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر اور آج (میری) اس
آمادگی کو میری امید کے پانے سے محروم نہ کر۔ اے وہ (کریم) جسے نہیں روک
سکتا کوئی سوال کرنے والا اور نہ کوئی عطا[7] اس کو گھٹا سکتی ہے۔ پس میں
تیرے پاس (اپنے) کسی نیک عمل کے اعتماد[8] پر نہیں آیا جسے میں نے پہلے
کیا ہو اور نہ کسی مخلوق کی سفارش کے بھروسے پر آیا ہوں (جس کی میں نے

---

[1] عَلَيْهَا کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔
[2] أَحَدٌ کا ترجمہ جو اخیر سطر میں ہے۔
[3] لَمْ يَصْرِفْ کے لغوی معنی نہیں منہ پھیرا، نہیں روگرداں کیا، مجازاً نہیں ہٹایا اور نہیں دور کیا۔
[4] سیاق کلام کے اعتبار سے یہ جملہ ایسے مفہوم کو ادا کر رہا ہے جسے ہم اردو زبان میں اس طرح ادا کرتے ہیں کہ "اگر دنیا میں کوئی شخص کسی بندے کی طرف اپنی حاجت لے جانے کے لیے تیار ہے تو ہوا کرے، مجھے اس سے کوئی غرض اور واسطہ نہیں مگر میں خود سوائے تیرے اور کسی کے پاس اپنی حاجت لے جانے کے لیے تیار نہیں ہوں"۔
[5] نوافلہ کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے۔
[6] رِفْدِكَ کا ترجمہ جو اگلی سطر میں مذکور ہے۔
[7] یعنی کوئی عطا کرنے سے اس کے خزانے میں کسی قسم کی کمی نہیں آ سکتی۔
[8] بِ کا ترجمہ جو عمل سے پہلے آئی ہے۔

شَفاعَةَ مُحَمَّدٍ وَ اَهْلِ بَيْتِهٖ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ
سَلامُكَ اَتَيْتُكَ مُقِرًّا بِالْجُرْمِ وَالْاِساءَةِ
اِلٰى نَفْسِيْ اَتَيْتُكَ اَرْجُوْ عَظِيْمَ عَفْوِكَ الَّذِيْ
عَفَوْتَ بِهٖ عَنِ الْخاطِئِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَمْنَعْكَ
طُوْلُ عُكُوْفِهِمْ عَلٰى عَظِيْمِ الْجُرْمِ اَنْ
عُدْتَ عَلَيْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَ الْمَغْفِرَةِ فَيَا مَنْ
رَحْمَتُهٗ واسِعَةٌ وَعَفْوُهٗ عَظِيْمٌ يا عَظِيْمُ
يا عَظِيْمُ يا كَرِيْمُ يا كَرِيْمُ صَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَعُدْ عَلَيَّ بِرَحْمَتِكَ
وَ تَعَطَّفْ عَلَيَّ بِفَضْلِكَ وَ تَوَسَّعْ عَلَيَّ
بِمَغْفِرَتِكَ اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا الْمَقامَ
لِخُلَفائِكَ وَ اَصْفِيائِكَ وَمَواضِعَ اُمَنائِكَ
فِي الدَّرَجَةِ الرَّفِيْعَةِ الَّتِيْ اخْتَصَصْتَهُمْ
بِها قَدِ ابْتَزُّوْها وَاَنْتَ الْمُقَدِّرُ لِذٰلِكَ
لا يُغالَبُ اَمْرُكَ وَلا يُجاوَزُ الْمَحْتُوْمُ مِنْ
تَدْبِيْرِكَ كَيْفَ شِئْتَ وَاَنّٰى شِئْتَ وَلِما اَنْتَ

آس لگائی ہو سوائے محمدؐ کی سفارش کے اور ان کے اہل بیت (کی سفارش)
کے۔ اس (محمدؐ) پر اور ان (اہل بیت) پر تیرا اسلام پہنچے۔ میں تیرے سامنے
اقرار کرتا ہوا آیا ہوں خود ہی اپنے جرم و گناہ کا۔ اس حالت میں کہ میں تیری
اس معافی کی امید رکھتا ہوں جس سے تو نے خطا کاروں کو معاف کیا پھر ان
(خطا کاروں) کے طویل عرصے تک بڑے گناہ[1] پر اصرار کرنے نے (بھی) اس
بات سے تجھے[2] نہ روکا کہ تو ان پر مغفرت اور رحمت نازل کرے پس اے
وہ (معبود) جس کی رحمت وسیع ہے اور جس کی معافی بزرگ ہے اے
عظمت والے! اے عظمت والے! اے کرم والے! اے کرم والے!
رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر اور مجھ پر اپنی رحمت سے
احسان کر اور مہربانی فرما مجھ پر اپنے فضل سے۔ اور اپنی مغفرت کو میرے
لیے وسیع کر۔ اے میرے معبود! بے شک یہ مقام[3] تیرے جانشینوں اور تیرے
برگزیدہ بندوں کا ہے اور تیرے امانت داروں کی منزل ہے اس[4] بلند درجے
میں جس کے ساتھ تو نے ان کو مختص کر دیا ہے یقیناً (لوگوں[5] نے) اس
درجے کو ان سے چھین لیا اور تو نے ایسا ہی مقدر کر دیا تھا۔ نہیں مغلوب[6]
بنایا جا سکتا تیرے حکم کو اور تیری واجبی تدبیر سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔[7]
جس طرح تو چاہے اور جہاں کہیں چاہے اور جس (مصلحت) کو تو ہی سب[8] سے

---

[1] عَظِيْمِ الْجُرْمِ کا ترجمہ جو کہ اسی سطر میں ہے۔

[2] لَمْ يَمْنَعْكَ کا ترجمہ جو اوپر مذکور ہوا۔

[3] عید اور جمعہ کی امامت اور خطابت کی جانب اشارہ فرمایا ہے۔

[4] الَّتِيْ کا ترجمہ جو کہ بعد کی سطر میں ہے۔

[5] بنو امیہ نے۔

[6] یعنی جبکہ اپنے خلفاء و اصفیاء کے امتحان کے لیے تیری یہی مرضی تھی کہ ان کا درجہ ان سے چھین لیا جائے تو پھر وہ تیری مرضی کے خلاف اپنا حق کس طرح واپس لے سکتے تھے۔

[7] یعنی جس طرح اور جہاں کہیں تو کوئی بات چاہے اس میں تیری واجبی اور لازمی تدبیر سے روگردانی کرنا انسان کے قبضۂ قدرت میں نہیں۔

[8] یعنی مقدرات اور ان کے مصالح۔

اَعْلَمُ بِهٖ غَيْرُ مُتَّهَمٍ عَلٰى خَلْقِكَ وَ لَا
لِاِرَادَتِكَ حَتّٰى عَادَ صِفْوَتُكَ وَخُلَفَآءُكَ
مَغْلُوْبِيْنَ مَقْهُوْرِيْنَ مُبْتَزِّيْنَ يَرَوْنَ حُكْمَكَ
مُبَدَّلًا وَكِتَابَكَ مَنْبُوْذًا وَ فَرَآئِضَكَ مُحَرَّفَةً
عَنْ جِهَاتِ اَشْرَاعِكَ وَسُنَنَ نَبِيِّكَ مَتْرُوْكَةً
اَللّٰهُمَّ الْعَنْ اَعْدَآءَهُمْ مِنَ الْاَوَّلِيْنَ وَ
الْاٰخِرِيْنَ وَ مَنْ رَضِيَ بِفِعَالِهِمْ وَاَشْيَاعَهُمْ
وَاَتْبَاعَهُمْ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَ اٰلِ
مُحَمَّدٍ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ كَصَلَوَاتِكَ وَ
بَرَكَاتِكَ وَ تَحِيَّاتِكَ عَلٰى اَصْفِيَآئِكَ
اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلِ اِبْرٰهِيْمَ وَعَجِّلِ الْفَرَجَ وَ
الرَّوْحَ وَالنُّصْرَةَ وَ التَّمْكِيْنَ وَ التَّاْيِيْدَ لَهُمْ
اَللّٰهُمَّ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ اَهْلِ التَّوْحِيْدِ وَالْاِيْمَانِ

زیادہ جانتا ہے (اس میں) تہمت نہیں لگائی جاسکتی تیرے[۱] پیدا کرنے پر
اور نہ تیرے ارادے پر۔ یہاں تک[۲] کہ تیرے برگزیدہ اور جانشین بندے
مغلوب[۳] اور محکوم ہو گئے ان سے ان کا حق[۴] چھین لیا گیا (اب) وہ
دیکھ[۵] رہے ہیں تیرے حکم کو بدلا[۶] ہوا۔ تیری کتاب کو پھینکا[۷] ہوا۔ تیرے
فرائض کو تیری شریعتوں کے طریقوں سے تبدیل کیا ہوا اور تیرے نبی
کی سنتوں کو ترک کیا ہوا۔ اے اللہ! لعنت کر اُن (خلفائے الٰہیہ) کے
اگلے اور پچھلے دشمنوں پر، اور اس شخص پر جو ان کے عمل سے راضی
ہو اور ان کے پیرؤں اور اتباع کرنے والوں پر۔ اے اللہ رحمت
نازل کر محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر بے شک تو مستحق تعریف اور بزرگی
والا ہے۔ جس طرح کہ تو نے رحمت، برکت اور سلام نازل کیا تھا اپنے
منتخب بندوں (یعنی) ابراہیمؑ اور اولاد ابراہیمؑ پر۔ اور ان[۸] (آل محمدؐ)
کو جلد عطا کر دے کشائش، راحت، نصرت، اقتدار، اور قوت۔ اے
اللہ! قرار دے مجھ کو تجھ پر ایمان لانے والوں، اور تیری توحید

---

۱ه یعنی لاکھ تیری مصلحت انسان کی خواہش اور منشا کے خلاف ہو مگر تجھ پر یہ اتہام والزام کبھی نہیں لگایا جاسکتا کہ اس طرح کرنا تھا تو پیدا ہی کیوں کیا تھا۔ اسی طرح تیرے ارادے پر بھی تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔

۲ه چار سطر پہلے جہاں یہ کہا گیا تھا کہ "یقیناً لوگوں نے اس درجے کو ان سے چھین لیا" اس کے بعد کی تمام عبارت جملۂ معترضہ کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ جملہ جو "یہاں تک" کے لفظ سے شروع ہوا مذکورہ جملے سے مربوط ہے جس کا خاتمہ "چھین لیا" پر ہوا تھا۔

۳ه ان واقعات کی جانب اشارہ جو بنی امیہ کے دور میں آل محمدؐ کو مغلوب و محکوم اور مقتول و محبوس بنانے کے لیے پیش آئے۔

۴ه یعنی خلافت الٰہیہ کا منصب جیسا کہ اسی دعا کے ان کلمات سے ظاہر ہوتا ہے جن میں اوپر کہا گیا ہے کہ اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا الْمَقَامَ لِخُلَفَآئِكَ الخ۔

۵ه یعنی دیکھنے پر مجبور ہیں۔

۶ه تمام ارباب تاریخ نے اتفاق کیا ہے کہ بنی امیہ نے اسلام کے نام سے شہنشاہیت اور آمریت کی بنیاد ڈالی حالانکہ اسلام نے یہ حکم نہیں دیا تھا۔ اسی تغیر کی جانب ان کلمات میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۷ه چونکہ کتاب اللہ کے احکام پر سلاطین بنی امیہ عمل نہیں کرتے تھے اور ذاتی اغراض کے تحت حکومت چلاتے تھے اور اس طرح انھوں نے کتاب اللہ کو بالکل بالکل پشت ڈال دیا تھا اس لیے یہ کہا گیا کہ ان کے دور میں کتاب اللہ پھینک دی گئی تھی۔

۸ه لَهُمْ کا ترجمہ جو اگلی سطر میں التَّاْيِيْد کے بعد آیا ہے۔

بِكَ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِكَ وَالْاَئِمَّةِ
الَّذِيْنَ حَتَمْتَ طَاعَتَهُمْ مِمَّنْ يَجْرِيْ
ذٰلِكَ بِهٖ وَ عَلٰى يَدَيْهِ اٰمِيْنَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ
اَللّٰهُمَّ لَيْسَ يَرُدُّ غَضَبَكَ اِلَّا حِلْمُكَ وَ
لَا يَرُدُّ سَخَطَكَ اِلَّا عَفْوُكَ وَلَا يُجِيْرُ
مِنْ عِقَابِكَ اِلَّا رَحْمَتُكَ وَلَا يُنْجِيْنِيْ مِنْكَ
اِلَّا التَّضَرُّعُ اِلَيْكَ وَبَيْنَ يَدَيْكَ فَصَلِّ
عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَهَبْ لَنَا يَآ اِلٰهِيْ
مِنْ لَّدُنْكَ فَرَجًا بِالْقُدْرَةِ الَّتِيْ
بِهَا تُحْيِيْ اَمْوَاتَ الْعِبَادِ وَبِهَا تَنْشُرُ
مَيْتَ الْبِلَادِ وَلَا تُهْلِكْنِيْ يَآ اِلٰهِيْ

کے ماننے والوں، اور تیرے رسول اور واجب[1] الاطاعت اماموں کی تصدیق کرنے والوں میں سے ان لوگوں میں، جن کے ذریعہ سے اور جن کے ہاتھ پر یہ بات[2] جاری ہے قبول کر! اے تمام جہانوں کے پالنے والے! اے اللہ! نہیں دور کر سکتا تیرے غضب کو کوئی سوائے تیری بردباری کے۔ اور تیری ناراضی کو بجز تیری معافی کے کوئی نہیں روک سکتا اور نہیں بچا سکتی تیرے عذاب سے کوئی چیز سوائے تیری رحمت کے اور نہ مجھ کو تجھ[3] سے کوئی چیز نجات دلا سکتی ہے سوائے اس کے کہ گریہ وزاری کروں تیری طرف رجوع کر کے اور تیرے سامنے پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر اور میرے اللہ ہمیں عطا کر اپنی جانب[4] سے کشائش، اس قدرت کے ذریعہ جس سے تو مُردہ بندوں[5] کو زندہ کر دیتا ہے اور جس سے تو دوبارہ جان ڈال دیتا ہے مرے ہوئے شہروں[6] میں، اور اے میرے

---

[1] یہ الَّذِیْنَ حَتَمْتَ طَاعَتَہُمْ کا مختصر مفہوم ہے جس کے لفظی معنی یہ ہیں ایسے ائمہ جن کی اطاعت تو نے واجب ولازم کی ہے۔

[2] یعنی جو خدا پر ایمان لانے، توحید کا عقیدہ رکھنے، اور رسول و ائمہ کی تصدیق کرنے کی تبلیغ کرتے ہیں اور ان کی زندگی کا نصب العین ہی ان باتوں کی تبلیغ و اشاعت ہے۔

[3] یعنی تیرے غصہ اور عتاب سے۔

[4] یعنی اپنے فضل وکرم سے نہ کہ ہمارے استحقاق کی بنا پر۔ مراد یہ ہے کہ ہم اپنا کوئی حق جتا کر کشائش کے طالب نہیں بلکہ محض تیرے تفضل کے پیش نظر کشائش کے خواہش مند ہیں۔

[5] جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ و دیگر انبیاء کے ہاتھ سے ظہور میں آیا۔

[6] جیسا کہ عہد رسول میں جمعیتیں زندہ کر دی گئیں۔ اس کے علاوہ مجاز مرسل کا ایک طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی شے کی طرف وہ صفت حال میں منسوب کی جائے جو مستقبل میں ظہور پذیر ہو گی جس طرح کہ انسان کو "مشتِ خاک" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی طرح چونکہ خدائے تعالیٰ روز قیامت تمام عالم کے مُردوں کو زندہ کر دے گا اور اس کی اس صفت پر یقین رکھنا جزو اسلام ہے جس کے بغیر محض اقرار توحید و رسالت سے کوئی شخص مسلمان نہیں ہوتا اس لیے مرے ہوئے شہروں میں دوبارہ جان ڈالنے کا انتساب خدائے تعالیٰ کی طرف درست ہے۔ ان سب باتوں سے قطع نظر ان الفاظ میں مجاز کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ یہ کہ خدائے تعالیٰ غیر ذی روح اور بالکل بنجر اور کلر زمین کو سرسبز وشاداب کر کے نخلستان اور سبزہ زار بنا دیتا ہے اور خشک سالی کے مارے ہوئے علاقوں کو پیداوار سے مالا مال کر دیتا ہے، اس اعتبار سے بھی مردہ شہروں کو دوبارہ زندہ کر دینے کا انتساب اس کی جانب صحیح و درست ہے۔

غَمًّا حَتّٰى تَسْتَجِيْبَ لِيْ وَ تُعَرِّفَنِي الْاِجَابَةَ فِيْ دُعَآئِيْ وَ اَذِقْنِيْ طَعْمَ الْعَافِيَةِ اِلٰى مُنْتَهٰى اَجَلِيْ وَلَا تُشْمِتْ بِيْ عَدُوِّيْ وَلَا تُمَكِّنْهُ مِنْ عُنُقِيْ وَلَا تُسَلِّطْهُ عَلَيَّ اِلٰهِيْ اِنْ رَفَعْتَنِيْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَضَعُنِيْ وَاِنْ وَضَعْتَنِيْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَرْفَعُنِيْ وَاِنْ اَكْرَمْتَنِيْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يُهِيْنُنِيْ وَاِنْ اَهَنْتَنِيْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يُكْرِمُنِيْ وَ اِنْ عَذَّبْتَنِيْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَرْحَمُنِيْ وَ اِنْ اَهْلَكْتَنِيْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْرِضُ لَكَ فِيْ عَبْدِكَ اَوْ يَسْئَلُكَ عَنْ اَمْرِهٖ وَقَدْ عَلِمْتُ اَنَّهٗ لَيْسَ فِيْ حُكْمِكَ ظُلْمٌ وَ لَا فِيْ نِقْمَتِكَ عَجَلَةٌ وَاِنَّمَا يَعْجَلُ مَنْ يَخَافُ الْفَوْتَ وَاِنَّمَا يَحْتَاجُ اِلَى الظُّلْمِ الضَّعِيْفُ وَقَدْ تَعَالَيْتَ يَآ اِلٰهِيْ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِيْرًا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ

معبود مجھے فکر[1] یا ہلاک نہ کر یہاں تک کہ تو میری دعا قبول کر لے اور مجھ کو باخبر کرے میری دعا کے قبول ہو جانے کے متعلق۔ اور مجھے[2] عافیت کا مزا میری انتہائے عمر تک چکھا اور مجھ پر میرے دشمن کو ہنسنے کا موقع نہ دے اور نہ اسے میری گردن دبانے دے اور نہ اس کو مجھ پر مسلّط ہونے دے۔ اے میرے معبود! اگر تو مجھے عزّت دے تو پھر کون مجھے پست کر سکتا ہے۔ اور اگر تو ہی مجھے پست کر دے تو پھر کون مجھے بلند کرے گا۔ اور اگر تو مجھے عزّت دے تو کس کی مجال ہے کہ مجھے رسوا و ذلیل کر سکے اور اگر تو ہی مجھے رسوا کرے تو کوئی مجھے عزّت نہیں دے سکتا۔ اور اگر تو مجھ پر عذاب کرے تو پھر کون مجھ پر رحم کھا سکتا ہے۔ اور اگر تو مجھے ہلاک کرے تو کون تیرے[3] سامنے آ سکتا[4] ہے تیرے بندے کے معاملے میں۔ یا (کون) تجھ سے اس (بندے) کے معاملے کی بابت پوچھ سکتا ہے اور میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں کہ نہیں ہوتا تیرے حکم میں (کسی قسم کا) ظلم اور نہیں ہوتی تیری[5] سزا میں (کسی طرح کی) جلدی۔ اس لیے کہ جلدی تو وہ کیا کرتا ہے جسے (معاملہ کے) ہاتھ سے نکل جانے کا ڈر ہو اور ظلم کی احتیاج اسی کو ہوتی ہے جو کمزور[6] ہو اور تو یقیناً اے میرے معبود! اس سے بالاتر ہے، بہت زیادہ بالاتر۔ اے اللہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر اور مت بنا مجھ کو آزمائش کا مرکز۔

---

[1] یعنی میری دعا جلد قبول کرلے اور مجھے اس بات کا یقین دلا دے کہ میری دعا قبول ہو گئی تاکہ میں انتظار اور فکر میں نہ گھلتا رہوں۔

[2] یعنی مدۃ العمر مجھے عافیت سے بہرہ اندوز فرما۔

[3] لک کا ترجمہ جو کہ بعد کی سطر میں ہے۔

[4] یعنی روک سکتا ہے۔

[5] یعنی تو بندے کو سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا اور برابر ڈھیل دیتا ہے تاکہ اسے توبہ کرنے اور گناہ سے باز آنے کا اچھی طرح موقع مل جائے۔

[6] یعنی جسے یہ خوف ہو کہ شاید آئندہ اس بات میں اتنی قوت باقی نہ رہے اور جسے آج دبا کر قابو میں کر لیا ہے، آگے چل کر اس پر قابو نہ پا سکے۔

وَ لَا تَجْعَلْنِي لِلْبَلَاءِ غَرَضاً
وَ لَا لِنِقْمَتِكَ نَصَباً وَ مَهِّلْنِي وَ
نَفِّسْنِي وَ أَقِلْنِي عَثْرَتِي وَ لَا
تَبْتَلِيَنِّي بِبَلَاءٍ عَلَى أَثَرِ بَلَاءٍ
فَقَدْ تَرَى ضَعْفِي وَ قِلَّةَ حِيلَتِي
وَ تَضَرُّعِي إِلَيْكَ أَعُوذُ بِكَ اللّٰهُمَّ
الْيَوْمَ مِنْ غَضَبِكَ فَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ
وَ آلِهِ وَ أَعِذْنِي وَ أَسْتَجِيرُ
بِكَ الْيَوْمَ مِنْ سَخَطِكَ فَصَلِّ عَلَى
مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ أَجِرْنِي وَ أَسْأَلُكَ
أَمْناً مِنْ عَذَابِكَ فَصَلِّ عَلَى
مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ آمِنِّي وَ أَسْتَهْدِيكَ
فَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ اهْدِنِي
وَ أَسْتَنْصِرُكَ فَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ
وَ آلِهِ وَ انْصُرْنِي وَ أَسْتَرْحِمُكَ فَصَلِّ
عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ ارْحَمْنِي وَ أَسْتَكْفِيكَ
فَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ آلِهِ وَ اكْفِنِي
وَ أَسْتَرْزِقُكَ فَصَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ
آلِهِ وَ ارْزُقْنِي وَ أَسْتَعِينُكَ فَصَلِّ

اور نہ اپنی سزا کا نشانہ[1]۔ اور مجھے مہلت دے اور میرے رنج و غم کو دور
کر اور میری لغزش کو معاف فرما اور نہ مبتلا کر مجھ کو ایک آزمائش کے
بعد دوسری آزمائش میں کیونکہ یقیناً تو دیکھ رہا ہے میری کمزوری کو
اور میری بے چارگی کو اور اپنی بارگاہ میں میری گریہ وزاری و عاجزی کو
اے میرے اللہ میں آج تجھی سے تیرے غصہ سے پناہ چاہتا ہوں پس
رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھے پناہ دے اور آج
میں تجھی سے تیری ناراضی سے پناہ چاہتا ہوں پس رحمت نازل کر تو
محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھے پناہ دے۔ اور میں تجھی سے تیرے
عذاب سے محفوظ رہنے کا سائل ہوں پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر
اور ان کی اولاد پر اور مجھے اپنی حفاظت میں رکھ۔ اور میں تجھ سے
ہدایت[2] کا طالب ہوں پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر
اور مجھے ہدایت پر برقرار رکھ اور میں تجھ سے (اپنی) مدد چاہتا
ہوں۔ پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور میری مدد
کر۔ اور میں تجھ سے رحم کا خواستگار ہوں پس رحمت نازل کر تو محمدؐ
پر اور ان کی اولاد پر اور مجھ پر رحم کر۔ اور میں تجھ سے یہ چاہتا ہوں
کہ تو میرے ہر کام میں میرے لیے کافی ہو پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر
اور ان کی اولاد پر اور میرے لیے کافی ہو جا۔ اور میں تجھ سے طلب رزق
کرتا ہوں پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور مجھے رزق
عطا کر اور میں تیری اعانت کا خواہش مند ہوں پس رحمت نازل کر

---

[1] ایک مترجم نے اس کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے "مجھ کو اپنی سزا کی چاندماری نہ بنا"۔ یہ ترجمہ نہ صرف یہ کہ غلط ہے بلکہ سوء ادب بھی ہے جس کی تفصیل و تشریح یہ ہے کہ چاندماری اس لیے کی جاتی ہے کہ نشانہ باز کو نشانہ لگانے کی مشق ہو جائے تاکہ ضرورت کے موقع پر اس کا نشانہ خطا نہ کرے۔ نیز جس جگہ کو وہ اپنا مرکز نگاہ بنا کر اس پر نشانہ لگاتا ہے وہ کسی سزا وغیرہ کی مستحق نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے نزول عذاب کو نعوذ باللہ اس قسم کا فعل قرار دینا جیسا کہ چاندماری ہوتی ہے، حد درجہ بے ادبی اور اس کے صفات کمالیہ کی انتہائی اہانت ہے۔

[2] یعنی ہدایت پر برقرار رہنے کا طالب ہوں کیونکہ مجرد ہدایت تو اسی بات سے ثابت ہے کہ بندہ اس طرح عاجزی کے ساتھ بارگاہ احدیت میں دست بدعا ہے۔

عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَ اَعِنِّیْ وَ
اَسْتَغْفِرُكَ لِمَا سَلَفَ مِنْ ذُنُوْبِیْ
فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاغْفِرْلِیْ
وَ اَسْتَعْصِمُكَ فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ
وَّ اٰلِہٖ وَ اعْصِمْنِیْ فَاِنِّیْ لَنْ اَعُوْدَ
لِشَیْءٍ كَرِهْتَهٗ مِنِّیْ اِنْ شِئْتَ
ذٰلِكَ یَا رَبِّ یَا رَبِّ یَا حَنَّانُ یَا
مَنَّانُ یَا ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاسْتَجِبْ
لِیْ جَمِیْعَ مَا سَئَلْتُكَ وَ طَلَبْتُ
اِلَیْكَ وَ رَغِبْتُ فِیْهِ اِلَیْكَ وَ
اَرِدْهُ وَ قَدِّرْهُ وَاقْضِهٖ وَاَمْضِهٖ
وَخِرْلِیْ فِیْمَا تَقْضِیْ مِنْهُ وَ بَارِكْ
لِیْ فِیْ ذٰلِكَ وَ تَفَضَّلْ عَلَیَّ بِهٖ
وَاَسْعِدْنِیْ بِمَا تُعْطِیْنِیْ مِنْهُ وَ
زِدْنِیْ مِنْ فَضْلِكَ وَسَعَةِ مَا عِنْدَكَ
فَاِنَّكَ وَاسِعٌ كَرِیْمٌ وَصِلْ ذٰلِكَ بِخَیْرِ
الْاٰخِرَةِ وَ نَعِیْمِهَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ
وَ صَلِّ رکعتین و صَلِّ علی محمد و اٰلہٖ وسلم
تسلیمًا الف مرة ھکذا کان یفعل علیه السلام

تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور میری اعانت کر۔ اور میں نے جو گناہ کیے
ہیں ان کی معافی کا تجھ سے طالب ہوں پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور
ان کی اولاد پر اور مجھے معاف کر دے۔ اور میں تجھ سے (اپنی) حفاظت[1] چاہتا
ہوں پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور میری حفاظت کر۔
کیونکہ میں ہرگز اس چیز کا، جسے تو نے ناپسند کیا ہے اعادہ نہیں کر سکتا۔
بشرطیکہ تو ایسا چاہے[2]۔ اے میرے پالنے والے! اے میرے پالنے والے!
اے مہربان! اے احسان کرنے والے! اے جلال اور عظمت والے! رحمت
نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور پوری کر دے میری وہ تمام باتیں
جو میں نے تجھ سے مانگی ہیں اور طلب کی ہیں اور جن کے متعلق میں نے تیری
جانب رغبت کی ہے اور ان (تمام مطالب کے پورا کرنے) کا ارادہ کر
اور انھیں مقدر کر اور ان کا حکم کر اور اس حکم کو جاری کر دے۔ اور جو
کچھ تو حکم جاری کرے اس میں میرے لیے بھلائی قرار دے اور میرے لیے
اس (حکم) میں برکت دے اور مجھ پر اس (حکم) کے ذریعے تفضل فرما۔ اور
جو کچھ تو مجھے عطا کرے اس سے مجھے نیک بخت کر اور اپنے فضل اور
تو انگری سے جو کہ تجھ سے مختص[3] ہے، مجھے عطا کر زیادہ کیونکہ ضرور تو
وسعت دینے والا، کرم کرنے والا ہے اور اس (عطا) کو آخرت کی بھلائی
اور اس کی نعمتوں سے ملا دے۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ
رحم کرنے والے۔

(اس کے بعد) دو رکعت نماز پڑھیے اور محمدؐ اور آل محمدؐ پر درود و
سلام بھیجیے، ایک ہزار[4] مرتبہ حضرت زین العابدینؑ اسی طرح کیا کرتے تھے۔

---

لہ مراد یہ ہے کہ اس بات سے میری حفاظت کر کہ دوبارہ مجھ سے وہ عمل سرزد نہ ہو جو تجھے ناپسند ہے۔

۲ ذلک کا ترجمہ جو کہ بعد کی سطر میں ہے۔

۳ ما عندک کا لغوی ترجمہ "جو تیرے پاس ہے" مراد جو تجھ سے مختص ہے۔

۴ اس کے بعد ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے جو کچھ مقصد دل میں ہو وہ طلب کیا جائے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ دِفَاعِ كَيْدِ الْاَعْدَآءِ وَرَدِّ بَاْسِهِمْ

حضرت زین العابدینؑ دشمنوں کے مکر سے بچنے اور ان کے رعب و دبدبہ سے محفوظ رہنے کے لیے یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔

اِلٰهِیْ هَدَیْتَنِیْ فَلَهَوْتُ وَ وَعَظْتَ فَقَسَوْتُ وَ اَبْلَیْتَ الْجَمِیْلَ فَعَصَیْتُ ثُمَّ عَرَفْتُ مَا اَصْدَرْتَ اِذْ عَرَّفْتَنِیْهِ فَاسْتَغْفَرْتُ فَاَقَلْتَ فَعُدْتُ فَسَتَرْتَ فَلَكَ اِلٰهِیْ الْحَمْدُ تَقَحَّمْتُ اَوْدِیَةَ الْهَلَاكِ وَ حَلَلْتُ شِعَابَ تَلَفٍ تَعَرَّضْتُ فِیْهَا لِسَطَوَاتِكَ وَ بِحُلُوْلِهَا عُقُوْبَاتِكَ وَ وَسِیْلَتِیْ اِلَیْكَ التَّوْحِیْدُ وَ ذَرِیْعَتِیْ اَنِّیْ لَمْ اُشْرِكْ بِكَ شَیْئًا وَلَمْ اَتَّخِذْ مَعَكَ اِلٰهًا وَ قَدْ فَرَرْتُ اِلَیْكَ بِنَفْسِیْ وَ اِلَیْكَ مَفَرُّ الْمُسِیْٓءِ وَ مَفْزَعُ الْمُضَیِّعِ

اے میرے معبود! تو نے مجھ کو راہ نیک دکھائی تو میں نے اس سے غفلت برتی اور تو نے مجھے نصیحت کی تو میں نے سخت دلی سے کام لیا[1] اور تو نے مجھے اچھا عطیہ دیا تو میں نے نافرمانی کی۔ پھر میں نے پہچانا اس حکم کو[2] جو تو نے جاری کیا تھا، جبکہ تو نے مجھے اسے پہنچوایا[3]۔ تو میں نے توبہ و استغفار کی پس تو نے معاف کر دیا۔ پھر میں نے دوہرایا[4] تو تو نے پردہ پوشی کی پس اے میرے معبود تو ہی مستحق حمد ہے۔ میں نے اپنے آپ کو (خود ہی) ہلاکت کے وادیوں میں ڈالا اور (خود ہی تباہی (اور بربادی) کی گھاٹیوں میں داخل ہوا (ایسی گھاٹیاں کہ) مقابل میں آ گیا میں جن میں تیری سطوتوں کے۔ اور جن میں داخل ہونے سے تیرے عذاب کا سامنا کرنا پڑا اور (اب) تیری بارگاہ میں توحید[5] ہی میرا ذریعہ ہے اور (دوسرا) میرا ذریعہ یہ ہے کہ میں نے کسی کو تیرا شریک نہیں بنایا ہے۔ اور تیرے ساتھ کسی دوسرے کو معبود نہیں مانا ہے اور بالضرور بھگا لایا ہوں[6] میں تیری طرف اپنے نفس کو۔ اور تیری ہی طرف بدکار[7] کے بھاگ کر آنے کی جگہ ہے، اور

---

[1] یعنی نصیحت سے میرا دل نرم نہ ہوا اور بنا بر سخت دلی میں نے اس نصیحت پر عمل نہ کیا۔

[2] یعنی اس حکم کو۔

[3] یعنی پہچاننے کی توفیق دی۔

[4] یعنی دوبارہ وہی خطا کی۔

[5] یعنی اتنی بڑی نافرمانیوں کے بعد میرا تیری بارگاہ میں وسیلہ صرف یہ ہے کہ میں قائل توحید ہوں۔

[6] یعنی میں اپنے نفس کو دنیا کی چیزوں سے ہٹا کر تیری طرف بھگاتا ہوا لے آیا ہوں۔

[7] یعنی بدکار کا سوائے اس کے کہ دنیا سے بھاگ کر تیری پناہ میں آ جائے اور کہیں ٹھکانا نہیں۔

لِحَظِّ نَفْسِهِ الْمُلْتَجِئِ فَكَمْ مِنْ
عَدُوٍّ انْتَضٰى عَلَيَّ سَيْفَ عَدَاوَتِهِ
وَ شَحَذَ لِي ظُبَةَ مُدْيَتِهِ وَ اَرْهَفَ
لِي شَبَا حَدِّهِ وَدَافَ لِي قَوَاتِلَ
سُمُومِهِ وَ سَدَّدَ نَحْوِي صَوَائِبَ
سِهَامِهِ وَلَمْ تَنَمْ عَنِّي عَيْنُ
حِرَاسَتِهِ وَ اَضْمَرَ اَنْ يَسُومَنِي
الْمَكْرُوهَ وَ يُجَرِّعَنِي زُعَاقَ مَرَارَتِهِ
فَنَظَرْتَ يَا اِلٰهِي اِلٰى ضَعْفِي عَنِ
احْتِمَالِ الْفَوَادِحِ وَ عَجْزِي عَنِ
الْاِنْتِصَارِ مِمَّنْ قَصَدَنِي بِمُحَارَبَتِهِ
وَ وَحْدَتِي فِي كَثِيرِ عَدَدِ مَنْ نَاوَانِي
وَ اَرْصَدَ لِي بِالْبَلَاءِ فِيمَا لَمْ اُعْمِلْ
فِيهِ فِكْرِي فَابْتَدَأْتَنِي بِنَصْرِكَ وَ
شَدَدْتَ اَزْرِي بِقُوَّتِكَ ثُمَّ فَلَلْتَ
لِي حَدَّهُ وَ صَيَّرْتَهُ مِنْ بَعْدِ جَمْعٍ عَدِيدٍ
وَحْدَهُ وَ اَعْلَيْتَ كَعْبِي عَلَيْهِ وَجَعَلْتَ
مَا سَدَّدَهُ مَرْدُودًا عَلَيْهِ فَرَدَدْتَهُ لَمْ يَشْفِ

اس شخص کی جائے پناہ ہے جس نے ضائع کر دیا ہو اپنے نفس[1] کے حصّہ کو
(اور) جو التجا کر رہا ہو پس بہت سے دشمن ہیں جنھوں نے مجھ پر اپنی دشمنی کی
تلوار کھینچی اور میرے لیے اپنی چھری کی دھار تیز کی۔ اور میرے واسطے
اس (چھری) کی نوک کو باریک کیا اور بجھایا میرے لیے اس (نوک) کو زہر
قاتل میں۔ اور میری جانب اپنے نشانے پر بیٹھنے والے تیر سیدھے کیے اور
نہیں غافل ہوئی مجھ سے (دم بھر) ان کی دیکھ بھال کرنے والی آنکھ
اور اس بات کی جانب رخ کیا کہ مجھے مکروہات میں مبتلا کریں اور پلائیں
مجھ کو ان (مکروہات) کا نہایت[2] تلخ گھونٹ پس نظر کی تو نے اے میرے معبود!
ان مصائب کا بوجھ اٹھانے سے میرے کمزور ہونے پر۔ اور جس نے مجھ سے
جنگ کا ارادہ کیا تھا اس سے بدلہ لینے میں میرے قاصر ہونے پر۔ اور میری
تنہائی پر (نظر کی) اس شخص کی کثرت کے مقابلے میں جس نے مجھ پر حملہ
کیا تھا اور مجھ پر آفتیں توڑنے کے لیے میری گھات لگائی تھی، اس[3]
حالت میں جبکہ میں اس معاملے میں کام نہیں[4] لا سکتا تھا اپنی فکر کو۔
اس وقت تو نے میری مدد کرنے میں[5] پہل کی اور میری کمر کو اپنی قوت
سے مضبوط کر دیا تو نے پھر کند کر دیا میرے لیے اس کی دھار کو اور
اسے ایک بڑی جمعیت (حاصل ہونے) کے بعد اکیلا کر چھوڑا اور اس[6] پر
میرا رتبہ بلند کر دیا اور جو کچھ اس نے میرے (ضرر) کے لیے مرتب کیا تھا
اسے الٹا اسی پر ڈال دیا۔ پھر اسے[7] اس حال میں لوٹایا کہ نہ پورا کر سکا تھا

---

[1] یعنی اس نعمت کو جو اس کے نفس کو حاصل کر لینا چاہیے تھی۔

[2] زعاق کا ترجمہ جو کہ اسی کی سطر میں ہے۔

[3] یعنی اس حالت میں تو نے مجھ پر نظر کی۔

[4] مطلب یہ ہے کہ یہ ایسا دشوار معاملہ تھا جس میں میری فکر کوئی کام نہیں کر سکتی تھی۔

[5] یعنی میری بے چارگی کو دیکھ کر بغیر اس کے کہ میری طرف سے کوئی خواہش ہو تو نے میری مدد فرمائی۔

[6] علیہ کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

[7] یعنی دشمن کو۔

غَيْظَهُ وَلَمْ يَسْكُنْ غَلِيلُهُ قَدْ عَضَّ عَلَيَّ شَوَاهُ وَاَدْبَرَ مُوَلِّيًا قَدْ اَخْلَفَتْ سَرَايَاهُ وَكَمْ مِنْ بَاغٍ بَغَانِي بِمَكَائِدِهِ وَنَصَبَ لِي شَرَكَ مَصَائِدِهِ وَوَكَّلَ بِي تَفَقُّدَ رِعَايَتِهِ وَاَضْبَاَ اِلَيَّ اِضْبَاءَ السَّبُعِ لِطَرِيدَتِهِ انْتِظَارًا لِانْتِهَازِ الْفُرْصَةِ لِفَرِيسَتِهِ وَهُوَ يُظْهِرُ لِي بَشَاشَةَ الْمَلَقِ وَيَنْظُرُنِي عَلَى شِدَّةِ الْحَنَقِ فَلَمَّا رَاَيْتَ يَا اِلٰهِي تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ دَغَلَ سَرِيرَتِهِ وَقُبْحَ مَا انْطَوٰى عَلَيْهِ اَرْكَسْتَهُ لِاُمِّ رَاْسِهِ فِي زُبْيَتِهِ وَرَدَدْتَهُ فِي مَهْوٰى حُفْرَتِهِ فَانْقَمَعَ بَعْدَ اسْتِطَالَتِهِ ذَلِيلًا فِي رِبَقِ حِبَالَتِهِ الَّتِي كَانَ يُقَدِّرُ

وہ اپنے غصّہ کو اور نہیں سکون پایا تھا اس کے کینے[1] نے۔ بے شک چبا ڈالا اس نے اپنے ہاتھ کو اور منہ پھرا کر چلا گیا۔ یقیناً اس کے لشکروں نے اس کی مخالفت[2] کی اور بہت سے سرکش ایسے ہیں جنھوں نے اپنی مکاریوں کے ساتھ مجھ سے بغاوت[3] کی اور بچھا دیا میرے لیے اپنے فریب کا جال، اور اپنی نگرانی کی جستجو[4] کو مجھ پر مسلّط کر دیا اور مجھے (اس طرح) اچک اچک کر دیکھا جس طرح درندہ اپنے شکار کو اس انتظار میں دیکھتا ہے کہ موقع پاتے ہی پکڑ لے، حالانکہ (بظاہر) وہ مجھ[5] سے خوشامد کے طور پر بشاشت ظاہر کرتے تھے اور (در دل) سخت کینہ کی نگاہ سے دیکھتے تھے پس جب کہ اے میرے معبود! مبارک اور بلند مرتبہ معبود! تو نے اس کی طبیعت کی کھوٹ کو دیکھا اور اس بدی کو دیکھا جو اس نے دل میں چھپا رکھی تھی تو اسے، اسی کے کھودے ہوئے گڑھے میں سر کے بل گرا دیا اور اسے اُلٹ دیا اُسی کے بنائے ہوئے گڑھے کے غار میں۔ تو وہ اپنی سرکشی کے بعد ذلیل ہو کر خود اپنے جال کے پھندوں میں پھنس گیا، ایسے پھندے جنھیں وہ اس لیے تیار کر رہا تھا کہ ان میں مجھے (پھنسا ہُوا) دیکھے۔

---

[1] یعنی اگر وہ مجھ پر حملہ کر کے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جاتا اور مجھے زک دے لیتا تو اس کے دل کی بھڑاس نکل جاتی اور غصہ ٹھنڈا ہو جاتا اور کینہ کی آگ بھی مشتعل نہ رہتی مگر جب تو نے میری بروقت امداد فرمائی تو اس کے سارے ارادے خاک میں مل کر رہ گئے اور وہ میرا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

[2] ان کلمات سے خدائے تعالیٰ کی اس شان کا اظہار مقصود ہے کہ جب وہ ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھنا اور مظلوم کو دشمن سے بچانا چاہتا ہے تو خود ظالم کے لشکر ہی اس کی مخالفت کرنے لگتے ہیں۔

[3] بغاوت کے لفظ سے عموماً یہ متبادر ہوتا ہے کہ بادشاہ کی رعایا یا صاحب لشکر کی فوج اس کے مقابلے پر کھڑی ہو گئی لیکن اس جگہ یہ معنی مراد نہیں ہیں کیونکہ حضرت زین العابدین نہ بادشاہ تھے اور نہ صاحب فوج و لشکر تھے بلکہ یہ مراد ہے کہ بہت سے لوگ جو حصول ہدایت کے لیے آئے تھے اور انھوں نے اپنی دوستی کا یقین دلایا تھا وہ آستین کا سانپ بن کر دشمنی کے کام کرتے رہے۔ [4] یعنی وہ اپنی نگرانی اور دیکھ بھال سے میرے حالات کی جستجو کرتے رہتے۔

[5] عامل مدینہ کی جانب سے کچھ لوگ حضرت زین العابدین اور خانوادۂ رسالت کے حالات کی جاسوسی کے لیے معین کر دیے گئے تھے جو ہر وقت اس گھات میں لگے رہتے تھے کہ کسی نہ کسی پہلو سے کوئی ایسی شکایت ان بزرگوں کے سر تھوپ دیں جس سے ان پر حکومت کے خلاف سازشیں کرنے کا الزام لگ جائے اور ان کی تنخواہیں حلال ہو جائیں جو انھیں حکومت کی طرف سے دی جاتی تھیں۔ ان ہی واقعات کی طرف دعا کے ان کلمات میں آپ نے اشارہ فرمایا ہے۔

أَنْ يَرَانِيْ فِيهَا وَ قَدْ كَادَ أَنْ يَحُلَّ بِيْ لَوْلَا رَحْمَتُكَ مَا حَلَّ بِسَاحَتِهِ وَ كَمْ مِنْ حَاسِدٍ قَدْ شَرِقَ بِيْ بِغُصَّتِهِ وَ شَجِيَ مِنِّيْ بِغَيْظِهِ وَسَلَقَنِيْ بِحَدِّ لِسَانِهِ وَوَحَرَنِيْ بِقَرْفِ عُيُوبِهِ وَجَعَلَ عِرْضِيْ غَرَضًا لِمَرَامِيهِ وَ قَلَّدَنِيْ خِلَالًا لَمْ تَزَلْ فِيهِ وَوَحَرَنِيْ بِكَيْدِهِ وَ قَصَدَنِيْ بِمَكِيدَتِهِ فَنَادَيْتُكَ يَا إِلٰهِيْ مُسْتَغِيثًا بِكَ وَاثِقًا بِسُرْعَةِ إِجَابَتِكَ عَالِمًا أَنَّهُ لَا يُضْطَهَدُ مَنْ أَوَى إِلَىٰ ظِلِّ كَنَفِكَ وَلَا يَفْزَعُ مَنْ لَجَأَ إِلَىٰ مَعْقِلِ انْتِصَارِكَ" فَحَصَّنْتَنِيْ مِنْ بَأْسِهِ بِقُدْرَتِكَ وَكَمْ مِنْ سَحَائِبِ مَكْرُوهٍ جَلَّيْتَهَا عَنِّيْ وَ سَحَائِبِ نِعَمٍ أَمْطَرْتَهَا عَلَيَّ وَ جَدَاوِلِ رَحْمَةٍ نَشَرْتَهَا وَعَافِيَةٍ أَلْبَسْتَهَا وَ أَعْيُنِ

حالانکہ اگر تیری رحمت[1] نہ ہوجاتی تو یہ بات ہوا ہی چاہتی تھی کہ وہ (مصیبت) مجھ پر نازل ہوجائے۔[2] ان کا وہ غصہ[3] جو مجھ پر تھا۔ اور جو اپنے غیظ و غضب میں مجھ پر پیچ و تاب کھاتے تھے۔ اور جنھوں نے مجھے اپنی تیز زبانی سے تکلیف[4] پہنچائی اور طعنہ زنی کی مجھ پر اپنے عیبوں[5] کی تہمت سے اور میری آبرو کو اپنے تیروں کا نشانہ قرار دیا[6] اور برائیاں میرے گلے میں ڈالیں (اس خیال سے) کہ ہمیشہ اس میں پڑی رہیں گی اور اپنے مکر کے نیزہ سے مجھ پر وار کیا اور اپنے فریب سے مجھ پر حملہ کیا اس وقت میں نے تجھے پکارا ان الفاظ میں کہ "اے میرے معبود! تجھ سے فریاد کرتا ہوں تیرے جلد قبول کرنے پر بھروسا کرتا ہوں (اور) اس بات کو جانتا ہوں کہ جو تیری پناہ کے سایہ میں پناہ لے اس پر ظلم نہیں کیا جا سکتا اور نہیں بے قرار ہوسکتا وہ شخص جو پناہ کے لیے آئے تیرے انتقام کے محکم قلعہ میں" —— پس تو نے اپنی قدرت سے مجھے اس (حاسد) کے شدید حملہ سے محفوظ رکھا۔ اور کتنے ہی مصیبتوں کے بادل[7] تھے جنھیں تو نے مجھ سے ہٹا دیا۔ اور (کتنی ہی) نعمتوں کی بارشیں تھیں جو تو نے مجھ پر برسادیں اور (کتنی ہی) رحمت کی نہریں تھیں جنھیں تو نے وسیع[8] کر دیا۔ اور عافیتیں تھیں جن کو تو نے میرا اوڑھنا بچھونا بنادیا اور (کتنی ہی) حادثات کی آنکھیں تھیں،

---

[1] لَوْلَا رَحْمَتُكَ کا ترجمہ جو کہ اگلی سطر میں ہے۔

[2] قَدْ كَادَ أَنْ يَحُلَّ کا ترجمہ جو ابھی سطر میں ہے۔

[3] یعنی مجھ پر غصہ کی وجہ سے ان کے گلے میں اچھو ہو گیا تھا۔

[4] برا بھلا کہا سب و شتم کیا اور طعنے دیے۔

[5] یعنی ان مفروضہ عیوب سے جن کی انھوں نے مجھ پر تہمت لگائی۔

[6] یعنی آبرو پر طرح طرح کے حملے کیے۔

[7] کربلا سے شام تک اور پھر شام کے قید خانے میں حضرت زین العابدین پر جو مصیبتیں گزر گئیں ان کی جانب اشارہ ہے۔

[8] رحمت کی لہروں کے وسیع کرنے سے بے انتہا رحمت سے مستفیض کرنے کی جانب اشارہ ہے۔

اَحْدَاثٍ لَمَسْتَهَا وَ غَوَاشِیْ كُرُبَاتٍ كَشَفْتَهَا وَكَمْ مِنْ ظَنٍّ حَسَنٍ حَقَّقْتَ وَ عَدَمٍ جَبَرْتَ وَ صَرْعَةٍ اَنْعَشْتَ وَ مَسْكَنَةٍ حَوَّلْتَ كُلُّ ذٰلِكَ اِنْعَامًا وَ تَطَوُّلًا مِنْكَ وَ فِیْ جَمِیْعِهٖ اِنْهِمَاكًا مِنِّیْ عَلٰی مَعَاصِیْكَ لَمْ تَمْنَعْكَ اِسَاءَتِیْ عَنْ اِتْمَامِ اِحْسَانِكَ وَ لَا حَجَرَنِیْ ذٰلِكَ عَنِ ارْتِكَابِ مَسَاخِطِكَ لَا تُسْئَلُ عَمَّا تَفْعَلُ وَ لَقَدْ سُئِلْتَ فَاَعْطَیْتَ وَلَمْ تُسْئَلْ فَابْتَدَاْتَ وَ اسْتُمِیْحَ فَضْلُكَ فَمَا اَكْدَیْتَ اَبَیْتَ یَا مَوْلَایَ اِلَّا اِحْسَانًا وَ امْتِنَانًا وَ تَطَوُّلًا وَ اِنْعَامًا وَ اَبَیْتُ اِلَّا تَقَحُّمًا لِحُرُمَاتِكَ وَ تَعَدِّیًا لِحُدُوْدِكَ وَ

جنھیں تو نے بند کر دیا[1] اور رنج و اندوہ کے پردے تھے جو تو نے اٹھا دیے اور (کتنے ہی) نیک گمان تھے[2] جنھیں تو نے ثابت کر کے دکھا دیا۔ اور انہوت[3] تھی جس کا تو نے تدارک کر دیا اور افتادگی تھی جس کا تو نے جنازہ نکال دیا اور مفلسی تھی جسے تو نے بدل دیا۔ یہ تمام باتیں تیرے انعام و بخشش سے ہوئیں۔ اور ان سب (انعامات) میں (میرا یہ حال تھا کہ) میں منہمک رہا تیری نافرمانی میں۔ (مگر) میری بدکاری نے تجھ کو تیرے احسان کے پورا کرنے سے نہ روکا[4]۔ اور نہ اس (عطا و کرم) نے مجھ کو تیرے خلاف مرضی (عمل) کے ارتکاب سے باز[5] رکھا۔ جو کچھ تو کرتا[6] ہے اس کا تجھ سے سوال نہیں کیا جا سکتا اور بے شک تجھ سے مانگا گیا تو تُو نے عطا کر دیا اور نہ مانگا گیا تو تُو نے (عطا کرنے میں) پہل[7] کی۔ اور تیرا الفضل طلب کیا گیا تو تُو نے کمی نہ کی۔ اپنے کو لیے دیے رہا اے میرے مالک! مگر احسان اکرام، تفضل اور انعام کے وقت رخوب[8] جی کھول کر لیا ہے اور میں اپنے کو لیے دیے رہا۔ مگر تیری حرام کی ہوئی باتوں میں گھسنے اور تیری حدوں[9] سے

---

۱ـ جو لوگ واقعات کوفہ و شام اور دونوں مقامات کے درباروں کی تاریخ کا مطالعہ کر چکے ہیں، وہ بخوبی واقف ہیں کہ کئی بار کوفہ کے عامل (ابن زیاد) اور شام کے حکمران (یزید) نے آپ کے شہید کیے جانے کا حکم دے دیا مگر بروقت حضرت کی کچھ ایسی غیبی امداد ہوئی کہ ان کا یہ حکم پورا نہ ہو سکا۔

۲ـ حضرت زین العابدین کے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کے متعلق جب دربار بنو امیہ یا ان لوگوں کی صحبت میں کوئی ذکر آتا تھا تو اکثر لوگ دشمنی و حسد کی بناء پر اس کی تکذیب کرتے تھے۔ یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ آپ اپنی حیات ہی میں زین العابدین کے لقب سے یاد کیے جانے لگے اور وہ نیک گمان جو اکثر لوگوں کو آپ کی سیرت کے متعلق تھا، ایک ایسی حقیقت واضح بن گیا جسے ہر دوست و دشمن نے مان لیا۔

۳ـ نیستی اور عدم مال۔

۴ـ اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا فضل و کرم اس کے تمام نیک و بد بندوں کے لیے عام ہے۔

۵ـ انسان کا عام رجحان یہی ہے کہ جتنی خدائے تعالیٰ کی نعمتیں اس پر بڑھتی جاتی ہیں اتنا ہی وہ خدا سے غافل ہوتا جاتا ہے۔

۶ـ یعنی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ تو ایسے نافرمان بندے کو جو شکر نعمت تک سے غفلت برتتا ہے، کیوں پے در پے نعمتیں دیے جاتا ہے۔

۷ـ تو اسے بھی دیتا ہے جو تجھ سے مانگتا ہے اور جو نہیں مانگتا اس کے بھی رزق کی ذمہ داری تو نے اپنے اوپر لی ہے اور اسے بغیر مانگے دیتا ہے۔

۸ـ جو لیے دیے رہنے کے منافی ہے۔

۹ـ یعنی احکام پر عمل نہ کرنے۔

غَفْلَةً عَنْ وَعِيْدِكَ فَلَكَ الْحَمْدُ اِلٰهِيْ مِنْ مُقْتَدِرٍ لَا يُغْلَبُ وَ ذِيْ اَنَاةٍ لَا يَعْجَلُ هٰذَا مَقَامُ مَنِ اعْتَرَفَ بِسُبُوْغِ النِّعَمِ وَ قَابَلَهَا بِالتَّقْصِيْرِ وَ شَهِدَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالتَّضْيِيْعِ اَللّٰهُمَّ فَاِنِّيْ اَتَقَرَّبُ اِلَيْكَ بِالْمُحَمَّدِيَّةِ الرَّفِيْعَةِ وَ الْعَلَوِيَّةِ الْبَيْضَاۤءِ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِهِمَا اَنْ تُعِيْذَنِيْ مِنْ شَرِّ كَذَا وَكَذَا فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا يَضِيْقُ عَلَيْكَ فِيْ وُجْدِكَ وَ لَا يَتَكَاۤدُكَ فِيْ قُدْرَتِكَ وَ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ فَهَبْ لِيْ يَاۤ اِلٰهِيْ مِنْ رَحْمَتِكَ وَدَوَامِ تَوْفِيْقِكَ مَا اَتَّخِذُهٗ سُلَّمًا اَعْرُجُ بِهٖ اِلٰى رِضْوَانِكَ وَ اٰمَنُ بِهٖ مِنْ عِقَابِكَ يَاۤ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۞

تجاوز کرنے اور تیری تخویف سے غفلت برتنے میں (خود داری نہ کی) پس تو ہی مستحق حمد ہے، اے میرے ایسے قدرت والے معبود جو مغلوب نہیں ہو سکتا۔ اور ایسے مہلت[1] دینے والے (معبود) جو جلدی[2] نہیں کرتا۔ یہ اس شخص[3] کا مقام ہے جو تیری نعمتوں کے کامل ہونے کا معترف ہے۔ اور ان کے بالمقابل (اپنی) تقصیر کا (قائل ہے) اور (جو) اپنے نفس[4] کے خلاف (اس کے) تباہ و برباد کرنے کا شاہد ہے۔ اے مالک! پس میں تجھ سے بلند مرتبہ محمدیہ[5] اور روشن علویہ[6] کے وسیلہ سے نزدیکی کا طالب ہوں اور تیری جانب ان دونوں کے وسیلے سے متوجہ ہوں کہ تو مجھے فلاں[7] اور فلاں کے شر سے پناہ دے پس بے شک یہ بات تیری پُر مایگی کے پیش نظر تجھ پر دشوار نہیں ہے اور نہ تیری توانائی کے مقابل تجھے گرانبار کر سکتی ہے اور تو ہر چیز پر قادر ہے پس عطا کر مجھ کو اے میرے معبود! اپنی رحمت اور اپنی دائمی توفیق سے وہ چیز[8] جسے میں ایسا زینہ بنا سکوں جس سے تیری خوشنودی (کے درجے) تک پہنچ جاؤں اور بے خوف ہو جاؤں جس کی بدولت تیرے عتاب سے۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے!

---

[1] یعنی گنہگار کو توبہ کا موقع دینے کے لیے سزائیں ڈھیل دینے والے۔

[2] یعنی کسی کو اس کے گناہ پر ہاتھ کے ہاتھ سزا نہیں دیتا۔

[3] یعنی میں اس وقت اپنے مقام پر اس حالت میں ہوں کہ گناہوں کا اعتراف کر رہا ہوں وغیرہ وغیرہ۔

[4] یعنی اپنے نفس کو مجرم کے طور پر پیش کر کے خود اس کے خلاف اس بات کی شہادت دے رہا ہوں کہ اس نے سب کچھ ضائع کر دیا۔

[5] یعنی وہ نسبی نسبت جو مجھے حضرت محمدؐ کی طرف ان کی بیٹی فاطمہ زہراؑ کا پوتا ہونے کی وجہ سے حاصل ہے۔

[6] یعنی وہ صلبی تعلق جو مجھے حضرت علی کی ذات سے ان کا پوتا ہونے کے باعث ہے۔

[7] اس دعا کو پڑھتے وقت کذا وکذا کی جگہ اپنے دشمنوں کا نام لیں جن کے شر سے پناہ مانگنا مقصود ہے۔

[8] عمل نیک اور طاقت عمل نیک۔

# وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الرَّهْبَةِ

حضرت زین العابدین خدائے تعالیٰ سے خوف کے موقع پر یہ دعا
پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ خَلَقْتَنِيْ سَوِيًّا وَ رَبَّيْتَنِيْ صَغِيْرًا وَ رَزَقْتَنِيْ مَكْفِيًّا اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ وَجَدْتُ فِيْمَا اَنْزَلْتَ مِنْ كِتَابِكَ وَ بَشَّرْتَ بِهٖ عِبَادَكَ اَنْ قُلْتَ "يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا" وَ قَدْ تَقَدَّمَ مِنِّيْ مَا قَدْ عَلِمْتَ وَ مَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ فَيَا سَوْاَتَاهُ مِمَّا اَحْصَاهُ عَلَيَّ كِتَابُكَ فَلَوْلَا الْمَوَاقِفُ الَّتِيْ اُؤَمِّلُ مِنْ عَفْوِكَ الَّذِيْ شَمِلَ كُلَّ شَيْءٍ لَاَلْقَيْتُ بِيَدِيْ وَلَوْ اَنَّ اَحَدًا اسْتَطَاعَ الْهَرَبَ مِنْ رَبِّهٖ لَكُنْتُ اَنَا اَحَقَّ بِالْهَرَبِ مِنْكَ وَ اَنْتَ لَا تَخْفٰى عَلَيْكَ خَافِيَةٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ اِلَّا اَتَيْتَ بِهَا وَكَفٰى بِكَ جَازِيًا وَكَفٰى بِكَ حَسِيْبًا

اے میرے معبود! تو نے مجھ کو درست (و تندرست) پیدا کیا۔ اور کم سنی[1] میں مجھ کو پالا اور مجھ کو کافی رزق دیا۔ اے معبود! ضرور میں نے پایا ہے تیری اس کتاب میں جو تو نے نازل کی ہے اور جس سے تو اپنے بندوں کو نجات کی خوش خبری دی ہے یہ کہ تو نے فرمایا ہے کہ ــــــ "اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی ہے، تم مایوس نہ ہو اللہ کی رحمت سے ـ بے شک اللہ سارے گناہ بخش دے گا" ــــــ اور بے شک سرزد ہو چکا ہے مجھ سے وہ (گناہ) کہ یقیناً تو جانتا ہے اور وہ (عصیان) کہ جس سے تو مجھ سے بھی زیادہ واقف ہے پس ہائے میری رسوائی! اس (گناہ) پر کہ شمار کر لیا ہے جسے میرے خلاف تیرے نامۂ اعمال[2] نے پس اگر تیری معافی کے مواقع نہ ہوتے جن کی میں آس لگائے ہوں۔ ایسی معافی جو شامل ہے، ہر چیز کو تو میں ہلاکت میں پڑ جاتا اور اگر کوئی شخص بھاگ جانے کی طاقت رکھتا ہوتا، اپنے پالنے والے سے، تو میں تجھ سے بھاگ جانے کا سب سے زیادہ سزاوار تھا اور تو وہ ہے جس سے کوئی پوشیدہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے نہ زمین میں، اور نہ آسمان میں، مگر یہ کہ تو ہی[3] اسے لایا[4] ہے اور کافی ہے تو ہی جزا دینے والا اور کافی ہے تو ہی حساب کرنے

---

[1] کم سنی کا وہ دور مراد ہے جبکہ خدائے تعالیٰ فراہمی غذا کے اسباب مادی کے بغیر بچے کے لیے اس کی ماں کے سینے سے دودھ کی نہریں جاری فرما دیتا ہے اور بچہ اس سے اپنی غذا حاصل کرتا ہے۔

[2] یعنی اس نامۂ اعمال نے جو تیرے حکم سے فرشتے ہر وقت لکھتے رہتے ہیں۔

[3] یعنی وہ بات تیرے ہی حکم اور تقدیر سے وجود میں آئی ہے یعنی تو اس سے اتنا واقف ہے جتنا کہ ایک موجد و خالق کو واقف ہونا چاہیے۔

[4] یعنی میں تجھ سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہوں اور اگر ایسا ارادہ کروں تو وہ پورا نہیں ہو سکتا۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ طَالِبِيْ اِنْ اَنَا هَرَبْتُ وَ
مُدْرِكِيْ اِنْ اَنَا فَرَرْتُ فَهَا اَنَا ذَا بَيْنَ
يَدَيْكَ خَاضِعٌ ذَلِيْلٌ رَاغِمٌ اِنْ تُعَذِّبْنِيْ
فَاِنِّيْ لِذٰلِكَ اَهْلٌ وَهُوَ يَا رَبِّ مِنْكَ
عَدْلٌ وَاِنْ تَعْفُ عَنِّيْ فَقَدِيْمًا شَمَلَنِيْ
عَفْوُكَ وَاَلْبَسْتَنِيْ عَافِيَتَكَ فَاَسْئَلُكَ
اَللّٰهُمَّ بِالْمَخْزُوْنِ مِنْ اَسْمَآئِكَ وَ
بِمَا وَارَتْهُ الْحُجُبُ مِنْ بَهَآئِكَ اِلَّا
رَحِمْتَ هٰذِهِ النَّفْسَ الْجَزُوْعَةَ وَهٰذِهِ
الرِّمَّةَ الْهَلُوْعَةَ الَّتِيْ لَا تَسْتَطِيْعُ حَرَّ
شَمْسِكَ فَكَيْفَ تَسْتَطِيْعُ حَرَّ نَارِكَ وَ
الَّتِيْ لَا تَسْتَطِيْعُ صَوْتَ رَعْدِكَ فَكَيْفَ
تَسْتَطِيْعُ غَضَبَكَ فَارْحَمْنِي اللّٰهُمَّ
فَاِنِّيْ امْرُؤٌ حَقِيْرٌ وَخَطَرِيْ يَسِيْرٌ وَ
لَيْسَ عَذَابِيْ مِمَّا يَزِيْدُ فِيْ مُلْكِكَ
مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَلَوْ اَنَّ عَذَابِيْ مِمَّا يَزِيْدُ
فِيْ مُلْكِكَ لَسَئَلْتُكَ الصَّبْرَ عَلَيْهِ وَ
اَحْبَبْتُ اَنْ يَكُوْنَ ذٰلِكَ لَكَ وَ لٰكِنْ

والا۔ اے میرے اللہ! تو مجھے[1] بلا لے گا اگر میں بھاگ جاؤں اور مجھے
پا لے گا اگر میں گریز کروں تو لے میں اس وقت تیرے سامنے موجود ہوں۔
عاجز ہوں۔ ذلیل ہوں۔ خوار ہوں۔ اگر تو مجھ پر عذاب کرے تو میں اس
کا اہل ہوں اور وہ (عذاب) اے میرے پالنے والے تیری جانب سے
انصاف ہوگا اور اگر تو مجھے معاف کر دے تو پہلے ہی سے تیری معافی میرے
شامل حال ہے اور تو نے اپنی عافیت کا لباس مجھے پہنایا ہے پس
سوال کرتا ہوں میں تجھ سے اے میرے معبود! اس[2] نام کے وسیلہ سے
جو چھپا ہوا ہے تیرے ناموں میں سے۔ اور تیری اس ذاتی خوبی کے وسیلہ
سے جسے پردوں[3] نے چھپایا ہے کہ رحم کر تو اس مضطرب نفس پر اور ان
بوسیدہ ہڈیوں پر کہ جو نہیں تاب لاتیں تیرے سورج کی گرمی (برداشت
کرنے) کی تو پھر کس طرح تیرے دوزخ کی آگ کو برداشت کریں گی؟ اور
جو کہ نہیں برداشت کرتیں تیرے بادل کی گرج کی آواز کو پس کیونکر تیرے
غصے کو جھیل سکیں گی۔ پس رحم کر تو مجھ پر اے میرے معبود! اس لئے کہ
میں ایک شخص حقیر ہوں اور میری حیثیت بہت ادنیٰ ہے۔ اور مجھ پر
عذاب کرنا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے تیری حکومت میں کوئی اضافہ
ہو جائے ذرہ بھر بھی۔ اور اگر مجھ پر عذاب کرنا کوئی ایسی بات ہوتی جس
سے تیری حکومت میں اضافہ ہو جاتا تو میں تجھ سے سوال کرتا اس پر صبر[4]
کر سکنے کا۔ اور یہ پسند کرتا کہ یہ بات[5] تجھے حاصل ہو جائے۔ لیکن تیری

---

[1] یعنی میں تجھ سے بھاگ کر کہاں جا سکتا ہوں اور اگر ایسا ارادہ کروں تو وہ پورا نہیں ہو سکتا۔

[2] یعنی اسم اعظم جس کے وسیلہ سے ہر دعا قبول ہو جاتی ہے اور جس کا علم یا خدائے تعالیٰ کو ہے یا ان رسولوں اور اماموں کو ہے جنھیں خدائے تعالیٰ نے وحی یا الہام کے ذریعہ بتا دیا ہے مگر ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دی تاکہ کوئی نااہل اس سے مطلع ہو کر غلط خواہشوں میں اس نام کو قبولیت دعا کا وسیلہ نہ بنائے۔

[3] وہ موانع اور رکاوٹیں مراد ہیں جو ممکن کو واجب کی کنہ ذات تک پہنچنے نہیں دیتیں۔

[4] یعنی یہ دعا مانگتا کہ مجھے اس عذاب پر صبر کر لینے کی طاقت دے۔

[5] یعنی یہ چاہتا کہ مجھ پر عذاب کر کے تو اپنے ملک میں اضافہ کرے۔

سُلْطَانُكَ اللّٰهُمَّ اَعْظَمُ وَمُلْكُكَ اَدْوَمُ مِنْ اَنْ تَزِيْدَ فِيْهِ طَاعَةُ الْمُطِيْعِيْنَ اَوْ تَنْقُصَ مِنْهُ مَعْصِيَةُ الْمُذْنِبِيْنَ فَارْحَمْنِيْ يَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَتَجَاوَزْ عَنِّيْ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ○

سلطنت اے میرے معبود! بڑی ہے اور تیرا ملک ہمیشہ رہنے والا ہے اس بات سے رہ بے نیاز ہے) کہ اضافہ کرے اس میں اطاعت فرمانبرداروں کی یا اس میں گناہ کرنے والوں کا گناہ کمی کرے۔ پس رحم کر تو مجھ پر اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے! اور مجھ سے درگزر کر اے بزرگی اور اکرام والے! اور میری توبہ قبول کر۔ بے شک تُو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي التَّضَرُّعِ وَالْاِسْتِكَانَةِ

حضرت زین العابدین خدا کی بارگاہ میں عاجزی اور مسکنت کے اظہار میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اِلٰهِيْ اَحْمَدُكَ وَاَنْتَ لِلْحَمْدِ اَهْلٌ عَلٰى حُسْنِ صَنِيْعِكَ اِلَيَّ وَسُبُوْغِ نَعْمَآئِكَ عَلَيَّ وَجَزِيْلِ عَطَآئِكَ عِنْدِيْ وَعَلٰى مَا فَضَّلْتَنِيْ مِنْ رَحْمَتِكَ وَاَسْبَغْتَ عَلَيَّ مِنْ نِعْمَتِكَ فَقَدِ اصْطَنَعْتَ عِنْدِيْ مَا يَعْجِزُ عَنْهُ شُكْرِيْ وَلَوْلَا اِحْسَانُكَ

"اے میرے معبود! میں تیری حمد کرتا ہوں اور تو ہی حمد کا مستحق ہے مجھ پر بہترین احسان کرنے اور مجھ پر اپنی نعمتوں[1] کے کامل کر دینے اور مجھ کو اپنی وافر بخشش دینے کی بنا پر۔ اور اس بات پر (بھی) کہ تو نے مجھ کو فضیلت عطا کر اپنی رحمت سے اور مجھ پر اپنی نعمت[1] کو کامل کر دیا۔ پس بے شک تُو نے مجھ پر ایسا احسان کیا ہے جس کے مقابل میرا شکر عاجز ہے اور اگر تیرا احسان میری جانب اور تیری نعمت کا اتمام مجھ پر

---

[1] کسی بندے پر خدائے تعالیٰ کی نعمتوں کے کامل ہونے کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ خدائے تعالیٰ نے اپنے خزائن عالم کی کل نعمتیں کسی بندے کو عطا کر دیں اور اب اس کے پاس کچھ نہیں رہا۔ اور دوسرا یہ کہ بندے کو اپنے خیال کے مطابق اتنا مل گیا کہ اب اسے کسی قسم کی احتیاج باقی نہیں رہی اور خود اس کی نگاہ میں خدائے تعالیٰ نے اپنی تمام نعمتیں اسے عطا کر دیں۔ دعا میں اس مقام پر یہی دوسرا پہلو مراد ہے۔ یعنی بندہ خود یہ محسوس کر رہا ہے کہ خدائے تعالیٰ نے اس پر اپنی نعمتیں کامل کر دی ہیں۔ ورنہ خدائے تعالیٰ کے غیر محدود خزانوں کے اعتبار سے اس کی نعمتوں کا ایسا کمال جس کے بعد اس کے پاس کوئی نعمت دینے کے لیے باقی نہ رہے محال اور ناممکن ہے۔

اوپر کی سطر میں "نعمتوں" کے کامل کرنے کا ذکر تھا جس کی تشریح حاشیہ زیر متن میں بیان کی جا چکی ہے۔ اس سطر میں "نعمت" (واحد) کے کامل کرنے کا ذکر ہے یعنی ایک نعمت کامل کر دی۔ اور اس سے اسی نعمت اسلام کی جانب اشارہ ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے" اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔

| | |
|---|---|
| اِلَيَّ وَ سُبُوْغُ نَعْمَآئِكَ عَلَيَّ مَا بَلَغْتُ اِحْرَازَ | نہ ہوتا تو میں اپنے حصے کے جمع[1] کرنے تک اور اپنے نفس کی اصلاح تک نہ |
| حَظِّيْ وَلَا اِصْلَاحَ نَفْسِيْ وَلٰكِنَّكَ ابْتَدَاْتَنِيْ | پہنچ سکتا۔ اور لیکن تو نے پہل کی احسان میں اور میرے تمام کاموں میں تو |
| بِالْاِحْسَانِ وَرَزَقْتَنِيْ فِيْ اُمُوْرِيْ كُلِّهَا الْكِفَايَةَ | نے مجھ کو مدد دی اور میری طرف سے منہ پھیر دیا آزمائش کی سختی کا۔ اور |
| وَصَرَفْتَ عَنِّيْ جَهْدَ الْبَلَاۤءِ وَمَنَعْتَ مِنِّيْ | لائق خوف[2] احکام کو مجھ سے روک دیا۔ اے میرے معبود! پس کتنی ہی سخت[3] |
| مَحْذُوْرَ الْقَضَآءِ اِلٰهِيْ فَكَمْ مِنْ بَلَاۤءٍ جَاهِدٍ | آزمائشیں تھیں جن کو تو نے مجھ سے دور کر دیا اور کتنی ہی کامل نعمتیں |
| قَدْ صَرَفْتَ عَنِّيْ وَكَمْ مِنْ نِعْمَةٍ سَابِغَةٍ | ہیں جن سے تو نے میری آنکھیں ٹھنڈی کر دیں اور مجھ پر تیرے کتنے ہی |
| اَقْرَرْتَ بِهَا عَيْنِيْ وَكَمْ مِنْ صَنِيْعَةٍ كَرِيْمَةٍ | اچھے احسانات ہیں۔ تو ہی وہ ہستی ہے جس نے قبول کیا میرے مضطر ہو |
| لَكَ عِنْدِيْ اَنْتَ الَّذِيْ اَجَبْتَ عِنْدَ الْاِضْطِرَارِ | جانے کے وقت میری دعا کو۔ اور لغزش کے وقت میری خطا معاف |
| دَعْوَتِيْ وَاَقَلْتَ عِنْدَ الْعِثَارِ زَلَّتِيْ وَاَخَذْتَ | کر دی اور لے لیا میری خاطر دشمنوں سے میرا حق۔ اے میرے معبود! |
| لِيْ مِنَ الْاَعْدَآءِ بِظُلَامَتِيْ اِلٰهِيْ مَا وَجَدْتُكَ | جب بھی میں نے تجھ سے سوال کیا تجھے بخیل نہیں پایا اور نہ کشیدہ پایا |
| بَخِيْلًا حِيْنَ سَاَلْتُكَ وَلَا مُنْقَبِضًا حِيْنَ اَرَدْتُكَ | بلکہ جس وقت بھی میں نے تیرا قصد کیا بلکہ تجھے اپنی دعا کا سننے والا پایا۔ |
| بَلْ وَجَدْتُكَ لِدُعَآئِيْ سَامِعًا وَلِمَطَالِبِيْ مُعْطِيًا | اور اپنے مطالب کا عطا کرنے والا پایا اور تیری نعمتوں کو اپنے اوپر |
| وَوَجَدْتُ نُعْمَاكَ عَلَيَّ سَابِغَةً فِيْ كُلِّ | کامل پایا۔ اپنے حالات کی ہر حالت میں اور اپنے زمانے کے ہر وقت |
| شَاْنٍ مِنْ شَاْنِيْ وَكُلِّ زَمَانٍ مِنْ زَمَانِيْ | میں۔ پس تو ہی میرے نزدیک قابل حمد ہے اور تیرا ہی احسان میری نگاہ |
| فَاَنْتَ عِنْدِيْ مَحْمُوْدٌ وَصَنِيْعُكَ لَدَيَّ | میں پسندیدہ ہے۔ میرا نفس، میری زبان اور میری عقل تیری حمد کرتی |
| مَبْرُوْرٌ تَحْمَدُكَ نَفْسِيْ وَلِسَانِيْ وَعَقْلِيْ | ہے۔ ایسی حمد جو کہ پہنچے حیات[4] طویل کی حد اور شکر کی حقیقت تک۔ ایسی |
| حَمْدًا يَبْلُغُ الْوَفَآءَ وَحَقِيْقَةَ الشُّكْرِ حَمْدًا | حمد جو مجھ سے تیری رضامندی کے بقدر ہو پس نجات دے مجھ کو اپنے |
| يَكُوْنُ مَبْلَغَ رِضَاكَ عَنِّيْ فَنَجِّنِيْ مِنْ سَخَطِكَ | غیظ و غضب سے اے میرے پناہ دینے والے! جبکہ مجھ پر سب[5] راستے |

---

[1] اپنے حصے کے جمع کرلنے سے وہ عبادات وطاعات و اعمال صالحہ مراد ہیں جو اسلام کی برکت سے بجا لائے گئے۔

[2] یعنی ان تکالیف کا خاتمہ کر دیا جو محل آزمائش میں نازل کی گئی تھیں اور جن میں ہر وقت یہ خوف رہتا تھا کہ میرے پائے استقامت میں لغزش نہ پیدا ہو جائے۔

[3] جاھد کا ترجمہ جو کہ بعد کی سطر میں ہے۔

[4] الوفاء کے لغوی معنی زندگی کے طویل ہونے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ میری زبان و عقل وغیرہ تیری ایسی حمد کرتی ہے جو مدت العمر کرتی رہے گی اور جو خاتمہ حیات تک ختم نہ ہو گی۔

[5] یعنی جب میرے اعمال مجھے کسی طرح نجات کی منزل تک نہ پہنچا سکیں اس وقت تو مجھے اپنے تفضل سے نجات دے۔

يَا كَهْفِيْ حِيْنَ تُعْيِيْنِيْ الْمَذَاهِبُ وَ
يَا مُقِيْلِيْ عَثْرَتِيْ فَلَوْلَا سَتْرُكَ
عَوْرَتِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمَفْضُوْحِيْنَ وَ يَا
مُؤَيِّدِيْ بِالنَّصْرِ فَلَوْلَا نَصْرُكَ
اِيَّايَ لَكُنْتُ مِنَ الْمَغْلُوْبِيْنَ وَيَا مَنْ
وَضَعَتْ لَهُ الْمُلُوْكُ نِيْرَ الْمَذَلَّةِ
عَلٰى اَعْنَاقِهَا فَهُمْ مِنْ سَطَوَاتِهٖ خَائِفُوْنَ
وَ يَا اَهْلَ التَّقْوٰى وَ يَا مَنْ لَهُ الْاَسْمَاءُ
الْحُسْنٰى اَسْئَلُكَ اَنْ تَعْفُوَ عَنِّيْ وَتَغْفِرَ
لِيْ فَلَسْتُ بَرِيْئًا فَاَعْتَذِرَ وَلَا بِذِيْ
قُوَّةٍ فَاَنْتَصِرَ وَلَا مَفَرَّ لِيْ فَاَفِرَّ وَ
اَسْتَقِيْلُكَ عَثَرَاتِيْ وَ اَتَنَصَّلُ اِلَيْكَ مِنْ
ذُنُوْبِيَ الَّتِيْ قَدْ اَوْبَقَتْنِيْ وَاَحَاطَتْ
بِيْ فَاَهْلَكَتْنِيْ مِنْهَا فَرَرْتُ اِلَيْكَ
رَبِّ تَائِبًا فَتُبْ عَلَيَّ مُتَعَوِّذًا
فَاَعِذْنِيْ مُسْتَجِيْرًا فَلَا تَخْذُلْنِيْ
سَائِلًا فَلَا تَحْرِمْنِيْ مُعْتَصِمًا فَلَا
تُسْلِمْنِيْ دَاعِيًا فَلَا تَرُدَّنِيْ خَائِبًا
دَعَوْتُكَ يَا رَبِّ مِسْكِيْنًا مُسْتَكِيْنًا
مُشْفِقًا خَائِفًا وَجِلًا فَقِيْرًا
مُضْطَرًّا اِلَيْكَ اَشْكُوْ اِلَيْكَ

بند ہو جائیں۔ اور اے میری لغزش کو معاف کرنے والے! پس اگر نہ ہوتی تیری طرف سے میرے عیب کی پردہ پوشی تو ضرور میں رسوا ہو جاتا۔ اور اے (اپنی) مدد سے مجھے قوت دینے والے! اگر تو میری مدد نہ کرتا تو میں مغلوب ہو کر رہ جاتا۔ اور اے وہ (معبود) کہ رکھ لیا ہے جس کے سامنے بادشاہوں نے ذلت کا جوا[1] اپنی گردنوں پر، پس (اب) وہ اس (معبود) کی سطوتوں سے کانپتے ہیں۔ اور اے تقویٰ (پرہیزگاری) کے قبول کرنے والے! اور اے وہ (معبود) جس سے سب اچھے اوصاف[2] محقق ہیں، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ معاف کر دے مجھ کو اور میری مغفرت فرما کیونکہ میں گناہ سے بری نہیں ہوں جو صفائی دے سکوں اور نہ قوت والا ہوں کہ بدلہ لے سکوں اور نہ میرے لیے کوئی جائے فرار ہے کہ بھاگ جاؤں۔ اور (اسی لیے) میں تجھ سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اور معذرت خواہ ہوں تیری بارگاہ میں اپنے گناہوں سے جنہوں نے بے شک مجھے ہلاک کر دیا ہے اور مجھے (چاروں طرف سے) گھیر لیا ہے اور مار ڈالا ہے۔ انہی گناہوں سے بھاگ کر آیا ہوں میں تیری طرف اے میرے پالنے والے! توبہ کرتا ہوا پس میری توبہ قبول کر (اور) پناہ مانگتا ہوا (آیا ہوں) پس مجھے پناہ دے (اور) امان چاہتا ہوا (آیا ہوں) پس مجھے رسوا نہ کر (اور) سوال کرتا ہوا (آیا ہوں) پس مجھے محروم نہ کر (اور) حفاظت چاہتا ہوا (آیا ہوں) پس مجھے ذلیل نہ کر (اور) دعا کرتا ہوا (آیا ہوں) پس مجھے محروم مت لوٹا۔ اے میرے پالنے والے! میں نے تجھ کو اس حالت میں پکارا ہے کہ میں مسکین ہوں۔ عاجز ہوں۔ ڈرا ہوا ہوں۔ سہما ہوا ہوں۔ خائف ہوں۔ فقیر ہوں (اور) مضطر ہوں

---

1. یعنی دنیا کے بڑے بڑے بادشاہوں نے تیری اطاعت قبول کر لی اور وہ تیری سطوت کے خوف سے تھراتے رہتے ہیں۔
2. خدائے تعالیٰ کے اسماء ہمارے ناموں کی طرح نہیں بلکہ اس کے اسماء اور اس کی صفات سب عین ذات ہیں اس لیے الاَسْمَاءُ الحُسْنٰی کا ترجمہ 'اچھے اوصاف' سے کیا گیا ہے۔

يَا اِلٰهِي ضَعُفَتْ نَفْسِي عَنِ الْمُسَارَعَةِ
فِيمَا وَعَدْتَهُ اَوْلِيَاءَكَ وَ الْمُجَانَبَةِ
عَمَّا حَذَّرْتَهُ اَعْدَاءَكَ وَ كَثْرَةَ
هُمُومِي وَ وَسْوَسَةَ نَفْسِي اِلٰهِي لَمْ
تَفْضَحْنِي بِسَرِيرَتِي وَ لَمْ تُهْلِكْنِي
بِجَرِيرَتِي اَدْعُوكَ فَتُجِيبُنِي وَ اِنْ
كُنْتُ بَطِيئًا حِينَ تَدْعُونِي وَ
اَسْئَلُكَ كُلَّ مَا شِئْتُ مِنْ حَوَائِجِي وَ
حَيْثُ مَا كُنْتُ وَضَعْتُ عِنْدَكَ سِرِّي
فَلَا اَدْعُو سِوَاكَ وَ لَا اَرْجُو غَيْرَكَ
لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ تَسْمَعُ مَنْ شَكَا اِلَيْكَ
وَ تَلْقٰى مَنْ تَوَكَّلَ عَلَيْكَ وَ تُخَلِّصُ
مَنِ اعْتَصَمَ بِكَ وَ تُفَرِّجُ عَمَّنْ
لَاذَ بِكَ اِلٰهِي فَلَا تَحْرِمْنِي خَيْرَ
الْاٰخِرَةِ وَ الْاُولٰى لِقِلَّةِ شُكْرِي
وَ اغْفِرْ لِي مَا تَعْلَمُ مِنْ ذُنُوبِي
اِنْ تُعَذِّبْ فَاَنَا الظَّالِمُ الْمُفَرِّطُ
الْمُضَيِّعُ الْاٰثِمُ الْمُقَصِّرُ الْمُضَجِّعُ

تیری جانب۔ اے میرے معبود! میں تجھ سے شکوہ کرتا ہوں کہ میرا نفس اس کام[1] میں جلدی کرنے سے کمزور ہے جس کا تو نے اپنے دوستوں سے وعدہ کیا ہے اور ان چیزوں[2] سے بچنے میں کمزور ہے جن سے تو نے اپنے دشمنوں کو ڈرایا ہے اور (شکوہ کرتا ہوں) زیادتی کا اپنی فکروں[3] کی اور اپنے نفس کے وسوسوں[4] کا۔ اے میرے معبود! تو نے مجھ کو میرے پوشیدہ عیب[5] پر رسوا نہیں کیا اور نہ ہلاک کیا مجھ کو میرے گناہ پر۔ (جب بھی) میں تجھ کو پکارتا ہوں تو تو میری دعا قبول کرتا ہے، اگرچہ میں (جواب دینے میں) تاخیر کرتا ہوں جبکہ تو مجھے پکارتا ہے اور میں تجھ سے مانگ لیتا ہوں اپنی جو حاجت چاہتا ہوں اور جہاں بھی ہوں رکھ دیتا ہوں تیرے سامنے اپنے راز کو پس تیرے غیر کو کبھی نہیں پکارتا اور نہ تیرے علاوہ کسی سے امید رکھتا ہوں۔ حاضر ہوں حاضر ہوں تیرے سامنے۔ جو کوئی تجھ سے شکوہ کرے تو (اس کی) سنتا ہے اور جو تجھ پر بھروسا کرے تو اس کی مدد کرتا ہے اور نجات دیتا ہے اس شخص کو جو تیرا دامن پکڑ لے اور رنج و غم دور کرتا ہے اس شخص کا جو تجھ سے پناہ کا طالب ہو۔ پس نہ محروم کر مجھ کو میرے شکر کی کمی کے باعث دنیا[6] اور آخرت کی بھلائی سے اور میرے ان گناہوں کو جو تیرے علم میں ہیں بخش دے۔ پس اگر تو عذاب کرے تو (بجا ہوگا کیونکہ) میں ظالم، تقصیر کرنے والا۔ (اپنے آپ کو) تباہ کرنے والا، گنہگار، تقصیر دار، کوتاہی کرنے والا (اور) اپنے

---

[1] یعنی اعمال صالحہ اور زہد و ریاضت، جس پر خدائے تعالیٰ نے مدارج عالیہ عطا فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔

[2] یعنی گناہ اور نافرمانیاں۔

[3] وہ فکریں مراد ہیں جو نجات اور فلاح عاقبت سے تعلق رکھتی ہیں۔

[4] عتاب و عذاب کے وہ وہم جو پے در پے اپنے اعمال پر نظر کر کے پیدا ہوتے ہیں۔

[5] سریرۃ کے لغوی معنی بھید، راز، نیت اور اس بات کے ہیں جسے چھپایا جائے۔ یہاں چھپا ہوا عیب مراد ہے۔

[6] خیر کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں مذکور ہے۔

الْمُغْفِلُ حَظَّ نَفْسِيْ وَإِنْ تَغْفِرْ فَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ۝

نفس[1] کے حصّے سے غفلت برتنے والا ہوں۔ اور اگر تو بخش دے تو بعید نہیں کیونکہ تو تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْإِلْحَاحِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى

حضرت زین العابدین خدائے تعالیٰ سے الحاح وزاری کرنے کے موقع پر یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

يَا اللّٰهُ الَّذِيْ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَكَيْفَ يَخْفٰى عَلَيْكَ يَا إِلٰهِيْ مَا أَنْتَ خَلَقْتَهُ وَكَيْفَ لَا تُحْصِيْ مَا أَنْتَ صَنَعْتَهُ أَوْ كَيْفَ يَغِيْبُ عَنْكَ مَا أَنْتَ تُدَبِّرُهُ أَوْ كَيْفَ يَسْتَطِيْعُ أَنْ يَهْرُبَ مِنْكَ مَنْ لَا حَيٰوةَ لَهُ إِلَّا بِرِزْقِكَ أَوْ كَيْفَ يَنْجُوْ مِنْكَ مَنْ لَا مَذْهَبَ لَهُ فِيْ غَيْرِ مُلْكِكَ سُبْحَانَكَ أَخْشٰى خَلْقِكَ لَكَ أَعْلَمُهُمْ بِكَ وَأَخْضَعُهُمْ لَكَ أَعْمَلُهُمْ بِطَاعَتِكَ وَأَهْوَنُهُمْ عَلَيْكَ مَنْ أَنْتَ تَرْزُقُهُ وَهُوَ يَعْبُدُ غَيْرَكَ سُبْحَانَكَ لَا يُنْقِصُ سُلْطَانَكَ مَنْ أَشْرَكَ بِكَ وَكَذَّبَ رُسُلَكَ وَلَا

اے وہ معبود! جس سے کوئی چیز زمین و آسمان میں چھپی ہوئی نہیں ہے اور کس طرح وہ تجھ سے چھپ سکتی ہے اے میرے معبود جسے تو نے ہی پیدا کیا ہے اور کیونکر نہ احاطہ کرے گا تو اس چیز کا جسے تو نے ہی بنایا ہے۔ یا کس طرح غائب ہو گی تجھ سے وہ شے جس کی تو ہی درستی و اصلاح کرتا ہے یا کیونکر بھاگ سکتی[2] ہے تجھ سے وہ چیز جس کے بغیر تیری روزی کے زندگی ہی ممکن نہیں۔ یا کس طرح بچ نکلے گی تجھ سے وہ شے جس کے لیے تیرے[3] غیر کے ملک میں جانے کا راستہ ہی نہیں۔ تو ہی لائق تسبیح ہے۔ تیری مخلوق میں سب سے زیادہ تجھ سے ڈرنے والا وہ ہے جو تجھے سب سے زیادہ[4] جانتا ہو اور تیرے سامنے سب سے زیادہ خضوع و خشوع کرنے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ تیری عبادت کرتا ہو اور ان میں سب سے زیادہ ذلیل تیرے نزدیک وہ ہے کہ تو جسے رزق دیتا ہے اور وہ تیرے غیر کی عبادت کرتا ہے تو ہی مستحق تسبیح ہے۔ نہیں کمی لا سکتا تیری سلطنت میں وہ شخص جو تیرا کسی کو شریک بنائے۔ اور تیرے رسولوں کو جھٹلائے اور نہیں طاقت رکھتا

---

[1] یعنی جو اعمال نیک میرے نفس کو بجا لانا چاہیئے تھے اور جو نفس کا ایسا حصہ تھے جسے وہ حاصل کر سکتا تھا ان سے میں نے غفلت برتی۔

[2] یستطیع کا ترجمہ جو کہ بعد میں مذکور ہے

[3] مراد یہ ہے کہ چونکہ کل عالم میں کوئی ایسا ملک ہی نہیں ہے جہاں تیری حکومت نہ ہو اس لیئے تیرے غیر کے ملک میں نکل جانے کی کوئی سبیل ہی ممکن نہیں۔

[4] یعنی جس کی معرفت زیادہ ہو گی وہی سب سے زیادہ تجھ سے خوف کرے گا۔

يَسْتَطِيْعُ مَنْ كَرِهَ قَضَآءَكَ اَنْ يَرُدَّ
اَمْرَكَ وَ لَا يَمْتَنِعُ مِنْكَ مَنْ كَذَّبَ
بِقُدْرَتِكَ وَ لَا يَفُوْتُكَ مَنْ عَبَدَ
غَيْرَكَ وَ لَا يُعَمَّرُ فِي الدُّنْيَا مَنْ
كَرِهَ لِقَآءَكَ سُبْحَانَكَ مَا اَعْظَمَ
شَاْنَكَ وَ اَقْهَرَ سُلْطَانَكَ وَ اَشَدَّ
قُوَّتَكَ وَ اَنْفَذَ اَمْرَكَ سُبْحَانَكَ
قَضَيْتَ عَلٰى جَمِيْعِ خَلْقِكَ الْمَوْتَ
مَنْ وَحَّدَكَ وَ مَنْ كَفَرَ بِكَ وَ كُلٌّ
ذَائِقُ الْمَوْتِ وَ كُلٌّ صَآئِرٌ
اِلَيْكَ فَتَبَارَكْتَ وَ تَعَالَيْتَ لَا
اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ
لَكَ اٰمَنْتُ بِكَ وَ صَدَّقْتُ رُسُلَكَ
وَ قَبِلْتُ كِتَابَكَ وَ كَفَرْتُ بِكُلِّ
مَعْبُوْدٍ غَيْرِكَ وَ بَرِئْتُ مِمَّنْ
عَبَدَ سِوَاكَ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُصْبِحُ
وَ اُمْسِيْ مُسْتَقِلًّا لِعَمَلِيْ مُعْتَرِفًا
بِذَنْبِيْ مُقِرًّا بِخَطَايَايَ اَنَا
بِاِسْرَافِيْ عَلٰى نَفْسِيْ ذَلِيْلٌ عَمَلِيْ

وہ شخص جو تیرے حکم کو ناپسند کرے اس بات کی کہ تیرے حکم کو الٹ دے
اور تجھ سے نہیں بچ سکتا وہ شخص جو تکذیب کرے تیری قدرت کی اور
تیرے ہاتھ سے نہیں نکل سکتا وہ شخص جو تیرے غیر کی پرستش کرے اور
سدا زندہ نہیں رہ سکتا وہ شخص دنیا میں جو تیری ملاقات[1] سے ناک بھوں
چڑھائے سبحان اللہ! تیری شان کتنی بزرگ ہے اور تیری سلطنت کس
قدر غالب ہے اور کتنی سخت ہے تیری قوت۔ اور تیرا حکم کس قدر چلنے
والا ہے۔ تو لائق تسبیح ہے۔ تو نے حکم لگا دیا ہے اپنی تمام مخلوق پر
موت کا اس شخص پر بھی جو تیری توحید کا قائل ہو اور اس پر بھی جو تجھ
سے کفر کرے اور ہر ایک موت[2] کا ذائقہ چکھے گا اور ہر ایک پلٹ کر
جائے گا تیری جانب پس تو مبارک ہے اور بلند مرتبہ ہے۔ نہیں
ہے کوئی معبود مگر تو تنہا۔ تیرا[3] کوئی شریک نہیں۔ میں تجھ پر ایمان لایا
ہوں اور تیرے رسولوں کی تصدیق کرتا ہوں اور میں نے تیری کتاب
کو قبول کیا ہے اور انکار کر دیا ہے ہر اس معبود کا جو تیرے علاوہ ہے
اور اس شخص پر تبرا کیا ہے جو تیرے غیر کی پرستش کرے۔ اے میرے
معبود! میں ضرور صبح اور شام (کے اوقات) سے گزرتا ہوں[4] (اور
ہمہ وقت) اپنے عمل کو حقیر سمجھتا ہوں اور اپنے گناہ کا معترف ہوں
اپنی خطاؤں کا اقراری ہوں (اور) میں اپنے نفس پر زیادتی کرنے
کے باعث ذلیل ہوں۔ میرے ہی عمل نے مجھے مار ڈالا ہے اور میری
ہی خواہش نے مجھے ہلاک کیا ہے اور میری خواہش نفس ہی نے

---

[1] یعنی جو شخص روز قیامت بارگاہ احدیت میں حساب کتاب کے لیے حاضر ہونے کے تذکرہ کو سبک سمجھے اور اس کا قائل نہ ہو تو اس کے اس خیال باطل سے حقیقت امر نہیں بدل سکتی اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اسے کبھی موت ہی نہ آئے اور حساب کتاب سے بچ جائے۔

[2] چاہے مومن ہو یا کافر۔

[3] لک کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

[4] یعنی ہر صبح اور ہر شام میں اپنے اعمال کا جائزہ لیتے وقت دل میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ میرے اعمال کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

أَهْلَكَتْنِي وَهَوَايَ أَرْدَانِي وَشَهَوَاتِي حَرَمَتْنِي فَأَسْئَلُكَ يَا مَوْلَايَ سُؤَالَ مَنْ نَفْسُهُ لَاهِيَةٌ لِطُولِ أَمَلِهِ وَبَدَنُهُ غَافِلٌ لِسُكُونِ عُرُوقِهِ وَقَلْبُهُ مَفْتُونٌ بِكَثْرَةِ النِّعَمِ عَلَيْهِ وَفِكْرُهُ قَلِيلٌ لِمَا هُوَ صَائِرٌ إِلَيْهِ سُؤَالَ مَنْ قَدْ غَلَبَ عَلَيْهِ الْأَمَلُ وَفَتَنَهُ الْهَوَى وَاسْتَمْكَنَتْ مِنْهُ الدُّنْيَا وَأَظَلَّهُ الْأَجَلُ سُؤَالَ مَنِ اسْتَكْثَرَ ذُنُوبَهُ وَاعْتَرَفَ بِخَطِيئَتِهِ سُؤَالَ مَنْ لَا رَبَّ لَهُ غَيْرُكَ وَلَا وَلِيَّ لَهُ دُونَكَ وَلَا مُنْقِذَ لَهُ مِنْ عَذَابِكَ وَلَا مَلْجَأَ لَهُ مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ إِلٰهِي أَسْئَلُكَ بِحَقِّكَ الْوَاجِبِ عَلَى جَمِيعِ خَلْقِكَ وَبِاسْمِكَ الْعَظِيمِ الَّذِي أَمَرْتَ رَسُولَكَ أَنْ يُسَبِّحَكَ بِهِ وَبِجَلَالِ وَجْهِكَ الْكَرِيمِ الَّذِي لَا يَبْلَى وَلَا يَتَغَيَّرُ وَلَا يَحُولُ وَلَا يَفْنَى

مجھے محروم کیا ہے[1] پس سوال کرتا ہوں میں تجھ سے اے میرے مولا! اس شخص[2] کی طرح جس کا نفس غافل ہو اپنی لمبی امید کی وجہ سے۔ اور اس کا جسم بے خبر ہو اس کی رگوں کے ٹھہرے[3] رہنے کی وجہ سے۔ اور اس کا دل مبہوت ہو اپنی نعمتوں کی زیادتی کے باعث۔ اور جس طرف وہ پلٹ کر جانے والا ہے اس کی فکر اسے کم ہو۔ اور (سوال کرتا ہوں) اس شخص کی طرح جس پر امید اور نفسانی خواہش غالب ہوگئی ہو اور مسلّط ہو اس پر دنیا۔ اور موت اس پر سایہ[4] کیے ہوئے ہو۔ اور (سوال کرتا ہوں) اس شخص کی طرح جس کے گناہ کثیر ہوں اور وہ اپنی خطاؤں کا اعتراف کرے۔ اور (سوال کرتا ہوں) اس شخص کی طرح جس کا تیرے علاوہ کوئی پالنے والا نہیں اور نہ کوئی دوست ہے اس کا تیرے سوا۔ اور نہ اسے کوئی تیرے عذاب سے بچانے والا ہے اور نہ اس کے لیے تجھ[5] سے سوائے تیرے کوئی اور جائے پناہ ہے اے میرے معبود! میں تجھ سے تیرے اس حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جو تیری تمام مخلوق پر واجب[6] ہے اور تیرے اسم اعظم کے وسیلہ سے (سوال کرتا ہوں) ایسا اسم اعظم جس کے متعلق تو نے اپنے رسول کو حکم دیا تھا کہ اس سے تیری تسبیح کرے اور تیری ذات کریم کی بزرگی[7] کے وسیلہ سے (سوال کرتا ہوں) جو نہ پرانی ہو گی

---

[1] یعنی نفسانی خواہشیں پوری کرتے رہنے کی وجہ سے اس ثواب سے محروم ہو گیا جو نفس کشی میں حاصل ہوتا۔

[2] یعنی میرا یہ سوال ان نیک کردار بندوں کی طرح نہیں جو تجھ سے سوال کرنے کا حق رکھتے ہیں بلکہ اس بندے کی طرح محض تیرے تفضل پر بھروسا کر کے سوال کر رہا ہوں جس کا نفس دنیا کی طویل امیدوں میں پڑ کر آخرت سے غافل ہو گیا ہو۔

[3] رگوں کے ٹھہرے رہنے سے اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا احساس باقی نہ رہا ہو اور غفلت و مستی نے اس میں کامل جمود پیدا کر دیا ہو۔

[4] یعنی میں ایسی حالت میں تجھ سے سوال کر رہا ہوں کہ اب موت کا وقت قریب آ گیا ہے مگر خواہشوں نے ابھی تک پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔ ان کلمات سے اس بات کی جانب اشارہ مقصود ہے کہ اعمال صالح کا ذخیرہ جمع ہونے کی توفیق نہیں ہے جو مجھے نجات دلائے گا۔ بلکہ صرف تیرے تفضل سے بخشش کی امید ہے۔

[5] یعنی تیرے عذاب سے۔

[6] یعنی تیری الوہیت کا واسطہ دیتا ہوں۔

[7] بِجَلَالِ کا ترجمہ جو اوپر مذکور ہوا۔

اَنْ تُصَلِّيَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ اَنْ تُغْنِيَنِيْ عَنْ كُلِّ شَيْءٍ بِعِبَادَتِكَ وَ اَنْ تُسَلِّيَ نَفْسِيْ عَنِ الدُّنْيَا بِمَخَافَتِكَ وَ اَنْ تُثْنِيَنِيْ بِالْكَثِيْرِ مِنْ كَرَامَتِكَ بِرَحْمَتِكَ فَاِلَيْكَ اَفِرُّ وَ مِنْكَ اَخَافُ وَ بِكَ اَسْتَغِيْثُ وَ اِيَّاكَ اَرْجُوْ وَ لَكَ اَدْعُوْ وَ اِلَيْكَ اَلْجَأُ وَ بِكَ اَثِقُ وَ اِيَّاكَ اَسْتَعِيْنُ وَ بِكَ اُوْمِنُ وَ عَلَيْكَ اَتَوَكَّلُ وَ عَلٰى جُوْدِكَ وَ كَرَمِكَ اَتَّكِلُ ۵

اور نہ بدلے گی اور نہ متغیر ہوگی اور نہ فنا ہوگی۔[1] یہ کہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر اور یہ کہ غنی کر دے مجھ کو دنیا کی ہر چیز سے اپنی عبادت کی بدولت، اور یہ کہ تسلی دے دے میرے نفس کو دنیا سے اپنے خوف کے ذریعہ اور یہ کہ مجھ کو بہت بقدر عطا کر اپنے کرم اور اپنی رحمت سے۔ پس میں تیری طرف بھاگ کر آیا ہوں اور تجھ ہی سے خوف کرتا ہوں اور تجھ سے فریاد کر رہا ہوں اور تجھ ہی سے امید رکھتا ہوں اور تجھے پکارتا ہوں اور تیری ہی پناہ میں آیا ہوں اور تجھ ہی پر اعتماد کرتا ہوں اور تجھ ہی سے مدد چاہتا ہوں اور تجھ پر ایمان لایا ہوں اور تجھی پر بھروسا کرتا ہوں اور تیری بخشش پر اور تیرے کرم پر اعتماد رکھتا ہوں۔

## وَ كَانَ مِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي التَّذَلُّلِ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ

حضرت زین العابدین خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی ظاہر کرنے کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

رَبِّ اَفْحَمَتْنِيْ ذُنُوْبِيْ وَ انْقَطَعَتْ مَقَالَتِيْ فَلَا حُجَّةَ لِيْ فَاَنَا الْاَسِيْرُ بِبَلِيَّتِيْ الْمُرْتَهَنُ بِعَمَلِيْ الْمُتَرَدِّدُ فِيْ خَطِيْئَتِيْ الْمُتَحَيِّرُ عَنْ قَصْدِيْ الْمُنْقَطَعُ بِيْ قَدْ اَوْقَفْتُ نَفْسِيْ مَوْقِفَ الْاَذِلَّاءِ

اے میرے پالنے والے! مجھے میرے گناہوں[2] نے خاموش کر دیا ہے اور میری گفتگو تجھ سے منقطع ہو گئی ہے پس میرے پاس کوئی حجت[3] نہیں اور میں اپنی بلا میں گرفتار ہوں، اپنے[4] عمل میں گرو (پھنسا ہوا) ہوں۔ اپنے گناہ میں متردد ہوں۔ حیران ہوں اپنے مقابلہ[5] سے۔ اپنی راہ میں درماندہ ہوں۔ یقیناً میں نے اپنے نفس کو ان ذلیلوں

---

۱ یعنی یہ سوال کرتا ہوں۔

۲ یعنی کثرت معاصی کے باعث تجھ سے کچھ عرض کرنے کو منہ نہیں کھلتا۔

۳ یعنی کوئی ایسی دلیل نہیں جس کو اپنی صفائی میں بیان کر کے تجھ سے بات کرنے کے قابل بن سکوں۔

۴ اپنے عمل کا خمیازہ بھگت رہا ہوں۔

۵ یعنی حیران ہوں کہ کس طرح خواہش نفس کا مقابلہ کروں۔

الْمُذْنِبِيْنَ مَوْقِفَ الْاَشْقِيَاءِ الْمُتَجَرِّئِيْنَ
عَلَيْكَ الْمُسْتَخِفِّيْنَ بِوَعْدِكَ سُبْحَانَكَ
اَيُّ جُرْأَةٍ اِجْتَرَأْتُ عَلَيْكَ وَ اَيُّ
تَغْرِيْرٍ غَرَّرْتُ بِنَفْسِيْ مَوْلَايَ ارْحَمْ
كَبْوَتِيْ لِحُرِّ وَجْهِيْ وَ زَلَّةَ قَدَمِيْ
وَ عُدْ بِحِلْمِكَ عَلٰى جَهْلِيْ وَ بِاِحْسَانِكَ
عَلٰى اِسَاءَتِيْ فَاَنَا الْمُقِرُّ بِذَنْبِيْ
الْمُعْتَرِفُ بِخَطِيْئَتِيْ وَ هٰذِهٖ اَيْدِيْ
وَ نَاصِيَتِيْ اَسْتَكِيْنُ بِالْقَوَدِ مِنْ
نَفْسِيْ ارْحَمْ شَيْبَتِيْ وَ نَفَادَ
اَيَّامِيْ وَ اقْتِرَابَ اَجَلِيْ وَ ضَعْفِيْ
وَ مَسْكَنَتِيْ وَ قِلَّةَ حِيْلَتِيْ مَوْلَايَ
وَ ارْحَمْنِيْ اِذَا انْقَطَعَ مِنَ الدُّنْيَا
اَثَرِيْ وَ امَّحٰى مِنَ الْمَخْلُوْقِيْنَ
ذِكْرِيْ وَ كُنْتُ فِي الْمَنْسِيِّيْنَ كَمَنْ
قَدْ نُسِيَ مَوْلَايَ وَ ارْحَمْنِيْ عِنْدَ
تَغَيُّرِ صُوْرَتِيْ وَ حَالِيْ اِذَا بَلِيَ جِسْمِيْ
وَ تَفَرَّقَتْ اَعْضَائِيْ وَ تَقَطَّعَتْ اَوْصَالِيْ
يَا غَفْلَتِيْ عَمَّا يُرَادُ بِيْ مَوْلَايَ وَ ارْحَمْنِيْ
فِيْ حَشْرِيْ وَ نَشْرِيْ وَ اجْعَلْ فِيْ ذٰلِكَ

کے مقام میں لا ڈالا ہے جو گنہگار ہیں (اور) ان بدبختوں کے مقام میں
(لا ڈالا) ہے جو تیرے مقابلے کی جرأت کرتے ہیں[1] (اور) جو ہلکا سمجھتے
ہیں تیرے وعدے کو۔ تو ہی مستحق تسبیح ہے۔ میں نے کیسی جرأت تیرے
مقابلے میں کی اور کس فریب سے میں نے اپنے نفس کو ہلاکت میں ڈال[2]
دیا۔ اے میرے مولا! میرے منہ کے بل گرنے اور میرے قدم کی
لغزش پر رحم کر اور مہربانی کر اپنے حلم سے میری جہالت پر اور اپنے
احسان سے میری بدکاری پر۔ پس میں اقرار کرتا ہوں اپنے گناہ کا۔
معترف ہوں اپنی خطا کا۔ اور یہ میرا ہاتھ ہے اور میری پیشانی۔
عاجزی کرتا ہوں میں (تجھ سے) میرے نفس[3] سے قصاص لینے میں۔
رحم کر میرے بڑھاپے پر اور میری زندگی کے دن ختم ہو جانے اور
موت کے نزدیک آجانے اور میری کمزوری اور میرے افلاس اور
میرے وسائل کی کمی پر۔ اے میرے مولا! اور رحم کر مجھ پر اس وقت
جبکہ منقطع ہو جائے دنیا سے میرا نشان اور (جبکہ) مخلوقات میں سے
میری یاد مٹ جائے اور میں بھلا دیئے گئے لوگوں میں ہو جاؤں ان لوگوں
کی طرح جو بھلائے جا چکے ہیں۔ اے میرے مولا! اور مجھ پر رحم کر میری
صورت اور حالت بدل جانے کے وقت جبکہ میرا جسم (قبر میں) بوسیدہ ہو
اور میرے اعضاء جدا جدا ہو جائیں اور میرے جوڑ الگ الگ ہو جائیں۔
ہائے میں کس قدر غافل ہوں اس بات سے[4] جس کا میرے لیے ارادہ کیا
جائے گا اے میرے مولا! اور مجھ پر رحم کر میرے زندہ کیے جانے اور
اٹھائے جانے کے وقت۔ اور قرار دے اس دن میں میری منزل اپنے

---

۱ یعنی تیرے احکام کی تعمیل نہیں کرتے اور تیرے محرمات کے مرتکب ہوتے ہیں۔

۲ یعنی بہت فکرمند ہوں۔

۳ یعنی میں تجھ سے عاجزی کے ساتھ کہتا ہوں کہ میرے نفس سے اس کی بے راہ روی کا قصاص نہ لے۔

۴ یعنی اس عذاب سے غافل ہوں جس میں مجھے مبتلا کرنے کا ارادہ کیا جائے گا۔

الْيَوْمَ مَعَ أَوْلِيَائِكَ مَوْقِفِي وَفِي أَحِبَّائِكَ
مَصْدَرِي وَفِي جِوَارِكَ مَسْكَنِي يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ

اولیاء کے ساتھ اور میرا ورود اپنے دوستوں میں اور میری سکونت
اپنے قرب میں۔ اے تمام جہانوں کے پالنے والے!

## وَكَانَ مِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي اسْتِكْشَافِ الْهُمُومِ

حضرت زین العابدین فکروں کے دور کرنے کے لیے یہ
دعا پڑھا کرتے تھے۔

يَا فَارِجَ الْهَمِّ وَكَاشِفَ الْغَمِّ يَا رَحْمٰنَ
الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيمَهُمَا صَلِّ عَلَىٰ
مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَافْرُجْ هَمِّي وَاكْشِفْ
غَمِّي يَا وَاحِدُ يَا أَحَدُ يَا صَمَدُ يَا فَرْدُ
يَا مَنْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ
لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ اِعْصِمْنِي وَطَهِّرْنِي وَاذْهَبْ
بِبَلِيَّتِي بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ۔
اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا
تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ
عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ
وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ
عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضَ وَلَا يَؤُدُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ
الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ
قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ

اے فکر کے دور کرنے والے! اور غم کے دور کرنے والے!
اے دنیا و آخرت میں رحم کرنے والے اور ان دونوں میں[1] مہربانی
کرنے والے رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر اور میری فکر
دور کر اور میرا غم برطرف کر دے۔ اے ایک اے یکتا اے بے نیاز اے وہ
جس کا کوئی جوڑ[2] نہیں اے وہ جو نہ (بطن سے) پیدا کرتا ہے اور نہ
(بطن سے) پیدا کیا گیا ہے اور نہیں ہے جس کا کوئی مثل و نظیر۔ مجھ کو
بچا اور پاک کر اور میری بلا دور فرما۔ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام
سے جو بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا ہے۔ اللہ (ایسا ہے کہ)
اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں جیتا ہے سب کا تھامنے والا ہے
نہ اس کو اونگھ پکڑتی ہے نہ نیند۔ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے،
اسی کا ہے، کون ایسا ہے جو سفارش کرے اس کی بارگاہ میں مگر اسی
کی اجازت سے۔ جانتا ہے جو ان (مخلوقات) کے روبرو ہے۔ اور جو
ان کے پیٹھ پیچھے ہے۔ اور وہ اس کے علم میں سے کچھ بھی نہیں احاطہ
کر سکتے مگر جس قدر وہ چاہے۔ وسیع ہے اس کی کرسی آسمانوں اور
زمین سے۔ اور نہیں تھکاتی اس کو ان کی حفاظت۔ اور وہی سب سے
بالاتر اور بڑا ہے۔ دین کی بات میں کوئی جبر نہیں۔ بے شک کھل

---

[1] یعنی دنیا اور آخرت میں۔

[2] فرد کا ترجمہ۔

يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ
لَهَا وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۝
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ
مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ ۝ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ
مَا خَلَقَ ۝ وَ مِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ وَ
مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ
اِذَا حَسَدَ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝
اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۝ الْخَنَّاسِ ۝
الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ
الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ ۝ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ
الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۝ وَ
لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ
اَسْئَلُكَ سُؤَالَ مَنِ اشْتَدَّتْ فَاقَتُهٗ
وَضَعُفَتْ قُوَّتُهٗ وَ كَثُرَتْ ذُنُوْبُهٗ
سُؤَالَ مَنْ لَّا يَجِدُ لِفَاقَتِهٖ مُغِيْثًا

چکی ہے ہدایت[1]، گمراہی سے۔ اب جو کوئی منکر ہو مفسد سے اور اللہ پر ایمان لائے تو وہ اس رسی سے متمسک ہوا جو مضبوط ہے۔ جو ٹوٹنے والی نہیں ہے۔ اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اللہ سرپرست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے۔ نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے اجالے کی طرف۔ اور وہ جو کافر ہیں، ان کے رفیق ہیں شیطان۔ نکالتے ہیں ان کو اجالے سے اندھیروں کی طرف۔ یہ ہیں دوزخ والے۔ وہ ہمیشہ اسی (دوزخ) میں رہیں گے۔ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ کہہ (اے رسول) میں پناہ میں آیا (صبح کے نکالنے والے) رب کی۔ ہر چیز کی بدی سے جو اس نے بنائی اور اندھیرے کی بدی سے جبکہ سمٹ آئے۔ اور عورتوں کی بدی سے جو گرہوں میں پھونکیں۔ اور بُرا چاہنے والے کی بدی سے جبکہ وہ حسد کرنے۔ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ کہہ (اے رسول) میں پناہ میں آیا[2] لوگوں کے رب کی۔ جو کہ لوگوں کا بادشاہ ہے۔ لوگوں کا معبود ہے۔ اس کی بدی[3] سے جو سنکالے اور چھپ جائے۔ وہ جو وسوسہ پیدا کرتا ہے لوگوں کے دلوں میں۔ جنوں میں سے اور انسانوں میں سے۔ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحیم ہے۔ کہہ (اے رسول) وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے بطن سے (کسی کو) پیدا کیا اور نہ بطن سے پیدا ہوا۔ اور نہیں ہے اس کے جوڑ کا کوئی۔ اے میرے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اس شخص کی طرح جس کی احتیاج سخت ہو گئی ہو اور جس کی قوت جاتی رہی ہو اور

---

[1] یعنی ہدایت اور گمراہی کا امتیاز واضح ہو چکا ہے۔

[2] اَعُوْذُ کا ترجمہ جو کہ اوپر کی سطر میں ہے۔

[3] یعنی اس کی بدی سے خدا کی پناہ میں آیا۔

وَ لَا لِضُعْفِهٖ مُقَوِّيًا وَ لَا
لِذَنْبِهٖ غَافِرًا غَيْرَكَ يَا ذَا الْجَلَالِ
وَ الْاِكْرَامِ اَسْئَلُكَ عَمَلًا تُحِبُّ بِهٖ
مَنْ عَمِلَ بِهٖ وَ يَقِيْنًا تَنْفَعُ
بِهٖ مَنِ اسْتَيْقَنَ بِهٖ حَقَّ الْيَقِيْنِ
فِيْ نَفَاذِ اَمْرِكَ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ اقْبِضْ عَلَى
الصِّدْقِ نَفْسِيْ وَ اقْطَعْ مِنَ الدُّنْيَا
حَاجَتِيْ وَ اجْعَلْ فِيْمَا عِنْدَكَ
رَغْبَتِيْ شَوْقًا اِلٰى لِقَائِكَ وَ
هَبْ لِيْ صِدْقَ التَّوَكُّلِ عَلَيْكَ
اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِ كِتَابٍ قَدْ خَلَا
وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كِتَابٍ
قَدْ خَلَا اَسْئَلُكَ خَوْفَ الْعَابِدِيْنَ
لَكَ وَ عِبَادَةَ الْخَاشِعِيْنَ لَكَ
وَ يَقِيْنَ الْمُتَوَكِّلِيْنَ عَلَيْكَ وَ
تَوَكُّلَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْكَ اَللّٰهُمَّ

جس کے گناہ کثیر ہوں۔ اس شخص کی طرح (سوال کرتا ہوں) جو تیرے[1] سوا اپنی احتیاج کے لیے کوئی فریادرس، اپنی کمزوری کو کوئی طاقت سے بدل دینے والا اور اپنے گناہ کا معاف کر دینے والا نہ پائے[2]۔ اے جلال اور بزرگی والے! میں تجھ سے اس عمل کا سوال کرتا ہوں کہ تو دوست رکھتا ہے اس عمل کی وجہ سے اس شخص کو جو اسے بجا لائے۔ اور اس یقین[3] کا سوال کرتا ہوں، کہ جس سے تو اس شخص کو نفع پہنچاتا ہے جو اس کے باعث پورا پورا الیقین رکھے تیرے حکم کے جاری ہونے[4] میں۔ اے میرے معبود! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر اور قبض کر سچائی پر میری جان[5]۔ اور دنیا سے میری حاجت منقطع کر دے اور قرار دے اس چیز[6] میں جو کہ تیرے پاس ہے، میری رغبت، تیری ملاقات کے شوق میں۔ اور مجھے اپنے اوپر سچا اعتماد عطا کر۔ سوال کرتا ہوں میں تجھ سے گزشتہ (مدت) کے اچھے نامہ عمل کا۔ اور پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے برے نامہ عمل سے گزشتہ (اعمال) کے۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اس خوف کا جو تیرے عبادت گزاروں کو ہوتا ہے اور ویسی عبادت کا جیسی تیرے خضوع و خشوع والے بندے کیا کرتے ہیں اور اس یقین کا جو تجھ پر بھروسا کرنے والوں کو ہوتا ہے اور اس بھروسے کا جو تجھ پر ایمان لانے والے رکھتے ہیں۔

---

[1] غیرک کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔
[2] لا یجد کا ترجمہ جو صفحہ ۲۰۶ پر مذکور ہوا۔
[3] یعنی یقین کی اس منزل تک پہنچائے جہاں انسان موت اور مابعد الموت کے تمام مراحل (سوال منکر و نکیر و حساب و کتاب وحشر و نشر و جنت و دوزخ) کا اس طرح عقیدہ رکھتا ہے جیسے ان سب چیزوں کو آنکھ سے دیکھ رہا ہے اور پھر ان سب باتوں کا یقین کامل رکھنے پر اسے بارگاہ احدیت سے اجر ملتا ہے۔
[4] موت اور موت کے بعد کی منزلوں سے متعلق احکام جاری ہونا مراد ہیں۔
[5] یعنی قبض روح کے وقت تک میں حق و صداقت پر ثابت قدم رہوں۔
[6] یعنی خدائے تعالیٰ کی رضامندی۔

اجْعَلْ رَغْبَتِیْ فِیْ مَسْئَلَتِیْ مِثْلَ رَغْبَةِ اَوْلِیَائِكَ فِیْ مَسَائِلِهِمْ وَ رَهْبَتِیْ مِثْلَ رَهْبَةِ اَوْلِیَائِكَ وَاسْتَعْمِلْنِیْ فِیْ مَرْضَاتِكَ عَمَلاً لَا اَتْرُكُ مَعَهٗ شَیْئًا مِنْ دِیْنِكَ مَخَافَةَ اَحَدٍ مِنْ خَلْقِكَ اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ حَاجَتِیْ فَاَعْظِمْ فِیْهَا رَغْبَتِیْ وَ اَظْهِرْ فِیْهَا عُذْرِیْ وَ لَقِّنِیْ فِیْهَا حُجَّتِیْ وَ عَافِ فِیْهَا جَسَدِیْ اَللّٰهُمَّ مَنْ اَصْبَحَ لَهٗ ثِقَةٌ اَوْ رَجَاءٌ غَیْرُكَ فَقَدْ اَصْبَحْتُ وَ اَنْتَ ثِقَتِیْ وَ رَجَائِیْ فِی الْاُمُوْرِ كُلِّهَا فَاقْضِ لِیْ بِخَیْرِهَا عَاقِبَةً وَ نَجِّنِیْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ الْمُصْطَفٰی وَ عَلٰی اٰلِهِ الطَّاهِرِیْنَ ۝

اے اللہ! میرے سوال کرنے میں ایسی رغبت قرار دے جیسی تیرے دوستوں کو ہوتی ہے اپنے سوالات میں۔ اور مجھ کو ایسا اپنا خوف دے جیسا کہ تیرے دوستوں کو ہوا کرتا ہے اور مجھے کام کرنے کی ایسی توفیق دے اپنی خوشنودی کے کاموں میں کہ جس کے ہوتے ہوئے میں تیرے دین کی کوئی بات بھی نہ چھوڑوں تیرے کسی بندے کے خوف[1] سے۔ اے اللہ! یہ میری حاجت ہے پس اس میں میری رغبت زیادہ کر اور ظاہر کر اس میں میرے عذر کو اور اس میں میری دلیل مجھے تعلیم کر اور اس میں میرے جسم کو عافیت دے۔ اے اللہ! اگر کسی شخص نے اس حالت میں صبح کی ہو کہ اس کا معتمد اور امید گاہ تیرا غیر ہو تو میں نے اس حالت میں صبح کی ہے کہ تو ہی میرا معتمد اور امیدگاہ ہے کل کاموں میں۔ پس میرے لیے ان (کاموں) کا حکم دے دے جن کا انجام اچھا ہو۔ اور بچا لے مجھ کو گمراہ کرنے والے فتنوں سے، اپنی رحمت کے ذریعہ۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! اور اللہ رحمت نازل کرے ہمارے سردار محمد مصطفیٰ پر جو اللہ کے رسول ہیں اور ان کی پاک اولاد پر۔

---

[1] احد کا ترجمہ جو بعد کی سطر میں ہے۔

[2] مخافت کا ترجمہ جو بعد میں ہے۔

# چند اور دعائیں جو صحیفہ کے بعض نسخوں میں مذکور ہیں

# مِمَّا اُلْحِقَ بِبَعْضِ نُسَخِ الصَّحِيفَةِ

## وَكَانَ مِنْ تَسْبِيحِهِ اَعْنِي زَيْنَ الْعَابِدِينَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

حضرت زین العابدین خدائے تعالےٰ کی تسبیح میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَحَنَانَيْكَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَتَعَالَيْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَالْعِزُّ اِزَارُكَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَالْعَظَمَةُ رِدَاۤؤُكَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَالْكِبْرِيَاۤءُ سُلْطَانُكَ سُبْحَانَكَ مِنْ عَظِيْمٍ مَا اَعْظَمَكَ سُبْحَانَكَ سُبِّحْتَ فِي الْاَعْلٰى تَسْمَعُ وَتَرٰى مَا تَحْتَ الثَّرٰى سُبْحَانَكَ اَنْتَ شَاهِدُ كُلِّ نَجْوٰى سُبْحَانَكَ مَوْضِعُ كُلِّ شَكْوٰى سُبْحَانَكَ حَاضِرُ كُلِّ مَلَاٍ سُبْحَانَكَ عَظِيْمَ الرَّجَاۤءِ سُبْحَانَكَ تَرٰى مَا فِيْ قَعْرِ الْمَاۤءِ سُبْحَانَكَ تَسْمَعُ اَنْفَاسَ الْحِيْتَانِ فِيْ قُعُوْرِ الْبِحَارِ

میں تیری تسبیح کرتا ہوں اے میرے اللہ اور میں تجھ سے رحمت پر رحمت کا خواستگار ہوں۔ میں تیری تسبیح کرتا ہوں اے میرے اللہ اور تیرا مرتبہ بلند ہے۔ میں تیری تسبیح کرتا ہوں اے میرے اللہ! اور عزت تیرا ہی لباس ہے۔ میں تیری تسبیح کرتا ہوں اے میرے اللہ! اور بزرگی تیری ہی چادر ہے۔ میں تیری تسبیح کرتا ہوں اے میرے اللہ! اور کبریائی تیری حکومت ہے[۱] تو عظمت والا مستحق تسبیح ہے۔ کس قدر عظیم ہے تو۔ تو لائق تسبیح ہے عالم بالا میں تیری تسبیح کی گئی تو سنتا ہے اور دیکھتا ہے اس کو جو کچھ زیر زمین (ہو رہا) ہے[۲]۔ تو پاک ہے۔ تو ہر راز کا شاہد ہے[۳]۔ تو پاک ہے۔ ہر قابل شکایت بات[۴] کا محل ہے۔ تو پاک ہے۔ ہر مجمع میں موجود ہے تو پاک ہے۔ تجھ سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔ تو پاک ہے۔ تو اس چیز کو (بھی) دیکھتا ہے جو سمندر کی تہہ میں ہے۔ تو پاک ہے۔ تو ان مچھلیوں کی سانس[۵] (بھی) سنتا ہے جو سمندروں[۶] کی انتہائی گہرائیوں

---

[۱] یعنی تیری کبریائی ہی تیری حکومت اور غلبہ کی وجہ ہے اور دوسری حکومتوں کی طرح تیری حکومت کسی فوج یا لشکر یا ظاہری ساز و سامان شان و شوکت سے قائم نہیں۔ [۲] زمین پر جو تسبیح ہو رہی ہے اسے سنتا اور دیکھتا ہے [۳] یعنی ہر راز سے اور ہر بات سے واقف ہے اس لیے سب باتوں کا گواہ ہے [۴] یعنی جس کو جو شکایت اور تکلیف ہوگی اسے تیرے علاوہ کس سے کہے گا۔ [۵] جب مچھلیاں اپنے گلپھڑوں سے سانس لیتی ہیں تو ان کے تنفس سے کوئی آواز نہیں نکلتی بظاہر ہم حضرت نے مچھلیوں کے سانس کی آواز کا وجود ثابت فرمایا جس کی تشریح یہ ہے کہ سانس کی آواز کو سن کر دوسرا شخص یہ پتہ چلا سکتا ہے کہ سانس لینے والے نے کتنی دفعہ سانس لی اور یہ کہ وہ سانس لے رہا ہے یا اس کی سانس بند ہو گئی ہے۔ اسی طرح خدائے تعالیٰ اپنے علم ازلی و ابدی سے یہ جانتا ہے کہ مچھلی نے کب سانس لی اور اس نے کتنی دیر میں کتنی سانسیں لیں اور یہ کہ اب وہ سانس لے رہی ہے یا اس کی سانس بند ہو گئی۔ اس بات کو مجازاً سانس کی آواز سے تعبیر کیا گیا ہے جو اصول بلاغت کے اعتبار سے درست ہے۔

[۶] البحار کا ترجمہ جو اسی سطر میں ہے

سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ السَّمٰوٰتِ سُبْحَانَكَ
تَعْلَمُ وَزْنَ الْاَرَضِیْنَ سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ
وَزْنَ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ
وَزْنَ الظُّلْمَةِ وَالنُّوْرِ سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ
وَزْنَ الْفَیْءِ وَالْهَوَآءِ سُبْحَانَكَ تَعْلَمُ وَزْنَ
الرِّیْحِ کَمْ هِیَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ سُبْحَانَكَ
قُدُّوْسٌ قُدُّوْسٌ قُدُّوْسٌ سُبْحَانَكَ عَجَبًا
مَنْ عَرَفَكَ کَیْفَ لَا یَخَافُكَ سُبْحَانَكَ
اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

میں ہیں۔ تو پاک ہے۔ آسمانوں[1] کے وزن سے واقف ہے۔ تو پاک ہے۔
زمینوں کے وزن سے واقف ہے۔ تو پاک ہے تو سورج اور چاند
کا وزن پہچانتا ہے۔ تو پاک ہے۔ تاریکی اور روشنی کے وزن سے باخبر
ہے۔ تو پاک ہے۔ سایہ اور ہوا[2] کے وزن سے واقف ہے۔ تو پاک ہے۔ تو
آندھی[3] کا وزن جانتا ہے کہ وہ کتنے ذرّوں کی برابر ہے۔ تو عیب اور نقص
سے پاک اور منزہ ہے۔ تو پاک ہے۔ اس شخص سے تعجب ہے جو تجھے
پہچانے اور پھر تجھ سے نہ ڈرے۔ تو پاک ہے اے میرے معبود اور
میں تیری حمد کرتا ہوں۔ تو پاک ہے اے میرے بلند مرتبہ اور بزرگ
پالنے والے!

## وَمِنْ دُعَآئِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِی الْحَمْدِ وَالتَّمْجِیْدِ

حضرت زین العابدین حمد و تمجید باری تعالیٰ کے لیے یہ
دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ تَجَلّٰی لِلْقُلُوْبِ بِالْعَظَمَةِ
وَاحْتَجَبَ عَنِ الْاَبْصَارِ بِالْعِزَّةِ وَ
اقْتَدَرَ عَلَی الْاَشْیَآءِ بِالْقُدْرَةِ فَلَا
الْاَبْصَارُ تَثْبُتُ لِرُؤْیَتِهٖ وَلَا الْاَوْهَامُ
تَبْلُغُ کُنْهَ عَظَمَتِهٖ تَجَبَّرَ بِالْعَظَمَةِ

تمام تعریفوں کا مستحق وہ معبود ہے جس کی عظمت دلوں پر روشن
ہے اور جو آنکھوں سے چھپا ہوا ہے (اپنے) غلبہ[4] کے ساتھ۔ اور جو اپنی
قدرت سے تمام چیزوں پر اقتدار رکھتا ہے پس نہ آنکھیں کام دیتی ہیں
اس کو دیکھنے کے لیے اور نہ خیالات اس کی بزرگی کی تہہ تک پہنچ سکتے
ہیں۔ اظہار بزرگی[5] کرتا ہے وہ اپنی عظمت اور کبریائی کی وجہ سے اور

---

۱؎ یعنی بلندی میں گردش کرنے والے اجسام سماوی۔
۲؎ الهواء سے معمولی رفتار سے چلنے والی ہوا مراد ہے۔
۳؎ الریح سے تیز ہوا مراد ہے۔
۴؎ یعنی پوشیدہ ہوتے ہوئے بھی اس کی حکومت اور طاقت اور اقتدار کی تمام کائنات پر قائم ہے۔
۵؎ بزرگی جتانا اور کبر و غرور کرنا خدائے تعالیٰ کے لیے ممدوح ہے۔

وَ الْكِبْرِيَآءِ وَ تَعَطَّفَ بِالْعِزِّ وَ الْبِرِّ وَ
الْجَلَالِ وَ تَقَدَّسَ بِالْحُسْنِ وَ الْجَمَالِ وَ
تَمَجَّدَ بِالْفَخْرِ وَ الْبَهَآءِ وَ تَهَلَّلَ بِالْمَجْدِ وَ
الْآلَآءِ وَ اسْتَخْلَصَ بِالنُّوْرِ وَ الضِّيَآءِ خَالِقٌ
لَا نَظِيْرَ لَهٗ وَ اَحَدٌ لَا نِدَّ لَهٗ وَ وَاحِدٌ
لَا ضِدَّ لَهٗ وَ صَمَدٌ لَا كُفُوْلَهٗ وَ اِلٰهٌ
لَا ثَانِيَ مَعَهٗ وَ فَاطِرٌ لَا شَرِيْكَ لَهٗ
وَ رَازِقٌ لَا مُعِيْنَ لَهٗ وَ الْاَوَّلُ بِلَا
زَوَالٍ وَ الدَّآئِمُ بِلَا فَنَآءٍ وَ الْقَآئِمُ
بِلَا عَنَآءٍ وَ الْمُؤْمِنُ بِلَا نِهَايَةٍ
وَ الْمُبْدِئُ بِلَا اَمَدٍ وَ الصَّانِعُ بِلَا
اَحَدٍ وَ الرَّبُّ بِلَا شَرِيْكٍ وَ الْفَاطِرُ
بِلَا كُلْفَةٍ وَ الْفَعَّالُ بِلَا عَجْزٍ لَيْسَ
لَهٗ حَدٌّ فِيْ مَكَانٍ وَ لَا غَايَةٌ فِيْ زَمَانٍ

لطف وکرم سے پیش آتا ہے اپنے غلبہ[1]، احسان اور جلال[2] کے باعث۔
لائق تقدیس ہے وہ حسن[3] اور جمال کی وجہ سے اور تعریف والا ہے
فخر اور خوبی کی بنا پر۔ درخشاں ہے شرف اور نعمتوں کی وجہ سے (اور)
نور وضیا میں منفرد ہے۔ ایسا خالق ہے جس کا کوئی نظیر نہیں اور ایسا
یگانہ ہے جس کا کوئی مثل نہیں۔ اور ایسا یکتا ہے جس کا کوئی مقابل نہیں
اور ایسا بے نیاز ہے جس کا کوئی ہمسر نہیں اور ایسا معبود ہے جس کا کوئی
ثانی نہیں اور ایسا پیدا کرنے والا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور ایسا
روزی دینے[4] والا ہے جس کو کسی سے مدد لینے کی ضرورت نہیں اور ایسا
اوّل ہے جو بے زوال ہے اور ایسا ہمیشہ رہنے والا ہے جو کبھی فنا نہ
ہوگا۔ اور ایسا قائم[5] ہے جو کسی کا مطیع (و محتاج) نہیں اور ایسا امان دینے
والا ہے جس کی حد و[6] انتہا نہیں اور ایسا خالق ہے جس کی مدت خلق کی کوئی
انتہا نہیں۔ اور ایسا صانع ہے جس نے کسی سے مدد[7] نہیں لی۔ اور ایسا
پالنے والا ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور بے تکان پیدا[8] کرنے والا ہے
اور بغیر عجز کے بہت[9] کام کرنے والا ہے۔ نہیں ہے اس کی کوئی حد

---

[1] چونکہ وہ دائماً سب پر غالب ہے اس لیے اس کو یہی زیب دیتا ہے کہ لطف وکرم سے پیش آئے چونکہ غلبہ پانے پر رعونت سے وہ پیش آیا کرتے ہیں جن کا غلبہ عارضی ہوتا ہے۔

[2] الجلال کے معنی صفات کمالیہ کے ہیں۔

[3] خدائے تعالیٰ کی توصیف میں حسن وجمال سے وہ صفات مراد ہوا کرتی ہیں جن کا تعلق رحم وکرم سے ہوتا ہے۔

[4] یعنی وہ خود ہی بغیر کسی دوسرے کی امداد کے کل کائنات کو روزی پہنچا دیتا ہے۔

[5] یعنی قائم بالذات ہے۔

[6] گنہگاروں کو امان دینے میں نرمی برتنے کی حد و انتہا یہ ہے کہ اگر اس کا سب سے بڑا دشمن یعنی مشرک بھی طالب امان ہو اور توبہ کرے تو اسے امان دیتا ہے اور پھر مرنے سے ایک لمحہ پہلے بھی امان مانگ لے تو اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ یہ ایک سجدہ تک اس کی بارگاہ میں ادا نہیں کر پائے گا۔

[7] یعنی سب کچھ خود ہی بنایا ہے کسی دوسرے کا ہاتھ شامل کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

[8] اس کے ارادہ کرتے ہی چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا نہیں کہ ہماری طرح پیدا کرنے میں اسے ساز وسامان اور وقت کی ضرورت ہو۔

[9] یعنی کتنا ہی کام کرے نہ عاجز ہوتا ہے اور نہ تھکتا ہے۔

لَمْ یَزَلْ وَلَا یَزُوْلُ وَلَنْ یَزَالَ كَذٰلِكَ اَبَدًا هُوَ الْاِلٰهُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الدَّآئِمُ الْقَدِیْمُ الْقَادِرُ الْحَكِیْمُ اِلٰهِیْ عُبَیْدُكَ[1] بِفِنَآئِكَ سَآئِلُكَ بِفِنَآئِكَ فَقِیْرُكَ بِفِنَآئِكَ ثَلٰثًا[2] (تین مرتبہ) اِلٰهِیْ لَكَ یَرْهَبُ الْمُتَرَهِّبُوْنَ وَاِلَیْكَ اَخْلَصَ الْمُبْتَهِلُوْنَ رَهْبَةً لَكَ وَرَجَآءً لِعَفْوِكَ یَآ اِلٰهَ الْحَقِّ اِرْحَمْ دُعَآءَ الْمُسْتَصْرِخِیْنَ وَاعْفُ عَنْ جَرَآئِمِ الْغَافِلِیْنَ وَزِدْ فِیْ اِحْسَانِ الْمُنِیْبِیْنَ یَوْمَ الْوُفُوْدِ عَلَیْكَ یَا كَرِیْمُ

مکان میں اور نہ کوئی انتہا زمانے میں۔ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور ضرور ہمیشہ رہے گا، اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ۔ وہی ایسا معبود ہے جو زندہ ہے، کاموں کی اصلاح کرنے والا ہے ہمیشہ رہے۔ قدیم ہے۔ قادر ہے۔ اور حکمت والا ہے۔ اے میرے معبود تیرا بندۂ حقیر[1] تیرے آستانے پر حاضر ہے تیرا فقیر تیری ڈھوڑی پر موجود ہے۔ تیرا بھکاری تیرے دروازے پر کھڑا ہے (تین بار)[2]۔ اے میرے اللہ! ڈرنے والے تجھی سے ڈرتے ہیں اور صرف تجھی سے فریاد کرتے ہیں فریاد کرنے والے تیرے خوف سے اور تیری معافی کی امید میں۔ اے خدائے برحق رحم کر فریاد کرنے والوں کی دعا پر۔ اور غافلوں کے گناہوں کو معاف کردے اور زیادہ کر بازگشت کرنے والوں کی نیکی جبکہ وہ (روز حساب) تیرے پاس پہنچیں۔ اے کرم کرنے والے!

## وَمِنْ دُعَآئِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِی التَّذَلُّلِ

حضرت زین العابدین خدائے تعالیٰ کے سامنے اعتراف ذلت وخواری میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

مَوْلَایَ مَوْلَایَ اَنْتَ الْمَوْلٰی وَاَنَا الْعَبْدُ وَهَلْ یَرْحَمُ الْعَبْدَ اِلَّا الْمَوْلٰی مَوْلَایَ مَوْلَایَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ وَاَنَا الذَّلِیْلُ وَهَلْ یَرْحَمُ الذَّلِیْلَ اِلَّا الْعَزِیْزُ مَوْلَایَ مَوْلَایَ اَنْتَ الْخَالِقُ وَاَنَا الْمَخْلُوْقُ وَهَلْ یَرْحَمُ الْمَخْلُوْقَ اِلَّا الْخَالِقُ مَوْلَایَ مَوْلَایَ اَنْتَ الْمُعْطِیْ وَاَنَا السَّآئِلُ وَهَلْ یَرْحَمُ السَّآئِلَ اِلَّا الْمُعْطِیْ مَوْلَایَ مَوْلَایَ اَنْتَ الْغَنِیُّ وَاَنَا الْفَقِیْرُ وَهَلْ یَرْحَمُ الْفَقِیْرَ اِلَّا الْغَنِیُّ مَوْلَایَ مَوْلَایَ اَنْتَ

میرے آقا! میرے مولا! تو آقا ہے اور میں بندہ ہوں۔ اور بندہ پر سوائے آقا کے اور کوئی رحم نہیں کیا کرتا۔ اے میرے آقا! تو غالب ہے اور میں پست ہوں اور نہیں رحم کیا کرتا پست پر مگر غالب۔ اے میرے آقا! اے میرے مولا! تو خالق ہے اور میں مخلوق ہوں۔ اور نہیں رحم کرتا مخلوق پر مگر خالق۔ اے میرے مولا! اے میرے آقا! تو عطا کرنے والا ہے اور میں سائل ہوں اور نہیں رحم کرتا سائل پر مگر عطا کرنے والا۔ اے میرے آقا! اے میرے مولا! تو غنی ہے اور میں فقیر ہوں، اور نہیں رحم کرتا فقیر پر مگر غنی۔ اے میرے آقا! اے میرے مولا! تو فریاد رس ہے اور

---

[1] عُبَیْدٌ۔ عبدٌ کی تصغیر ہے۔ عبدٌ کے معنی بندہ اور عُبَیْدٌ کے معنی بندۂ حقیر۔

[2] یعنی فقیرک بفنائک تین بار پڑھنا چاہیے۔

اَلْمُغِيْثُ وَاَنَا الْمُسْتَغِيْثُ وَهَلْ يَرْحَمُ الْمُسْتَغِيْثَ اِلَّا الْمُغِيْثُ مَوْلَايَ مَوْلَايَ اَنْتَ الْبَاقِيْ وَاَنَا الْفَانِيْ وَهَلْ يَرْحَمُ الْفَانِيَ اِلَّا الْبَاقِيْ مَوْلَايَ مَوْلَايَ اَنْتَ الدَّآئِمُ وَاَنَا الزَّآئِلُ وَهَلْ يَرْحَمُ الزَّآئِلَ اِلَّا الدَّآئِمُ مَوْلَايَ مَوْلَايَ اَنْتَ الْحَيُّ وَاَنَا الْمَيِّتُ وَهَلْ يَرْحَمُ الْمَيِّتَ اِلَّا الْحَيُّ مَوْلَايَ مَوْلَايَ اَنْتَ الْقَوِيُّ وَاَنَا الضَّعِيْفُ وَهَلْ يَرْحَمُ الضَّعِيْفَ اِلَّا الْقَوِيُّ مَوْلَايَ مَوْلَايَ اَنْتَ الْكَبِيْرُ وَاَنَا الصَّغِيْرُ وَهَلْ يَرْحَمُ الصَّغِيْرَ اِلَّا الْكَبِيْرُ مَوْلَايَ مَوْلَايَ اَنْتَ الْمَالِكُ وَاَنَا الْمَمْلُوْكُ وَهَلْ يَرْحَمُ الْمَمْلُوْكَ اِلَّا الْمَالِكُ ط

میں فریادی ہوں۔ اور نہیں رحم کرتا فریادی پر مگر فریاد رس۔ اے میرے آقا! اے میرے مولا! تو باقی رہنے والا ہے اور میں فنا ہو جانے والا ہوں۔ اور نہیں رحم کرتا فنا ہونے والے پر مگر باقی رہنے والا۔ اے میرے آقا! اے میرے مولا! تو ہمیشہ رہنے والا ہے اور میں زوال پذیر ہوں۔ اور نہیں رحم کرتا زوال پذیر پر مگر ہمیشہ رہنے والا۔ اے میرے آقا! اے میرے مولا! تو زندہ ہے اور میں مردہ ہوں اور نہیں رحم کرتا مردہ پر مگر زندہ۔ اے میرے آقا! اے میرے مولا! تو قوی ہے اور میں کمزور ہوں اور نہیں رحم کرتا کمزور پر مگر قوت والا۔ اے میرے آقا! اے میرے مولا! تو بزرگ ہے اور میں چھوٹا ہوں اور نہیں رحم کرتا چھوٹے پر مگر بزرگ۔ اے میرے آقا! اے میرے مولا! تو مالک ہے اور میں تیری ملکیت ہوں اور نہیں رحم کرتا ملکیت پر مگر مالک۔

## وَكَانَ مِنْ دُعَآئِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الصَّلٰوةِ عَلٰى اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ

حضرت زین العابدینؑ آدم علیہ السلام پر طلب رحمت کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ وَاٰدَمُ بَدِيْعُ فِطْرَتِكَ وَاَوَّلُ مُعْتَرِفٍ مِّنَ الطِّيْنِ بِرُبُوْبِيَّتِكَ وَبِكْرُ حُجَّتِكَ عَلٰى عِبَادِكَ وَبَرِيَّتِكَ وَالدَّلِيْلُ عَلَى الْاِسْتِجَارَةِ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَالنَّاهِجُ سُبُلَ تَوْبَتِكَ

بارِ خدایا! اور آدم تیری تخلیق کے ایجاد کردہ تھے[1] اور مٹی کی بنی ہوئی مخلوق میں سب سے پہلے تیری پروردگاری کا اعتراف کرنے والے تھے۔ اور تیرے بندوں اور تیری مخلوق پر تیری پہلی حجت[3] تھے اور پناہ[4] مانگنے کے معاملے میں سب سے پہلے رہنما تھے۔ تیرے عذاب سے

---

[1] یعنی ایسی مخلوق تھے جو عدم سے وجود میں لائی گئی تھی اور پہلے پہل ایجاد کی گئی تھی۔

[2] بَدِیع الفطرۃ۔ یعنی اس مخلوق پیر کو کہتے ہیں جو بغیر کسی خاکے یا نمونے کے پیدا کی گئی ہو اور پہلے سے اس کے پیدا کرنے کے کچھ اسباب موجود نہ ہوں۔ اس کا سب کچھ موجد کی ایجاد ہو۔

[3] سب سے پہلے نبی تھے اور سب سے پہلے انسان تھے جن کی قوت گویائی اور نظام جسمانی کے عجائبات نے بعد میں آنے والوں کے لیے وجود باری تعالیٰ پر حجت قائم کی۔

[4] آدم جب جنت کے شجر ممنوعہ کے قریب گئے اور ان سے یہ ترک اولیٰ سرزد ہوا اور انھیں احساس ہوا کہ انھوں نے غلطی کی ہے تو خدائے تعالیٰ سے پناہ مانگنے لگے بلکہ ایک مدت تک جنگلوں میں روتے پھرے یہاں تک کہ توبہ قبول ہو گئی۔

وَالْمُتَوَسِّلُ بَيْنَ الْخَلْقِ وَ بَيْنَ مَعْرِفَتِكَ
وَالَّذِىْ لَقَّيْتَهُ مَا رَضِيْتَ بِهٖ عَنْهُ
بِمَنِّكَ عَلَيْهِ وَ رَحْمَتِكَ لَهُ وَ الْمُنِيْبُ الَّذِىْ
لَمْ يُصِرَّ عَلٰى مَعْصِيَتِكَ وَسَابِقُ الْمُتَذَلِّلِيْنَ
بِحَلْقِ رَاْسِهٖ فِىْ حَرَمِكَ وَ الْمُتَوَسِّلُ
بَعْدَ الْمَعْصِيَةِ بِالطَّاعَةِ اِلٰى عَفْوِكَ وَ
اَبُوا الْاَنْبِيَاۤءِ الَّذِيْنَ اُوْذُوْا فِىْ جَنْبِكَ
وَ اَكْثَرُ سُكَّانِ الْاَرْضِ سَعْيًا فِىْ طَاعَتِكَ
فَصَلِّ عَلَيْهِ اَنْتَ يَا رَحْمٰنُ وَ مَلٰۤئِكَتُكَ
وَ سُكَّانُ سَمٰوٰتِكَ وَ اَرْضِكَ كَمَا
عَظَّمَ حُرُمَاتِكَ وَ دَلَّنَا عَلٰى سَبِيْلِ
مَرْضَاتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

تیری معافی کی طرف۔ اور تیری توبہ[1] کے راستوں کے ظاہر کرنے والے تھے۔ اور وسیلہ تھے تیری مخلوق کے اور تیری معرفت کے درمیان[2]۔[3] اور ایسے برگزیدہ تھے جنھیں تو نے وہ بات تعلیم[4] دی جس کے باعث تو ان سے راضی ہوگیا ان پر اپنے احسان اور رحمت کی وجہ سے۔ اور ایسے توبہ کرنے والے تھے جنھوں نے اصرار نہ کیا تیری نافرمانی[5] پر۔ اور سب سے پہلے عاجزی کرنے والے تھے جنھوں نے تیرے حرم[6] میں اپنا سر منڈایا۔ اور جنھوں نے معصیت کے بعد فرمانبرداری کے ذریعہ تیری معافی کی جانب وسیلہ تلاش کیا اور جو نبیوں کے باپ تھے، اپنے نبی جو تیری راہ میں ستائے گئے۔ اور جو زمین کے رہنے والوں سے زیادہ تیری اطاعت کی جانب دوڑنے والے تھے۔ پس درود بھیج ان پر تو اے رحم کرنے والے! اور تیرے ملائکہ (بھی درود بھیجیں) اور تیرے آسمانوں کے رہنے والے اور تیری زمین کے رہنے والے بھی (درود بھیجیں) جس طرح کہ انھوں نے (آدم نے) تیری حرمتوں کو عظیم سمجھا اور ہمیں تیری خوشنودیوں کی جانب راہ دکھائی اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے!

---

[1] سب سے پہلے توبہ کی طرف اخلاف کو راستہ دکھایا۔

[2] کیونکہ نبی تھے اور خدا کے پیغام اور احکام بندوں تک پہنچاتے تھے۔

[3] بین کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

[4] دعائے توبہ تعلیم دی اور توبہ کا طریقہ سکھایا۔

[5] ایک دفعہ شجر گندم کے قریب نہ جانے کے حکم کی تعمیل میں لغزش کرنے کے بعد پھر کبھی لغزش نہ کی۔

[6] جیسا کہ آج تک حاجی زمانہ حج میں اسی پر عمل کرتے ہیں۔

# وَمِنْ دُعَائِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الْكَرْبِ وَالْإِقَالَةِ

حضرت زین العابدین غم واندوہ کی حالت میں خدائے تعالیٰ سے
دفع گناہاں کے لیے یہ دعا کیا کرتے تھے۔

إِلٰهِي لَا تُشْمِتْ بِي عَدُوِّي وَلَا تَفْجَعْ بِي حَمِيمِي وَصَدِيقِي إِلٰهِي هَبْ لِي لَحْظَةً مِّنْ لَحَظَاتِكَ تَكْشِفُ بِهَا عَنِّي مَا ابْتَلَيْتَنِي بِهِ وَتُعِيدُنِي إِلَى أَحْسَنِ عَادَاتِكَ عِنْدِي وَاسْتَجِبْ دُعَائِي دُعَاءَ مَنْ أَخْلَصَ لَكَ دُعَاءَهُ فَقَدْ ضَعُفَتْ قُوَّتِي وَقَلَّتْ حِيلَتِي وَاشْتَدَّتْ حَالِي وَأَيِسْتُ مِمَّا عِنْدَ خَلْقِكَ فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا رَجَاؤُكَ فِي رَدِّ قَدِيمِهِ مَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ إِلٰهِي إِنَّ قُدْرَتَكَ عَلَى كَشْفِ مَا أَنَا فِيهِ كَقُدْرَتِكَ عَلَى مَا ابْتَلَيْتَنِي بِهِ وَإِنَّ ذِكْرَ عَوَائِدِكَ يُؤْنِسُنِي وَالرَّجَاءَ فِي إِنْعَامِكَ وَفَضْلِكَ

خداوندا! میرے دشمن کو طعنہ زنی[1] کا موقع نہ دے۔ اور میرے دوستوں اور عزیزوں کو میری حالت پر دردناک نہ کر۔ اے میرے معبود! عطا کر مجھ کو اپنی حفاظت میں سے ادنیٰ حفاظت، جس کے ذریعہ تو مجھ سے وہ (تکلیف) دور کر دے جس میں تو نے مجھے مبتلا کیا ہے اور (جس کے ذریعہ) لوٹائے تو مجھ کو اپنے ان بہترین احسانوں[2] کی جانب جو مجھ پر ہیں۔ اور میری دعا قبول کر ــــ ایسے شخص کی دعا جس نے اپنی دعا کو تجھ سے مختص کر دیا[3] ہے پس بے شک میری قوت کمزور ہو گئی ہے اور میرا چارہ کار کم ہو گیا ہے اور سخت ہو گئی ہے میری حالت[4]۔ اور جو کچھ تیری مخلوق کے پاس ہے اس سے میں ناامید[5] ہو گیا ہوں پس مجھی سے امید باقی ہے اس چیز کے لوٹانے[6] کی جو پہلے تو نے مجھے بخشی تھی ہ اے میرے معبود! یقیناً اس مصیبت کے دور کرنے میں (جس میں کہ میں مبتلا ہوں) تیری قدرت مثل اس قدرت کے ہے جس سے تو نے مجھے اس (مصیبت[7]) میں مبتلا کیا ہے۔ اور بے شک تیرے احسانات کی یاد مجھے آرام دیتی ہے اور تیرا انعام اور فضل کی امید مجھے قوت پہنچاتی ہے۔ اس لیے کہ میں تیری نعمت سے

---

[1] یعنی میرے غم واندوہ پر میرے دشمنوں کو ہنسنے کا موقع نہ دے۔

[2] یعنی جیسے جیسے بہترین احسان تو نے اب تک مجھ پر کیے ہیں، پھر ویسے ہی احسان کر۔

[3] یعنی تیرے علاوہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا۔

[4] یعنی تکلیفوں کی حالت سخت ہو گئی ہے۔

[5] یعنی مخلوق کے سہارے سے میری حاجت برآری نہیں ہو سکتی۔

[6] یعنی تیرا لطف وکرم مجھ پر رہ چکا ہے۔ پھر مجھے اسی سے مستفیض فرما۔

[7] یعنی جب تو یہ مصیبت نازل کرنے پر قادر ہے تو اس کے دور کرنے پر بھی اتنی ہی قدرت رکھتا ہے۔

يُقَوِّيْنِيْ لِاَنِّيْ لَمْ اَخْلُ مِنْ نِعْمَتِكَ
مُنْذُ خَلَقْتَنِيْ وَاَنْتَ اِلٰهِيْ مَفْزَعِيْ وَ
مَلْجَاِيْ وَالْحَافِظُ لِيْ الذَّآبُّ عَنِّيْ الْمُتَحَنِّنُ
عَلَيَّ الرَّحِيْمُ بِيْ الْمُتَكَفِّلُ بِرِزْقِيْ فِيْ
قَضَآئِكَ كَانَ مَا حَلَّ بِيْ وَبِعِلْمِكَ مَا
صِرْتُ اِلَيْهِ فَاجْعَلْ يَا وَلِيِّ وَسَيِّدِيْ
مِمَّا قَدَّرْتَ وَقَضَيْتَ عَلَيَّ وَحَتَّمْتَ
عَافِيَتِيْ وَمَا فِيْهِ صَلَاحِيْ وَخَلَاصِيْ
مِمَّا اَنَا فِيْهِ فَاِنِّيْ لَا اَرْجُوْ لِدَفْعِ
ذٰلِكَ غَيْرَكَ وَلَا اَعْتَمِدُ فِيْهِ اِلَّا عَلَيْكَ
فَكُنْ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ عِنْدَ اَحْسَنِ
ظَنِّيْ بِكَ وَارْحَمْ ضُعْفِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ
وَاكْشِفْ كُرْبَتِيْ وَاسْتَجِبْ دَعْوَتِيْ وَ
اَقِلْنِيْ عَثْرَتِيْ وَامْنُنْ عَلَيَّ بِذٰلِكَ وَعَلٰى
كُلِّ دَاعٍ لَكَ اَمَرْتَنِيْ يَا سَيِّدِيْ بِالدُّعَاءِ
وَتَكَفَّلْتَ بِالْاِجَابَةِ وَوَعْدُكَ الْحَقُّ الَّذِيْ
لَا خُلْفَ فِيْهِ وَلَا تَبْدِيْلَ فَصَلِّ عَلٰى
مُحَمَّدٍ نَبِيِّكَ وَعَبْدِكَ وَعَلَى الطَّاهِرِيْنَ
مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَاَغِثْنِيْ فَاِنَّكَ غِيَاثُ
مَنْ لَا غِيَاثَ لَهٗ وَحِرْزُ مَنْ لَا حِرْزَ لَهٗ
وَاَنَا الْمُضْطَرُّ الَّذِيْ اَوْجَبْتَ اِجَابَتَهٗ

خالی نہیں رہا (کبھی بھی) جب سے کہ تو نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اور تو ہی
اے میرے معبود میری جائے قرار اور جائے پناہ ہے اور میرا نگہبان
ہے اور مجھ سے (مصائب کو) دور کرنے والا، مجھ پر رحم کرنے والا اور
میرے رزق کا ضامن ہے۔ تیرے جاری شدہ حکم میں تھی وہ (مصیبت)
جو مجھ پر نازل ہوئی۔ اور میں جس حالت میں ہو گیا ہوں وہ بھی تیرے
علم میں ہے پس بنا دے میرے سرپرست اور میرے سردار، اس چیز
کو جو تو نے مقدر کی ہے اور مجھ پر جاری اور لازم کی ہے میری
عافیت[1] اور ایسی بات (بنا دے) جس میں میری بہتری اور اس (مصیبت)
سے میری نجات ہو جس میں میں مبتلا ہوں پس بے شک اس (مصیبت)
کے رفع کرنے کے لیے نہیں امید رکھتا تیرے غیر سے اور اس (معاملہ)
میں تیرے سوا کسی پر بھروسا نہیں رکھتا۔ پس اے بزرگی اور کرم
والے! میرے اس نیک گمان کے قریب[2] ہو جو تجھ سے رکھتا ہوں۔ اور
میری کمزوری اور بے چارگی پر رحم کر اور دور کر دے میرے اندوہ
کو اور میری دعا قبول کر۔ اور میری لغزش سے درگزر اور مجھ پر یہ
احسان[3] فرما اور اپنے ہر دعا مانگنے والے پر (یہ احسان فرما) اے میرے
مالک! تو نے مجھے دعا کرنے کا حکم دیا اور قبول کرنے کی ذمہ داری لی۔
اور تیرا وعدہ حق ہے جس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا اور کبھی نہیں بدلتا
پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر جو تیرے نبی اور تیرے بندے ہیں اور ان
کے اہل بیت میں سے پاک (ذوات) پر۔ اور میری فریاد کو پہنچ پس بیشک
تو اس شخص کا فریاد رس ہے جس کا کوئی فریاد رس نہ ہو اور اس شخص
کی پناہ ہے جس کی کہیں پناہ نہ ہو اور میں وہی بے چارہ ہوں جس کی

---

[1] یعنی مصیبت کو وجہ رحمت اور ذریعہ نجات بنا دے۔

[2] "کن" کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

[3] یعنی قبولیت دعا کا احسان فرما۔

وَكَشَفَ مَا بِهٖ مِنَ السُّوْٓءِ فَاَجِبْنِيْ وَاكْشِفْ هَمِّيْ وَفَرِّجْ غَمِّيْ وَاَعِدْ حَالِيْ اِلٰٓى اَحْسَنِ مَا كَانَتْ عَلَيْهِ وَلَا تُجَازِنِيْ بِالْاِسْتِحْقَاقِ وَلٰكِنْ بِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَّاسْمَعْ وَاَجِبْ يَا عَزِيْزُ

اجابت (دعا) اور جس کے مکروہات کو دور کرنا تو نے (اپنے اوپر) واجب[1] کیا ہے پس میری دعا قبول کر اور دور کر دے میرے رنج کو اور ہٹا دے میرے غم کو۔ اور میرے حال کو اس اچھی حالت کی جانب پھیر دے جو کہ پہلے تھی۔ اور مت بدلہ دے مجھ کو استحقاق کی بنا پر بلکہ اپنی اس رحمت سے (بدلہ دے) جو ہر شے کو گھیرے ہوئے ہے۔ اے جلال اور کرم والے! رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر اور سن اور قبول کر اے غلبہ والے! اے غلبہ والے!

## دُعَاؤُهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِمَّا يَخَافُهٗ وَيَحْذَرُهٗ

حضرت زین العابدین خوف اور حذر کو رفع کرنے کے لیے یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اِلٰهِيْ اِنَّهٗ لَيْسَ يَرُدُّ غَضَبَكَ اِلَّا حِلْمُكَ وَلَا مُنْجِيْ مِنْ عِقَابِكَ اِلَّا عَفْوُكَ وَلَا يُخَلِّصُ مِنْكَ اِلَّا رَحْمَتُكَ وَالتَّضَرُّعُ اِلَيْكَ فَهَبْ لِيْ يَآ اِلٰهِيْ فَرَجًا بِالْقُدْرَةِ الَّتِيْ تُحْيِيْ بِهَا مَيْتَ الْبِلَادِ وَبِهَا تَنْشُرُ اَرْوَاحَ الْعِبَادِ وَلَا تُهْلِكْنِيْ وَعَرِّفْنِي الْاِجَابَةَ يَا رَبِّ وَارْفَعْنِيْ وَلَا تَضَعْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَ

اے میرے معبود! تیرے غلبہ کو سوائے تیری بردباری کے کوئی نہیں دور کر سکتا۔ اور نہیں نجات دے سکتی تیرے عذاب سے مگر تیری معافی۔ اور نہیں چھڑا سکتی تجھ سے[2] مگر تیری رحمت اور تیری بارگاہ میں گریہ وزاری کرنا پس عطا کر مجھ کو خوشی! اے میرے مالک! اپنی اس قدرت سے جس سے تو مردہ شہروں[3] کو زندہ کرتا ہے اور اسی سے تو بندوں کی روحوں کو (قیامت کے دن) اٹھائے[4] گا۔ اور مجھے ہلاک نہ کر[5] اور اے میرے پالنے والے مجھے قبولیتِ[6] دعا سے باخبر کر دے اور میرا

---

[1] جیسا کہ آیت میں فرمایا ہے اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ ۱۲۔

[2] یعنی تیرے عذاب سے۔

[3] یعنی برباد شدہ شہروں کو از سر نو آباد کر دیتا ہے۔

[4] اس کا ترجمہ ایک مترجم نے ان الفاظ میں کیا ہے "جس سے تو بندوں کی روحوں کو پھیلاتا ہے"۔

[5] یعنی عذاب کر کے اور گناہوں کو معاف نہ کر کے میرے نفس کو ہلاکت سے دوچار نہ کر۔

[6] یعنی (گنہگار سے بدلہ لینے اور اسے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اسے بار بار اور مدت تک توبہ کی مہلت دیتا رہتا ہے۔

اَرۡزُقۡنِیۡ وَ عَافِنِیۡ مِنَ الۡاٰفَاتِ یَا رَبِّ اِنۡ تَرۡفَعۡنِیۡ فَمَنۡ یَضَعُنِیۡ وَ اِنۡ تَضَعۡنِیۡ فَمَنۡ یَرۡفَعُنِیۡ وَ قَدۡ عَلِمۡتُ یَآ اِلٰهِیۡ اَنۡ لَیۡسَ فِیۡ حُکۡمِكَ ظُلۡمٌ وَ لَا فِیۡ نِقۡمَتِكَ عَجَلَةٌ اِنَّمَا یَعۡجَلُ مَنۡ یَخَافُ الۡفَوۡتَ وَ اِنَّمَا یَحۡتَاجُ اِلَی الظُّلۡمِ الضَّعِیۡفُ وَ قَدۡ تَعَالَیۡتَ عَنۡ ذٰلِكَ یَا سَیِّدِیۡ عُلُوًّا کَبِیۡرًا رَبِّ لَا تَجۡعَلۡنِیۡ لِلۡبَلَآءِ غَرَضًا وَّ لَا لِنِقۡمَتِكَ نَصَبًا وَ مَهِّلۡنِیۡ وَ نَفِّسۡنِیۡ وَ اَقِلۡنِیۡ عَثۡرَتِیۡ وَ لَا تُتۡبِعۡنِیۡ بِالۡبَلَآءِ فَقَدۡ تَرٰی ضُعۡفِیۡ وَ قِلَّةَ حِیۡلَتِیۡ فَصَبِّرۡنِیۡ فَاِنِّیۡ یَا رَبِّ ضَعِیۡفٌ مُتَضَرِّعٌ اِلَیۡكَ یَا رَبِّ وَ اَعُوۡذُ بِكَ مِنۡكَ فَاَعِذۡنِیۡ وَ اَسۡتَجِیۡرُ بِكَ مِنۡ کُلِّ بَلَآءٍ فَاَجِرۡنِیۡ وَ اَسۡتَتِرُ بِكَ فَاسۡتُرۡنِیۡ یَا سَیِّدِیۡ مِمَّا اَخَافُ وَ اَحۡذَرُ وَ اَنۡتَ الۡعَظِیۡمُ اَعۡظَمُ مِنۡ کُلِّ عَظِیۡمٍ بِكَ بِكَ بِكَ اسۡتَتَرۡتُ یَآ اَللّٰهُ "عَشۡرًا" (دس مرتبہ) وَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّیِّبِیۡنَ الطَّاهِرِیۡنَ وَ سَلِّمۡ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡرًا۔[۵]

مرتبہ بلند کر اور پست نہ کر۔ اور میری مدد کر اور مجھے رزق دے اور مجھے آفتوں سے محفوظ رکھ اے میرے پالنے والے! اگر تو مجھے بلند کرے تو پھر کون مجھے پست کر سکتا ہے اور اگر تو مجھے پست کرے تو کون مجھے بلند کر سکتا ہے اور بے شک جانتا ہوں میں اے میرے معبود! کہ تیرے حکم میں ظلم نہیں ہوتا اور نہ تیرے انتقام میں تعجیل[۱] ہوتی ہے (کیونکہ) نہیں جلدی کیا کرتا مگر وہ (شخص) جو فوت[۲] ہو جانے سے ڈرتا ہو اور نہیں ضرورت پڑتی ظلم کرنے کی مگر کمزور[۳] کو۔ بے شک تو بالاتر ہے اس بات سے اے میرے مالک! بہت زیادہ بالاتر! اے میرے پالنے والے! تو مجھے آزمائش کا نشانہ نہ بنا اور نہ اپنے انتقام کا مرکز بنا۔ اور مجھے مہلت دے اور میرے رنج و غم کو دور کر اور میری لغزش کو معاف کر اور مجھ پر پے در پے نہ بھیج آزمائش کو پس یقیناً تو میری کمزوری اور بے چارگی کو دیکھتا ہے۔ پس مجھے صبر عطا کر۔ پس بے شک اے میرے پالنے! میں کمزور ہوں۔ تیری بارگاہ میں گریہ و زاری کرتا ہوں اے میرے پالنے والے اور تجھ سے تیرا ہی[۴] واسطہ دے کر پناہ مانگتا ہوں پس مجھے پناہ دے اور تجھ سے امان کا خواستگار ہوں ہر بلا سے۔ پس مجھے امان دے اور تجھ سے پردہ پوشی کا طالب ہوں پس میری پردہ پوشی کر اے میرے مالک اس چیز سے جس سے میں ڈرتا اور خوف کرتا ہوں اور تو بڑا ہے ہر بڑے سے بڑا ہے۔ تجھی سے تجھی سے تجھی سے پردہ پوشی چاہتا ہوں اے اللہ! (دس دفعہ)[۵] رحمت نازل کر تو محمد پر اور ان کی آل پر جو پاک پاکیزہ ہے اور بہت بہت سلام بھیج۔

---

[۱] یعنی تو گنہگاروں سے بدلہ لینے اور اسے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ اسے بار بار اور مدت تک توبہ کی مہلت دیتا رہتا ہے۔

[۲] یعنی جسے یہ ڈر ہو کہ کہیں موقع ہاتھ سے نہ نکل جائے۔

[۳] یعنی وہی شخص ظلم کیا کرتا ہے جسے یہ خوف ہو کہ کہیں بعد میں کمزور نہ ہو جائے اور پھر اپنے دشمن کو نہ ستا سکے۔

[۴] منک کا ترجمہ ہے۔

[۵] اس مقام پر دس دفعہ یا اللہ کہنے کے بعد آگے کے کلمات پڑھے جائیں۔

# وَمِنْ دُعَائِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ ذِكْرِ اٰلِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ

حضرت زین العابدین علیہ السلام آل محمدؐ علیہم السلام کے
ذکر میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ يَا مَنْ خَصَّ مُحَمَّدًا وَ اٰلَهٗ بِالْكَرَامَةِ وَ حَبَاهُمْ بِالرِّسَالَةِ وَ خَصَّصَهُمْ بِالْوَسِيْلَةِ وَ جَعَلَهُمْ وَرَثَةَ الْاَنْبِيَآءِ وَ خَتَمَ بِهِمُ الْاَوْصِيَآءَ وَ الْاَئِمَّةَ وَ عَلَّمَهُمْ عِلْمَ مَا كَانَ وَ مَا بَقِيَ وَ جَعَلَ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَ افْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَهْلُهٗ فِي الدِّيْنِ وَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

اے معبود! اے وہ (ذات) جس نے محمدؐ کو اور ان کی آل کو بزرگی کے ساتھ مخصوص کیا اور شرف دی ان کو پیغامبری[1] اور ان کو خصوصیت کے ساتھ وسیلہ بنایا[2] اور انھیں وارث قرار دیا نبیوں کا اور ان پر وصیوں[3] کا اور اماموں کا خاتمہ کر دیا اور ان کو سکھا دیا علم ماضی و مستقبل[4] اور بنا دیا لوگوں کے دلوں کو ایسا کہ ان کی جانب مائل ہوں پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی پاک اولاد پر اور ہمارے ساتھ دین۔ دنیا اور آخرت[5] میں وہ سلوک کر جو تیرے لائق ہے تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

---

[1] آل محمدؐ کو پیغامبری دینے سے یہ مراد ہے کہ پیغامبری کے کاموں میں انھیں جناب محمد مصطفیٰ صلعم کا ممد و معاون اور شریک قرار دیا جیسا کہ روز مباہلہ علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کو آنحضرت کا رسالت کی انجام دہی کے لیے اپنا شریک بنا کر لے گئے تھے۔

[2] یعنی وسیلہ نجات بنایا کیونکہ علوم و معارف اور احکام و شرائع جو کہ ذریعہ نجات ہوتے ہیں، ان ہی ذوات مقدسہ سے تمام عالم اسلام نے حاصل کیے۔

[3] وصی، اس کو کہتے ہیں جس پر نبی کو اتنا بھروسا ہو کہ اسے اپنی وفات کے وقت باقی ماندہ کاموں کے انجام دینے کی وصیت کرے نیز وہ بھی وصی کہلاتا ہے جس کا احترام کرنے کے متعلق اپنے ماننے والوں کو وصیت کی جائے۔ دونوں اعتبارات سے وصی کا مفہوم، نیابت نبی کے معنی کو مستلزم ہے۔

[4] گزشتہ انبیاء کے علوم تعلیم دیے اور آنے والے زمانے میں نظام کائنات سے متعلق ضروری علوم سکھا دیے تاکہ ہر امام اپنے اپنے عہد کے تمام مسائل سے باخبر ہو اور ان کو احکام الٰہی کی روشنی میں انجام دے۔

[5] الاٰخرۃ کا ترجمہ جو کہ بعد میں مذکور ہے۔

# ہفتہ کے سات دنوں میں پڑھنے کی دُعائیں

# وَمِنْ دُعَآئِہٖ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی الْاَیَّامِ السَّبْعَۃِ

## دُعَآءُ یَوْمِ الْاَحَدِ

حضرت زین العابدین یکشنبہ (اتوار) کے دن یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا اَرْجُوْ اِلَّا فَضْلَہٗ وَ لَا اَخْشٰی اِلَّا عَدْلَہٗ وَلَا اَعْتَمِدُ اِلَّا قَوْلَہٗ وَلَا اُمْسِكُ اِلَّا بِحَبْلِہٖ بِكَ اَسْتَجِیْرُ یَا ذَا الْعَفْوِ وَالرِّضْوَانِ مِنَ الظُّلْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمِنْ غِیَرِ الزَّمَانِ وَ تَوَاتُرِ الْاَحْزَانِ وَمِنِ انْقِضَآءِ الْمُدَّۃِ قَبْلَ التَّاَھُّبِ وَالْعُدَّۃِ وَ اِیَّاكَ اَسْتَرْشِدُ لِمَا فِیْہِ الصَّلَاحُ وَالْاِصْلَاحُ وَ بِكَ اَسْتَعِیْنُ فِیْمَا یَقْتَرِنُ بِہِ النَّجَاحُ وَ الْاِنْجَاحُ وَاِیَّاكَ اَرْغَبُ فِیْ لِبَاسِ الْعَافِیَۃِ وَتَمَامِھَا وَشُمُوْلِ السَّلَامَۃِ وَدَوَامِھَا وَ اَعُوْذُ بِكَ یَا رَبِّ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیٰطِیْنِ وَ اَحْتَرِزُ بِسُلْطَانِكَ مِنْ جَوْرِ السَّلَاطِیْنِ فَتَقَبَّلْ مَا كَانَ مِنْ صَلٰوتِیْ وَصَوْمِیْ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اس معبود کے نام سے شروع کرتا ہوں جس کے فضل کے سوا میں کسی سے امید نہیں رکھتا۔ اور جس کے انصاف کے علاوہ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ اور نہیں بھروسا رکھتا ہوں مگر اسی کے قول پر اور اس کی رسّی کے علاوہ کسی اور سے وابستہ نہیں ہوتا۔ تجھی سے پناہ مانگتا ہوں اے معافی اور رضامندی والے! ظلم اور ستم سے اور زمانے کے تغیرات سے اور پے در پے رنج و غم سے اور آمادگی سفر اور زادِ سفر مہیا کرنے سے پہلے مدت[1] عمر گزر جانے سے۔ اور تجھی سے اس کام کی جانب ہدایت چاہتا ہوں جس میں درستی اور اصلاح ہو اور تجھی سے مدد چاہتا ہوں اس کام میں جس میں قریب ہو مطلب کا بر آنا اور بر لانا۔ اور تجھی سے خواستگار ہوں سلامتی کے لباس کا اور اس کے پورا ہونے[2] کا۔ اور سلامتی کے ساتھ رہنے اور اس کے ہمیشہ رہنے کا۔ اور پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے اے میرے پالنے والے! شیطان کے وسوسوں سے اور پناہ چاہتا ہوں میں تیرے غلبہ کے وسیلے سے، بادشاہوں کے ظلم سے پس جو کچھ میری نماز اور میرا روزہ

---

[1] آمادگی سفر اور زادِ سفر مہیا کرنے سے پہلے مدت عمر گزر جانے سے یہ مراد ہے کہ مرنے سے پہلے قبل اس کے کہ اعمال صالح کا ذخیرہ جمع کیا جائے اور دعائے توبہ پڑھ کر گناہوں سے معافی مانگی جائے، یکایک موت کا فرشتہ آجائے اور روح قبض کرلے۔

[2] یعنی مکمل سلامتی حاصل ہونے کا خواستگار ہوں۔

وَاجْعَلْ غَدِي وَمَا بَعْدَهُ أَفْضَلَ مِنْ
سَاعَتِي وَيَوْمِي وَأَعِزَّنِي فِي عَشِيرَتِي وَ
قَوْمِي وَاحْفَظْنِي فِي يَقْظَتِي وَنَوْمِي فَأَنْتَ
اللهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ
اللّٰهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ فِي يَوْمِي هٰذَا وَمَا
بَعْدَهُ مِنَ الْآحَادِ مِنَ الشِّرْكِ وَالْإِلْحَادِ وَ
وَأُخْلِصُ لَكَ دُعَائِي تَعَرُّضًا لِلْإِجَابَةِ وَ
أُقِيمُ عَلَىٰ طَاعَتِكَ رَجَاءً لِلْإِثَابَةِ فَصَلِّ
عَلَىٰ مُحَمَّدٍ خَيْرِ خَلْقِكَ الدَّاعِي إِلَىٰ حَقِّكَ
وَأَعِزَّنِي بِعِزِّكَ الَّذِي لَا يُضَامُ وَاحْفَظْنِي
بِعَيْنِكَ الَّتِي لَا تَنَامُ وَاخْتِمْ بِالْانْقِطَاعِ
إِلَيْكَ أَمْرِي وَبِالْمَغْفِرَةِ عُمْرِي إِنَّكَ أَنْتَ
الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

۵

ہے اسے قبول کر! اور قرار دے میری آنے والی کل اور اس کے بعد
(کی مدت) کو میرے آج کے دن اور اس گھڑی سے افضل۔ اور مجھے
اپنی قوم اور قبیلہ میں عزت دے اور میری حفاظت فرما میرے جاگنے اور
سونے کی حالت میں۔ پس تو ہی بہترین حفاظت کرنے والا ہے۔ اور تو
ہر رحم کرنے والے سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اے اللہ! میں اپنے
آج کے دن اور اس کے بعد ہر اتوار کے دن میں تیری طرف متوجہ ہوں۔
بیزار ہو کر شرک اور کفر سے۔ اور خالص تجھی سے دعا کرتا ہوں قبولیت[1]
سے دو چار ہونے کی غرض سے، اور تیری عبادت میں قیام کرتا ہوں تیری
طرف رجوع[2] ہونے کی امید پر پس رحمت نازل کر تو محمدؐ پر جو کہ تیری بہترین
مخلوق ہیں (اور) تیرے حق[3] کی جانب دعوت دینے والے ہیں۔ اور مجھے
اپنی اس عزت کے صدقہ میں عزت دے جس پر ظلم نہیں کیا جا سکتا۔ اور
میری حفاظت کر اپنی اس آنکھ[4] سے جو کہ نہیں سوتی اور ختم کر میرے کام
کو اس طرح کہ میں (سب سے) منقطع ہو کر تیرا ہو جاؤں اور اختتام کر با مغفرت
پر میری عمر۔ بے شک تو بخشنے والا اور مہربان ہے۔

---

[1] یعنی اس لیے دعا کرتا ہوں کہ تو اسے قبول کر لے۔

[2] الانابہ کا ترجمہ۔ ایک قلمی نسخہ میں اس کے بجائے الاثابۃ لکھا ہوا ہے جس کو درست سمجھنے کی صورت میں معنی یہ ہو جائیں گے کہ "میں تیری عبادت اس لیے قائم کرتا ہوں کہ مجھے اس کا ثواب ملے"۔ بظاہر یہ مفہوم مراد قائل کے خلاف ہے کیونکہ دعا کرنے والے کی دعاؤں سے اس کی جو سیرت اور اس کا جو نظریہ واضح ہوا ہے وہ بتاتا ہے کہ اس کی عبادت، ثواب و اجر کی خواہش سے بالاتر ہے۔

[3] یعنی اس بات کو کھلانے والے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کے حقوق ربوبیت پہچانو اور اس کی عبادت کرو اس کے احکام بجا لاؤ اور منہیات سے پرہیز کرو۔

[4] حفاظت باری تعالیٰ کا مجازاً آنکھ سے استعارہ کیا ہے۔

# دُعَاءُ يَوْمِ الْاِثْنَيْنِ

حضرت زین العابدین دوشنبہ (پیر) کے دن یہ دعا پڑھا
کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يُشْهِدْ[1] اَحَدًا حِيْنَ
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا اتَّخَذَ
مُعِيْنًا حِيْنَ بَرَئَ النَّسَمَاتِ لَمْ يُشَارَكْ
فِي الْاِلٰهِيَّةِ وَلَمْ يُظَاهَرْ فِي الْوَحْدَانِيَّةِ
كَلَّتِ الْاَلْسُنُ عَنْ غَايَةِ صِفَتِهٖ وَالْعُقُوْلُ
عَنْ كُنْهِ مَعْرِفَتِهٖ وَتَوَاضَعَتِ الْجَبَابِرَةُ
لِهَيْبَتِهٖ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِخَشْيَتِهٖ وَانْقَادَ
كُلُّ عَظِيْمٍ لِعَظَمَتِهٖ فَلَكَ الْحَمْدُ مُتَوَاتِرًا
مُتَّسِقًا وَمُتَوَالِيًا مُسْتَوْثِقًا[2] وَصَلَوَاتُهٗ
عَلٰى رَسُوْلِهٖ اَبَدًا وَسَلَامُهٗ دَآئِمًا سَرْمَدًا
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوَّلَ يَوْمِيْ هٰذَا صَلَاحًا
وَاَوْسَطَهٗ فَلَاحًا وَاٰخِرَهٗ نَجَاحًا وَاَعُوْذُ
بِكَ مِنْ يَوْمٍ اَوَّلُهٗ فَزَعٌ وَاَوْسَطُهٗ
جَزَعٌ وَاٰخِرُهٗ وَجَعٌ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْتَغْفِرُكَ
لِكُلِّ نَذْرٍ نَذَرْتُهٗ وَلِكُلِّ وَعْدٍ وَعَدْتُهٗ
وَلِكُلِّ عَهْدٍ عَاهَدْتُهٗ ثُمَّ لَمْ اُوْفِ بِهٖ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

تمام تعریفوں کا مستحق وہ معبود ہے جس نے کسی کو گواہ[1] نہیں بنایا تھا جبکہ اس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا اور نہ کسی سے مدد لی تھی جبکہ اس نے جانوں کو پیدا کیا تھا۔ نہ خدائی میں اس کا کوئی شریک ہوا اور نہ یکتائی میں اس کی مدد کی گئی۔ عاجز ہیں زبانیں اس کی تعریف کی حد سے اور عقلیں اس کی معرفت کی تہہ جاننے سے۔ عاجزی کرتے ہیں بڑے بڑے جابر اس کی ہیبت کے سامنے اور جھکے ہوئے چہرے اس کے خوف سے اور ہر عظمت والا اس کی عظمت کا مطیع ہے پس تیرے ہی لیے حمد ہے پے در پے متصل، یکے بعد دیگرے اور مسلسل (یا مستحکم)[2] اور اس (خدائے تعالیٰ) کی رحمت ہو اس کے رسول پر ہمیشہ اور اس کا سلام ہو ہمیشہ ہمیشہ۔ اے میرے اللہ! قرار دے میرے اس دن کے ابتدائی حصے کو (میرے لیے) درستی اور اس کے درمیانی حصے کو کامیابی اور اس کے آخری حصے کو مطلب برآری۔ اور پناہ مانگتا ہوں میں تجھ سے اس دن سے جس کی ابتدا خوف ہو اور جس کا درمیانی حصہ بے قراری ہو اور جس کا آخری حصہ درد ہو۔ اے اللہ میں تجھ سے مغفرت کا طالب ہوں ہر اس نذر میں جو میں نے مانی ہو اور ہر اس وعدے میں جو میں نے کیا ہو، اور ہر اس عہد و پیمان میں جو میں نے باندھا ہو، پھر میں نے اسے پورا

---

[1] اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ اس وقت کسی کا وجود ہی نہ تھا جسے وہ گواہ بناتا۔

[2] ایک نسخے میں "مستونقا" (واؤ کے بعد ث) نظر سے گزرا جو معنی و مفہوم کے اعتبار سے نادرست ہے۔

وَاَسْئَلُكَ فِیْ مَظَالِمِ عِبَادِكَ عِنْدِیْ
فَاَیُّمَا عَبْدٍ مِنْ عَبِیْدِكَ اَوْ اَمَةٍ مِنْ اِمَائِكَ
كَانَتْ لَهُ قِبَلِیْ مَظْلَمَةٌ ظَلَمْتُهَا اِیَّاهُ فِیْ
نَفْسِهٖ اَوْ فِیْ عِرْضِهٖ اَوْ فِیْ مَالِهٖ اَوْ فِیْ اَهْلِهٖ
وَوَلَدِهٖ اَوْ غِیْبَةٌ اِغْتَبْتُهُ بِهَا اَوْ تَحَامُلٌ
عَلَیْهِ بِمَیْلٍ اَوْ هَوًی اَوْ اَنَفَةٍ اَوْ حَمِیَّةٍ
اَوْ رِیَاءٍ اَوْ عَصَبِیَّةٍ غَائِبًا كَانَ اَوْ شَاهِدًا
حَیًّا كَانَ اَوْ مَیِّتًا فَقَصُرَتْ یَدِیْ وَضَاقَ
وُسْعِیْ عَنْ رَدِّهَا اِلَیْهِ وَالتَّحَلُّلِ مِنْهُ
فَاَسْئَلُكَ یَا مَنْ یَمْلِكُ الْحَاجَاتِ وَهِیَ
مُسْتَجِیْبَةٌ لِمَشِیَّتِهٖ وَمُسْرِعَةٌ اِلٰی اِرَادَتِهٖ
اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَنْ تُرْضِیَهُ
عَنِّیْ بِمَا شِئْتَ وَتَهَبَ لِیْ مِنْ عِنْدِكَ
رَحْمَةً اِنَّهُ لَا تَنْقُصُكَ الْمَغْفِرَةُ وَلَا
تَضُرُّكَ الْمَوْهِبَةُ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ
اَللّٰهُمَّ اَوْلِنِیْ فِیْ كُلِّ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ نِعْمَتَیْنِ
مِنْكَ ثِنْتَیْنِ سَعَادَةً فِیْ اَوَّلِهٖ بِطَاعَتِكَ
وَنِعْمَةً فِیْ اٰخِرِهٖ بِمَغْفِرَتِكَ یَا مَنْ هُوَ
الْاِلٰهُ وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ سِوَاهُ

نہ کیا[1] ہو۔ اور میں سوال کرتا ہوں تیرے بندوں کے مظلموں[2] کی بابت پس جو کوئی بندہ تیرے بندوں میں سے، یا کنیز تیری کنیزوں میں سے ایسی ہو جس کا مجھ پر کوئی حق ہو، کہ ظلم کیا ہو میں نے اس حق کے بارے میں اس کے نفس پر یا اس کی آبرو پر یا اس کے مال پر یا اس کے اہل و عیال پر یا اس کی اولاد پر یا پس پشت اس کی کوئی بدگوئی ہو یا اس پہ کوئی مشقت ڈالی ہو (اپنے) رجحان یا خواہش یا تکبر یا رشک یا ریا یا تعصب سے خواہ وہ شخص غائب ہو یا موجود ہو، زندہ ہو یا مر چکا ہو اور (اب) میرا ہاتھ کوتاہ ہو اور میری طاقت تنگ ہو، اس (مظلمہ وغیرہ) کے اس کی طرف لوٹانے سے اور اس (شخص) سے بحل کرانے سے، تو (اس وقت) میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اے وہ جو تمام حاجتوں کا مالک ہے اور وہ (حاجتیں) اس کی مشیت سے مستجاب ہوتی ہیں اور اس کے ارادے کی طرف دوڑ کر جاتی ہیں، یہ (سوال) کہ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور ان کی اولاد پر اور یہ (سوال) کہ اس شخص کو مجھ سے راضی کر دے جس طرح تو چاہے اور (یہ کہ) بخشے تو مجھ کو اپنے پاس سے رحمت۔ بے شک بخشش تجھ میں کوئی کمی نہیں کرتی اور عطا تجھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! اے اللہ مجھ کو ہر پیر کے دن اپنے پاس سے دو نعمتیں عطا کر ساتھ ساتھ۔ (ایک) اس (دن) کے ابتدائی حصہ میں اپنی عبادت کی سعادت اور (دوسری) اس کے آخری حصے میں اپنی مغفرت کی نعمت۔ اے وہ کہ وہی خدا ہے اور اس کے علاوہ کوئی گناہوں کو نہیں بخش سکتا۔

---

[1] کیونکہ وفائے نذر و وعدہ و عہد واجب ہے اور اسے پورا نہ کرنا ترک واجب۔

[2] مراد حقوق العباد۔

# دُعَاءُ یَوْمِ الثُّلَثَاءِ

حضرت زین العابدین سہ شنبہ (منگل) کے دن یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالْحَمْدُ حَقُّهٗ كَمَا يَسْتَحِقُّهٗ حَمْدًا كَثِيْرًا وَاَعُوْذُ بِهٖ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ وَاَعُوْذُ بِهٖ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ الَّذِيْ يَزِيْدُنِيْ ذَنْبًا اِلٰى ذَنْبِيْ وَاَحْتَرِزُ بِهٖ مِنْ كُلِّ جَبَّارٍ فَاجِرٍ وَسُلْطَانٍ جَائِرٍ وَعَدُوٍّ قَاهِرٍ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ جُنْدِكَ فَاِنَّ جُنْدَكَ هُمُ الْغَالِبُوْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ حِزْبِكَ فَاِنَّ حِزْبَكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ اَوْلِيَآئِكَ فَاِنَّ اَوْلِيَآئَكَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيْ فَاِنَّهٗ عِصْمَةُ اَمْرِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ اٰخِرَتِيْ فَاِنَّهَا دَارُ مَقَرِّيْ وَاِلَيْهَا مِنْ مُجَاوَرَةِ اللِّئَامِ مَفَرِّيْ وَاجْعَلِ الْحَيٰوةَ زِيَادَةً لِّيْ فِيْ كُلِّ خَيْرٍ وَالْوَفَاةَ رَاحَةً لِّيْ مِنْ كُلِّ شَرٍّ اَللّٰهُمَّ صَلِّ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں اور تعریف اس کا حق ہے۔ کیونکہ وہ اس کا مستحق ہے، بہت سی تعریف، اور پناہ چاہتا ہوں میں اس سے، اپنے نفس کے شر سے۔ یقیناً نفس برائی کا حکم دیتا ہے، لیکن یہ کہ میرا پالنے والا رحم کرے اور پناہ مانگتا ہوں میں اس سے، اس شیطان کے شر سے جو زیادہ کر دیتا ہے (ایک اور) گناہ میرے گناہ پر۔ اور اس (خدا) سے امان چاہتا ہوں ہر بدکار جابر اور ظالم بادشاہ اور طاقتور[1] دشمن سے۔ اے اللہ! مجھ کو اپنی فوج میں سے قرار دے کیونکہ یقیناً تیری فوج ہی غالب آنے والی ہوتی ہے اور مجھ کو اپنی جماعت میں قرار دے کیونکہ تیری جماعت ہی نجات پاتی ہے۔ اور قرار دے مجھ کو اپنے دوستوں میں سے کیونکہ تیرے ہی دوست ایسے ہوتے ہیں جن کو خوف نہیں ہوتا اور نہ وہ غمگین[2] ہوتے ہیں۔ اے اللہ! میرے واسطے میرے دین[3] کو درست رکھ۔ اس لیے کہ یہی میرے کام کی حفاظت کرنے والا ہے اور میرے لیے میری آخرت کو بہتر بنا کیونکہ وہی میرے قیام کا گھر ہے اور اسی کی طرف میں کمینوں[4] کی صحبت سے بھاگ کر جاؤں گا۔ اور قرار دے زندگی کو میری ہر نیکی میں اضافہ کا باعث۔ اور موت کو ہر شر (برائی) سے راحت کا ذریعہ۔ اے اللہ! تو

---

[1] فَاهِرٍ کا ترجمہ جو کہ بعد کی سطر میں ہے۔

[2] یہ یَحْزَنُوْنَ کا ترجمہ ہے۔ یحزنون، حُزن سے مشتق ہے اور حُزن کسی شے گم شدہ پر رنجیدہ ہونے کو کہتے ہیں۔ تو مراد جملہ یہ ہوئی کہ اولیاء اللہ کو کسی نقصان کا کوئی غم نہیں ہوتا۔

[3] یعنی مجھے دین پر ثابت قدم رکھ۔

[4] دنیا کا بدکار ماحول مراد ہے جو چاروں طرف سے انسان کو گھیرے ہوتے ہے۔

عَلٰی مُحَمَّدٍ خَاتِمِ النَّبِیِّیْنَ وَتَمَامِ عِدَّۃِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الْمُنْتَجَبِیْنَ وَھَبْ لِیْ فِی الثُّلَثَاءِ ثَلٰثًا لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا غَمًّا اِلَّا اَذْھَبْتَہٗ وَلَا عَدُوًّا اِلَّا دَفَعْتَہٗ بِبِسْمِ اللّٰہِ خَیْرِ الْاَسْمَاءِ وَبِسْمِ اللّٰہِ رَبِّ الْاَرْضِ وَالسَّمَاءِ اَسْتَدْفِعُ کُلَّ مَکْرُوْہٍ اَوَّلُہٗ سَخَطُہٗ وَاَسْتَجْلِبُ کُلَّ مَحْبُوْبٍ اَوَّلُہٗ رِضَاہُ فَاخْتِمْ لِیْ مِنْکَ بِالْغُفْرَانِ یَا وَلِیَّ الْاِحْسَانِ۔

محمد پر رحمت نازل کر جو خاتم الانبیاء ہیں اور پیغمبروں کے عدد کو پورے کرنے والے ہیں اور ان کی پاک و پاکیزہ اولاد پر اور برگزیدہ اصحاب پر اور عطا کر مجھ کو منگل کے دن تین باتیں (ایک یہ کہ) مت چھوڑ میرے کسی گناہ کو مگر یہ کہ تو اسے معاف کر دے اور نہ کسی غم کو مگر یہ کہ اسے دور کر دے اور نہ کسی دشمن کو مگر یہ کہ تو اسے دفع کر دے بسم اللہ کے واسطہ سے جو (اللہ کے) تمام ناموں سے بہتر ہے اور اللہ کے نام سے جو کہ آسمان[1] و زمین کا پالنے والا ہے میں ہر بری چیز کو دفع کرتا ہوں جن میں سب سے مقدم اس (اللہ) کی ناراضی ہے اور ہر پسندیدہ چیز کو طلب کرتا ہوں جن میں سب سے مقدم اس (اللہ) کی خوشنودی ہے پس میرا خاتمہ اپنی طرف سے مغفرت کر اے احسان کے مالک!

## دُعَاءُ یَوْمِ الْاَرْبِعَاءِ

حضرت زین العابدین چہارشنبہ (بدھ) کے دن یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ اللَّیْلَ لِبَاسًا وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّھَارَ نُشُوْرًا لَکَ الْحَمْدُ اَنْ بَعَثْتَنِیْ مِنْ مَرْقَدِیْ وَلَوْ شِئْتَ لَجَعَلْتَہٗ سَرْمَدًا حَمْدًا دَائِمًا لَا یَنْقَطِعُ اَبَدًا وَلَا یُحْصِیْ لَہُ الْخَلَائِقُ عَدَدًا اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ اَنْ خَلَقْتَ فَسَوَّیْتَ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے
تمام تعریفوں کا مستحق وہ معبود ہے جس نے رات کو پردہ کا، نیند کو آسائش بنایا۔ اور قرار دیا دن کو اٹھنے کا ذریعہ۔ تو ہی سزاوار حمد ہے کہ تو نے مجھ کو میری خواب[2] گاہ سے اٹھایا اور اگر تو چاہتا تو اس کو ہمیشہ کی خواب گاہ بنا دیتا۔ ایسی حمد جو ہمیشہ رہے کبھی منقطع ہو اور مخلوق اس کا احاطہ نہ کر سکے، (اپنے) شمار سے۔ اے اللہ! تو ہی مستحق حمد ہے کہ تو نے پیدا کیا پھر درست بنایا اور اندازہ مقرر کیا اور حکم جاری کیا اور مارا اور

---

[1] یعنی آسمان و زمین کی مخلوقات کا۔

[2] ایک مترجم نے اس کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے "تیرے ہی لیے حمد ہے کہ تو نے مجھ کو میری قبر سے اٹھایا" اس مقام پر مترجم مذکور کے ذہن میں قبر کی جو تاویل ہوگی اس کے سمجھنے سے ذہن قاصر ہے۔ خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ یہ دعا دن ہوتے ہی پڑھی جا رہی ہے جو سو کر اٹھنے کا وقت ہے۔

وَ قَدَّرْتَ وَ قَضَيْتَ وَ اَمَتَّ وَ اَحْيَيْتَ
وَ اَمْرَضْتَ وَ شَفَيْتَ وَ عَافَيْتَ وَ اَبْلَيْتَ
وَ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَيْتَ وَ عَلَى الْمُلْكِ احْتَوَيْتَ
اَدْعُوْكَ دُعَآءَ مَنْ ضَعُفَتْ وَسِيْلَتُهٗ وَ
انْقَطَعَتْ حِيْلَتُهٗ وَ اقْتَرَبَ اَجَلُهٗ وَ
تَدَانٰى فِي الدُّنْيَا اَمَلُهٗ وَ اشْتَدَّتْ اِلٰى
رَحْمَتِكَ فَاقَتُهٗ وَ عَظُمَتْ لِتَفْرِيْطِهٖ حَسْرَتُهٗ
وَ كَثُرَتْ زَلَّتُهٗ وَ عَثْرَتُهٗ وَ خَلُصَتْ لِوَجْهِكَ
تَوْبَتُهٗ فَصَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ
وَ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ وَ
ارْزُقْنِيْ شَفَاعَةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ
اٰلِهٖ وَ لَا تَحْرِمْنِيْ صُحْبَتَهٗ اِنَّكَ اَنْتَ اَرْحَمُ
الرَّاحِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ اقْضِ لِيْ فِي الْاَرْبِعَاءِ
اَرْبَعًا اجْعَلْ قُوَّتِيْ فِيْ طَاعَتِكَ وَ نَشَاطِيْ
عِبَادَتِكَ وَ رَغْبَتِيْ فِيْ ثَوَابِكَ وَ زُهْدِيْ
فِيْمَا يُوْجِبُ لِيْ اَلِيْمَ عِقَابِكَ اِنَّكَ
لَطِيْفٌ لِمَا يَشَآءُ ۞

جلایا اور بیمار ڈالا اور شفا دی اور سلامتی دی اور آزمائش میں مبتلا کیا اور عرش پر غالب ہوا اور ملک پر چھا گیا میں تجھ سے اس شخص کی طرح دعا کرتا ہوں جس کا وسیلہ کمزور ہو۔ اور حیلہ منقطع ہو گیا ہو اور اس کی موت قریب آ گئی ہو اور دنیا میں اس کی امید[1] نزدیک ہو گئی ہو اور تیری رحمت کی جانب جس کی احتیاج شدید ہو اور اپنی تقصیر کی وجہ سے اس کو بڑی[2] حسرت ہو۔ اور اس کی لغزش اور خطا زیادہ ہو اور خالص ہو تیری ذات سے اس کی توبہ پس رحمت نازل کر تو محمد پر جو کہ خاتم الانبیاء ہیں اور ان کے اہل بیت پر جو کہ پاک و پاکیزہ ہیں اور مجھے محمد مصطفیٰ (ان پر اور ان کی اولاد پر درود ہو) کی شفاعت نصیب کر۔ اور مجھے ان کی صحبت[3] سے محروم نہ کر۔ بے شک تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اے اللہ بدھ کے دن میری چار حاجتیں پوری کر دے (اول یہ کہ) اپنی فرماں[4] برداری سے مجھ کو قوت[5] دے (دوسرے) اپنی عبادت سے مجھے خوشی دے (تیسرے) اپنے ثواب کی مجھے خواہش دے (چوتھے) ان چیزوں سے نفرت[6] دے جو مجھے تیرے دردناک عذاب میں مبتلا کریں۔ بے شک تو[7] اسے اچھی طرح کر سکتا ہے جو کچھ تو چاہے۔

...... ✻ ......

[1] فطرت ہے کہ جو شخص مرنے لگتا ہے وہ اپنی تمام دنیاوی حسرتیں جلد از جلد پوری کر لینا چاہتا ہے۔

[2] ترجمہ جو اوپر کی سطر میں مذکور ہے۔

[3] نوٹ:- ان کے قرب میں جگہ عنایت فرما۔

[4] یہ فقرہ اس طرح نظر سے گزرا "واجعل تقویتی منی طاعتک" جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "اپنی فرماں برداری پر مجھ کو بھروسا دے"۔

[5] ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے۔

[6] زہد کے معنی بچنے اور پرہیز کرنے کے ہیں۔ یہاں نفرت مراد ہے۔

[7] بعد کی سطر میں ہے۔

# دُعَآءُ یَوْمِ الْخَمِیْس

حضرت زین العابدین پنجشنبہ (جمعرات) کے دن یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ اللَّيْلَ مُظْلِمًا
بِقُدْرَتِهٖ وَجَآءَ بِالنَّهَارِ مُبْصِرًا بِرَحْمَتِهٖ
وَكَسَانِيْ ضِيَآءَهٗ وَاَنَا فِيْ نِعْمَتِهٖ[1] اَللّٰهُمَّ
فَكَمَا اَبْقَيْتَنِيْ لَهٗ فَاَبْقِنِيْ لِاَمْثَالِهٖ وَصَلِّ
عَلَى النَّبِيِّ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَلَا تَفْجَعْنِيْ فِيْهِ
وَفِيْ غَيْرِهٖ مِنَ اللَّيَالِيْ وَالْاَيَّامِ بِارْتِكَابِ
الْمَحَارِمِ وَاكْتِسَابِ الْمَاٰثِمِ وَارْزُقْنِيْ
خَيْرَهٗ وَخَيْرَ مَا فِيْهِ وَخَيْرَ مَا بَعْدَهٗ وَ
اصْرِفْ عَنِّيْ شَرَّهٗ وَشَرَّ مَا فِيْهِ وَشَرَّ
مَا بَعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ بِذِمَّةِ الْاِسْلَامِ
اَتَوَسَّلُ اِلَيْكَ وَبِحُرْمَةِ الْقُرْاٰنِ اَعْتَمِدُ
عَلَيْكَ وَبِمُحَمَّدٍ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ اَسْتَشْفِعُ لَدَيْكَ فَاعْرِفِ
اَللّٰهُمَّ ذِمَّتِيَ الَّتِيْ رَجَوْتُ بِهَا قَضَآءَ
حَاجَتِيْ يَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ اَللّٰهُمَّ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔
حمد اسی معبود کے لیے سزاوار ہے جس نے رات کو دور کیا جبکہ وہ تاریک تھی اپنی قدرت سے، اور دن نکالا جو کہ روشن ہے اپنی رحمت سے اور مجھے اس کی روشنی اڑھا دی اس حالت میں کہ میں[1] اس کی نعمت میں (ڈوبا ہوا) ہوں۔ اے اللہ! رحمت نازل کر پس جس طرح تو نے مجھے اس (دن) کے لیے باقی رکھا اسی طرح اس جیسے (باقی) دنوں کے لیے زندہ رکھ۔ اور رحمت نازل کر (اپنے) رسول محمدؐ پر اور ان کی آل پر۔ اور اس دن میں اور اس کے علاوہ راتوں اور دنوں میں مجھے دردناک نہ کر حرام چیزوں کے مرتکب ہونے اور گناہوں کے کرنے سے۔ اور عطا کر مجھ کو اس (دن) کی بھلائی اور اس کام کی بھلائی جو کہ اس دن میں ہو اور اس کے بعد کی بھلائی۔ اور دور کر مجھ سے اس کی برائی اور اس کام کی برائی جو اس میں ہو اور اس کے بعد کی برائی۔ اے اللہ! میں اسلام کی ذمہ داری[2] کے وسیلہ سے تجھ سے توسل چاہتا ہوں اور قرآن کی حرمت کے[3] واسطے سے تجھ پر اعتماد کرتا ہوں اور محمد مصطفیٰؐ (ان پر اور ان کی اولاد پر رحمت ہو) سے تیری بارگاہ میں شفاعت چاہتا ہوں پس اے میرے معبود میری

---

[1] ایک نسخے میں اس فقرہ کی جگہ یہ جملہ نظر سے گزرا "اَتَانِیْ نِعْمَتَهٗ" جس کا ترجمہ یہ ہے "اور اس کی نعمت مجھ کو دی۔"

[2] اسلام کی ذمہ داری کو وسیلہ قرار دینے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جو کوئی اسلام لاتا ہے، پھر اسلام اس کی فلاح کا ضامن اور ذمہ دار ہوتا ہے۔

[3] یعنی جب قرآن پاک کی حرمت کو قبول اور تسلیم کر کے اس پر یقین کر لیا تو یہی تجھ پر اعتماد کرنے کی سب سے بڑی دلیل ہوئی کیونکہ قرآن تیری ہی کتاب ہے۔ جب کتاب کی حرمت کا اعتراف کر لیا تو پھر کتاب والے کی حرمت بدرجہ اولیٰ مسلم ہو گئی۔

اَقْضِ لِیْ فِی الْخَمِیْسِ خَمْسًا لَا تَتَّسِعُ لَهَا اِلَّا کَرَمُکَ وَ لَا یُطِیْقُهَا اِلَّا نِعَمُکَ سَلَامَةً اَقْوٰی بِهَا عَلٰی طَاعَتِکَ وَ عِبَادَةً اَسْتَحِقُّ بِهَا جَزِیْلَ مَثُوْبَتِکَ وَ سَعَةً فِی الْحَالِ مِنَ الرِّزْقِ الْحَلَالِ وَ اَنْ تُؤْمِنَنِیْ فِیْ مَوَاقِفِ الْخَوْفِ بِاَمْنِکَ وَ تَجْعَلَنِیْ مِنْ طَوَارِقِ الْهُمُوْمِ وَ الْغُمُوْمِ فِیْ حِصْنِکَ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَ اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ اجْعَلْ تَوَسُّلِیْ بِهٖ شَافِعًا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ نَافِعًا اِنَّکَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ

اس ذمہ داری[1] کو پہچان جس کے ذریعہ میں اپنی حاجت پوری ہونے کا امیدوار ہوں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! ۲ اے میرے معبود! جمعرات کے دن میری پانچ حاجتیں پوری کر کہ نہیں قدرت رکھتا ان پر کوئی سوائے تیرے کرم کے اور تیری نعمتوں کے علاوہ ان پر کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ (اول) ایسی سلامتی (دے) کہ قوت پاؤں جس سے تیری فرمانبرداری کی اور (دوسرے) ایسی عبادت کہ جس سے میں تیرے بہت سے ثواب کا مستحق ہو جاؤں اور (تیسرے) فوراً حلال روزی میں وسعت دے اور (چوتھے) امن و امان دے مجھ کو خوف[3] کے مقامات میں اپنے امن سے اور (پانچویں) قرار دے مجھ کو غم و ہم کے حادثات سے اپنے قلعہ میں۔ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر، اور ان سے میرے[4] توسل کو ایسا سفارش کرنے والا بنا جو قیامت کے دن نفع دے۔ بے شک تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

## دُعَاءُ یَوْمِ الْجُمُعَةِ

حضرت زین العابدین جمعہ کے دن یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْاَوَّلِ قَبْلَ الْاِنْشَآءِ وَالْاِحْیَآءِ وَ الْاٰخِرِ بَعْدَ فَنَآءِ الْاَشْیَآءِ الْعَلِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تمام تعریفیں اس معبود کے لیے ہیں جو پیدا کرنے اور روح ڈالنے سے پہلے موجود تھا اور تمام چیزوں کے فنا ہونے کے بعد[5] ہے

---

[1] یعنی مجھ پر اور میری حاجت پر نظر نہ کر بلکہ میری اس ذمہ داری کو دیکھ جس کو میں نے وسیلہ میں پیش کیا ہے یعنی اسلام اور قرآن وغیرہ۔

[2] حاجتی کا ترجمہ جو اوپر مذکور ہوا۔

[3] الخوف کا ترجمہ جو اوپر مذکور ہوا۔

[4] یعنی مجھے رسول مقبول سے جو توسل حاصل ہے اسی تعلق کو میرا ذریعہ شفاعت قرار دے۔

[5] سیاق و سباق سے یہ معنی پیدا ہوئے۔

الَّذِيْ لَا يَنْسٰى مَنْ ذَكَرَهٗ وَلَا يُنْقِصُ مَنْ شَكَرَهٗ وَلَا يُخَيِّبُ مَنْ دَعَاهُ وَ لَا يَقْطَعُ رَجَآءَ مَنْ رَجَاهُ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اُشْهِدُكَ وَكَفٰى بِكَ شَهِيْدًا وَ اُشْهِدُ جَمِيْعَ مَلٰٓئِكَتِكَ وَ سُكَّانَ سَمٰوٰتِكَ وَحَمَلَةَ عَرْشِكَ وَ مَنْ بَعَثْتَ مِنْ اَنْبِيَآئِكَ وَرُسُلِكَ وَ اَنْشَأْتَ مِنْ اَصْنَافِ خَلْقِكَ اَنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَلَا عَدِيْلَ وَلَا خُلْفَ لِقَوْلِكَ وَلَا تَبْدِيْلَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ عَبْدُكَ وَ رَسُوْلُكَ اَدّٰى مَا حَمَّلْتَهُ اِلَى الْعِبَادِ وَجَاهَدَ فِي اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ حَقَّ الْجِهَادِ وَ اَنَّهٗ بَشَّرَ بِمَا هُوَ حَقٌّ مِنَ الثَّوَابِ وَ اَنْذَرَ بِمَا هُوَ صِدْقٌ مِنَ الْعِقَابِ اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْنِيْ عَلٰى دِيْنِكَ مَا اَحْيَيْتَنِيْ وَلَا تُزِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنِيْ وَهَبْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ اجْعَلْنِيْ مِنْ اَتْبَاعِهٖ وَاَشْيَاعِهٖ وَ احْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَتِهٖ وَ وَفِّقْنِيْ لِاَدَآءِ

گا۔ وہ ایسا علم[1] رکھنے والا ہے۔ کہ جو اس کا ذکر کرے اسے کبھی نہیں بھولتا اور نہیں گھٹاتا اس شخص کو جو اس کا شکر کرے۔ اور جو اسے پکارے اسے محروم نہیں کرتا۔ اور اس شخص کی امید منقطع نہیں کرتا جو اس سے امید رکھے۔ اے میرے اللہ! میں تجھے گواہ بناتا ہوں اور تو ہی گواہ ہونے کے واسطے کافی ہے اور میں گواہ بناتا ہوں تیرے تمام فرشتوں کو اور تیرے آسمانوں کے باشندوں کو اور تیرے عرش کے اٹھانے والوں کو اور تیرے ان نبیوں کو جنھیں تو نے بھیجا ہے اور رسولوں کو اور تمام قسم قسم کی مخلوق کو جسے تو نے پیدا[2] کیا، اس بات پر (گواہ بناتا ہوں) کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک تو ہی ایسا معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو اکیلا ہے تیرا کوئی شریک نہیں اور نہ مثل و نظیر ہے اور تیرے قول کے خلاف کبھی نہیں ہوتا اور نہ اس میں تبدیلی ہوتی ہے اور اس بات کی (گواہی دیتا ہوں) کہ محمدؐ، رحمت نازل ہو ان پر اور ان کی اولاد پر تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں جس (پیغام) کا تو نے انھیں حامل بنادیا تھا وہ انھوں نے بندوں تک پہنچا دیا اور جہاد[3] کیا خدا کی راہ میں جیسا کہ (جہاد کرنے) کا حق تھا۔ اور یہ کہ انھوں نے اس ثواب کی جو کہ حق ہے خوش خبری دی اور جو عذاب کہ سچ ہے اس سے انھوں نے ڈرایا۔ اے میرے اللہ مجھے اپنے دین پر ثابت قدم رکھ جب تک کہ تو مجھے زندہ رکھے اور جب کہ (ایک بار) تو نے مجھے ہدایت کردی تو (اب) میرے دل کو کجی میں نہ پڑنے دے اور عطا کر مجھ کو اپنی جانب سے رحمت۔ بے شک تو ہی بخشنے والا ہے۔ رحمت نازل کر تو محمدؐ پر اور محمدؐ کی اولاد پر اور مجھے ان کے پیروں اور تابعوں میں سے قرار دے اور مجھے ان کے گروہ میں محشور کر اور توفیق دے مجھ کو ہر جمعہ کے واجبات ادا کرنے

---

[1] علم باری تعالیٰ کے مفہوم میں یہ تصوّر شامل ہے کہ اس کا علم ایسا ہے جس کی یادداشت کبھی ایک لمحہ کے لیے محو نہیں ہوتی۔ ہر علم ہر وقت حاضر ہے۔

[2] عدم سے وجود میں لایا۔

[3] یعنی ہر طرح سے تبلیغ حق کی کوشش کی۔

فَرضِ الجُمُعَاتِ وَ مَا اَوجَبتَ عَلَیَّ فِیهَا مِنَ الطَّاعَاتِ وَ قَسَمتَ لِاَهلِهَا مِنَ العَطَآءِ فِی یَومِ الجَزَآءِ اِنَّکَ اَنتَ العَزِیزُ الحَکِیمُ ۝

کی اور ان عبادتوں کی (توفیق دے) جو تو نے مجھ پر اس (جمعہ) میں واجب کی ہیں اور ان انعامات کی (توفیق دے) جو کہ تو نے ان عبادات والوں کے لیے قیامت کے دن معیّن کیے ہیں۔ بے شک تو ہی غالب، حکمت والا ہے۔

## دُعَاءُ یَومِ السَّبتِ

حضرت زین العابدین شنبہ (سنیچر) کے دن
یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ ۝
بِسمِ اللّٰہِ کَلِمَةُ المُعتَصِمِینَ وَ مَقَالَةُ المُتَحَرِّزِینَ وَ اَعُوذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی مِن جَورِ الجَائِرِینَ وَ کَیدِ الحَاسِدِینَ وَ بَغیِ الظَّالِمِینَ وَ اَحمَدُهُ فَوقَ حَمدِ الحَامِدِینَ اَللّٰهُمَّ اَنتَ الوَاحِدُ بِلَا شَرِیکٍ وَ المَلِکُ بِلَا تَملِیکٍ لَا تُضَادُّ فِی حُکمِکَ وَ لَا تُنَازَعُ فِی مُلکِکَ اَسئَلُکَ اَن تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبدِکَ وَ رَسُولِکَ وَ اٰلِهٖ وَ اَن تُوزِعَنِی مِن شُکرِ نُعمَاکَ مَا تَبلُغُ بِی غَایَةَ رِضَاکَ وَ اَن تُعِینَنِی عَلٰی طَاعَتِکَ وَ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔
شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو حفاظت چاہنے والوں کا کلمہ[3] ہے اور جو پناہ کے طالبین کی گفتگو[4] ہے اور پناہ مانگتا ہوں میں اللہ سے جو کہ بزرگ و برتر ہے ظلم کرنے والوں کے ظلم سے اور حسد کرنے والوں کے مکر سے اور ظالموں کی سرکشی سے۔ اور حمد کرتا ہوں میں اس کی تمام حمد کرنے والوں سے بڑھ کر۔ اے اللہ تو ہی واحد ہے بغیر شریک کے۔ اور تو ہی بادشاہ ہے بغیر اس کے کہ کسی نے بادشاہ بنایا ہو[5]۔ تیرے حکم کی مخالفت نہیں کی جا سکتی اور نہیں نزاع کیا جا سکتا تیری بادشاہی میں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو محمدؐ پر جو کہ تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں رحمت نازل کر اور ان کی اولاد پر (رحمت نازل کر) اور یہ سوال کرتا ہوں) کہ اپنی نعمتوں کا اتنا شکر میرے دل میں ڈال دے جو مجھے تیری رضامندی

---

۱ الطاعات کا ترجمہ جو کہ بعد کی سطر میں ہے۔

۲ قسمت کے لغوی معنی ہیں تو نے تقسیم کی ہیں۔ چونکہ ثواب علم باری تعالیٰ میں تقسیم ہو چکے ہیں جو کہ عملاً روز قیامت تقسیم ہوں گے اس لیے ان کے واسطے بطور مجاز مرسل قسمت کا فعل استعمال کیا۔ مراد یہ ہے کہ جن ثوابوں کا تقسیم کرنا تو نے معین و مقدر کیا ہے۔

۳ یعنی حفاظت چاہنے والوں کا تکیہ کلام ہے کہ وہ اٹھتے بیٹھتے اس کا نام لیتے ہیں اور اسے پکارتے ہیں۔

۴ یعنی اس کا نام ہر وقت پناہ مانگنے والوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے۔

۵ یعنی تجھے بادشاہ بنانے میں کسی نے کوئی سہارا نہیں دیا بلکہ تو خود اپنی قدرت و قوت و غلبہ کی بنا پر بادشاہ علی الاطلاق ہے۔

لُزُومِ عِبَادَتِكَ وَ اسْتِحْقَاقِ مَثُوبَتِكَ بِلُطْفِ عِنَايَتِكَ وَ تَرْحَمَنِي بِصَدِّي عَنْ مَعَاصِيكَ مَا اَحْيَيْتَنِي وَ تُوَفِّقَنِي لِمَا يَنْفَعُنِي مَا اَبْقَيْتَنِي وَ اَنْ تَشْرَحَ بِكِتَابِكَ صَدْرِي وَ تَحُطَّ بِتِلَاوَتِهٖ وِزْرِي وَ تَمْنَحَنِي السَّلَامَةَ فِي دِيْنِي وَ نَفْسِي وَ لَا تُوحِشَ بِي اَهْلَ اُنْسِي وَ تُتِمَّ اِحْسَانَكَ فِيمَا بَقِيَ مِنْ عُمُرِي كَمَا اَحْسَنْتَ اِلَيَّ فِيمَا مَضَى مِنْهُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ وَ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ ۝

کی حد تک پہنچائے ۔ یہ کہ مدد کرے تو میری اپنی اطاعت پر اور ہمیشہ اپنی عبادت کرنے پر اور اپنے ثواب[1] کا مستحق ہونے[2] پر اپنی لطیف عنایت سے اور یہ کہ رحم کرے تو مجھ پر مجھے اپنی نافرمانیوں سے روکنے میں ۔ جب تک کہ تو مجھے زندہ رکھے ۔ اور مجھے توفیق دے ان کاموں کی جو مجھے نفع پہنچائیں جب تک کہ تو مجھے باقی رکھے اور یہ کہ کھول دے تو اپنی کتاب سے میرے سینے کو اور اُتار دے اس کی تلاوت (کی برکت) سے میرے بار (گناہ) کو اور عطا کرے مجھ کو سلامتی میرے دین اور میری جان میں ۔ اور مجھ[3] سے میرے دوستوں کو وحشت میں نہ ڈالے اور پورا کرے اپنے احسان کو میری بقیہ زندگی میں جس طرح کہ احسان کیا ہے تو نے اس زندگی میں جو کہ گزری ۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! اور رحمت نازل کرے اللہ محمد پر اور ان کی آل پر جو کہ پاکیزہ اور پاک ہیں ۔

---

ربنا تقبل منا (?) 

تمت بالخیر

شہباز قمر

---

[1] مثوبتک کا ترجمہ جو اوپر کی سطر میں ہے ۔

[2] استحقاق کا ترجمہ جو اوپر مذکور ہوا ۔

[3] یعنی اپنی توفیق سے ۔

صہ یعنی یہ سوال کرتا ہوں کہ

[4] یعنی میرے معاملات وواقعات وحالات سے ۔

# تتمہ

حضرت سید الساجدین امام زین العابدین کی پندرہ مناجاتیں، ایران کے ایک قلمی صحیفہ میں نظر سے گزریں جو حسب فرمائش اخوند ملا محمد خراسانی تحریر کیا گیا تھا اور اب خیرپور کی سرکاری لائبریری میں محفوظ ہے ــــ اور جس کا نمبر شمار مذکورہ کتب خانے کے مخطوطات میں (۱۳۶) ہے۔

یہ دعائیں پاک و ہند کے کسی مطبوعہ صحیفہ میں آج تک شائع نہیں ہوئیں۔

---

## اَلْمُنَاجَاتُ الْاَوَّلُ - مُنَاجَاتُ التَّائِبِیْنَ

### پہلی مناجات - توبہ کرنے والوں کی دعا

اِلٰهِیْ اَلْبَسَتْنِی الْخَطَایَا ثَوْبَ مَذَلَّتِیْ وَجَلَّلَنِی التَّبَاعُدُ مِنْكَ لِبَاسَ مَسْكَنَتِیْ وَ اَمَاتَ قَلْبِیْ عَظِیْمُ جِنَایَتِیْ فَاَحْیِهٖ بِتَوْبَةٍ مِنْكَ یَا اَمَلِیْ وَ بُغْیَتِیْ وَ یَا سُؤْلِیْ وَ مُنْیَتِیْ فَوَعِزَّتِكَ مَا اَجِدُ لِذُنُوْبِیْ سِوَاكَ غَافِرًا وَلَا اَرٰی لِكَسْرِیْ غَیْرَكَ جَابِرًا

اے میرے معبود خطاؤں نے مجھ کو میری ذلت[1] کا لباس پہنا دیا ہے اور تجھ سے دوری نے مجھے میری پریشانی کے کپڑوں میں ڈھانک دیا ہے اور مردہ کر دیا ہے میرے دل کو میرے گناہان کبیرہ نے پس تو اس کو اپنی طرف[2] سے توبہ[3] قبول کر کے زندہ کر دے۔ اے میری امید[4] آرزو اور میری خواہش و تمنا (خدائے تعالیٰ) تیری عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ میں کسی کو تیرے سوا اپنے گناہوں کا بخشنے والا نہیں پاتا اور نہ تیرے غیر کو اپنی شکستگی کا درست کرنے والا

---

[1] "میری ذلت" اور "میری پریشانی" کے فقروں میں "ذلت" اور "پریشانی" کا اپنی جانب انتساب کر کے، اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ گناہوں کی وجہ سے یہ ذلت اور پریشانی میری ذات کا جزو لاینفک بن چکی ہے اور میری زندگی کا ایسا حصہ بن گئی ہے جسے میں اپنی ہستی سے الگ کوئی چیز تصور نہیں کرتا۔

[2] یعنی اپنے تفضل سے

[3] یعنی میری توبہ۔

[4] یعنی اے میری امیدوں، آرزوؤں، خواہشوں اور تمناؤں کے مرکز۔

وَقَدْ خَضَعْتُ بِالْاِنَابَةِ اِلَيْكَ وَعَنَوْتُ
بِالْاِسْتِكَانَةِ لَدَيْكَ فَاِنْ طَرَدْتَنِيْ مِنْ
بَابِكَ فَبِمَنْ اَلُوْذُ وَاِنْ رَدَدْتَنِيْ عَنْ
جَنَابِكَ فَبِمَنْ اَعُوْذُ فَوَا اَسَفٰى مِنْ خَجْلَتِيْ
وَافْتِضَاحِيْ وَوَالَهْفَا مِنْ سُوْءِ عَمَلِيْ وَ
اجْتِرَاحِيْ اَسْئَلُكَ يَا غَافِرَ الذَّنْبِ الْكَبِيْرِ
وَيَا جَابِرَ الْعَظْمِ الْكَبِيْرِ اَنْ تَهَبَ لِيْ
مُوْبِقَاتِ الْجَرَائِرِ وَتَسْتُرَ عَلَيَّ فَاضِحَاتِ
السَّرَائِرِ وَلَا تُخْلِنِيْ فِيْ مَشْهَدِ الْقِيٰمَةِ
مِنْ بَرْدِ عَفْوِكَ وَمَغْفِرَتِكَ وَلَا تُعْرِنِيْ
مِنْ جَمِيْلِ صَفْحِكَ وَسَتْرِكَ اِلٰهِيْ
ظَلِّلْ عَلٰى ذُنُوْبِيْ غَمَامَ رَحْمَتِكَ وَ
اَرْسِلْ عَلٰى عُيُوْبِيْ سَحَابَ رَاْفَتِكَ

سمجھتا ہوں[1] اور میں تیری طرف رجوع کر کے رو رہا ہوں[2] اور تیرے
سامنے رک کر تفرع و زاری[3] کر رہا ہوں پس اگر تو نے مجھے اپنے
در سے ہٹا دیا تو پھر میں کس کے پاس پناہ لوں گا اور اگر تو نے
مجھے اپنے دربار سے واپس کر دیا تو پھر کس کی حفاظت میں رہوں
گا۔ پس کتنی افسوسناک ہے میری شرمندگی اور رسوائی اور کس قدر
حسرتناک ہے میری بدعملی اور بدکرداری! پس سوال کرتا ہوں،
میں تجھ سے اے بڑے گناہ کے بخشنے[4] والے اور اے ٹوٹی ہوئی
ہڈی کو جوڑنے والے! یہ[5] کہ بخش دے میرے مہلک[6] گناہوں کو اور
میرے رسوا کرنے والے رازوں[7] کی پردہ پوشی کر۔ اور مت جدا کرنا
مجھ کو قیامت میں حاضری[8] کے موقع پر اپنی معافی اور اپنی مغفرت
کی چادر سے اور مت علیحدہ کرنا مجھ کو[9] اپنی پسندیدہ درگزر اور
جائے پناہ[10] سے۔ اے میرے معبود سایہ فگن کر میرے گناہوں پر
اپنی رحمت کے بادل اور انڈا دے میرے عیوب پر اپنی مہربانی کی

---

۱ؔ لا اُبالی کا مفہوم جس کے لفظی معنی ہیں "میں نہیں دیکھتا۔
۲ؔ خضعتُ کا ترجمہ خضوع و خشوع کر رہا ہوں۔
۳ؔ عَنَوْتُ کے لغوی معنی تکلیف اٹھا رہا ہوں، دردمند ہوں مراد تفرع و زاری کر رہا ہوں۔
۴ؔ ظاہری الفاظ سے یہ اشتباہ ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ چھوٹا گناہ نہیں بخشتا یا نعوذ باللہ اس کا بخشنا اس کے حد و اختیار سے باہر ہے۔ مگر درحقیقت یہ مطلب نہیں
بلکہ مراد تأمل یہ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے گناہ کو بخش دیتا ہے۔
۵ؔ یعنی یہ سوال کرتا ہوں اور مانگتا ہوں۔
۶ؔ یعنی صرف معمولی گناہ ہی نہیں بلکہ مہلک اور عظیم گناہ بھی بخش دے۔
۷ؔ یعنی افعال شنیعہ جن کا اظہار موجب رسوائی ہے۔
۸ؔ مشہد کے معنی حاضر ہونے کی جگہ اور مقام اور وقت۔
۹ؔ یعنی قیامت میں حاضری کے وقت۔
۱۰ؔ 'ستر' کے لغوی معنی پردہ اور چادر جس میں کسی کو چھپایا جاتا ہے۔ مراد پناہ اور جائے پناہ۔

اِلٰهِیْ هَلْ یَرْجِعُ الْعَبْدُ الْاٰبِقُ اِلَّا اِلٰی
مَوْلَاهُ اَمْ هَلْ یُجِیْرُهٗ مِنْ سَخَطِهٖ اَحَدٌ
سِوَاهُ اِلٰهِیْ اِنْ کَانَ النَّدَمُ عَلَی الذَّنْبِ
تَوْبَةً فَاِنِّیْ وَعِزَّتِکَ مِنَ النَّادِمِیْنَ وَ
اِنْ کَانَ الْاِسْتِغْفَارُ مِنَ الْخَطِیْئَةِ حِطَّةً
فَاِنِّیْ لَکَ مِنَ الْمُسْتَغْفِرِیْنَ لَکَ الْعُتْبٰی
حَتّٰی تَرْضٰی ۔ اِلٰهِیْ بِقُدْرَتِکَ عَلَیَّ تُبْ
عَلَیَّ وَ بِحِلْمِکَ عَنِّیْ اُعْفُ عَنِّیْ وَبِعِلْمِکَ
بِیْ اُرْفُقْ بِیْ اِلٰهِیْ اَنْتَ الَّذِیْ فَتَحْتَ
لِعِبَادِکَ بَابًا اِلٰی عَفْوِکَ سَمَّیْتَهُ التَّوْبَةَ
فَقُلْتَ تُوْبُوْا اِلَی اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا
فَمَا عُذْرُ مَنْ اَغْفَلَ دُخُوْلَ الْبَابِ
بَعْدَ فَتْحِهٖ اِلٰهِیْ اِنْ کَانَ قَبُحَ
الذَّنْبُ مِنْ عَبْدِکَ فَلْیَحْسُنِ الْعَفْوُ

گھٹا ہیں ۔ اے میرے معبود نہیں[1] لوٹتا ہے بھاگا ہوا غلام مگر اپنے آقا کی
طرف یا پناہ دیتا[2] ہے اس (غلام) کو اس (مالک) کے غصہ سے مالک
کے علاوہ کوئی اور؟ اے میرے معبود! اگر ہے، گناہ پر شرمندہ ہو
جانا توبہ[3] تو میں تیری عزت کی قسم کھاتا ہوں کہ میں، شرمساروں میں
ہوں اور اگر ہے گناہوں سے مغفرت طلب کرنا (گناہوں کا) کفارہ تو
میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں ۔ تیری رضاجوئی فرض[4] ہے یہاں
تک کہ تو راضی ہو ۔ اے میرے معبود! اپنی اس قدرت[5] کی بناء پر جو
تجھے مجھ پر حاصل ہے، میری توبہ قبول کر اور مجھ[6] سے حلم کرنے کی بناء
پر مجھے معاف کر دے اور میرے متعلق اپنے علم[7] کی وجہ سے، مجھ پر
نرمی کر ۔ اے میرے معبود! تو وہ ہے جس نے اپنے بندوں کے لیے اپنی
معافی کی طرف (آنے کا) دروازہ کھول دیا ہے ۔ جس کا تو نے توبہ نام
رکھا ہے ۔ کیونکہ تو نے کہا ہے اللہ کی طرف خلوص[8] دل سے رجوع[9]
کرو پس کیا عذر رکھتا ہے وہ شخص جو دروازہ کھلا ہونے کے
بعد اس میں داخل ہونے سے غفلت برتے ۔ اے میرے معبود!

---

۱ھ هَلْ کا ترجمہ جو حرفِ استفہام ہے اور عموماً سوال کے لیے بولا جاتا ہے لیکن جب اس کے بعد " اِلَّا " (لیکن) آ جاتا ہے تو یہ نفی کے معنی دینے لگتا ہے ۔

۲ھ استفہام انکاری کے طور پر ہے ۔ یعنی پناہ نہیں دیتا ۔

۳ھ یعنی اگر توبہ کے یہی معنی ہیں کہ آدمی گناہ پر شرمندہ ہو جائے ۔

۴ھ لَکَ کے معنی تجھ سے مخصوص ہے، تیرے لیے زیب ہے ۔

۵ھ یعنی توبہ قبول کر لینے کے بعد بھی تجھے اس بات پر قدرت حاصل رہے گی کہ اگر میں پھر گناہ کروں تو مجھ پر تو پھر عتاب نازل کر دے ۔ اور ایسا نہیں ہے کہ توبہ قبول کر چکنے کے بعد تجھے مجھ پر قدرت اور اختیار حاصل نہیں رہے گا جس کی وجہ سے تو میری توبہ قبول نہ کرے ۔

۶ھ یعنی میرے اعمال سے ۔

۷ھ یعنی چونکہ تو اس بات کا علم رکھتا ہے کہ میں جو کچھ اقرار کر رہا ہوں وہ دل سے ہے اور بناوٹی نہیں ہے اس لیے تو مجھ پر نرمی فرما ۔

۸ھ نصوحًا کا ترجمہ ۔

۹ھ توبہ کا ترجمہ ۔

مِنْ عِنْدِكَ اِلٰهِيْ مَا اَنَا بِاَوَّلِ مَنْ عَصَاكَ فَتُبْتَ عَلَيْهِ وَتَعَرَّضَ لِمَعْرُوْفِكَ فَجُدْتَ عَلَيْهِ يَا مُجِيْبَ الْمُضْطَرِّيْنَ يَا كَاشِفَ الضُّرِّ يَا عَظِيْمَ الْبِرِّ يَا عَلِيْمًا بِمَا فِي السِّرِّ يَا جَمِيْلَ السِّتْرِ اسْتَشْفَعْتُ بِجُوْدِكَ وَكَرَمِكَ اِلَيْكَ وَتَوَسَّلْتُ بِجَنَابِكَ وَتَرَحُّمِكَ لَدَيْكَ فَاسْتَجِبْ دُعَائِيْ وَلَا تُخَيِّبْ فِيْكَ رَجَائِيْ وَتَقَبَّلْ تَوْبَتِيْ وَكَفِّرْ خَطِيْئَتِيْ بِمَنِّكَ وَرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ؕ

اگر قبیح ہے گناہ تیرے بندے کی طرف سے، تو بھی ضرور[۱] ہے کہ اچھی ہے معافی (بھی) تیری جانب سے[۲]۔ اے میرے معبود! نہیں ہوں میں پہلا وہ شخص جس نے تیری نافرمانی کی پس تو نے اس کی توبہ قبول کر لی اور (جس نے) تیرے احسان[۳] سے روگردانی کر لی پس تو نے اس پر کرم کیا اے پریشانوں پر توجہ کرنے والے۔ اے تکلیف کے دور کرنے والے اے بڑے نیکی کرنے والے۔ اے اس بات کے جاننے والے جو بھید[۴] میں چھپی ہوئی ہے۔ اے اچھے پردہ پوش! میں سفارشی[۵] بنا کر لایا ہوں تیرے پاس تیری بخشش اور کرم کو اور وسیلہ بنایا ہے میں نے تیری طرف تیری مہربانی اور تیرے رحم و فضل کو۔ پس میری پکار کو قبول کر اور ناکام نہ کر اپنے بارے[۶] میں میری امید کو اور میری توبہ قبول فرما اور میرے گناہ کو محو کر دے اپنے احسان اور اپنی رحمت سے، اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

## اَلْمُنَاجَاتُ الثَّانِیْ - مُنَاجَاةُ الشَّاكِيْنَ

دوسری مناجات۔ شکوہ[۷] کرنے والوں کی دعا

اِلٰهِيْ اِلَيْكَ اَشْكُوْ نَفْسًا بِالسُّوْءِ

اے میرے معبود! میں تجھ سے (اپنے) نفس کی شکایت کرتا

---

۱۔ فَلْيَحْسُنْ کے ل کا ترجمہ۔

۲۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کا تو خمیر ہی اس کا مقتضی ہے کہ وہ گناہ میں ملوث ہو جائے مگر تیری شان کریمی کو یہی زیب دیتا ہے کہ تو اسے معاف کر دے۔

۳۔ یعنی احسانات کو بھول کر ارتکاب گناہ کیا۔

۴۔ یعنی ان گناہوں سے واقفیت رکھنے والے جنھیں گناہگار کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۵۔ یعنی میرے پاس سوائے اس کے کوئی اور سفارشی نہیں ہے کہ میں تیرے جود و کرم پر اعتماد رکھتا ہوں اور یہی اعتماد سب سے بڑی سفارش ہے۔

۶۔ یعنی یہ کہ میں تیرے متعلق یہ امید رکھتا ہوں کہ تو میرا گناہ معاف کر دے گا۔ تو میری اس امید کو ناامیدی سے نہ بدل دینا۔

۷۔ ان لوگوں کی دعا جو بارگاہ رب العزت میں اپنے نفس امارہ اور شیطان کی شکایت کرتے ہیں۔

اَمَّارَةً وَ لِلْهَوٰی مُطِیعَةً وَ اِلَی الْخَطِیْئَةِ مُبَادِرَةً وَ بِمَعَاصِیْكَ مُوْلَعَةً وَ بِسَخَطِكَ مُتَعَرِّضَةً تَسْلُكُ بِیْ مَسَالِكَ الْمَهَالِكِ وَ تَجْعَلُنِیْ عِنْدَكَ اَهْوَنَ هَالِكٍ کَثِیْرَةَ الْعِلَلِ طَوِیْلَةَ الْاَمَلِ اِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ تَجْزَعُ وَ اِنْ مَسَّهُ الْخَیْرُ تَمْنَعُ مَیَّالَةً اِلَی اللَّعِبِ وَ اللَّهْوِ مَمْلُوَّةً بِالْغَفْلَةِ وَ السَّهْوِ تُسْرِعُ بِیْ اِلَی الْحَوْبَةِ وَ تُسَوِّفُنِیْ بِالتَّوْبَةِ اِلٰهِیْ اَشْکُوْ اِلَیْكَ عَدُوًّا یُضِلُّنِیْ وَ شَیْطَانًا یُغْوِیْنِیْ قَدْ مَلَاَ بِالْوَسْوَاسِ صَدْرِیْ وَ اَحَاطَتْ هَوَاجِسُهُ بِقَلْبِیْ یُعَاضِدُ لِیَ الْهَوٰی وَ یُزَیِّنُ لِیْ حُبَّ الدُّنْیَا وَ یَحُوْلُ

ہوں، جو برائی کا بار[1] بار حکم دیتا ہے اور ذاتی خواہش کا تابع ہے اور گناہ کی طرف جھپٹتا[2] رہتا ہے اور تیری نافرمانیوں پر حریص ہے اور تیری ناراضی کے درپے ہے۔ وہ (نفس) مجھ کو ہلاکت[3] کے راستوں میں چلاتا ہے اور اس[4] نے مجھے تیرے نزدیک بہت ہی ذلیل[5] ہلاک ہونے والا بنا دیا ہے۔ وہ (نفس) بہت[6] سی بیماریوں میں مبتلا ہے لمبی آرزوؤں[7] والا ہے۔ اگر اسے برائی[8] چھو بھی جاتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور اگر اسے بھلائی پہنچتی ہے تو روک دیتا ہے۔ کھیل کود کی طرف بہت مائل ہے۔ غفلت[9] اور بھول چوک سے بھرا ہوا ہے۔ تیزی کے ساتھ لے جاتا ہے مجھ کو موت کی جانب اور توبہ میں مجھ سے تاخیر کراتا ہے۔ اے میرے معبود! میں تجھ سے شکایت کرتا ہوں ایسے دشمن کی جو مجھے بھٹکاتا ہے اور ایسے شیطان کی جو مجھے کجروی میں مبتلا کرتا ہے۔ اس[10] نے میرے سینے کو وسوسوں سے بھر دیا ہے اور اس کے شبہات نے میرے دل کو گھیر لیا ہے (وہ) قوت دیتا ہے میری خواہش کو اور آراستہ کر کے لاتا ہے میرے سامنے دنیا کی محبت کو اور میرے[11] اور

---

[1] اَمَّارَۃٌ کے لغوی معنی ہیں بہت حکم دینے والا۔ زیادہ حکم دینے والا مراد پے درپے اور بار بار حکم دینے والا۔

[2] مُبَادِرَۃٌ تیزی کے ساتھ ساتھ اور جلدی جلدی بڑھنے والا۔

[3] گناہوں کی طرف بڑھاتا ہے جو قلب و ضمیر بلکہ انسانیت کو مردہ کر دیتے ہیں۔

[4] تجعلنی کی ضمیر واحد مؤنث کا ترجمہ۔

[5] ایسا مردہ جو بہت ذلتیں اٹھا کر مرا ہو۔ خدائے تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل کون ہوگا جس کا دل کثرتِ عصیاں کے باعث مردہ ہو چکا ہو۔

[6] طرح طرح کے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

[7] حریص و طماع ہے۔

[8] مراد تکلیف و زحمت۔

[9] یعنی اعمال صالحہ سے غفلت برتتا ہے اور گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔

[10] اور وہ شیطان ایسا ہے کہ اس نے میرے سینے کو وسوسہ سے الخ

[11] یعنی مجھے عبادت کے پاس نہیں جانے دیتا اور تقرب الٰہی کے کاموں میں مشغول ہونے سے روکتا ہے۔

بَيْنِيْ وَبَيْنَ الطَّاعَةِ وَالزُّلْفٰى اِلٰهِيْ اِلَيْكَ اَشْكُوْ قَلْبًا قَاسِيًا مَعَ الْوَسْوَاسِ مُتَقَلِّبًا بِالرَّيْنِ وَالطَّبْعِ مُتَقَلِّدًا ۔ وَ مُتَلَبِّسًا وَعَيْنًا عَنِ الْبُكَاءِ مِنْ خَوْفِكَ جَامِدَةً وَاِلٰى مَا يَسُرُّهَا طَامِحَةً اِلٰهِيْ لَا حَوْلَ لِيْ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِقُدْرَتِكَ وَلَا نَجَاةَ لِيْ مِنْ مَكَارِهِ الدُّنْيَا اِلَّا بِعِصْمَتِكَ فَاَسْئَلُكَ بِبَلَاغِ حِكْمَتِكَ وَنَفَاذِ مَشِيَّتِكَ اَنْ لَا تَجْعَلَنِيْ لِغَيْرِ جُوْدِكَ مُتَعَرِّضًا وَلَا تُصَيِّرَنِيْ لِلْفِتَنِ غَرَضًا وَكُنْ لِيْ عَلَى الْاَعْدَآءِ نَاصِرًا وَعَلَى الْمَخَازِيْ وَالْعُيُوْبِ سَاتِرًا وَمِنَ الْبَلَايَا وَاقِيًا وَعَنِ الْمَعَاصِيْ عَاصِمًا بِرَاْفَتِكَ وَرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۝

عبادت و تقربِ الٰہی کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اے میرے معبود! میں تجھ سے شکایت کرتا ہوں اس دل کی جو سخت ہو گیا ہے، وسوسوں میں کروٹیں لے رہا ہے اور گندگی و نجاست میں بدل گیا ہے اور (اسے) اپنا شعار بنا لیا ہے اور شکایت کرتا ہوں (۱) اس آنکھ کی جو تیرے خوف سے رونے کے معاملے میں پتھرائی ہوئی ہے[۲] اور اس چیز کی طرف پھیلی ہوئی ہے جو اسے بھلی لگتی ہے[۳]۔ اے میرے معبود! نہیں ہے میرے پاس قوت اور نہ طاقت مگر تیری قدرت سے[۴] اور نہیں ہے میرے لیے دنیا کی مکروہات سے نجات مگر تیری ہی حفاظت کی صورت میں[۵]۔ پس میں سوال کرتا ہوں تجھ سے تیری حکمت بالغہ[۶] اور مشیت جاریہ[۷] کا واسطہ[۸] دے کر یہ کہ مجھ کو اپنے ماسوا کی بخشش کے درپے مت قرار دے اور نہ مجھ کو فتنوں[۹] کا نشانہ بنا اور دشمنوں کے مقابلے پر مددگار[۱۰] — اور برائیوں اور رسوائیوں کے برخلاف (میرا) پردہ پوش — اور بلاؤں سے بچانے والا اور گناہوں سے حفاظت کرنے والا بن جا[۱۱] اپنی مہربانی اور رحمت سے۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

---

۱؎ اَشْكُوْ کا دوسرا مفعول ہے یعنی اَشْكُوْ عَيْنًا۔ میں اس آنکھ کی شکایت کرتا ہوں۔

۲؎ یعنی تیرے خوف سے ایک آنسو نہیں بہاتی۔

۳؎ یعنی راغب و مائل ہے۔

۴؎ یعنی تو چاہے تو اپنی قدرت سے مجھے اتنا طاقتور بنا سکتا ہے کہ میں نفس اور شیطان پر غالب آ جاؤں۔

۵؎ یعنی تو مجھے برائیوں سے محفوظ رہنے کی توفیق دے تو میں دنیا کی مکروہات سے نجات پا سکتا ہوں۔

۶؎ یعنی حکمت کاملہ۔ ۷؎ ایسی مشیت جو تمام کائنات پر نافذ و جاری ہے۔

۸؎ بِ کا ترجمہ جو "بلاغ" سے پہلے آئی ہے۔

۹؎ قرآن پاک میں آیا ہے اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ فِتْنَةٌ ترجمہ: یعنی مال اور اولاد دنیا کی زندگی کے لیے فتنے ہیں۔ بنا بریں دعا کے کلمات سے یہ مطلب ہے کہ مجھے مال اور اولاد کی فکر میں مبتلا نہ کر جو عبادت و اطاعت سے غافل بنا دیتی ہے۔ ۱۰؎ عَلٰی کا ترجمہ جو کہ برخلاف کے معنی میں ہے۔

۱۱؎ کُنْ کا مفہوم "بن جا" دو سطروں کے بعد ہے۔ ۱۲؎ یہ کُنْ کا ترجمہ ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

# اَلْمُنَاجَاتُ الثَّالِثُ ۔ مُنَاجَاتُ الْخَائِفِیْنَ!

## تیسری مناجات ۔ خوفِ خدا رکھنے والوں کی دعا

اِلٰهِیْ اَتُرَاكَ بَعْدَ الْاِیْمَانِ بِكَ
تُعَذِّبُنِیْ اَمْ بَعْدَ حُبِّیْ اِیَّاكَ تُبَعِّدُنِیْ
اَمْ مَعَ رَجَآئِیْ لِرَحْمَتِكَ وَصَفْحِكَ
تُحْرِمُنِیْ اَمْ مَعَ اسْتِجَارَتِیْ لِعَفْوِكَ
تُسْلِمُنِیْ ۔ حَاشَا لِوَجْهِكَ الْكَرِیْمِ
اَنْ تُخَیِّبَنِیْ لَیْتَ شِعْرِیْ اَلِلشَّقَآءِ
وَلَدَتْنِیْ اُمِّیْ اَمْ لِلْعَنَآءِ رَبَّتْنِیْ
فَلَیْتَهَا لَمْ تَلِدْنِیْ وَلَمْ تُرَبِّنِیْ وَ
لَیْتَنِیْ عَلِمْتُ اَمِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ
جَعَلْتَنِیْ وَبِقُرْبِكَ وَجِوَارِكَ خَصَصْتَنِیْ
فَتَقَرَّ بِذٰلِكَ عَیْنِیْ وَتَطْمَئِنَّ لَهٗ نَفْسِیْ
اِلٰهِیْ هَلْ تُسَوِّدُ وُجُوْهًا خَرَّتْ سَاجِدَةً
لِعَظَمَتِكَ اَوْ تُخْرِسُ اَلْسِنَةً نَطَقَتْ

اے میرے معبود کیا خیال[1] جائے گا تیرے بارے، تجھ پر میرے ایمان لانے کے بعد، کہ[2] تو مجھ پر عذاب کرے گا؟ یا بالخصوص تجھ ہی سے میرے محبت کرنے کے بعد تو مجھے دور کر دے[3] گا؟ یا مجھے تیری رحمت اور تیری درگزر کی امید ہوتے ہوئے[3] تو مجھے محروم کر دے گا؟ یا تیرے عفو کی پناہ چاہنے کے بعد تو مجھے ذلیل کر دے گا؟ نہیں[4] تیری کرم کرنے والی ذات سے یہ بعید ہے کہ تو مجھے محروم کر دے۔ کاش میں سمجھ سکتا کہ کیا میری ماں نے مجھ کو بدبختی کے لیے پیدا کیا ہے یا تکلیفوں کے لیے میری پرورش کی ہے! پس[5] کاش وہ (ماں) مجھے پیدا نہ کرتی اور نہ پالتی! اور کاش کہ میں یہ جانتا ہوتا کہ کیا تو نے مجھ کو خوش قسمتوں[6] میں سے قرار دیا ہے اور اپنی نزدیکی اور اپنے تقرب سے مجھ کو مخصوص کر دیا ہے تو اس سے ٹھنڈی ہو جاتی میری آنکھ اور مطمئن ہو جاتا اس (علم) سے میرا دل۔ اے میرے معبود! کیا تو ان چہروں کو سیاہ[7] کرے گا جو تیری بزرگی کا اعتراف[8] کر کے سجدے میں گرتے ہیں[9]؟ یا گونگا کر دے گا

---

[1] ترٰی کے لغوی معنی ہیں "دیکھا جائے گا تو" یعنی تجھے اس نظر سے کوئی دیکھے گا یا تیرے متعلق یہ رائے یا خیال قائم کرے گا۔

[2] استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ تو مومن پر عذاب نہیں کرے گا۔ [3] یہ اور اس کے بعد کا جملہ بھی استفہام انکاری ہے۔

[4] حاشا کا ترجمہ، نہیں تیری ذات سے بعید ہے۔

[5] یعنی اگر یہ جان لیتا کہ میں بدبختی اور تکالیف کے لیے پیدا کیا گیا ہوں تو ایسی صورت میں یہ تمنا کرتا کہ ا لخ۔

[6] اَهْلُ السَّعَادَةِ کے معنی خوش قسمت لوگ یا وہ لوگ جو نیکوکار ہیں۔

[7] قیامت کی خبروں میں بتایا گیا ہے کہ اس روز بدکاروں کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ دعا کے مذکورہ جملے میں اسی کی جانب اشارہ ہے۔

[8] لِعَظَمَتِكَ بزرگی کا ترجمہ۔

[9] استفہام انکاری ہے۔ یعنی تو ان چہروں کو سیاہ نہیں کرے گا۔

بِالثَّنَاءِ عَلٰى مَجْدِكَ وَجَلَالَتِكَ اَوْ تَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبٍ انْطَوَتْ عَلٰى مَحَبَّتِكَ اَوْ تُصِمُّ اَسْمَاعًا تَلَذَّذَتْ بِسِمَاعِ ذِكْرِكَ فِيْ اِرَادَتِكَ اَوْ تَغُلُّ اَكُفًّا رَفَعَتْهَا الْاٰمَالُ اِلَيْكَ رَجَاءَ رَأْفَتِكَ اَوْ تُعَاقِبُ اَبْدَانًا عَمِلَتْ بِطَاعَتِكَ حَتّٰى نَحِلَتْ فِيْ مُجَاهَدَتِكَ اَوْ تُعَذِّبُ اَرْجُلًا سَعَتْ فِيْ عِبَادَتِكَ اِلٰهِيْ لَا تُغْلِقْ عَلٰى مُوَحِّدِيْكَ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَلَا تَحْجُبْ مُشْتَاقِيْكَ عَنِ النَّظَرِ اِلٰى جَمِيْلِ رُؤْيَتِكَ اِلٰهِيْ نَفْسٌ اَعْزَزْتَهَا بِتَوْحِيْدِكَ كَيْفَ تُذِلُّهَا بِمَهَانَةِ هِجْرَانِكَ وَضَمِيْرٌ انْعَقَدَ عَلٰى مَوَدَّتِكَ كَيْفَ تُحْرِقُهُ

ان زبانوں کو جو گویا ہوئی ہیں تیری بزرگی اور جلالت کی تعریف[1] میں؟ یا تو ان دلوں پر مُہر لگائے[2] گا جو تیری محبت میں لپٹے ہوئے ہیں؟ یا تو ان کانوں کو بہرا کر دے گا جو تیرے اس طرح[3] کے ذکر کو سن کر لذت پاتے ہیں جس طرح (وہ ذکر) تیرے ارادے میں ہے؟ یا تو ان ہاتھوں کو شل کر دے گا جنھیں آرزوؤں نے تیری طرف تیری مہربانی کی امید میں بلند کیا ہے؟ یا تو عتاب کرے گا ان جسموں پر جنھوں نے تیری اطاعت پر عمل کیا ہے یہاں تک کہ وہ لاغر ہو گئے ہیں تیری راہ میں جہاد[4] نفس کر کے؟ یا عذاب کرے گا تو ان قدموں پر جو تیری عبادت (کی راہ) میں دوڑے[5] ہیں؟ اے میرے معبود! مت بند کرنا اپنے ایک[6] ماننے والوں پر اپنی رحمت کے دروازے اور اپنے مشتاقوں کو اپنی خوبرُوئی[7] کی طرف دیکھنے سے نہ روکنا۔ اے میرے معبود! (مجھے یقین ہے کہ) وہ نفس جسے تو نے اپنی توحید کے ساتھ معزز کیا ہے، اُسے کس طرح ذلیل کر سکتا ہے تو اپنے سے جدا کر کے؟ اور وہ ضمیر (دل) جو تیری محبت میں استوار[8] ہے اسے تو اپنی آگ کی گرمی

---

[1] یہ بھی استفہام انکاری ہے یعنی تو ان زبانوں کو گونگا نہیں کرے گا۔

[2] کثرت عصیاں کے باعث جن لوگوں کے دل اتنے سیاہ ہوتے ہیں کہ پھر وہ کسی طرح حق کی طرف مائل اور باطل سے روگرداں نہیں ہوتے تو پھر ان سے خدائے تعالےٰ اپنی توفیق ہمیشہ کے لیے سلب کر لیتا ہے۔ کلام پاک میں اس مفہوم کو "دلوں پر مہر لگا دینے" سے تعبیر کیا گیا ہے (خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ) زیر نظر دعا میں بھی دلوں پر مہر لگانے سے یہی مراد ہے اور یہ جملہ استفہام انکاری کے طور پر ہے۔

[3] مطلق ذکر کئی طرح سے ہو سکتا ہے۔ مثلاً نیکی کے ساتھ یا برائی کے ساتھ یا ان اوصاف کے ساتھ جو اسلام نے خدائے تعالےٰ کے لیے بتائے ہیں یا ان اوصاف کے ساتھ جو خدائے تعالےٰ میں نہیں پائے جاتے۔ دعا کے زیر نظر جملے میں ذکرک کو "فی ارادتک" کے ساتھ مقید کر کے ظاہر کر دیا کہ خدائے تعالےٰ کا ذکر اس طرح موجب ثواب ہے جس طرح کہ وہ اپنا ذکر چاہتا ہے اور مطلق ذکر موجب ثواب داجر نہیں۔

[4] فِيْ مُجَاهَدَتِكَ کے لفظی معنی ہیں "تیرے مجاہدے میں" مراد یہ ہے کہ تیری راہ میں جہاد نفس کر کے۔

[5] یعنی جنھوں نے تیری عبادت ادا کرنے کے لیے پُر اشتیاق تیزی کے ساتھ راستہ طے کیا ہے۔ مثلاً مساجد و معابد میں گئے ہیں یا حج کے لیے سفر کیا ہے۔

[6] یعنی جو تجھے ایک مانتے ہیں۔

[7] جمیل رؤیتک کا ترجمہ۔

[8] انعقد کا مفہوم

ش مراد آتش دوزخ۔

بِحَرَارَةِ نِيْرَانِكَ اِلٰهِيْ اَجِرْنِيْ مِنْ اَلِيْمِ غَضَبِكَ وَ عَظِيْمِ سَخَطِكَ يَا حَنَّانُ يَا مَنَّانُ يَا رَحِيْمُ يَا رَحْمٰنُ يَا جَبَّارُ يَا قَهَّارُ يَا سَتَّارُ نَجِّنِيْ بِرَحْمَتِكَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ وَ فَضِيْحَةِ الْعَارِ اِذَا امْتَازَ الْاَخْيَارُ مِنَ الْاَشْرَارِ وَ حَالَتِ الْاَحْوَالُ وَ هَالَتِ الْاَهْوَالُ وَ قَرُبَ الْمُحْسِنُوْنَ وَ بَعُدَ الْمُسِيْئُوْنَ وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ؕ

سے کس طرح جلائے گا[1]؟ اے میرے معبود! پناہ میں رکھ مجھ کو اپنے دردناک غصّہ اور بڑی ناراضگی[2] سے۔ اے بار بار[3] مہربانی کرنے والے۔ اے متواتر احسان کرنے والے۔ اے مخصوص بندوں[4] پر رحم کرنے والے! اے رحمتِ عامہ رکھنے والے! اے درستیاں[5] اور اصلاح کرنے والے۔ اے غالب! اے پردہ پوش! نجات دے مجھ کو اپنی رحمت کے پیش نظر[6] دوزخ کے عذاب سے اور ذلّت کی رسوائی سے، جبکہ جدا[7] ہو جائیں گے نیک بندے شریر اور بد لوگوں سے اور تبدیل ہو جائیں گے حالات اور ہیبت ناک ہو جائیں گے خطرات[8] اور اندیشے۔ اور نیک بندے تقرب حاصل کریں گے اور بدکار دور ہو جائیں گے اور ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا مگر ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] استفہام انکاری یعنی جس نفس کو تیری توحید کے اقرار نے عزت بخشی ہے اور جس دل میں تیری محبت ہے اسے تو روز قیامت نہ ذلیل کرے گا اور نہ آتش دوزخ میں جلائے جانے کا حکم دے گا۔

[2] اشتباہ ہوتا ہے کہ دعا کرنے والا (نعوذ باللہ) خدائے تعالیٰ کی چھوٹی اور معمولی ناراضگی سے محفوظ رہنے کا خواہشمند نہیں۔ دراصل ایسا نہیں ہے بلکہ ان کلمات سے اس امر کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ خدائے تعالیٰ کی ناراضگی تھوڑی ہو یا بہت، بہرحال عظیم ہے۔

[3] مبالغہ کا صیغہ ہے جس کے لغوی معنی ہیں بہت مہربانی کرنے والا۔ ظاہر ہے کہ جو بہت مہربانی کرے گا اس کی مہربانیاں پے در پے اور بار بار ہوں گی۔

[4] رحیم اور رحمان دونوں کے معنی رحم کرنے والے، کے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ صفت رحیم مخصوص بندوں سے اور صفت رحمٰن عام بندوں سے متعلق ہے۔

[5] جبار، الجبر سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں درست کرنا اور اصلاح کرنا۔ یہ کسر (توڑنا) کی ضد ہے نہ کہ اختیار کی۔

[6] برحمتک کی ب کا ترجمہ۔

[7] یعنی روز قیامت جبکہ بُروں اور بھلوں کو الگ الگ کر دیا جائے گا اور سب کو معلوم ہو جائے گا کہ کون بُرا ہے اور کون بھلا۔

[8] یعنی عتاب الٰہی کے جو اندیشے اور خطرے پہلے سے اپنے اعمال کے پیش نظر لگے ہوئے ہیں وہ فیصلہ الٰہی کے بعد ہیبت ناک صورت میں سامنے آ جائیں گے۔

# الرّابع مناجاة الرّاجين

## چوتھی مناجات - امیدواروں کی دُعا

يَا مَنْ إِذَا سَأَلَهُ عَبْدٌ أَعْطَاهُ
وَإِذَا مَا أَمَّلَ مَا عِنْدَهُ بَلَّغَهُ
مُنَاهُ وَإِذَا أَقْبَلَ عَلَيْهِ قَرَّبَهُ وَ
أَدْنَاهُ وَ إِذَا جَاهَرَهُ بِالْعِصْيَانِ سَتَرَ
عَلٰى ذَنْبِهِ وَغَطَّاهُ وَ إِذَا تَوَكَّلَ عَلَيْهِ
أَحْسَبَهُ وَكَفَاهُ إِلٰهِي مَنِ الَّذِي
نَزَلَ بِكَ مُلْتَمِسًا قِرَاكَ فَمَا قَرَيْتَهُ
وَمَنِ الَّذِي أَنَاخَ بِبَابِكَ مُرْتَجِيًا
نَدَاكَ فَمَا أَوْلَيْتَهُ أَيَحْسُنُ أَنْ
أَرْجِعَ عَنْ بَابِكَ بِالْخَيْبَةِ مَصْرُوفًا
وَلَسْتُ أَعْرِفُ سِوَاكَ مَوْلًى بِالْإِحْسَانِ
مَوْصُوفًا كَيْفَ أَرْجُو غَيْرَكَ

اے وہ (معبود) کہ جب (بھی) اس سے بندے نے مانگا
ہے تو اُس نے اسے عطا کیا ہے اور جب اس (بندے) نے اس
(معبود) سے وہ چیز مانگی[1] ہے جو اس کے پاس ہے تو اس (معبود) نے
اسے اس کی آرزو تک پہنچا دیا ہے اور جب وہ (بندہ) اس کی
جانب بڑھا[2] ہے تو اس (معبود) نے اسے تقرّب دیا ہے اور قریب
بلایا ہے اور جب اس (بندے) نے اس کی کھلی[3] نافرمانی کی ہے تو
اس (معبود) نے اس کے گناہ کو چھپایا ہے اور اس پہ پردہ ڈال دیا
ہے اور جبکہ اس (بندے) نے اس پر بھروسا[4] کیا ہے تو اس (معبود) نے
اس کی کفایت کی اور پوری کفایت کی۔ اے میرے معبود! ایسا کون[5] ہے
جو تیرے پاس آیا تیری میزبانی کا خواہشمند بن کر اور تو نے اس کی
میزبانی نہ کی؟ اور وہ کون[6] ہے جو تیرے دروازے پر ٹھہرا[7] تیری عطا
کا امیدوار ہو کر اور تو نے اس پر عطا[8] نہ کی؟ کیا اچھی ہے یہ بات کہ لوٹ

---

[1] ظاہراً اشتباہ ہوتا ہے کہ کچھ ایسی بھی چیزیں ہوں گی جو (نعوذ باللہ) خدائے تعالیٰ کے پاس نہیں، مگر غور کیا جائے تو جملے کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے۔ مراد یہ ہے کہ جب بندہ خدائے تعالیٰ سے وہ چیز طلب کرتا ہے جو اس کے پاس ہے، یعنی اسی کے پاس ہے اور بندے کے پاس نہیں ہے۔

[2] یعنی جس نے خضوع و خشوع اور صدق دل سے عبادت کی ہے اُسے ضرور تقرب حاصل ہو گیا۔

[3] یعنی انسان بڑی دلیری کے ساتھ گناہ پر گناہ کرتا ہے مگر خدائے تعالیٰ کبھی اس کا پردہ چاک نہیں کرتا اور اسکے گناہ کو طشت از بام کر کے رسوا نہیں کرتا۔

[4] یعنی جو بندہ خدائے تعالیٰ پر اس طرح بھروسا کر لیتا ہے کہ پھر سوا اللہ سے اس کے دل میں ذرہ بھر امید باقی نہیں رہتی، تو پھر خدائے تعالیٰ اس بندہ کی ضرور مدد فرماتا ہے۔

[5] یعنی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔

[6] یہ بھی استفہام انکاری ہے یعنی ایسا کوئی نہیں ہے۔

[7] اناخ کے لغوی معنی "اونٹ بٹھایا" مطلب یہ ہے کہ "ڈیرا ڈالا"۔

[8] یعنی ضرور عطا کی ہے۔

وَ الْخَيْرُ كُلُّهُ بِيَدِكَ وَ كَيْفَ أُؤَمِّلُ سِوَاكَ وَ الْخَلْقُ وَ الْأَمْرُ لَكَ أَ أَقْطَعُ رَجَائِي مِنْكَ وَ قَدْ أَوْلَيْتَنِي مَا لَمْ أَسْأَلْهُ مِنْ فَضْلِكَ أَمْ تُفْقِرُنِي إِلَى مِثْلِي وَ أَنَا أَعْتَصِمُ بِحَبْلِكَ يَا مَنْ سَعِدَ بِرَحْمَتِهِ الْقَاصِدُونَ وَ لَمْ يَشْقَ بِنِقْمَتِهِ الْمُسْتَغْفِرُونَ كَيْفَ أَنْسَاكَ وَ لَمْ تَزَلْ ذَاكِرِي وَ كَيْفَ أَلْهُو عَنْكَ وَ أَنْتَ مُرَاقِبِي إِلَهِي بِذَيْلِ كَرَمِكَ أَعْلَقْتُ يَدِي وَ لِنَيْلِ عَطَايَاكَ بَسَطْتُ أَمَلِي فَأَخْلِصْنِي بِخَالِصَةِ تَوْحِيدِكَ وَ اجْعَلْنِي

جاؤں میں تیرے دروازے سے محرومی کے ساتھ نہ پھرائے ہوئے۔ حالانکہ میں نہیں پہچانتا تیرے علاوہ کسی آقا کو جو احسان کی صفت سے متصف ہو؟ کیونکر امید کر سکتا ہوں میں تیرے غیر سے حالانکہ کُل کی کُل بھلائی تیرے قبضے میں ہے[1]۔ اور کس طرح میں تیرے ماسوا کا امیدوار بن سکتا ہوں جبکہ[2] خلق[3] اور امر[4] تجھ ہی سے مختص ہیں۔ کیا[5] میں تجھ سے اپنی امید منقطع کر دوں جبکہ تو نے وہ چیز[6] بھی اپنے میں نے تجھ سے نہیں مانگا تھا، اپنے فضل سے مجھے عطا کی ہے؟ کیا محتاج بنائے گا تو مجھے مجھ جیسے (دوسرے انسان) کا جبکہ میں تیری رسّی[7] ہی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہوں۔ اے وہ (معبود) جس کی رحمت سے سیدھی[8] راہ پر چلنے والے نیک بخت ہوئے اور مغفرت طلب کرنے والے، جس کے انتقام[9] سے بدبخت نہ بنے۔ (بھلا) کس طرح میں تجھے بھلا دوں جبکہ تو ہمیشہ مجھے یاد[10] رکھتا ہے اور کیونکر میں تجھ سے غافل ہو جاؤں، جبکہ تو میرا نگہبان ہے۔ اے میرے معبود! تیری مہربانی کے دامن کو میں نے اپنے ہاتھ سے تھام[11] لیا ہے اور تیری عطاؤں کو

---

[1] یعنی جب کہ میں یہ بات جانتا ہوں کہ کُل بھلائیاں تیرے ہی قبضے میں ہیں تو پھر تیرے غیر سے مجھے کیا امید ہو سکتی ہے۔

[2] واؤ کا ترجمہ جو کہ حالیہ ہے۔

[3] ایسے اجزاء سے جو کہ پہلے سے موجود ہوں، ترکیب دے کر کسی جسم کو وجود میں لانا خلق کہلاتا ہے۔

[4] کتمِ عدم سے کسی شے کو وجود میں لانا تاکہ وہ آئندہ وجود میں لائی جانے والی اشیاء کا جزء تکوینی بنے، امر کہلاتا ہے۔

[5] أ (ہمزہ استفہام) کا ترجمہ۔

[6] یعنی جسم، اس کے اعضا، ہوا، پانی اور رزق وغیرہ وغیرہ۔

[7] یعنی تیری شریعت سے وابستہ ہوں اور تیرے علاوہ کسی دوسرے سے عقیدت نہیں رکھتا۔

[8] القاصدون کا ترجمہ۔

[9] یعنی طلب مغفرت کرنے والوں سے وہ اپنی نافرمانیوں کا انتقام نہیں لیتا۔

[10] یعنی روزی دیتا ہے اور طرح طرح کی نعمتوں سے مستفیض ہونے کا موقع دیتا ہے۔

[11] اَعْلَقْتُ: میں نے اس طرح تھام لیا ہے کہ اس سے چپکا ہوا ہوں اور کبھی نہ چھوڑوں گا۔

مِنْ صَفْوَةِ عَبِيْدِكَ يَا مَنْ كُلُّ هَارِبٍ اِلَيْهِ يَلْتَجِئُ وَكُلُّ طَالِبٍ اِيَّاهُ يَرْتَجِيْ يَا خَيْرَ مَرْجُوٍّ وَيَا اَكْرَمَ مَدْعُوٍّ وَيَا مَنْ لَا يُرَدُّ سَائِلُهٗ وَلَا يُخَيَّبُ اٰمِلُهٗ يَا مَنْ بَابُهٗ مَفْتُوْحٌ لِدَاعِيْهِ وَحِجَابُهٗ مَرْفُوْعٌ لِرَاجِيْهِ اَسْئَلُكَ بِكَرَمِكَ اَنْ تَمُنَّ عَلَيَّ مِنْ عَطَائِكَ بِمَا تَقَرُّ بِهٖ عَيْنِيْ وَمِنْ رَجَائِكَ بِمَا تَطْمَئِنُّ بِهٖ نَفْسِيْ وَمِنَ الْيَقِيْنِ بِمَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيَّ مُصِيْبَاتِ الدُّنْيَا وَتَجْلُوْ بِهٖ عَنْ بَصِيْرَتِيْ غَشَوَاتِ

حاصل کرنے کے لیے میں نے بڑی امیدیں[۱] باندھ رکھی ہیں پس خالص کردے مجھ کو اپنی سچی توحید سے۔ اور مجھے اپنے برگزیدہ بندوں میں قرار دے۔ اے وہ (معبود) کہ ہر بھاگنے والا[۲] اُسی کی طرف پناہ گزیں ہوتا ہے اور ہر ایک طلب کرنے والا اسی[۳] سے امید کرتا ہے۔ اے بہترین امیدگاہ! اور اے بزرگ ترین ہستی جسے پکارا جاتا ہے! اور اے وہ (معبود) جس سے مانگنے والا واپس نہیں کیا جاتا اور جس سے امید باندھنے والا محروم نہیں رکھا جاتا۔ اے وہ ذات جس کا دروازہ اس کے پکارنے والے کے لیے کھلا ہوا[۴] ہے اور اس کا پردہ اس کے امیدوار کے لیے اٹھا[۵] ہوا ہے! میں تجھ سے تیرے کرم کے بھروسے پر یہ سوال کرتا ہوں کہ احسان کر مجھ پر اپنی بخشش سے وہ (احسان) جس سے میری آنکھ ٹھنڈی[۶] ہو اور اپنی امیدگاہ[۷] سے وہ جس سے میرا دل مطمئن ہو جائے اور یقین[۸] (اور اعتقاد) سے وہ جس کی بدولت[۹] مجھ پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں اور جس کی بدولت[۱۰] میری آنکھوں سے

---

۱۔ بَسَطْتُ کے لغوی معنی ہیں، میں نے وسیع کر دیا ہے۔

۲۔ یعنی ہر وہ شخص جو ایسے عالم میں ہو جائے کہ دنیا سے گھبرا کر بھاگے یا درحقیقت کوئی مر جائے تو ہر پھر کر وہ خدائے تعالےٰ ہی کی جانب پلٹا کرتا ہے۔

۳۔ جیسا کہ امام جعفرؑ صادق نے ایک شخص کو بتایا تھا کہ جب طوفان میں تیری کشتی غرقاب ہو رہی تھی اور سب سہارے منقطع ہو چکے تھے اور ڈوب جانے کا یقین ہو چکا تھا اور اس وقت تیرے دل میں اپنے بچ جانے کی ادنیٰ امید تھی وہ کس سے تھی؛ بس وہی خدا ہے۔

۴۔ یعنی انسان کو ہر وقت یہ اختیار ہے کہ وہ جب چاہے اپنے معبود سے توبہ کرلے یا دعا کر کے اپنا مقصد طلب کرے۔

۵۔ یعنی جب بھی انسان صدق دل سے اس کے آثار پر غور و تعمق کرے، اس کے جلوے نمایاں طور پر نظر آنے لگیں گے۔

۶۔ یہ بھی اَنْ تَمُنَّ کے تحت میں ہے۔

۷۔ وَرَجَائِكَ کا ترجمہ جس سے بطور مجاز مرسل امیدگاہ مراد ہے۔

۸۔ مِنْ عَطَائِكَ کا دوسرا معطوف ہے۔

۹۔ بِهٖ کا ترجمہ۔

۱۰۔ یہ بھی بِهٖ کا ترجمہ ہے۔

الْعَمٰی بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔

تاریکی کے پردے اٹھ جائیں، اپنی رحمت[۵] سے اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے!

## اَلْخَامِسُ ۔ مُنَاجَاتُ الرَّاغِبِیْنَ

### پانچویں مناجات ۔ رغبت کرنے والوں کی دعا

اِلٰهِیْ اِنْ کَانَ قَلَّ زَادِیْ فِی الْمَسِیْرِ اِلَیْكَ فَلَقَدْ حَسُنَ ظَنِّیْ بِالتَّوَکُّلِ عَلَیْكَ وَاِنْ کَانَ جُرْمِیْ قَدْ اَخَافَنِیْ مِنْ عُقُوْبَتِكَ فَاِنَّ رَجَائِیْ قَدْ اَشْعَرَنِیْ بِالْاَمْنِ مِنْ نِقْمَتِكَ وَ اِنْ کَانَ ذَنْبِیْ قَدْ عَرَّضَنِیْ لِعِقَابِكَ فَقَدْ اٰذَنَنِیْ حُسْنُ ثِقَتِیْ بِثَوَابِكَ وَاِنْ اَنَامَتْنِی الْغَفْلَةُ عَنِ الْاِسْتِعْدَادِ لِلِقَائِكَ فَقَدْ نَبَّهَتْنِی الْمَعْرِفَةُ

اے میرے معبود! اگرچہ تیری طرف جانے (کے سلسلے) میں میرا زادِ سفر[۱] کم ہے، لیکن یقیناً[۳] تجھ پر بھروسا کرنے میں میرا گمان[۴] اچھا ہے اور اگرچہ میرے گناہ نے ڈرا رکھا ہے مجھ کو تیرے عذاب سے، لیکن بے شک میری امید نے مجھے یقین دلا دیا ہے[۵] تیرے انتقام[۶] سے محفوظ رہنے کے متعلق۔ اور اگرچہ میرے گناہ نے مجھے تیرے عتاب کے لیے پیش کر دیا ہے، لیکن ضرور آگاہ کر دیا ہے مجھ کو میرے حسنِ اعتماد[۷] نے تیرے ثواب سے۔ اور اگرچہ سلا دیا ہے مجھ کو غفلت نے تیری ملاقات کے لیے تیاری[۸] کرنے سے۔ لیکن بلاشبہ معرفت نے مجھ کو تیری بخشش اور نعمتوں سے آگاہ کر دیا ہے اور اگرچہ میرے اور تیرے مابین

---

۱ یعنی یہ سب کچھ اپنی رحمت کے پیش نظر کر اور میرے استحقاق کو نہ دیکھ۔

۲ یعنی نیک اعمال کا ذخیرہ جو باعث مغفرت ہوتا ہے۔

۳ فَلَقَدْ کا ترجمہ۔

۴ یعنی تیرے متعلق میں پورے بھروسے کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہوں اور یقین ہے کہ تو اپنی رحمت سے بخش دے گا۔

۵ قد اشعر کے معنی ہیں سمجھا دیا ہے، شعور دلا دیا ہے۔ اس جگہ لازم معنی کے طور پر یقین دلایا ہے، کہنا بہتر ہے۔

۶ انتقام سے گناہوں کی سزا مراد ہے۔

۷ یعنی میں تیرے ثواب پر جس سے تو اپنے بندوں کو محروم نہیں کرتا، اعتماد رکھتا ہوں اور یقین ہے کہ محض حسنِ اعتماد کی بدولت یہ ثواب مجھے عطا ہو جائے گا۔

۸ یعنی اعمال صالحہ بجا لانے سے غافل بنا دیا ہے جو ملاقات کے وقت تیری خدمت میں پیش کرنا ضروری ہیں۔

بِكَرَمِكَ وَ اٰلَائِكَ وَاِنْ كَانَ اَوْحَشَ مَا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكَ فَرْطُ الْعِصْيَانِ وَالطُّغْيَانِ فَقَدْ اٰنَسَنِيْ بُشْرَى الْغُفْرَانِ وَ الرِّضْوَانِ اَسْاَلُكَ بِسُبْحَانِ وَجْهِكَ وَ بِاَنْوَارِ قُدْسِكَ وَ اَبْتَهِلُ اِلَيْكَ بِعَوَاطِفِ رَأْفَتِكَ وَ رَحْمَتِكَ وَلَطَائِفِ بِرِّكَ اَنْ تُحَقِّقَ ظَنِّيْ بِمَا اُؤَمِّلُهُ مِنْ جَزِيْلِ اِكْرَامِكَ وَجَمِيْلِ اِنْعَامِكَ فِي الْقُرْبٰى مِنْكَ وَالزُّلْفٰى لَدَيْكَ وَ التَّمَتُّعِ بِالنَّظَرِ اِلَيْكَ وَهَا اَنَا مُتَعَرِّضٌ لِنَفَحَاتِ رُوْحِكَ وَ عَطْفِكَ وَمُنْتَجِعٌ غَيْثَ جُوْدِكَ وَ لُطْفِكَ فَارٌّ مِنْ سَخَطِكَ اِلٰى رِضَاكَ

(میری) نافرمانی اور سرکشی کی زیادتی نے بے[1] انسی پیدا کردی ہے لیکن (تیری) بخشش اور خوشنودی کی خوش[2] خبری نے ضرور مجھے مانوس[3] بنا دیا ہے پس میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری ذات[4] کی بزرگی اور تیری پاکیزگی کے انوار کا واسطہ[5] دے کر، اور گریہ وزاری کے ساتھ تجھ سے[6] دعا کرتا ہوں تیری رحمت اور مہربانی کی نوازشوں اور تیرے احسان کی خوبیوں کا واسطہ دے کر، یہ[7] کہ میرے گمان کو اپنے اس کثیر اکرام اور[8] پسندیدہ انعام کے متعلق سچ کر دے، جس کا میں امیدوار ہوں، تیری قربت کے بارے میں اور تیرے نزدیک منزلت حاصل ہونے کے بارے میں اور تیرے جلووں کے دیدار سے مستفیض ہونے کے بارے میں۔ اور اب میں تیری مہربانی اور تیری راحت رسانی کی خوشبوؤں[9] کو تلاش[10] کر رہا ہوں اور تیرے لطف و کرم کی بارش کا طلب گار ہوں، فرار کر رہا ہوں تیری ناراضی سے، تیری رضامندی کی جانب اور تجھ[11] سے بھاگ کر تیری ہی طرف جا رہا ہوں۔ جو

---

[1] اَوْحَشَ وحشت ڈال دی ہے، جدائی اور بے انسی اور بیگانگی پیدا کردی ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ تو مجھے اپنا نافرمان بندہ سمجھتا ہے اور میں کثرتِ عصیاں کے باعث تیرے سامنے شرماتا ہوں۔

[2] یعنی وہ خوش خبری جو ایمان لانے والوں کو توبہ کے بعد ان کے گناہوں کی مغفرت ہو جانے اور جنت میں داخل ہونے کے متعلق دی گئی ہے۔

[3] یعنی کھل کر اپنی آرزو بیان کرنے کی ہمت پیدا کردی ہے اور اس اعتبار سے میں اپنے آپ کو تیری طرف بڑھا رہا ہوں۔

[4] وَجْهِكَ کے لغوی معنی تیرا چہرہ مراد ذات۔

[5] بِسُبْحَانِ وَجْهِكَ بِاَنْوَارِ قُدْسِكَ کی ب کا ترجمہ۔

[6] اَبْتَهِلُ اِلَيْكَ گریہ وزاری اور تڑپ کے ساتھ تجھ سے دعا کرتا ہوں۔

[7] اَنْ کا ترجمہ جو اَسْاَلُكَ اور اَبْتَهِلُ اِلَيْكَ سے متعلق ہے۔ یعنی یہ سوال کرتا ہوں اور یہ دعا کرتا ہوں۔

[8] یعنی قرب اور منزلت اور جلووں کے دیدار کے بارے میں جس کثیر اکرام اور پسندیدہ انعام کا میں امیدوار ہوں، اس کے متعلق میرا گمان سچ نکلے اور مجھے یہ سب باتیں حاصل ہو جائیں۔

[9] اصل نسخہ میں "نفخات" (ف کے بعد خائے منقوطہ) مسطور ہے جس میں یقیناً کاتب کی غلطی سے حائے حطی کے بجائے خائے منقوطہ تحریر ہو گئی ہے۔

[10] مُتَعَرِّضٌ کے لغوی معنی درپے ہوں، مراد تلاش کر رہا ہوں۔

[11] یعنی تیرے عذاب کے خوف سے بھاگ کر، تیری ہی پناہِ رحمت میں جا رہا ہوں۔

هَارِبٌ مِنْكَ اِلَيْكَ رَاجٍ اَحْسَنَ مَا لَدَيْكَ
مُعَوِّلٌ عَلٰى مَوَاهِبِكَ مُفْتَقِرٌ اِلٰى رِعَايَتِكَ
اِلٰهِىْ مَا بَدَأْتَ بِهٖ مِنْ فَضْلِكَ فَتَمِّمْهُ
وَمَا وَهَبْتَ لِىْ مِنْ كَرَمِكَ فَلَا تَسْلُبْهُ
وَمَا سَتَرْتَهٗ عَلَىَّ بِحِلْمِكَ فَلَا
تَهْتِكْهُ وَ مَا عَلِمْتَهٗ مِنْ قَبِيْحِ فِعْلِىْ
فَاغْفِرْهُ اِلٰهِىْ اسْتَشْفَعْتُ بِكَ اِلَيْكَ
وَاسْتَجَرْتُ بِكَ مِنْكَ اَتَيْتُكَ طَامِعًا
فِىْ اِحْسَانِكَ رَاغِبًا فِىْ امْتِنَانِكَ مُسْتَسْقِيًا
وَابِلَ طَوْلِكَ مُسْتَمْطِرًا غَمَامَ فَضْلِكَ
طَالِبًا مَرْضَاتَكَ قَاصِدًا اِلٰى جَنَابِكَ
وَارِدًا شَرِيْعَةَ رِفْدِكَ مُلْتَمِسًا سَنِىَّ

تیرے پاس ہے[1] اس میں سب سے بہتر کا امیدوار ہوں۔ تیری بخششوں
پر بھروسا اور اعتماد) رکھتا ہوں۔ تیری رعایت کا محتاج ہوں۔ اے
میرے معبود! تو نے اپنے جس فضل[2] کی ابتدا کی ہے اسے پورا کر دے
اور جو تو نے اپنے کرم سے مجھ کو بخشا ہے اسے مت چھین اور جو کچھ
تو نے میری پردہ پوشی کی ہے اپنے حلم کی بناء[3] پر اس کا پردہ فاش
نہ کر اور میرا برا عمل جس[4] کا تجھے علم ہے اسے بخش دے۔ اے میرے
معبود! میں تجھی[5] کو تیری طرف سفارشی بناتا ہوں اور تجھ سے[6] (ڈر کر)
تیری ہی طرف پناہ ڈھونڈھتا (یا لیتا) ہوں میں تیرے پاس اس حال میں
آیا ہوں کہ تیرے احسان کا حریص ہوں۔ تیرے کرم کی طرف مائل ہوں۔
تیرے باران[7] نعمت کا پیاسا ہوں۔ تیرے فضل کے بادلوں سے بارش
چاہتا ہوں۔ تیری خوشنودیوں کا طالب ہوں۔ تیری بارگاہ کا ارادہ
رکھتا ہوں۔ تیری عطا کے گھاٹ[9] پر وارد ہوا ہوں۔ تیری طرف کی اعلیٰ[10]

---

[1] یعنی ثواب اور رحمت وغیرہ۔

[2] اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح تو نے بغیر استحقاق کے میرے کسی عمل خیر کی بناء پر حاصل ہوا مجھے عدم سے عالم وجود میں لا کر مجھ پر احسان کیا اور پھر محض اپنے تفضل سے میری پرورش کی ابتدا کی اور اس وقت تک پرورش کرتا رہا جب تک کہ مجھ پر اعمال کی بجا آوری فرض ہو، اسی ابتدائی فضل و کرم کا سلسلہ اب بھی جاری رکھ۔

[3] بِحِلْمِكَ کی ب کا ترجمہ۔

[4] اس سے یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کے کچھ برے فعل ایسے بھی ہیں جنھیں خدائے تعالیٰ نہیں جانتا بلکہ مراد یہ ہے کہ میرے کل برے فعل جو بہر حال تجھے معلوم ہیں ان سب کو بخش دے۔

[5] مطلب یہ ہے کہ میرا کوئی سفارشی نہیں ہے جو تیری بارگاہ میں سفارش کرے سوائے اس کے کہ سب سے بڑی سفارش یہی ہے کہ میں گنہگار بندہ ہوں اور تو ارحم الراحمین ہے اس لیے تیرا رحم و کرم ہی میری سب سے بڑی سفارش ہے۔

[6] یعنی تیرے عذاب کے خوف سے بھاگ کر تیری ہی پناہِ رحمت میں جا رہا ہوں۔

[7] لغوی معنی پانی طلب کرنے والا۔ پینے کے لیے پانی مانگنے والا۔ مراد پیاسا۔

[8] وَابِلٌ کے لغوی معنی سخت اور تیز بارش۔

[9] شَرِیْعَةَ کا ترجمہ۔

[10] سَنِیّ کے لغوی معنی بلند اور عالی۔ الخَیْرَات کے معنی نیکیاں اور بھلائیاں مراد اعلیٰ درجہ کی نیکیاں۔

الْخَيْرَاتِ مِنْ عِنْدِكَ وَافِدًا إِلَى حَضْرَةِ جَمَالِكَ مُرِيدًا وَجْهَكَ طَارِقًا بَابَكَ مُسْتَكِينًا لِعَظَمَتِكَ وَجَلَالِكَ فَافْعَلْ بِي مَا أَنْتَ أَهْلُهُ مِنَ الْمَغْفِرَةِ وَالرَّحْمَةِ وَلَا تَفْعَلْ بِي مَا أَنَا أَهْلُهُ مِنَ الْعَذَابِ وَالنِّقْمَةِ[5] بِرَحْمَتِكَ[6] يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ ۝

درجہ کی نیکیوں کا خواہشمند ہوں تیرے جمال[1] کی بارگاہ میں باریاب[2] ہوں۔ تیری ذات[3] کا عزم[4] رکھتا ہوں۔ تیرا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہوں (اور) تیری عظمت وجلال کے سامنے جھکا ہوا ہوں تو (اب) تو وہ مغفرت اور رحمت فرما جو تیرے شایاں شان ہے اور مجھ پر وہ عذاب اور عتاب[5] نہ کر جس کا میں سزاوار ہوں۔ اپنی رحمت[6] سے اے سب رحم کرنیوالوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

# السادس۔ مناجات الشاکرین

## چھٹی مناجات۔ شکر کرنے والوں کی دُعا

إِلٰهِي أَذْهَلَنِي عَنْ إِقَامَةِ شُكْرِكَ تَتَابُعُ طَوْلِكَ وَأَعْجَزَنِي عَنْ إِحْصَاءِ ثَنَائِكَ فَيْضُ فَضْلِكَ وَشَغَلَنِي عَنْ ذِكْرِ مَحَامِدِكَ تَرَادُفُ عَوَائِدِكَ وَ

اے میرے معبود! تیری نعمت کے تواتر[7] (اور تسلسل) نے مجھے تیرا شکر بجالانے سے غافل بنا دیا ہے اور تیرے فضل کے جاری[8] رہنے نے مجھے عاجز کردیا ہے تیری تعریف کے شمار سے۔ اور تیری مہربانیوں[9] کے پے در پے[10] پہنچنے نے مجھے تیری خوبیوں کے ذکر سے

---

لہ جمال کی بارگاہ سے وہ منزل عرفاں مراد ہے جہاں انسان کو صفات ایزدی عریاں اور نمایاں نظر آنے لگیں۔

ٹہ وَافِدًا: آنے والا۔ موجود۔ حاضر۔ باریاب۔

سہ وجھک کے لغوی معنی تیرا چہرہ مراد تیری ذات۔

سمہ یعنی یہ عزم کرچکا ہوں کہ تیرے قرب میں پہنچ جاؤں یا تیرا تقرب حاصل کرلوں۔

ھ لغوی معنی انتقام۔ بدلہ۔ مراد سزائے گناہ۔

ٹہ برحمتك کا ترجمہ اپنی رحمت سے یا اپنی رحمت کا واسطہ۔

ٹ تتابع، پے در پے ہونا۔ بار بار ہونا۔ تواتر اور تسلسل۔

ٹہ یعنی چاہے میں تیری عبادت بجالاؤں یا اس سے غفلت کروں اور گناہوں میں مشغول ہوجاؤں، بہرحال تیرا فضل جاری رہتا ہے اور منقطع نہیں ہوتا اور اس طرح مجھ پر تیرے اتنے افضال ہر وقت ہوتے رہتے ہیں کہ میں ان کے شمار اور احاطہ سے عاجز اور قاصر ہوں۔

ٹہ عوائد جمع عائدہ۔ بمعنی نعمت۔ مہربانی۔ صلہ۔

نلہ یعنی تو پے درپے اتنی مہربانیاں فرماتا ہے جن میں ایک مہربانی کا ذکر ادا نہیں ہونے پاتا کہ اتنے عرصہ میں مزید مہربانیاں ہوجاتی ہیں یہاں تک کہ مہربانیوں کی کثرت کے باعث یاد تک نہیں رہتا کہ کیا کیا مہربانیاں ہوئیں۔

أَعْيَانِيْ عَنْ نَشْرِ عَوَارِفِكَ تَوَالِيْ أَيَادِيْكَ
وَهٰذَا مَقَامُ مَنِ اعْتَرَفَ بِسُبُوْغِ النَّعْمَاءِ
وَقَابَلَهَا بِالتَّقْصِيْرِ وَشَهِدَ عَلٰى نَفْسِهٖ
بِالْإِهْمَالِ وَالتَّضْيِيْعِ وَأَنْتَ الرَّءُوْفُ
الرَّحِيْمُ الْبَرُّ الْكَرِيْمُ الَّذِيْ لَا يُخَيِّبُ
قَاصِدِيْهِ وَلَا يَطْرُدُ عَنْ فِنَائِهٖ آمِلِيْهِ
بِسَاحَتِكَ تُحَطُّ رِحَالُ الرَّاجِيْنَ وَبِعَرْصَتِكَ
تَقِفُ آمَالُ الْمُسْتَرْفِدِيْنَ فَلَا تُقَابِلْ
آمَالَنَا بِالتَّخْيِيْبِ وَالْإِيَاسِ وَلَا تُلْبِسْنَا
سِرْبَالَ الْقُنُوْطِ وَالْإِبْلَاسِ إِلٰهِيْ
تَصَاغَرَ عِنْدَ تَعَاظُمِ آلَائِكَ شُكْرِيْ
وَتَضَاءَلَ فِيْ جَنْبِ إِكْرَامِكَ إِيَّايَ
ثَنَائِيْ وَنَشْرِيْ وَجَلَّلَتْنِيْ نِعَمُكَ مِنْ

بے خبر[۱] بنا دیا ہے۔ اور تیری نعمتوں کے لگاتار پہنچنے نے مجھے تیری خوبیوں کے پھیلانے سے عاجز[۲] کر دیا ہے (یعنی میں قاصر ہو گیا ہوں) اور یہ[۳] اس شخص کی منزل ہے جس نے نعمتوں کے کامل ہونے کا اعتراف کیا اور ان (نعمتوں) کے مقابل (اپنی) کوتاہی کا اعتراف کیا۔ اور اپنے نفس کے خلاف ضائع کرنے اور خبر نہ لینے کی گواہی دی اور تو (ایسا) مہربانی کرنے والا، رحمت والا، صاحبِ احسان و کرم ہے جو اپنا قصد[۴] کرنے والوں کو ناکام نہیں کرتا اور اپنے امیدواروں کو اپنی درگاہ سے واپس نہیں لوٹاتا تیری بارگاہ[۵] میں اتارے جاتے ہیں امیدواروں کے قافلے[۶] اور تیرے پاس[۷] نعمت کے خواہشمندوں کی امیدیں ٹھہر[۸] جاتی ہیں پس ہماری امیدوں کو ناکامی اور محرومی سے دوچار[۹] نہ کر اور ہمیں مایوسی اور ناامیدی کا لباس نہ پہنا۔ اے میرے معبود! چھوٹا (کم) ہے تیری نعمتوں کی بڑائی کے سامنے میرا شکر۔ اور تیرے (اس) انعام کے بالمقابل جو خاص[۱۰] مجھ پر ہے میری ثناگوئی اور تیرے احسانات کا تذکرہ[۱۱] حقیر ہے اور تیری نعمتوں نے

---

۱۔ شَغَلَتْنِیْ عَنْ، مجھے غافل بنا دیا ہے۔

۲۔ قاصر۔

۳۔ "یہ" سے کثرتِ نعمت اور قلتِ شکر و ذکر کے اعتراف کی جانب اشارہ ہے۔

۴۔ اس شخص کو جو اس کی طرف جانے اور بڑھنے کا عزم کر کے قدم اٹھاتا ہے۔

۵۔ بِسَاحَتِكَ کے لغوی معنی تیرے میدان میں۔ مراد بارگاہ کیونکہ خدائے تعالیٰ محل و مقام سے منزہ ہے۔

۶۔ رِحَالَ: راحلہ کی جمع۔ لغوی معنی سواری، اونٹ وغیرہ۔ مراد قافلے اور گروہ۔

۷۔ بِعَرْصَتِكَ کے لغوی معنی تیرے میدان میں، تیری وسیع جگہ میں۔ مراد تیرے قریب، تیرے نزدیک یعنی تقدس اور زہد و تقویٰ کی اس منزل میں جہاں انسان خدائے تعالیٰ سے قریب ہو جاتا ہے۔

۸۔ یعنی تو ہی امیدوں کا مرکز اور مدار ہے۔

۹۔ لَا تُقَابِلْ کے معنی مقابلہ نہ کر۔ مقابل نہ کر۔ مراد دوچار نہ ہونے دے۔

۱۰۔ إِيَّايَ کا ترجمہ خاص مجھ پر۔

۱۱۔ نَشْرِیْ کے معنی میرا نشر و اشاعت کرنا۔ مراد تیرے احسانات کو میرا مشہور کرنا۔ ظاہر ہے کہ شہرت دینے کے لیے لازم ہے کہ تذکرہ کیا جائے اس جگہ بطور مجاز مرسل یہی معنی مراد ہیں۔

أَنْوَارِ الْإِيمَانِ حُلَلًا وَ ضَرَبَتْ عَلَيَّ
لَطَائِفُ بِرِّكَ مِنَ الْعِزِّ كِلَلًا وَ قَلَّدَتْنِي
مِنَنُكَ قَلَائِدَ لَا تُحَلُّ وَ طَوَّقَتْنِي
أَطْوَاقًا لَا تُفَلُّ فَآلَاؤُكَ جَمَّةٌ
ضَعُفَ لِسَانِي عَنْ إِحْصَائِهَا وَ نَعْمَاؤُكَ
كَثِيرَةٌ قَصُرَ فَهْمِي عَنْ إِدْرَاكِهَا
فَضْلًا عَنِ اسْتِقْصَائِهَا فَكَيْفَ لِي
بِتَحْصِيلِ الشُّكْرِ وَ شُكْرِي إِيَّاكَ
يَفْتَقِرُ إِلَى شُكْرٍ فَكُلَّمَا قُلْتُ لَكَ
الْحَمْدُ وَجَبَ عَلَيَّ لِذَلِكَ أَنْ أَقُولَ
لَكَ الْحَمْدُ إِلَهِي فَكَمَا غَذَّيْتَنَا بِلُطْفِكَ
وَ رَبَّيْتَنَا بِصُنْعِكَ فَتَمِّمْ عَلَيْنَا
سَوَابِغَ النِّعَمِ وَ ادْفَعْ عَنَّا مَكَارِهَ النِّقَمِ

مجھ کو ایمان کے نورانی ملبوسات پہنائے ہیں[1] اور تیری لطیف نیکیوں[2] نے
میرے سامنے عزت کے پردے لٹکائے ہیں اور تیرے احسانات نے
میری گردن میں ایسے گلوبند باندھ دیے ہیں جو کھولے نہیں[3] جا سکتے اور
ایسے طوق پہنا دیے ہیں جو توڑے نہیں جا سکتے۔ پس تیری نعمتیں کثیر ہیں
جن کے شمار (اور احاطہ) سے میری زبان قاصر ہے اور تیرے عطیے[4] بہت
سے ہیں، جن کے سمجھنے سے میرا فہم عاجز ہے۔ چہ جائیکہ ان کی انتہا تک[5] پہنچنا
پس کیونکر ممکن[6] ہے میرے لیے شکر گزار ہونا جبکہ میرا تیرے لیے شکر گزار
ہونا ایک اور شکر[7] کا محتاج ہے پس جب میں یہ کہوں کہ "حمد و شکر تیرے ہی
لیے ہے" تو مجھ پر اس کہنے[8] کی بناء پر یہ واجب ہے کہ میں کہوں "تیرا
شکر ہے" اے میرے معبود! پس جس طرح تو نے ہمیں اپنی مہربانی سے
غذا دی ہے اور اپنے احسان سے ہماری پرورش کی ہے پس (اسی طرح)
ہم پر اپنی مکمل نعمتوں[9] کو تمام کرے اور ہم سے سزا و عقاب کی ناگواریاں
کو دور رکھ۔ اور ہمیں دونوں جہان کے فوائد میں سے بلند تر بزرگ تر

---

[1] یعنی مجھے تو نے جو نعمتیں دی ہیں ان میں ایمان کے زیور بھی ہیں جو میرے سراپا کو محیط ہیں۔

[2] لطیف نیکیوں سے وہ احسانات مراد ہیں جو مخفی ہیں اور عام طور سے محسوس نہیں ہوتے۔

[3] یعنی جنہیں کوئی کھول نہیں سکتا۔

[4] نعماؤک کا مفہوم، جس کے لغوی معنی نعمتوں کے ہیں۔

[5] یعنی ان کا احاطہ کرنے اور ان کی تہ تک پہنچنے کا کیا ذکر ہے، جبکہ میں ان کے سمجھنے تک سے قاصر و عاجز ہوں۔

[6] فَکَیْفَ لِیْ کے لغوی معنی "کیونکر ہے یا ہو میرے لیے" مراد یہ ہے کہ میرے لیے کیونکر ممکن ہے۔

[7] یعنی جب میں شکر گزاری کے لیے آمادہ ہوں تو اس سے پہلے اس بات کا شکر ضروری ہے کہ تو نے مجھے ادائے شکر کے لیے آمادہ ہونے کی ہمت اور طاقت فرمائی۔

[8] یعنی اس بنا پر کہ تو نے مجھے حمد و شکر کی توفیق عنایت فرمائی۔

[9] کلام پاک میں دین کے مکمل ہونے کو نعمت کے تمام ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے چنانچہ خدائے تعالٰے نے فرمایا ہے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" اسی آیت کے مفاد کے مطابق دعا کے مذکورہ بالا فقرے میں مکمل نعمتوں کے تمام کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمیں دین اسلام کی اس طرح کی مکمل پیروی سے بہرہ اندوز ہونے کی توفیق دے جسے تو نے "اتمام نعمت" سے تعبیر کیا ہے۔

وَ اٰتِنَا مِنْ حُظُوْظِ الدَّارَيْنِ اَرْفَعَهَا وَ اَجَلَّهَا عَاجِلًا وَ اٰجِلًا وَ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى حُسْنِ بَلَائِكَ وَ سُبُوْغِ نَعْمَائِكَ حَمْدًا تُوَافِقُ رِضَاكَ وَ يَمْتَرِى الْعَظِيْمَ مِنْ بِرِّكَ وَ نَدَاكَ يَا عَظِيْمُ يَا كَرِيْمُ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۝

(فائدے) دنیا میں اور آخرت میں بھی عطا فرما اور تو سزاوار حمد ہے اپنی اچھی آزمائش پر اور اپنی کامل نعمتوں پر۔ ایسی حمد جو تیری خوشنودی کے موافق ہے اور (ایسی حمد جو) تیرے عظیم احسان اور عطا کا سرچشمہ ہو۔ اے صاحب عظمت! اے صاحب کرم! تجھے اپنی رحمت کا واسطہ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

---

## اَلسَّابِعُ ـ مُنَاجَاتُ لِلْمُطِيْعِيْنَ

سا تویں مناجات ۔ اطاعت کرنے والوں کی دعا

اَللّٰهُمَّ اَلْهِمْنَا طَاعَتَكَ وَ جَنِّبْنَا مَعَاصِيَكَ اِلٰهِىْ وَ يَسِّرْ لَنَا بُلُوْغَ مَا نَتَمَنّٰى مِنِ ابْتِغَاءِ رِضْوَانِكَ وَ اَحْلِلْنَا بُحْبُوْحَةَ جِنَانِكَ وَ اقْشَعْ عَنْ بَصَائِرِنَا سَحَابَ الْاِرْتِيَابِ وَ اكْشِفْ عَنْ قُلُوْبِنَا اَغْشِيَةَ

اے معبود! اپنی عبادت کا خیال ہمارے دل میں ڈال اور ہمیں اپنی نافرمانی سے بچا۔ اے میرے معبود! ہمارے لیے اپنی اس خوشنودی کی طلب تک پہنچنا آسان کر دے جس کے ہم آرزومند ہیں اور ہمیں اپنی جنت کے بیچوں بیچ اتار۔ اور ہماری آنکھوں سے شکوک کے بادل ہٹا دے اور ہمارے دلوں سے وہم اور بے خبری کے پردے اٹھا دے

---

ا۔ جلدی مل جانے والا مراد دنیاوی۔

۲۔ مدت معینہ پر ملنے والی شے مراد آخرت۔

۳۔ یعنی اس بات پر سزاوار حمد ہے کہ تو نے ہمیں ایسی آزمائش میں مبتلا کیا جس کا نتیجہ ہمارے حق میں اچھا برآمد ہوا۔

۴۔ یعنی تو ایسی حمد کا سزاوار ہے۔

۵۔ یعنی جس میں تیری خوشنودی مضمر ہے۔

۶۔ یمتری امتراء سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں نکالنا اور دودھ دوہنا مراد سرچشمہ۔

۷۔ یعنی ہمیں اپنی عبادت کرنے کی توفیق دے۔

۸۔ یعنی میرے دل میں تیری جس قدر خوشنودی حاصل کرنے کی آرزو ہے اس تک پہنچنا آسان کر دے۔

۹۔ شکوک کو بادل سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح بادل سورج کی روشنی کو مدھم کر دیتا ہے اسی طرح شک بھی نور ایمان کو دھندلا کر دیتا ہے۔

۱۰۔ اَلْحِجَاب کے لغوی معنی پردے کے ہیں۔ مجازاً بے خبری مراد ہے۔

الْمِرْيَةِ وَالْحِجَابِ وَاَزْهِقِ الْبَاطِلَ عَنْ ضَمَائِرِنَا
وَاَثْبِتِ الْحَقَّ فِيْ سَرَائِرِنَا فَاِنَّ الشُّكُوْكَ وَ
الظُّنُوْنَ لَوَاقِحُ الْفِتَنِ وَمُكَدِّرَةٌ لِصَفْوِ الْمَنَائِحِ
وَالْمِنَنِ اَللّٰهُمَّ احْمِلْنَا فِيْ سُفُنِ نَجَاتِكَ وَ
مَتِّعْنَا بِلَذِيْذِ مُنَاجَاتِكَ وَاَوْرِدْنَا حِيَاضَ
حُبِّكَ وَاَذِقْنَا حَلَاوَةَ وُدِّكَ وَقُرْبِكَ وَاجْعَلْ
جِهَادَنَا فِيْكَ وَهَمَّنَا فِيْ طَاعَتِكَ وَاَخْلِصْ
نِيَّاتِنَا فِيْ مُعَامَلَتِكَ فَاِنَّا بِكَ وَلَكَ وَلَا
وَسِيْلَةَ لَنَا اِلَيْكَ اِلَّا اَنْتَ اِلٰهِيْ اجْعَلْنِيْ
مِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ وَاَلْحِقْنِيْ بِالصَّالِحِيْنَ
الْاَبْرَارِ السَّابِقِيْنَ اِلَى الْمَكْرُمَاتِ الْمُسَارِعِيْنَ

اور ہمارے دلوں سے باطل کو محو کردے اور ہماری طبیعتوں[1] میں حق کی
جڑ[2] قائم کردے۔ اس لیے[3] کہ شک اور گمان فتنوں[4] کے بڑھانے والے
اور صاف وشفاف نعمتوں اور عطیوں کو دھندلا کرنے والے (ہوتے) ہیں
اے معبود! ہمیں اپنی نجات کی کشتیوں میں سوار کر اور ہمیں اپنی خوشگوار[5]
مناجات کی توفیق[6] دے اور ہم کو اپنی محبت کے حوضوں پر وارد کرا اور
ہمیں اپنی الفت اور نزدیکی کی مٹھاس چکھا[7] دے اور قرار دے ہماری
کوشش اپنی راہ میں اور ہمارا[8] ارادہ اپنی اطاعت میں۔ اور اپنے معاملہ
میں ہماری نیتوں کو خالص کردے۔ پس بے شک ہم تجھ سے ہیں[9] اور
تیرے لیے ہیں۔ اور تیری طرف[10] سوائے تیرے ہمارا کوئی وسیلہ نہیں ہے۔
اے میرے معبود! تو مجھ کو نیک کردار برگزیدہ لوگوں میں سے قرار دے
اور مجھے نیک عمل والے صالح لوگوں سے ملحق[11] کردے جو بزرگیوں[12] کی طرف

---

۱ سَرَائِرِنَا جمع ہے سَرِیْرَۃ کی جس کے معنی باطن کے ہیں۔ مراد طبائع۔

۲ اَثْبِتْ لغوی معنی ثابت کر۔ جما دے۔

۳ فَاِنَّ کا ترجمہ ہے۔

۴ مراد مال اور اولاد کی محبت جیسا کہ کلام پاک میں ان کو فتنہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب دل میں خدائے تعالیٰ کے متعلق شکوک جگہ پاتے ہیں تو اس کی محبت گھٹتی ہے اور اس محبت کی جگہ مال و اولاد وغیرہ کی محبت لے لیتی ہے۔

۵ لذیذ مناجات سے اس بات کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ ایک وہ مناجات ہوتی ہے جو ثواب کے لالچ میں ہو۔ دوسری وہ جو عذاب کے خوف سے ہو اور تیسری وہ جو ان دونوں سے بالاتر اور محض اس لیے ہوتی ہے کہ اس میں بندے کو لذت آنے لگتی ہے۔

۶ متعنا کے لغوی معنی ہیں نفع پہنچا دے۔ ظاہر ہے کہ خدائے تعالیٰ جب مناجات (یا اطاعت) سے نفع پہنچانا چاہے گا تو اس کی توفیق کرامت کرے گا۔

۷ یعنی ہمیں تیری محبت میں مزا آنے لگے۔

۸ اِجْعَلْ (قرار دے) کا دوسرا مفعول ہے۔

۹ یعنی تو نے ہی ہمیں پیدا کیا ہے اور تیری ہی طرف ہماری بازگشت ہوگی۔

۱۰ یعنی تیری بارگاہ میں تقرب حاصل کرنے کے لیے۔

۱۱ یعنی مجھے صالحین میں شمار کر۔

۱۲ المکرمات جمع ہے مکرمۃ کی جس کے لغوی معنی ہیں وہ کام جو بزرگی یا تعظیم کا سبب ہو مراد بزرگیاں۔

إِلَى الْخَيْرَاتِ الْعَامِلِينَ لِلْبَاقِيَاتِ الصَّالِحَاتِ السَّاعِينَ إِلَى رَفِيعِ الدَّرَجَاتِ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَبِالْإِجَابَةِ جَدِيرٌ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

بڑھنے والے ہیں۔ نیک کاموں کی طرف دوڑ کر جانے والے ہیں۔ باقی رہنے والے نیک کاموں کے بجالانے والے ہیں۔ بلند درجوں[1] کی طرف کوشش کرنے والے ہیں۔ بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور شرف قبول عطا کرنے کا اہل ہے (تجھے) تیری رحمت کا واسطہ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

## الثَّامِنُ۔ مُنَاجَاتُ الْمُرِيدِينَ[2]

### آٹھویں مناجات۔ (قربت الٰہی کا) ارادہ کرنے والوں کی دعا[2]

سُبْحَانَكَ مَا أَضْيَقَ الطُّرُقَ عَلَىٰ مَنْ لَمْ تَكُنْ دَلِيلَهُ وَمَا أَوْضَحَ الْحَقَّ عِنْدَ مَنْ هَدَيْتَهُ سَبِيلَهُ إِلٰهِي فَاسْلُكْ بِنَا سُبُلَ الْوُصُولِ إِلَيْكَ وَسَيِّرْنَا فِي أَقْرَبِ الطُّرُقِ لِلْوُفُودِ عَلَيْكَ قَرِّبْ

میں تیری[3] تسبیح کرتا ہوں۔ کس[4] قدر تنگ ہیں اس شخص کے راستے جس کا تو رہ[5] نما نہ ہو! اور کس قدر روشن ہے راہ صواب[6] اس شخص کے لیے جسے تو اس کے راستے کی ہدایت[7] فرما دے۔ اے میرے معبود! پس ثابت[8] قدم رکھ ہم کو اپنی طرف[9] پہنچانے والے راستوں پر اور رہبری[10] کر ہماری اپنی طرف آنے کے قریب ترین راستے کی

---

[1] یعنی درجات عالیہ کے حصول کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والے ہیں۔

[2] یعنی جو لوگ خدا کی قربت حاصل کرنے کا ارادہ کریں انھیں یہ دعا پڑھنا چاہیئے۔

[3] یعنی تو ہی قابل تسبیح ہے۔ یہ جملہ خبریہ نہیں بلکہ جملہ انشائیہ ہے۔

[4] یعنی بہت تنگ ہیں۔

[5] اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ جو شخص تیری شریعت پر ایمان نہ لائے اور دوسرے کا معتقد ہو۔ دوسرے یہ کہ تو جسے راہ راست پر چلنے کی توفیق نہ دے۔

[6] الحق کا ترجمہ۔

[7] یعنی ہدایت کی توفیق دے۔

[8] لغوی معنی "ہمیں چلا" مراد قائل یہ ہے کہ ہم جس راہ حق پر چل رہے ہیں اس پر ہمیں ثابت قدم رکھ۔

[9] الوصول اس جگہ معنی الایصال ہے۔ پہنچانا۔

[10] سیّرنا کے لغوی معنی ہیں ہم کو چلا، مراد یہ ہے کہ ہمیں راستہ دکھا اور ہماری رہبری کر۔

عَلَيْنَا الْبَعِيْدَ وَ سَهِّلْ عَلَيْنَا الْعَسِيْرَ الشَّدِيْدَ
وَ اَلْحِقْنَا بِعِبَادِكَ الَّذِيْنَ هُمْ بِالْبِدَارِ
اِلَيْكَ يُسَارِعُوْنَ وَ بَابَكَ عَلَى الدَّوَامِ
يَطْرُقُوْنَ وَ اِيَّاكَ فِي اللَّيْلِ يَعْبُدُوْنَ
وَهُمْ مِنْ هَيْبَتِكَ مُشْفِقُوْنَ الَّذِيْنَ صَفَّيْتَ
لَهُمُ الْمَشَارِبَ وَ بَلَّغْتَهُمُ الرَّغَائِبَ وَ
اَنْجَحْتَ لَهُمُ الْمَطَالِبَ وَ قَضَيْتَ لَهُمْ
مِنْ فَضْلِكَ الْمَآرِبَ وَ مَلَأْتَ لَهُمْ
ضَمَائِرَهُمْ مِنْ حُبِّكَ وَ رَوَّيْتَهُمْ
مِنْ صَافِيْ شِرْبِكَ فَبِكَ اِلٰى لَذِيْذِ
مُنَاجَاتِكَ وَصَلُوْا وَ مِنْكَ اَقْصٰى مَقَاصِدِهِمْ
حَصَّلُوْا فَيَا مَنْ هُوَ عَلَى الْمُقْبِلِيْنَ عَلَيْهِ
مُقْبِلٌ وَ بِالْعَطْفِ عَلَيْهِمْ عَائِدٌ مُتَفَضِّلٌ
وَ بِالْغَافِلِيْنَ عَنْ ذِكْرِهِ رَحِيْمٌ رَءُوْفٌ

جانب۔ ہم پر[1] دور[2] کو قریب کر دے اور ہمارے لیے سخت مشکل[3] کو آسان بنا دے اور ہمیں اپنے ان بندوں سے ملحق کر دے جو[4] تیری طرف تیز جانے[5] میں جلدی کرتے ہیں اور ہمیشہ تیرے دروازے کو کھٹکھٹاتے ہیں اور رات میں تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور وہ تیرے رعب و جلال سے ڈرتے ہیں۔ (یہ) وہ ہی لوگ ہیں جن کے لیے تو نے گھاٹوں[6] کو شفاف کر دیا ہے اور انھیں (ان کی) مرغوبات[7] تک پہنچا دیا ہے اور ان کی حاجتیں بر لایا ہے اور اپنے فضل سے ان کی آرزوئیں پوری کر دی ہیں اور ان ہی کے مفاد[8] میں ان کے دلوں کو اپنی محبت سے بھر دیا ہے اور انھیں اپنے صاف پانی سے سیراب کیا ہے پس تیری بدولت[9] وہ تیری خوش گوار مناجات کی طرف پہنچ گئے اور تجھ سے انھوں نے اپنے مقصدوں کی انتہا کو حاصل کر لیا پس اے وہ ذات جو اپنی طرف[10] توبہ کرنے والوں کی جانب متوجہ ہے اور مہربانی کے ساتھ ان پر بیش[11] از بیش احسان کرنے والا ہے اور اپنے ذکر سے غفلت کرنے والوں پر نرمی اور

---

[1] یعنی ہمارے لیے۔

[2] یعنی دور راستہ۔ اللہ تعالیٰ تک جانے کا راستہ جو بہت دور ہے۔

[3] حصول تقرب الٰہی مراد ہے جو یقیناً سخت مشکل ہے۔

[4] الذین کا ترجمہ۔

[5] البدار کا ترجمہ جس کے لغوی معنی ہیں جلدی کرنا۔

[6] انھیں کوثر و تسنیم کا مستحق قرار دیا ہے۔

[7] جنت میں ان کی پسندیدہ نعمتیں ان کے لیے مہیا کر رکھی ہیں۔

[8] لھم کا ترجمہ ہے جس میں لِ نفع کے معنی میں ہے۔

[9] فبک کا ترجمہ۔

[10] علیه کا ترجمہ۔

[11] متفضل کا ترجمہ

وَ يَجْذِبُهُمْ اِلٰى بَابِهٖ وَدُوْدٌ عَطُوْفٌ
اَسْئَلُكَ اَنْ تَجْعَلَنِيْ مِنْ اَوْفَرِهِمْ
مِنْكَ حَظًّا وَ اَعْلَاهُمْ عِنْدَكَ مَنْزِلًا
وَ اَجْزَلِهِمْ مِنْ وُدِّكَ قِسْمًا وَّ
اَفْضَلِهِمْ فِيْ مَعْرِفَتِكَ نَصِيْبًا فَقَدِ
انْقَطَعَتْ اِلَيْكَ هِمَّتِيْ وَ انْصَرَفَتْ
نَحْوَكَ رَغْبَتِيْ فَاَنْتَ لَا غَيْرُكَ
مُرَادِيْ وَلَكَ لَا لِسِوَاكَ سَهَرِيْ وَ
سُهَادِيْ وَ لِقَاؤُكَ قُرَّةُ عَيْنِيْ
وَ وَصْلُكَ مُنٰى نَفْسِيْ وَ اِلَيْكَ شَوْقِيْ
وَ فِيْ مَحَبَّتِكَ وَلَهِيْ وَ اِلٰى هَوَاكَ
صَبَابَتِيْ وَ رِضَاكَ بُغْيَتِيْ وَ رُؤْيَتُكَ
حَاجَتِيْ وَ جِوَارُكَ طَلِبَتِيْ وَ قُرْبُكَ
غَايَةُ سُؤْلِيْ وَ فِيْ مُنَاجَاتِكَ
رَوْحِيْ وَ رَاحَتِيْ وَ عِنْدَكَ دَوَاءُ عِلَّتِيْ

آشتی سے رحم کرتا ہے اور انھیں اپنے دروازے[1] کی طرف کھینچنے
میں محبت اور مہربانی کا برتاؤ کرتا ہے میں تجھ سے سوال[2] کرتا ہوں
یہ کہ قرار دے تو مجھ کو ان (لوگوں)[3] میں سب سے زیادہ تجھ سے
حصّہ پانے والا، اور سب سے زیادہ تیری بارگاہ میں منزلت
رکھنے والا اور سب سے زیادہ تیری محبت سے بہودر ہونے
والا اور سب سے بڑا تیری معرفت میں حصّہ لینے والا پس بلاشک
میری ہمت تجھ ہی پر منتہی[4] ہوئی ہے اور مڑ چکی ہے تیری جانب
میری رغبت پس تو ہی، نہ کہ تیرا غیر میری مراد ہے اور صرف
تیرے لیے، نہ کہ تیرے غیر کے لیے، میں جاگتا ہوں[5] اور نہیں سوتا
اور تیری ہی ملاقات[6] میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اور تیرا ہی وصال
میری دلی آرزو ہے اور مجھے صرف تیرا ہی شوق ہے اور میں تیری
ہی محبت میں دیوانہ[7] ہوں اور تیرے ہی عشق میں میرے دل کی سوزش
ہے اور تیری خوشنودی میری تمنا ہے اور تیرا دیدار[8] میری حاجت
ہے اور تیری ہمسائگی[9] میرا مطلوب ہے اور تیرا تقرب میری طلب کی
حد ہے اور تیری مناجات میں میرا آرام اور چین ہے اور تیرے

---

[1] غفلت کرنے والوں سے برہم ہو کر ان پر عتاب نہیں کرتا بلکہ محبت اور مہربانی کے ساتھ انھیں نیکی کی ہدایت کرتا ہے اور توفیق دیتا ہے اور ان کے لیے بڑی فراخ دلی اور خندہ پیشانی کے ساتھ توبہ کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ [2] یعنی طلب۔

[3] یعنی ان غفلت کرنے والوں میں جو کہ تیرے دروازے کی طرف کھنچتے ہیں مجھے سب سے بڑا حصّہ اور سب سے اعلیٰ منزلت وغیرہ حاصل کرنے والا قرار دے۔

[4] یعنی میرا ارادہ کسی اور طرف جانے کا نہیں بلکہ میری ہمت کا منتہا اور مرکز تیری ہی ذات ہے۔

[5] یعنی تیری یاد میں میری نیند اڑ گئی ہے۔

[6] مراد تقرب الٰہی اور بارگاہ ایزدی میں مقبولیت۔

[7] وَلَهِيْ میری بے تابی۔ وہ بے تابی اور بے قراری جو محبت میں ہوتی ہے مراد دیوانگی اور فریفتگی۔

[8] دیدار الٰہی سے معرفت کی وہ منزل مراد ہے جہاں انسان کو عین الیقین کا درجہ حاصل ہو جائے اور ماسوا کے تمام حجاب اٹھ کر اسے حقیقت کے جلوے نظر آنے لگیں۔

[9] تقرب الٰہی کی وہ منزل جہاں ممکن اور واجب میں ادنیٰ تفاوت رہ جائے اور اس کے اور معبود کے درمیان سوائے مشیت کے کوئی حجاب نہ رہے۔

وَ شِفَاءُ غُلَّتِيْ وَ بَرْدُ لَوْعَتِيْ وَ كَاشِفُ كُرْبَتِيْ فَكُنْ اَنِيْسِيْ فِيْ وَحْشَتِيْ وَ مُقِيْلَ عَثْرَتِيْ وَغَافِرَ زَلَّتِيْ وَ قَابِلَ تَوْبَتِيْ وَ مُجِيْبَ دَعْوَتِيْ وَ وَلِيَّ عِصْمَتِيْ وَ مُغْنِيَ فَاقَتِيْ وَلَا تَقْطَعْنِيْ عَنْكَ وَلَا تُبْعِدْنِيْ مِنْكَ يَا نَعِيْمِيْ وَجَنَّتِيْ وَ يَا دُنْيَايَ وَ اٰخِرَتِيْ ۞

ہی پاس میرے مرض[1] کی دوا اور میری پیاس کی تسکین اور میرے سوز الفت کی ٹھنڈک اور میرے غم کا علاج[2] ہے پس تو میری تنہائی میں میرا مونس اور میری لغزش سے درگزر کرنے والا اور میری خطا کا بخشنے والا اور میری توبہ قبول کرنے والا اور میری پکار کا جواب دینے والا اور میری حفاظت کا ضامن[3] اور میری محتاجی کا رفع[4] کرنے والا بن[5] جا ۔ اور مجھے خود سے الگ نہ کر اور اپنے سے دور مت کر۔ اے میری نعمت[6] اور میری جنّت اور میری دنیا اور میری آخرت!

## اَلتَّاسِعُ - مُنَاجَاتُ الْمُحِبِّيْنَ

### نویں مناجات ۔ محبّت کرنے والوں کی دُعا

اِلٰهِيْ مَنْ ذَا الَّذِيْ ذَاقَ حَلَاوَةَ مَحَبَّتِكَ فَرَامَ مِنْكَ بَدَلًا وَ مَنْ ذَا الَّذِيْ اَنِسَ بِقُرْبِكَ فَابْتَغٰى عَنْكَ حِوَلًا اِلٰهِيْ فَاجْعَلْنَا مِمَّنْ

اے میرے معبود ! وہ کون[7] ہے جس نے تیری محبّت کی مٹھاس چکھی ہو، پھر[8] وہ تیرے مقابل[9] کے پاس چلا گیا ہو ؟ اور وہ کون ہے جو تقرب سے مانوس ہوا، اس[10] کے بعد اس نے تیری طرف سے منہ پھیر لینا[11] پسند کیا ہو ؟ اے میرے معبود ! پس ہمیں ایسا

---

۱ یعنی مرض عشق ۔

۲ لغوی معنی دور ہونا ۔ مراد علاج ۔

۳ ولیّ کے لغوی معنی سرپرست ۔ مراد ضامن ۔

۴ مُغنی کے لغوی معنی غنی کرنے والا ۔ بے نیاز اور دولتمند کرنے والا ۔ مراد محتاجی کو دور کرنے والا ۔

۵ کُن کا ترجمہ جو چند سطر پہلے جملہ کی ابتدا میں مذکور ہے ۔

۶ اس امر کی جانب اشارہ ہے کہ مجھے تیرے تقرب کے علاوہ کوئی اور نعمت یا جنت یا دنیا یا آخرت نہیں چاہیئے ۔

۷ یعنی کوئی ایسا نہیں ہے ۔

۸ یعنی تیری محبت کی مٹھاس چکھنے کے بعد ۔

۹ بَدَلاً کے معنی قائم مقام یا جسے کسی چیز کے بدلے میں اختیار کیا جائے ۔ مراد مدِمقابل ۔

۱۰ فابتغٰی کی ف کا ترجمہ ۔

۱۱ یہ دونوں جملے استفہام انکاری کے طور پر ہیں ۔

اِصْطَفَيْتَهٗ لِقُرْبِكَ وَ وِلَايَتِكَ وَ اَخْلَصْتَهٗ لِوُدِّكَ وَ مَحَبَّتِكَ، وَ شَوَّقْتَهٗ اِلٰى لِقَائِكَ وَ رَضَّيْتَهٗ بِقَضَائِكَ وَ مَنَحْتَهٗ بِالنَّظَرِ اِلٰى وَجْهِكَ وَ حَبَوْتَهٗ بِرِضَاكَ وَ اَعَذْتَهٗ مِنْ هَجْرِكَ وَ قِلَاكَ وَ بَوَّاْتَهٗ مَقْعَدَ الصِّدْقِ فِىْ جِوَارِكَ وَ خَصَصْتَهٗ بِمَعْرِفَتِكَ وَ اَهَّلْتَهٗ لِعِبَادَتِكَ وَ هَيَّمْتَ قَلْبَهٗ لِاِرَادَتِكَ وَ اجْتَبَيْتَهٗ لِمُشَاهَدَتِكَ وَ اَخْلَيْتَ وَجْهَهٗ لَكَ، وَ فَرَّغْتَ فُؤَادَهٗ لِحُبِّكَ

شخص قرار دے جسے تونے اپنے تقرب اور اپنے تولّا کے لیے منتخب[1] کیا ہے اور جسے تونے اپنی محبت اور اپنی دوستی کے لیے خالص[2] کر دیا ہے اور جسے تونے اپنی ملاقات[3] کا شوق دلایا[4] ہے اور جسے تونے اپنے فیصلے (اور احکام) پر رضامند کر لیا ہے اور جسے تونے اپنے جمال[5] پر نظر کرنے کا موقع عطا فرمایا[6] ہے اور جسے تونے اپنی رضامندی بخش دی ہے اور جسے تونے اپنی جدائی اور اپنی دشمنی[7] سے پناہ میں رکھا ہے اور جسے تونے اپنی قرب میں دوستی (اور سچائی) کی نشست گاہ میں بٹھایا ہے۔ اور جسے تونے اپنی معرفت[8] سے مخصوص کیا ہے اور جسے تونے اپنی عبادت[9] کا اہل بنایا ہے اور جس کے دل کو تونے اپنی چاہت کا پیاسا کیا ہے اور جسے تونے چن لیا ہے اپنے دیدار[10] کے واسطے اور جس کی ذات[11] کو تونے اپنے تنہائی[12] میں ملنے کے لیے

---

[1] یعنی بندہ کے اعمال حسنہ کی بناء پر اسے اپنے تقرب کے لیے چن لیا ہے۔

[2] یعنی اس کے اعمال خیر کی بناء پر اسے اتنی توفیق دے دی ہے کہ وہ تیرے علاوہ کسی دوسرے سے محبت نہیں رکھتا اور جسے چاہتا ہے تیری ہی نسبت سے چاہتا ہے۔

[3] ملاقات سے تقرب کامل مراد ہے۔

[4] یعنی اپنے کلام میں یہ تذکرہ کر کے کہ جو کوئی دنیا میں عمل صالح بجا لائے گا وہ عقبیٰ میں لقائے ایزدی کا مستحق سمجھا جائے گا، بندے کو اپنی ملاقات کا مشتاق بنا دیا ہے اور اسی اشتیاق میں عمل صالح بجا لاتا ہے۔

[5] وجھک کے لغوی معنی تیرا چہرہ مراد جمال الٰہی جنھیں آثار قدرت اور معارف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

[6] مَنَحْتَہٗ، مَنْحٌ سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ہیں دینا اور عطا کرنا۔ یہاں موقع عطا کرنا مراد ہے۔

[7] قِلًا بغض اور عداوت۔

[8] یعنی اس کے اعمال صالح کی بناء پر معرفت کا ایسا ملکہ دیا ہے جیسا اوروں میں نہیں پایا جاتا۔

[9] یعنی جو تیرے شایان شان خضوع و خشوع کے ساتھ تیری عبادت کرتا ہے۔

[10] مُشاھدت سے وہی آثار قدرت اور مظاہر کا دیدار مراد ہے جن کا زیر نظر دعا کے حاشیے میں ذکر کیا جا چکا ہے۔

[11] وجھہ کے لغوی معنی ہیں اس کا چہرہ۔ مراد اس کی ہستی یا اس کی ذات۔

[12] اَخلیتَ، الاخلاء سے مشتق ہے جس کا مادہ خیر ہے۔ صغریٰ کسی اسم کے ساتھ ہو تو اس کے معنی تنہائی میں ملنے کے ہوتے ہیں۔

وَرَغَّبْتَهُ فِيمَا عِنْدَكَ وَأَلْهَمْتَهُ ذِكْرَكَ وَأَوْزَعْتَهُ شُكْرَكَ وَشَغَلْتَهُ بِطَاعَتِكَ وَصَيَّرْتَهُ مِنْ صَالِحِي بَرِيَّتِكَ وَاخْتَرْتَهُ لِمُنَاجَاتِكَ وَقَطَعْتَ عَنْهُ كُلَّ شَيْءٍ يَقْطَعُهُ عَنْكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ دَأْبُهُمُ الْاِرْتِيَاحُ إِلَيْكَ وَالْحَنِينُ وَدَهْرُهُمُ الزَّفْرَةُ وَالْأَنِينُ جِبَاهُهُمْ سَاجِدَةٌ لِعَظَمَتِكَ وَعُيُونُهُمْ سَاهِرَةٌ فِي خِدْمَتِكَ وَدُمُوعُهُمْ سَائِلَةٌ مِنْ خَشْيَتِكَ وَقُلُوبُهُمْ مُعَلَّقَةٌ بِمَحَبَّتِكَ وَأَفْئِدَتُهُمْ مُنْخَلِعَةٌ مِنْ مَهَابَتِكَ يَا مَنْ أَنْوَارُ قُدْسِهِ لِأَبْصَارِ مُحِبِّيهِ رَائِقَةٌ وَسُبُحَاتُ وَجْهِهِ لِقُلُوبِ عَارِفِيهِ

الگ کر لیا[1] ہے اور جس کے دل کو تو نے اپنی محبت کے لیے (ماسوا سے) خالی کر لیا ہے اور جسے تو نے اس چیز کی ترغیب[2] دی ہے جو تیرے پاس ہے اور جس کے دل میں تو نے اپنی یاد ڈال دی ہے اور جس پر اپنے شکر کا تو نے الہام[3] کر دیا ہے اور جسے تو نے اپنی طاعت میں مشغول کر لیا ہے اور جس کو تو نے اپنی نیک مخلوق[4] میں قرار دیا ہے اور جس کو تو نے اپنی مناجات کے لیے انتخاب کر لیا ہے اور جس سے تو نے ہر اس چیز[5] کو الگ رکھا ہے جو اسے تجھ سے الگ کر سکتی ہے۔ اے معبود! ہمیں اُن لوگوں میں سے قرار دے جن کی خو تیری[6] امنگ اور شوق ہے اور جن کی عادت[7] گریہ و زاری اور نالہ[8] ہے جن کی پیشانیاں تیری عظمت کے لیے سجدہ گزار ہیں اور جن کی آنکھیں تیری خدمت[9] میں بیدار رہتی ہیں اور جن کے آنسو تیرے خوف سے بہتے رہتے ہیں اور جن کے دل تیری محبت سے چمٹے ہوئے ہیں اور جن کے قلوب تیرے رعب سے مضطرب[10] ہیں۔ اے وہ (معبود) جس کی پاکیزگی کے جلوے اس کے دوستوں کی آنکھوں کے لیے خوش گوار ہیں اور جس کی ذات کی بزرگیاں اس کے پہچاننے والوں کے دلوں کو شوق

---

[1] یعنی اسے تو نے ایسی توفیق کرامت کی ہے کہ وہ تمام ماسوا سے الگ ہو کر تجھ سے تنہائی میں باتیں (مناجات وغیرہ) کرتا ہے۔

[2] یعنی اجر و ثواب اور منازل تقرب و خوشنودی باری تعالیٰ

[3] یہ بات الہام کے طور پر دل میں پیدا کر دی ہے کہ وہ تیرا شکر کرے یا شکر کا طریقہ اس کے دل میں ڈال دیا ہے۔

[4] نیک مخلوق میں انسان، جن اور فرشتے سب شامل ہیں۔

[5] مراد گناہ۔

[6] الارتیاح لغوی معنی خوشی مراد امنگ اور نشاط یعنی تجھ تک پہنچنے کی امنگ۔

[7] دھرھم ان کی عادت (المنجد)۔

[8] یعنی جو خوف الٰہی سے روتے رہتے ہیں۔

[9] مراد عبادت۔

[10] الانخلاع لغوی معنی مٹ جانا۔ اکھڑ جانا۔ زائل ہونا مراد مضطرب ہونا۔

شَائِقَةٌ يَا مُنٰى قُلُوْبِ الْمُشْتَاقِيْنَ وَ يَا غَايَةَ اٰمَالِ الْمُحِبِّيْنَ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ كُلِّ عَمَلٍ يُوْصِلُنِيْ اِلٰى قُرْبِكَ وَاَنْ تَجْعَلَكَ اَحَبَّ اِلَيَّ مِمَّا سِوَاكَ وَاَنْ تَجْعَلَ حُبِّيْ اِيَّاكَ قَائِدًا اِلٰى رِضْوَانِكَ وَ شَوْقِيْ اِلَيْكَ ذَائِدًا عَنْ عِصْيَانِكَ وَامْنُنْ بِالنَّظَرِ اِلَيْكَ عَلَيَّ وَانْظُرْ بِعَيْنِ الْوُدِّ وَالْعَطْفِ اِلَيَّ وَلَا تَصْرِفْ عَنِّيْ وَجْهَكَ وَاجْعَلْنِيْ مِنْ اَهْلِ الْاِسْعَادِ وَالْحُظْوَةِ عِنْدَكَ يَا مُجِيْبُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

دلانے والی ہیں! اے مشتاقوں کے دلوں کی آرزو! اور اے دوست رکھنے والوں کی تمناؤں کی انتہا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں[1] تیری محبت کا اور اس شخص کی محبت کا جو تجھے دوست رکھتا ہے اور ہر اس عمل کی محبت کا جو مجھے تیرے قرب میں پہنچا دے۔ اور یہ (سوال کرتا ہوں) کہ بنا دے تو اپنے آپ کو زیادہ محبوب میرے لیے ہر اس ذات سے جو تیرے ماسوا ہے اور یہ[2] کہ بنا دے تو میرے (اس) عشق کو جو کہ خاص تجھ سے ہے تیری خوشنودی کی طرف لے جانے والا اور میرے شوق کو جو کہ تیرے متعلق ہے، اپنی نافرمانی سے روکنے[3] والا اور اپنی جانب (میری) نظر کو موڑ[4] کر مجھ پر احسان[5] کر اور میری طرف شفقت اور مہربانی کی نظر سے دیکھ[6] اور مجھ سے اپنا منہ مت پھیر[7] اور قرار دے مجھ کو اپنے[8] نزدیک سعادت پانے والے اور رتبہ والے لوگوں میں اے (دعا) قبول کرنے والے! اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

---

[1] یعنی تین چیزوں کی بھیک مانگتا ہوں جو یہ اور یہ ہیں۔

[2] یعنی یہ سوال کرتا ہوں کہ مجھے تیری ذات سے جو عشق و محبت ہے، یہ مجھے تیری رضامندی کا مستحق بنا دے۔

[3] یعنی تیرا جو اشتیاق میرے دل میں ہے یہ مجھے نافرمانی سے باز رکھے۔

[4] بالنظر الیک کے لفظی معنی ہیں "تیری طرف نظر کرنے سے" یا تیری طرف نظر کرکے، سیاق کلام میں "اپنی جانب نظر موڑ کر" مراد ہے۔

[5] یہ اُمْنُنْ عَلَیَّ کا ترجمہ ہے۔

[6] یعنی ملتفت ہو۔

[7] یہ معنی مراد ہیں جو یہ ہیں کہ مجھ سے ناراض مت ہو۔

[8] ...لوگوں میں شامل کر جو تیرے نزدیک سعادت اور رتبہ پاتے ہیں۔

# اَلْعَاشِرَۃُ ـ مُنَاجَاتُ الْمُتَوَسِّلِیْنَ

## دسویں مناجات۔ وسیلہ تلاش کرنے والوں کی دُعا

اِلٰهِیْ لَیْسَ لِیْ وَسِیْلَةٌ اِلَیْكَ اِلَّا عَوَاطِفُ رَاْفَتِكَ وَلَا لِیْ ذَرِیْعَةٌ لَدَیْكَ اِلَّا عَوَارِفُ رَحْمَتِكَ وَ شَفَاعَةُ نَبِیِّكَ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ وَمُنْقِذِ الْاُمَّةِ مِنَ الْغُمَّةِ فَاجْعَلْهُمَا لِیْ سَبَبًا اِلٰی نَیْلِ غُفْرَانِكَ وَ صَیِّرْهُمَا لِیْ وُصْلَةً اِلَی الْفَوْزِ بِرِضْوَانِكَ وَ قَدْ حَلَّ رَجَائِیْ بِحَرَمِ كَرَمِكَ وَحَطَّ طَمَعِیْ بِفِنَاءِ جُوْدِكَ فَحَقِّقْ فِیْكَ اَمَلِیْ وَ اخْتِمْ بِالْخَیْرِ عَمَلِیْ وَ اجْعَلْنِیْ مِنْ صَفْوَتِكَ الَّذِیْنَ اَحْلَلْتَهُمْ بُحْبُوْحَةَ جَنَّتِكَ وَ بَوَّاْتَهُمْ دَارَ

اے میرے معبود! میرے پاس تیری (بارگاہ کی)[1] طرف کوئی وسیلہ نہیں ہے سوائے تیری مہربانی کی شفقتوں کے اور نہ میرے پاس تیری جانب[2] کوئی ذریعہ ہے سوائے تیری رحمت کی عطاؤں کے۔ اور (نیز) تیرے[3] نبیؐ کی سفارش کے، جو کہ رحمت کے[4] پیغمبر ہیں اور (جو) امت کو غم سے چھڑانے والے ہیں پس قرار دے[5] ان دونوں (وسیلوں) کو میرے لیے اپنی[6] مغفرت کے حاصل کرنے کا سبب اور بنادے ان دونوں کو میرے لیے اپنی خوشنودی پر فائز ہونے کا وسیلہ جب کہ بلاشک میری امید تیری سخاوت کی حفاظت[7] گاہ میں آ چکی ہے اور میری طمع تیری بخشش کے صحن میں ڈیرے[8] ڈال چکی ہے پس سچ[9] کر دکھا میری اس امید کو جو تیرے بارے میں ہے اور میرے کام کا خاتمہ بخیر کردے۔ اور مجھے اپنے (ان) برگزیدہ لوگوں میں سے قرار دے، جنھیں تو نے فروکش کیا ہے اپنی جنت کے

---

[1] یعنی تیری بارگاہ میں باریاب ہونے کے لیے۔

[2] تیری جانب جانے اور پہنچنے کے لیے۔

[3] یعنی دوسرا ذریعہ تیرے نبیؐ کی سفارش ہے جس کے وسیلہ سے میں تجھ تک پہنچ سکتا ہوں۔

[4] یعنی جنھیں تو نے ایسا مجسمہ رحمت بنا کر بھیجا ہے کہ وہ تمام انبیاء میں پیغمبر رحمت کہلاتے ہیں۔

[5] اپنی رحمت اور اپنے نبیؐ کی شفاعت دونوں کو میری نجات کا ذریعہ بنادے۔

[6] یعنی تیری۔

[7] تو اب تیری رحمت کے پیش نظر یہی زیبا ہے کہ تو امیدوار کو ناامید نہ بنائے۔

[8] حَطَّ لغوی معنی اتری ہے۔ نازل ہوئی ہے۔

[9] فَحَقِّقْ لغوی معنی ثابت کردے۔ محقق کردے۔ سچ کر دکھا۔

كَرَامَتِكَ وَاَقْرَرْتَ اَعْيُنَهُمْ بِالنَّظَرِ اِلَيْكَ يَوْمَ لِقَائِكَ وَاَوْرَثْتَهُمْ مَنَازِلَ الصِّدْقِ فِيْ جِوَارِكَ يَا مَنْ لَا يَفِدُ الْوَافِدُوْنَ عَلٰى اَكْرَمَ مِنْهُ وَلَا يَجِدُ الْقَاصِدُوْنَ اَرْحَمَ مِنْهُ يَا خَيْرَ مَنْ خَلَا بِهٖ وَحِيْدٌ وَيَا اَعْطَفَ مَنْ اٰوٰى اِلَيْهِ طَرِيْدٌ اِلٰى سَعَةِ عَفْوِكَ مَدَدْتُ يَدِيْ وَبِذَيْلِ كَرَمِكَ اَعْلَقْتُ كَفِّيْ فَلَا تُوْلِنِي الْحِرْمَانَ وَلَا تَبْتَلِنِيْ بِالْخَيْبَةِ وَالْخُسْرَانِ يَا سَمِيْعَ الدُّعَاءِ

وسط میں، اور جنھیں تو نے اپنی بزرگی[1] کے گھر میں جگہ دی ہے اور جن کی آنکھوں کو تو نے اپنی ملاقات[2] کے دن اپنی جانب نظر[3] ڈالنے کی ٹھنڈک عطا کی ہے اور جنھیں تو نے اپنے قرب میں دوستی کی منزلوں کا وارث (مالک) بنایا ہے اے وہ (معبود) کہ آنے والے[4] (مہمان) جس سے زیادہ کریم کی طرف کبھی نہیں آئیں گے اور قصد[5] کرنے والے اس سے زیادہ رحم کرنے والا کبھی نہیں پائیں گے اے بہترین وہ ہستی جس سے کوئی یکہ[6] و تنہا خلوت[7] میں ملا ہے اور اے مشفق ترین وہ ذات جس کی جانب کسی بھگائے ہوئے نے پناہ لی ہے تیرے عفو کی وسعت کی طرف میں نے اپنا ہاتھ بڑھایا ہے اور تیرے کرم کے دامن کو میں نے تھام لیا ہے پس تو مجھے محروم نہ کر اور مجھ کو ناامیدی اور نقصان میں مبتلا نہ فرما۔ اے دعا کے سننے والے۔

## اَلْحَادِيْ عَشَرَ مُنَاجَاةُ الْمُفْتَقِرِيْنَ

### گیارھویں مناجات۔ احتیاج مندوں کی دعا

اِلٰهِيْ كَسْرِيْ لَا يَجْبُرُهٗ اِلَّا لُطْفُكَ وَحَنَانُكَ وَفَقْرِيْ لَا يُغْنِيْهِ اِلَّا

اے میرے معبود میری شکستہ حالی کی اصلاح[8] تیری مہربانی اور لطف کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا اور میری محتاجی کو تیری شفقت

---

[1] یعنی ان کیلئے ایسی منزل مقرر کی ہے جو تیری بزرگی کے شایان شان ہے۔

[2] یعنی روز قیامت۔

[3] تجلیاتِ الٰہی کا نظارہ جو عالم جسمانیات میں کبھی نہیں دیکھا۔

[4] اس امر کی جانب حسن طلب کے طور پر اشارہ مقصود ہے کہ تو کائنات میں سب سے زیادہ کریم ہے اور ہم سب اس روز ایسے کریم کے مہمان ہوں گے ظاہر ہے کہ ہر کریم کو یہی زیب دیتا ہے کہ وہ اپنے مہمان کے ساتھ شفقت و مدارات کے ساتھ پیش آئے۔

[5] قَصَدَ قَصْدًا اس کی طرف جانا (المنجد)

[6] وَحِیْدٌ وہ شخص جو اکیلا ہو اور تنہا ہو۔

[7] خلوت میں ملنے سے مراد یہ ہے کہ تمام ماسوا سے قطع تعلق کر کے اور ہر خیال کو دل سے نکال کر رجوع قلب سے تیری جانب توجہ کی ہے۔

[8] لَا یَجْبُرُہٗ کے لغوی معنی اس کو نہیں جوڑ سکتا، مراد اصلاح نہیں کر سکتا۔

عَطْفُكَ وَ اِحْسَانُكَ وَ رَوْعَتِيْ لَا
يُسَكِّنُهَا اِلَّا اَمَانُكَ وَ ذِلَّتِيْ لَا
يُعِزُّهَا اِلَّا سُلْطَانُكَ وَ اُمْنِيَّتِيْ
لَا يُبَلِّغُنِيْهَا اِلَّا فَضْلُكَ وَ خَلَّتِيْ لَا
يَسُدُّهَا اِلَّا طَوْلُكَ وَ حَاجَتِيْ لَا يَقْضِيْهَا
غَيْرُكَ وَ كَرْبِيْ لَا يُفَرِّجُهٗ سِوٰى
رَحْمَتِكَ وَ ضُرِّيْ لَا يَكْشِفُهٗ غَيْرُ
رَاْفَتِكَ وَ غُلَّتِيْ لَا يُبَرِّدُهَا اِلَّا
وَصْلُكَ وَ لَوْعَتِيْ لَا يُطْفِيْهَا اِلَّا
لِقَاؤُكَ وَ شَوْقِيْ اِلَيْكَ لَا يُبِلُّهٗ
اِلَّا النَّظَرُ اِلٰى وَجْهِكَ وَ قَرَارِيْ لَا
يَقِرُّ دُوْنَ دُنُوِّيْ مِنْكَ وَ لَهْفَتِيْ
لَا يَرُدُّهَا اِلَّا رَوْحُكَ وَ سُقْمِيْ لَا
يَشْفِيْهِ اِلَّا طِبُّكَ وَ غَمِّيْ لَا يُزِيْلُهٗ
اِلَّا قُرْبُكَ وَ جُرْمِيْ لَا يُبْرِئُهٗ اِلَّا

اور احسان کے علاوہ کوئی توانگری[1] نہیں بنا سکتا اور میری گھبراہٹ کو تیری
امان کے سوا کوئی تسکین نہیں دے سکتا اور میری ذلت کو تیرے غلبہ داور
بادشاہت کے علاوہ کوئی عزت سے نہیں بدل سکتا اور میری آرزو
تک مجھ کو تیرے فضل کے علاوہ کوئی نہیں پہنچا سکتا اور میری احتیاج کو
تیری عطا کے علاوہ کوئی نہیں روک سکتا اور میری حاجت کو تیرا غیر روا
نہیں کر سکتا اور میرے اندوہ کو تیری رحمت کے علاوہ کوئی دور نہیں کر
سکتا اور میری بدحالی کو تیری مہربانی کے علاوہ کوئی رفع نہیں کر سکتا
اور میری پیاس کو تیرے وصال[2] کے علاوہ کوئی چیز نہیں بجھا سکتی
اور میرے دل کی آگ کو تیری ملاقات[3] کے علاوہ کوئی نہیں بجھا سکتا۔
اور مجھے تیرا جو اشتیاق ہے اسے تیرا جمال[4] دیکھنے کے علاوہ کوئی
شاداب نہیں کر سکتا اور تجھ سے میری نزدیکی کے بغیر میرا قرار مجھے میسر[5]
نہیں آسکتا اور میرے اندوہ کو تیری رحمت[6] کے علاوہ کوئی دور نہیں
کر سکتا اور میری بیماری کو تیرے علاج کے علاوہ کوئی شفا نہیں
دے سکتا اور میرے غم کو تیرے قرب کے علاوہ کوئی برطرف نہیں
کر سکتا اور میرے جرم کو تیری درگزر کے علاوہ کوئی نہیں[7] محو کر

---

[1] یعنی توانگری سے (میری محتاجی کو) تیرے احسان کے علاوہ کوئی نہیں بدل سکتا۔

[2] وہ حالت جس میں انسان کو ترک دنیا کے بعد ایسا محسوس ہونے لگے جیسے اب خدا کے اور اس کے درمیان کوئی حجاب باقی نہیں ہے اور تعینات کے تمام پردے اٹھ جانے کے بعد تجلیات ہی تجلیات روبرو ہیں۔

[3] ملاقات سے معرفت کی وہ منزل مراد ہے جہاں انسان کو کائنات کے ذرّے ذرّے میں جمال ایزدی نظر آنے لگتا ہے اور اس کے علاوہ اور کسی چیز پر نظر نہیں ٹھہرتی۔

[4] النظر الی وجھک کے لفظی معنی ہیں تیرے چہرے پر نظر کرنا۔ مراد ہے عالم ذات وصفات کی تجلّی نظر آنا۔

[5] لا یقرّ کے لغوی معنی نہیں ٹھہرے گا، نہیں ثابت ہوگا۔ چونکہ جملہ مذکورہ میں اس لفظ سے پہلے "قراری" بھی آیا ہے اس لیے اس مقام پر لا یقرّ کے معنی "نہیں میسر آسکتا" کیے گئے ہیں جو سیاق کلام کے اعتبار سے موزوں اور درست ہیں۔

[6] رَوْحٌ۔ رحمت۔ مدد۔ مہربانی (المنجد)

[7] لا یُبْرِئُهٗ نہیں بری کرے گا اس سے۔

صَفْحُكَ وَرَيْنُ قَلْبِيْ لَا يَجْلُوْهُ اِلَّا عَفْوُكَ
وَ وَسْوَاسُ صَدْرِيْ لَا يُزِيْحُهٗ اِلَّا اَمْرُكَ
فَيَا مُنْتَهٰى اَمَلِ الْاٰمِلِيْنَ وَ يَا غَايَةَ
سُؤْلِ السَّائِلِيْنَ وَ يَا اَقْصٰى طَلِبَةِ
الطَّالِبِيْنَ وَ يَا اَعْلٰى رَغْبَةِ الرَّاغِبِيْنَ
وَ يَا وَلِيَّ الصَّالِحِيْنَ وَ يَا اَمَانَ الْخَائِفِيْنَ
وَ يَا مُجِيْبَ الْمُضْطَرِّيْنَ وَ يَا ذُخْرَ
الْمُعْدِمِيْنَ وَ يَا كَنْزَ الْبَائِسِيْنَ وَ يَا
غِيَاثَ الْمُسْتَغِيْثِيْنَ وَ يَا قَاضِيَ حَوَائِجِ
الْفُقَرَآءِ وَ الْمَسَاكِيْنِ وَ يَا اَكْرَمَ
الْاَكْرَمِيْنَ وَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ
لَكَ تَخَضُّعِيْ وَ سُؤَالِيْ وَ اِلَيْكَ تَضَرُّعِيْ
وَ ابْتِهَالِيْ اَسْئَلُكَ اَنْ تُنِيْلَنِيْ مِنْ
رَوْحِ رِضْوَانِكَ وَ تُدِيْمَ عَلَيَّ نِعَمَ
امْتِنَانِكَ وَهَا اَنَا بِبَابِ كَرَمِكَ وَاقِفٌ

سکتا اور میرے دل کے زنگ[۱] پر تیری معافی کے علاوہ کوئی جِلا نہیں کر سکتا اور میرے سینے کے وسوسوں کو تیرے[۲] امر کے علاوہ کوئی دور نہیں کر سکتا پس اے امیدواروں کی امید کے منتہا[۳]! اور اے سوال کرنے والوں کے سوال کی حد! اور اے طلب کرنے والوں کی طلب کے مرکز! اور اے رغبت کرنے والوں کے اعلیٰ ترین مرغوب[۴] اور اے نیکو کاروں کے دوست! اور اے ڈرنے والوں کے امان[۵] دینے والے! اور اے مجبوروں کی فریاد[۶] سننے والے! اور اے مفلسوں[۷] کے خزانے! اور اے تنگدستوں کے ذخیرے! اور اے فریاد کرنے والوں کے فریادرس! اور اے فقیروں اور مسکینوں کی حاجتوں کے برلانے والے! اور اے تمام بزرگوں سے زیادہ بزرگ! اور اے کُل رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! میری عاجزی اور میرا سوال تجھ ہی سے ہے اور میری گریہ وزاری اور انکسار تیری ہی طرف ہے۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھ تک اپنی خوشنودی کی خوش گوار ہوا پہنچا دے اور مجھ پر اپنے احسان کی نعمتوں کو ہمیشہ باقی رکھ اور اب میں تیرے کرم کے دروازہ پر کھڑا ہوا ہوں اور تیری نیکی کی خوشبوؤں

---

۱؎ تکدر اور تنغص جو کہ گناہوں کی فکر کے باعث ہے۔

۲؎ کثرتِ عصیاں کے باعث شیطان دل میں جو وسوسے اور توہمات باطل پیدا کرتا ہے ان سے اسی وقت نجات مل سکتی ہے جبکہ تیری توفیقات شامل حال ہوں اور تیری مشیت اور تیرا امر میری معافی گناہان کے متعلق جاری ہو جائے۔

۳؎ یعنی جس پر تمام امیدیں تمام سوالات اور تمام طلبیں منتہی ہوتی ہیں اور اس سے آگے ان چیزوں کا کوئی بالاتر مرجع اور مرکز نہیں ہے۔

۴؎ وضع المصدر للمفعول کے طور پر، جو کہ مجاز مرسل کی ایک قسم ہے، رغبۃ سے مرغوب مراد ہے۔

۵؎ اَمان، سے بطور مجاز مرسل (وضع المصدر للفاعل کے طور پر) امان دینے والا مراد ہے۔

۶؎ مُجیب کے لغوی معنی جواب دینے والا یعنی کسی کی پکار اور فریاد پر توجہ کرنے والا۔

۷؎ المعدمین، وہ لوگ جنہوں نے اپنا سب کچھ کھو دیا ہو اور مفلس ہو گئے ہوں۔

وَ لِنَفَحَاتِ بِرِّكَ مُتَعَرِّضٌ وَ بِحَبْلِكَ الشَّدِيْدِ مُعْتَصِمٌ وَ بِعُرْوَتِكَ الْوُثْقٰى مُتَمَسِّكٌ اِلٰهِىْ اِرْحَمْ عَبْدَكَ الذَّلِيْلَ ذَا اللِّسَانِ الْكَلِيْلِ وَالْعَمَلِ الْقَلِيْلِ وَامْنُنْ عَلَيْهِ بِطَوْلِكَ الْجَزِيْلِ وَاكْنُفْهُ تَحْتَ ظِلِّكَ الظَّلِيْلِ يَا كَرِيْمُ يَا جَمِيْلُ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ؕ

کے درپے[1] ہوں اور تیری مضبوط رسّی[2] کو تھامے ہوئے ہوں اور تیرے باوثوق[3] وسیلہ سے وابستہ ہوں۔ اے میرے معبود اپنے حقیر بندے پر رحم فرما جس کی[4] زبان کند ہے اور جس کا عمل کم ہے اور اس پر اپنی بڑی عطا کے ذریعہ احسان کر اور اسے اپنے گھنے سایہ[5] کے نیچے پناہ دے اے رحم کرنے والے! اے نیکی کرنے والے! اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

## اَلثَّانِىْ عَشَرَ مُنَاجَاتُ الرَّاغِبِيْنَ

بارھویں مناجات۔ رغبت کرنے والوں کی دُعا

اِلٰهِىْ قَصُرَتِ الْاَلْسُنُ عَنْ بُلُوْغِ ثَنَائِكَ كَمَا يَلِيْقُ بِجَلَالِكَ وَعَجَزَتِ الْعُقُوْلُ عَنْ اِدْرَاكِ كُنْهِ جَمَالِكَ وَانْحَسَرَتِ الْاَبْصَارُ دُوْنَ النَّظَرِ اِلٰى

اے میرے معبود! زبانیں تیری حمد و ثنا تک پہنچنے سے، جیسی کہ وہ (ثنا) تیری جلالت کے شایان[6] شان ہے قاصر ہیں، اور عقلیں تیرے جمال[7] کی حقیقت[8] دریافت کرنے سے عاجز ہیں اور اور آنکھیں تیری ذات[9] کی بزرگیوں کی جانب دیکھنے سے

---

۱؎ یعنی ان تک پہنچے اور انھیں حاصل کرنے کی جستجو میں ہوں۔

۲؎ ۔ عموماً مضبوط رسّی اور عروہ وثقیٰ وغیرہ سے دین اور شریعت کا استعارہ کیا جاتا ہے مگر اس جگہ سیاق و سباق کے اعتبار سے رحمت باری تعالیٰ مراد ہے جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا اور جو اس قدر محکم و مستحکم ہے کہ جس پر نازل ہو جائے پھر مصیبتوں کے وزنی پہاڑ بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتے۔

۳؎ مضبوط حلقہ۔ اسی سے ہے "اِسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى" اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا (المنجد)

۴؎ یعنی عمل صالح کا ذخیرہ کم ہونے کی وجہ سے جس کی زبان نہیں کھلتی۔

۵؎ ظلك الظليل کے لفظی معنی تیرا سایہ فگن سایہ۔ مراد گھنا سایہ جس طرح گھنا سایہ آفتاب کی تمازت سے حفاظت کرتا ہے اسی طرح تیری رحمت مجھ کو گرمی عتاب سے محفوظ رکھے۔

۶؎ یعنی شایان شان حمد و ثنا کرنے سے۔

۷؎ مراد صفات کمالیہ۔

۸؎ کُنہ۔ حقیقت شے و جوہر شے (المنجد)

۹؎ وَجهك، کے لفظی معنی تیرا چہرہ، مراد تیری ہستی اور تیری ذات۔

سُبُحَاتِ وَجْهِكَ وَلَمْ تَجْعَلْ لِلْخَلْقِ طَرِيْقًا اِلٰى مَعْرِفَتِكَ اِلَّا بِالْعَجْزِ عَنْ مَعْرِفَتِكَ اِلٰهِيْ فَاجْعَلْنَا مِنَ الَّذِيْنَ تَوَشَّحَتْ اَشْجَارُ الشَّوْقِ اِلَيْكَ فِيْ حَدَائِقِ صُدُوْرِهِمْ وَاَخَذَتْ لَوْعَةُ مَحَبَّتِكَ بِمَجَامِعِ قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ اِلٰى اَوْكَارِ الْاَفْكَارِ يَاْوُوْنَ وَفِيْ رِيَاضِ الْقُرْبِ، وَالْمُكَاشَفَةِ يَرْتَعُوْنَ وَمِنْ حِيَاضِ الْمَحَبَّةِ بِكَاْسِ الْمُلَاطَفَةِ يَكْرَعُوْنَ وَشَرَائِعَ الْمُصَافَاتِ يَرِدُوْنَ قَدْ كُشِفَ الْغِطَاءُ عَنْ اَبْصَارِهِمْ وَانْجَلَتْ ظُلْمَةُ الرَّيْبِ عَنْ عَقَائِدِهِمْ وَضَمَائِرِهِمْ وَانْتَفَتْ مُخَالَجَةُ الشَّكِّ

مجبور و محروم[1] ہیں اور نہیں قرار دیا تو نے مخلوق کے لیے اپنی معرفت کی جانب کوئی راستہ[2] سوائے تیری معرفت سے عاجز رہنے کے۔ اے میرے معبود! پس تو ہم کو ان لوگوں میں سے قرار دے جن کے سینوں کے باغوں[3] میں تیرے اشتیاق کے درخت لہلہا رہے ہیں اور قبضہ کر لیا ہے (یا گھیر لیا ہے)[4] تیری محبت کے سوز نے جن کے دلوں کی مجلسوں[5] پر۔ پس وہ (لوگ) فکروں (خیالات) کے آشیانوں[6] کی طرف پناہ گیر ہیں اور قرب الٰہی اور مکاشفہ[7] کے باغات میں پرورش پاتے ہیں اور محبت کے چشموں سے، لطف و کرم کے پیالہ کے ذریعہ سیراب ہوتے ہیں اور خلوص کے گھاٹوں پر وارد ہوتے ہیں یقیناً پردے[8] ان کی نگاہوں سے ہٹ گئے ہیں اور شک[9] کی تاریکی ان کے عقیدوں اور ان کے ضمیروں سے زائل ہو گئی ہے اور دور ہو چکی ہے شبہ کی خلل اندازی[10] ان کے دلوں سے اور ان کے دلوں کی گہرائیوں سے اور معرفت کی تحقیق زا اور حقانیت) سے ان کے

---

[1] المحسورۃ لغوی معنی (آنکھیں) کھلی ہوئی ہیں (المنحسر یعنی ہروقت دیکھنے کی آرزو میں کھلی ہیں مگر دیکھ نہیں سکیں۔ لازم معنی کے طور پر مجبوری و محرومی مراد ہے۔

[2] یعنی تیری انتہائے معرفت یہی ہے کہ انسان معرفت کی راہ میں جد و جہد کرنے کے بعد صمیم قلب سے اعتراف کرے کہ ممکن کے لیے تیری کنہ ذات تک پہنچنا ناممکن ہے۔

[3] سینے مشبہ۔ باغ مشبہ بہ اور مہک وجہ شبہ ہے کیونکہ عارفان الٰہی کے سینے بھی بوئے معرفت سے عطر بیز ہیں۔

[4] اَخَذَتْ لفظی معنی لیا ہے مراد پکڑ لیا ہے، قبضہ کر لیا ہے، گھیر لیا ہے۔

[5] بمجامع قلوبہم ان کے دلوں کی مجلسیں۔ ظاہر ہے کہ دلوں میں خیالات ہی اکٹھا ہوتے ہیں اور لازم معنی کے طور پر مجامع سے وہی مراد ہیں۔

[6] یعنی ہر وقت عرفان الٰہی کے خیالات میں مستغرق ہیں اور جس طرح پرندہ آشیانے میں ساری دنیا سے یکسو ہو کر بیٹھتا ہے۔ اسی طرح وہ ماسوا اللہ سے قطع تعلق کر کے عالم محویت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔

[7] مکاشفہ، معرفت کی وہ منزل جہاں دل کا براہ راست خداوند تعالیٰ سے تعلق ہو جاتا ہے اور اس پر اسرار قدرت منکشف ہونے لگتے ہیں۔

[8] یعنی ماسوا اللہ کی محبت جو کہ خدائے تعالیٰ کے اور ان کے درمیان پردہ بنی ہوئی تھی، ان کے دلوں سے دور ہو گئی ہے۔

[9] یعنی اصول شریعت میں ان کے عقیدے پختہ ہیں اور کسی قسم کے شک و شبہ کو ان کے دلوں میں راہ نہیں ہے۔

[10] مخالجۃ کسی معاملہ کا دل کو سوچ بچار میں ڈال دینا۔

عَنْ قُلُوْبِهِمْ وَ سَرَائِرِهِمْ وَ انْشَرَحَتْ
بِتَحْقِيْقِ الْمَعْرِفَةِ صُدُوْرُهُمْ وَ عَلَتْ
لِسَبْقِ السَّعَادَةِ فِي الزَّهَادَةِ هِمَمُهُمْ
وَعَذُبَ فِي مَعِيْنِ الْمُعَامَلَةِ شِرْبُهُمْ
وَطَابَ فِي مَجْلِسِ الْاُنْسِ سِرُّهُمْ
وَ اَمِنَ فِي مَوَاطِنِ الْمَخَافَةِ سِرْبُهُمْ وَ
اطْمَاَنَّتْ بِالرُّجُوْعِ اِلٰى رَبِّ الْاَرْبَابِ
اَنْفُسُهُمْ وَتَيَقَّنَتْ بِالْفَوْزِ وَ الْفَلَاحِ
اَرْوَاحُهُمْ وَقَرَّتْ بِالنَّظَرِ اِلٰى مَحْبُوْبِهِمْ
اَعْيُنُهُمْ وَاسْتَقَرَّ بِاِدْرَاكِ السُّؤْلِ وَنَيْلِ
الْمَاْمُوْلِ قَرَارُهُمْ وَرَبِحَتْ فِي بَيْعِ الدُّنْيَا
بِالْاٰخِرَةِ تِجَارَتُهُمْ اِلٰهِيْ مَا اَلَذَّ خَوَاطِرُ

سینے کشادہ ہو گئے ہیں اور ان کی ہمتیں زہد و تقوٰے[1] (کے معاملے) میں سعادت کے غالب آجانے کی وجہ سے بلند ہیں اور ان کا پانی معاملت[2] کے بے لوث ہونے کے مشلے[3] میں شیریں ہے اور انس و محبت کی مجلس میں ان کا باطن[4] اچھا اور عمدہ ہے اور خوف کے مقامات میں ان کا گروہ بے خوف ہے۔ اور سب پالنے والوں کے پالنے والے کی طرف رجوع کرنے کے باعث ان کے دل مطمئن ہیں اور ان کی روحوں نے فتحمندی اور رستگاری کا یقین کر لیا ہے اور اپنے محبوب[5] کو دیکھنے کی وجہ سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہیں اور خواہش[6] کے پا لینے اور آرزو کے مل جانے سے انھیں قرار مل گیا ہے اور دنیا کو آخرت کے عوض میں فروخت کر دینے سے ان کی تجارت نفع بخش رہی ہے۔ اے میرے معبود! کس قدر خوش گوار ہیں (وہ) الہام[7] کے خیالات[8] جو تیری یاد کے باعث دلوں پر ہوتا ہے! اور کس قدر شیریں ہے تیری طرف جانا حس باطنی[9]

---

[1] چونکہ زہد و تقوٰی کے معاملے میں سعادت (جس سے اس جگہ توفیق الٰہی مراد ہے) غالب آچکی ہے اس لیے وہ بڑی عالی ہمتی سے ترک گناہ کی طرف بڑھ رہے ہیں:

[2] وہ معاملہ جو عبد و معبود کے درمیان ہے یعنی اطاعت اور اس کی قبولیت۔

[3] مَعِین کے لغوی معنی جاری چشمہ کے ہیں چشمہ جاری کے لیے یہ لازم ہے کہ اس کا پانی خالص اور صاف ہوتا ہے۔ اس جگہ ملزوم بول کر لازم مراد لینے کے طور پر مَعِین سے خالص مراد ہے یعنی معاملہ جو اغراض کی کدورتوں سے پاک، وصاف، اور بے لوث ہو۔

[4] سِرٌّ راز۔ بھید۔ مراد باطن۔

[5] یعنی کمال معرفت کے باعث جمال الٰہی ہر وقت پیش نظر رہتا ہے اس لیے آنکھیں روشن اور خنک ہیں۔

[6] اَلسُّؤْل وہ چیز جس کا سوال کیا گیا یا جو مانگی گئی۔ مراد خواہش۔

[7] الالہام اللہ تعالٰے کا انسان کے دل میں ایسا داعیہ پیدا کرنا جو کسی فعل کے ارتکاب یا ترک پر آمادہ کر دے (المنجد) یعنی توفیق۔

[8] یعنی وہ پاک خیالات جو ذکر الٰہی کی کثرت کے باعث دل میں توفیق الٰہی سے پیدا ہوتے ہیں۔

[9] الاوہام جمع وہم یہ وہ حس باطنی جس کا کام ان معانی جزئیہ کا ادراک کرنا ہے جن کا تعلق محسوسات سے ہے جیسے مرد شجاع کی شجاعت یا بکری کی بزدلی وغیرہ (المنجد) اسی طرح خدائے تعالٰی کی طرف جانے میں حس باطنی، ماسوا اللہ کی ناپائداری اور عارضی وقتی لذت کو محسوس کرتا ہے جو کہ چند روزہ ہے اور مر جانے کے بعد ابدالآباد کے غیر محدود اور طویل عرصہ میں کچھ کام نہ آئے گی اور یہ حس، انسان کو اللہ کی طرف جلدی جلدی لے جاتا ہے۔

نوٹ: اَوہام، کشادہ راستوں کے معنی میں بھی آیا ہے اور یہ معنی بھی اس جگہ درست ہیں۔

الْإِلْهَامِ بِذِكْرِكَ عَلَى الْقُلُوْبِ وَمَا أَحْلَى السَّيْرَ إِلَيْكَ بِالْأَوْهَامِ فِي مَسَالِكِ الْغُيُوْبِ وَمَا أَطْيَبَ طَعْمَ حُبِّكَ وَمَا أَعْذَبَ شِرْبَ قُرْبِكَ فَأَعِذْنَا مِنْ طَرْدِكَ وَإِبْعَادِكَ وَاجْعَلْنَا مِنْ أَخَصِّ عَارِفِيْكَ وَأَصْلَحِ عِبَادِكَ وَأَصْدَقِ طَائِعِيْكَ وَأَخْلَصِ عُبَّادِكَ يَا عَظِيْمُ يَا جَلِيْلُ يَا كَرِيْمُ يَا مُنِيْلُ بِرَحْمَتِكَ وَمَنِّكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ۞

کے ذریعہ غیب کے راستوں میں [1] (گزر کر)۔ اور کس قدر پسندیدہ ہے تیری محبت کا مزہ اور کتنا شیریں ہے تیرے وصال (تقرب) کا شربت۔ پس ہمیں اپنے دھکیلنے اور دُتکارنے سے پناہ میں رکھ اور ہم کو اپنے مخصوص ترین شناساؤں اور صالح ترین بندوں اور مخلص ترین فرمانبردار اور خالص ترین عبادت گزاروں میں قرار دے۔ اے صاحب عظمت! اے صاحب جلالت۔ اے صاحب کرم اور اے صاحب عطا۔ اپنی رحمت اور احسان کے صدقہ میں، اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

## اَلثَّالِثُ عَشَرَ - مُنَاجَاتُ الذَّاكِرِيْنَ

### تیرھویں مناجات۔ ذکر کرنے والوں کی دُعا

إِلٰهِيْ لَوْلَا الْوَاجِبُ مِنْ قَبُوْلِ أَمْرِكَ لَنَزَّهْتُكَ مِنْ ذِكْرِيْ إِيَّاكَ عَلَى أَنَّ ذِكْرِيْ لَكَ بِقَدْرِيْ لَا بِقَدْرِكَ وَمَا عَسَى أَنْ يَبْلُغَ مِقْدَارِيْ حَتّٰى أُجْعَلَ مَحَلًّا لِتَقْدِيْسِكَ وَمِنْ أَعْظَمِ النِّعَمِ عَلَيْنَا جَرَيَانُ ذِكْرِكَ عَلَى أَلْسِنَتِنَا وَإِذْنُكَ لَنَا بِدُعَائِكَ وَ

اے میرے معبود! اگر تیرے حکم کو قبول کرنا واجب نہ ہوتا تو میں تجھ کو اپنی یاد [2] سے دور رکھتا [3] لیکن [4] یہ کہ میرا تجھ کو یاد کرنا میری حیثیت کے مطابق ہے نہ کہ تیری حیثیت کے مطابق اور یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ میرا اندازہ یہاں تک پہنچے کہ میں تیری پاکیزگی کا مرتبہ معین کروں اور بڑی نعمتوں میں سے جو کہ ہم پر [5] ہیں، ہماری زبانوں پر تیرے ذکر کا جاری ہونا اور تیرا ہم کو اپنے پکارنے اور تیری

---

[1] اس جملہ سے اس امر کی جانب اشارہ مقصود ہے کہ الہامی خیالات دل میں آنے کے بعد اہل اللہ کا حس باطنی غیب کی منزلوں میں محسوسات کی طرح گزرتا ہے اور عالم آخرت کی پائداری اور دوامی لذتوں کا احساس کر کے انسان کو اللہ کی طرف بڑھاتا ہے۔

[2] ذِکر، یاد۔ زبان پر جاری کرنا یا دل میں گزارنا۔

[3] نَزَّهْتُكَ تجھ کو بری بات سے دور کرنا مطلب یہ ہے کہ اپنی زبان پر یا اپنے دل میں جو کہ دنیا میں بہرحال آلودہ ہے تیرے مقدس ذکر کو جو کہ میرے دل یا زبان پر جاری ہونے سے بالاتر ہے جگہ دے کر سوء ادب کا مرتکب نہ ہوتا مگر کیا کروں تیرے حکم سے مجبور ہے کیونکہ تو نے اپنے ذکر کا حکم دیا ہے (جس کا تذکرہ دعا کے بعد والے کلمات میں ہے)۔

[4] عَلٰی اَنْ کا ترجمہ جو کہ اس جگہ استدراک کے معنی میں آیا ہے۔ [5] یعنی جو کہ تو نے ہمیں عطا کی ہیں۔

تَنْزِيهِكَ وَتَسْبِيحِكَ اِلٰهِيْ فَاَلْهِمْنَا ذِكْرَكَ
فِي الْخَلَاءِ وَالْمَلَاءِ وَاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَ
الْاِعْلَانِ وَالْاِسْرَارِ وَفِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ
وَاٰنِسْنَا بِالذِّكْرِ الْخَفِيِّ وَاسْتَعْمِلْنَا بِالْعَمَلِ
الزَّكِيِّ وَالسَّعْيِ الْمَرْضِيِّ وَجَازِنَا بِالْمِيْزَانِ
الْوَفِيِّ۔ اِلٰهِيْ بِكَ هَامَتِ الْقُلُوْبُ الْوَالِهَةُ
وَعَلٰى مَعْرِفَتِكَ جُمِعَتِ الْعُقُوْلُ الْمُتَبَايِنَةُ
فَلَا تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اِلَّا بِذِكْرِكَ وَلَا
تَسْكُنُ النُّفُوْسُ اِلَّا عِنْدَ رُؤْيَاكَ اَنْتَ
الْمُسَبَّحُ فِيْ كُلِّ مَكَانٍ وَالْمَعْبُوْدُ فِيْ كُلِّ
زَمَانٍ وَالْمَوْجُوْدُ فِيْ كُلِّ اَوَانٍ وَالْمَدْعُوُّ

پاکیزگی اور بزرگی کو بیان کرنے کی اجازت دیتا ہے[1]۔ اے میرے معبود!
پس[2] ہمارے دلوں میں ڈال دے اپنا ذکر خلوت[3] اور جلوت میں۔
اور رات اور دن میں آشکارا[4] اور پوشیدہ[5] طور پر اور آسائش میں
اور پریشانی میں۔ اور ہم کو مخفی یاد[6] سے مانوس کر دے اور ہمیں
پاکیزہ عمل اور پسندیدہ کوشش کے کام[7] میں لا اور صلہ[8] دے ہم کو پوری
تول[9] کے ساتھ۔ اے میرے معبود! حیران[10] دل تیرے عاشق ہو گئے
ہیں اور مختلف (اور متضاد) عقلیں تیری معرفت پر متفق ہیں۔ پس قلوب
سوائے تیرے ذکر کے (اور کسی بات سے) مطمئن نہیں ہوتے اور نفس
سوائے تیرے دیدار کے (اور کسی شے سے) سکون نہیں پاتے۔ تیری
ہر جگہ تسبیح کی جاتی ہے اور تو ہر زمانے میں مستحق عبادت[11] سمجھا گیا ہے
اور تو ہر وقت[12] میں موجود ہے اور ہر زبان[13] سے پکارا گیا ہے

---

۱ یعنی یہ دو نعمتیں تیری بڑی نعمتوں میں سے ہیں کہ تو نے ہمیں اپنے پکارنے کی اور اپنی پاکیزگی و بزرگی بیان کرنے کی اجازت دی ہے۔

۲ یعنی جبکہ ایسا ہے تو پھر۔

۳ تنہائی میں اور اجتماع میں یعنی خلوت و جلوت میں۔

۴ یعنی زبان سے۔

۵ یعنی دل ہی دل میں۔

۶ یعنی دل میں اس بات کا انس پیدا کر دے کہ ہم ہر وقت تجھ سے لو لگائے رہیں اور جب زبان سے نام نہ لیں تب بھی تیرا دھیان رہے۔

۷ یعنی اس بات کی توفیق دے کہ ہم اچھے عمل بجا لائیں اور ایسی کوشش کریں جو ممدوح ہو یعنی تیرا تقرب حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہیں۔

۸ جَازِ، صلہ دے، بدلہ عطا کر۔

۹ ظاہر ہے کہ بندہ جو عمل توفیق الٰہی شامل حال ہونے کے بعد بجا لائے گا وہ اس طرح مقبول ہوگا جو قبولیت کا حق ہے اور ایسی صورت میں اس عمل کا صلہ اتنا کثیر ہوگا جس کا اندازہ بیان سے باہر ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر دعا کے مذکورہ بالا جملوں میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اگر ایک عمل بھی مقبول ہو جائے تو اس کا پورا صلہ اس قدر زیادہ ہوگا جو انسان کی مغفرت اور حرص ثواب کی تسکین کے لیے کافی ہے۔

۱۰ وہ دل جن پر تجلیات کے دیکھنے سے حیرت محمودہ طاری ہو چکی ہے۔

۱۱ المعبود، جس کی عبادت کی جائے۔ یہاں جسے مستحق عبادت سمجھا جائے مراد ہے۔

۱۲ ماضی، مستقبل و حال میں۔ [13] ہر شکل میں دوست دشمن سب پکارتے ہیں، یا یہ کہ ہر ذرہ کی زبان تیری تسبیح میں مصروف رہتی ہے۔

بِكُلِّ لِسَانٍ وَالْمُعَظَّمُ فِي كُلِّ جَنَانٍ وَ أَسْتَغْفِرُكَ مِنْ كُلِّ لَذَّةٍ بِغَيْرِ ذِكْرِكَ وَ مِنْ كُلِّ رَاحَةٍ بِغَيْرِ أُنْسِكَ وَمِنْ كُلِّ سُرُورٍ بِغَيْرِ قُرْبِكَ وَمِنْ كُلِّ شُغْلٍ بِغَيْرِ طَاعَتِكَ إِلٰهِي أَنْتَ قُلْتَ وَ قَوْلُكَ الْحَقُّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَ سَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَ أَصِيلًا وَقُلْتَ وَ قَوْلُكَ الْحَقُّ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ فَأَمَرْتَنَا بِذِكْرِكَ وَ وَعَدْتَنَا عَلَيْهِ أَنْ تَذْكُرَنَا تَشْرِيفًا لَنَا وَ تَفْخِيمًا وَ إِعْظَامًا وَهَا نَحْنُ ذَاكِرُوكَ كَمَا أَمَرْتَنَا فَأَنْجِزْ لَنَا مَا وَعَدْتَنَا يَا ذَاكِرَ الذَّاكِرِينَ وَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ

اور ہر دل میں صاحب عظمت ہے۔ اور میں معافی چاہتا ہوں تجھ سے ہر اس لذت سے جو تیرے ذکر کے علاوہ ہو اور ہر اس راحت سے جو تیرے انس کے ماسوا ہو اور ہر اس خوشی سے جو تیرے قرب کے علاوہ ہو اور ہر اس مشغلہ سے جو تیری عبادت کا غیر ہو۔ اے میرے معبود! تو نے فرمایا ہے اور تیرا فرمانا حق ہے "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کو بہت بہت[1] یاد کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح کرو۔" نیز تو[2] نے فرمایا ہے اور تیرا فرمانا درست ہے "تم مجھے یاد کرو تو میں تمھیں یاد رکھوں گا۔" اس سے[3] ظاہر ہے کہ تو نے ہمیں اپنی یاد کا حکم دیا اور اس پر ہم سے یہ وعدہ کیا کہ تو ہمیں یاد رکھے گا، ہمارا شرف بڑھانے اور ہماری عظمت و جلالت دکھلانے[4] کے لیے۔ اور ہاں اب ہم تیرا ذکر (اس طرح) کر رہے ہیں جس طرح کہ تو نے ہم کو حکم دیا ہے پس پورا کر تو ہمارے لیے اس وعدے کو جو تو نے کیا ہے۔ اے یاد کرنے والوں کو یاد رکھنے والے اور اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

## الرابع عشر: مناجاة المعتصمين[5]

چودھویں مناجات ۔ پناہ میں[5] آنے والوں کی دُعا

اللّٰهُمَّ يَا مَلَاذَ اللَّائِذِينَ وَ يَا مَعَاذَ

اے معبود! اے حفاظت چاہنے والوں کی حفاظت گاہ!

---

[1] "اذکروا اللہ ذکرا" کے لفظی معنی ہیں "اللہ کو بہت یاد کرو" اور جب اس کے ساتھ "کثیرا" بڑھا دیا گیا تو اس سے مزید زور پیدا ہو گیا۔ ترجمہ میں اسی لیے "بہت بہت" کا لفظ تکرار کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

[2] وَ کا ترجمہ ہے۔

[3] ف کا مفہوم۔

[4] یعنی ہمیں یاد رکھنے کا وعدہ صرف اس غرض سے کیا ہے کہ اس سے ہمارا شرف بڑھ جائے اور ہماری وہ عظمت و جلالت ظاہر ہو جائے جو ذکر الٰہی کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

[5] خدائے تعالیٰ کی پناہ میں آنے والے اور اس کی پناہ میں جانے کے خواہشمند مراد ہیں۔

الْعَائِذِيْنَ وَيَا مُنْجِيَ الْهَالِكِيْنَ وَيَا
عَاصِمَ الْبَائِسِيْنَ الْمُسْتَكِيْنِ وَيَا رَاحِمَ
الْمَسَاكِيْنَ وَيَا مُجِيْبَ الْمُضْطَرِّيْنَ وَيَا
كَنْزَ الْمُفْتَقِرِيْنَ وَيَا جَابِرَ الْمُتَكَسِّرِيْنَ
وَيَا مَاوَى الْمُنْقَطِعِيْنَ وَيَا نَاصِرَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ
وَيَا مُجِيْرَ الْخَائِفِيْنَ وَيَا مُغِيْثَ الْمَكْرُوْبِيْنَ
وَيَا حِصْنَ اللَّاجِيْنَ اِنْ لَمْ اَعُذْ بِعِزَّتِكَ
فَبِمَنْ اَعُوْذُ وَاِنْ لَمْ اَلُذْ بِقُدْرَتِكَ
فَبِمَنْ اَلُوْذُ وَقَدْ اَلْجَأَتْنِيَ الذُّنُوْبُ
اِلَى التَّشَبُّثِ بِاَذْيَالِ عَفْوِكَ وَاَحْوَجَتْنِيَ
الْخَطَايَا اِلَى اسْتِفْتَاحِ اَبْوَابِ صَفْحِكَ
وَدَعَتْنِيَ الْاِسَاءَةُ اِلَى الْاِنَاخَةِ بِفِنَاءِ
عِزِّكَ وَحَمَلَتْنِيَ الْمَخَافَةُ مِنْ نِقْمَتِكَ
عَلَى التَّمَسُّكِ بِعُرْوَةِ عَطْفِكَ وَمَا

اور اے پناہ ڈھونڈھنے والوں کے پناہ دینے والے! اور اے ہلاک[1] ہونے والوں کو نجات[2] دینے والے! اور اے عاجز[3] و مجبور محتاجوں کے محافظ! اور اے مسکینوں پر رحم کرنے والے! اور اے مجبوروں کی سننے[4] والے! اور اے محتاجوں کے خزانے! اور اے شکستہ حالوں کی اصلاح کرنے والے! اور اے بے[5] سہارا (انسانوں) کے ملجا و ماوئی[6]! اور اے کمزوروں کے مددگار! اور اے ڈرنے والوں کو پناہ میں لینے والے! اور اے غم زدوں کے فریادرس! اور اے پناہ طلب کرنے والوں کے قلعہ! اگر میں تیری قوت[7] اور طاقت کی پناہ نہ ڈھونڈوں تو کس کی پناہ میں جاؤں اور اگر میں تیری قدرت سے پناہ نہ چاہوں[8] تو کس سے پناہ طلب کروں جبکہ یقیناً مجبور[9] کر دیا ہے مجھ کو گناہوں نے تیرے عفو کے دامنوں سے وابستگی کی جانب۔ اور محتاج بنا دیا ہے مجھ کو خطاؤں نے تیری درگزر کے دروازے کھلوانے[10] کی طرف اور دعوت دی ہے مجھ کو (میری) بدعملی نے تیری باعزت درگاہ میں ٹھہرنے[11] کی اور تیری سزا کے خوف

---

[1] گناہوں میں مبتلا رہ کر مقصد حیات فوت کرنے والے لوگ جو زندہ رہنے کے باوجود مردہ سے بدتر ہیں۔

[2] یعنی ان لوگوں کی توبہ بھی قبول کرنے والے جنھوں نے اپنی زندگی نافرمانیوں میں گزاری اور جو بہت بڑے گناہگار ہیں۔

[3] المستکین عاجز اور مجبور۔

[4] المجیب جواب دینے والا۔ قبول کرنے والا۔ مراد سننے والا۔

[5] المنقطعین، وہ لوگ جن کے تمام سہارے منقطع ہو چکے ہوں اور خدائے تعالیٰ کے علاوہ ان کا کوئی یار و مددگار نہ ہو۔

[6] جائے پناہ۔ وارث و والی۔

[7] بعزتک، میں عزت کے معنی غلبہ اور قوت و طاقت کے ہیں۔

[8] یعنی یہ نہ چاہوں کہ تیری قدرت مجھے اپنی پناہ میں لے لے۔

[9] اَلجأتنی، مجھ کو مجبور و مضطر کر دیا ہے (المنجد)

[10] جو توبہ و استغفار اور دعا کے ذریعہ کھلتے ہیں۔

[11] الاناخۃ مسافر کا اونٹ کو بٹھانا۔ مراد ٹھہرنا۔ اترنا۔ مہمان ہونا۔

حَقٌّ مَنِ اعْتَصَمَ بِحَبْلِكَ اَنْ يُخْذَلَ وَلَا يَلِيْقُ لِمَنِ اسْتَجَارَ بِعِزِّكَ اَنْ يُسْلَمَ اَوْ يُهْمَلَ اِلٰهِيْ فَلَا تُخْلِنَا مِنْ حِمَايَتِكَ وَلَا تُعْرِنَا مِنْ رِعَايَتِكَ وَذُدْنَا عَنْ مَوَارِدِ الْهَلَكَةِ فَاِنَّا بِعَيْنِكَ وَفِيْ كَنَفِكَ وَلَكَ اَسْئَلُكَ بِاَهْلِ خَاصَّتِكَ مِنْ مَلٰئِكَتِكَ وَالصَّالِحِيْنَ مِنْ بَرِيَّتِكَ اَنْ تَجْعَلَ عَلَيْنَا وَاقِيَةً تُنْجِيْنَا مِنَ الْهَلَكَاتِ وَتُجَنِّبُنَا مِنَ الْاٰفَاتِ وَتُكِنُّنَا مِنْ دَوَاهِي الْمُصِيْبَاتِ وَاَنْ تُنْزِلَ عَلَيْنَا مِنْ سَكِيْنَتِكَ وَاَنْ تَغْشٰى وُجُوْهَنَا بِاَنْوَارِ مَحَبَّتِكَ وَاَنْ تُؤْوِيَنَا اِلٰى شَدِيْدِ رُكْنِكَ وَاَنْ تَحْوِيَنَا فِيْ اَكْنَافِ عِصْمَتِكَ بِرَاْفَتِكَ وَرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ

نے مجھ کو تیری مہربانی کے حلقہ سے وابستہ رہنے پر آمادہ کیا ہے اور نہیں مستحق ہے وہ شخص جو تیری رسی کو تھامے، اس بات کا، کہ اسے بے یار چھوڑ دیا جائے اور نہیں سزاوار ہے وہ شخص جو تیری عزت کی پناہ میں آئے اس امر کا کہ اسے خوار کیا جائے یا چھوڑ دیا جائے۔ اے میرے معبود! پس تو ہمیں اپنی حمایت سے اور ہم کو اپنی نگہبانی سے محروم نہ کر اور ہمیں ہلاکت[1] کے گھاٹوں سے ہٹائے رکھ پس ہم تیری نگہبانی اور تیری پناہ میں ہیں۔ اور تیرے[2] لیے ہیں۔ سوال کرتا ہوں میں تجھ سے، تیرے مخصوص ملائکہ اور تیری صالح مخلوق کا واسطہ دے کر، یہ کہ تو ہم پر ایک ایسی نگرانی کرنے[3] والی (ہدایت) معین کر دے جو ہمیں ہلاکتوں[4] سے نجات دلائے آفتوں سے بچائے اور سخت مصیبتوں[5] سے ہمیں مخفی رکھے اور یہ (سوال کرتا ہوں) کہ تو ہم پر اپنا سکون[6] نازل فرما اور یہ کہ تو ہمارے چہروں کو اپنی محبت کے جلووں سے ڈھانپ لے اور یہ کہ تو ہمیں اپنی سخت قوت اور غلبہ میں پناہ دے اور یہ کہ تو ہم کو اپنی حفاظت کے سایہ میں اتار۔ واسطہ تجھ کو اپنی مہربانی اور رحمت کا! اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔

---

[1] گناہان کبیرہ جو کہ انسان کو اس کا مقصد حیات (یعنی معرفت و عبادت) فوت ہو جانے کے باعث زندگی ہی میں مردہ بنا دیتے ہیں۔

[2] یعنی ہماری بازگشت تیری ہی طرف ہوگی۔

[3] واقیۃ کے لغوی معنی ہیں بچانے والی بطور مجاز مرسل ہدایت مراد ہے جس میں وہ سب صفات پائی جاتی ہیں جو بعد میں مذکور ہیں۔

[4] گناہان کبیرہ کے پنجہ میں نہ پھنسنے دے۔

[5] آفات اور سخت مصیبتوں سے بھی گناہ مراد ہیں جو در حقیقت انسان کے لیے بڑی آفت اور عظیم مصیبت ہیں۔

[6] یعنی اپنی رحمت سے یا اپنی جانب سے سکون عطا کر۔

# اَلْخَامِسُ عَشَرَ مُنَاجَاتُ الزَّاهِدِيْنَ

## پندرھویں مناجات ۔ زاہدوں کی دُعا

اِلٰهِیْ اَسْكَنْتَنَا دَارًا حَفَرَتْ حُفَرَ مَكْرِهَا وَ عَلَّقَتْنَا بِاَيْدِی الْمَنَايَا فِیْ حَبَائِلِ غَدْرِهَا فَاِلَيْكَ نَلْتَجِئُ مِنْ مَكَائِدِ خُدَعِهَا وَبِكَ نَعْتَصِمُ مِنَ الْاِغْتِرَارِ بِزَخَارِفِ زِيْنَتِهَا فَاِنَّهَا الْمُهْلِكَةُ طُلَّابَهَا الْمُتْلِفَةُ حُلَّالَهَا الْمَحْشُوَّةُ بِالْاٰفَاتِ الْمَشْحُوْنَةُ بِالنَّكَبَاتِ اِلٰهِیْ فَزَهِّدْنَا فِيْهَا وَ سَلِّمْنَا مِنْهَا بِتَوْفِيْقِكَ وَعِصْمَتِكَ وَانْزِعْ عَنَّا جَلَابِيْبَ مُخَالَفَتِكَ وَتَوَلَّ اُمُوْرَنَا بِحُسْنِ كِفَايَتِكَ وَ اَوْفِرْ مَزِيْدَنَا مِنْ سَعَةِ رَحْمَتِكَ وَ اَجْمِلْ صِلَاتِنَا مِنْ فَيْضِ مَوَاهِبِكَ وَ اَغْرِسْ

اے میرے معبود! تو نے ہمیں ایسے گھر[1] میں ساکن کیا ہے جس میں تو نے[2] اس کی مکاریوں کے گڑھے کھود دیے ہیں اور لٹکا دیا ہے تو نے ہم کو جس کی بے وفائی کی رسیوں میں[3] قضا و قدر کے ہاتھوں سے۔ پس ہم تیری ہی جانب اس کے فریبوں کے پھندوں سے پناہ لیتے ہیں اور تیری ہی حفاظت میں آنا چاہتے ہیں اس کی آراستگی کی دلکشیوں کے دھوکے میں پڑ جانے سے۔ کیونکہ وہ (آراستگی) اپنے طالبین کو ہلاک[4] کرنے والی ہے اور اپنے مہمانوں[5] کو تلف کرنے والی ہے آفتوں سے بھری ہوئی ہے اور نحوستوں سے پُر ہے۔ اے میرے معبود! پس ہمیں اس میں زہد[6] و تقویٰ عنایت کر اور اپنی توفیق اور نگہبانی سے اس (زینتِ دنیا) سے محفوظ رکھ اور ہم سے اپنی نافرمانی کی چادریں اتار دے اور ہمارے امور میں اپنی جانب سے بہترین طور پر غنی[7] بنا کر سرپرستی فرما اور ہمارے لیے

---

۱ یعنی دنیا میں جو کہ دار الغرور ہے۔

۲ بندوں کے امتحان کے لیے۔

۳ ان الفاظ سے ظاہراً یہ وہم ہوتا ہے کہ انسان نعوذ باللہ فاعل مجبور ہے مگر درحقیقت جملہ کا مفہوم یہ نہیں ہے۔ مراد قائل یہ ہے کہ قضائے الٰہی نے انسان کو دنیا کی مکاریوں اور بیوفائیوں کی رسیوں میں معلق کر دیا ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اس میں ان رسیوں کو تڑانے کی طاقت نہیں ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان نفسانی خواہشوں اور دنیا کی لذتوں کے حلقے میں گھرا ہونے کے باوجود اس بات پر پوری قدرت رکھتا ہے کہ جس کو چاہے اختیار کرے جس سے چاہے اجتناب کرے۔

۴ گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا کر دیتی ہے جو کہ موت اور ہلاکت کے مرادف ہے۔

۵ حُلّال۔ اترنے والے یعنی مہمان۔

۶ یعنی ایسی توفیق دے کہ ہم اس سے بچے رہیں۔

۷ بکفایۃ، غنی بنا دینا اور احتیاج کو رفع کرنا۔

فِيْ اَفْئِدَتِنَا اَشْجَارَ مَحَبَّتِكَ وَاَتْمِمْ
لَنَا اَنْوَارَ مَعْرِفَتِكَ وَاَذِقْنَا
حَلَاوَةَ عَفْوِكَ وَلَذَّةَ مَغْفِرَتِكَ
وَاَقْرِرْ اَعْيُنَنَا يَوْمَ لِقَائِكَ بِرُؤْيَتِكَ
وَاَخْرِجْ حُبَّ الدُّنْيَا مِنْ قُلُوْبِنَا كَمَا
فَعَلْتَ بِالصَّالِحِيْنَ مِنْ صَفْوَتِكَ
وَالْاَبْرَارِ مِنْ خَاصَّتِكَ بِرَحْمَتِكَ يَا
اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ وَيَا اَكْرَمَ
الْاَكْرَمِيْنَ

۵

مزید[1] اضافہ کر اپنی وسیع رحمت سے۔ اور اپنی عطاؤں کے فیض سے ہم کو ثوابِ جمیل عطا کر۔ اور ہمارے دلوں میں اپنی محبت کے درخت بو دے۔ اور ہمارے لیے اپنی معرفت[2] کے جلوے تمام کر دے اور ہمیں اپنی معافی کی مٹھاس اور اپنی بخشش کا مزہ چکھا دے اور اپنی ملاقات[3] کے دن ہماری آنکھوں کو اپنی تجلیات[4] سے ٹھنڈا کر اور ہمارے دلوں سے دنیا کی محبت نکال دے جیسا کہ تو نے اپنے چُنے ہوئے صالح بندوں اور اپنے مخصوص نیکوکاروں کے ساتھ کیا ہے۔ تجھے اپنی رحمت کا واسطہ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے۔ اور اے سب کرم کرنے والوں سے زیادہ کرم کرنے والے۔

(کتبہ:- محمد عباس صدیقی نسخ رقم محلہ داراب خاں وزیرآباد)

---

[1] یعنی ہمارے امور میں محض رفع احتیاج پر اکتفا نہ کر بلکہ اپنی رحمت سے مزید اضافہ کر۔

[2] یعنی ہمیں اتنی معرفت حاصل ہو جائے جتنی کہ ایک انسان کو ہو سکتی ہے اور جس کے بعد مزید معرفت کی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔

[3] یعنی حساب و کتاب کے دن جبکہ تمام انسان دربار ایزدی میں حاضر ہوں گے۔

[4] رؤیت سے تجلیات الٰہی کا نظر آنا مراد ہے۔
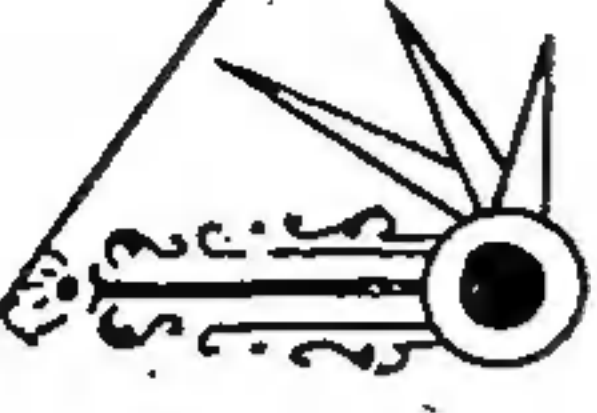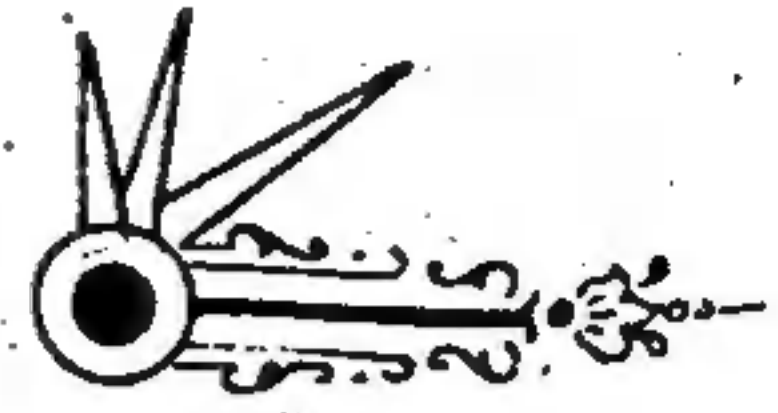
# نماز شب

زیرِ نظر صحیفہ کے صفحہ ۲۴۲ پر امام زین العابدینؑ کی ایک دُعا نقل کی گئی ہے جسے آپ نمازِ شب ادا کرنے کے بعد پڑھا کرتے تھے
—— مذکورہ بالا دُعا کے قارئین کی سہولت کے پیشِ نظر ذیل میں نمازِ شب اور اس کے فضائل مختصراً درج کیے جاتے ہیں:۔

**فضائل نمازِ شب** امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کے حوالہ سے امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ نمازِ شب کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہ نماز جناب رسالتمآب صلعم پڑھا کرتے تھے اور حضورؐ نے اس نافلہ کے ادا کرنے کی خصوصی طور پر تاکید فرمائی ہے —— کیونکہ اس نماز کی برکت سے رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ رنج و غم سے نجات ملتی ہے آنکھوں کا نور بڑھتا ہے۔ بیماری دُور ہوتی ہے اور خدائے تعالیٰ غیب سے کوئی ایسی نعمت عطا کرتا ہے، جس کا پہلے سے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

صادق آلِ محمدؐ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص نمازِ شب کے لیے اٹھتا ہے تو فرشتے اس کے حق میں دُعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو وہ عمل بجا لا رہا ہے جو پیغمبر اور صدیق بجا لاتے تھے۔

**وقت** یہ نماز نصف شب کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے قبل بھی پڑھ لے اور پھر فوراً سو جائے تو درست ہے۔

**ارکان وغیرہ** نمازِ شب گیارہ رکعات پر مشتمل ہے جن میں ابتدائی آٹھ رکعتیں، دو دو رکعت کر کے "نافلۂ شب" کی نیت سے —— دو رکعتیں "نمازِ شفع" کی نیت سے —— اور آخر کی ایک رکعت "نمازِ وتر" کی نیت سے پڑھتے ہیں۔

نافلۂ شب کی پہلی رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ قل ہو اللہ۔ دوسری رکعت میں الحمد کے بعد سورۂ قل یا ایہا الکافرون اور باقی چھ رکعتوں میں الحمد کے بعد کوئی سورہ جو یاد ہو، پڑھا جاتا ہے۔ آٹھویں رکعت کا سلام پھیرنے کے بعد تسبیح فاطمہ کا ورد کرتے ہیں۔

نمازِ شفع کی دونوں رکعتوں میں الحمد کے بعد سورۂ قل ہو اللہ پڑھتے ہیں۔ پھر تسبیح فاطمہ کے بعد یہ دعا پڑھتے ہیں:۔

اِلٰهِیْ تَعَرَّضَ لَکَ فِیْ هٰذَا اللَّیْلِ الْمُتَعَرِّضُوْنَ وَ قَصَدَکَ فِیْهِ الْقَاصِدُوْنَ وَ اَمَّلَ فَضْلَکَ وَ مَعْرُوْفَکَ الطَّالِبُوْنَ وَلَکَ فِیْ هٰذَا اللَّیْلِ نَفَحَاتٌ وَجَوَائِزُ وَعَطَایَا وَ مَوَاهِبُ تَمُنُّ بِهَا عَلٰی مَنْ تَشَاۤءُ مِنْ عِبَادِکَ وَتَمْنَعُهَا مَنْ لَمْ تَسْبِقْ لَهُ الْعِنَایَةُ مِنْکَ وَهَا اَنَا ذَا عَبْدُکَ الْفَقِیْرُ اِلَیْکَ الْمُؤَمِّلُ فَضْلَکَ وَ مَعْرُوْفَکَ فَاِنْ کُنْتَ یَا مَوْلَایَ تَفَضَّلْتَ فِیْ هٰذِهِ اللَّیْلَةِ عَلٰی اَحَدٍ مِنْ خَلْقِکَ وَعُدْتَ عَلَیْهِ بِعَائِدَةٍ مِنْ عَطْفِکَ فَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاهِرِیْنَ الْخَیِّرِیْنَ الْفَاضِلِیْنَ وَجُدْ عَلَیَّ بِطَوْلِکَ وَمَعْرُوْفِکَ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ وَ صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی مُحَمَّدٍ

خَاتِمِ النَّبِيِّينَ وَآلِهِ الطَّاهِرِينَ الَّذِينَ اَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَ طَهَّرَهُمْ تَطْهِيرًا اِنَّ اللّٰهَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ٥ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُكَ كَمَا اَمَرْتَ فَاسْتَجِبْ لِيْ كَمَا وَعَدْتَ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ٥

نماز وتر میں اَلْحَمْد کے بعد تین مرتبہ سورۂ اخلاص (قل ھو اللہ) اور ایک ایک بار سورۃ الفلق (قل اعوذ برب الفلق) اور سورۃ الناس (قل اعوذ برب الناس) پڑھا جاتا ہے۔ اس کے بعد قنوت میں یہ دُعا پڑھتے ہیں۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبِّ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا فِيْهِنَّ وَمَا بَيْنَهُنَّ وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پھر (حالت قنوت ہی میں) سو مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ رَبِّيْ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ ٥ پھر سات مرتبہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ بِجَمِيْعِ ظُلْمِيْ وَجُرْمِيْ وَاِسْرَافِيْ عَلٰى نَفْسِيْ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ ٥ پھر ایک مرتبہ رَبِّ اَسَأْتُ وَظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَبِئْسَ مَا صَنَعْتُ وَهٰذِهٖ يَدَايَ يَا رَبِّ جَزَآءً بِمَا كَسَبَتْ وَهٰذِهٖ رَقَبَتِيْ خَاضِعَةً لِمَا اَتَيْتُهَا اَنَا ذَا بَيْنَ يَدَيْكَ فَخُذْ لِنَفْسِكَ مِنْ نَفْسِيَ الرِّضَا حَتّٰى تَرْضٰى لَكَ الْعُتْبٰى لَا اَعُوْدُ ٥ پھر تین سو بار اَلْعَفْوَ۔ پھر ایک بار رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ٥ پڑھنا چاہیئے۔ پھر سب سے آخر میں (حالت قنوت ہی میں) چالیس مومنوں کے لئے ان الفاظ میں دعا کرے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِفُلَانٍ[۱] وَ فُلَانٍ ٥ اس ذکر کے دوران اتنا رجوعِ قلب ہونا چاہیئے کہ آنکھوں میں آنسو بھر بھر آئیں۔ پھر رکوع و سجود و تشہد کے بعد سلام پھیر دے۔ یہاں پر نماز شب ختم ہوجاتی ہے۔

حضرت امام زین العابدین یہ نماز ادا کر کے اعتراف معاصی میں صفحہ ۱۴۲ کی دعا پڑھا کرتے تھے۔

---

[۱] فلاں و فلاں کی جگہ مومنوں کے نام لینا چاہئیں۔

---

تمت بالخیر

ملنے کا پتہ

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز۔ ادبی مارکیٹ چوک انار کلی۔ لاہور

# صحیفۂ کاملہ

یعنی

## زبورِ آلِ محمدؐ

اُردو ترجمہ ــــــ مُفید حواشی
مفصل مُقدمہ ــــــ سیر حاصل تذکرہ

چند ادعیہ جو آج تک شائع نہ ہو سکیں

ترتیب۔ ترجمہ۔ حواشی

سید قائم رضا نسیم امروہوی